تحقیق و تخریج سے مزین، جدید ایڈیشن

منہاج المسلم

تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق قرآن و سُنّت کی تعلیمات

فضیلۃ الشیخ ابوبکر جابر الجزائری

دار السلام
DARUSSALAM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یامادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یادیگرمادی مقاصد کے لیے استعمال کرنااخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

مِنہاج المُسلم

www.KitaboSunnat.com

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

- الریاض۔ العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945
- الملز فون: 4735220 01
- سویلم فون: 2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695
- قصیم (بریدہ): فون/فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948
- مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121
  موبائل: 0504296740
- جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270
- الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
- ینبع البحر فون/فیکس: 3908027 04
- خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ ہوسٹن: 7220419 713 001 • نیویارک: 6255925 718 001

لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 37232400-37240024-37324034 42 0092 فیکس: 37354072 موبائل: 0322-8484569
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

- غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 37120054 فیکس: 37320703 موبائل: 0321-4439150
- مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن فون: 37846714 موبائل: 0321-4156390
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 35692610 موبائل: 0321-4212174

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد
فون/فیکس: 2281513 موبائل: 0321-5370378

کراچی مین طارق روڈ (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے
(بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی
فون: 34393936 فیکس: 34393937 موبائل: 0321-2441843

منہاج المسلم

تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق قرآن وسنت کی تعلیمات

DARUSSALAM
دار السلام

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

مضامین

عرضِ ناشر

ہمارا مقدس رب وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہمارے رہبر اعظم محمد ﷺ رحمت للعالمین ہیں اور خود ہم بلحاظِ منصب خیر الامم ہیں۔ ایسا بے مثل اور عظیم الشان اعزاز مسلمانوں کے علاوہ کسی اور مِلّت کے حصے میں نہیں آیا۔اس کے باوجود آج مسلمان دنیا بھر میں جس خواری، زبوں حالی، اور ذلت و ہلاکت سے دوچار ہیں وہ ایک دلدوز سانحہ ہے۔سوچنے کی بات ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس سوال کا واحد جواب یہ ہے کہ اسلام نے ہمیں توحید، تہذیبِ نفس، کیریکٹر کی بلندی اور علم و بصیرت کے جتنے سبق سکھائے تھے وہ سارے سبق ہم نے یکسر فراموش کر دیے۔ان اسباق کی بازخوانی اشد ضروری ہے۔

اسلام اٹل سچائیوں کا عالمگیر دین ہے۔ اس کی دعوت یہ ہے کہ ہر انسان (1) اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اپنے دل و دماغ کو صرف اُسی کی جلوہ گاہ بنائے۔ (2) ہر فرد یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لے کہ ہر عمل کا دامن ایک مخصوص نتیجے سے بندھا ہوا ہے۔ اچھے عمل کا نتیجہ عزت اور کامیابی ہے۔ اور برے عمل کا نتیجہ ذلت اور نامرادی ہے۔ (3) انسان شتر بے مہار نہیں ہے۔ وہ مشاہدے کی موجودہ زندگی کے بعد موت کی سرحد عبور کر کے عالمِ غیب میں قدم رکھے گا تو حشر کے میدان میں اس کا ہر عمل پرکھا جائے گا۔ اچھے عمل کی جزا اور برے عمل کی سزا ضرور ملے گی۔ (4) اس لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ اپنے لیے فلاحِ دارین کی راہ ڈھونڈے۔ یہ راہ صرف اسلام ہی کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم ہے۔

الحمدللہ! دارالسلام اسلام کی سچی اور سیدھی راہ اُجاگر کرنے کے لیے شام و سحر کوشاں ہے اور اس مقدس مقصد کے لیے جدید پیمانے پر قرآن و سنت کی ٹھیٹ تعلیمات پر مبنی نہایت خوبصورت لٹریچر پیش کر رہا ہے۔ زیرِ نظر کتاب ''منہاج المسلم'' بھی اسی زریں سلسلے کی نہایت مستند اور مفصل پیش کش ہے۔ اس کتاب میں خیابانِ اسلام کے وہ تمام گلاب و لالہ یک جا کر دیے گئے ہیں جن کی جاں فزا مہک سے سرشار ہو کر صراطِ مستقیم کا سفر آسان ہی نہیں دلکش اور مسرت بخش بھی بن جاتا ہے۔ اس کتاب کے مؤلف سعودی عرب کے نامور عالمِ دین فضیلۃ الشیخ ابوبکر جابر الجزائری ﷫ ہیں۔ عربی میں ان کی اس عظیم نگارش کا اردو میں ترجمہ شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق الاثری ﷾ نے کیا ہے۔

آپ کو اس کتاب کے عنوانات ہی سے اندازہ ہو جائے گا کہ جلیل القدر مؤلف نے کامل دینی زندگی کے سبق سکھانے کے لیے کیسی لگن، محنت، اور باریک بینی سے کتنی جُزرسی اور تفصیلِ جمیل کے ساتھ قرآن و سنت کے کیسے کیسے ایمان پرور علوم برمحل جمع کر دیے ہیں۔ عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاشرتی معاملات، عائلی زندگی کا سلیقہ، نکاح و طلاق

کے مسائل، کن عورتوں سے نکاح ہوسکتا ہے اور کن سے نہیں ہوسکتا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب، نیت کی تصحیح، اللہ تعالیٰ کا ادب، رسالت مآب ﷺ کا ادب، حقوق العباد، الحب فی اللہ، والبغض فی اللہ، کھانے پینے کے آداب، صبر و تحمل اور اعتدال کی فضیلتیں، مہمان نوازی کے انداز، محاسبۂ نفس، ظلم، حسد، دھوکے، خود پسندی، سستی اور کاہلی کے نتائج، غرور کا انجام، توبہ، وضو اور غسل کے فرائض اور سنتیں، تیمم کی مشروعیت، محترم خواتین کے مخصوص صنفی مسائل اور احکام طہارت، نماز کی فضیلت و اہمیت، نماز قصر کے احکام، زکاۃ اور حج کے برکات، احکام جہاد، لقطہ اور لقیط کے معاملات، مکروہ اور مستحب امور کا فرق، پاکی اور ناپاکی کے حدود، ماتحتوں اور نوکروں سے حسن سلوک، تجہیز و تکفین کے مسنون طریقے، قبر کو پکا کرنے کی ممانعت، مرتد کی سزا، زندیق، جادوگر اور تارک نماز سے کیا سلوک کیا جائے، احکام تجارت، وراثت کے مسائل، قصاص و دیت کے امور اور عدل و انصاف کے تقاضے، غرضیکہ زندگی کا کوئی موڑ اور کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس کے لیے فاضلِ اجل مؤلف نے رہبری کی بھرپور روشنی مہیا نہ کی ہو۔ وہ بگاڑ اور سدھار کی کیفیات سے آگاہ ہیں۔ منفی محرکات کے سدباب کے طریقے خوب بتاتے ہیں۔ اور نیکی کے راستے روشن کرتے چلے جاتے ہیں۔

''منہاج المسلم'' کا زیرِ نظر ایڈیشن اپنے ظواہر کے اعتبار ہی سے نہیں، معنوی لحاظ سے بھی پچھلے ایڈیشنوں کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ خوبصورت، جاذبِ توجہ اور فیض رساں شکل اختیار کر گیا ہے۔ اب یہ کتاب جہازی سائز میں پیش کی جا رہی ہے۔ حسب معمول اس کتاب کی تیاری میں بھی دارالسلام لاہور کے مدیر عزیزی حافظ عبدالعظیم اسد کی رہنمائی متواتر سرگرمِ کار رہی۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالصمد رفیقی ﷾ (فاضل مدینہ یونیورسٹی) اور ادارے کے سینئر رکن محترم مفتی عبدالولی خان ﷾ نے پورے مسودے پر اول سے آخر تک بڑی عرق ریزی سے نظرثانی اور تصحیح و تنقیح کی۔ جبکہ تحقیق و تخریج کی اہم ترین ذمہ داری معروف محقق محترم حافظ زبیر علی زئی ﷾ نے سرانجام دی اور موصوف کی تحقیق و تخریج کے حوالے ادارے کے معزز رکن قاری عبدالرشید راشد ﷾ نے بڑی جانفشانی سے چیک کیے، جس سے جدید ایڈیشن کی طباعت و اشاعت نہایت تسلی بخش اور انتہائی معتبر ہو گئی ہے۔ ڈیزائننگ کی ذمہ داری زاہد سلیم چوہدری اور اسد علی نے خوب نبھائی، کمپوزنگ ابومصعب، محمد رمضان شاد اور ان کے ساتھیوں نے کی ہے۔ شعبہ فتح و متفرقات کے انچارج جناب حافظ محمد ندیم، پروفیسر منیر احمد رسولپوری، مولانا مشتاق احمد، مولانا عبدالرحمٰن اور مولانا ساجد الرحمٰن نے توجہ سے پروف پڑھے ہیں۔ یوں ان سب عزیزوں کی اجتماعی محنت کے نتیجے میں یہ حسین و جمیل کتاب آپ کے زیرِ مطالعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حسنِ عمل کی توفیق دے اور متذکرہ معاونین کرام کو سدا خوش رکھے!

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مینجنگ ڈائریکٹر دارالسلام الریاض، لاہور

اپریل 2010ء

عقائد

باب:1

اللہ تعالیٰ پر ایمان

یہ موضوع انتہائی اہم اور قدر و منزلت کا حامل ہے کیونکہ مسلمان کی زندگی کا دار و مدار اسی پر ہے اور اس کا سانچہ اسی کے مطابق ڈھلتا ہے، لہٰذا اسے ایک مسلمان کی زندگی میں ''اصل الاصول'' کی حیثیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کس طرح لایا جائے؟ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے بارے میں یقین کامل رکھتا ہے کہ وہ موجود ہے اور وہی آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا، ہر چیز کا رب اور مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی حقیقی معبود اور اس کے علاوہ کوئی پالنے والا نہیں ہے۔ وہ صاحبِ عظمت و جلال، جملہ صفاتِ کاملہ سے متصف اور ہر عیب و نقص سے مبرا ذات ہے۔ مسلمانوں کو یہ عقیدہ محض اللہ تعالیٰ کی ہدایت و توفیق اور پھر درج ذیل عقلی اور نقلی[1] دلائل ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔

قرآن وسنت سے دلائل (1) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی، مخلوق کی نشوونما اور اپنے اسماء و صفات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبٰرَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ۝﴾

''بے شک تمھارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، وہی دن کو رات سے ڈھانپتا ہے کہ وہ تیزی سے اس کے پیچھے (چلی آتی) ہے اور (اسی نے) سورج، چاند اور تارے پیدا کیے، ایسے طور پر کہ سب اسی کے حکم کے تابع ہیں، دیکھو (یہ سب) اسی کی تخلیق ہے اور حکم (بھی) اسی کا ہے۔ بڑی ہی برکتوں والا ہے اللہ جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔''[2]

اور جب وادیٔ طویٰ کے دائیں کنارے پر مبارک خطے میں درخت سے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو پکارا تو فرمایا:

[1] وہ دلائل جو کتاب و سنت اور صحابہ و تابعین کے آثار میں پائے جاتے ہیں، انھیں نقلی دلائل اس لیے کہا جاتا ہے کہ ہر دور کے اہل علم انھیں اپنی سندوں کے ساتھ نقل کرتے رہے ہیں۔ واللہ اعلم (ع،ر) [2] الأعراف 54:7.

﴿ يٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ''اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں، سارے جہانوں کا پروردگار۔''[1]

نیز فرمایا: ﴿ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ ﴾

''بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا میری عبادت کر اور میرے ذکر کے لیے نماز پڑھا کر۔''[2]

اپنی عظمت کا اظہار اور اپنے اسماء وصفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں، تمام چھپی اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا، وہی بہت رحم کرنے والا (اور) نہایت مہربان ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی (برحق) معبود نہیں، بادشاہ (حقیقی، عیبوں سے) پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، (سب پر) غالب، زبردست اور بڑائی والا ہے۔ اللہ ان سے پاک ہے جو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہی اللہ بنانے والا، پیدا کرنے والا اور صورتیں بنانے والا ہے، اسی کے نام سب سے اچھے ہیں، آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے اور وہ (سب پر) غالب اور حکمت والا ہے۔''[3]

اپنی تعریف میں فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾

''ساری تعریف اللہ کے لیے ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے، بہت رحم کرنے والا، نہایت مہربان (اور) جزا کے دن کا مالک ہے۔''[4]

مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڮ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾

''یقیناً یہ تمھاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں (تنہا) تمھارا رب ہوں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔''[5]

سورۂ مؤمنون میں فرمایا: ﴿ وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ ﴾ ''اور میں تمھارا پالنہار ہوں، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو۔''[6]

آسمانوں اور زمین میں اپنے ماسوا کسی دوسرے حقیقی رب یا معبود کے موجود ہونے کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ ﴾

''اگر ان (زمین و آسمان) میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی (سچے) معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے۔ سو اللہ، عرش کا رب ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (مشرک) بیان کرتے ہیں۔''[7]

[1] القصص 30:28. [2] طٰہٰ 14:20. [3] الحشر 59:22-24. [4] الفاتحۃ 1:2-4. [5] الأنبیآء 21:92. [6] المؤمنون 23:52. [7] الأنبیآء 21:22.

(2) تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل علیہم السلام نے اللہ کی ہستی اور ساری کائنات کے لیے اس کی ربوبیت کی خبر دی ہے کہ وہی ان کا خالق ہے اور اسی کا ان میں تصرف ہے۔ مزید ان انبیاء و رسل علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی بھی خبر دی ہے۔ اللہ جل جلالہ نے ہر نبی اور رسول کے پاس اپنا قاصد بھیجا یا اس سے ہم کلام ہوا یا اس کے دل میں القا کیا جس سے اسے اللہ تعالیٰ کے کلام اور وحی کا یقین ہوا۔

مخلوقات میں سے برگزیدہ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو، جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کی خبر دی ہے، جھٹلا دینا عقلاً محال ہے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ انھوں نے جھوٹ پر اتفاق کر لیا ہو یا بغیر تحقیق و علم اور بلا یقین و جزم ایک غیر محقق و غیر مستند بات کا اعلان کر دیا ہو، جبکہ انبیاء کا یہ گروہ پاکبازی، عقل و دانش اور سچائی میں تمام انسانوں سے فائق اور برتر ہے۔

(3) کروڑوں انسان اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں، جبکہ انسانی مزاج میں ہے کہ ایک یا دو آدمیوں کی خبر کا بھی اعتبار کر لیا جاتا ہے، علاوہ ازیں یہ جس ذات پر ایمان رکھتے، اس کی خبر دیتے، اس کی عبادت کرتے اور اس کا تقرب حاصل کرتے ہیں، عقل و فطرت بھی اس کی صحت کی گواہی دیتی ہے۔

(4) لاکھوں علماء نے بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات و اسماء اور ہر چیز کے لیے اس کی ربوبیتِ عامہ و قدرتِ کاملہ کا اعتراف کیا ہے اور اسی بنیاد پر اس کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں اور محبت و بغض کا معیار بھی اسی کو گردانتے ہیں۔

عقلی دلائل (1) کائنات میں مختلف جہانوں کا وجود، ان میں اختلاف و تنوع اور مخلوق کا کثیر تعداد میں ہونا، خالقِ حقیقی کا پتہ دیتا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ اس لیے کہ اس کے سوا کسی نے بھی ان کی تخلیق و ایجاد کا دعویٰ نہیں کیا۔ ان سب کا ازخود ہونا، بلکہ کسی بھی معمولی سی چیز کا موجد کے بغیر پایا جانا، عقلاً محال اور غیر دانشمندانہ بات ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کھانا، کسی پکانے والے کے بغیر ہی تیار ہو جائے اور کوئی بچھونا (دستر خوان وغیرہ) کسی بچھانے والے کے بغیر ہی زمین پر بچھ جائے۔ تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے بڑے جہان، آسمان، افلاک، سورج، چاند اور تارے جن کے حجم، مقدار اور باہمی فاصلے مختلف ہیں، ازخود پیدا ہو گئے ہوں؟ زمین اور زمینی مخلوق انسان، جن، حیوان، ان کے رنگ، زبان کا اختلاف، ادراک و فہم کا تفاوت اور ان کی خصوصی عادات و علامات کو دیکھیں اور مختلف رنگ و منفعت کی حامل زمینی معدنیات اور بہنے والے چشمے، ندیاں، دریا، سمندر، زمین میں اُگے ہوئے پودے، درخت جن کے پھلوں کا ذائقہ، رنگ اور مہک مختلف ہے حتی کہ ہر چیز کی اپنی خصوصیت اور اپنا مزاج ہے، یہ سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی موجود ہے جو اپنے امر و تدبیر سے انھیں کنٹرول کر رہی ہے اور اس وسیع و عریض کائنات کا یہ نظام اسی کی مرضی و منشا سے، بغیر کسی خلل کے چل رہا ہے۔

(2) ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے ہم پڑھتے ہیں اور اس میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس کے معانی سمجھتے

ہیں، یہ کلام بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا پتہ دیتا ہے۔ کیا کوئی کلام بولنے والے کے بغیر ہوسکتا ہے؟ اور کیا قائل کے بغیر قول کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

یہ عظیم کلام بھی اللہ تعالیٰ کی نشاندہی کرتا ہے اور خاص طور پر اس کا کلام ایسی ٹھوس شریعت پر مشتمل ہے، جو آج تک انسانی دریافت میں ممتاز ترین اور ایسے محکم قوانین پر مبنی ہے، جس سے انسانیت کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس میں صحیح ترین علمی نظریات ہیں، لاتعداد غیبی امور سے پردہ اٹھایا گیا ہے، تاریخی حوادث کی نشاندہی کی گئی ہے اور یہ شریعت اپنے ہر انداز میں سچ ثابت ہوئی ہے، اس کا کوئی حکم و قانون اپنی افادی حیثیت میں زمان و مکان کی طوالت کے باوجود ناکام نہیں ہوا۔ اس کا کوئی بھی علمی انکشاف آج تک غلط قرار نہیں دیا جا سکا اور جن پوشیدہ امور کی نشاندہی اس شریعت میں ہوئی، آج تک ان کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہوا اور کوئی بھی مؤرخ بیان کردہ تاریخی حقائق و واقعات کو جھٹلا سکا نہ ان کا انکار کر سکا۔ کیا حکمت و صداقت پر مشتمل ایسا کلام کسی انسان کا ہوسکتا ہے؟ یہ محال اور انسانی طاقت و قدرت کی رسائی سے بالاتر ہے۔ یقیناً یہ انسان کے خالق ہی کا کلام ہے جو اس کے وجود، اقتدار، علم اور حکمت پر دلالت کرتا ہے۔

③ کائنات کی تخلیق و تکوین اور نشوونما میں اس لطیف مگر مضبوط نظام پر غور کیجیے کہ کس طرح زندہ کائنات ایک ہی مربوط نظام میں پروئی ہوئی ہے، جس سے وہ سرِ مو انحراف نہیں کر سکتی، مثلاً: انسان رحم میں نطفہ ڈالتا ہے، پھر اس میں عجیب انداز سے تدریجی مراحل طے ہوتے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا دخل نہیں ہوتا اور پھر ایک مکمل انسان بن کر باہر آ جاتا ہے۔ اس کی تخلیق و تکوین، نشوونما اور بڑھوتری، بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے میں عبرت و نصیحت کے بے شمار پہلو ہیں۔ فطرت کے یہ اصول جو انسان و حیوان میں کارفرما ہیں، اشجار و نباتات کے اندر بھی ہیں اور اسی طرح بلند و بالا افلاک اور آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں میں بھی۔ یہ سب ایک ہی ضابطۂ کار کے پابند ہیں اور اس سے باہر نہیں جا سکتے۔ ایک ہی دھاگے میں پروئے ہوئے ہیں جس سے وہ نکل نہیں سکتے۔ اگر ایسا ہو جائے تو کائنات تباہ اور زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

ایک مسلمان اسی طرح کے منطقی، عقلی اور نقلی دلائل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا، اس کی ربوبیت کو تسلیم کرتا اور اسے سب لوگوں کا حقیقی معبود مانتا ہے اور ایک مسلمان کی زندگی تمام معاملات میں اسی ایمان و یقین کی بنیاد پر استوار اور محکم ہوتی ہے۔

باب:2

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان

مومن اس بات پر کامل ایمان رکھتا ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز کا رب،[1] یعنی پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس میں

① ''الربُّ'' اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہے، اضافت کے بغیر اس کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں ہوتا، یہ مالک، معبود، مصلح، ◄◄

اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہ بات أَوَّلًا: اللہ رب کریم نے ہماری فطرتِ سلیمہ میں رکھی ہے۔ ثَانِیاً: نقلی اور عقلی دلائل کا تقاضا بھی یہی ہے۔

قرآن وسنت سے دلائل (1) اپنی ربوبیت کی خبر خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے، ایک جگہ اپنی تعریف میں فرمایا:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾ ''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''[1]

اور اپنی ربوبیت کے اثبات میں فرمایا: ﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ﴾

''کہہ دو کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دو کہ اللہ (ہی) ہے۔''[2]

اور اپنے رب اور معبودِ حقیقی ہونے کا یوں اظہار کیا: ﴿ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ۝ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ ﴾

''آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، (سب) کا رب (وہی) ہے، اگر تم یقین کرتے ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ (وہی) تمھارا اور تمھارے پہلے آباء واجداد کا رب ہے۔''[3]

اس میثاق کے تذکرے میں، جو اولادِ آدم سے اس وقت لیا گیا جب وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے کہ اس کی ربوبیت کا اقرار کریں، اسی کی عبادت کریں اور اس میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ﴾

''اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور انھیں ان کے اوپر گواہ بنایا، کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! (تو ہمارا رب ہے) ہم گواہی دیتے ہیں۔''[4]

مشرکین پر حجت قائم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

''(ان سے سوال کرتے ہوئے) کہہ دیجیے کہ ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ تو کہیں گے: اللہ۔ آپ فرما دیجیے: پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟''[5]

(2) انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے بھی رب کائنات کی ربوبیت کی شہادت دی ہے، اس کا اقرار کیا ہے اور عام لوگوں کو یہ پیغام پہنچایا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا:

سید، مربی، تدبیر کرنے والے اور منتظم وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (لسان العرب، تفسیر القرطبي) ع۔ و

(1) الفاتحة 2:1. (2) الرعد 16:13. (3) الدخان 8,7:44. (4) الأعراف 172:7. (5) المؤمنون 87,86:23.

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ﴾

''اے ہمارے پالنے والے! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''[1]

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی:

﴿ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ○ ﴾

''اے میرے رب! بے شک انھوں نے میری نافرمانی کی ہے اور ان (بڑوں اور مال داروں) کی پیروی کی ہے جنھیں ان کے مال واولاد نے نقصان ہی پہنچایا ہے۔''[2]

حضرت نوح علیہ السلام کی ایک اور دعا میں ہے:

﴿ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۚ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

''اے میرے رب! بے شک میری قوم نے میری تکذیب کر دی ہے، پس میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے، اور مجھے اور میرے مومن ساتھیوں کو نجات دے۔''[3]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم مکہ مکرمہ میں، اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ان الفاظ میں دعا کی:

﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○ ﴾

''اے میرے پالنے والے! اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا۔''[4]

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ثنا کرتے ہوئے اپنی دعا میں فرمایا:

﴿ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○ ﴾

''اے میرے پالنہار! یقیناً تو نے مجھے سلطنت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا وآخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ مجھے اسلام پر موت دے اور صالحین میں شامل فرما۔''[5]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ایک دعا میں اللہ کی ربوبیت کا یوں اظہار کیا:

﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۙ وَيَسِّرْ لِيْۤ اَمْرِيْ ۙ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۙ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ○ ﴾

''اے میرے پالنے والے! میرا سینہ کھول دے اور میرے معاملات میں آسانی پیدا فرما اور میری زبان کی گرہ کھول دے، (تاکہ) یہ (لوگ) میری بات سمجھ لیں اور میرے اہل میں سے ایک میرا وزیر مقرر کر دے۔''[6]

[1] الأعراف 23:7. [2] نوح 21:71. [3] الشعراء 26:117، 118. [4] إبراهيم 35:14. [5] يوسف 101:12. [6] طٰه 20:25-29.

حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَأَطِيْعُوْٓا أَمْرِيْ ○

''اور یقیناً تمھارا رب رحمان ہے، پس میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔''[1]

طلبِ رحم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی درخواست اس انداز کی تھی:

رَبِّ إِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَّلَمْ أَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ○

''اے میرے رب! بے شک میری ہڈیاں بوسیدہ ہو گئی ہیں اور سر سفید ہو گیا ہے اور اے میرے رب! میں تجھے پکار کر کبھی محروم نہیں رہا۔''[2] مزید یہ دعا کی: رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ○

''اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے اچھا وارث ہے۔''[3]

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ایک استفسار کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے:

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ

''میں نے انھیں صرف وہی کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو، جو میرا اور تمھارا رب ہے۔''[4]

اور اپنی قوم سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: يٰبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ إِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ○

''اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو، جو میرا اور تمھارا رب ہے، جس نے اس کے ساتھ شرک کیا، یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔''[5]

کرب و تکلیف کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کلماتِ طیبہ کا ورد فرمایا کرتے تھے: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ»

''عظمت والے اور بردبار اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب اور عزت والے عرش کا مالک ہے۔''[6]

تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر یقین رکھتے تھے، اسی کو مدد کے لیے پکارتے تھے۔ اور یہ لوگوں میں سب سے زیادہ ذی شعور، معرفت میں کامل اور قول کے سچے تھے اور انھیں روئے زمین کی تمام مخلوقات سے بڑھ کر، اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت حاصل تھی۔

(3) علم و دانش اور حکمت و فراست کے حامل کروڑوں انسانوں کا ربِ کائنات کی ربوبیت پر پختہ یقین اور اعتراف

1. طٰهٰ 20:90. 2. مريم 19:4. 3. الأنبياء 21:89. 4. المآئدة 5:117. 5. المآئدة 5:72. 6. صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب دعاء الكرب، حديث: 2730.

واعلان بھی اس عقیدے کی صداقت پر ایک دلیل ہے۔

④ اسی طرح بے شمار عقل مند اور سلیم الفطرت انسانوں کا یہ یقین کامل ہے کہ اللہ ہی جملہ مخلوق کا مربی اور پالنہار ہے۔

عقلی دلائل چند واضح عقلی اور منطقی دلائل، جو اللہ عزوجل کی ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں، حسبِ ذیل ہیں:

① ہر چیز کی تخلیق و پیدائش، اللہ تعالیٰ نے بلا شرکت غیرے کی ہے، اس لیے کہ تمام انسانوں کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ تخلیق وابداع کا کوئی اور مدعی ہے نہ ہی اللہ کے سوا کسی کو یہ طاقت حاصل ہے۔ مکمل اجسام واجرام تو کجا، معمولی اشیاء، مثلاً: انسانی یا حیوانی جسم پر بال، پرندے کے بازو کا چھوٹا سا پر، تروتازہ ٹہنی پر پتا، یہ سب اسی کی کرشمہ سازی اور صناعی کے شاہکار ہیں۔ اس کے خالقِ مطلق ہونے کا بایں الفاظ اظہار کیا گیا ہے:

﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

''سنو! اسی کے لیے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ اللہ رب العالمین نہایت برکت والا ہے۔'' [1]

نیز ارشاد ہوا: ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''اور اللہ نے تمھیں اور تمھارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔'' [2]

اپنی خالقیت کی تعریف میں فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۭ ﴾

''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرے اور روشنی کو بنایا۔'' [3]

نیز ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

''اور وہی تو ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لیے بہت آسان ہے، آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے اعلیٰ مثال ہے اور وہ غالب، حکمت والا ہے۔'' [4]

دیکھیے! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہر چیز کو پیدا کرنا، کیا اس کے موجود ہونے اور ہر چیز کے رب ہونے کی دلیل نہیں ہے؟ کیوں نہیں، اے ہمارے رب! ہم اس کا اقرار کرتے ہیں۔

② روزی رساں صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ زمین کے اطراف میں پھرنے والے جانور، پانی میں تیرنے والی مخلوق یا چھپی جگہوں میں پوشیدہ زندہ حقیقتیں، ان سب کی روزی کا خالق اللہ ہے اور اسی کی رہنمائی سے حصولِ رزق کی معرفت، اسے لینے کی کیفیت اور اس سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

چیونٹی جیسے معمولی کیڑے سے لے کر انسان جیسی کامل نوع تک، سب اپنے وجود وتکوین، اپنی غذا وروزی میں ایک اللہ کے محتاج ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ ان کا موجد، بنانے والا، غذا مہیا کرنے والا اور روزی رساں ہے۔ قرآن پاک کی

① الأعراف 54:7. ② الصّٰفّٰت 96:37. ③ الأنعام 1:6. ④ الروم 27:30.

مندرجہ ذیل آیات مبارکہ اس حقیقت کو کتنے اچھے انداز سے ثابت کر رہی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ ﴾

''انسان اپنے کھانے (کی چیزوں) پر غور کرے کہ ہم نے (اوپر سے) خوب پانی برسایا، پھر زمین کو پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں اناج، انگور، سبزی، زیتون، کھجور، گھنے باغ، میوہ جات اور (جانوروں کا) چارہ اگایا۔''[1]

نیز فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتَّىٰ ۝ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ﴾

''اور آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے ہم نے مختلف قسم کی کھیتیاں نکالیں کہ (تم خود بھی) کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔''[2]

اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی رب ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۝ ﴾

''پھر ہم آسمان سے پانی برسا کر تمھیں پلاتے ہیں، اور تم اس کا ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو۔''[3]

روزی رساں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ﴾

''اور زمین پر رینگنے والی ہر مخلوق کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور وہ ان کے (دنیاوی) ٹھکانے اور سونپے جانے (مرنے) کی جگہ کو بھی جانتا ہے۔''[4]

جب بغیر کسی نزاع واختلاف کے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ سب کو روزی مہیا کر رہا ہے تو پھر ساری مخلوق کا پالنے والا بھی وہی ٹھہرا۔

③ انسانی فطرتِ سلیمہ بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی شہادت دیتی ہے۔ ہر صاحب ذوق انسان، جس کے مزاج میں فتور پیدا نہیں ہوا، اپنے آپ کو ایک بے نیاز اور طاقتور بادشاہ کے سامنے عاجز محض سمجھتا ہے اور اس کی تدبیر وتصرفات میں مجبور ولاچار بھی۔ اور وہ پکار پکار کر یہ اقرار کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا اور ہر چیز کا مالک اور پالنے والا ہے۔ یہ حقیقت اگرچہ مسلمہ ہے، کوئی فطرتِ سلیمہ کا حامل انسان اس کا انکار نہیں کرتا، تاہم قرآن کریم نے بت پرستوں کے رؤساء واکابر کے عقائد سے بھی اس حقیقت کا مزید اثبات کیا ہے کہ وہی خالق اور وہی مربی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝ ﴾

[1] عبس 80:24-31. [2] طٰہٰ 20:53،54. [3] الحجر 15:22، یعنی یہ ہماری ہی قدرت و رحمت ہے کہ ہم اس پانی کو چشموں، کنوؤں اور نہروں کے ذریعے سے محفوظ رکھتے ہیں۔ (ع، ر) [4] ھود 11:6.

”اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟ تو کہیں گے کہ انھیں غالب، علم والے (اللہ تعالیٰ) نے پیدا کیا ہے۔“[1]

نیز فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾

”اور اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا؟ (تمھارے فائدے میں لگایا۔) تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے۔“[2]

نیز ارشادِ عالی ہے: ﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ﴾

”کہہ دیجیے کہ سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی ہے۔“[3]

(4) ہر چیز کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس میں اسی کا تصرف چلتا ہے اور اسی کی تدبیر کارفرما ہے، یہ بھی اس کی ربوبیت کی نشانی ہے۔ دیکھیے تمام انسان اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کائنات اور انسان درحقیقت کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ جب انسان اس دنیا میں آتا ہے، ننگا ہوتا ہے، تن پر کپڑا ہوتا ہے نہ پاؤں میں جوتا اور جب اس دنیا سے جاتا ہے تب بھی خالی ہاتھ، چند گز کپڑا اس کے جسم کو ڈھانپے ہوتا ہے تو کیسے کہا جائے کہ انسان کسی چیز کا مالک ہے؟

جب اشرف المخلوقات انسان کی حالت یہ ہے تو باقی مخلوق کس طرح اشیاء کی مالک گردانی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ حقیقی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس میں کوئی جھگڑا یا شک وشبہ نہیں۔ تصرف وتدبیر کا حال بھی اسی انداز کا ہے۔ ربِ کائنات کی ربوبیت میں اس کی صفاتِ خلق، رزق، مِلک، تصرف اور تدبیر وغیرہ سب ہی داخل ہیں اور بت پرستوں کے اکابر نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ قرآنِ پاک نے ان کا یہ عقیدہ کئی سورتوں میں بیان کیا ہے۔

ارشادِ عالی ہے: ﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○ ﴾

”کہہ دیجیے کہ تم کو آسمان اور زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور مردے سے زندہ اور زندہ سے مردہ کون نکالتا ہے؟ اور معاملات کی تدبیر کون کرتا ہے؟ یقیناً کہہ دیں گے کہ اللہ۔ تو کہو کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟ پس یہی اللہ تمھارا برحق پالنے والا ہے اور حق کے علاوہ تو صرف گمراہی ہے، پھر کہاں تم پھیرے جاتے ہو؟“[4]

1 الزّخرف 9:43. (2) العنکبوت 61:29. (3) المؤمنون 87,86:23. (4) یونس 32,31:10.

باب:3

اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان

ایک مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا الٰہ (معبودِ برحق) نہیں۔[1] قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل کا تقاضا بھی یہی ہے اور ان دلائل سے قطع نظر یہ عقیدہ محض اللہ کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے، وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے، اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

قرآن وسنت سے دلائل (1) اللہ تعالیٰ کا بذاتِ خود، فرشتوں اور اہلِ علم کا گواہی دینا کہ اصل معبود اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

''اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، فرشتے بھی یہی کہتے ہیں اور علم والوں کا یقین بھی یہی ہے کہ وہ (اللہ) انصاف پر قائم ہے۔ اس غالب، حکمت والے کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔''[2]

(2) متعدد آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا اس حقیقت کی خبر دینا کہ اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ زندہ اور کائنات کا نظام تھامنے والا ہے۔ اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔''[3]

نیز ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝﴾

''اور تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ بہت رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔''[4]

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي﴾

''بے شک میں ہی تو اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا میری ہی عبادت کر۔''[5]

ہمارے نبی محمد ﷺ سے ارشاد ہوا: ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ﴾

(1) عربی لغت کے اعتبار سے لفظ ''الٰہ'' کے متعدد معانی ہیں۔ شرعی مفہوم کے اعتبار سے اس میں بڑی وسعت ہے، یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ معبود ہستی ہے جو مخلوق پر نظر رکھے، اسے اس کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دے، اس کی دعاؤں اور فریادوں کو سنے اور اس کی مرادوں کو برلائے۔ واللہ اعلم۔ (ع،ر) (2) آل عمرٰن 3:18۔ (3) البقرۃ 2:255۔ (4) البقرۃ 2:163۔ (5) طٰہٰ 20:14۔

’’پس جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔‘‘ [1]

اپنے بارے میں مزید حقائق کے اظہار میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ

’’وہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔ وہ بہت رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔ وہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، وہ بادشاہ (حقیقی اور تمام عیبوں سے) پاک ہے۔‘‘ [2]

③ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے بھی یہی اطلاع بہم پہنچائی اور اقوامِ عالم کو یہی عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دی کہ لوگو! ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے فرمایا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

’’اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔‘‘ [3]

اسی طرح ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام کا اپنی اپنی قوم کو یہی پیغام تھا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

’’اے میری قوم (کے لوگو)! اللہ کی بندگی کرو۔ تمھارے لیے اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے۔‘‘ [4]

موسیٰ علیہ السلام کی قوم، بنی اسرائیل نے عبادت و بندگی کے لیے جب ان سے ایک بت بنانے کی درخواست کی تو فرمایا:

اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○

’’کیا میں اللہ کے سوا تمھارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اسی نے تم کو جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔‘‘ [5]

یونس علیہ السلام نے اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے عرض کی: لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

’’تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ تو پاک ہے، یقیناً میں ہی قصور واروں میں سے ہوں۔‘‘ [6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے ’’تشہد‘‘ میں ان لفظوں میں اقرار کیا کرتے تھے:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ»

’’میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔‘‘ [7]

① محمد 19:47. ② الحشر 23,22:59. ③ الأعراف 59:7. ④ الأعراف 85,73,65:7. ⑤ الأعراف 140:7. ⑥ الأنبيآء 87:21. ⑦ صحيح البخاري، الأذان، باب التشهد في الآخرة، حديث: 831، و باب ما يتخير من الدعاء بعد التشهد.

عقلی دلائل ① اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کسی جھگڑے کے بغیر اس کی الوہیت کو ثابت کرنے والی ہے۔ ربوبیت الوہیت کو مستلزم ہے، یعنی جو رب ہے وہی الٰہ ہے۔ دیکھیے رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے، دیتا اور روک لیتا ہے اور نفع ونقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ تو وہی اس بات کا مستحق ہے کہ مخلوق اس کی عبادت اور اطاعت کرے، سبھی اس سے محبت کریں، اس کی تعظیم وتقدیس بجا لائیں، ضروریات میں اسی کی طرف متوجہ ہوں اور اس سے ڈرتے بھی رہیں۔

② مخلوقات میں سے ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ وہی انھیں روزی مہیا کر رہا ہے اور ان کے احوال و معاملات میں تصرف فرما رہا ہے۔ تو یہ بات کیسے معقول قرار دی جا سکتی ہے کہ مخلوق کے کچھ افراد اپنے جیسی دوسری مخلوق کی عبادت اور بندگی کرنے لگ جائیں، جبکہ وہ بھی اُنھی کی طرح صرف اسی کی محتاج ہے۔ مخلوق میں جب خالق ہونے کی استعداد اور صلاحیت ہی نہیں تو الٰہ ومعبود بننے کا استحقاق بھی نہیں رکھتی، لہٰذا معبودِ برحق صرف وہی ایک خالق و مالک ہی ہوا۔

③ ''صفاتِ کاملہ'' مطلق طور پر اللہ عزوجل ہی کے لیے ثابت ہیں۔ وہ قوی ہے، قادر ہے، بلند ہے، سب سے بڑا ہے، سننے اور دیکھنے والا ہے، شفقت کرنے والا اور مہربان ہے، باریک بین اور خبردار ہے۔ لہٰذا بندے دلی محبت کریں اور تعظیم بجا لائیں تو ایسی ہی ذات کے لیے، ان کے اعضاء وجوارح جھکیں اور اطاعت قبول کریں تو ایسے ہی مالکِ مطلق کے لیے۔

باب:4 اللہ تعالیٰ کے اسماء[1] اور صفات[2] پر ایمان

ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے اچھے ناموں اور صفاتِ عالیہ کو تسلیم کرتا ہے اور ان میں کسی مخلوق کو شریک نہیں کرتا اور نہ

◄◄ وليس بواجب، حديث: 835، و صحيح مسلم، الصلاة، باب التشهد في الصلاة، حديث: 402، و سنن النسائي، التطبيق، باب كيف التشهد الأول، حديث: 1169 واللفظ له. ① اسماء سے مراد اللہ تعالیٰ کے نام ہیں جو دو قسم کے ہیں۔ (1) ذاتی نام: جیسے ''اللہ اور الرحمٰن'' وغیرہ یہ وہ نام ہیں جو اپنے الفاظ ومعانی سمیت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ کسی غیر اللہ پر ان کا اطلاق جائز نہیں۔ (2) صفاتی نام: جیسے ''سمیع، بصیر، رحیم اور مولیٰ'' وغیرہ یہ وہ نام ہیں جن کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص نہیں ہیں بلکہ مخلوق پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے مگر جب یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولے جائیں تو ان کا وہ معنی مراد ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان اور اس کے لیے خاص ہے۔ اور جب یہی الفاظ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوں تو وہ معنی مراد ہوگا جو مخلوق کے حسبِ حال ہے۔ واللہ اعلم (ع،ر) ② اللہ تعالیٰ کی صفات سے مراد وہ تمام خبریں ہیں جو کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم۔ (ع،ر)

ہی تاویل (1) وتعطیل کرتا ہے اور مخلوق کے ساتھ اس کے اسماء وصفات کو تشبیہ دے کر ان کی کیفیت اور مثال بھی بیان نہیں کرتا بلکہ وہ جملہ صفات، جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اثبات کیا، اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا اثبات کرتا ہے اور عیب ونقص کی جملہ صفات سے اسے مبرّا اور پاک قرار دیتا ہے۔ اس پر عقلی ونقلی (قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ سے منقول) دلائل موجود ہیں۔

قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے دلائل (1) اللہ رب العزت نے اپنے نام اور صفات کا تذکرہ خود فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾

(1) اس فصل میں آپ کو مختلف اصطلاحات ملیں گی۔ یہاں آپ کی سہولت کے لیے ان کی مختصر تشریح کی جاتی ہے:

☆ **تشبیہ:** اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دینا، یہ حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی مشابہت سے پاک ہے۔

☆ **تکییف:** اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی کوئی نہ کوئی کیفیت ضرور ہے مگر چونکہ اس نے کسی صفت کی کیفیت بیان نہیں کی، لہٰذا کسی صفت کی کیفیت سوچنا، پوچھنا یا بیان کرنا، تکییف میں داخل ہے اور چونکہ اس سے مشابہت کا دروازہ کھلتا ہے، لہٰذا یہ بھی حرام ہے۔

☆ **تمثیل:** اللہ تعالیٰ کے لیے مخلوق جیسی مثالیں بیان کرنا، یہ بھی مشابہت کی وجہ سے حرام ہے۔

☆ **تجسیم:** یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے، یہ باطل عقیدہ ہے کیونکہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے ہاتھ کی خبر دی ہے تو اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ اسی طرح یہ جو کہا جاتا ہے ''وجودِ باری تعالیٰ'' تو اس سے بھی مراد جسم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا مراد ہوتا ہے۔

☆ **تعطیل:** کتاب وسنت میں وارد اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرنا تعطیل کہلاتا ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ ہے، آنکھ ہے، عرش پر مستوی ہے، سننے والا، دیکھنے والا ہے وغیرہ۔ اس کا انکار کرنا تعطیل ہے اور یہ باطل عقیدہ ہے۔

☆ **تاویل:** اسی تشبیہ کے خوف سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے ظاہری معنی چھوڑ دینا اور خود ساختہ معنی مراد لینا تاویل کہلاتا ہے۔ یہ بھی حرام ہے، کیونکہ کسی ٹھوس دلیل اور وجہ کے بغیر ظاہری معنی چھوڑ دینا اصول کے خلاف ہے اور کتاب وسنت کے کسی لفظ کا خود ساختہ مفہوم متعین کرنا گناہ ہے۔ باقی رہی تشبیہ تو وہ ظاہری معنی مراد لینے سے لازم نہیں آتی بلکہ تکییف سے لازم آتی ہے۔

☆ **تفویض:** اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے کے لیے جو الفاظ کتاب وسنت میں وارد ہوئے ہیں ان الفاظ پر تو ایمان لانا مگر ان کے ظاہری معنی ومفہوم کے متعلق تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ مثلاً: یہ کہنا: اللہ تعالیٰ ''سمیع'' ہے مگر اس کا معنی ''خوب سننے والا'' نہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے یَدٌ، عَیْنٌ تو ہے لیکن اس »

''اور اللہ ہی کے لیے سب سے اچھے نام ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ اس سے دعا کرو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ عنقریب یہ لوگ اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔''[1]

نیز فرمانِ الٰہی ہے: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾

''کہہ دیجیے کہ اللہ کو پکارو یا رحمان کو، جس نام سے بھی پکارو، اس کے سب سے اچھے نام ہیں۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ان صفات کے ساتھ موصوف فرمایا ہے: وہ سننے والا، دیکھنے والا، جاننے والا، حکمت والا، طاقتور اور غالب ہے، باریک بین اور باخبر ہے، قدردان اور حلم والا ہے، بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا ہے، وہ اپنے عرش پر مستوی ہے، اس نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، وہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، ایمان داروں سے راضی ہے اور ان کے علاوہ اس کی اور بھی بے شمار ذاتی و فعلی صفات ہیں، مثلاً: قیامت کے دن اس کا آنا اور ہر رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرمانا۔ یہ باتیں اس نے قرآنِ پاک میں ذکر فرمائی ہیں اور اس کے رسول ﷺ نے ان باتوں کو اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا ہے۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے بھی ہمیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات سے آگاہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں آپ ﷺ کا فرمان ہے: «يَضْحَكُ اللّٰهُ إِلٰى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ»

» کے کیا معنی ہیں؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس لفظ سے اس کی کیا مراد ہے؟ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ سب اہلِ عرب جانتے ہیں کہ اس لفظ کا بدیہی اور ظاہری معنی ''خوب سننے والا'' ہی ہے تو پھر اس معنی سے کیوں بھاگا جائے؟ اسی طرح یَد اور عین کے معنی ہاتھ اور آنکھ ہے تو لازم ہے کہ اس کو مانا جائے۔

دراصل تفویض کی روش کسی صفت کے ظاہری معنی و مفہوم میں نہیں بلکہ اس کی کیفیت میں اپنانی چاہیے کہ فلاں صفت کے ظاہری معنی تو یہ ہیں جو ہم مانتے ہیں، البتہ اس کی کیفیت ہم نہیں جانتے، وہ اللہ کے سپرد ہے اور وہی بہتر جانتا ہے۔

☆ **اثبات:** (1) کسی چیز کے وجود کی خبر دینا۔ (2) کتاب و سنت سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو ثابت کرنا اور (3) اللہ کی صفات پر ایمان لانا۔

☆ **نفی:** کسی چیز کو نہ ماننا (یہ اثبات کی ضد ہے)۔ اس کا شرعی معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کو اس کے ظاہری اور حقیقی معنی کے ساتھ اسی طرح تسلیم کیا جائے گا جس طرح وہ کتاب و سنت میں وارد ہوئی ہے۔

☆ **إلحاد في الأسماء:** اللہ تعالیٰ کے ناموں یا صفات کی بابت کج روی سے کام لینا، مثلاً: اللہ تعالیٰ کے لیے خود ساختہ نام تجویز کرنا، قیاس آرائی سے کام لیتے ہوئے اس کی من گھڑت صفات بیان کرنا، اس کے ناموں سے مزید نام اخذ کر کے معبودانِ باطلہ کو ان سے موسوم کرنا۔ اسی طرح تشبیہ و تمثیل، تعطیل و تاویل یا تفویض سے کام لینا بھی الحاد فی الاسماء ہی کی ایک شکل ہے۔ واللہ اعلم۔ (ع، ر)

[1] الأعراف 7:180. [2] بنیٓ إسرآءیل 17:110.

''اللہ تعالیٰ ان دو آدمیوں کو دیکھ کے ہنستا ہے، جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دیتا ہے (پھر) دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں۔'' (قاتل بھی مسلمان ہو کر شہید ہو جاتا ہے۔) [1]

ایک اور حدیث میں ہے:«لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقٰى فِيهَا وَ تَقُولُ: هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ؟ حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيهَا قَدَمَهُ ۔ وَ فِي رِوَايَةٍ۔ رِجْلَهُ فَيَنْزَوِي بَعْضُهَا إِلٰى بَعْضٍ وَّ تَقُولُ: قَطْ قَطْ»

''جہنم میں لوگ برابر ڈالے جاتے رہیں گے اور وہ کہتی رہے گی: کیا ابھی اور بھی ہیں؟ پھر اللہ رب العزت اس میں اپنا قدم مبارک اور ایک روایت میں ہے کہ پاؤں مبارک رکھے گا تو جہنم کے حصے ایک دوسرے کی طرف سمٹ آئیں گے اور جہنم کہے گی: بس بس!'' [2]

ارشادِ نبوی ہے:«يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ فَيَقُولُ: مَنْ يَّدْعُونِي؟ فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَّسْأَلُنِي؟ فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِي؟ فَأَغْفِرَ لَهُ»

''ہمارا رب ہر رات آسمانِ دنیا پر جب رات کی آخری تہائی باقی ہوتی ہے، اتر کر فرماتا ہے:''کون مجھ سے دعا مانگتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اسے عطا کروں؟ کون مجھ سے مغفرت کی درخواست کرتا ہے کہ میں اسے بخش دوں؟'' [3]

نیز فرمایا:«اَللّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنَ الرَّجُلِ بِرَاحِلَتِهِ»

''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس مسافر سے بھی کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے، جسے اپنی سواری (گم ہونے کے بعد) مل جاتی ہے۔'' [4]

ایک لونڈی سے نبی ﷺ نے دریافت کیا:«أَيْنَ اللّٰهُ؟ قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ، قَالَ: مَنْ أَنَا؟ قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، قَالَ: أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ»

''اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟'' لونڈی نے کہا: آسمان پر۔ پھر پوچھا:''میں کون ہوں؟'' کہنے لگی: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے (اپنے صحابی، لونڈی کے مالک سے) فرمایا:''اسے آزاد کر دے، یہ ایماندار ہے۔'' [5]

[1] صحیح البخاري، الجهاد والسیر، باب الكافر يقتل المسلم......، حدیث: 2826، وصحیح مسلم، الإمارة، باب بيان الرجلين يقتل أحدهما الآخر يدخلان الجنة، حديث: 1890. [2] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب الحلف بعزة الله وصفاته وكلامه، حديث: 6661، وصحيح مسلم، الجنةونعيمها، باب: النار يدخلها الجبارون......، حديث: 2846و2848 واللفظ مركب. [3] صحيح البخاري، الدعوات، باب الدعاء نصف الليل،حديث:6321، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل والإجابة فيه، حديث: 758. [4] صحيح مسلم، التوبة، باب في الحض على التوبة والفرح بها، حديث :2746. [5] صحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة......، حديث :537.

فرمانِ نبوی ہے: «يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ يَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟»

''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز زمین اپنی مٹھی میں لے گا اور آسمانوں کو دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟''①

③ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمۂ اربعہ اور سلف صالحین رحمہم اللہ بھی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے بلا تاویل قائل تھے۔ وہ نہ تو صفات کا انکار کرتے تھے اور نہ ہی ان کے ظاہری (حقیقی) معانی سے انحراف۔ کسی صحابیٔ رسول سے ثابت نہیں ہے کہ اس نے کسی صفت کی تاویل کی ہو یا انکار کیا ہو یا کہا ہو کہ اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب ظاہری مفہوم کے مطابق ان کے معانی کی حقانیت کا یقین رکھتے تھے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کی طرح نہیں ہیں۔

چنانچہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے آیت: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ﴾ ''رحمان عرش پر مستوی ہے۔'' کے بارے میں استفسار ہوا تو انھوں نے کہا: ''استواء'' (کا ظاہری معنی) معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔''②

امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''میں اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ اس کی طرف سے آیا ہے اس پر، اس کی مراد و منشا کے مطابق ایمان لایا، اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر اور جو کچھ آپ کی طرف سے آیا ہے اس پر، آپ کی مراد اور منشا کے مطابق ایمان لایا۔''

امام احمد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر آئے گا، وہ تعجب کرتا ہے، وہ ہنستا ہے، وہ ناراض ہوتا ہے، وہ راضی ہوتا ہے، ناپسند کرتا ہے اور محبت کرتا ہے۔'' امام صاحب یہ بھی کہا کرتے تھے: ''ہم حقیقت و کیفیت بیان کیے بغیر، ان سب صفات پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ یوں سمجھیں کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نزول کرتا ہے، وہ عرش پر مستوی ہے اور مخلوق سے جدا ہے۔ مگر ہم اس کے نزول، اس کی رؤیت اور اس کے استواء کی کیفیت نہیں جانتے اور نہ اس کا حقیقی مفہوم و مطلب ہی ہمارے علم میں ہے۔ ہم اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں جس نے یہ بات خود کہی ہے اور اپنے رسول (ﷺ) کی طرف وحی کی ہے اور ہم رسول اللہ ﷺ کی تردید نہیں کرتے (بلکہ ان کی تصدیق کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے ثابت شدہ

① صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالٰى: ﴿ مَلِكِ النَّاسِ ۝ ...... ﴾، حديث: 7382. ② الأسماء والصفات للبيهقي، ص: 408، اسے حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے قوی قرار دیا ہے۔

ان صفات کے علاوہ ہم کسی (خودساختہ) صفت کے قائل نہیں اور نہ ان صفات میں کسی حد بندی اور انتہا کے قائل ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔‘‘

عقلی دلائل (1) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے آپ کو کئی صفات کے ساتھ موصوف اور کئی ناموں کے ساتھ موسوم قرار دیا ہے اور ہمیں ان کے ذکر اور ان کے ساتھ اس (اللہ) کو موصوف و موسوم کرنے سے منع نہیں کیا، نہ ہمیں ان میں تاویل و تحریف کا حکم دیا ہے، نہ یہ کہا ہے کہ ہم انھیں ظاہر پر محمول نہ کریں (ظاہری معنی مراد نہ لیں) تو پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ان صفات سے موصوف ہونے کی وجہ سے وہ مخلوق کے مشابہ ہو گیا، لہٰذا ان کی تاویل کرنا لازم ہے اور ان کا ظاہری معنی مراد لینا درست نہیں؟ پھر تو ہم صفات کے منکر بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کج روی کے مرتکب ہوں گے۔ جبکہ کج روی پر شدید ترین وعید ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِيٓ أَسْمَآئِهِۦ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾

’’اور ان لوگوں کو چھوڑ دو، جو اللہ کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں، عنقریب یہ لوگ اپنے کرتوتوں کی سزا پائیں گے۔‘‘[1]

(2) ’’تشبیہ‘‘ کے اندیشے سے جو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی نفی کرتا ہے، وہ دو خرابیوں کا مرتکب ہوا، اولاً اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دی۔[2] ثانیاً تشبیہ سے ڈرا اور اس سے بھاگتے ہوئے ’’نفی‘‘، ’’تعطیل‘‘ کا مرتکب ہو گیا۔ یعنی جن صفات کا اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اثبات کیا تھا، اس نے ان کی نفی اور تردید کر دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے متصف نہیں ہے۔ چنانچہ وہ درج ذیل دو کبیرہ جرائم کا مرتکب ہوا: (1) تشبیہ صفات (2) تعطیل صفات۔

اس صورت میں معقول اور بہتر بات یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بیان کردہ صفات کو تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان سے متصف ہے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کی طرح نہیں، جیسا کہ اس کی ذات مخلوق کی ذات کی طرح نہیں۔[3]

(3) اللہ جل جلالہ کی صفات ماننے سے تشبیہ لازم نہیں آتی، اس لیے کہ عقل باور کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوص ہیں جو مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔ لفظ کے اطلاق میں اگرچہ یکسانیت ضرور ہے لیکن خالق کی صفات خالق کے ساتھ خاص ہیں اور مخلوق کی مخلوق کے ساتھ۔

(1) الأعراف 180:7۔ (2) یعنی اس نے سمجھا کہ اللہ کی صفت پر ایمان لانے کا مطلب اسے مخلوق کے ساتھ مشابہ ماننا ہے، پھر اس فرضی و خیالی مشابہت سے بچنے کے لیے اس نے اس صفت ہی کا انکار کر دیا۔ (ع،ر) (3) باقی رہ گئی کیفیت تو وہ اللہ کے علم میں ہے ہم نہیں جانتے۔ (ع،ر)

ایک مسلمان جب اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کے مانند ہے اگرچہ ہاتھ کا اطلاق دونوں کے لیے (وارد) ہے، اس لیے کہ خالق اور مخلوق ذات، صفات اور افعال میں ایک دوسرے کے مغایر، یعنی مختلف ہیں۔ ارشادِ عالی ہے:

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ﴾

''کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔''[1]

نیز فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ ﴾

''اس کے مانند کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔''[2]

باب:5

فرشتوں پر ایمان

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ فرشتے اشرف و افضل مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں نور سے پیدا کیا جبکہ انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے اور جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کے ذمہ مختلف کام لگا رکھے ہیں، جنھیں وہ سرانجام دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض فرشتے بندوں پر محافظ اور ان کے اعمال و افعال لکھنے والے ہیں اور بعض بہشت اور اس کی نعمتوں پر مقرر ہیں اور بعض جہنم اور عذابِ جہنم پر تعینات ہیں اور ان میں سے بعض صبح وشام (رات دن) اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کرنے والے بھی ہیں، جو کبھی نہیں تھکتے، نیز بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ ان میں سے بعض مقرب فرشتے ہیں، جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل۔ اور بعض عام فرشتے ہیں۔ یہ حقائق اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں، اور عقلی ونقلی دلائل کا تقاضا بھی یہی ہے۔

کتاب وسنت سے دلائل | (1) اللہ جل شانہ نے ہمیں فرشتوں کے وجود کی خبر دی اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝ ﴾

''اور جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے تو یقیناً وہ دور بھٹک گیا۔''[3] نیز ارشادِ ربانی ہے:

(1) الإخلاص 112:1-4. (2) الشورٰی 42:11. (3) النسآء 4:136.

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

''جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں، اس کے پیغمبروں اور جبرائیل ومیکائیل کا دشمن ہوا تو یقیناً اللہ (بھی) ایسے کافروں کا دشمن ہے۔''[1]

مزید فرمایا: ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾

''عیسیٰ (علیہ السلام) اور مقرب فرشتے اللہ کے بندے ہونے سے ہرگز عار محسوس نہیں کریں گے۔''[2]

اور فرمایا: ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝﴾

''اور اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔''[3] ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً﴾ ''اور ہم نے جہنم کے داروغے فرشتے ہی مقرر کیے ہیں۔''[4]

ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾

''اور ہر دروازے سے فرشتے ان کے پاس آئیں گے، (اور جنتیوں سے کہیں گے کہ) تمھارے صبر کے صلے میں تم پر سلام ہو۔''[5] مزید فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: یقیناً میں زمین میں ''خلیفہ'' بنانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا: کیا تو اس میں اسے (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد اور خون ریزی کرے گا؟ ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے ہیں۔ (اللہ نے) فرمایا: بلاشبہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔''[6]

(2) رات کی نماز میں دعا کرتے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا: «اَللّٰهُمَّ! رَبَّ جِبْرَاءِيلَ وَ مِيكَائِيلَ وَ إِسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ»

''اے اللہ! اے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! غیب اور حاضر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں، فیصلہ کرے گا۔ تو حق کے بارے میں اپنے حکم سے مجھے ہدایت دے، جس میں اختلاف برپا ہے۔ بے شک تو جسے چاہے

(1) البقرۃ 98:2۔ (2) النسآء 172:4۔ (3) الحآقۃ 17:69۔ (4) المدّثر 31:74۔ (5) الرّعد 24,23:13۔ (6) البقرۃ 30:2۔

سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔''[1]

آپ نے مزید فرمایا: «أَطَّتِ السَّمَاءُ وَ حُقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ، مَا فِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَ مَلَكٌ وَّاضِعٌ جَبْهَتَهُ لِلّٰهِ سَاجِدًا»

''آسمان چرچرا رہا ہے اور چرچرانا اس کا حق ہے، (کیونکہ) چار انگلی کے بقدر بھی جگہ اس میں خالی نہیں ہے، جہاں کوئی سجدہ کرنے والا فرشتہ موجود نہ ہو۔''[2]

مزید فرمایا: «هٰذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ يُصَلِّي فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا إِلَيْهِ آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ»

''بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے (پہلی اور آخری بار داخل ہوتے اور) نماز پڑھتے ہیں وہاں سے نکلنے کے بعد دوبارہ پوری زندگی نہیں آسکتے۔''[3] نیز فرمایا:

«إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ كَانَ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مِّنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ مَلَائِكَةٌ يَّكْتُبُونَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ، فَإِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ طَوَوُا الصُّحُفَ وَ جَاءُوا يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ»

''جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے ہر دروازے پر (کھڑے ہو کر) پہلے (اور بالترتیب بعد میں) آنے والوں کو لکھتے رہتے ہیں۔ جب امام (منبر پر) بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنے صحیفے لپیٹ دیتے ہیں اور وعظ و نصیحت سننے کے لیے آجاتے ہیں۔''[4] فرمانِ نبوی ہے:

«أَحْيَانًا يَّتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ»

''کبھی کبھار فرشتہ انسانی شکل میں آکر مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور میں اس کی باتیں یاد کر لیتا ہوں۔''[5]

اور فرمایا: «يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَّلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ»

''رات اور دن کے فرشتے تمھارے پاس باری باری آتے رہتے ہیں۔''[6] ارشادِ گرامی ہے:

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبيﷺ ودعائه بالليل، حديث: 770. [2] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في قول النبيﷺ: «لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلًا»، حديث: 2312، و قال: حسن غريب. **اس حدیث کے متعدد شواہد ہیں، مثلاً:** دیکھیے مشکل الآثار للطحاوي: 43/2، نیز امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ المستدرك للحاكم: 510/2. [3] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم، حديث: 3207، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول اللهﷺ إلى السموات ......، حديث: 164. [4] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوٰت الله عليهم، حديث: 3211، وصحيح مسلم، الجمعة، باب فضل التهجير يوم الجمعة، حديث: 850 [5] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي......، حديث: 2. [6] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر، حديث: 555.

«خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَ خُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَ خُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ»
"فرشتے نور سے، جن آگ کے شعلے سے اور آدم (علیہ السلام) اس چیز سے پیدا کیے گئے ہیں جو تمھیں بتادی گئی ہے (مٹی سے۔)"[1]

③ جنگ بدر کے دن بہت سے مسلمانوں نے فرشتوں کو دیکھا اور جبریلِ امین علیہ السلام کو بھی کئی مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا جبکہ وہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں (وحی لے کر) آتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مشہور "حدیثِ جبریل" مروی ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "کیا تم جانتے ہو سائل کون تھا؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "یہ جبریل تھے جو تمھیں تمھارے دین کی باتیں سکھانے آئے تھے۔"[2]

④ ہر دور کے کروڑوں ایمان والوں نے فرشتوں کو تسلیم کیا ہے اور شک وشبہ کے بغیر اس بارے میں انبیاء ورسل علیہم السلام کے بیان کردہ حقائق کی تصدیق کی ہے۔

عقلی دلائل ① عقل فرشتوں کے وجود کا انکار نہیں کرتی کیونکہ عقل تو ان چیزوں کو رد اور باطل قرار دیتی ہے جو اجتماعِ ضِدّین کا سبب ہوں جیسے ایک ہی وقت میں کسی چیز کا موجود اور معدوم ہونا یا دو متضاد اشیاء کا ایک ہی وقت میں یکجا ہونا جیسے اندھیرا اور روشنی وغیرہ، جبکہ فرشتوں کا وجود مان لینے سے مندرجہ بالا امور میں سے کچھ بھی لازم نہیں آتا۔

② سب دانا اس بات پر متفق ہیں کہ کسی چیز کے نتائج و اثرات اس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ فرشتوں کے اثرات و نتائج بھی ان کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ دیکھیے ان میں روح الامین علیہ السلام ہیں، جن کے ذریعے سے انبیاء ورسل علیہم السلام کے پاس وحی آتی تھی، یہ ایک ایسا نتیجہ ہے جو ان کے وجود پر صریح دلالت کرنے والا ہے۔ تمام جاندار مخلوقات کی روح بھی فرشتے ہی قبض کرتے ہیں، یہ بھی ایک واضح "اثر" ہے جو ملک الموت اور اس کے ساتھیوں کے موجود ہونے کی واضح دلیل ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے: ﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ﴾
"کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، تمھاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔"[3]

انسان کا جنوں اور شیاطین کی شرارتوں اور اذیت رسانیوں سے محفوظ رہنا، جبکہ یہ ان کے درمیان زندگی گزارتا ہے۔ وہ اسے دیکھتے ہیں مگر انسان انھیں نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اسے اذیت وتکلیف میں مبتلا کر سکتے ہیں مگر یہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا حتیٰ کہ یہ ان کے شر کو بھی دور نہیں کر سکتا۔ یہ اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اُسے تکلیف نہیں پہنچنے دیتے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

[1] صحیح مسلم، الزهد و الرقائق، باب في أحاديث متفرقة، حديث: 2996. [2] صحیح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام.....، حديث: 8. [3] السجدة 11:32.

﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾

''اس کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔''[1]

③ کوئی چیز نظر کی کمزوری، یا کسی چیز کو دیکھنے کی پوری استعداد نہ رکھنے کی بنا پر دکھائی نہ دے تو اس سے اس کے وجود کی نفی نہیں ہو جاتی۔ دیکھیے عالم مشاہدہ میں کتنی اشیاء ایسی ہیں جنھیں دیکھنے سے نگاہ قاصر ہے۔ مگر اب ایسے امور بھی مشاہدے میں آ گئے ہیں، جنھیں پہلے نگاہ دیکھنے سے قاصر تھی۔ مائیکروسکوپ کے ذریعے سے انھیں اب واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

باب:6

آسمانی کتابوں پر ایمان

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ جملہ کتابوں اور صحیفوں پر ایمان رکھے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو دین اور شریعت کی حیثیت سے نازل ہوا۔ ان میں سب سے بڑی چار کتابیں یہ ہیں:

① قرآنِ کریم: ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل شدہ عظیم کتاب۔

② تورات: جو اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

③ زبور: جو اللہ کے نبی داود علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

④ انجیل: اللہ کے بندے اور رسول عیسیٰ علیہ السلام پر اترنے والی کتاب۔

ان میں قرآنِ پاک سب سے عظیم کتاب ہے اور ان سب آسمانی کتابوں کے مضامین ومعانی کی محافظ ہے، پہلی سب شریعتوں اور احکام کو منسوخ کرنے والی ہے۔ اس بات پر نقلی اور عقلی دلائل یہ ہیں:

کتاب وسنت سے دلائل ① اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر (کما حقہ) ایمان لاؤ جو اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں) پر نازل کی اور اس کتاب پر بھی ایمان لاؤ جو اس نے پہلے نازل کی۔''[2]

② اللہ تعالیٰ نے انھی کتابوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۙ مِنْ قَبْلُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ﴾

[1] الرعد 11:13. [2] النسآء 136:4.

’’اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، وہ زندہ اور کائنات کو تھامنے والا ہے۔ اس نے آپ پر حق والی کتاب نازل کی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس سے پہلے اس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے تورات اور انجیل نازل کی تھیں اور (اب) حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب اتاری ہے۔‘‘[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾

’’اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان (کی اصل تعلیمات) کی محافظ ہے۔‘‘[2]

نیز فرمایا: ﴿ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ ﴾ ’’اور ہم نے داود کو زبور دی۔‘‘[3] مزید فرمایا:

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾

’’اور بے شک یہ کتاب رب العالمین کی نازل کردہ ہے ’’روح الامین‘‘ نے اسے آپ کے دل پر اتارا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں، (یہ کتاب) واضح عربی زبان میں ہے اور پہلی کتابوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔‘‘[4]

نیز ارشادِ ربانی ہے: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ۝ ﴾

’’بے شک یہی (دعوت) پہلے صحیفوں میں بھی ہے، (یعنی) ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں۔‘‘[5]

③ رسول اللہ ﷺ نے بھی بہت سی احادیث میں آسمانی کتابوں کے بارے میں خبر دی ہے۔ فرمایا: «إِنَّمَا بَقَاءُكُمْ فِيمَنْ سَلَفَ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى غُرُوبِ الشَّمْسِ، أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوا بِهَا حَتَّى انْتَصَفَ النَّهَارُ، ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا بِهِ حَتّٰى صُلِّيَتِ الْعَصْرُ، ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيتُمُ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهِ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأُعْطِيتُمْ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابِ: هٰؤُلَاءِ أَقَلُّ مِنَّا عَمَلًا وَّ أَكْثَرُ أَجْرًا، قَالَ اللّٰهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ حَقِّكُمْ مِّنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: هُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ»

’’پہلے لوگوں کے مقابلے میں امتِ محمدیہ کی زندگی نمازِ عصر سے غروبِ آفتاب تک کے مابین وقت کے برابر ہے۔ تورات والوں کو تورات عطا ہوئی تو دوپہر تک انھوں نے اس پر عمل کیا، پھر عاجز آ گئے اور ایک ایک

① آل عمرٰن 3:2-4. ② المآئدة 5:48. ③ النسآء 4:163. ④ الشعرآء 26:192-196. ⑤ الأعلٰی 87:18,19.

قیراط (اجرت) کے مستحق ٹھہرے، پھر انجیل والوں کو انجیل ملی، وہ نمازِ عصر پڑھے جانے تک اس پر عمل کرتے رہے، پھر عاجز آ گئے اور ایک ایک قیراط کے مستحق بنے۔ (عمل کی مدت کم لیکن مزدوری اہلِ تورات کے برابر)، پھر تمھیں قرآن ملا، تم نے غروب آفتاب تک اس پر عمل کیا اور دو دو قیراط کے مستحق قرار دیے گئے۔ اہل کتاب نے (یہ بات سنی تو) کہا: ''ان لوگوں کے عمل کا وقت ہم سے تھوڑا ہے اور اجرت زیادہ۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا میں نے تمھارے حق میں کمی کی ہے؟'' انھوں نے کہا: ''نہیں۔'' فرمایا: ''پھر یہ میرا فضل ہے، جسے چاہوں (زیادہ) دوں۔''[1] نیز فرمایا:

«خُفِّفَ عَلٰی دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقُرْآنُ فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ فَتُسْرَجُ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ (التَّوْرَاةَ، أَوِ الزَّبُورَ) قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهُ، وَلَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ»

''داود علیہ السلام پر قرآن (قراءت) آسان کر دیا گیا تھا۔ وہ گھوڑوں پر زین رکھنے کا حکم دیتے اور زین لگانے سے قبل کتاب اللہ کی قراءت مکمل کر لیتے اور اللہ تعالیٰ کے یہ نبی علیہ السلام صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔''[2]

مزید فرمایا: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَ آنَاءَ النَّهَارِ»

''رشک صرف دو آدمیوں پر کرنا چاہیے، (ان میں سے) ایک وہ (ہے) جسے اللہ نے دولتِ قرآن سے نوازا ہے اور وہ دن اور رات کی گھڑیوں میں قرآن پڑھتا رہتا ہے۔''[3]

یہ بھی فرمایا: «تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا: كِتَابُ اللهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهِ»

''میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا (اس پر عمل کیا) تو ہرگز کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے، (وہ چیز) اللہ کی کتاب اور اس کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت ہے۔''[4]

آپ نے فرمایا: «لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ، وَقُولُوا: اٰمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ، وَ إِلٰهُنَا وَ إِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ»

''اہل کتاب کی تصدیق اور تکذیب نہ کرو اور کہو کہ ہم اس پر، جو ہماری طرف اور جو تمھاری طرف اتارا گیا ہے،

[1] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالٰى: ﴿قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوهَآ﴾، حديث: 7533. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالٰى: ﴿وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾، حديث: 3417، و مسند أحمد: 314/2. میں قرآن کی جگہ قراءت کا لفظ ہے۔ جس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ قرآن سے مراد بھی تورات، زبور کی قراءت ہے۔ [3] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول النبي ﷺ: «رجل آتاه الله القرآن......»، حديث: 7529. [4] [حسن لغيره] المستدرك للحاكم: 93/1، حديث: 318، والموطأ للإمام مالك، القدر، باب النهي عن القول بالقدر، حديث: 1708 اس روایت کے متعدد شواہد ہیں۔

ایمان رکھتے ہیں، ہمارا اور تمھارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے مطیع ہیں۔''[1]

(4) ہر دور میں اطرافِ عالم کے لاکھوں کروڑوں علماء، حکماء اور اہلِ ایمان یہ حقیقت تسلیم کر چکے ہیں اور اس پر پکا یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور پوری مخلوق میں سے بہترین لوگوں پر کتابیں نازل کی ہیں اور ان میں اپنی صفاتِ عظیمہ، غیبی احوال، احکامِ دین، اپنے وعدے اور وعیدیں (بُرے افعال پر دھمکیاں) درج کی ہیں۔

عقلی دلائل (1) انسانی جسم اور روح کا کمزور ہونا اور اپنے رب کا محتاج ہونا، اس بات کا متقاضی ہے کہ ان دونوں کی اصلاح وفلاح کے لیے شرعی احکام اور قوانین پر مشتمل کتابیں نازل کی جائیں، جن کی رہنمائی میں انسان کمال حاصل کر سکے اور دنیاوی واخروی زندگی کی ضروریات پوری کر سکے۔

(2) چونکہ بندوں اور اللہ کے درمیان رسول ہی واسطہ ہوتے ہیں اور وہ بھی دیگر انسانوں کی طرح ایک خاص وقت تک زندہ رہتے اور پھر وفات پا جاتے ہیں، اس لیے اگر ان کے پیغامات کتابوں کی صورت میں موجود نہ ہوتے تو ان کی وفات کے بعد وہ ضائع ہو جاتے، پھر لوگ دنیا میں پیغامِ ربانی کے بغیر رہ جاتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کیں، تاکہ وحی ورسالت کا اصل مقصد فوت نہ ہونے پائے۔

(3) اگر ایک داعی الی اللہ ''رسول'' کے پاس کتاب نہ ہو جو رب کی طرف سے شریعت وہدایت اور بھلائی کی حامل ہوتی ہے، تو لوگ آسانی سے اس کی تکذیب اور پیغامِ ربانی کا انکار کر دیں۔ اس لیے اتمامِ حجت کے لیے یہ بات بھی کتابِ الٰہی کے نازل ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

باب:7 قرآنِ کریم پر ایمان

مسلمانوں کا اس بات پر ایمان ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اس نے مخلوق میں سب سے بہتر اور انبیاء ورسل علیہم السلام میں سب سے افضل، ہمارے نبیٔ اکرم ﷺ پر اتاری ہے، جیسا کہ دیگر کتابیں سابقہ انبیاء ورسل علیہم السلام پر نازل کی ہیں۔ اس نے قرآنِ کریم کے احکام کے ذریعے سے پہلی آسمانی کتب کے احکام منسوخ کر دیے ہیں جس طرح آپ کی رسالت سے پہلی رسالتوں کا اختتام کر دیا۔ یہ کتاب ربانی شریعت پر مشتمل ہے۔ اس کے اتارنے والے نے وعدہ کیا ہے کہ جو اس پر عمل کرے گا وہ دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کرے گا اور اس سے اعراض کرنے والوں کو

[1] صحیح البخاري، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ: «لا تسألوا أهل الکتاب عن شيء»، حدیث: 7362.

اس نے دونوں جہانوں میں بدبختی کی وعید سنائی ہے۔ یہی وہ واحد کتاب ہے جس کے بارے میں اللہ نے ضمانت دی ہے کہ اس میں کمی بیشی اور تبدیلی نہیں ہوسکتی اور یہ دنیا میں قیامت تک برقرار رہے گی۔ درج ذیل نقلی و عقلی دلائل سے ہم ان دعووں کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

کتاب وسنت سے دلائل (1) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں قرآنِ پاک میں خبر دی ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝

''بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) اتارا، تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔''[1] اور فرمایا:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

''(اے پیغمبر!) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمھاری طرف بھیجا ہے، بہترین اسلوب میں ایک قصہ بیان کرتے ہیں اور یقیناً تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔''[2] مزید فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝

''(اے پیغمبر!) بے شک ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے تحت لوگوں میں فیصلہ کریں اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں۔''[3] نیز فرمایا:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ڛ قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

''اے اہل کتاب! تمھارے پاس ہمارا رسول آچکا ہے جو کچھ تم کتاب میں سے چھپاتے تھے، وہ اس میں سے بہت سی باتیں تمھیں کھول کھول کر بتا دیتا ہے اور بہت سی چیزوں سے درگزر کرتا ہے۔ تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے، جس کے ذریعے سے اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہوں کی ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کے کام کرتے ہیں اور اپنے حکم سے انھیں تاریکیوں سے نکال کر نور (ایمان) کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔''[4] ارشادِ عالی ہے:

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝

1 الفرقان 1:25۔ 2 یوسف 3:12۔ 3 النسآء 105:4۔ 4 المآئدۃ 16،15:5۔

''سو جو میری ہدایت پر چلے گا، وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا، تو یقیناً اس کے لیے تنگ زندگی ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔''[1] ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝﴾

''اور بے شک یہ کتابِ عزیز ہے، اس پر جھوٹ کا دخل نہ تو آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، حکمت اور تعریف والے (اللہ) کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾

''بے شک ہم ہی نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''[3]

② رسول اللہ ﷺ جن پر وحی نازل ہوئی، انھوں نے بھی ہمیں قرآنِ پاک کی خبر دی اور فرمایا:

«أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ»

''خبردار! مجھے کتاب (قرآن) اور اس کے ساتھ اس کی مثل (حدیث) دی گئی ہے۔''[4] نیز فرمایا:

«خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ» ''تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے (دوسروں کو) سکھائے۔''[5]

مزید فرمایا: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَ آنَاءَ النَّهَارِ، وَ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَ آنَاءَ النَّهَارِ»

''صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا چاہیے، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن (کا علم) دیا ہے، وہ دن رات اسے پڑھتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہے، وہ اسے دن رات (اللہ کی راہ میں) لٹاتا ہے۔''[6]

یہ بھی فرمایا: «مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَّبِيٍّ إِلَّا وَ قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَ إِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ»

''ہر نبی کو ایسے معجزات دیے گئے ہیں کہ ان کی شان یہ تھی کہ اس کے مثل پر لوگ ایمان لے آئیں۔ مجھے وحی کا معجزہ عطا کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف کی ہے، سو میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔''[7]

فرمانِ نبوی ہے: «وَ لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ مَّا حَلَّ لَهُ إِلَّا أَنْ يَّتَّبِعَنِي»

① طٰهٰ 124,123:20۔ ② حٰمٓ السجدة 42,41:41۔ ③ الحجر 9:15۔ ④ [صحيح] سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، حديث: 4604. ⑤ صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، حديث: 5027. ⑥ صحيح البخاري، التوحيد، باب قول النبي ﷺ «رجل آتاه الله القرآن......»، حديث: 7529. ⑦ صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ......، حديث: 152.

’’اگر آج تم میں موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے کوئی چارہ نہ ہوتا۔‘‘ [1]

(3) کروڑوں مسلمانوں کا ایمان اور اعتقاد ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے رسول ﷺ کی طرف بھیجی ہے۔ وہ اسی یقین سے سرشار ہو کر اس کی تلاوت کرتے ہیں اور بہت سے مسلمانوں نے اسے حفظ بھی کر رکھا ہے اور وہ اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔

عقلی دلائل (1) قرآنِ کریم مختلف علوم کا خزینہ ہے۔ کائنات کے بارے میں وقیع معلومات، تاریخی علوم، تشریعی اور قانونی ضابطے اور حربی وسیاسی اصول، سب کچھ اس عظیم کتاب میں موجود ہے مگر اس کا پیش کرنے والا ان پڑھ (اُمّی) ہے، یعنی کسی مکتب یا مدرسے میں اس نے تعلیم حاصل نہیں کی، یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ کتاب، اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی ہے، کیونکہ عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ ایک ان پڑھ (اُمّی) اتنے علوم پر دسترس حاصل کر سکے۔

(2) اس کتاب کے نازل کرنے والے اللہ نے انسانوں اور جنوں کو چیلنج دیا ہے کہ اس کی مثل لا کر دکھائیں۔ ارشادِ گرامی ہے:

﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾

’’کہہ دو کہ اگر انس وجن اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔‘‘ [2]

عرب کے بڑے بڑے فصحاء وبلغاء بھی اس چیلنج میں شریک تھے کہ وہ اس کی مانند دس سورتیں، بلکہ ایک سورت ہی بنا لائیں۔ مگر یہ سب عاجز رہے اور اس کی مثل نہ لا سکے۔ یہ اس بات کی بہت بڑی اور قوی دلیل ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔

(3) قرآنِ پاک میں بعض ایسے امورِ غیبیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے، جن میں سے بعض قرآن کے بیان کے مطابق بلاکم و کاست وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ یہ بھی اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔

(4) اس سے پہلے بھی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں، جیسے تورات موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر۔ تو ان کے بعد قرآن کے ’’مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰہِ‘‘ ہونے کا انکار نہیں ہو سکتا، کیا عقل نزولِ قرآن کو محال قرار دیتی ہے یا اسے ممنوع بتاتی ہے؟ نہیں

[1] [ضعيف] مسند أبي يعلى: 102/4، حديث: 2135، ومسند أحمد: 338/3، وشعب الإيمان للبيهقي: 200/1، حديث: 176، اس کی سند مجالد راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن شیخ البانی فرماتے ہیں۔ ولكن الحديث حسن عندي لأن له طرقاً عند اللالكائي والهروي وغيرهما. لیکن میرے نزدیک حدیث حسن ہے کیونکہ لالکائی اور ہروی وغیرہ کے ہاں اس کے اور طرق بھی ہیں۔ هداية الرواة بتخريج المشكاة، باب الاعتصام، الفصل الثاني. (ع۔و) [2] بنیٓ إسرآءيل 88:17.

بلکہ عقل تو اس کے نزول کا حتمی اور یقینی فیصلہ دیتی ہے۔

(5) قرآنِ مجید میں پیش کردہ تاریخی واقعات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا تو وہ اس کے عین مطابق پائے گئے، نیز اس میں جن پیشین گوئیوں کا تذکرہ ہے، وہ بھی حقائق کے مطابق ہیں۔ احکام وشرائع کو دیکھا گیا تو ان سے بھی مطلوبہ نتائج، یعنی امن، عزت، کرامت، اور علم وعرفان کا ظہور ہوا۔ خلفائے راشدین کا زریں دور اس کا شاہد ہے۔

تو اس دعوے پر کہ "قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور وحی ہے اور اسی نے اپنی مخلوق میں سے افضل ترین خاتم النبیین پر اسے نازل کیا ہے" اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

باب:8 رسولوں پر ایمان

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ جل مجدہ نے انسانوں میں سے پیغمبروں کا انتخاب فرمایا، ان کی طرف اپنی شریعت وحی فرمائی اور انھیں حکم دیا کہ اسے لوگوں تک پہنچائیں تاکہ قیامت کے دن اپنے برخلاف ان کی حجت ختم کر دے۔ انھیں واضح احکام دیے اور معجزات کے ذریعے سے اُنھیں تقویت سے نوازا۔ سب سے پہلے نبی نوح علیہ السلام تھے[1] اور سب سے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سب انبیاء بشر تھے اور اکثر بشری عوارض انھیں لاحق تھے۔ وہ کھاتے، پیتے، بیمار ہوتے، تندرست ہوتے، بھول جاتے، یاد کرتے، زندہ رہتے اور وفات پاتے، مگر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں وہ علی الاطلاق برتر، اکمل اور بلا استثنا افضل تھے۔ جب تک جملہ انبیاء علیہم السلام پر اجمال وتفصیل کے ساتھ ایمان نہ لایا جائے، کوئی بھی شخص ایماندار نہیں بن سکتا۔ عقلی ونقلی دلائل اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

کتاب وسنت سے وجودِ انبیاء علیہم السلام پر دلائل (1) اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور ان کی بعثت ورسالت کے بارے میں ہمیں خبر دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾

"اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو۔"[2]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ ﴾

(1) آدم علیہ السلام کے بعد یا لوگوں میں بگاڑ اور راہِ راست سے انحراف پیدا ہونے کے بعد جو سب سے پہلے نبی اور رسول مبعوث ہوئے وہ نوح علیہ السلام تھے۔ (2) النحل 36:16.

"فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کو اللہ ہی منتخب فرماتا ہے،[1] بے شک اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے۔"[2]

ارشادِ عالی ہے: ﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾

"بے شک ہم نے آپ کی طرف اُسی طرح وحی کی ہے، جس طرح نوح اور اس کے بعد دوسرے انبیاء کی طرف کی تھی اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کو وحی بھیجی۔ داود (علیہ السلام) کو ہم نے زبور دی اور آپ سے پہلے کے کئی رسولوں کے واقعات ہم آپ کو بتا چکے ہیں اور کئی رسولوں کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام کیا۔ یہ رسول (تھے) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ بڑا زبردست (اور) بڑی حکمت والا ہے۔"[3] مزید فرمایا:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾

"یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا، اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (قواعدِ عدل) بھی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"[4]

نیز فرمایا: ﴿ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ﴾

"اور ایوب (علیہ السلام) (کا تذکرہ کیجیے) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"[5]

اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ﴾

"اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے، وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔"[6]

ارشادِ ربانی ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ ﴾

"اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو (9) کھلی نشانیاں دیں، آپ خود ہی بنی اسرائیل سے پوچھ لیں کہ جب وہ ان کے پاس آئے۔"[7] ارشادِ گرامی ہے:

﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾

[1] کسی فرشتے کے رسول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جس فرشتے کو، جب، جہاں اور جس کام کے لیے چاہتا ہے بھیج دیتا ہے۔ [2] الحج 22:75. [3] النسآء 4:163-165. [4] الحدید 57:25. [5] الأنبیآء 21:83. [6] الفرقان 25:20. [7] بنیٓ إسرآءیل 17:101.

''اور جب ہم نے انبیاء (علیہم السلام) سے پختہ عہد لیا، آپ سے اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا تاکہ وہ (اللہ) سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔''[1]

② رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے اور دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام کے متعلق ہمیں خبر دی ہے۔ آپ نے فرمایا:

«مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَنْذَرَ قَوْمَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ (الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ)»

''اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی مبعوث فرمائے، سب نے اپنی قوم کو کانے اور جھوٹے (مسیح دجال) سے ڈرایا ہے۔''[2]

ارشادِ نبوی ہے: «لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ»

''اللہ کے انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو (اس انداز سے کہ اس سے کسی دوسرے کی توہین کا پہلو نکلے۔)''[3]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی تعداد دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مِائَةُ أَلْفٍ وَّعِشْرُونَ أَلْفًا، (وَالْمُرْسَلُونَ مِنْهُمْ) ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّ ثَلَاثَةَ عَشَرَ»

''ایک لاکھ بیس ہزار نبی ہیں اور ان میں تین سو تیرہ رسول ہیں۔''[4]

فرمانِ نبوی ہے: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا مَّا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَّتَّبِعَنِي»

''مجھے اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری پیروی کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔''[5]

آپ کو ''خیر البریہ'' کے لقب سے مخاطب کیا گیا تو آپ ﷺ نے انکسار سے فرمایا:

«ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ» ''یہ تو ابراہیم (علیہ السلام) ہیں۔''[6]

نیز فرمایا: «مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَّقُولَ: أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُّونُسَ بْنِ مَتّٰى»

① الأحزاب 33:7,8. ② صحيح البخاري، التوحيد، باب قول اللّٰه تعالٰى: ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِىٓ﴾، حديث: 7408، وصحيح مسلم، الفتن، باب ذكر الدجال، حديث: 2933. ③ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول اللّٰه تعالٰى: ﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ﴾، حديث: 3414، وصحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسٰى علیہ السلام، حديث: 2373. ④ [ضعيف جدًا] صحيح ابن حبان: 77/2، حديث: 361، اس کی سند ابراہیم بن ہشام بن یحییٰ الغسانی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ ⑤ [ضعيف] مسند أحمد: 338/3 و387، والمصنف لابن أبي شيبة: 314/5، حديث: 26412، وشعب الإيمان للبيهقي: 200/1، حديث: 179. اس کی سند مجالد بن سعید کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ کے نزدیک تعددِ طرق کی بنا پر یہ حدیث حسن ہے، هداية الرواة مشكاة المصابيح، باب الاعتصام، الفصل الثاني. (ع۔و) ⑥ صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل علیہ السلام، حديث: 2369.

''کسی بندے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے کہ ''میں (رسول اللہ ﷺ) یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات آسمانوں پر انبیاء میں سے حضرت یحییٰ، عیسیٰ، یوسف، ادریس، ہارون، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات کی اور واپسی پر ان کے بعض احوال اور بیت المقدس میں ان کی امامت کرانے کا تذکرہ فرمایا۔[2]

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: «إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»

''اللہ تعالیٰ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔''[3]

③ انسانوں میں سے کروڑوں مسلمان اور دیگر لوگ، یعنی یہود و نصاریٰ اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل علیہم السلام کو مانتے اور تصدیق کرتے ہیں کہ وہ کامل انسان تھے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں اپنا پیغام پہنچانے کے لیے چنا تھا۔

عقلی دلائل ① اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمتِ کاملہ کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی طرف رسول بھیجے تاکہ وہ اپنے رب کی پہچان کرے، اپنے انسانی کمالات تک رسائی حاصل کر سکے اور اس طرح دنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو۔

② اللہ جل جلالہ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ ﴾

''اور میں نے انسانوں اور جنوں کو اس لیے پیدا کیا، تاکہ وہ میری ہی عبادت کریں۔''[4]

نظامِ عبادت واطاعت کا تقاضا ہے کہ عوام کی طرف رسول بھیجے جائیں تاکہ بندے معلوم کر سکیں کہ انھیں کس طرح عبادت کرنی اور کیسی اطاعت سرانجام دینی ہے کیونکہ اسی اہم مقصد کے لیے ان کی تخلیق ہوئی ہے۔

③ اطاعت کے نتیجے میں نفس کی تطہیر اور نافرمانی کے نتیجے میں نفس کی خباثت مرتب ہوتی ہے اور اسی پر جزا وسزا کا نظام ترتیب پاتا ہے، اگر انبیاء علیہم السلام کی بعثت نہ ہوتی تو قیامت کے دن لوگ کہتے: ''اے اللہ! ہمیں تو تیری اطاعت کا پتہ ہی نہیں تھا کہ کیسے ہوتی ہے اور ہم نافرمانی و معصیت کو نہیں جانتے تھے کہ اس سے احتراز کرتے۔ تیرے ہاں ظلم نہیں ہے، لہٰذا ہمیں آج سزا نہ دے۔''

چنانچہ اتمامِ حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغام پہنچانے والے مقرر کر دیے۔ ارشادِ عالی ہے:

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾، حديث: 3415، 3416، وصحيح مسلم، الفضائل، باب في ذكر يونس......، حديث: 2377، و مسند أحمد: 405/2. ② صحيح البخاري، الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء، حديث: 349، وسنن النسائي، الصلاة، باب فرض الصلاة......، حديث: 451. ③ صحيح البخاري، البيوع، باب كسب الرجل وعمله بيده، حديث: 2072. ④ الذّٰريٰت 56:51.

''پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تا کہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کی اللہ پر کوئی حجت نہ رہے۔ اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' [1]

باب:9

رسالتِ محمدیہ پر ایمان

ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب الہاشمی القرشی ﷺ، جن کا لقب ''النبی الامی'' ہے، اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپ کی بعثت گورے اور کالے تمام انسانوں کی طرف ہوئی۔ آپ کی آمد سے سلسلۂ نبوت ختم ہوا اور آپ کے بعد آسمان سے وحی کا آنا موقوف ہو گیا۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا اور نہ کوئی رسول مقرر کیا جائے گا۔ معجزات کے ساتھ آپ کی تائید ہوئی ہے اور سب انبیاء علیہم السلام پر آپ کو فضیلت اور برتری حاصل ہے اور آپ کی امت سب امتوں سے زیادہ شان اور مرتبے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت لازم اور آپ کی اتباع و پیروی فرض قرار دی ہے اور آپ کو ایسی خصوصیات عطا ہوئی ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں ہوئیں۔ جیسے وسیلہ (ایک مقام)، حوضِ کوثر اور مقامِ محمود وغیرہ۔

درج ذیل عقلی و نقلی دلائل سے یہ عقیدہ ثابت شدہ ہے۔

قرآن وسنت سے دلائل: ① اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور فرشتوں نے آپ ﷺ پر وحی اترنے کی شہادت دی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾

''لیکن اللہ نے جو (کتاب) آپ پر نازل کی ہے، اللہ اس کے متعلق گواہی دیتا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہ کے طور پر تو اللہ ہی کافی ہے۔'' [2]

② اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالتِ عامہ، اطاعت ومحبت کی فرضیت اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ان آیات میں ذکر کیا ہے۔ ارشادِ باری ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ﴾

''اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ رسول آ گیا ہے، پس تم (اس پر) ایمان لاؤ (اسی میں) تمھاری بھلائی ہے۔'' [3] ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ﴾

① النسآء 165:4. ② النسآء 166:4. ③ النسآء 170:4.

''اے اہل کتاب! تمھارے پاس رسولوں کے ایک طویل وقفے کے بعد ہمارا (آخری) رسول آ گیا ہے جو تمھارے لیے (ہمارے احکام) واضح کر رہا ہے، مبادا یہ کہو کہ ہمارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا کوئی نہیں آیا۔ سو (اب) تمھارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے۔''[1]

ارشادِ عالی ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''[2] ارشادِ گرامی ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

''اسی نے ان پڑھوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے روبرو اس کی آیات پڑھتا ہے اور انھیں (گناہوں سے) پاک کرتا اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''[3]

نیز فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔''[4]

مزید فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝

''بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر (حق وباطل میں) فرق کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔''[5]

اور فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں (کے سلسلے) کو ختم کرنے والے ہیں۔''[6]

یہ بھی فرمایا: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ ''قیامت قریب آ گئی اور چاند (دو) ٹکڑے ہو گیا۔''[7]

فرمانِ باری ہے: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ ''بے شک ہم نے تجھے کوثر عطا کی۔''[8] فرمانِ ربانی ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ ''اور عنقریب تجھے تیرا پروردگار وہ کچھ دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔''[9]

فرمانِ الٰہی ہے: عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

''قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقامِ محمود پر فائز کر دے۔''[10]

ارشادِ گرامی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

1 المآئدة 19:5. 2 الأنبيآء 107:21. 3 الجمعة 2:62. 4 الفتح 29:48. 5 الفرقان 1:25. 6 الأحزاب 40:33.
7 القمر 1:54. 8 الكوثر 1:108. 9 الضحى 5:93. 10 بنيّ إسرآءيل 79:17.

’’اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔‘‘ [1] فرمانِ عالی شان ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾

’’کہہ دیجیے کہ اگر تمھارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، قبیلہ اور اموال جنھیں تم کماتے ہو اور تجارت جس کے نقصان کا تمھیں خطرہ ہے اور رہائش گاہیں جنھیں تم پسند کرتے ہو، (اگر) یہ سب تمھیں اللہ، اس کے رسول (ﷺ) اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب وپسندیدہ ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ (عذاب) لے آئے۔‘‘ [2]

ارشادِ مقدس ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾

’’تم ایک بہترین جماعت ہو جو انسانوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے۔‘‘ [3]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

’’اور اسی طرح ہم نے تم کو افضل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے۔‘‘ [4]

فرمانِ باری ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾

’’کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو، اللہ تمھیں محبوب بنا لے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔‘‘ [5]

③ خود رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، آپ پر سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا ہے، اب قیامت تک آپ کی اطاعت لازم ہے اور آپ کا پیغام سب انسانوں کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ»

’’میں نبی ہوں، یہ سچ ہے جھوٹ نہیں، اور میں عبد المطلب (کے بیٹے) کا بیٹا ہوں۔‘‘ [6]

فرمانِ نبوی ہے: «إِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوبٌ بِخَاتَمِ النَّبِيِّينَ، وَ إِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ»

’’میں اللہ کے ہاں نبیوں (کے سلسلۂ نبوت) کو ختم کرنے والا لکھا ہوا ہوں۔ یہ فیصلہ اس وقت سے صادر شدہ ہے، جب آدم (علیہ السلام) اپنی مٹی میں پڑے ہوئے تھے۔‘‘ [7]

① النسآء 59:4. ② التوبة 24:9. ③ آل عمرٰن 110:3. ④ البقرة 143:2. ⑤ آل عمرٰن 31:3. ⑥ صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من صف أصحابه عند الهزيمة......، حديث: 2930، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: 1776. ⑦ [حسن] صحيح ابن حبان: 313/14، حديث: 6404، اس کے متعدد شواہد ہیں، دیکھیے: مجمع ◄◄

مزید فرمایا: «إِنَّ مَثَلِي وَ مَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَ أَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَ يَعْجَبُونَ لَهُ وَ يَقُولُونَ: هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ، قَالَ فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَ أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ»

''میری اور پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال اس طرح ہے جیسا کہ وہ شخص جس نے خوبصورت محل تیار کیا اور ایک کنارے پر ایک اینٹ کی جگہ خالی رہنے دی۔ لوگ گھوم پھر کر اس محل کو دیکھتے اور پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: سو وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''[1]

نیز فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَ وَلَدِهِ [وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ]»

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب نہ سمجھے۔''[2]

اور فرمایا: «كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَ مَنْ يَّأْبٰى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَ مَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبٰى»

''میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جو انکار کر دے۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کون انکار کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جس نے میری فرمانبرداری کی وہ بہشت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی، یقیناً اس نے انکار کیا۔''[3]

یہ بھی فرمایا: «إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِانْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ»

''بے شک رسالت و نبوت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ چنانچہ میرے بعد کوئی رسول ہے نہ نبی۔''[4] ارشادِ نبوی ہے:

«فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَ أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَّ مَسْجِدًا، وَ أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ»

◂◂ الزوائد: 8/409، و مسند أحمد: 4/127، وشعب الإيمان للبيهقي: 2/134، حديث: 1385. [1] صحيح البخاري، المناقب، باب خاتم النبيين، حديث: 3535، و صحيح مسلم، الفضائل، باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين، حديث: 2286. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب حب الرسول ﷺ من الإيمان، حديث: 15,14. [3] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7280. [4] [صحيح] مسند أحمد: 3/267، و جامع الترمذي، الرؤيا، باب ذهبت النبوة وبقيت المبشرات، حديث: 2272 وقال: حسن صحيح غريب. اسے حاکم (4/391) اور ذہبی نے امام مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

''مجھے دیگر انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں فضیلت اور فوقیت دی گئی ہے: مجھے جوامع الکلم [1] عطا کیے گئے ہیں، میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے۔ [2] میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں (لڑائی میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت)، میرے لیے زمین پاک کرنے والی چیز اور مسجد بنا دی گئی ہے، میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری آمد سے نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔'' [3]

فرمانِ نبوی ہے: «مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَ مَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَ مَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَ مَنْ عَصٰى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي»

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی حکم عدولی کی، اس نے میری حکم عدولی کی۔'' [4] حدیث نبوی ہے:

«إِنَّ الْجَنَّةَ حُرِّمَتْ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ كُلِّهِمْ حَتّٰى أَدْخُلَهَا، وَ حُرِّمَتْ عَلَى الْأُمَمِ حَتّٰى تَدْخُلَهَا أُمَّتِي»

''میرے داخل ہونے سے پہلے جنت تمام انبیاء پر حرام کر دی گئی ہے اور میری امت کے داخل ہونے سے پہلے جنت تمام امتوں پر حرام کر دی گئی ہے۔'' [5]

اور فرمایا: «إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ كُنْتُ إِمَامَ النَّبِيِّينَ وَ خَطِيبَهُمْ وَ صَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ»

''قیامت کے دن میں انبیاء علیہم السلام کا امام اور خطیب ہوں گا اور ان (کی امتوں) کی سفارش کرنے والا ہوں گا اور اس میں کوئی فخر نہیں۔'' [6] ارشادِ نبوی ہے:

«أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ أَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَ أَوَّلُ شَافِعٍ وَّ أَوَّلُ مُشَفَّعٍ»

''میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا اور سب سے پہلے سفارش کروں گا اور سب سے پہلے میری سفارش قبول ہوگی۔'' [7]

(1) جوامع الکلم، یعنی ایسے جامع کلمات جن کے الفاظ مختصر مگر معنی و مفہوم میں بڑی وسعت ہو۔ 2: دشمن ایک ماہ کی مسافت کے فاصلے پر ہونے کے باوجود مجھ سے مرعوب ہوجاتا ہے۔ 3: صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 523، وجامع الترمذي، السير، باب ماجاء في الغنيمة، حديث: 1553. 4: صحيح البخاري، الأحكام، باب قول الله تعالٰى: ﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾، حديث: 7137. 5: فيض القدير: 76/1، تحت الحديث: 3، یہ روایت ضعیف ہے اس کی کوئی سند بھی ثابت نہیں ہے، امام ابوزرعہ نے اسے منکر کہا ہے۔ 6: [حسن] جامع الترمذي، المناقب، باب: «سلوا الله لي الوسيلة»، حديث: 3613، وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الشفاعة، حديث: 4314. 7: صحيح مسلم، الفضائل، باب تفضيل نبينا ﷺ على جميع الخلائق، حديث: 2278.

④ پہلی آسمانی کتابیں تورات اور انجیل بھی آپ کی رسالت ونبوت کی شہادت دیتی ہیں بلکہ خود موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام نے بھی آپ کی آمد کی خوشخبری سنائی اور پیشین گوئی کی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ﴾

''اور جب عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے کہا: ''اے بنی اسرائیل! میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے تھی اور تمھیں ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا۔''[1] ارشادِ باری ہے:

﴿ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ﴾

''وہ اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو اُمّی نبی ہے، جس (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انھیں اچھائی کا حکم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام قرار دیتا ہے۔''[2]

(١) تورات میں لکھا ہے:

''میں ان کے بھائیوں میں تیرے جیسا نبی بھیجوں گا۔ اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ وہ ہر اس چیز کا حکم دے گا جو میں اسے حکم کروں گا اور میرے نام سے جو باتیں وہ کہے گا، اس کی اطاعت نہ کرنے والے سے میں انتقام لوں گا۔''[3]

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی یہ بشارت تورات میں آج بھی موجود ہے جو آپ کی اتباع اور اطاعت کو لازم قرار دیتی ہے اور یہ بشارت قومِ یہود پر حجت ہے۔ وہ اس کی تاویل کرتے رہیں، انکار کرتے رہیں مگر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ''میں ان کے بھائیوں میں تیرے جیسا نبی بھیجوں گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی حقانیت کی شہادت دیتا رہے گا، اس لیے کہ اس الہام میں مخاطب موسیٰ علیہ السلام ہیں اور وہ نبی اور رسول تھے تو ان کی مثل جو آئے گا وہ بھی نبی اور رسول ہوگا اور یہ فرمان کہ ''ان کے بھائیوں میں نبی بھیجوں گا'' کتنا واضح جملہ ہے کہ اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور فرمانِ ایزدی کہ ''میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا'' آپ کے سوا اور کس پر منطبق ہوسکتا ہے۔ جبکہ آپ ہی اللہ کا کلام، قرآن سناتے ہیں اور اس کے حافظ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعین کے لیے یہ بھی ایک واضح ثبوت ہے کہ آپ نے (وحی کے ذریعے سے) قیامت تک آنے والے بعض اہم غیبی امور کی خبر دی ہے جبکہ کسی اور نبی کے کلام میں یہ باتیں نہیں ملتیں۔

[1] الصّف 6:61۔ [2] الأعراف 157:7۔ [3] تورات، استثناء: 19,18/18، و بائبل اردو، ص: 184۔

② تورات میں یہ بھی ہے: ''اے نبی! ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا مبعوث کیا ہے۔ تو ان پڑھوں کا محافظ ہے اور میرا بندہ اور رسول ہے۔ میں نے تیرا نام ''توکل کرنے والا'' رکھا ہے، تو بد خلق، درشت گفتار نہیں ہے اور نہ بازاروں میں اونچی آوازیں لگانے والا ہے، برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا، بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے..... اور انھیں اس وقت موت آئے گی جب گمراہ قوم ٹھیک ہو جائے گی اور وہ کہیں گے: ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں'' ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھیں، بہرے کان اور بند شدہ دل کھول دے گا۔''

③ نیز تورات میں لکھا ہے:

''ان لوگوں نے اپنے معبودانِ باطلہ کی پرستش کر کے مجھے غضب ناک کر دیا ہے، میں انھیں ایک اور گروہ کے ذریعے سے تبدیل کروں گا اور جاہل گروہ (شعب جاہل) کے ذریعے سے میں انھیں غصہ دلاؤں گا۔''

''شعب جاہل'' سے واضح طور پر عرب مراد ہیں کیونکہ آپ کی آمد سے پہلے یہ محض جاہل تھے، اسی لیے یہودی، عربوں کو ''ان پڑھ'' کہتے تھے۔

④ اسی طرح تورات میں یہ بھی تحریر ہے: ''یہودا سے چھڑی زائل نہیں ہوگی اور مدبر اسی کی نسل میں رہیں گے، یہاں تک کہ وہ آ جائے جس کے لیے سب کچھ ہے اور اقوام اسی کے انتظار میں ہوں گی۔''

اقوام و ملل ہمارے نبی محمد ﷺ کے سوا کس کے انتظار میں تھیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہود تو بالخصوص شدت سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ البتہ حسد نے انھیں ایمان واتباع کی دولت سے محروم کر دیا۔ سورۂ بقرہ میں ارشادِ باری ہے:

﴿ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''وہ (یہودی) اس سے پہلے کافروں کے خلاف فتح کی دعائیں مانگتے تھے۔ پھر جب ان کے پاس وہ (آخری رسول) آ گیا، جسے انھوں نے پہچان بھی لیا تو اس کا انکار کر دیا، پس ان انکار کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

اور انجیل میں درج ذیل خوشخبریاں موجود ہیں:

① ''انھی دنوں یوحنا یہود میں وعظ کرنے آیا اور کہا: ''توبہ کرو، آسمانوں کی بادشاہت (کی آمد) کا وقت قریب آ گیا ہے۔'' ''آسمانی بادشاہت'' کا اشارہ حضرت محمد ﷺ کی طرف ہے۔

② ایک اور مثال میں ارشاد فرمایا: ''آسمانی بادشاہت کی مثال رائی کے دانے کی ہے، جسے انسان اپنے کھیت میں کاشت کرتا ہے جبکہ یہ چھوٹا سا بیج ہوتا ہے، لیکن جب بڑھتا ہے تو بڑی سبزی بن جاتا ہے۔''

انجیل کی یہ عبارت قرآنِ پاک کی اس مثال کی عکاسی کر رہی ہے:

[1] البقرۃ 2:89.

وَ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۚ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ

''اوران کی مثال انجیل میں اس کھیتی کی طرح ہے جس سے ایک کونپل نکلی، پھر وہ مضبوط ہوئی، پھر موٹی ہوئی، پھر وہ تنے پر اس طرح کھڑی ہوئی کہ کسانوں کو بھلی لگی، تاکہ کفار ان کی وجہ سے جلیں اور غضب ناک ہوں۔''[1]

اس سے مراد محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں۔

③ ''میں اب جارہا ہوں، اگر میں نہیں جاؤں گا تو وہ فارقلیط (بہت تعریف والا) نہیں آئے گا۔ میں چلا گیا تو اسے تمھاری طرف ضرور بھیجوں گا۔ جب وہ آئے گا تو سب جہان والوں کو گناہ پر تنبیہ کرے گا۔''

انجیل کے اس جملہ میں کس قدر واضح انداز سے محمد ﷺ کی آمد کی خوش خبری دی گئی ہے۔ اگر اس سے آپ مراد نہ ہوں (تو پھر) فارقلیط (بہت حمد کرنے والا یا بہت تعریف کیا ہوا، یعنی محمد یا احمد) کون ہے؟ اور کس نے اقوامِ عالم کو معصیت وگناہ پر ڈانٹ دی ہے؟ جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اس وقت دنیا والے شر وفساد کے سمندر میں تیر رہے تھے اور ان میں بت پرستی خیمہ زن تھی اور اہلِ کتاب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد ﷺ کے علاوہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کے مالک، اللہ جل شانہ، کی طرف دعوت دی؟

عقلی دلائل ① آخر اس سے کیا مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو رسول مقرر کر کے مبعوث کرے جبکہ اس سے قبل سیکڑوں رسول اور ہزاروں نبی مقرر کیے گئے ہیں۔ عقلاً وشرعاً کوئی چیز اس سے مانع نہیں تو پھر آپ کی عامۃ الناس کے لیے رسالت ونبوت کا کیونکر انکار کیا جائے؟

② آپ کے زمانے کے حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ انسانوں کے پاس آسمانی پیغام پہنچے، اللہ تعالیٰ کا قاصد ازسرِ نو معرفتِ الٰہی کی تجدید کرے اور انسان اللہ تعالیٰ کی صحیح پہچان کر لیں۔

③ اطرافِ عالم کی بہت بڑی آبادی میں اسلام کا تیزی سے پھیلنا اور لوگوں کا اپنے مذاہب ترک کر کے اسے اپنانا، آپ کی صداقتِ نبوت کی دلیل ہے۔

④ اور آپ کے پیش کردہ اصولوں کا سچا، درست اور کارآمد ثابت ہونا، جن کے فوری اور بابرکت نتائج برآمد ہوئے، یہ سب اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہیں کہ یہ تعلیمات اللہ کی طرف سے ہیں اور ان کا حامل، اللہ تعالیٰ کا سچا رسول اور برحق نبی ہے۔

⑤ آپ کے ذریعے سے معجزات کا صدور اور خرقِ عادت امور کا وقوع پذیر ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے

[1] الفتح 29:48۔

کام کسی غیر نبی اور رسول کے ہاتھوں ظاہر نہیں ہو سکتے۔

ہم کچھ معجزات ذیل میں تحریر کرتے ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں بلکہ انھیں تواتر کا درجہ حاصل ہے، جنھیں بجز کسی بے عقل کے کوئی رد نہیں کر سکتا۔

❁ ''چاند کا شق ہونا'' جب ولید بن مغیرہ اور دیگر کفارِ قریش نے آپ سے دعوائے نبوت کی صداقت کا معجزہ طلب کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا، ایک حصہ پہاڑ کے اوپر جبکہ دوسرا اس کے نیچے جا گرا (پھر دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔) نبی ﷺ نے فرمایا: ''گواہ رہو!''[1] اور جب قریش نے دوسرے علاقے کے لوگوں سے شق قمر کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے بھی اپنے اپنے مشاہدے کی خبر دی۔'' قرآنِ پاک میں اس کا اظہار یوں ہوا ہے:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴾

''قیامت قریب آ گئی اور چاند شق ہو گیا اور اگر یہ (کافر) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو (عہدِ قدیم سے) چلا آ رہا ہے اور انھوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے۔''[2]

❁ غزوۂ احد کے دن حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل کر رخسار تک آ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اس کی جگہ لگا دیا تو وہ پہلے سے بھی بہتر بن گئی۔[3]

❁ غزوۂ خیبر کے دن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ان پر اپنا لعابِ دہن لگایا اور ان کی آنکھیں اس طرح ٹھیک ہو گئیں جیسے انھیں کبھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔[4]

❁ غزوۂ خیبر میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر زخم لگا تو اس پر آپ ﷺ نے تین دفعہ دم کیا تو انھیں اس کے بعد درد کا احساس تک نہیں ہوا۔[5]

❁ درخت کی گواہی: اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بدوی آپ کے قریب آیا۔ آپ نے پوچھا: ''اے بدوی! تو کہاں جانا چاہتا ہے؟'' اس نے کہا: اپنے اہلِ خانہ کے پاس، آپ نے پوچھا: ''کیا تو کسی بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے؟'' اس نے پوچھا: کون سی بھلائی؟ آپ نے فرمایا: ''تو اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اس کا بندہ اور رسول ہے۔'' اعرابی نے کہا: آپ کی بات پر کون شہادت دے گا؟ آپ

1 صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا ﴾، حديث: 4864. 2 القمر 54:1-3. 3 [ضعيف] أسد الغابة: 371/4، وحاشية سير أعلام النبلاء: 332/2. 4 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب علي بن أبي طالب، حديث: 3701، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب، حديث: 2406.
5 صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4206.

نے فرمایا: ”یہ درخت۔“ آپ نے وادی کے کنارے کھڑے درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔ وہ درخت زمین کو چیرتا ہوا آپ کے سامنے کھڑا ہوا، آپ نے اس سے تین بار شہادت مانگی اور اس نے بھی تین بار شہادت دی۔[1]

✤ کھجور کے تنے کا رونا اور اس کی آہ و بکا کو تمام مسجد والوں کا سننا: جب رسول اللہ ﷺ خطبۂ جمعہ منبر پر دینے لگے اور اس کھجور کے تنے سے دور ہو گئے تو وہ (جدائی برداشت نہ کر سکا اور) آپ کی محبت کے جذبات سے مغلوب ہو کر رونے لگا اس عالم میں اس درخت کے تنے سے گابھن اونٹنی کی طرح آواز نکل رہی تھی، جسے تمام مسجد والوں نے سنا۔ بالآخر آپ اس کے قریب آئے اور اس پر ہاتھ مبارک رکھا تب وہ خاموش ہوا۔[2]

✤ کسریٰ کے بارے میں آپ نے فرمایا: ”اس نے ہمارا مکتوب پھاڑا ہے، اس کا ملک اسی طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گا۔“[3] چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

✤ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے آپ نے فقاہتِ دین کی دعا فرمائی۔ چنانچہ وہ اس امت کے بہت بڑے فقیہ بنے۔[4]

✤ آپ کی دعا سے ”جو“ کے دو مد (ماپنے کا ایک پیمانہ جس کا وزن 625 گرام ہے) میں اتنی برکت ہو گئی کہ اسی (80) سے زائد افراد اس سے شکم سیر ہوئے۔[5]

✤ آپ کی دعا سے حدیبیہ کے دن پانی میں برکت ہوئی جب پانی کے ایک چھوٹے سے برتن میں آپ نے ہاتھ رکھا اور انگلیوں کے درمیان سے پانی چشموں کی طرح ابل پڑا۔ چنانچہ اس سے پندرہ سو کے قریب لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور وضو کیا۔[6]

✤ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ”اسراء“ اور بلند و بالا آسمانوں کا ”معراج“ اور ”سدرۃ المنتہیٰ“ تک ”صعود“ (چڑھائی) اور جب آپ (اسی رات میں) اپنے بستر کی طرف لوٹے تو وہ بدستور پہلے کی طرح گرم تھا۔[7]

✤ اور سب سے بڑا معجزہ اور ابدی نشانی قرآنِ کریم ہے۔ اس میں گزشتہ لوگوں کے احوال اور آئندہ والوں کی خبریں ہیں، نیز اس میں ہدایت اور نور ہے۔ رہتی دنیا تک اس کا اعجاز قائم ہے۔ یہ آپ کی نبوت کی سچائی پر ایک عظیم دلیل اور

1 [صحیح] سنن الدارمي، باب ما أكرم الله به نبيه من إيمان الشجربه والبهائم والجن، حديث: 16 وهو حديث صحيح. 2 صحيح البخاري، الجمعة، باب الخطبة على المنبر، حديث: 918. (3) مسند أحمد: 442/3. (4) صحيح البخاري، الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، حديث: 143، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن عباس رضي الله عنهما، حديث: 2477. (5) صحيح البخاري، الأطعمة، باب من أكل حتى شبع، حديث: 5381، وصحيح مسلم، الأشربة، باب جواز استباعه غيره إلى دار من يثق برضاه بذالك......، حديث: 2040. (6) صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3576. (7) صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، حديث: 3207، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات و فرض الصلوات، حديث: 162.

مخلوق میں قیامت تک کے لیے حجت ثابتہ ہے۔ بلکہ نبی ﷺ کو جو معجزات عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا اور واضح معجزہ قرآنِ مقدس ہی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا وَ قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَ إِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''ہر نبی کو ایسے معجزات عطا ہوئے کہ ان کی شان یہ تھی کہ اس کی مثل پر لوگ ایمان لے آئیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے وحی کی صورت میں نشانی عطا کی ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے تابع فرمان سب سے زیادہ ہوں گے۔''[1]

باب: 10 یومِ آخرت پر ایمان

ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دنیا کی یہ زندگی بالآخر ختم ہو جائے گی اور ایک آخری دن ہے جس کے بعد کوئی دن نہیں ہوگا۔ پھر دوسری زندگی شروع ہو جائے گی اور وہ آخرت کا گھر ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مخلوق کو پھر سے اٹھائے گا تاکہ ان کا محاسبہ کرے، اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو جنت میں ہمیشہ کی نعمتوں سے نوازے گا اور نافرمانوں کو جہنم میں ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

مگر اس سے پہلے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی، مثلاً: مسیح دجال اور یاجوج ماجوج کا خروج، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام، خروجِ دابہ اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ۔

پھر انسانوں کو بے ہوش اور فنا کرنے کے لیے صور پھونکا جائے گا، پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے اور جمع کرنے کے لیے صور پھونکا جائے گا۔ ہر کوئی ربِ کائنات کے آگے کھڑا ہوگا اور اعمال نامے ہاتھوں میں پکڑا دیے جائیں گے۔ کوئی دائیں ہاتھ سے پکڑنے والا ہوگا اور کوئی بائیں ہاتھ سے، ترازو لگے گی، حساب شروع ہو جائے گا، پل صراط نصب کر دیا جائے گا اور بالآخر پھر سارا معاملہ جنتیوں کے جنت میں قیام پذیر ہونے اور جہنمیوں کے جہنم میں گرنے پر اختتام پذیر ہوگا۔ ان باتوں کی تصدیق کے لیے درج ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیے:

کتاب وسنت سے دلائل | (1) اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بارے میں ہمیں خبر دی ہے۔ ارشادِ باری ہے:

[1] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحي وأول مانزل؟ حديث:4981، وصحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا......، حديث:152.

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ ﴾

''ہر وہ (مخلوق) جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والی ہے اور صرف تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو عظمت اور بزرگی والی ہے۔''[1] ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ ﴾

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی انسان کو دوام نہیں بخشا (ہمیشہ کی زندگی نہیں دی)، بھلا اگر تو مر جائے گا تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے؟ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمھیں برائی اور اچھائی سے آزماتے ہیں اور تم ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔''[2] ارشادِ ربانی ہے:

﴿ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَّنْ يُبْعَثُوا ۚ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ ﴾

''کافروں کا اعتقاد ہے کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے، آپ کہہ دیجیے: ''ہاں!'' کیوں نہیں، میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم نے کیا ہے اس سے تمھیں آگاہ کیا جائے گا اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔''[3]

ارشادِ عالی ہے: ﴿ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَّبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ﴾

''کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ یہ ایک بڑے دن کے لیے اٹھائے جائیں گے، جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔''[4]

نیز فرمایا: ﴿ وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۝ ﴾

''اور آپ (ان لوگوں کو) اکٹھے ہونے کے دن سے، جس میں کوئی شک نہیں، خوف دلائیں (اس روز) ایک فریق جنت میں اور ایک فریق جہنم میں جائے گا۔''[5] مزید فرمایا:

﴿ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ ﴾

''جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی اور زمین اپنے (اندر کے) بوجھ (مردے اور خزانے وغیرہ) نکال دے گی اور انسان کہے گا: ''اسے کیا ہو گیا ہے؟'' اس دن یہ زمین اپنی خبریں بتائے گی، کیونکہ تیرے رب نے

[1] الرحمٰن 55:26، 27. [2] الأنبیآء 21:34، 35. [3] التغابن 64:7. [4] المطففین 83:4-6. [5] الشورىٰ 42:7.

اسے وحی کی ہے۔ اس دن لوگ مختلف گروہوں میں نکلیں گے، تاکہ انھیں ان کے اعمال دکھا دیے جائیں۔ پس جس نے ایک ذرہ بھر نیکی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ بھر برائی کی ہوگی، وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔"[1] اور فرمایا:

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن تَأْتِيَهُمُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِىَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِىَ بَعْضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِى بَعْضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَٰنُهَا لَمْ تَكُنْ ءَامَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِىٓ إِيمَٰنِهَا خَيْرًا﴾

"یہ لوگ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تیرا رب آئے یا تیرے رب کی کچھ نشانیاں آ جائیں۔ جس دن تیرے رب کی کچھ نشانیاں آ جائیں گی تو کسی ایسے شخص کا ایمان لانا اُسے کوئی فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا۔"[2]

ارشادِ رحمٰن ہے:

﴿وَإِذَا وَقَعَ ٱلْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ ٱلْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ ٱلنَّاسَ كَانُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا لَا يُوقِنُونَ ۝﴾

"اور جب ان پر بات ثابت ہو جائے گی تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دَابَّةُ الْأَرْض) نکالیں گے، جو ان سے کلام کرے گا کہ بے شک یہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔"[3] ارشادِ عالی شان ہے:

﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ۝ وَٱقْتَرَبَ ٱلْوَعْدُ ٱلْحَقُّ فَإِذَا هِىَ شَٰخِصَةٌ أَبْصَٰرُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟﴾

"یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج چھوڑ دیے جائیں گے اور وہ ہر اونچے ٹیلے سے تیزی سے دوڑتے آ رہے ہوں گے۔ (قیامت کا) سچا وعدہ قریب ہو جائے گا تو کفر کرنے والوں کی آنکھیں اچانک کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔"[4]

ارشادِ مقدس ہے:

﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ٱبْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝ وَقَالُوٓا۟ ءَأَٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًۢا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَٰٓئِكَةً فِى ٱلْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ۝ وَإِنَّهُۥ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾

"اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تیری قوم کے افراد (خوشی سے) چلانے لگے اور کہنے لگے کہ بھلا ہمارے معبود بہتر ہیں یا یہ (عیسیٰ)؟[5] انھوں نے عیسیٰ کی مثال صرف جھگڑنے کے لیے دی، بلکہ یہ

[1] الزلزال 99:1-8. [2] الأنعام 158:6. [3] النمل 82:27. [4] الأنبیآء 97,96:21. [5] مشرکین مکہ، نبیٔ اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکرِ خیر سنتے تو یہ کٹ حجتی کرتے تھے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے معبود ہونے کے باوجود قابلِ مدح ہیں تو پھر ہمارے معبود کیوں برے ہیں؟ کیا وہ بھی بہتر نہیں؟ یا اگر ہمارے معبود جہنم میں جائیں گے تو پھر »

لوگ ہی جھگڑالو ہیں۔ وہ تو (ہمارا) ایسا بندہ تھا، جس پر ہم نے انعام کیا، اور اسے بنی اسرائیل کے لیے (اپنی قدرت کی) مثال بنایا اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بناتے، جو زمین میں (تمھاری جگہ) رہتے۔ اور یہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کا علم (یا علامت) ہے، پس تم اس (قیامت کی آمد) میں شک نہ کرو۔''[1]

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○ ﴾

''اور جب صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے گا (وہ اس سے مستثنیٰ ہے، مثلاً: حوریں)، پھر دوسری بار پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی، کتاب رکھ دی جائے گی، انبیاء (علیہم السلام) اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے مابین حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور ہر نفس کو اس کا کیا، پورا مل جائے گا اور جو کچھ یہ کرتے ہیں وہ (اللہ) خوب جانتا ہے۔''[2] ارشادِ باری ہے:

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ ﴾

''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے، کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اسے (سامنے) لائیں گے اور ہم حساب لینے کو کافی ہیں۔''[3]

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان احوالِ آخرت کی کیسی خوبصورت عکاسی کرتا ہے:

﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۙ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۙ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ؕ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ○ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ

» حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جہنم میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ ان کا خوشی سے چلانا جدلِ محض ہے۔ یاد رہے کہ قرآنِ پاک نے مشرکین مکہ سے جو یہ کہا تھا کہ ''تم اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن بنو گے'' تو اس سے مراد وہ ہستیاں نہیں ہیں جو فی الواقع اللہ کے ہاں نیک ہیں (دیکھیے: الأنبیآء 21:98و101-103) بلکہ اس سے مراد وہ تصویریں، نشانات، یادگاریں اور بت وغیرہ ہیں جن کی لوگوں نے محض اس لیے پوجا شروع کر دی کہ یہ چیزیں ان بزرگوں کی طرف منسوب ہیں۔ اور جب ہم ان کی پوجا کرتے ہیں تو ان بزرگوں کی روحیں پردۂ غیب سے ہم سے خوش ہو کر ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتی ہیں اور اللہ بھی ہمارے اس طرزِ عمل سے خوش ہوتا ہے۔'' [1] الزخرف 43:57-61. [2] الزمر 39:68-70. [3] الأنبیآء 21:47.

فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

''پس جب ایک بار صور پھونکا جائے گا تو زمین اور پہاڑ دونوں اٹھا کر توڑ دیے جائیں گے۔ اس دن واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہو جائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن بودا ہو گا، فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے۔ اور اس دن تیرے رب کا عرش آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائیں گے۔ اس دن تم پیش کیے جاؤ گے، تمھاری کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی، پھر جسے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، وہ (دوسروں سے) کہے گا: آؤ میرا نامۂ اعمال پڑھو۔ میں یقین رکھتا تھا کہ مجھے میرا حساب ضرور ملے گا۔ پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہو گا، (یعنی) اونچی بہشت میں، جس کے پھل قریب ہوں گے۔ (ارشاد ہو گا): ''مزے سے کھاؤ اور پیو کہ تم گزشتہ دنوں میں اچھے عمل آگے بھیج چکے ہو۔'' لیکن جسے اس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور میں اپنا حساب نہ جانتا! اے کاش! پہلی موت ہی فیصلہ کن ہو جاتی، میرے مال نے مجھے کوئی فائدہ نہ دیا۔ میرا رعب ودبدبہ بھی جاتا رہا۔ (حکم ہو گا): ''اسے پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو، پھر جہنم میں داخل کر دو، پھر ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں اسے جکڑ دو۔ یہ اللہ بزرگ و برتر پر یقین نہیں رکھتا تھا، نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔''[1] اور ایک جگہ فرمایا:

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝

''پس تیرے رب کی قسم! ہم انھیں اور شیاطین کو ضرور جمع کریں گے، پھر جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گے، پھر ہر گروہ میں سے جو لوگ رحمٰن پر زیادہ سرکشی کرتے تھے، (انھیں چھانٹ کر) الگ کریں گے۔ ہم ان لوگوں سے خوب واقف ہیں، جو اس (جہنم) میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں اور تم میں سے ہر ایک اس پر ضرور وارد ہو گا۔ یہ تیرے رب کی حتمی فیصلہ شدہ بات ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو بچا لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا کر چھوڑ دیں گے۔''[2]

(2) احادیث مبارکہ سے احوال قیامت کی ایک جھلک۔ فرمانِ نبوی ہے:

(1) الحآقة 69:13-34. (2) مريم 19:68-72.

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُولُ: يَا لَيْتَنِي! مَكَانَهُ»

''اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی قبر کے پاس سے گزر کر یہ خواہش نہ کرے کہ اے کاش! اس کی جگہ میں ہوتا۔'' [1] **مزید فرمایا:**

«إِنَّ السَّاعَةَ لَا تَكُونُ حَتّٰى تَكُونَ عَشْرُ آيَاتٍ: خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَ خَسْفٌ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَالدُّخَانُ، وَالدَّجَّالُ، وَ دَابَّةُ الْأَرْضِ، وَ يَأْجُوجُ وَ مَأْجُوجُ، وَ طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنٍ تُرَحِّلُ النَّاسَ، (وَنُزُولُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ)»

''دس نشانیوں (کے ظہور) سے پہلے قیامت بپا نہ ہوگی۔ مشرق میں خسف (زمین میں دھنسنا)، مغرب میں خسف اور جزیرۂ عرب میں بھی خسف، دھواں، دجال، دابۃ الارض، (زمین کا بہت بڑا جانور) یاجوج و ماجوج، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، آگ جو قعرِ عدن سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو چلائے گی اور عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کا (آسمان سے) اترنا۔'' [2]

نیز فرمایا: «يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي أُمَّتِي فَيَمْكُثُ أَرْبَعِينَ، فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَأَنَّهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ فَيَطْلُبُهُ فَيُهْلِكُهُ، ثُمَّ يَمْكُثُ النَّاسُ سَبْعَ سِنِينَ، لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيحًا بَارِدَةً مِّنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ أَوْ إِيمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ، حَتّٰى لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ دَخَلَ فِي كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَقْبِضَهُ، فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِي خِفَّةِ الطَّيْرِ وَ أَحْلَامِ السِّبَاعِ، لَا يَعْرِفُونَ مَعْرُوفًا وَّلَا يُنْكِرُونَ مُنْكَرًا، فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُولُ: أَلَا تَسْتَجِيبُونَ؟ فَيَقُولُونَ: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَيَأْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْأَوْثَانِ، وَ هُمْ فِي ذٰلِكَ دَارٌّ رِّزْقُهُمْ، حَسَنٌ عَيْشُهُمْ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَلَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا أَصْغٰى لِيتًا وَّرَفَعَ لِيتًا، قَالَ: وَ أَوَّلُ مَنْ يَّسْمَعُهُ رَجُلٌ يَّلُوطُ حَوْضَ إِبِلِهِ، قَالَ: فَيَصْعَقُ وَ يَصْعَقُ النَّاسُ، ثُمَّ يُنْزِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَأَنَّهُ الطَّلُّ۔ فَتَنْبُتُ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ أُخْرٰى، فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُونَ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! هَلُمُّوا إِلٰى رَبِّكُمْ ﴿وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَّسْئُولُونَ﴾ ثُمَّ يُقَالُ: أَخْرِجُوا بَعْثَ النَّارِ، فَيُقَالُ: مِنْ كَمْ؟ فَيُقَالُ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ، تِسْعَ مِائَةٍ وَّ تِسْعَةً وَّ تِسْعِينَ، قَالَ فَذٰلِكَ: يَوْمَ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا، وَ ذٰلِكَ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ»

[1] صحيح البخاري، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يغبط أهل القبور، حديث: 7115، وصحيح مسلم، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل......، حديث: 157 بعد الحديث: 2907. [2] صحيح مسلم، الفتن، باب في الآيات التي تكون قبل الساعة، حديث: 2901.

''میری امت میں دجال آئے گا اور چالیس رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم کو بھیجے گا وہ شکل وصورت میں عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کر کے قتل کریں گے۔ پھر سات سال لوگ اس طرح بسر کریں گے کہ دو آدمیوں میں بھی باہمی عداوت نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جو روئے زمین پر کسی بھی ایسے شخص کو ختم کیے بغیر نہیں چھوڑے گی، جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی خیر یا ایمان ہوگا، حتی کہ تم میں سے کوئی اگر پہاڑ کے جگر میں بھی داخل ہو جائے گا تو ہوا اسے بھی جا لے گی اور ختم کر دے گی۔ پھر انسانوں میں بدتر لوگ ہی باقی رہ جائیں گے جو پرندوں کی طرح بے عقل اور درندوں کی طرح پھاڑ کھانے والے ہوں گے، جنھیں نیکی اور بدی کی کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ شیطان ان کے پاس آ کر کہے گا: کیا تم میری بات نہیں مانتے؟ وہ کہیں گے: کیا حکم ہے؟ وہ انھیں بتوں کی عبادت کا حکم دے گا، پھر ان کی روزی میں فراوانی ہو جائے گی اور زندگی بہتر ہو جائے گی۔ پھر صور پھونکا جائے گا (اس کی آواز) جو بھی سنے گا، وہ اپنی گردن ایک جانب جھکائے گا اور دوسری بار اوپر اٹھائے گا۔ اور آپ نے فرمایا: وہ آواز سب سے پہلے اپنے اونٹوں کے لیے حوض درست کرنے والا سنے گا۔ فرمایا: وہ بے ہوش ہو جائے گا اور باقی سب لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش کی پھوار بھیجے گا جس سے انسانی جسم اگیں گے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب اٹھ کر دیکھنے لگیں گے، پھر کہا جائے گا: اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو اور (غالباً فرشتوں سے کہا جائے گا:) انھیں ٹھہراؤ کیونکہ ابھی ان سے پوچھا جائے گا، پھر آواز آئے گی: ''جہنم کی جماعت الگ کر دو۔'' عرض کی جائے گی: ''کتنوں میں سے کتنے؟'' ارشاد ہوگا: ''ہزار میں سے نو سو ننانوے۔'' یہی وہ دن ہے جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور اسی دن پنڈلی سے پردے ہٹا دیے جائیں گے۔''[1]

اور فرمایا: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ» ''قیامت برے انسانوں ہی پر قائم ہوگی۔''[2] ارشادِ نبوی ہے:

«مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ، ثُمَّ يُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُونَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ، وَ لَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَبْلٰى إِلَّا عَظْمًا وَّاحِدًا وَّهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ، وَ مِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''دونوں صور پھونکے جانے کے درمیان چالیس (سال) کا وقفہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارے گا اور لوگ سبزی کی طرح اگیں گے، (اس سے قبل) انسان کے جسم کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی، صرف ریڑھ کی

[1] صحيح مسلم، الفتن، باب في خروج الدجال......، حديث: 2940. پنڈلی، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اس کی حقانیت پر ہمارا ایمان ہے گو ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے۔ (ع،ر) [2] صحيح مسلم، الفتن، باب قرب الساعة، حديث: 2949.

ہڈی کا منکا باقی رہے گا اور قیامت کے دن اسی سے (انسان کی) تخلیق ہو گی۔‘‘ [1]

ایک خطبہ دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «يٰأَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ مَّحْشُوْرُوْنَ إِلَى اللّٰهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا، ﴿كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ أَلَا! وَ إِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، أَلَا! وَ إِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أَصْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ»

’’اے لوگو! تم اللہ کی طرف ننگے پاؤں، ننگے جسم اور بغیر ختنہ کے اکٹھے کیے جاؤ گے۔ فرمان الٰہی ہے: ’’جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کی ابتدا کی (اسی طرح) اسے لوٹائیں گے یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، یقیناً ہم ہمیشہ پورا کرنے والے ہیں۔‘‘ سنو! قیامت کے دن مخلوق میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ اور سنو! میری امت کے کچھ مردوں کو لایا جائے گا اور انھیں بائیں راستے کی طرف ڈال دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: ’’میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں۔‘‘ مجھے کہا جائے گا: ’’تو نہیں جانتا انھوں نے تیرے بعد دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں۔‘‘ [2]

حدیث نبوی ہے: «لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَ عَنْ عِلْمِهِ مَا عَمِلَ بِهِ، وَ عَنْ مَّالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَ فِيمَا أَنْفَقَهُ، وَ عَنْ جَسَدِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ»

’’قیامت کے دن کسی بندے کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں سکیں گے، جب تک وہ چار چیزوں کا حساب نہ دے لے گا: عمر کن کاموں میں صرف کی، علم پر کتنا عمل کیا، مال کہاں سے کمایا اور کس جگہ خرچ کیا اور اپنے جسم کو کہاں کہاں استعمال کیا؟‘‘ [3]

فرمانِ نبوی ہے: «حَوْضِي مَسِيرَةُ شَهْرٍ، مَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ، وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ، وَ كِيزَانُهُ كَنُجُومِ السَّمَاءِ، مَنْ شَرِبَ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ أَبَدًا»

’’میرے حوض کا حجم ایک ماہ کی مسافت جتنا ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی مہک کستوری سے زیادہ پاکیزہ ہو گی، اس کے آب خورے آسمان کے ستاروں کی مثل ہوں گے، جو ایک بار اس سے (پانی) پی

1 صحيح مسلم، الفتن، باب ما بين النفختين، حديث: 2955. 2 صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة، حديث: 2860. 3 [ضعيف] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في القيامة، حديث: 2417، والترغيب والترهيب، حديث: 5266، اس کی سند ابوبکر بن عیاش اور اعمش راوی کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی کتاب ’تخريج النهاية في الفتن والملاحم، حديث: 854‘‘ شیخ البانی نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح کہا ہے۔ (السلسلة الصحيحة: 946) (ع۔و)

لے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔'' [1]

جہنم کے تذکرہ پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں روتی ہو؟'' عرض کی: جہنم کے تذکرے سے رونا آ گیا، پھر پوچھا کہ کیا آپ قیامت کے دن اپنے سب اہل وعیال کو یاد رکھیں گے؟ فرمایا: «أَمَّا فِي ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ أَحَدٌ أَحَدًا: عِنْدَ الْمِيزَانِ حَتَّى يَعْلَمَ أَيَخِفُّ مِيزَانُهُ أَمْ يَثْقُلُ؟ وَعِنْدَ تَطَائُرِ الصُّحُفِ حَتَّى يَعْلَمَ أَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهُ فِي يَمِينِهِ أَمْ فِي شِمَالِهِ، أَمْ وَرَاءَ ظَهْرِهِ؟ وَ عِنْدَ الصِّرَاطِ إِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ حَتَّى يَجُوزَ»

''تین مقامات میں کوئی کسی کو یاد نہیں رکھے گا: ترازو لگتے وقت یہاں تک کہ جان لے کہ ترازو میں اعمال ہلکے ہیں یا بھاری؟ اور نامۂ اعمال کی تقسیم کے وقت کہ دائیں ہاتھ میں آتا ہے یا بائیں میں یا پیٹھ کے پیچھے سے اور پل صراط کو جہنم پر رکھے جانے کے وقت یہاں تک کہ اسے پار کر لے۔'' [2] اسی طرح ارشاد فرمایا:

«لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ دَعَاهَا لِأُمَّتِهِ، وَ إِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''ہر نبی کو ایک دعا ملی ہے جو اس نے اپنی امت کے لیے (دنیا ہی میں) کر لی ہے اور میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی سفارش کے لیے محفوظ رکھی ہے۔'' [3]

مزید فرمایا: «أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ أَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَ أَوَّلُ شَافِعٍ وَّ أَوَّلُ مُشَفَّعٍ»

''میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری ہی قبر پھٹے گی، سب سے پہلے میں ہی سفارش کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی سفارش قبول ہوگی۔'' [4]

اور فرمایا: «مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَتِ الْجَنَّةُ: اَللّٰهُمَّ! أَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، وَ مَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَتِ النَّارُ: اَللّٰهُمَّ! أَجِرْهُ مِنَ النَّارِ»

''جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت کا سوال کرے، جنت کہتی ہے: اے اللہ! اسے جنت میں داخل کر اور جو شخص تین بار جہنم سے (اللہ کی) پناہ مانگے، جہنم کہتا ہے: اے اللہ! اسے جہنم سے بچا۔'' [5]

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب، في الحوض، حديث: 6579، وصحيح مسلم، الفضائل، باب إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته، حديث: 2292. [2] [ضعيف] سنن أبي داود، السنة، باب في ذكر الميزان، حديث: 4755، والترغيب والترهيب، حديث: 5306، اس کی سند حسن بصری کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [3] صحيح مسلم، الإيمان، باب اختباء النبي ﷺ دعوة الشفاعة لأمته، حديث: 200. [4] صحيح مسلم، الفضائل، باب تفضيل نبينا ﷺ على جميع الخلائق، حديث: 2278. [5] [صحيح] جامع الترمذي، صفة الجنة، باب ماجاء في أنهار الجنة، حديث: 2572، وسنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة الجنة، حديث: 4340، وسنن النسائي، الاستعاذة، باب الاستعاذة من حر النار، حديث: 5523، وصحيح ابن حبان: 308/3، حديث: 1034، والمستدرك للحاكم: 535/1، امام حاکم اور امام ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(3) لاکھوں انبیاء ومرسلین، حکماء وعلماء اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا آخرت اور جو کچھ اس کے متعلق کتاب وسنت میں وارد ہے، اس پر پختہ ایمان، مضبوط اعتقاد اور غیر متزلزل یقین اس کی سچائی کی مزید دلیل ہے۔

عقلی دلائل (1) اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ مخلوق کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کر دے کیونکہ اس کے لیے مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے بعد دوبارہ اسی حالت میں لوٹانا کوئی مشکل نہیں۔

(2) پھر مرنے کے بعد اٹھایا جانا اور جزا وسزا کا عمل کسی بھی عقلی دلیل کے خلاف نہیں کیونکہ عقل محال اور ناممکن چیزوں کی تو نفی کرتی ہے جیسا کہ دو باہم متضاد اشیاء کا اجتماع اور دو مخالف چیزوں کا ایک ہی وقت میں اکٹھے ہو جانا جبکہ بعث وجزا اس قبیل سے نہیں ہیں۔

(3) مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے تصرفات کی حکمت جو زندگی کے ہر میدان میں نمایاں ہے، اس بات کو محال قرار دیتی ہے کہ موت کے بعد مخلوق زندہ نہ ہو اور انسانی زندگی کسی نتیجے اور جزا وسزا کے بغیر یونہی ختم ہو جائے۔

(4) دنیا کی نعمتیں اور شقاوتیں ایک دوسرے جہان میں ایک دوسری زندگی کا پتہ دیتی ہیں جس میں عدل، خیر اور کمال کا دور دورہ ہوگا اور جس میں سعادت وشقاوت کہیں زیادہ برتر اور بڑھ چڑھ کر ہوں گی۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ موجودہ زندگی اور اس میں ملنے والی سعادت مندی اور حرمان نصیبی اس اخروی زندگی کے مقابلے میں بالکل ایسی ہے، جیسے بڑے بڑے عالیشان محلات کے سامنے ایک محل کی کاغذ پر تصویر ہو یا گھنے گھنے باغات کے سامنے کاغذ کے ایک پرزے پر کسی باغ کی منظر کشی ہو، نیز بے گناہوں کی مظلومیت اور ان کی انصاف سے محرومی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ کوئی ایسا دن اور ایسی عدالت ہو جہاں ہر ظالم کیفرِ کردار کو پہنچے، سو وہ اللہ کی عدالت ہے جو میدانِ محشر میں لگے گی۔

باب:11 قبر کی جزا وسزا پر ایمان

قبر کی آسائشیں اور گوناگوں عذاب برحق ہیں، فرشتوں کے سوالات یقینی ہیں اور اس کے عقلی ونقلی دلائل موجود ہیں:

کتاب وسنت کے دلائل (1) اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَٰرَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّٰمٍ لِّلْعَبِيدِ ۝

”اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور سرینوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں): اب عذابِ آتش (کا مزہ) چکھو، یہ اس (کفر وشرک) کی وجہ سے ہے

جسے تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔"[1] ارشادِ ربانی ہے:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظّٰلِمُونَ فِي غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا أَيْدِيهِمْ ۚ أَخْرِجُوٓا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ ءَايٰتِهِۦ تَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرٰدَىٰ كَمَا خَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝

"اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) کو دیکھو جب ظالم موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوتے ہیں اور فرشتے (ان کی طرف) اپنے ہاتھ پھیلاتے (اور کہتے) ہیں: نکالو اپنی جانیں، آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا، اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نسبت غلط باتیں کہتے تھے اور اس کی آیات سے خود کو بڑا جانتے تھے۔ (آج) تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو، جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور جن نعمتوں میں ہم نے تمھیں خوش حالی دی، وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمھارے ساتھ تمھارے وہ سفارشی نہیں دیکھ رہے، جنھیں تم اپنے (معاملات) میں ہمارا شریک سمجھتے تھے، تمھارے اور ان کے مابین تعلق ٹوٹ چکا ہے اور جو تم سمجھتے تھے وہ سب تم سے گم ہو گیا ہے۔"[2]

فرمانِ الٰہی ہے: سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝

"عنقریب ہم انھیں دو بار سزا دیں گے، پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔"[3] ارشادِ عالی ہے:

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوٓا ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝

"وہ (فرعونی) صبح و شام جہنم کی آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور قیامت کے دن (کہا جائے گا اے فرشتو!) آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔"[4] مزید فرمایا:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْءَاخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ

"دنیا و آخرت کی زندگی میں اللہ ایمان والوں کو درست بات (کتاب و سنت) پر ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کرتا ہے۔"[5]

(2) رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ارشاداتِ عالیہ میں احوالِ برزخ کی خبر دی ہے: «إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَ تَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهُ ، وَ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُولَانِ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ ﷺ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُولُهُ،

(1) الأنفال 8:50، 51. (2) الأنعام 6:93، 94. (3) التوبة 9:101. (4) المؤمن 40:46. (5) إبراهيم 14:27.

فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا، وَ أَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُهُ النَّاسُ، فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، وَ يُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ»

''بے شک بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس مڑ جاتے ہیں۔ وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اور (ساتھ ہی) اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں۔ اسے بٹھا لیتے اور کہتے ہیں: ان کے، یعنی محمد ﷺ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ مومن کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسے کہا جاتا ہے: جہنم میں تو اپنی جگہ دیکھ لے، اس کے بدلے میں تجھے اللہ نے بہشت میں جگہ دے دی ہے۔ وہ دونوں جگہوں کو دیکھتا ہے۔ لیکن منافق اور کافر کو کہا جاتا ہے: ان کے، یعنی محمد ﷺ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ تو وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا، بس جو لوگ کہتے تھے، میں بھی کہہ دیتا تھا۔ اسے کہا جاتا ہے: تو نے عقل سے کام لیا نہ تو نے پڑھا، پھر اسے لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے، وہ چیختا ہے جسے جن وانس کے علاوہ اردگرد کی سب چیزیں سنتی ہیں۔''[1] فرمانِ نبوی ہے:

«إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو صبح وشام اس کی جگہ (جنت والی یا جہنم والی) اُسے دکھائی جاتی ہے، اگر جنتی ہے تو جنت (کا ٹھکانا اسے دکھا دیا جاتا ہے) اور اگر جہنمی ہے تو جہنم (کا ٹھکانا اسے دکھایا جاتا ہے) اور کہا جاتا ہے: قیامت کے دن جی اٹھنے تک تیری یہی جگہ ہے۔''[2]

ایک دعا میں آپ نے یوں فرمایا: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ»

''اے اللہ! میں عذاب قبر، عذابِ جہنم، زندگی وموت کی آزمائشوں اور مسیحِ دجّال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''[3]

نبیٔ اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: «إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَ مَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، ثُمَّ قَالَ:

1 صحيح البخاري، الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر، حديث: 1374، وصحيح مسلم، الجنة و نعيمها، باب عرض مقعد الميت......، حديث: 2870. 2 صحيح البخاري، الجنائز، باب الميت يعرض عليه......، حديث: 1379، وصحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب عرض مقعد الميت......، حديث: 2866. 3 صحيح البخاري، الجنائز، باب التعوّذ......، حديث: 1377.

بَلٰى! أَمَّا أَحَدُهُمَا: فَكَانَ يَسْعٰى بِالنَّمِيمَةِ، وَ أَمَّا الْآخَرُ: فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ»

''یقیناً ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور (بظاہر) کسی بڑے جرم میں بھی نہیں'' پھر فرمایا: ''ہاں کیوں نہیں! (اپنی سزا کے اعتبار سے یہ جرم بڑے ہی ہیں): ایک چغل خوری کرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب (کے چھینٹوں) سے اجتناب نہیں کرتا تھا۔''[1]

③ کروڑوں علماء، صالحین اور مومنین امتِ محمدیہ اور دیگر مذاہب کے افراد قبر کی نعمتوں اور عذاب کا یقین رکھتے ہیں۔

عقلی دلائل ① جو بندہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور یومِ آخرت پر یقین رکھتا ہے، وہ قبر کے عذاب وثواب پر بھی ضرور یقین رکھے گا کیونکہ یہ سب امورِ غیب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں سے بعض کو تسلیم کرنے کے باعث عقل دوسری چیزوں کو بھی تسلیم کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

② پھر قبر کے عذاب ونعمت اور دو فرشتوں کے سوالات کو عقل بالکل رد نہیں کرتی، نہ اسے محال گردانتی ہے بلکہ عقل سلیم اس پر شہادت دیتی اور اس کا اثبات کرتی ہے۔

③ سویا ہوا انسان خواب دیکھتا ہے اور نیند میں خوش کن مناظر سے لذت حاصل کرتا ہے، بیدار ہو جائے تو ان لمحات کے نابود ہونے پر متاسف اور غمگین بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح خواب میں بری باتیں اسے افسردہ کرتی ہیں اگر اس حالت میں بیدار ہو جائے یا کوئی دوسرا اسے بیدار کر دے تو اس پر خوشی کی لہر چھا جاتی ہے۔ نیند میں روح متاثر ہوتی ہے اور اسے تکلیف یا خوشی کا احساس ہوتا ہے مگر قریب سے دیکھنے والے دوسرے لوگ اس کا ادراک یا احساس نہیں کر پاتے، اسی طرح برزخی تکلیف یا خوشی بھی اسی انداز کی ہے تو پھر اس کا انکار بھی کسی طور پر نہیں کیا جا سکتا۔

باب: 12

تقدیر پر ایمان

اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر اور حکمت ومشیت پر ہر مسلمان کا یقینِ کامل ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم واندازے کے بغیر کوئی چیز وجود میں نہیں آتی، حتی کہ بندے کے اختیاری افعال بھی اس کی مشیت، حکمت، علم اور تقدیر کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قضا وقدر میں عادل اور اپنے تصرف وتدبیر میں حکیم ہے۔ اس کی حکمت اس کی مشیت کے ماتحت ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں کرتا۔ کسی بھی کام سے رکنے یا اسے کرنے کی طاقت وصلاحیت اسی کی طرف سے ارزاں ہوتی ہے، درج ذیل عقلی اور نقلی دلائل سے یہ عقیدہ پوری طرح ثابت ہے:

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب عذاب القبر من الغيبة والبول، حديث: 1378.

تقدیر کے اثبات میں کتاب وسنت سے دلائل (1) اللہ رب العزت نے اس کی بابت ہمیں خبر دی ہے۔ ارشادِ باری ہے: اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ ''بے شک ہم نے ہر چیز کو اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔''[1]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝﴾

''اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم انھیں معلوم اندازے کے مطابق ہی اتارتے ہیں۔''[2] ارشادِ عالی ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ

''زمین پر یا تمھاری جانوں پر جو مصیبت آتی ہے، وہ قبل اس کے کہ ہم اُسے پیدا کریں، کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے اور بے شک یہ (بات) اللہ کے لیے آسان ہے۔''[3] ارشادِ ربانی ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ''جو مصیبت بھی آتی ہے، وہ اللہ کے حکم ہی سے آتی ہے۔''[4]

ارشادِ گرامی ہے: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ

''اور ہم نے ہر انسان کے (اچھے برے) اعمال اس کی گردن میں لٹکا دیے ہیں۔''[5] ارشادِ مقدس ہے:

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

''کہہ دیجیے کہ ہمیں ہرگز کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ رکھی ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے اور ایمان والوں کا بھروسا اللہ ہی پر ہونا چاہیے۔''[6] فرمانِ الٰہی ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے، وہ ہر گرنے والے پتے کو بھی جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں (کوئی) دانہ اور تازہ وخشک چیز (گرتی) ہے تو وہ بھی ''کتابِ مبین'' میں (لکھی ہوئی) ہے۔''[7]

فرمانِ عالیشان ہے: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ رب العالمین چاہے۔''[8]

نیز فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝

''یقیناً جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے سے اچھائی کا فیصلہ ہو چکا ہے، وہ اس (دوزخ) سے دور

[1] القمر 49:54. [2] الحجر 21:15. [3] الحدید 22:57. [4] التغابن 11:64. [5] بنیٓ إسرآءیل 13:17. [6] التوبة 51:9.
[7] الأنعام 59:6. [8] التکویر 29:81.

رکھے جائیں گے۔''[1]

مزید فرمایا: ﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾

''اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے کیوں نہیں کہا کہ جو اللہ چاہے (وہی ملتا ہے) اور اللہ کے بغیر (کسی کے پاس) طاقت نہیں ہے۔''[2] اور فرمایا:

﴿وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ ''اور اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پا سکتے۔''[3]

(2) تقدیر الٰہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بھی ہمیں خبر دی ہے۔ آپ نے فرمایا: «إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ فِي ذٰلِكَ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ فِي ذٰلِكَ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ الْمَلَكَ فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، وَ يُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَتْبِ رِزْقِهِ وَ أَجَلِهِ وَ عَمَلِهِ وَ شَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، فَوَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ! إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا»

''بلاشبہ تم میں سے ہر کوئی چالیس دن تک ماں کے رحم میں (نطفے کی صورت میں) پڑا رہتا ہے، پھر اتنی ہی مدت جما ہوا خون اور پھر اتنی ہی مدت گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں رہتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ (اس کی طرف) فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اس کی بابت اسے چار باتیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: اس کی روزی، زندگی، عمل اور یہ کہ وہ (انجام کے لحاظ سے) بدبخت ہے یا سعادت مند۔ پس اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں! تم میں سے ایک انسان جنتیوں والے کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے، پھر لکھائی اس پر سبقت لے جاتی ہے اور وہ جہنمیوں والے کام شروع کر دیتا ہے، بالآخر جہنم میں جا داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان دوزخیوں والے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ جہنم اور اس کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر لکھائی اس پر سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہلِ جنت کے کام شروع کر دیتا ہے (اور) بالآخر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''[4]

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''میں تجھے کچھ باتیں سکھائے دیتا ہوں: «اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ: إِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ، وَ إِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا

(1) الأنبيآء 101:21. (2) الكهف 39:18. (3) الأعراف 43:7. (4) صحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه...... حديث: 2643.

بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَ إِنِ اجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَ جَفَّتِ الصُّحُفُ»

''اللہ تعالیٰ (کے حقوق) کی حفاظت کر، اللہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ (کے دین) کی حفاظت کر، تو (ہر ضرورت کے وقت) اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب تو سوال کرے (دعا مانگے) تو اللہ سے مانگ اور جب مدد طلب کرے تو اللہ سے طلب کر۔ اور یہ جان لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے نفع دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے مگر وہی جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب جمع ہو کر تیرا نقصان کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور کتابیں خشک ہو گئی ہیں۔''[1]

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالَى الْقَلَمُ، فَقَالَ لَهُ: اُكْتُبْ، فَقَالَ: رَبِّ! وَ مَاذَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبْ مَقَادِيرَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ»

''بے شک سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے حکم دیا: لکھ۔ قلم نے کہا: کیا لکھوں؟ فرمایا: قیامت تک آنے والی تمام چیزوں کی تقدیریں لکھ۔''[2]

فرمانِ نبوی ہے: «اِحْتَجَّ آدَمُ وَ مُوسٰى، فَقَالَ مُوسٰى: يَا آدَمُ! أَنْتَ أَبُونَا خَيَّبْتَنَا وَ أَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ، فَقَالَ آدَمُ: أَنْتَ مُوسٰى، اِصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِكَلَامِهِ وَ خَطَّ لَكَ التَّوْرَاةَ بِيَدِهِ، أَتَلُومُنِي عَلٰى أَمْرٍ قَدَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً؟ فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰى»

''آدم و موسیٰ علیہما السلام کے مابین گفتگو ہوئی۔ تو موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اے آدم (علیہ السلام)! آپ ہمارے باپ ہیں، آپ نے ہمیں ناکام بنا دیا اور بہشت سے نکال دیا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: تو موسیٰ (علیہ السلام) ہے، اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے کلام کے لیے چنا اور تجھے اپنے ہاتھ سے لکھ کر تورات دی، کیا تو مجھے ایک ایسی بات پر ملامت کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری پیدائش سے چالیس سال پہلے مقدر کر دی تھی۔ چنانچہ (اس بات میں) آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔''[3] ایمان کی تعریف میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَ شَرِّهِ»

1. [صحيح] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث حنظلة، حديث: 2516، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ یعنی تقدیر کے صحیفوں سے قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور ان کی سیاہی خشک ہو چکی ہے اب ان میں مزید کسی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ 2. [صحيح] سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث: 4700، مسند ابی یعلیٰ میں اس کا صحیح شاہد بھی موجود ہے۔ 3. صحيح البخاري، القدر، باب تحاج آدم وموسٰى عليهما السلام عندالله، حديث: 6614، وصحيح مسلم، القدر، باب حجاج آدم و موسىٰ عليهما السلام، حديث: 2652، وسنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث: 4701.

''تو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے۔''[1] ارشادِ نبوی ہے:«اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ»

''عمل کرو۔ ہر ایک کو اسی چیز کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔''[2]

حدیث نبوی ہے:«فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا مِّنَ الْقَدَرِ»

''بے شک نذر (اللہ تعالیٰ کے) فیصلے میں سے کچھ بھی نہیں بدلتی'' (بلکہ تقدیر کا حصہ ہوتی ہے۔)[3]

عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَةً هِيَ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» ''کیا میں تجھے ایک ایسا جملہ نہ سکھاؤں جو بہشت کے خزانوں میں سے ہے۔ (اور وہ) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔ یعنی گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ملتی ہے۔''[4]

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو تعلیم دی کہ یوں نہ کہو: ''جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں'' بلکہ کہو: ''جو صرف اللہ واحد چاہے۔''[5]

③ امت محمد (ﷺ) میں لاکھوں علماء، حکماء اور صالحین وغیرہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور تقدیر کے قائل ہیں، اس کی حکمت ومشیت پر یقین کامل رکھتے ہیں اور یہ کہ ہر چیز کے بارے میں اسے پہلے ہی علم ہے اور ہر چیز پر اس کی تقدیر جاری ہے۔ اس کی سلطنت میں وہی ہوسکتا ہے جو وہ ارادہ کرتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا، نہیں ہوتا اور قلم نے قیامت تک کی سب چیزوں کی تقدیر لکھ دی ہے۔

عقلی دلائل ① قضا وقدر، مشیت وحکمت اور ارادہ وتدبیر میں سے عقل کسی کا انکار نہیں کرتی بلکہ عقل سے ان کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ اس کائنات میں اس کے واضح مظاہر موجود ہیں۔

② اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کا یقین، اس کی قضا وقدر اور حکمت ومشیت کا متقاضی بلکہ اسے مستلزم ہے۔

③ ایک انجینئر چھوٹے سے کاغذ پر ایک محل کا نقشہ بنا کر اس کی تعمیر کا وقت متعین کرتا ہے اور اس پر کام شروع کر دیتا ہے تو متعینہ مدت ہی میں وہ محل بغیر کمی وبیشی کے صفحۂ ہستی پر نمودار ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس سے کیسے انکار کیا جا سکتا

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام والإحسان......، حديث: 8. [2] صحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه......، حديث: 2647. [3] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب الوفاء بالنذر، حديث: 6693، وصحيح مسلم، النذر، باب النهي عن النذر......، حديث: 1640، ومسند أحمد: 463/2. [4] صحيح البخاري، القدر، باب لاحول ولا قوة إلا بالله، حديث: 6610، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر......، حديث: 2704. [5] [حسن] السنن الكبرٰى للنسائي، عمل اليوم والليلة: 245/6، حديث: 10825,10824 وسنن ابن ماجه، الكفارات، باب النهي أن يقال ماشاء الله وشئت، حديث: 2117 ، اس حدیث کی سند حسن ہے۔

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے جہان کی قیامت تک کے لیے تقدیر (پہلے سے) لکھ دی ہے اور اس کے کمال قدرت اور علمِ کامل سے اس کی تقدیر کے مطابق یہ عالم چل رہا ہے، مقدار و کیفیت اور زمان و مکان میں کوئی معمولی سا فرق بھی نہیں آ سکتا، اس لیے کہ وہ ہر چیز پر مکمل طور پر قادر ہے۔

باب:13

توحیدِ عبادت ☆

ہر مسلمان یہ ایمان رکھتا ہے کہ سب اولین و آخرین کا معبود اور کل کائنات کا مربی، ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کے سوا کوئی رب ہے، لہٰذا عبادت کا ہر انداز جو اس نے بندوں کے لیے مشروع فرمایا ہے صرف اللہ جل شانہٗ کے لیے مختص ہے۔ عبادت کا کوئی بھی طریق اللہ کے سوا کسی کے لیے روا نہیں ہے۔ سوال اسی سے کیا جائے گا، مدد اسی سے مانگی جائے گی، نذر و نیاز، خوف و رجا (امید)، انابت و محبت، تعظیم و توکل اور اسی طرح جملہ باطنی اعمال اسی کے لیے ہیں اور ظاہری اعمال نماز، زکاۃ، روزہ، حج اور جہاد بھی سب اسی کے لیے خاص ہیں۔ نقلی و عقلی دلائل اس عقیدے کی بنیاد ہیں۔

کتاب و سنت سے دلائل

(1) اللہ جل مجدہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ''میرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں سو میری ہی عبادت کرو۔''[1]

ارشادِ الٰہی ہے: وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ○ ''اور مجھ ہی سے ڈرو۔''[2] ارشادِ عالی ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمھیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا، پھر اس کے ذریعے سے تمھارے لیے پھلوں سے روزی نکالی، لہٰذا تم جانتے بوجھتے اللہ کے شریک نہ بناؤ۔''[3]

☆ جو چیز بھی کتاب و سنت کی رو سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس میں اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کرنا، توحید ہے چونکہ عبادت کا مستحق ہونا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، لہٰذا کتاب و سنت کی رو سے جو چیز بھی عبادت کا درجہ رکھتی ہے وہ خالصتاً اللہ کا حق ہے اور صرف اسی کے لیے اسے ادا کیا جائے گا۔ (ع،ر)

[1] طٰهٰ 14:20. [2] البقرة 41:2. [3] البقرة 22,21:2.

ارشادِ ربانی ہے: فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ''یقین کیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔''[1]

ارشادِ گرامی ہے: فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

''پس اللہ کی پناہ طلب کر۔ یقیناً وہی سننے والا، جاننے والا ہے۔''[2]

ارشادِ مقدس ہے: وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ''اور چاہیے کہ مومن اللہ ہی پر بھروسا کریں۔''[3]

② اللہ رب العزت نے توحید عبادت کے متعلق ہمیں خبر دی ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''[4]

فرمانِ عالی ہے: فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا

''اور جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا یقیناً اس نے مضبوط کڑا پکڑ لیا ہے جو ٹوٹنے والا نہیں۔''[5]

فرمانِ الٰہی ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝

''اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے، ان کی طرف یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں، پس میری ہی عبادت کرو۔''[6] اور فرمایا: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝

''کہہ دو: اے جاہلو! کیا تم مجھے یہی حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں؟''[7] نیز فرمایا:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''[8]

مزید فرمایا: يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝

''وہ اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے، فرشتوں کو اپنے حکم سے روح (وحی) دے کر بھیجتا ہے کہ تم (لوگوں کو) ڈراؤ (اور انھیں بتاؤ) کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم مجھ ہی سے ڈرو۔''[9]

③ رسول اللہ ﷺ نے بھی ہمیں توحید عبادت کے متعلق خبر دی ہے، چنانچہ آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے یہ حکم دیا: «فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلٰى أَنْ يُوَحِّدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى»

''تیری انھیں سب سے پہلی دعوت، اللہ کی وحدانیت کی ہونی چاہیے۔''[10] نیز فرمایا:

① [1] محمد 19:47. [2] حٰمٓ السجدة 36:41. [3] التغابن 13:64. [4] النحل 36:16. [5] البقرة 256:2. [6] الأنبیآء 25:21.
② [7] الزمر 64:39. [8] الفاتحة 5:1. [9] النحل 2:16. [10] صحیح البخاري، التوحید، باب ما جاء في دعاء النبي ﷺ أمته إلٰی توحید اللّٰه تبارك و تعالٰی، حدیث: 7372، وصحیح مسلم، الإیمان، باب الدعاء إلی الشهادتین......، حدیث: 19.

«يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ قَالَ: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَنْ يَعْبُدُوهُ وَ لَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا»
''اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کے بندوں پر کیا حقوق ہیں؟'' انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''(وہ یہ ہیں) کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور اس میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: «إِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ، وَ إِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ»
''جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مانگ۔''[2]

کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جیسے آپ چاہیں اور اللہ چاہے آپ نے فرمایا: ''صرف یہ کہو: جو اکیلا اللہ چاہے۔''[3]

اور فرمایا: «إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ، قَالُوا: وَمَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الرِّيَاءُ، يَقُولُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا جُزِيَ النَّاسُ بِأَعْمَالِهِمْ: اِذْهَبُوا إِلَى الَّذِينَ كُنْتُمْ تُرَاؤُونَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً؟»
''بے شک مجھے تم پر سب سے زیادہ خطرہ چھوٹے شرک کا ہے۔'' صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! چھوٹا شرک کیا ہے؟ فرمایا: ''دکھلاوا! اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جب لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو (ریاکاروں سے) فرمائے گا: ان لوگوں کے پاس جاؤ جنھیں دکھانے کے لیے تم یہ عمل کرتے رہے، پھر دیکھو کیا ان کے پاس کوئی جزا ہے۔''[4]

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾
''انھوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے علاوہ رب بنا لیا۔''[5]

تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا جب وہ تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ کسی چیز کو حلال اور حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیتے تھے تو تم ان کی بات مان نہیں لیتے تھے؟'' عدی نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: ''یہی تو ان کی عبادت ہے۔''[6]

1 صحيح البخاري، التوحيد، باب ماجاء في دعاء النبيﷺ أمته إلٰى توحيد اللّٰه تبارك و تعالٰى، حديث: 7373، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل علٰى أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا، حديث: 30. 2 [حسن] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث حنظلة، حديث: 2516، اسے ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ 3 (تفسیرابن كثير، البقرة: 22:2) حسن، السنن الكبرٰى للنسائي، عمل اليوم والليلة: 245/6، حديث: 10825، وسنن ابن ماجه، الكفارات، باب النهي أن يقال ماشاء اللّٰه وشئت، حديث: 2117. 4 [حسن] مسند أحمد: 429,428/5، والترغيب والترهيب: 82/1، حديث: 47. 5 التوبة 31:9. 6 [ضعيف] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث: 3095 وقال: غريب والمعجم الكبير للطبراني: 219,218/17. اس کی سند غطیف بن اعین کی وجہ سے ضعیف ہے۔

نیز آپ نے فرمایا: «إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِي، وَ إِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ»

''مجھ سے مدد نہ مانگی جائے، (بلکہ) صرف اللہ عزوجل سے مدد طلب کی جائے۔'' [1]

یہ آپ نے اس وقت فرمایا، جب ایک صحابی نے کہا ''آؤ ہم اس ایذا دینے والے منافق سے تحفظ کے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) کی مدد طلب کریں۔'' نیز آپ کا ارشاد ہے:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ» ''جس شخص نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی، اس نے کفر یا شرک کیا۔'' [2]

مزید ارشاد ہے: «إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»

''بے شک جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے سب شرک ہیں۔'' [3]

عقلی دلائل ① خالق، رازق، کائنات میں تصرف کرنے والا اور مدبر صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بنابریں عبادت کا مستحق بھی وہی اکیلا ہے، اس کا کسی بات میں کوئی بھی شریک اور ساجھی نہیں ہے۔

② پوری کائنات کو وہی پال رہا ہے اور سب اسی کے محتاج ہیں۔ پھر اور کون معبود ہو سکتا ہے جس کی اس کے ساتھ عبادت کی جائے؟

③ جسے بھی پکارا جائے یا اس سے مدد طلب کی جائے یا اس سے حفظ و پناہ مانگی جائے، کیا وہ اللہ کی طرف سے مامور ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر اُسے پکارنا، اس سے مدد طلب کرنا، اس کے لیے نذر و نیاز دینا اور اس پر بھروسا کرنا سب یکسر باطل ہے۔

باب: 14

وسیلے کا بیان

ہر مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال سے راضی ہوتا ہے اور اپنے بندوں میں سے نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس کا تقرب حاصل کریں، اور اسے اپنا محبوب گردانیں، اچھے

◄◄ ہے۔ اس کا ایک موقوف شاہد بھی ہے لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے جبکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ 1 [ضعيف] مجمع الزوائد: 246/10، حديث: 17276، اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے اگرچہ معنی درست ہے۔ 2 [صحيح] جامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ماجاء في أن من حلف بغير الله فقد أشرك، حديث: 1535، وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب كراهية الحلف بالآباء، حديث: 3251. امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ 3 [ضعيف] سنن أبي داود، الطب، باب في تعليق التمائم، حديث: 3883، ومسند أحمد: 381/1. اس کی سند اعمش کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

انسان اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنے اچھے عمل اور پاکیزہ قول کو وسیلہ بناتے ہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ، صفاتِ عالیہ، اس پر ایمان، اور اس سے محبت، اس کے رسول ﷺ پر ایمان اور اس کے رسول ﷺ سے محبت، نیکوکار اور عام مومنین سے محبت بھی اللہ کا قرب حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ ایسے ہی فرائض، مثلاً: نماز، زکاۃ، روزہ، حج اور نوافل کے ذریعے سے بھی اس کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح ترکِ محرمات اور اجتنابِ منہیات بھی قربِ الٰہی کا باعث ہیں۔

کسی کے جاہ و مرتبے یا دوسرے بندوں کے نیک عمل کو اپنے سوال کا واسطہ نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ انسان کی اپنی کمائی نہیں ہے کہ اللہ سے اس کا واسطہ دے کر سوال کرے یا اسے وسیلے کے طور پر پیش کر سکے۔ بندوں کے لیے اللہ کی شریعت یہ ہے کہ بندے اپنے ایمان اور اعمال کا واسطہ دیں۔ کسی دوسرے کے اعمال کو اس میں ذریعہ نہ بنائیں اس عقیدہ و نظریہ کی بنیاد نقلی و عقلی دلائل پر ہے۔

کتاب و سنت سے دلائل (1) اللہ جل جلالہ نے ہمیں شرعی وسیلے کی خبر دی ہے۔ ارشادِ باری ہے:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ

''پاک کلمات اسی کی طرف جاتے ہیں اور نیک عمل بھی جسے وہ بلند کر دیتا ہے۔''[1]

ارشادِ الٰہی ہے: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا

''اے (انبیاء و) رسل! پاک و حلال چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔''[2]

ارشادِ عالی ہے: وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ

''اور ہم نے اسے (لوط) اپنی رحمت میں داخل کر لیا ہے، یقیناً وہ صالحین میں سے ہے۔''[3]

ارشادِ ربانی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف (جائز) وسیلہ تلاش کرو۔''[4]

ارشادِ گرامی ہے: اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

[1] فاطر 10:35. مفسرین نے اس آیتِ کریمہ کے متعدد معانی بیان کیے ہیں، مثلاً: نیک عمل، پاکیزہ کلمات کو اللہ کی طرف بلند کر دیتا ہے یا پاکیزہ کلمات، نیک عمل کو اللہ کی طرف بلند کر دیتے ہیں۔ (دونوں ایک دوسرے کی قبولیت کا ذریعہ بنتے ہیں) یا اللہ نیک عمل کو پاکیزہ کلمات پر بلند کرتا (فوقیت دیتا) ہے، یعنی عمل صالح کے بغیر محض ورد وظیفے سے سعادت مندی حاصل نہیں ہوگی یا اللہ نیک عمل کو بھی اپنی طرف اٹھاتا ہے۔ یاد رہے کہ نیک عمل وہ ہوتا ہے جو کتاب و سنت اور صحابہ و تابعین رحمہم اللہ کے مجموعی فہم و عمل سے ثابت ہو، جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس سے اجر و ثواب مطلوب ہو اور اسے سنت کے مطابق سرانجام دیا جائے۔ [2] المؤمنون 51:23. [3] الأنبیآء 75:21. [4] المآئدة 35:5.

''جنھیں یہ پکارتے ہیں، وہ (خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کون سا اللہ تعالیٰ کا قریب ترین ہے۔''[1]

ایک جگہ فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

''کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔''[2] اور فرمایا: رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

''اے ہمارے رب! تو نے جو اتارا ہے، ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے (تیرے) رسول کی اطاعت کی، لہٰذا ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔''[3] مزید فرمایا:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ

''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، چنانچہ ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں مٹا دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت عطا فرما۔''[4] نیز فرمایا:

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

''اور اللہ ہی کے لیے سب سے اچھے نام ہیں۔ پس ان کے ساتھ اُسے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں کے بارے میں کج روی اختیار کرتے ہیں، یہ لوگ اپنے کیے کی عنقریب سزا پائیں گے۔''[5]

فرمانِ عالی شان ہے: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝ ''سجدہ کر (اور اللہ تعالیٰ کا) قرب حاصل کر۔''[6]

② رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ارشاداتِ عالیہ میں ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَّا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا» ''بے شک اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔''[7]

اور فرمایا: «تَعَرَّفْ إِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ»

''آسانی میں اللہ کی معرفت حاصل کر، شدت میں وہ تجھے جانے گا۔''[8]

حدیث قدسی ہے: «وَ مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَ مَا زَالَ عَبْدِي

① بنيّ إسرآء يل17:57. ² آل عمرٰن3:31. ³ آل عمرٰن3:53. ⁴ آل عمرٰن3:193. ⁵ الأعراف7:180. ⁶ العلق96:19. ⁷ صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، حديث:1015. ⁸ [صحيح] مسند أحمد:1/307.

يَتقرّبُ إلَيّ بِالنّوافِلِ حتّى أحْبَبْتُهُ»

''اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں کوئی عبادت مجھے اس عبادت سے زیادہ عزیز نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ نفلی عبادت کر کے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔'' [1]

نیز ایک حدیث قدسی میں یوں فرمایا: «وَ إنَ تَقَرّبَ شِبْرًا إلَيّ تَقَرّبْتُ إلَيْهِ ذِراعًا، وَ إنْ تَقَرّبَ إلَيّ ذِراعًا تَقَرّبْتُ إلَيْهِ بَاعًا، وَ إنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً»

''اور اگر بندہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں، اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہوتو میں دو بازوؤں کے بقدر اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ چل کر میرے پاس آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کے پاس جاتا ہوں۔'' [2]

غار والوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''تین ساتھی غار میں تھے، غار کا منہ چٹان سے بند ہو گیا۔ ایک نے اپنے والدین کی فرماں برداری کو وسیلہ بنایا۔ دوسرے نے حرام چیز ترک کرنے کو واسطہ بنایا اور تیسرے نے حقدار کو اضافے سمیت اس کے حق کی ادائیگی کو ذریعہ بنایا، اس سے قبل انھوں نے ایک دوسرے سے کہا تھا، اپنے اپنے اعمال دیکھو جو تم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے ہوں اور ان کے واسطے سے دعا کرو، اللہ رب العزت اس مشکل سے نجات دے گا، چنانچہ انھوں نے دعا کی اور مذکورہ اعمال کو وسیلہ بنایا، چٹان بتدریج غار کے منہ سے ہٹ گئی اور وہ صحیح سلامت باہر آ گئے۔ [3]

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: «أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَ هُوَ سَاجِدٌ»

''بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب کے قریب ترین ہوتا ہے۔'' [4]

آپ نے دعا فرمائی: «أَسْأَلُكَ اللّٰهُمَّ! بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَ نُورَ صَدْرِي، وَ جَلَاءَ حُزْنِي وَ ذَهَابَ هَمِّي وَغَمِّي»

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب التواضع، حديث: 6502. [2] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالٰى: ﴿وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾، حديث: 7405، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب الحث على ذكر الله تعالٰى، حديث: 2675. [3] صحيح البخاري،أحاديث الأنبياء، باب حديث الغار، حديث: 3465، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب قصة أصحاب الغار الثلاثة......، حديث: 2743. [4] صحيح مسلم، الصلاة، باب مايقال في الركوع والسجود؟ حديث: 482.

"اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، جس سے تو نے اپنے آپ کو موسوم فرمایا یا اسے اپنی کتاب میں اتارا یا مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا تو نے اسے اپنے پاس علمِ غیب میں محفوظ کر رکھا ہے کہ قرآنِ عظیم کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کی روشنی، میرے غم کو دور کرنے والا اور میرے کرب و اضطراب کو ہٹانے والا بنا دے۔"[1]

نیز فرمایا: «لَقَدْ سَأَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطٰى، وَ إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ»

"اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس کے ایسے "اسم اعظم" کے واسطے سے سوال کیا ہے کہ جب اس کے ذریعے سے سوال کیا جائے تو وہ ضرور دیتا ہے اور جب اسے پکارا جائے تو وہ ضرور قبول فرماتا ہے۔"[2]

③ قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کے توسل کا ذکر موجود ہے۔ غور فرمایئے ان کا توسل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء وصفات اور اپنے ایمان و اعمال صالح کے ساتھ تھا، اس کے علاوہ انھوں نے کسی (کی ذات یا اس کے جاہ ومرتبہ یا اس کے نیک عمل) کو کبھی واسطہ نہیں بنایا۔ یوسف علیہ السلام اپنے توسل میں فرماتے ہیں:

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○

"اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت دی ہے اور خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے، اسلام کی حالت میں مجھے فوت کرنا اور صالحین کے ساتھ شامل فرمانا۔"[3]

یونس علیہ السلام (مچھلی والے نبی) نے یوں دعا کی: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

"تیرے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں ہی قصور واروں میں سے ہوں۔"[4]

موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی: رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ

"اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، تو مجھے بخش دے تو اللہ نے اسے بخش دیا۔"[5]

اور یہ دعا بھی کی: اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ "بے شک میں اپنے اور تمھارے رب کی پناہ لیتا ہوں۔"[6]

ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے یوں عرض کی: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

① [صحيح] مسند أحمد: 391/1 و 452، وعمل اليوم والليلة لابن السني، حديث: 339 اسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ (صحيح ابن حبان: 353/3، حديث: 972) ② [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الدعاء، حديث: 1494,1493.

③ يوسف 101:12. ④ الأنبيآء 87:21. ⑤ القصص 16:28. ⑥ المؤمن 27:40.

''اے ہمارے پالنے والے! ہمارا (یہ عمل) قبول فرما۔ بے شک تو ہی سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔''[1]

اور آدم وحوا علیہما السلام نے عرض کی: رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''[2]

عقلی دلائل ① رب تعالیٰ مخلوق سے بے نیاز، اور بندہ محتاج ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ محتاج بندہ، کامیابی حاصل کرنے اور خطرات سے بچنے کے لیے (جائز اور مشروع) سبب تلاش کرے۔

② بندہ افعال واقوال میں اللہ رب العزت کی پسند وناپسند سے واقف نہیں، یہی بات اس چیز کی متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شریعت اور رسول اللہ ﷺ کے ان واضح اقوالِ حسنہ واعمالِ صالحہ، جن کے کرنے اور برے اقوال وافعال، جن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، کو وسیلہ بنایا جائے۔

③ کسی بلند مرتبے والے انسان کا مرتبہ ومقام اُسے اس کی ذاتی محنت اور ہاتھوں کی کمائی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی بخشش وعطا کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ یہی چیز اس بات کی متقاضی ہے کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کے حضور اُسے وسیلہ نہ بنایا جائے۔ اس لیے کہ کسی کا مرتبہ چاہے کتنا ہی بڑا ہو، وہ اللہ کے حضور کسی دوسرے شخص کی قربت کا ذریعہ نہیں بن سکتا، چہ جائیکہ اس کے مرتبہ ومقام کے ذریعے سے ایک عام فرد اللہ کا قرب اور وسیلہ حاصل کرے۔ ہاں اگر ایک انسان اپنے اعضاء اپنی صلاحیتوں یا اپنے مال کے ذریعے سے کسی دوسرے انسان کے (علمی) مرتبہ ومقام کا باعث ہے اور اپنی محنت وکاوش سے اس کا عامل وفاعل ہے، یعنی اپنی محنت وکاوش سے اسے پڑھاتا رہا ہے تو اپنی اس محنت اور کوشش کو دعا میں واسطہ بنا سکتا ہے، اس لیے کہ یہ بھی اس کے اپنے کسب وعمل میں سے ہے، بشرطیکہ اس نے رضائے الٰہی کے لیے یہ عمل کیا ہو۔

باب:15 اولیاء الرحمٰن کی کرامات اور اولیاء الشیطان کی گمراہیاں

اولیاء الرحمٰن بندوں میں اللہ تعالیٰ کے ولی بھی ہیں جنھیں اللہ نے اپنی عبادت کے لیے چن لیا ہے۔ ان سے وہ اپنی اطاعت کے کام کراتا ہے اور انھیں شرف، محبت اور کرامت سے نوازتا ہے، اللہ ان کا دوست ہے وہ ان سے محبت کرتا اور انھیں اپنے قریب کرتا ہے اور یہ لوگ اللہ کے ولی ہیں، یہ اس سے محبت کرتے اور اس کی تعظیم بجا لاتے ہیں، اس کے

[1] البقرۃ 127:2. [2] الأعراف 23:7.

حکم کی تعمیل کرتے اور اسی کا پرچار کرتے ہیں۔ اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے خود بھی اجتناب کرتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اللہ کی پسند ان کی پسند ہے اور اللہ کا بغض ان کا بغض ہے۔ جب وہ اللہ سے مانگتے ہیں تو وہ انھیں دیتا ہے، جب مدد طلب کرتے ہیں تو وہ مدد کرتا ہے، جب وہ اس کی پناہ کے طلب گار ہوتے ہیں تو وہ انھیں پناہ دیتا ہے۔ وہی ایمان وتقویٰ کے حامل ہیں، دنیاوی واخروی کرامت وبشارت انھی کے لیے ہے۔ ہر متقی مومن اللہ کا ولی ہے، البتہ ایمان وتقویٰ کی بنیاد پر ان کے درجات مختلف ہیں۔ جسے ایمان وتقویٰ میں وافر حصہ ملا، اللہ کے ہاں وہ بلند مرتبہ ہے اور اس کی کرامت وعزت بہت زیادہ ہے۔ سب سے بڑے اولیاء، اللہ کے رسول اور نبی ہیں اور ان کے بعد ایمان والے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں جو کرامات ظاہر کی ہیں، مثلاً: تھوڑے کھانے کو زیادہ کر دینا، تکالیف اور بیماریوں کو دور کرنا، سمندروں میں سے گزر جانا یا جلتی آگ میں بھی نہ جلنا وغیرہ، یہ سب معجزات کے ہی قبیل سے ہیں، تاہم معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ میں ایک قسم کا چیلنج [1] ہوتا ہے جو کرامت میں نہیں ہوتا۔

[1] چیلنج سے مراد یہ ہے کہ رسول اپنے مخاطبین سے فرماتا ہے کہ اگر میں اللہ کے حکم سے یہ کام کر دوں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ میری نبوت ورسالت کا اقرار کرتے ہوئے مجھ پر ایمان لاؤ گے؟ اگر پھر بھی تم نے مجھے اور میری دعوت کو تسلیم نہ کیا تو اللہ تمھیں اس کی سزا دے گا جبکہ کرامت میں یہ انداز نہیں ہوتا کہ اگر میں فلاں کرامت دکھا دوں تو کیا تم مجھے ولی مان لو گے؟ معجزہ یا کرامت کی حقیقت سمجھنے کے لیے درج ذیل نکات قابلِ غور ہیں:

① انسان کا وجود، اس کی عقل، طاقت، جملہ عادات، خصائل اور خوبیاں سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہوتی ہیں۔

② انسانی عادت اور فطرت ہے کہ جس کام میں بھی کسی آدمی کی عقل اور طاقت صرف ہوتی ہے، وہ کام کتنا ہی انوکھا کیوں نہ ہو دوسرے آدمی بھی محنت اور مشق کر کے وہ کام کر ہی لیتے ہیں۔

③ لیکن جب کسی آدمی سے ایسا کام صادر ہو جو عام قانونِ قدرت سے ہٹا ہوا ہو، اس میں کسی علم یا فن کا دخل نہ ہو اور اسباب و وسائل کو بھی استعمال میں نہ لایا گیا ہو، نیز ہر عام وخاص اس کے مقابلے سے یا تو سرے سے ہی عاجز ہو یا اسباب و وسائل کے بغیر عاجز ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی سے یہ کارنامہ سرزد ہوا ہے، اس میں محض اس کی عقل اور طاقت کام نہیں کر رہی بلکہ اسے کسی غیبی طاقت کی ان دیکھی مدد حاصل ہے۔

④ اگر ایسا کام کسی نبی اور رسول سے صادر ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں، اور اگر کسی صحیح العقیدہ، عالم دین اور متبع سنت (ولی اللہ) سے صادر ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔

⑤ لوگوں سے انبیاء و رسل کی صداقت منوانے کے لیے اللہ تعالیٰ انھیں عموماً دو چیزوں سے نوازتا رہا ہے: (ا) دلیل و برہان کی طاقت (ب) مختلف معجزات کا ظہور۔

⑥ جس نبی کو بھی معجزہ ملا، اس نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسباب و وسائل کو استعمال میں لائے بغیر ہر قسم کا کارنامہ کر دکھانا میری طاقت میں ہے یا میرے کارِ منصبی میں داخل ہے، نہ اس کے صحابہ نے یہ عقیدہ رکھا کہ وہ ان معجزات کی بنیاد پر اسبابِ عادیہ کے بغیر دوسرے انسانوں کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔

کرامات اولیاء کے دلائل ① اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے اولیاء اور ان کی کرامات کے متعلق خبر دی ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ ﴾

''خبردار! یقیناً اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (یعنی) جو ایمان لائے اور پرہیز گار (بن کر) رہے، ان کے لیے دنیا کی زندگی اور آخرت میں خوشخبری ہے، اللہ (جل شانہ) کی باتوں

⑦ کسی بھی غیر نبی کی دعوت (عقیدہ وعمل) کی سچائی چار چیزوں میں منحصر ہے: (ا) قرآن پاک (ب) مقبول احادیث (ج) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مجموعی فہم وعمل (د) اجماع امت۔ اگر اس کی دعوت اور طرزِ عمل مذکورہ معیار پر پورا اترتا ہے تو اس سے ظاہر ہونے والا خلافِ عادت کام ''کرامت'' ہوگا ورنہ نہیں۔

⑧ اگر بدعقیدہ اور بدعمل ہونے کے باوجود اس سے امورِ عجیبہ ظاہر ہوتے ہیں تو اس کی دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں: (ا) اللہ نے اس کی رسی دراز کر دی ہے تاکہ وہ اور اس کے پیروکار زیادہ سے زیادہ عذابِ آخرت کے مستحق بنیں۔ (ب) اس نے مختلف شرکیہ عمل کر کے جنوں اور شیاطین کا قرب حاصل کیا ہوا ہے جو اس کے ساتھ نظر نہ آنے والا تعاون کرتے اور اسے پیشگی خبریں پہنچاتے ہیں۔

⑨ الغرض معجزہ اور سچی کرامت اللہ کی غیبی مدد، طاقت اور حکم سے رونما ہوتی ہے جبکہ جھوٹی کراموں میں شیاطین کی ان دیکھی مدد کام کر رہی ہوتی ہے، بندہ اپنی طاقت سے ایسے امورِ عجیبہ کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ حالتِ نماز میں قبلہ رخ ہونے کے باوجود پیچھے کھڑے نمازیوں پر نظر رکھنا، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا مگر یہ کیفیت ہر وقت نہیں ہوتی تھی بلکہ جب اللہ چاہتا تھا ایسا ہوتا تھا اور جب نہیں چاہتا تھا، نہیں ہوتا تھا، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے جب «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہا تو پیچھے سے ایک آدمی نے یہ دعا پڑھی: «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا......» تو سلام پھیرنے کے بعد آپ نے پوچھا: «مَنِ الْمُتَكَلِّمُ؟» ''دعا کس نے پڑھی تھی؟'' (صحیح البخاري، الأذان، باب فضل اللّٰهم ربنا لك الحمد، حدیث: 799) یعنی آپ کو دعا پڑھنے والے نمازی کا علم نہیں ہو سکا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا۔ اسی طرح ایک رات نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ امی عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع الغرقد (مدینہ منورہ کے قبرستان) پہنچ کر دعائے مغفرت کی اور واپس آ گئے۔ امی عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے پہلے اپنے بستر پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں لیکن سانس چڑھی (پھولی) ہوئی تھی۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ دریافت کی، امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ٹالنا چاہا، آپ نے فرمایا: ''عائشہ! بتا دو ورنہ میرا اللہ مجھے بتا دے گا۔'' اس پر امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ساری بات بتا دی۔ (صحیح مسلم، الجنائز، باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، حدیث: 974) اس سے معلوم ہوا کہ گھر سے نکلتے وقت امی عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم نہ تھا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کدھر اور کیوں جا رہے ہیں اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہ ہوا کہ عائشہ بھی میرے پیچھے آئی تھیں؟ اس واقعہ سے یہ غلط فہمی بھی دور ہو جانی چاہیے جو کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بلحاظِ پیدائش ''نُورٌ مِّنْ نُّورِ اللّٰهِ'' تھے، پھر اسی عقیدے کے نتیجے میں یہ بھی کہتے ہیں کہ رات کو آپ کی موجودگی میں گمشدہ سوئی بھی نظر آ جاتی تھی، چراغ جلانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ استغفر اللہ۔ (ع،ر)

میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، یہی تو بڑی کامیابی ہے۔''[1]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾

''اللہ ایمان لانے والوں کا ولی (دوست) اور کارساز ہے، وہ انھیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔''[2]

ارشادِ عالی ہے: ﴿ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَاۗءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَاۗؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ﴾

''اور یہ (کفار) اس (مسجد الحرام) کے متولی (بننے کے بھی لائق) نہیں، اس کے متولی تو صرف متقین ہیں۔''[3]

ارشادِ ربانی ہے: ﴿ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ښ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾

''بے شک اللہ (ہی) میرا ولی ہے، جس نے کتاب اتاری ہے اور وہی نیکی کرنے والوں کا کارساز ہے۔''[4]

ارشادِ گرامی ہے: ﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ﴾

''اس طرح ہوا، تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں۔ یقیناً وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔''[5]

شیطان سے فرمایا: ﴿ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ﴾ ''یقیناً میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہے۔''[6]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾

''جب بھی زکریا اس (مریم) کے ہاں عبادت خانے میں داخل ہوئے تو اس کے پاس (بے موسم) رزق پایا۔ پوچھا: اے مریم! یہ رزق تیرے لیے کہاں سے آیا؟ کہنے لگی: یہ اللہ کی طرف سے ہے۔''[7] فرمانِ عالی ہے:

﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾

''اور بے شک یونس رسولوں میں سے تھا۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگا۔ پھر (کشتی والوں نے) قرعہ اندازی کی تو وہ مغلوب ہو گیا۔ پس مچھلی نے اسے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا۔ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو لوگوں کو دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک اس (مچھلی) کے پیٹ (ہی) میں رہتا۔''[8] فرمانِ عالی شان ہے:

﴿ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ﴾

''اسے (مریم علیہا السلام کو) نیچے سے (فرشتے نے) آواز دی کہ غم نہ کر۔ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ

[1] یونس 10:62-64. [2] البقرة 2:257. [3] الأنفال 8:34. [4] الأعراف 7:196. [5] یوسف 12:24. [6] بنیٓ إسرآء یل 17:65. [7] آل عمرٰن 3:37. [8] الصّٰفّٰت 37:139-144.

جاری کر دیا ہے اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، یہ تیرے لیے تازہ کھجور گرائے گا۔ پس کھا، پی اور (اپنی) آنکھیں ٹھنڈی کر۔[1]

نیز فرمایا: قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝

''ہم نے کہا: اے آگ! ابراہیم کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ انھوں نے اس کے ساتھ ایک تدبیر کرنا چاہی لیکن ہم نے انھی کو ناکام خاسر بنا دیا۔''[2] مزید فرمایا:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ

''کیا تو نے سمجھا ہے کہ غار اور کتبے والے، اصحابِ کہف ہماری نشانیوں میں سے (ایک) عجیب (نشانی) تھے۔ جب چند نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی طرف سے رحمت دے اور ہمارے معاملے میں آسانی اور کامیابی مہیا فرما۔ تو ہم نے غار میں کئی سال تک انھیں سلائے رکھا، پھر ہم نے انھیں جگا دیا۔''[3]

(2) اولیاء اللہ اور ان کی کرامات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بھی ہمیں متعدد خبریں دی ہیں، مثلاً: آپ نے اللہ تعالیٰ سے ایک حدیثِ قدسی روایت کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَلَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَ بَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَ رِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَ إِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ»

''جو میرے ولی کے ساتھ عداوت رکھتا ہے، میں اسے اعلان جنگ کی اطلاع دیتا ہوں اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں کوئی عبادت مجھے اس (عبادت) سے زیادہ عزیز نہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ اور میرا بندہ نفلی عبادت کر کے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا قدم بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اُسے دیتا ہوں۔ وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دے دیتا

[1] مریم19:24-26۔ [2] الأنبیاء21:69،70۔ [3] الکہف18:9-12۔

ہوں۔'' [1] مزید فرمایا: «إِنِّي لَأَثْأَرُ لِأَوْلِيَائِي كَمَا يَثْأَرُ اللَّيْثُ الْحَرْبُ»

''بے شک میں اپنے دوستوں کا انتقام لیتا ہوں، جس طرح لڑاکا شیر انتقام لیتا ہے۔'' [2]

نیز فرمایا: «إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَّوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ»

''بے شک اللہ کے بندوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر قسم ڈالیں (اور کوئی بات کہیں) تو وہ (اللہ تعالیٰ) اسے پورا کر دیتا ہے۔'' [3] حدیثِ نبوی ہے:

«لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِّنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ، فَإِنْ يَّكُنْ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ»

''پہلی اقوام وملل میں کچھ لوگ ''ملہم'' (جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص الہام ہوتا ہے) ہوتے تھے۔ میری امت میں اگر کوئی (ملہم) ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔'' [4] فرمانِ نبوی ہے:

«كَانَتِ امْرَأَةٌ تُرْضِعُ ابْنًا لَّهَا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ رَّاكِبٌ ذُوشَارَةٍ، فَقَالَتْ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهُ، فَتَرَكَ ثَدْيَهَا وَ أَقْبَلَ عَلَى الرَّاكِبِ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ»

''بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ اس کے پاس سے ایک خوش منظر سوار گزرا۔ (اسے دیکھ کر) کہنے لگی: اے اللہ! میرے بچے کو اس جیسا بنا۔ پستان چھوڑ کر اس بچے نے کہا: اے اللہ! مجھے ایسا نہ بنانا۔'' [5]

بچے کے بولنے میں اس کی اور اس کی ماں دونوں کی کرامت ہے۔

اسی طرح زاہد وعابد جریج رحمہ اللہ (ولی) کے واقعہ میں ہے کہ ماں نے کہا: اے اللہ! اسے موت سے پہلے فاحشہ عورتوں کا منہ دکھانا۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کی دعا قبول کی۔ یہ اس کی کرامت تھی، چنانچہ ایک فاحشہ کی طرف سے جریج پر الزام تراشی ہوئی تو اس نے نومولود بچے سے کہا: بتا! تیرا باپ کون ہے۔ بچے نے کہا: بکریوں کا چرواہا۔'' [6]

اس میں جریج (ولی) کی کرامت ہے کہ دودھ پیتے بچے نے اس کی صفائی دی۔

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب التواضع، حديث: 6502. [2] تفسير ابن كثير: 194/1، البقرة، تحت الآية: 98.
[3] صحيح البخاري، الصلح، باب الصلح في الدية، حديث: 2703، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب إثبات القصاص في الأسنان.....، حديث: 1675. [4] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضي الله عنه، حديث: 3689، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضي الله عنه، حديث: 2398.
[5] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ......﴾، حديث: 3436، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تقديم بر الوالدين على التطوع بالصلاة وغيرها، حديث: 2550. [6] صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب إذا دعت الأم ولدها في الصلاة، حديث: 1206، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تقديم بر الوالدين على التطوع بالصلاة وغيرها، حديث: 2550.

اسی طرح تین غار والوں پر چٹان گر گئی اور نکلنے کا راستہ بند ہو گیا۔ انھوں نے اپنے صالح اعمال کے توسل سے دعا کی۔ اللہ رب العزت نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور انھیں نجات عطا کی۔ یہ ان صالحین کی کرامت تھی۔[1]

اور اسی طرح راہب اور لڑکے کا واقعہ ہے جس میں موذی جانور نے راستہ بند کیا ہوا تھا۔ لڑکے نے اسے پتھر مارا تو وہ موذی جانور مر گیا اور لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ یہ اس لڑکے کی کرامت تھی، پھر بادشاہِ وقت نے اس لڑکے کو مختلف طریقوں سے قتل کرنا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ بھی اس صالح اور نیک لڑکے کی کرامت تھی۔[2]

③ ہزاروں علماء کے مشاہدات بھی کراماتِ اولیاء پر شاہد ہیں۔ معدودے چند یہ ہیں:

- عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو فرشتے سلام کہتے تھے۔[3]
- سلمان فارسی اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کھانا کھاتے تو کھانے یا برتن سے تسبیح کی آواز آتی تھی۔[4]
- خبیب رضی اللہ عنہ مکہ میں مشرکین کے ہاں قیدی تھے۔ ان دنوں مکہ میں انگور نہیں تھے مگر خبیب رضی اللہ عنہ انگور کھاتے دیکھے گئے۔[5]
- براء بن مالک رضی اللہ عنہ اگر کسی معاملے میں قسم کھا لیتے تو اللہ جل جلالہ اسے پورا فرما دیتا تھا۔[6] چنانچہ جنگ تستر کے دن انھوں نے قسم کھائی کہ اللہ مسلمانوں کو مشرکین پر غلبہ دے گا اور میں سب سے پہلے شہید ہوں گا، سو ایسا ہی ہوا۔[7]
- عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں خطبۂ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک کہنے لگے: اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو جاؤ۔ ساریہ نے آواز سنی اور پہاڑ کی طرف ہو گئے۔ انھیں فتح حاصل ہوئی اور دشمن شکست کھا گیا۔ ساریہ واپس آئے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اطلاع دی کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آواز سن لی تھی۔[8]
- علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ دعا میں کہا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ يَا عَلِيمُ يَا حَلِيمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيمُ!» اور ان کی دعا پوری ہوتی۔ ایک موقع پر اپنا دستہ سپاہ لے کر سمندر میں کود گئے، لیکن ان کے گھوڑوں

1. صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب حديث الغار، حديث:3465، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب قصة أصحاب الغار الثلاثة……، حديث: 2743. 2 صحيح مسلم، الزهد، باب قصة أصحاب الأخدود……، حديث: 3005. 3 أسد الغابة: 270/4. 4 [ضعيف] دلائل النبوة للبيهقي: 63/6، وجامع كرامات الأولياء: 105,104/1 اس کی سند منقطع ہے۔ 5 صحيح البخاري، المغازي، باب بعد باب فضل من شهد بدرًا، حديث: 3989. 6 أسد الغابة: 364/1. 7 جامع كرامات الأولياء: 106/1، والمستدرك للحاكم: 292/3 وصححه الحاكم والذهبي وسنده ضعيف. 8 البداية والنهاية: 124/7. اس کی سند ابن عجلان کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اور اس روایت کی تمام سندیں ضعیف و مردود ہیں۔

کی زمینیں بھی تر نہ ہوئیں۔[1]

اولیاء الشیطان ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ شیطان نے انسانوں میں سے بھی کچھ اپنے ساتھی بنا رکھے ہیں، جن پر وہ غالب آ چکا ہے اور انھیں اللہ کی یاد سے غافل کیے ہوئے ہے، برائی کو خوبصورت انداز میں ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے باطل کو ان کے دل میں ڈالتا رہتا ہے۔ ایسے لوگ حق بات سننے سے بہرے ہیں اور حق دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی ہیں، یہ لوگ کلی طور پر شیطان کے تابع ہو چکے ہیں، اس کے وسوسوں اور احکام کی تعمیل کرتے ہیں، انھیں برائی، اچھائی کے روپ میں نظر آتی ہے، چنانچہ انھوں نے منکر کو معروف بنا دیا ہے اور معروف کو منکر۔ یہ لوگ ہر بات میں اولیاء اللہ کی ضد اور الٹ ہیں۔ وہ اللہ کے دوست ہیں اور یہ اللہ کے دشمن، انھیں اللہ کی محبت حاصل ہے اور وہ اسے راضی کرنے کی سعی کرتے ہیں جبکہ یہ اللہ کو ناراض کر رہے ہیں اور ان پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے یہ دشمن کبھی فضا میں اڑتے ہیں یا پانی کی سطح پر چل کر دکھا دیتے ہیں تو یہ اللہ کے ان دشمنوں کے لیے ''استدراج'' یعنی مہلت برائے آزمائش ہے یا پھر شیاطین اپنے ان دوستوں کے ساتھ حق دوستی ادا کرتے ہیں۔ اس عقیدے کی بنیاد درج ذیل دلائل ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے ہمیں اولیائے شیطان کے متعلق خبر دی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾

''اور جو لوگ کفر کرتے ہیں، ان کے ولی اور دوست طاغوت (شیطان) ہیں۔ وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ جہنم والے ہیں، (اور) ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔''[2]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓي اَوْلِيٰۗـــِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴾

''اور بے شک شیاطین اپنے ساتھیوں کے دل میں (پوشیدہ گمراہ کن باتیں) ڈالتے ہیں تاکہ وہ تمھارے ساتھ بحث و جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔''[3] ارشادِ عالی ہے:

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۗـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ﴾

''اور جس دن وہ ان سب (جن وانس) کو اکٹھا کرے گا (اور کہے گا:) ''اے جنوں کے گروہ! تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کیے۔'' اور ان (جنوں) کے ساتھی انسان کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے

① [ضعیف] کتاب الدعاء لمحمد بن فضیل بن غزوان، حدیث: 79 اس کی سند راوی کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔
② البقرة 2:257. ③ الأنعام 6:121.

ایک دوسرے سے نفع حاصل کیا [1] اور (بالآخر) ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تمھارا ٹھکانہ جہنم ہے، تم اس میں ہمیشہ رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔'' [2] ارشادِ ربانی ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○

''اور جو رحمٰن کی یاد سے غافل ہو جائے ہم اس پر شیطان مقرر کر دیتے ہیں، پس وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔ اور یہ شیاطین انھیں (سیدھے) راستے سے روکتے رہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہِ ہدایت پر جا رہے ہیں۔'' [3]

ارشادِ گرامی ہے: اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

''یقیناً ہم نے شیاطین کو ایمان نہ لانے والوں کا ساتھی اور دوست بنا دیا ہے۔'' [4]

نیز فرمایا: اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○

''بے شک انھوں نے اللہ کے سوا شیاطین کو دوست بنا لیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راہ پر چل رہے ہیں۔'' [5]

مزید فرمایا: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

''اور ہم نے (شیطانوں کو) ان کا ہم نشین مقرر کر دیا تھا، پس انھوں نے ان کے لیے ان کے آگے اور پیچھے (کی بدکاریوں) کو مزین کر دکھایا۔'' [6] اور فرمایا:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا ماسوائے ابلیس کے۔ یہ جنوں میں سے تھا، پس وہ اپنے رب کے حکم سے نکل گیا (تو اے لوگو!) کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں۔'' [7]

1 جنوں نے یہ نفع حاصل کیا کہ انھوں نے انسانوں کو گمراہ کر کے انھیں اپنا پیروکار بنایا اور انسانوں نے یہ نفع کمایا کہ گناہوں سے لطف اندوز ہوئے، جنوں کی مدد سے اہلِ حق سے مجادلہ کیا اور جنوں سے غیبی خبریں حاصل کر کے کمزور عقیدہ اور سادہ لوح لوگوں کو اپنی ''غیب دانی'' کا تاثر دے کر ان سے خوب پیسے بٹورے۔ 2 الأنعام 128:6. مگر جو اللہ چاہے، یعنی اللہ اپنی مشیت اور مرضی کا مالک ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اپنے کسی ارادے کو پورا کرنے سے وہ ہرگز عاجز نہیں حتی کہ اگر چاہے کہ کسی کافر کو دوسروں کی نسبت بہت بعد میں جہنم میں پھینکے یا اسے معاف کر کے جہنم سے نکال لے تو وہ ایسا بھی کر سکتا ہے کیونکہ کوئی چیز بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے لیکن کرے گا وہ وہی کچھ جو اس نے کتاب و سنت میں بتا دیا ہے کہ کافر ابدی جہنمی ہے۔ 3 الزخرف 43:36، 37. 4 الأعراف 7:27. 5 الأعراف 7:30. 6 حٰمٓ السجدة 41:25. 7 الكهف 18:50.

② رسول اللہ ﷺ نے بھی اس طرح کی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

مثلاً: ایک دن ایک ستارہ پھینکا گیا، پھر وہ روشن ہوگیا تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا: ''دورِ جاہلیت میں تم اس بارے میں کیا کہتے تھے؟'' ساتھیوں نے جواب دیا: ہم کہتے تھے کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے اور کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے کسی کی موت پر نہیں پھینکا جاتا اور نہ ہی کسی کی پیدائش پر۔ ہمارا رب تعالیٰ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملینِ عرش تسبیح کرتے ہیں، پھر ان سے قریبی آسمان والے تسبیح کہتے ہیں اور اسی طرح ان سے متصل نیچے (آسمان) والے حتیٰ کہ آسمانِ دنیا پر تسبیح کا غلغلہ پہنچتا ہے، پھر آسمان والے (فرشتے)، حاملینِ عرش فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ ہمارے رب تعالیٰ نے کیا فیصلہ صادر فرمایا ہے؟ وہ ایک دوسرے کو بتاتے ہیں حتی کہ یہ بات آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتی ہے، شیاطین وہاں سے بات (سن کر) چراتے ہیں اور نیچے زمین پر اپنے ساتھیوں (کاہنوں، نجومیوں اور جعلی پیروں) کی طرف پھینکتے ہیں جو بات وہ اصلی حالت میں لاتے ہیں وہ تو حق ہوتی ہے مگر وہ اس میں (اپنی طرف سے سوجھوٹ کا) اضافہ (کر کے پیش گوئی) کر دیتے ہیں۔''[1]

کاہنوں کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ لوگ کچھ بھی نہیں۔'' سائل نے کہا: بعض اوقات یہ مستقبل کی کوئی بات بتاتے ہیں تو وہ سچ ثابت ہوجاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ سچی بات جنوں نے آسمان سے جھپٹی (چوری چھپے سنی) ہوتی ہے جو اپنے ساتھیوں کے کانوں میں ڈال دیتے ہیں اور وہ (اولیاء الشیطان) اس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹ ملا (کر پھیلا) دیتے ہیں۔''[2]

اور آپ نے فرمایا: «مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ»

''تم میں سے ہر ایک کے ساتھ جنوں میں سے ایک ساتھی مقرر ہے۔''[3]

نیز فرمایا: «إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ»

''یقیناً شیطان انسان (کے باطن) میں اس طرح چلتا ہے، جیسے (رگوں میں) خون دوڑتا ہے۔''[4]

③ لاکھوں انسانوں نے مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں اولیائے شیطان کے عجیب وغریب شیطانی احوال دیکھے ہیں۔ بعض انسانوں کے پاس شیطان کھانے پینے کی مختلف چیزیں لاتا ہے اور بعض کے کچھ کام کر دیتا ہے اور بعض کو

1 صحيح مسلم، السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان، حديث: 2229. 2 صحيح البخاري، الأدب، باب قول الرجل للشيء: ليس بشيء......، حديث: 6213، وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان، حديث: 2228. 3 صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب تحريش الشيطان......، حديث: 2814. 4 صحيح البخاري، الاعتكاف، باب زيارة المرأة زوجها في اعتكافه، حديث: 2038، وصحيح مسلم، السلام، باب بيان أنه يستحب لمن رؤي خالياً بامرأة...... أن يقول هذه فلانة ليدفع ظن السوء به، حديث: 2175,2174.

پوشیدہ باتیں بتاتا اور خفیہ امور سے آگاہ کردیتا ہے، اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ اپنے ساتھی پر ہتھیار نہ چلنے دیا اور ایسے لوگ بھی پائے گئے ہیں جنھوں نے کسی بزرگ سے مدد طلب کی تو شیطان ان کے پاس اسی نیک انسان کی شکل و صورت میں آ گیا جس سے شیاطین کا مقصد انھیں گمراہ کرنا، شرک کی طرف لانا اور معصیتِ الٰہی پر آمادہ کرنا ہوتا ہے۔ اور بعض لوگوں کو شیاطین دور دراز علاقوں میں لے گئے یا اس کے پاس آدمیوں کو لے آئے، یا اسی طرح کے دیگر اعمال کر دکھائے جن کے کرنے پر شیاطین اور سرکش جن ہی قدرت رکھتے ہیں۔

یہ شیطانی احوال اس وقت حاصل ہوتے ہیں، جب انسان شر و فساد کرتا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کے انکار اور نافرمانی میں بدمست ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ بالآخر اس میں ایمان، تقویٰ اور نیکی باقی نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں اس کی روح شیطانی ارواحِ خبیثہ کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ پھر دونوں کے درمیان دوستی کے رشتے قائم ہو جاتے ہیں حتی کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے اور معلومات کا باہم تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ اسی لیے قیامت کے دن انھیں کہا جائے گا:

يَٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ

''اے جنوں کی جماعت! تم نے انسانوں سے بہت فائدہ حاصل کیا ہے۔''[1]

ان کے انسانی دوست کہیں گے: رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ

''اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے (بہت) فائدے حاصل کیے ہیں۔''[2]

البتہ ربانی اولیاء کی کرامتوں اور شیطانی اولیاء کے کرتبوں میں واضح تر فرق یہ ہے کہ اگر ''خرقِ عادت'' بات ایک ایماندار، پرہیزگار اور اللہ تعالیٰ کی شریعت پر خلوت و جلوت میں چلنے والے شخص کے ہاتھوں سرزد ہو تو یہ اللہ کی طرف سے اعزاز اور اس کی ہمت افزائی ہے اور اگر ایسا کام ایک خبیث، اللہ کے نافرمان اور کفر و فساد میں منہمک شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ استدراج (معصیت کے باوجود ڈھیل دینے)[3] کی قبیل سے ہے، یا پھر شیاطین کی کارفرمائی اور ان کی اپنے دوستوں کی غیبی مدد ہے۔ (والعیاذ باللہ)

باب 16: فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ اچھے کاموں کا پرچار کرنا اور برے کاموں سے

1 الأنعام 128:6. 2 الأنعام 128:6. 3 اللہ تعالیٰ اس دنیا دار جعلی پیر کے ''کارناموں'' کو اس لیے کامیاب کرتا ہے تاکہ وہ گمراہی، دنیاوی عیش و عشرت اور عذابِ آخرت میں خوب ترقی کرے۔ درحقیقت یہ اس کے لیے اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے مگر وہ اپنے »

روکنا اس وقت مزید فرض اور ضروری ہو جاتا ہے جب نیکی معدوم ہو رہی ہو اور برائی پھیل رہی ہو، بالخصوص ان لوگوں پر جو امر و نہی کی اپنے ہاتھ یا زبان سے طاقت رکھتے ہوں۔ درحقیقت ایمان باللہ کے بعد دینی ذمہ داریوں میں یہ سب سے بڑی ذمہ داری ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی کتاب عزیز میں ایمان کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

''جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئی ہیں تم سب سے بہتر ہو کہ اچھائی کا حکم کرتے، برائی سے منع کرتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''[1] اس عقیدے کی بنیاد درج ذیل نقلی اور عقلی دلائل ہیں:

کتاب وسنت سے دلائل ① اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

''اور تم میں ایک ایسی جماعت (ضرور) رہے جو اچھائی کی دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔''[2]

② اللہ جل جلالہ نے ہمیں اپنے نیک بندوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

''یہ (ایسے) لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم کریں گے، زکاۃ دیں گے، اچھی بات کا حکم کریں گے اور برائی سے منع کریں گے۔''[3] نیز فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں (دینی لحاظ سے) ایک دوسرے کے (معاون اور) دوست ہیں، اچھائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتے ہیں۔''[4]

اللہ کے ولی حضرت لقمان رحمہ اللہ نے اپنے فرزند کو جو وصیتیں فرمائیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

»» آپ کو نیک اور اپنے کرتب کو کرامت باور کرا کے ہلاکت کے گڑھے کی اتھاہ گہرائی میں گرتا جاتا ہے۔ [1] آل عمران 110:3. [2] آل عمران 104:3. [3] الحج 41:22. [4] التوبة 71:9.

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○

''اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم کر، اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روک اور تجھے جو تکلیف پہنچے، اس پر صبر کر، یقیناً یہ پختہ باتوں میں سے ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نفرین بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○

''داود وعیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی زبان سے بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت کی گئی ہے، اس لیے کہ یہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے، جن برے کاموں میں مشغول ہوتے، ان سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ واقعی یہ لوگ برا کر رہے تھے۔''[2]

نیز اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جنھیں اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے پر نجات عطا فرمائی اور ان لوگوں کا بھی جنھیں اللہ تعالیٰ نے یہ فریضہ ادا نہ کرنے پر ہلاک کیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

''ہم نے انھیں نجات دی جو برائی سے روکتے تھے اور انھیں برے عذاب میں پکڑ لیا جنھوں نے ظلم کیا، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔''[3]

③ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے فرامین میں ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَ ذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»

''جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر طاقت نہیں ہے تو زبان سے (منع کرے) اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو دل سے (برا جانے) اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔''[4]

مزید فرمایا: «لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَ لَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ، ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ»

1 لقمان 17:31. 2 المآئدة 79,78:5. 3 الأعراف 165:7. 4 صحیح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان......، حديث: 49.

''تم ضرور بالضرور اچھائی کا حکم کرتے رہو گے اور برائی سے روکتے رہو گے، ورنہ ضرور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے، پھر تم اسے پکارو گے (لیکن) وہ تمھاری دعا قبول نہیں کرے گا۔'' [1]

﴿4﴾ نیز آپ نے ہمیں اس میں کوتاہی کے نتائجِ بد سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي، ثُمَّ يَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يُغَيِّرُوا ثُمَّ لَا يُغَيِّرُوا إِلَّا يُوشِكُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ»

''جس قوم میں گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہو اور ان میں اسے روکنے کی قدرت والے بھی موجود ہوں، پھر بھی وہ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ جل شانہ ان سب کو اپنی طرف سے عذاب میں مبتلا کر دے۔'' [2]

ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر پوچھی: ﴿لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾

''جب تم ہدایت پر ہو تو جو شخص گمراہ رہے، اس سے تمھارا کوئی نقصان نہیں۔'' [3]

آپ نے فرمایا: «بَلِ ائْتَمِرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، حَتّٰى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا، وَ هَوًى مُتَّبَعًا، وَ دُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَ إِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ فَعَلَيْكَ يَعْنِي بِنَفْسِكَ وَدَعْ عَنْكَ الْعَوَامَّ، فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ، اَلصَّبْرُ فِيهِ مِثْلُ قَبْضٍ عَلَى الْجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيهِمْ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِهِ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَجْرُ خَمْسِينَ مِنْهُمْ، قَالَ: أَجْرُ خَمْسِينَ مِنْكُمْ»

''بلکہ تم ایک دوسرے کو اچھائی کا حکم کرو اور برائی سے روکو حتیٰ کہ جب دیکھو کہ کنجوسی کی روش چل پڑی ہے، خواہشات کی اندھی پیروی ہو رہی ہے، دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر رائے دینے والا اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو تم اپنے آپ ہی کو بچاؤ اور (ایسے) عوام سے دور ہو جاؤ کیونکہ تمھارے پیچھے صبر کے دن ہیں جن میں صبر کرنا آگ کے انگارے پکڑنے کے مانند ہوگا، ان دنوں ایسا کرنے والے کو پچاس آدمیوں کا اجر ملے گا جو انھی جیسا عمل کریں گے۔ صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان میں سے پچاس آدمیوں کا اجر؟ تو آپ نے فرمایا: بلکہ تم میں سے پچاس آدمیوں کا اجر۔'' [4]

نیز آپ نے فرمایا: «مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَ أَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَ يَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ، ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ، يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَ

[1] [حسن] جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث: 2169. امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ [2] [صحيح]، سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث: 4338. [3] المآئدة 5:105. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث: 4341، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث: 3058 وقال: حسن غريب، وسنن ابن ماجه، الفتن، باب قوله تعالٰى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾، حديث: 4014، وإحياء علوم الدين للغزالي: 2/369.

يَفْعَلُونَ مَالَا يُؤْمَرُونَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَ مَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَ مَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ»

''ہر نبی کے لیے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے مبعوث فرمایا، اس کی امت میں سے اس کے کچھ حواری اور مخلص ساتھی بھی ہوئے جو اس کے طریقے پر چلے اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے رہے۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئے جن کے قول وفعل میں تضاد تھا اور وہ ایسے کام کرتے تھے جن کا انھیں حکم نہیں ہوتا تھا، (آئندہ میری امت میں بھی یہی صورتِ حال ہوگی) جو اس قسم کے لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے اور جو دل سے ان کے خلاف جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے (جو یہ بھی نہ کر سکا تو) اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔''[1]

اور جب آپ سے افضل جہاد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

«كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ» ''ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا افضل جہاد ہے۔''[2]

عقلی دلائل ① تجربے اور مشاہدے سے ثابت ہے کہ اگر بیماری کا علاج نہ کیا جائے تو وہ جسم میں پھیل جاتی ہے اور پھر اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح برائی کو اگر ابتدا ہی میں ختم نہ کیا جائے اور اسے معاشرے میں پھیلنے دیا جائے اور چھوٹے بڑے اس کے عادی ہو جائیں تو پھر اسے مٹانا اور اس کا ازالہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور بالآخر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے، یہ قانونِ الٰہی ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾

''(یہ) اللہ کا قانون ہے جو (پہلی قوموں میں) گزر چکا ہے، اور تو قانونِ الٰہی میں ہرگز تبدیلی نہ پائے گا۔''[3]

② یہ بھی مشاہدہ ہے کہ اگر کسی مکان کی صفائی نہ کی جائے اور اس میں سے کوڑا کرکٹ اٹھا کر باہر نہ پھینکا جائے تو کچھ عرصہ بعد وہ جگہ رہائش کے قابل نہیں رہتی، اس کی ہوا متعفن اور زہر آلود ہو جاتی ہے اور اس میں وبائی جراثیم کی خوب پرورش ہوتی رہتی ہے کیونکہ میل کچیل اور غلاظتوں کی بہتات کا یہی لازمی نتیجہ ہے۔

اسی طرح اگر اسلامی معاشرے میں برائی کو پنپنے دیا جائے اور اچھائی کا پرچار معدوم ہو جائے تو کچھ مدت بعد لوگ گندے اور شریر النفس بن جائیں گے۔ اچھائی اور برائی کا امتیاز ختم ہو جائے گا اور پھر انھیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہوگا، بالآخر مختلف اسباب و ذرائع سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ انھیں تباہ و برباد کر دے گا۔ ارشادِ باری ہے:

1 صحيح مسلم، الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان.....، حديث: 50. 2 [حسن] سنن النسائي، البيعة، باب فضل من تكلم بالحق عند إمام جائر، حديث: 4214. 3 الفتح 48:23.

﴿ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝ ﴾ ''بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔''[1]

اور فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ ﴾ ''اور اللہ غالب ہے، انتقام لینے والا۔''[2]

③ یہ بات بھی تجربے سے ثابت ہے کہ انسانی نفوس جب قبیح چیزوں کے عادی ہو جائیں تو وہ انھیں اچھی لگتی ہیں۔ جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرضِ لازم چھوڑ دیا جائے تو لوگ اچھے کام چھوڑ دیتے ہیں اور برے کام کرنے لگتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ برائی عام ہوتی چلی جاتی ہے ایسے موقع پر انسانی عادت بشری تقاضوں کی وجہ سے اسے برائی نہیں سمجھتی بلکہ الٹا اسے اچھائی اور عمدہ بات سمجھ لیتی ہے۔ یہی حالت بصیرت کا خاتمہ اور فکری ویرانی کہلاتی ہے۔ (العیاذ باللہ)

اسی بنا پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مسلمانوں پر لازم قرار دیا ہے کہ یہ دینی فریضہ محض انسانی معاشرے ہی کی پاکیزگی اور درستی کا باعث نہیں بلکہ اقوام وملل کے عزوشرف کا محافظ بھی ہے۔

آدابِ امر و نہی ① داعی یہ بخوبی جانتا ہو کہ جس بات کا وہ حکم دے رہا ہے، وہ فی الواقع شریعت میں معروف اور نیکی ہے اور اس پر عمل متروک ہو چکا ہے، اسی طرح جس برائی سے وہ منع کرتا ہے اور جسے مٹانے کی وہ کوشش کر رہا ہے اس کی حقیقت بھی سمجھتا ہو اور اُسے معلوم ہو کہ اس کا ارتکاب بھی ہو رہا ہے، نیز وہ کام فی الواقع شریعت میں گناہ اور حرام قرار دیا گیا ہو۔

② اصلاح کرنے والا خود اس نیکی کا عامل ہو اور جس بات سے منع کر رہا ہے، یہ خود اس کے قریب بھی نہ پھٹکے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناراضی کا باعث ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں ہو۔''[3]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟''[4]

③ ایک مبلغ کو اچھے اخلاق کا مالک ہونا چاہیے، اُسے اچھی باتوں کا حکم نرمی سے دینا چاہیے اور بُری باتوں سے حکمت کے ساتھ روکنا چاہیے اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے دل میں محسوس کرے نہ غصے

① البروج 12:85. ② آل عمرٰن 4:3. ③ الصف 3,2:61. ④ البقرۃ 44:2.

کا اظہار کرے، بلکہ اس بارے میں درگزر، عفو اور اعراض سے کام لے۔ ارشادِ عالی ہے:

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ط اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

''اور اچھائی کا حکم دے، برائی سے منع کر اور تجھے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر۔ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''[1]

(4) برے کام جاننے کے لیے لوگوں کی جاسوسی نہ کرے۔ یہ بات نامناسب ہے کہ منکرات جاننے کے لیے لوگوں کے گھروں میں جھانکا جائے، یا کسی کا پردہ اٹھا کر دیکھا جائے کہ اندر کیا ہے یا برتن کا ڈھکنا اُٹھا کر معلوم کیا جائے کہ اس میں کیا ہے کیونکہ شارع نے لوگوں کے عیوب چھپانے کا حکم دیا ہے۔ ان کے عیوب کی ٹوہ لگانے اور جاسوسی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے: وَّلَا تَجَسَّسُوْا ''اور تم خفیہ طور پر ٹوہ نہ لگاؤ۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا تَجَسَّسُوا» ''اور جاسوسی نہ کرو۔''[3]

نیز فرمایا: «مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»

''جو شخص ایک مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''[4]

(5) مبلغ جسے وعظ و تبلیغ کرنا چاہتا ہے، اسے پہلے نیکی اور برائی کی پہچان کرائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ نیکی اور برائی کو جانتا ہی نہ ہو، جبھی تو وہ اس کی خلاف ورزی کر رہا ہے، اس لیے سب سے پہلے برائی اور نیکی کی وضاحت ضرور کرنی چاہیے۔

(6) اچھائی کے حکم اور برائی سے منع کرنے کے بعد بھی اگر کوئی نیکی پر عمل نہیں کرتا یا برائی نہیں چھوڑتا تو شریعت کے مطابق ترغیب و ترہیب سے کام لے۔ اس کے باوجود وہ عمل پیرا ہونے سے گریزاں رہے تو ڈانٹ پلائی جائے اور سختی اپنائی جائے اگر یہ طریقہ بھی کارگر نہ ہو تو اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کرنے کی سعی کرے ورنہ حکومت یا برادرانِ اسلام کا تعاون حاصل کرے۔

(7) اگر اپنے ہاتھ اور زبان سے برائی کو ختم نہ کر سکے بلکہ اس صورت میں اسے اپنی جان و مال اور عزت کے ضائع ہونے کا ڈر ہے اور وہ مصائب پر صبر کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر دل سے اسے برا جانے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَ ذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»

[1] لقمان 17:31. [2] الحجرات 12:49. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب لايخطب على خطبة أخيه......، حديث: 5143، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس......، حديث: 2563. [4] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن......، حديث: 2699.

''تم میں سے جو برا کام دیکھے، اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہیں تو زبان سے روکے، ورنہ دل سے (ضرور برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''[1]

باب:17 سلف صالحین سے محبت اور مسلمان حکام کی اطاعت

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام و اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے محبت رکھنا اور انھیں دوسرے مومنوں اور عام مسلمانوں سے افضل جاننا ضروری ہے۔

اسلام میں سبقت لے جانے کی بنیاد پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی باہم فضیلت اور درجات میں مختلف ہیں اور ان میں خلفائے راشدین سب سے افضل ہیں، یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم۔

پھر عشرہ مبشرہ کو فوقیت حاصل ہے اور وہ یہ ہیں۔ چاروں خلفائے راشدین، حضرت طلحہ، زبیر، سعد، سعید، ابوعبیدہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

پھر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے اور ان کے بعد عشرہ مبشرہ کے علاوہ جنت کی خوشخبری پانے والے دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے، مثلاً: حضرت فاطمہ، حسن، حسین، ثابت بن قیس، عکاشہ بن محصن اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہم وغیرہ اور ان کے بعد بیعتِ رضوان میں شریک چودہ سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقامِ عظیم ہے۔

اسی طرح ہر مسلمان ائمۂ اسلام کی تعظیم، احترام اور توقیر کا قائل ہے اور ان کے تذکرے میں ادب واحترام ملحوظ رکھنا لازم گردانتا ہے اور یہ سب عظماء، دین و ہدایت کے امام و اَعلام تھے، ان میں قراء، فقہاء، محدثین اور مفسرین سبھی شامل ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان سب پر اپنی رحمت نازل کرے اور ان سے راضی ہو۔

مسلمان پر حُکّامِ وقت کا احترام، اطاعت اور ان کی عزت وتکریم ملحوظ رکھنا بھی لازم ہے، ان کی معیت میں جہاد کرنا، ان کی امامت میں نماز کی اقتدا کرنا واجب ہے جبکہ ان کے خلاف بغاوت کرنا حرام ہے۔ قصہ مختصر ہر ایک کے خاص آداب ہیں جنھیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

صحابۂ کرام اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق عقیدہ ✤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے محبت کرے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان...، حديث: 49.

’’پس عنقریب اللہ (اپنے دین کی حفاظت کے لیے) ایسے لوگ لائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔‘‘ [1] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف میں فرمایا:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾

’’محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی کفار پر سخت اور آپس میں نرم ہیں۔‘‘ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَ مَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَ مَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَ مَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَ مَنْ آذَى اللّٰهَ يُوشِكُ أَنْ يَّأْخُذَهُ»

’’میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے بعد انھیں (استہزا، توہین یا تکفیر کا) نشانہ نہ بنانا۔ پس جو ان سے محبت کرے گا، وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا، جس نے انھیں ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی قریب ہے کہ وہ اسے پکڑ لے۔‘‘ [3]

✽ مسلمان کا ایمان ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دوسرے تمام ایمان داروں اور مسلمانوں سے افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان بیان کی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾

’’اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت لے جانے والے (اور سب سے) پہلے (ایمان لانے والے) اور جنھوں نے احسان کے ساتھ (عقیدہ و عمل میں) ان کی اتباع کی، اللہ ان (سب) سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور اس نے ان کے لیے بہشت کے باغات تیار کیے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘ [4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَّا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِيفَهُ»

’’میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ تم میں کوئی ایک اگر احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو وہ ان کے ایک مد اور

1 المآئدة 5:54. 2 الفتح 48:29. 3 [ضعيف] جامع الترمذي، المناقب، باب في من سبّ أصحاب النبي ﷺ، حديث:3862 و قال: حسن غريب، اس کی سند عبیدہ بن ابی رائطہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 4 التوبة 9:100.

نصف مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔''[1]

❁ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ جملہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد قیامت تک کے تمام لوگوں سے علی الاطلاق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور ان کے بعد بالترتیب حضرت عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم افضل ہیں۔ اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

«لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَلٰكِنْ أَخِي وَصَاحِبِي»

''اگر میں کسی کو رازداں دوست (خلیل) بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں۔''[2]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا، ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ، ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ»

''ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابوبکر کے برابر کسی (صحابی) کو نہیں سمجھتے تھے، پھر عمر، پھر عثمان رضی اللہ عنہم کا درجہ سمجھتے تھے، پھر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیتے (یعنی) کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے تھے۔''[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «خَيْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ»

''اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ۔''[4]

❁ ایک مسلمان، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ان تمام فضائل و خصائل اور مناقب کا اقرار واعتراف کرتا ہے جو کتاب و سنت میں وارد ہیں، مثلاً: ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی شان و فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد پہاڑ کو اُس وقت جب وہ ہلنے لگا تھا، مخاطب کر کے فرمایا: «اُثْبُتْ أُحُدُ! فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَّ صِدِّيقٌ وَّ شَهِيدَانِ»

''احد! ٹھہر جا، تیرے اوپر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔''[5]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: «أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُّوسٰى؟»

''کیا تم راضی نہیں کہ تم میرے لیے اُسی طرح ہو جس طرح موسیٰ کے لیے ہارون تھے۔ (علیہما السلام)''[6]

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب، حديث: 3673، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة، حديث: 2540. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب قول النبي ﷺ: «لو كنت متخذًا خليلًا»، حديث: 3656. [3] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عثمان ﷺ، حديث: 3698. [4] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب، حديث: 3671، ومسند أحمد: 106/1 واللفظ له. [5] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب، حديث: 3675. [6] صحيح البخاري، فضائل أصحاب ◄◄

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: «فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ» ''فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔'' [1]

اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ»

''یقیناً ہر نبی کے کچھ خصوصی معاون اور دوست (حواری) ہوتے ہیں۔ میرا حواری زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہے۔'' [2]

حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا»

''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان دونوں سے محبت کر۔'' [3]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے ارشاد ہوا: «إِنَّ عَبْدَاللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ» ''عبداللہ نیک آدمی ہے۔'' [4]

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: «أَنْتَ أَخُونَا وَ مَوْلَانَا» ''تم ہمارے بھائی اور دوست ہو۔'' [5]

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

«أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَ خُلُقِي» ''تم صورت اور اخلاق میں میرے مشابہ ہو۔'' [6]

بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ»

''میں نے تیرے جوتوں کی آہٹ بہشت میں اپنے آگے سنی ہے۔'' [7]

سالم مولیٰ ابی حذیفہ، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کے بارے میں لوگوں کو حکم دیا: «اِسْتَقْرِءُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَ سَالِمٍ مَوْلٰى أَبِي حُذَيْفَةَ، وَ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ»

''چار آدمیوں سے قرآن سیکھو (یعنی) عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے۔'' [8]

» النبي ﷺ، باب مناقب علي بن أبي طالب، حديث: 3706. یعنی جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جاتے وقت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر پیچھے چھوڑا تھا، اسی طرح آج میں تبوک جاتے ہوئے تمھیں مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کرتا ہوں۔ 1 صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3624، وجامع الترمذي، المناقب، باب أن الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة، حديث: 3781. 2 صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل الطليعة، حديث: 2846. 3 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب ذكر أسامة بن زيد، حديث: 3735. حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں دیکھیے: مسند أحمد: 369/5، اس کی سند صحیح ہے۔ 4 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہما، حديث: 3741,3740. 5 صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث: 4251. 6 صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث: 4251. 7 صحيح البخاري، التهجد، باب فضل الطهور بالليل والنهار......، حديث: 1149. 8 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب سالم مولى أبي حذيفة رضی اللہ عنہ، حديث: 3758.

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں فرمایا: «فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ»
''عائشہ رضی اللہ عنہا کی برتری عورتوں پر ایسے ہے، جیسے ثرید (کھانے) کی برتری تمام کھانوں پر ہے۔''[1]

انصار کی شان میں فرمایا: «لَوْ أَنَّ الْأَنْصَارَ سَلَكُوا وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ فِي وَادِي الْأَنْصَارِ، وَ لَوْ لَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَءًا مِّنَ الْأَنْصَارِ»
''اگر انصار کسی وادی یا گھاٹی میں چلیں تو میں بھی انھی کی وادی میں چلوں گا اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔''[2]

نیز فرمایا: «الْأَنْصَارُ لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللّٰهُ، وَ مَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللّٰهُ»
''انصار سے صرف مومن ہی محبت کرتا ہے اور منافق ہی ان سے بغض رکھتا ہے۔ جو ان سے محبت کرے گا، اللہ اسے اپنا محبوب بنا لے گا اور جو ان سے بغض وعداوت رکھے گا، اللہ اس سے بغض وعداوت رکھے گا۔''[3]

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: «اِهْتَزَّ الْعَرْشُ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ»
''سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی موت پر عرش بھی جنبش میں آ گیا۔''[4]

سیدنا اسید بن حضیر اور عبّاد بن بشر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے تاریک رات میں باہر نکلے تو ان کے آگے آگے روشنی ہو گئی جس میں یہ دونوں چلتے رہے۔ جب الگ الگ راستہ پر چلنے لگے تو روشنی بھی دو حصوں میں بٹ گئی۔ اس میں ان دونوں کی منقبت اور فضیلت ہے۔[5] سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
«إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ قَالَ:- لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ ‹ وَسَمَّانِي؟ قَالَ: نَعَمْ...... فَبَكٰى»
''اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ سورۃ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ تجھے پڑھ کر سناؤں۔'' ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں!'' تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔''[6]

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو آپ نے درج ذیل اعزاز سے نوازا:
«سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ» ''یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔''[7]

(1) صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب فضل عائشة رضي الله عنها، حديث: 3770. 2 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب قول النبي ﷺ: «لولا الهجرة لكنت امرءًا من الأنصار»، حديث: 3779. 3 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب حب الأنصار من الإيمان، حديث: 3783. 4 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مناقب سعد بن معاذ رضي الله عنه، حديث: 3803. 5 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب منقبة أسيد بن حضير وعباد بن بشر رضي الله عنهما، حديث: 3805. 6 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مناقب أبي بن كعب رضي الله عنه، حديث: 3809. 7 صحيح البخاري، ◄◄

حسن رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: «اِبْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»
''میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔''[1]

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اعلان ہوا:

«إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا، وَ إِنَّ أَمِينَنَا أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ! أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ»

''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اے امت کے لوگو! ہمارے امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔''[2]

✿ ایک سچا مسلمان ان کی برائیوں کے تذکرے سے احتراز کرتا اور ان کے باہمی منازعات و مشاجرات (جنگوں) کے بارے میں گفتگو کرنے سے گریز کرتا اور خاموشی اختیار کرنے کو ضروری سمجھتا ہے۔[3]

اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے: «لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي» ''میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔''[4]

نیز فرمایا: «لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي» ''میرے بعد انھیں (عیب و برائی کا) نشانہ مت بنانا۔''[5]

نیز ارشاد ہوا: «مَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَ مَنْ آذَى اللّٰهَ يُوشِكُ أَنْ يَّأْخُذَهُ»
''جس نے ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی قریب ہے کہ وہ اسے پکڑ لے۔''[6]

✿ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی عزت و احترام ایک مومن کے ایمان کا حصہ ہے۔ علاوہ ازیں ان کی بابت یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ وہ پاک اور ہر طرح کے الزامات سے مبرا ہیں۔ اور یہ کہ ان میں افضل خدیجہ بنت خویلد اور عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم ہیں۔ نیز قرآنِ پاک میں ارشادِ عالی ہے: ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾
''ایمان والوں پر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا استحقاق ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویاں

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب خالد بن الوليد ﷺ، حديث: 3757. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الحسن والحسين ﷺ، حديث: 3746. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب أبي عبيدة بن الجراح ﷺ، حديث: 3744. [3] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم معصوم نہیں تھے، ان سے بشری لغزشیں اور بعض اوقات گناہ بھی سرزد ہوجاتے تھے لیکن صدقِ ایمان، بے مثال قربانیوں اور نیکیوں کی بے پناہ کثرت کے سامنے ان کوتاہیوں کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، پھر اللہ کی طرف رجوع کرنے میں وہ سب سے زیادہ پیش پیش رہتے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی اور جنت کی پیشگی بشارت کا بار بار تذکرہ فرمایا ہے، لہٰذا ان کے ذکرِ بد سے ہمیشہ احتراز ہی کیا جائے گا اور ان کی باہمی جنگوں کا تذکرہ بھی اس انداز سے نہیں کیا جائے گا کہ اس سے کسی صحابی کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ [4] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب، حديث: 3673. [5] [ضعيف] جامع الترمذي، المناقب، باب في من سب أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3862، اس کی سند عبیدہ بن ابی رائطہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [6] [ضعيف] جامع الترمذي، المناقب، باب في من سب أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3862.

ان کی مائیں ہیں۔''[1]

قراء، محدثین اور فقہائے امت کے متعلق عقیدہ ❁ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ ان سے محبت کرے، ان کے لیے رحم کی دعا کرے، مغفرت طلب کرے اور ان کی شان وفضیلت کا اعتراف کرے کیونکہ قرآنِ پاک کی اس آیتِ مبارکہ میں ان کا تذکرہ ہوا ہے: ﴿وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾

''اور جن لوگوں نے احسان کے ساتھ (عقیدہ وعمل میں) ان (صحابہ) کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔''[2]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ»

''سب سے بہتر میرا دور ہے، پھر ان لوگوں کا جو اس دور کے بعد ہوں گے، پھر ان کا جو اس کے بعد ہوں گے۔''[3]

عام قراء، فقہاء، محدثین اور مفسرین رحمہم اللہ انھی قرونِ ثلاثہ (تین زمانوں) میں سے تھے، جن کا تذکرۂ خیر رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان میں کیا ہے اور اللہ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنے سے پہلے جانے والے مومنوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾

''(بعد والے کہتے ہیں) اے ہمارے رب! ہماری اور جو ایمان لانے میں ہم سے پہلے سبقت لے گئے ان کی مغفرت فرما۔''[4]

اس حکم کی تعمیل میں مسلمان، تمام سابقہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

❁ اہل ایمان ان کا تذکرہ اچھائی کے ساتھ کرتے ہیں اور آداب ملحوظ رکھتے ہیں کہ وہ مجتہد اور دین میں مخلص تھے، بعد میں آنے والوں کی آراء کے مقابلے میں ان کی رائے کو برتری حاصل ہے، جس پر عمل کرنا چاہیے، اِلَّا یہ کہ ان کی بات اللہ کے فرمان یا حدیث رسول ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول کے مخالف ہو، ایسی صورت میں اسے ترک کر دینا لازم ہے۔

❁ ائمہ اربعہ مالک، شافعی، احمد اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے مدون کردہ مسائل اور ان کے بیان کردہ احکامِ دین ومسائلِ شرع، اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول اللہ ﷺ ہی سے حاصل کردہ اور مستنبط ہیں اور وہ قیاس واستنباط اس وقت کرتے تھے، جب انھیں صریح نص یا اشارہ وایماء نہیں ملتا تھا۔[5]

❁ بنابریں مذکورہ بالا اکابر امت کے بیان کردہ فقہی مسائل کو اپنانا اور ان پر عمل کرنا اللہ کی شریعت ہی پر عمل کرنا ہے۔ جب تک اس کی مخالفت میں کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ ﷺ واضح طور پر موجود نہ ہو، اس صورت میں اللہ کی وحی

[1] الأحزاب 6:33. [2] التوبة 100:9. [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب ما يحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها، حديث: 6429، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة...... حديث: 2533. [4] الحشر 10:59.

[5] تاہم قیاس واستنباط کرتے وقت ان سے اجتہادی غلطیاں بھی ہوئی ہیں، جن میں وہ ان شاء اللہ ماجور ہیں۔ اور عوام کی نجات اسی ◄◄

یا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو کسی بھی مخلوق کے قول کی بنیاد پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ارشاد باری ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔''[1]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

''اور جو کچھ تمھیں رسول دے، اسے لے لو اور جس سے منع کرے، اس سے رک جاؤ۔''[2] ارشادِ عالی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾

''اور جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں، تو کسی مومن مرد اور عورت کے لیے (اس معاملے میں کوئی) اختیار باقی نہیں رہتا۔''[3]

جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»

''جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا حکم نہیں ہے، تو وہ مردود ہے۔''[4]

ارشادِ نبوی ہے: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهِ»

''کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے۔''[5]

✤ چونکہ یہ امام بھی انسان تھے، لہٰذا ان کی بات درست بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی، غفلت، بھول چوک یا اس بنیاد پر کہ دین کا سارا علم کسی ایک امتی کے سینے میں کبھی جمع نہیں ہوا، مزید برآں ان ائمہ سے بلا ارادہ کسی مسئلے کے بیان میں غلطی بھی ہو سکتی ہے، لہٰذا کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی رائے پر جمود اختیار کرے بلکہ ان میں سے جس کی بات صائب اور درست ہو، اسے قبول کر لیا جائے۔ ان کے اقوال اسی صورت میں رد کیے جا سکتے ہیں جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ثابت ہو جائیں۔

✤ فروعی دینی مسائل میں ان کے اختلاف کو ہر مسلمان قابلِ عذر سمجھتا ہے کہ انھوں نے یہ اختلاف جہالت، ضد اور تعصب کی بنا پر نہیں کیا بلکہ یا تو کسی ایک کو حدیث نہیں ملی، یا اس نے حدیث کو منسوخ سمجھا یا اسے سمجھ نہیں سکا کیونکہ لفظ کے مطالب ومعانی سمجھنے میں فہم کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

«« میں ہے کہ وہ سلف صالحین کے مجموعی فہم کے مطابق کتاب وسنت کی اتباع کریں اور غلطیوں پر عمل نہ کریں۔ [1] الحجرات 49:1۔ [2] الحشر 59:7۔ [3] الأحزاب 33:36۔ [4] صحیح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، حدیث: 2697، وصحیح مسلم، الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة......، حدیث: 1718 واللفظ له. [5] [ضعیف] النووي في الأربعین، حدیث: 41، وذم الکلام للهروي، ص: 96، وشرح السنة: 1/213، اس کی سند ہشام بن حسان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (النسآء 43:4) سے یہ سمجھا کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے وضوٹوٹ جائے گا۔ مگر دوسرے ائمہ اس آیت کا یہ مفہوم نہیں لیتے بلکہ وہ اس سے مجامعت (ہم بستری) مراد لیتے ہیں اور عورت کو صرف ہاتھ لگانے سے وضوٹوٹنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس کے لیے ایک قدر زائد، مثلاً: ارادے اور وجودِ لذت کو وضو کے ٹوٹنے کا باعث قرار دیتے ہیں۔

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اگر اپنے فہم میں تھوڑا سا تنزل اختیار کر لیں تو باقی ائمہ کے ساتھ موافقت بھی ہو جائے گی اور امت میں اختلاف کی خلیج بھی کم ہو جائے گی، یہ کیوں ممکن نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے لیے یقیناً یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد عالی سے کوئی ایسی بات سمجھ جائیں جس میں انھیں معمولی سا شک بھی نہ ہو، پھر وہ محض کسی ذاتی رائے یا کسی دوسرے امام کے فہم کی وجہ سے چھوڑ دیں، اس طرح تو وہ اللہ کی بات کو انسان کے قول کی بنیاد پر چھوڑنے والے ہو جاتے جو ایک کبیرہ گناہ ہے۔ ہاں......اگر ان کا فہم کتاب وسنت کی نص (عبارت) کے صریحاً مخالف ہو تو ''نص ظاہری'' کو تسلیم کرنا لازم ہوگا اور اپنا ذاتی فہم جو ''نص صریح'' کے درجے میں نہیں، اسے چھوڑنا پڑے گا۔ اس لیے کہ اگر ''نص'' کی دلالت قطعی ہوتی تو اس میں کوئی بھی امتی اختلاف نہ کرتا، چہ جائیکہ ائمۂ کرام، لہٰذا ان کا ''فہم'' ایسے قطعی درجے میں نہیں ہے کہ جسے ترک نہ کیا جا سکے۔

حکام وقت کا مقام ✻ مسلمان اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان کی بنا پر ان کی اطاعت کو واجب سمجھتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے حکم والے ہوں ان کی بھی (اطاعت کرو۔)''[1] اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَ إِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ»

''سنو اور اطاعت کرو، چاہے تم پر حبشی غلام، جس کا سر منقی کی طرح پچکا ہوا ہو، امیر بنا دیا جائے۔''[2]

نیز فرمایا: «مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَ مَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَ مَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي وَ مَنْ عَصٰى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي»

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔''[3]

[1] النسآء 59:4. [2] صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة......، حديث: 7142. [3] صحيح البخاري، الأحكام، باب قول الله: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ، حديث: 7137.

مگر ان امراء و حکام کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی میں جائز نہ جانے، اس لیے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت تو سب کی اطاعت پر مقدم ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ ﴾ ''اور نیکی میں تیری نافرمانی نہ کریں۔''[1]

ارشادِ نبوی ہے: «إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ» ''(مخلوق کی) اطاعت صرف نیکی میں ہے۔''[2]

فرمانِ نبوی ہے: «لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ» ''اللہ کی نافرمانی میں کسی اور کی فرماں برداری نہیں ہے۔''[3]

ارشادِ نبوی ہے: «اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَ كَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ»

''سننا اور اطاعت کرنا پسند آئے یا نہ آئے، اس وقت تک مسلمان شخص پر واجب ہے، جب تک گناہ کا حکم نہ دیا جائے، اگر اسے گناہ اور نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر سمع واطاعت نہیں ہے۔''[4]

✽ حکامِ وقت کے خلاف بغاوت اور ان کے مقابلے میں نافرمانی کا اعلان حرام جانے، اس لیے کہ مسلمانوں کے سربراہ کی اطاعت سے انکار کرنا غلط اور ناروا بات ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَّاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»

''جو اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو اس پر صبر کرے کیونکہ جو شخص سلطان اور خلیفہ (کی اطاعت) سے ایک بالشت دور نکل جائے، وہ جاہلیت کی موت مرا۔''[5]

نیز آپ نے فرمایا: «مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللّٰهُ»

''جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے سلطانِ وقت کی اہانت کرے گا، اللہ جل شانہ اس کی اہانت کرے گا۔''[6]

✽ اس کے برعکس ان کے حق میں نیکی اور درستی کی توفیق، شر سے بچاؤ اور غلطی میں پڑنے سے تحفظ کی دعا کرتا رہے، اس لیے کہ ان کی درستی امت کی درستی ہے اور ان کی تباہی قوم کی بربادی ہے، توہین کیے بغیر ان کے لیے خیرخواہی کے

1 الممتحنة 12:60. 2 صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في إجازة خبر الواحد الصدوق......، حديث: 7257، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء......، حديث: 1840. 3 صحيح البخاري، أخبار الأحاد، باب ماجاء في إجازة خبر الواحد الصدوق......، حديث7257، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء......، حديث1840. 4 صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة ......، حديث : 7144، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء......، حديث : 1839. 5 صحيح البخاري، الفتن، باب قول النبيﷺ: (سترون بعدي أمورًا تنكرونها)، حديث: 7053، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين......، حديث1849. 6 جامع الترمذي، الفتن، باب كراهية إهانة السلطان، حديث:2224.

جذبات رکھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ» ''دین خیر خواہی کا نام ہے۔''

صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کی: کس کے لیے خیر خواہی؟ تو آپ نے فرمایا:

«لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَ لِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے پیغمبر، سربراہانِ امتِ مسلمہ اور عام مسلمانوں کے لیے۔''[1]

- مسلم سربراہ خلیفہ اور سلطان کے ساتھ مل کر جہاد کرے، ان کے پیچھے نماز پڑھے، خواہ ان سے حدِ کفر سے نیچے نیچے فسق و محرمات کا ارتکاب بھی ہو چکا ہو کیونکہ برے امراء کی اطاعت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِسْمَعُوا وَ أَطِيعُوا، فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَّا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ»

''سنو اور اطاعت کرو، وہ اپنی ذمہ داری کے جواب دہ ہیں اور تم اپنی ذمہ داری نبھاؤ۔''[2]

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَ عُسْرِنَا وَ يُسْرِنَا، وَ أَثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَ أَنْ لَّا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، قَالَ: إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ»

''ہم نے رسول اللہ (ﷺ) کے ہاتھ پر سمع و اطاعت کی بیعت کی، خوشی ہو یا ناخوشی، مشکل ہو یا آسانی حتیٰ کہ اگر حاکم ہم پر دوسرے لوگوں کو ترجیح دے، پھر بھی (ہم اس کی بات سنیں اور مانیں گے) اور یہ کہ حکومت والوں کی مخالفت اور ان سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ فرمایا: ''اِلّا یہ کہ تم ان میں صریح کفر دیکھو، جس (کے کفر ہونے) میں اللہ کی طرف سے تمھارے پاس کوئی ٹھوس دلیل اور حجت ہو (ایسی صورت میں تم پر ان کی اطاعت واجب نہیں۔)''[3]

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون......، حديث: 55، وجامع الترمذي، البروالصلة، باب [ماجاء] في النصيحة، حديث: 1926. اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر کما حقہ ایمان لایا جائے، اس سے بڑھ کر کسی اور سے محبت نہ کی جائے اور شرک کے بغیر اس کی عبادت کی جائے۔ کتاب اللہ کی خیر خواہی یہ ہے کہ مکمل احترام اور باقاعدگی کے ساتھ اسے صحیح طریقے سے پڑھا اور سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان سے بھرپور محبت کی جائے، بدعات سے بچتے ہوئے ان کی سنت کو اپنایا جائے اور ہر شعبۂ حیات میں انھی کی بات کو باقی سب کی بات پر ترجیح دی جائے۔ امراء و حکام کی خیر خواہی یہ ہے کہ نیکی اور ہر جائز کام میں ان کی بات مانی جائے، خواہ اچھی لگے یا بری۔ اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ بہتری کی جو بات آپ اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند کریں۔ [2] صحيح مسلم، الإمارة، باب في طاعة الأمراء......، حديث: 1846. [3] صحيح البخاري، الأحكام، باب كيف يبايع الإمام الناس، حديث: 7199، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء......، حديث: (42)-1709 بعد الحديث: 1840 واللفظ له.

آداب وحقوق

باب:1

آدابِ نیت

مسلمان کی نظر میں ''نیت'' کا معاملہ دینی و دنیاوی امور میں انتہائی اہمیت رکھتا ہے، اس لیے کہ سب اعمال اسی کی بنیاد پر سرزد ہوتے ہیں اور اسی کے اعتبار سے وہ قوی یا ضعیف، درست یا غلط قرار پاتے ہیں۔

ضروری ہے کہ ہر عمل کی نیت اور اس کا طریقۂ کار درست ہو، یہ چیز کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

''اور انھیں حکم دیا گیا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔''[1]

اور فرمایا: قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○

''آپ کہہ دیجیے: بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خلوص (نیت) کے ساتھ اللہ کی عبادت کروں۔''[2]

ارشادِ نبوی ہے: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَ إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَّا نَوٰى»

''یقیناً اعمال کا اعتبار نیتوں سے ہے اور ہر مرد کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔''[3]

نیز آپ نے فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَ أَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَ أَعْمَالِكُمْ»

''بے شک اللہ تمھاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا، وہ تو صرف تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔''[4]

دلوں کو دیکھنے سے مراد نیت کو پرکھنا ہے کہ یہی انسان کو عمل پر آمادہ کرتی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ»

''جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور پھر اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا تو اس کے لیے نیکی لکھ دی جائے گی۔''[5]

تو معلوم ہوا کہ اچھے جذبے اور ارادے سے جو عمل کیا جائے گا، وہ اجر و ثواب کا مستوجب ہوگا۔ اور اس سے نیت صالحہ کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ مزید فرمایا:

1 البينة 98:5. 2 الزمر 39:11. 3 صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ......، حديث: 1، وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: «إنما الأعمال بالنية» ......، حديث: 1907. 4 صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم ......، حديث: 2564. 5 صحيح مسلم، الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة ......، حديث: 130.

«مَثَلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ كَمَثَلِ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا وَّ عِلْمًا فَهُوَ يَعْمَلُ بِعِلْمِهِ فِي مَالِهِ، يُنْفِقُهُ فِي حَقِّهِ، وَ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَّ لَمْ يُؤْتِهِ مَالًا فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ هٰذَا، عَمِلْتُ فِيهِ مِثْلَ الَّذِي يَعْمَلُ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَهُمَا فِي الْأَجْرِ سَوَاءٌ، وَ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا وَّلَمْ يُؤْتِهِ عِلْمًا فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ، وَ يُنْفِقُهُ فِي غَيْرِ حَقِّهِ، وَ رَجُلٌ لَّمْ يُؤْتِهِ اللّٰهُ عِلْمًا وَّ لَا مَالًا فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ هٰذَا عَمِلْتُ فِيهِ مِثْلَ الَّذِي يَعْمَلُ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَهُمَا فِي الْوِزْرِ سَوَاءٌ»

''میری امت کی مثال چار آدمیوں کی طرح ہے: ایک وہ شخص جسے اللہ عزوجل نے علم و مال عطا کیا ہے، وہ اپنے مال میں اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے، یعنی اسے جائز مصارف میں خرچ کرتا ہے، دوسرا وہ آدمی جسے اللہ نے علم تو دیا ہے، مال نہیں دیا، وہ کہتا ہے: اگر میرے پاس بھی اسی طرح مال ہوتا تو میں بھی اس کی طرح اس (کو جائز مصارف میں خرچ کرنے) میں (اپنے علم کے مطابق) عمل کرتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دونوں ثواب میں برابر ہیں''۔ ایک اور آدمی جسے اللہ نے مال دیا ہے مگر علم نہیں دیا، وہ اپنے مال میں بھٹک رہا ہے، یعنی اسے ناحق خرچ کرتا چلا جا رہا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ نے علم دیا ہے نہ مال، وہ کہتا ہے اگر میرے پاس بھی اس طرح کا مال ہوتا تو میں بھی اس کی طرح کے (برے) کارنامے سرانجام دیتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔'' [1]

اس حدیث سے واضح ہوا کہ محض نیت صالحہ سے ایک شخص کو عملِ صالح کا ثواب ملا اور دوسرے کو بری نیت کی وجہ سے عملِ فاسد کرنے والے کا گناہ حاصل ہوا، یہ نیت کی کرشمہ سازی ہی تو ہے۔

سفرِ تبوک سے مدینہ واپس آتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَّا سِرْتُمْ مَّسِيرًا وَّلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَ هُمْ بِالْمَدِينَةِ؟ قَالَ: «وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ، حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ» ''بے شک مدینہ منورہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے جتنا بھی سفر کیا اور جو بھی وادی طے کی وہ تمھارے ساتھ شریک رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! مدینہ میں ہونے کے باوجود؟ آپ نے فرمایا: (ہاں) مدینہ میں ہونے کے باوجود (کیونکہ) انھیں (شرعی) عذر نے (ہمارے ساتھ آنے سے) روکے رکھا (ورنہ ان کی نیت تو تھی۔) [2]

''حسن نیت'' نے غیر غازی کو غازی کا مقام دلا دیا ہے اور غیر مجاہد کو مجاہد کے درجہ میں لا کھڑا کیا ہے۔

اسی طرح فرمانِ نبوی ہے: «إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ، فَقِيلَ:

[1] [صحيح] سنن ابن ماجه، الزهد، باب النية، حديث:4228، وجامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء مثل الدنيا مثل أربعة نفر، حديث:2325 میں اس کا ایک شاہد بھی ہے۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب، حديث:4423.

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ فَقَالَ: لِأَنَّهُ أَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهِ»

''جب دو مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لیے لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوں گے۔'' عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! قاتل تو قتل کی وجہ سے لیکن مقتول کیوں؟ فرمایا: ''اس لیے کہ وہ بھی دوسرے کے قتل کے درپے تھا۔''[1]

دیکھیے خراب نیت اور فاسد ارادہ نے جہنمی قاتل اور اس کے ہاتھوں قتل ہونے والے کو برابر لا کھڑا کیا ہے اور اگر مقتول کی نیت قتل کی نہ ہوتی تو وہ جنتی ہوتا۔

اس سے نیت کی اہمیت واضح ہوتی ہے، چنانچہ اللہ کے احکام تسلیم کرنے والا انسان اپنے اعمال کی بنیاد اچھی نیت پر رکھتا ہے اور وہ کوئی بھی عمل فاسد نیت کے ساتھ یا صحیح نیت کے بغیر سرانجام نہیں دیتا کیونکہ نیت عمل کی روح اور قوام ہے، بنابریں نیت درست تو عمل صحیح، نیت فاسد تو عمل باطل۔ بلکہ نیت کے بغیر عمل کرنے والا ایک قسم کا ریاکار اور متکلف ہوتا ہے جس پر اللہ کی ناراضی اترتی ہے۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ نیت اعمال کا رکن اور ان کی درستی کے لیے شرطِ اول ہے، تاہم نیت سے مراد یہ نہیں ہے کہ محض زبان سے یہ کہہ دیا جائے: «اَللّٰهُمَّ نَوَيْتُ كَذَا» ''اے اللہ! میں نے فلاں نیت کی ہے'' اور نہ ہی محض ذہن میں خیال لانے کا نام نیت ہے۔ بلکہ نیت دل کا فعل ہے، جس کے نتیجے میں صحیح غرض، نفع کا حصول یا نقصان کا ازالہ حاصل ہوتا ہے، یعنی کام کرنے کے سچے ارادے کا نام نیت ہے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو اور اس کے احکام کی تعمیل مقصود ہو۔ مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اچھی نیت سے مباح عمل بھی اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے جبکہ نیت کی خرابی سے وہ معصیت اور گناہ ہو جاتا ہے اور انسان سزا کا مستحق بنتا ہے۔[2]

یاد رہے کہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام کبھی بھی نیکی نہیں بن سکتے، چاہے وہ نیکی اور ثواب کے ارادہ و نیت سے کیے جائیں، دیکھیے ایک شخص کسی دوسرے شخص کا دل خوش کرنے یا اس کا غم ہلکا کرنے کے لیے کسی کی غیبت کرتا ہے تو یہ اللہ کا نافرمان ہے کیونکہ غیبت بہرصورت گناہ ہے، اچھے ارادہ سے یہ نیکی نہیں بن جائے گی۔ اسی طرح ایک شخص نے حرام مال سے مسجد تعمیر کر دی، اسے ثواب نہیں ملے گا۔ رقص و سرود کی محفلوں میں شریک ہو کر کمانے والا شخص خیراتی مقاصد میں تعاون کا ارادہ بھی کرے تو اسے ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ یا جہادی مہم میں سرمایہ لگانے کے ارادہ سے کسی ناجائز سکیم میں حصہ لے، یہ سب ناجائز اور اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانی کے کام ہیں۔

[1] صحیح البخاري، الإیمان، باب: وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا، حدیث: 31، والفتن، باب: إذا التقى المسلمان بسيفيهما، حدیث: 7083، وصحیح مسلم، الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسيفيهما، حدیث: 2888، ومسند أحمد: 51/5 والجملة الأخيرة في مسند أحمد. [2] نیت پر مفصل نوٹ ملاحظہ فرمائیں: نمازِ نبوی (طبع دارالسلام) زیر عنوان نماز کی نیت، ص: 178-181 (ع،ر)

صالحین کی قبروں پر ان کی محبت کے پیش نظر اگر کوئی شخص قبے تعمیر کرتا ہے، ان کے نام پر جانور ذبح کرتا ہے اور ان کے لیے نذریں مانتا ہے تو یہ بھی گناہ اور اللہ کی نافرمانی ہے، چاہے وہ اپنے خیال میں نیکی اور ثواب کا کام کر رہا ہے کیونکہ نیت سے وہی کام اطاعت قرار پاتا ہے جو مباح ہو اور اس کے کرنے کی شریعت میں اجازت ہو، حرام کام کسی طرح بھی اطاعت نہیں بن سکتا۔

باب:2

اللہ تعالیٰ کا ادب

مسلمان جانتا ہے کہ رحم مادر میں بصورتِ نطفہ ٹھہرنے سے لے کر تدریجی مراحل طے کرتے ہوئے اللہ عزوجل کے ہاں چلے جانے تک اسے اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات اور انعامات اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔

لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے جو اس کے استحقاق وعلوّ شان کے مطابق ہو اور اپنے اعضاء اس کی اطاعت کے کاموں میں لگائے رکھے، یہ ہے اللہ جل شانہ کی جناب میں انسان کا ادب ملحوظ رکھنا۔ منعمِ حقیقی کے فضل وکرم کا انکار اور اس کے احسانات کی ناشکری اس کے احترام کے منافی اور بے ادبی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

''اور تمھیں جو نعمتیں (میسر) ہیں، وہ اللہ کی طرف سے ہیں۔''[1] باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ''اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو بھی تو نہیں کر سکتے۔''[2]

ارشادِ باری ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝

''پس تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔''[3]

اللہ رب العزت کو ماننے والا ایک انسان جب اپنے ذہن وفکر میں یہ عقیدہ راسخ پاتا ہے کہ ربِّ کائنات کو اس کی ذات اور اس کے سب احوال کا مکمل علم ہے تو اس کے دل میں معبودِ حقیقی کے رعب وہیبت کی ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور ربِ جلیل کی عظمت وتوقیر کا شعور اس کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں انسان اس کی نافرمانی میں شرمندگی، ندامت اور خفت محسوس کرتا ہے کیونکہ کوئی غلام اپنے آقا کی نظروں کے سامنے نافرمانی نہیں کر سکتا اور اس کے سامنے گندے اور رذیل کام نہیں بجا لا سکتا۔

ارشادِ الٰہی ہے: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝

1 النحل 16:53. 2 النحل 16:18. 3 البقرۃ 2:152.

''تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے، حالانکہ اس نے تمھیں مختلف حالات میں پیدا کیا ہے؟''[1] ارشادِ عالی ہے:

وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ''اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو۔''[2] ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ

''اور تم کسی بھی حال میں ہو یا قرآن پڑھ رہے ہو یا تم کسی بھی کام میں مگن ہو مگر ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو اور زمین وآسمان کی ذرہ برابر چیز بھی تیرے رب کے علم سے چھپی نہیں رہ سکتی۔''[3]

اور ایک مسلمان جب یہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ہر لحاظ سے قادر ہے اور وہ اس سے بھاگ نہیں سکتا، اس کے بغیر کوئی جائے پناہ نہیں ہے تو وہ ضرور اپنے سارے معاملات اسی کے سپرد کرے گا، اسی کے آگے گرے گا اور اسی پر بھروسا کرے گا اور یہی اپنے خالق و پروردگار کا ادب ملحوظ رکھنا ہے۔ آخر یہ کیسا ادب و احترام ہے کہ بندہ اس سے بھاگنے کی کوشش کرے جس سے بھاگنا ناممکن ہے، اور اپنے معاملات اس کے سپرد کرے جسے اسباب عاریہ کے بغیر کوئی طاقت وقوت اور تصرف حاصل نہیں ہے۔ ارشادِ گرامی ہے: مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا

''(اللہ) زمین پر رینگنے والی ہر چیز کو اس کی چوٹی (پیشانی کے بالوں) سے پکڑے ہوئے ہے۔''[4]

نیز فرمایا: فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ؀

''پس اللہ ہی کی طرف دوڑو، بے شک میں اس کی طرف سے تمھیں واضح ڈرانے والا ہوں۔''[5] مزید فرمایا ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ؀ ''اور اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسا اور توکل کرو۔''[6]

اور ایک مسلمان نظریہ رکھتا ہے کہ اس کے تمام امور میں اللہ جل جلالہ کی کرم نوازیاں اور مہربانیاں شاملِ حال ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ جملہ مخلوق اسی کی رحمت سے مالا مال ہے تو وہ اپنے لیے امید وتوقع کے جذبات پیدا کرے گا اور انتہائی عجز وانکسار کے ساتھ اپنے پروردگار سے مزید فیضانِ رحمت کی درخواست کرے گا اور اس سلسلے میں اپنے اچھے کلمات اور نیک اعمال کو وسیلہ بنائے گا۔ یہ اس کے حقیقی مالک، اللہ تعالیٰ کے حضور ادب و احترام کی ایک اور صورت ہے، اس لیے کہ جس کی رحمت اس قدر وسیع ہے جو ہر ایک چیز پر حاوی ہے تو اس سے ناامید ہو کر اپنے آپ کو محروم تصور کرنا ادب نہیں ہوگا۔ فرمانِ الٰہی ہے: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ''اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔''[7]

فرمانِ باری ہے: اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ ''اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔''[8]

[1] نوح 71:13,14۔ [2] التغابن 64:4۔ [3] یونس 10:61۔ [4] هود 11:56۔ [5] الذّٰریٰت 51:50۔ [6] المآئدة 5:23۔ [7] الأعراف 7:156۔ [8] الشورٰی 42:19۔

فرمانِ عالی ہے: وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ "اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔"[1]

فرمانِ ربانی ہے: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ "اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔"[2]

اور اگر انسان اس طرف اپنی توجہ مبذول کر لے کہ اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے، اس کا انتقام بڑا شدید ہے اور وہ جلدی حساب لینے والا ہے تو ہر بندۂ خدا اس کی اطاعت کے کاموں میں لگ جائے اور نافرمانی سے احتراز کرے تو یہی اس کی جناب میں ادب ملحوظ رکھنا قرار پائے گا کیونکہ ایک عاجز بندہ بے نوا اور غلام، قادرِ مطلق، غالب، طاقتور اور قاہر ذات کی نافرمانی کرے تو کوئی بھی عقلمند اسے ادب و احترام کا نام نہیں دے گا۔

فرمانِ گرامی ہے: وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○

"اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی (عذاب) کا ارادہ کرے تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا اور نہ ہی اس کے سوا اس (قوم) کا کوئی حمایتی (ہوتا) ہے۔"[3]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ○ "بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔"[4]

ارشادِ حق تعالیٰ ہے: وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○ "اور اللہ غالب (اور) انتقام (لینے) والا ہے۔"[5]

مسلمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرنے کی صورت میں محسوس کرتا ہے کہ مالک کی وعید اسے پکڑ رہی ہے اور اس کا عذاب نازل ہوا چاہتا ہے جبکہ اطاعت گزاری و فرماں برداری کی صورت میں اللہ جل شانہ کے وعدے اسے پورے ہوتے نظر آتے ہیں اور اس کی رضا اسے لباس کی طرح حاوی محسوس ہوتی ہے تو یہ اس مسلمان کا اللہ کے بارے میں حسنِ ظن ہے اور یہی ادب و احترام کا ایک مقام ہے کیونکہ انسان بدظنی کا شکار ہو جائے تو مالک کی نافرمانی اور بغاوت کرتے ہوئے اس زعم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ میری اس حالت پر غیر مطلع ہے اور وہ میرا مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

"اور لیکن تم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو تمھاری بہت سی باتوں کی خبر ہی نہیں اور اسی خیال نے جو تم اپنے پروردگار کے بارے میں رکھتے تھے، تمھیں ہلاک کر دیا ہے، پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔"[6]

اور یہ بھی اللہ جل جلالہ کی جناب میں ادب نہیں کہ انسان تقویٰ و اطاعت تو اختیار کرے مگر (اس کے اجر و ثواب کی نیت نہ کرے اور) یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اسے اچھے اعمال کا بدلہ نہیں دے گا اور نہ ہی اس کی اطاعت

1 یوسف 87:12. 2 الزمر 53:39. 3 الرعد 11:13. 4 البروج 12:85. 5 آل عمرٰن 4:3. 6 حٰمٓ السجدۃ 23,22:41.

وعبادت قبول کرے گا۔

جبکہ باری تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

''اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرماں برداری کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں اور اسی کا تقوی اختیار کرتے ہیں تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔''[1] نیز فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

''جو مرد وعورت حالتِ ایمان میں نیک عمل کرتے ہیں، ہم انھیں (دنیا میں) اچھی اور پاکیزہ زندگی سے زندہ رکھیں گے اور انھیں (قیامت کے دن) ان کے اچھے اعمال کا، جو وہ کرتے تھے، بہترین بدلہ دیں گے۔''[2] مزید فرمایا:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

''جو کوئی (اللہ کے حضور ایک) نیکی لے کر آئے گا، اسے ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو (ایک) برائی لے کر آئے گا، اسے اس کی مثل (ایک ہی برائی کی) سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''[3]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا، نافرمانی کے اسباب پیدا ہونے کی صورت میں شرم و حیا کا احساس اجاگر کرنا، اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ رہنا، اپنے معاملات کے نتائج اسی کے سپرد کرنا، اس کی رحمت کی امید اور اس کی سزا و ناراضی کا خوف بیدار رکھنا، اس کے وعدوں کے ایفاء کا یقین کرنا اور گناہوں پر عذاب کے اترنے کا اندیشہ رکھنا، یہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ حسنِ ادب ہے اور اس میں جو شخص جتنے اچھے مقام پر فائز ہوگا وہ درجات کی اتنی ہی بلندی کا مستحق ٹھہرے گا۔ ایسے انسان کے لیے اللہ جل شانہ کے ہاں عظیم مراتب اور اونچے درجات ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ولایت و دوستی کا مستحق ہے، اس کی رحمت اور نعمت اس پر اترتی ہے اور مسلمان کی زندگی بھر کے مطلوب و مقصود میں یہی سب سے اونچا مقام ہے۔

اے مالک! ہمیں اپنی محبت اور دوستی عطا فرما، اپنی نگہداشت سے ہمیں محروم نہ کر اور اے ربِ دو جہاں! ہمیں اپنے مقربین میں سے بنا لے۔ آمین یارب العالمین!

باب:3

کتاب اللہ کا ادب

ہر مسلمان کلامِ الٰہی کی تقدیس کا معترف ہے اور اس کا ایمان ہے کہ یہ مخلوق کے کلام سے افضل و اشرف ہے۔

1 النور 52:24. 2 النحل 97:16. 3 الأنعام 160:6.

قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے جس کے اردگرد باطل نہیں پھٹک سکتا۔ جو اس کے مطابق بات کرے وہ صادق ہے اور جو اس کے موافق فیصلہ کرے وہ عادل ہے۔ قرآن کو ماننے والے اللہ کے مقرب ہیں، اس پر عمل کرنے والے کامیاب و کامران ہیں اور اس سے اعراض کرنے والے تباہ و برباد ہیں۔

ایک مسلمان کے دل میں کتاب اللہ کی عظمت و تقدیس اس سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے فضل و شرف اور اس کی قدوسیت کا بایں الفاظ اظہار فرمایا ہے:

«اِقْرَأُوا الْقُرْآنَ، فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ»

''قرآن پڑھو، یہ قیامت کے دن اس پر عمل کرنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔''[1]

نیز فرمایا: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ» ''تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''[2] نیز فرمایا:

«أَهْلُ الْقُرْآنِ أَهْلُ اللّٰهِ وَ خَاصَّتُهُ» ''قرآن والے اللہ تعالیٰ کے اپنے اور اس کے منتخب لوگ ہیں۔''[3]

فرمانِ نبوی ہے: «إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَ مَا جَلَاءُ هَا؟ فَقَالَ: تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ وَ ذِكْرُ الْمَوْتِ»

''بے شک یہ دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے جب اسے پانی لگتا ہے۔'' عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! ان کی پالش کیا ہے؟ فرمایا ''تلاوتِ قرآن اور موت کو یاد کرنا۔''[4]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ضدی قسم کا مخالف (ولید بن مغیرہ) آ کر کہنے لگا: اے محمد! مجھے قرآن پڑھ کر سنائیے تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ

''بے شک اللہ عدل کرنے اور نیکی کرنے اور قرابت داروں کو (صدقہ یا ہدیہ) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور ظلم و زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے۔''[5]

ابھی رسول اللہ ﷺ آیتِ کریمہ کی تلاوت سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ وہ، نبی ﷺ کی جان کا دشمن، دوبارہ پڑھنے کا کہنے لگا، وہ الفاظ کی جلالت اور معانی کی عظمت و طہارت میں مدہوش ہو گیا اور ان کی قوتِ تاثیر نے اسے

1 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن و سورة البقرة، حديث: 804. 2 صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، حديث: 5027. 3 [صحيح] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل من تعلم القرآن و علمه، حديث: 215، والمستدرك للحاكم: 556/1 اسے منذری اور بوصیری نے صحیح کہا ہے۔ 4 [ضعيف جدًّا] شعب الإيمان للبيهقي: 353/2، حديث: 2014. اس کی سند میں عبداللہ بن عبدالعزیز ابی رواد سخت ضعیف ہے۔ (أضواء المصابيح في تحقيق مشكاة المصابيح: 2168). 5 النحل 90:16.

ایسا متاثر کیا کہ وہ قرآن کی عظمت و تقدیس کا قائل ہو کر کہنے لگا:

«وَ اللّٰهِ! إِنَّ لَهُ لَحَلَاوَةً، وَ إِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً، وَ إِنَّ أَصْلَهُ لَمُورِقٌ وَّ أَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ، وَمَا هُوَ بِقَوْلِ بَشَرٍ»

''اللہ کی قسم! اس میں مٹھاس ہے، اس میں تازگی ہے اور (یہ ایک ایسے درخت کی طرح ہے) جس کا نچلا حصہ سایہ دار اور اوپر والا حصہ پھل دار ہے، یہ کسی انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔''[1]

بنا بریں مسلمان کا شیوہ ہے کہ وہ قرآن کے بیان کردہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیتا ہے اور اپنی عادات و اخلاق اس کے مطابق سنوارنے کی سعی کرتا ہے۔

آدابِ تلاوت قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت ہر مسلمان پر درج ذیل امور کا التزام کرنا ضروری ہے:

(1) بہترین حالت میں تلاوت کلام پاک کرے، یعنی باوضو اور قبلہ رخ ہو کر اور ادب و وقار کے ساتھ بیٹھ کر پڑھے۔

(2) تلاوت میں جلدی نہ کرے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور تین رات سے کم میں پورا قرآن نہ پڑھے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ»

''جس نے قرآن تین رات سے کم (مدت) میں پڑھا، اس نے اسے نہیں سمجھا۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے کہا تھا کہ وہ سات راتوں میں قرآن مجید ختم کریں۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعود، عثمان بن عفان اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی سات راتوں میں ایک بار قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

(3) خشوع و خضوع کے ساتھ تلاوت کرے، حزن و غم کا اظہار کرے اور اپنے اوپر رونے کی کیفیت طاری کرے۔

آپ نے فرمایا: «فَإِذَا قَرَأْتُمُوهُ فَابْكُوا، فَإِنْ لَّمْ تَبْكُوا فَتَبَاكَوْا»

''جب تم قرآن کی تلاوت کرو تو روؤ اور اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی کیفیت ہی بنا لو۔''[3]

(4) اچھی آواز سے تلاوت کرے۔ (اور ہر ممکن حد تک الفاظ کے صحیح تلفظ پر توجہ دے) اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ» ''اپنی آوازوں کے ساتھ قرآن کو مزین کرو۔''[4]

نیز فرمایا: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ» ''جو اچھی آواز سے قرآن نہیں پڑھتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''[5]

[1] تفسير القرطبي: 165/10، اس کی سند ثابت نہیں ہے۔ [2] [صحيح] جامع الترمذي، القراءات، باب في: كم أقرأ القرآن؟ حديث: 2949 وقال: حسن صحيح. [3] [ضعيف] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب في حسن الصوت بالقرآن، حديث: 1337، اس کی سند اسماعیل بن رافع کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ [4] [صحيح] سنن ابي داود، الوتر، باب كيف يستحب الترتيل في القراءة، حديث: 1468، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب في حسن الصوت بالقرآن، حديث: 1342، وسنن النسائي، الافتتاح، باب تزيين القرآن بالصوت، حديث: 1016، امام ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

[5] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ﴾، حديث: 7527.

مزید فرمایا:«مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَّا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ»

''اللہ تعالیٰ کسی بات (کو سننے) کے لیے (اتنی خوشی سے) کان نہیں لگاتا جتنا (خوش ہوکر) خوش آواز پیغمبر کے قرآن کے لیے کان لگاتا ہے جو اچھی آواز سے اسے پڑھتا ہے۔''[1]

⑤ دکھاوے اور ریاکاری کی خواہش پیدا ہونے کا اندیشہ ہو یا کسی نمازی کی نماز میں خلل واقع ہونے کا خطرہ ہو تو تلاوت آہستہ آواز سے کرے۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:«اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ»

''بلند آواز سے تلاوت کرنے والا، اس شخص جیسا ہے جو اعلانیہ خیرات کرتا ہے۔''[2]

اور یہ بات واضح ہے کہ خیرات پوشیدہ کرنی بہتر ہے، اِلّا یہ کہ ظاہر کرنے میں کوئی (دینی) فائدہ مدنظر ہو، جیسے لوگوں کو خیرات کرنے پر آمادہ کرنا وغیرہ، تلاوت قرآن کا حکم بھی یہی ہے۔

⑥ قرآن کے معنی ومفہوم پر غور وتدبر کرتے ہوئے تلاوت کرے، تعظیم ملحوظ رکھے، حضورِ قلب کے ساتھ پڑھے اور معانی واسرار پر پوری توجہ دے۔

⑦ تلاوت کے وقت غفلت واعراض سے بچے اور اس کے احکام کی مخالفت کرنے والا نہ بنے، کہیں ایسا نہ ہو کہ خود ہی اس کی لعنت کا مستحق بن جائے، مثلاً: جب ایک انسان اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھتا ہے:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ''خبردار! اللہ کی لعنت ظالموں پر ہے۔''[3]

اور یہ فرمان: فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ ''پھر ہم اللہ کی لعنت جھوٹے لوگوں پر کردیں۔''[4]

تو اگر پڑھنے والا خود ظالم اور جھوٹا ہو تو یہ لعنت اسی پر واقع ہوگی۔ اللہ محفوظ رکھے۔ آمین!

⑧ تلاوت کرتے وقت پوری کوشش کرے کہ اللہ والوں کی صفات اس میں پیدا ہو جائیں اور انھی کی علامتیں اس میں نظر آئیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا رات میں پہچانا جاتا ہے جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں، دن میں پہنچانا جاتا ہے جب لوگ کھا پی رہے ہوتے ہیں، رونے سے اس کی پہچان ہوتی ہے جبکہ لوگ ہنس رہے ہوتے ہیں، پرہیزگاری اس کی علامت ہے۔ وہ خاموش طبع ہے۔ خشوع وخضوع سے متصف ہے اور اللہ کے خوف ورجا کی کیفیت اس پر طاری ہے۔ جبکہ عام لوگ ان صفاتِ عالیہ سے عاری ہوتے ہیں۔[5]

1 صحيح البخاري، التوحيد، باب قول النبي ﷺ: «الماهر بالقرآن.....»، حديث:7544، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن، حديث:792. 2 [حسن] سنن أبي داود، التطوع، باب رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل، حديث:1333، وجامع الترمذي، فضائل القرآن، باب من قرأ القرآن فليسأل الله به، حديث:2919، وقال: حسن غريب. 3 هود 11:18. 4 آل عمران 3:61. 5 [ضعيف] حلية الأولياء: 1/178. کیونکہ مسیّب بن رافع نے سیدنا عبداللہ ◄◄

محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیداری اور نیند کی کمی کی بنا پر جسم کی زردی سے ہم پہچان لیتے تھے کہ فلاں شخص قرآن کا قاری ہے۔[1]

وہیب بن ورد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک آدمی کو کہا گیا کہ تم سوتے کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ قرآن کے عجائب نے میری نیند اڑا دی ہے، پھر ذوالنون کا یہ شعر پڑھا:

مَنَعَ الْقُرْآنُ بِوَعْدِهٖ وَ وَعِيدِهٖ   مُقِيلَ الْعُيُونِ بِلَيْلِهَا أَنْ تَهْجَعَا
فَهِمُوا عَنِ الْمَلِكِ الْكَرِيمِ كَلَامَهٗ   فَهْمًا تَذِلُّ لَهُ الرِّقَابُ وَ تَخْضَعَا

''قرآن کے وعدہ و وعید نے راتوں میں آنکھوں کی نیند ختم کر دی ہے۔ انھوں نے معزز بادشاہ کے کلام کو سمجھ لیا ہے، تب ہی تو ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی اور جھکی ہوئی ہیں۔''[2]

باب:4

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب

ایک مسلمان کا شعوری احساس یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری طرح ادب ملحوظ رکھنا فرض اور لازم ہے کیونکہ

(1) ہر مومن مرد، عورت پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صراحتاً اپنے کلام میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آداب ملحوظ خاطر رکھنے کو لازم قرار دیا۔ ارشادِ الٰہی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آگے مت بڑھو۔''[3] ارشادِ عالی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے اونچی نہ کرو اور ان کے سامنے ایسے زور سے نہ بولو جیسے تم ایک دوسرے کے سامنے بولا کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں پتہ بھی نہ چلے۔''[4] فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

''بے شک جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی آواز پست رکھتے ہیں، ان کے دل اللہ نے تقویٰ کے لیے

« ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔ دیکھیے اتحاف المهرة لابن حجر: 490/10. [1] فضائل القرآن لابي عبيد، ص: 112.
[2] حلية الأولياء: 45/1. [3] الحجرات 1:49. [4] الحجرات 2:49.

آزما لیے ہیں۔ان کے لیے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔''[1] فرمانِ عالی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

''بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے (باہر) سے پکارتے ہیں، ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر یہ آپ کے نکلنے تک صبر کر لیتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔''[2]

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

''(مومنو!) پیغمبر کے بلانے کو اس طرح خیال نہ کرنا جس طرح تمھارا ایک دوسرے کو بلانا ہے۔''[3] ایک جگہ فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ

''مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے اور جب کسی اجتماعی کام کے لیے پیغمبر کے ساتھ ہوں تو وہ اس سے اجازت لیے بغیر نہیں جاتے۔''[4] ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ

''بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں (پھر کہیں جاتے ہیں)،وہی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، سو جب یہ لوگ کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو ان میں سے جس کے لیے چاہیں آپ اجازت دے دیں۔''[5] ارشادِ گرامی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

''اے ایمان والو! جب تم اللہ کے رسول (ﷺ) کے ساتھ سرگوشی کرو تو سرگوشی کرنے سے پہلے (مساکین کو) خیرات کرو، یہ (عادت) تمھارے لیے بہتر اور پاک کرنے والی ہے۔ اگر تم (خیرات کے لیے) کوئی چیز نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''[6]

(2) ایمانداروں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ومحبت، لازم وفرض قرار دی ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

''اے ایمان والو! اللہ اور (اس کے) رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔''[7]

[1] الحجرات 49:3۔ [2] الحجرات 49:4،5۔ [3] النور 24:63۔ [4] النور 24:62۔ [5] النور 24:62۔ [6] المجادلۃ 58:12۔
[7] محمد 47:33۔

مزید فرمایا: فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، انھیں ڈرنا چاہیے (ایسا نہ ہو) کہ انھیں کوئی آزمائش یا دردناک عذاب پہنچ جائے۔'' [1]

نیز فرمایا: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

''اور رسول (ﷺ) تم کو جو دے، وہ لے لو اور جس سے منع کرے، اس سے رک جاؤ۔'' [2]

اور فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

''کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمھاری کوتاہیاں معاف کر دے گا۔'' [3]

جس ہستی کی فرماں برداری فرض و لازم اور نافرمانی حرام ہو، ہر حال میں اس کے آداب کا لحاظ ضروری ہے۔

(3) اللہ عزوجل نے آپ کو امام اور حاکم مقرر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ

''یقیناً ہم نے تجھ پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ تم اللہ کے دکھائے ہوئے طریق پر لوگوں میں فیصلے کرو۔'' [4]

ارشادِ عالی ہے: وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

''اور اللہ نے جو اتارا ہے، اس کے مطابق ان میں فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں۔'' [5]

ارشادِ ربانی ہے: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

''تیرے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم تسلیم کر لیں اور پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں، اس سے اپنے اندر کسی قسم کی تنگی نہ پائیں اور (اسے) صحیح طور پر تسلیم کر لیں۔'' [6]

ارشادِ گرامی ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ

''یقیناً اللہ اور آخرت کی امید رکھنے والوں کے لیے، اللہ کے رسول (ﷺ) کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔'' [7]

(4) رسول اللہ ﷺ کی زبانی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کی محبت ضروری قرار دی ہے، چنانچہ آپ کا ارشادِ عالی ہے:

«(وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ) لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»

''اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں

(1) النور 63:24. 2 الحشر 7:59. 3 آل عمرٰن 31:3. 4 النسآء 105:4. 5 المآئدة 49:5. 6 النسآء 65:4. 7 الأحزاب 21:33.

اس کے ہاں، اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز ہو جاؤں۔''[1]

﴿5﴾ ربِّ کائنات نے آپ کو خصوصی جسمانی و اخلاقی حسن و جمال سے نوازا ہے، نفس و ذات کے تمام تر کمالات آپ کو عطا کیے ہیں۔ چنانچہ آپ سب سے زیادہ خوبصورت اور اکمل ہیں، پھر ایسی ذات کا احترام کیوں ضروری نہ ہو؟

آپ کے ادب کو واجب کر دینے والی چیزوں میں سے بعض امور کا ہم نے تذکرہ کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ جاننا انتہائی ضروری ہے کہ آخر آپ کا ادب ملحوظ رکھنے کا مقصد کیا ہے؟ اور آپ کے احترام میں کیا امور داخل ہیں؟

﴿1﴾ ہر بات میں آپ کی پیروی کرنا اور دین و دنیا کی سب راہوں میں آپ کے نقشِ قدم پر چلنا ہی آپ کا ادب ہے۔

﴿2﴾ آپ کی محبت اور توقیر و تعظیم پر کسی اور کی محبت اور توقیر و تعظیم فائق نہیں ہے، چاہے مخلوق میں سے کوئی بھی ہو۔

﴿3﴾ جس سے آپ ﷺ کی دوستی ہے، اس سے محبت اور جس سے دشمنی ہے، اس سے بغض اور جس کام کو آپ ﷺ نے پسند کیا، اس پر رضا اور جس کام پر آپ ﷺ ناراض ہوئے ہیں، اس پر ناراض ہونا بھی نبی ﷺ کا ادب ہے۔

﴿4﴾ آقائے نامدار (ﷺ) کے تذکرہ کے وقت آپ کے نام کی جلالت و توقیر کو ملحوظ رکھنا، آپ پر درود پڑھنا، آپ کی عاداتِ مبارکہ و صفاتِ عالیہ کو بڑا جاننا بھی آپ کا ادب ہے۔

﴿5﴾ دین و دنیا کی جس بات کی نبیٔ اکرم ﷺ نے خبر دی ہے یا دنیاوی و اخروی حیات کے جن خفیہ گوشوں کی آپ نے نشاندہی کی ہے، اس کی پوری تصدیق کرنا۔

﴿6﴾ آپ کے طریقۂ عالیہ کے احیا کی سعی کرنا اور شریعتِ اسلامیہ کو پھیلانا، نیز آپ کے پیغام کا ابلاغ اور آپ کی وصیتوں کا نفاذ بھی آپ کا ادب ہے۔

﴿7﴾ جو شخص مسجد نبوی میں یا آپ ﷺ کی قبر کے پاس آئے تو ادب و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی آواز پست رکھے۔

﴿8﴾ آپ کی محبت کی بنیاد پر نیک لوگوں سے محبت اور ان سے دوستی رکھنا جبکہ فاسق و نافرمان لوگوں سے بغض و عداوت اور دشمنی رکھنا بھی آپ ہی کے ساتھ محبت کا اظہار ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ادب و احترام کے یہ چند نتائج ہیں، جنھیں ملحوظ رکھنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کیونکہ اس پر کمال و سعادت کا حصول موقوف ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آپ ﷺ کا ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کا تابع فرمان بنائے، دین کی نصرت میں ہم سے کام لے اور آخرت میں آپ کی شفاعت کا ہمیں مستحق بنائے۔ آمین!

1 صحيح البخاري، الإيمان، باب حب الرسول ﷺ من الإيمان، حديث: 15,14، وصحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب محبة رسول الله ﷺ......، حديث: 44.

باب:5

نفس کے حقوق وآداب

مسلمان ایمان ویقین رکھتا ہے کہ دنیا وآخرت کی سعادت اپنے نفس کی تادیب، اصلاح، تزکیہ اور تطہیر کرنے میں ہے اور شقاوت وبدبختی یہ ہے کہ نفس میں خرابی، میل اور خباثت ونجاست بھر جائے۔ درج ذیل آیاتِ مبارکہ اس پر دلالت کناں ہیں، ارشادِ باری ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝

''یقیناً جس نے (اپنے) نفس کو پاک رکھا، وہ کامیاب ہوگیا (مراد کو پہنچا) اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا، وہ خسارے میں رہا۔''[1] ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

''بے شک جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان سے تکبر کرتے ہیں، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے اور اسی طرح ہم مجرموں کو بدلہ دیتے ہیں۔ ان کے لیے (نیچے آتش) جہنم کا بچھونا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی (اسی کا) اور اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے ہم کسی نفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتے۔ یہی لوگ جنت والے ہیں (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''[2]

ارشادِ عالی ہے: وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ڏ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

''قسم ہے زمانہ کی! بے شک انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ (خسارے میں نہیں) جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے اور آپس میں حق کی وصیت (تلقین) اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔''[3]

اور رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: «كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَ مَنْ يَّأْبٰى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَ مَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبٰى»

''میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے انکار کیا'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے

1 الشمس 91:9، 10. 2 الأعراف 7:40-42. 3 العصر 103:1-3.

رسول (ﷺ) (جنت میں جانے سے) کون انکار کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کر لی، وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً اس نے انکار کیا۔''[1]

نیز فرمایا: «كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا»

''لوگوں میں سے ہر کوئی صبح کے وقت نکل کر اپنی جان کا سودا کرتا ہے، کوئی تو اسے (جہنم سے) آزاد کراتا ہے اور کوئی اسے تباہ و برباد کرتا ہے۔''[2]

ہر مسلمان اس بات پر یقین کرتا ہے کہ نفس کی تطہیر و پاکیزگی ایمان اور عمل صالح سے ہوتی ہے جبکہ اس کی پلیدی، خرابی اور فساد، کفر اور گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ

''اور دن کے اطراف اور رات کے حصوں میں نماز قائم کریں، بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''[3]

فرمانِ ربانی ہے: كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

''ہرگز نہیں! بلکہ ان کے کیے ہوئے کاموں کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔''[4]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ»

''بے شک مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ بن جاتا ہے اگر وہ توبہ کرے، اس (گناہ) سے باز آجائے اور معافی مانگ لے تو اس کا دل شفاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ میں بڑھتا رہے تو سیاہ دھبہ اس کے دل پر حاوی ہو جاتا ہے۔''[5] یہ وہی ران (زنگ) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں تذکرہ فرمایا ہے:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

''ہرگز نہیں! بلکہ ان کے کیے ہوئے کاموں کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔''[6] اور فرمانِ نبوی ہے:

«اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَ أَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَ خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»

''تو جہاں کہیں بھی ہے اللہ سے ڈر اور برائی کے بعد نیکی کر، یہ اسے مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے

1 صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7280. 2 صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، حديث: 223. 3 هود 11:114. 4 المطففين 83:14. 5 [حسن] مسند أحمد: 2/297، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة ويل للمطففين، حديث: 3334 وقال: حسن صحيح، اسے امام ابن حبان (3/210، حدیث: 930)، حاکم (2/517) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ اس کی سند ابن عجلان کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن اس کے حسن شواہد موجود ہیں۔ 6 المطففين 83:14.

اخلاق کا برتاؤ کر۔"[1]

انھی وجوہات کی بنا پر مسلمان ہر وقت اپنے آپ کو ادب سکھانے، نفس کو پاک کرنے اور اس کی تطہیر کرنے میں لگا رہتا ہے کہ سب سے اہم یہی کام ہے اور ایسے کاموں کی عادت ڈالتا ہے، جو اس کے گناہوں کی میل کو دھو ڈالیں اور ہر قسم کے گندے اور فاسد عقائد سے بچنے کی سعی کرتا رہتا ہے، ناجائز اقوال و افعال سے اجتناب ضروری گردانتا ہے، اس کا دن رات اسی مجاہدۂ نفس میں گزرتا ہے وہ ہر وقت اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ نیک کاموں پر ہمیشگی کرنا اور برے کاموں سے خود کو دور رکھنا یہ اس کی پختہ عادت بن جاتی ہے۔ وہ اصلاحِ ذات و تادیبِ نفس کے لیے درج ذیل طریقے اپناتا ہے:

(1) توبہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ کی نافرمانیوں سے فی الفور دور ہو جائے اور پہلے گناہوں پر اظہارِ ندامت کرے اور آئندہ کے لیے یہ پختہ عزم کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ پھر کبھی نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

"اے ایمان لانے والو! اللہ کی طرف خالص توبہ (رجوع) کرو، امید ہے وہ تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے گا اور تمھیں باغات میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، داخل کرے گا۔"[2]

نیز ارشاد فرمایا: وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○

"اور اے ایمان والو! سب اللہ کی طرف توبہ (رجوع) کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ فَإِنِّي أَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ»

"اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ (رجوع) کرو۔ میں بھی دن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سو بار توبہ (رجوع) کرتا ہوں۔"[4]

نیز فرمایا: «مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ»

"جس نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے توبہ کر لی، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیں گے۔"[5]

مزید فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ، وَ يَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ، حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا»

[1] [صحيح] مسند أحمد: 153/5 و158 و177، وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في معاشرة الناس، حديث: 1987 وقال: حسن صحيح، والمستدرك للحاكم: 54/1، امام حاکم اور ذہبی نے اسے امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ [2] التحريم 8:66. [3] النور 31:24. [4] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب الاستغفار......، حديث: 2702. [5] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب الاستغفار......، حديث: 2703.

''بے شک اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کر لے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے حتی کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔''[1] اور فرمایا:

«لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَّجُلٍ فِي أَرْضٍ دَوِيَّةٍ مَهْلَكَةٍ، مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَ شَرَابُهُ فَنَامَ فَاسْتَيْقَظَ وَ قَدْ ذَهَبَتْ، فَطَلَبَهَا حَتّٰى أَدْرَكَهُ الْعَطَشُ، ثُمَّ قَالَ: أَرْجِعُ إِلٰى مَكَانِيَ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ فَأَنَامُ حَتّٰى أَمُوتَ، فَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلٰى سَاعِدِهِ لِيَمُوتَ فَاسْتَيْقَظَ وَ عِنْدَهُ رَاحِلَتُهُ وَ عَلَيْهَا زَادُهُ وَ طَعَامُهُ وَ شَرَابُهُ، فَاللّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهِ وَ زَادِهِ»

''یقیناً اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو مہلک ویرانے میں ہو، اس کے ساتھ اس کی سواری ہو جس پر اس کے کھانے، پینے کی چیزیں ہوں اور پھر وہ سو جائے، بیدار ہو کر دیکھے تو اس کی سواری غائب ہو، پھر اسے تلاش کرتے کرتے پیاس لگ جائے۔ آخر کار (دل میں) کہے کہ اسی جگہ جا کر سو جاتا ہوں حتیٰ کہ میری موت واقع ہو جائے۔ پھر وہ مرنے کے لیے کلائی پر سر رکھ کر لیٹ جائے جب بیدار ہوتا ہے تو اچانک دیکھتا ہے کہ اس کی سواری اس کے سامنے موجود ہے جس پر اس کا زادِراہ، طعام و مشروب لدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس آدمی سے بڑھ کر خوش ہوتا ہے جو (گم ہونے کے بعد) اپنی سواری، اور زادِراہ کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔''[2]

اور نبی ﷺ کی موجودگی میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور دیگر لوگوں نے ان کی توبہ قبول ہونے پر مبارکباد دی تھی۔[3]

(2) **مراقبہ** مسلمان اپنی زندگی کے لمحات میں اللہ عزوجل کو پیش نظر رکھتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ وہ اس کے ہر عمل سے آگاہ ہے، اور اس کے خفیہ گوشوں پر بھی اس کی نظر ہے اور وہ اس کی ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے۔ اس طرح اسے اللہ عزوجل کے جلال و کمال میں استغراق کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، پھر اس کی یاد میں اسے اطمینان حاصل ہوتا ہے، اس کی اطاعت و فرماں برداری میں وہ فرحت و سرور محسوس کرتا ہے، اس کے قرب و جوار میں رہنا اسے پسند آتا ہے اور وہ اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اغیار سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان میں مذکور ''اپنے چہرے کو اللہ کے حوالے کرنے'' کا یہی مطلب ہے: وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

''اور اس سے بہتر دین کس کا ہے جو اپنا چہرہ اللہ کے سپرد کرتا ہے اس حال میں کہ وہ نیکی کرنے والا ہے؟''[4]

1 صحيح مسلم، التوبة، باب قبول التوبة من الذنوب .....، حديث: 2759. 2 صحيح البخاري، الدعوات، باب التوبة، حديث: 6308، 6309، وصحيح مسلم، التوبة، باب في الحض على التوبة والفرح بها، حديث: 2744 واللفظ له.
3 صحيح البخاري، المغازي باب حديث كعب بن مالك، حديث: 4418. 4 النسآء 4:125.

ارشادِ ربانی ہے: وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى
''اور جو اپنا چہرہ اللہ کے مطیع کر دے اور وہ اخلاص والا بھی ہو، پس اس نے مضبوط کڑا پکڑ لیا۔''[1]

اور درج ذیل آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کی دعوت دی ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ

''اور جان لو کہ بے شک اللہ تمھارے دلوں کی باتیں (بھی) جانتا ہے، پس اس سے ڈرو۔''[2]

نیز فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ''بے شک اللہ تم پر نگران ہے۔''[3] مزید فرمایا:

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ

''اور تم جس حال میں ہوتے ہو اور قرآن پڑھتے ہو اور جو بھی عمل کرتے ہو، ہم تمھارے سامنے ہوتے ہیں، جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو۔''[4]

اور رسول اللہ ﷺ نے احسان کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

«أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ»

''تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو (تصور میں) اسے دیکھ نہیں سکتا تو (اتنا تصور ضرور ہو کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''[5]

سلف صالحین رحمہم اللہ کا یہی طریقِ کار رہا، اسی طرح انھیں یقینِ کامل نصیب ہوا اور وہ مقربین کے درجہ پر فائز ہوئے۔ چند اقوالِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیے:

- جنید رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ نظر نیچی رکھنے میں کون سی چیز معاون بن سکتی ہے؟ فرمایا: تمھارا یہ جان لینا کہ تجھے دیکھنے والے کی نظر زیادہ تیز ہے تیری اس نگاہ سے جو کسی کی طرف اٹھ رہی ہے۔[6]
- سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس (اللہ تعالیٰ) کی طرف نظر رکھ کہ جس سے کوئی چیز مخفی نہیں، اس سے امید قائم کر جو وفا اور عطا کا مالک ہے اور اس سے ڈر جو سزا دینے پر قادر ہے۔[7]
- عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ایک شخص سے کہا: اے شخص! اللہ کے مراقبہ میں رہ۔ اس نے پوچھا: کس طرح؟ فرمایا: ہمیشہ اس طرح رہ کہ گویا تو اللہ عزوجل کو دیکھ رہا ہے۔[8]

1. لقمٰن 22:31. 2 البقرة 235:2. 3 النسآء 1:4. 4 يونس 61:10. 5 صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الإيمان.....، حديث: 50، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام.....، حديث: 8. 6 إحياء علوم الدين: 471/4. 7 إحياء علوم الدين: 472/4. 8 إحياء علوم الدين: 470/4.

اور بعض نے مراقبہ کی بابت درج ذیل اشعار ذکر کیے ہیں:

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ   خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ

''جب تو کبھی کسی جگہ اکیلا ہو تو یہ نہ کہہ کہ میں اکیلا ہوں بلکہ یہ کہہ کہ میرے اوپر ایک نگران ہے۔''

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفُلُ سَاعَةً   وَلَا أَنَّ مَا تُخْفِي عَلَيْهِ يَغِيبُ

''اور یہ گمان مت کر کہ اللہ ایک لمحہ بھی غافل ہے اور نہ یہ گمان کر کہ جو کچھ تو اس سے چھپاتا ہے، وہ چیز اس سے غائب ہے۔''

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْيَوْمَ أَسْرَعُ ذَاهِبٍ   وَأَنَّ غَدًا لِّلنَّاظِرِينَ قَرِيبُ

''کیا تو نہیں دیکھتا کہ آج کا دن کتنی تیزی سے جا رہا ہے اور آنے والا کل، دیکھنے والوں کے کتنا قریب ہے۔''[1]

③ محاسبہ ایک مسلمان اپنے آپ کا محاسبہ اس طرح کرے کہ وہ دنیا کی اس زندگی میں دن رات نیک عمل کرتا رہے تاکہ دارِ آخرت میں یہ عمل اس کے لیے مفید بن جائیں، اس کی عزت افزائی کا باعث بنیں اور اسے اللہ جل شانہ کی رضا حاصل ہو۔ دنیا کاروبار کا زمانہ ہے جس میں اللہ عزوجل کے مقرر کردہ فرائض اصل سرمایہ ہیں جن کی حفاظت انتہائی ضروری ہے۔ نوافل اصل سرمایہ سے زائد منافع ہیں جس کے لیے پوری توجہ دینی چاہیے اور گناہ و معاصی سرمائے کا خسارہ ہیں جن سے ہمیں بچنا ہے۔ ہر دن انسان اپنے یومیہ عمل کا اس طرح محاسبہ کرے کہ اگر فرائض میں کمی آ رہی ہے تو خود کو ملامت کرے، زجر و توبیخ کرے اور ان کی تلافی کی کوشش شروع کر دے، اگر ان کی قضا ہو سکتی ہے تو کرے اگر قضا ممکن نہیں تو نوافل سے ان کی تلافی کرے، اسی طرح اگر نوافل میں کمی محسوس کرتا ہے تو اس کمی کو پورا کرے اور اگر گناہوں کے ارتکاب سے خسارہ ہو رہا ہے تو استغفار، ندامت، انابت اور عملِ خیر کے ذریعے خرابی کی اصلاح کرے۔ محاسبۂ نفس کا یہی مطلب ہے اور نفس کی اصلاح، تزکیہ اور تطہیر کا یہی ایک راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر نفس دیکھے کہ کل (قیامت) کے لیے اس نے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تمھارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔''[2]

یہاں اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ میں نفس کے محاسبہ کا حکم ہے کہ اس نے کل، جس کا انتظار کیا جا رہا ہے، کے لیے کیا کچھ آگے بھیجا ہے۔

نیز فرمایا: وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

[1] إحياء علوم الدين: 4/472. [2] الحشر 59:18.

''اور اے مومنو! سب اللہ کی طرف رجوع کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنِّي أَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ وَ أَسْتَغْفِرُهُ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ»

''میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں اور ایک دن میں سو سو بار اس سے بخشش طلب کرتا ہوں۔''[2] عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا» ''اس سے قبل کہ تم سے حساب لیا جائے، خود اپنا محاسبہ کرلو۔''[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت اپنے پاؤں پر درہ مارتے اور فرماتے: تو نے آج کیا کام کیا ہے؟

باغ میں مصروفیت کی وجہ سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نماز سے غافل رہے تو انھوں نے سارا باغ خیرات کر دیا۔ یہ محاسبۂ نفس انھوں نے خود کو سزا دینے اور تادیب سکھانے کے طور پر کیا تھا۔

اس امت کے صالحین رحمہم اللہ اپنی کمزوریوں کا اسی طرح جائزہ لیتے تھے اور تقویٰ کا التزام کرتے اور نفس کی خواہشات سے اجتناب کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان پر عمل کا نتیجہ تھا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝

''اور جو اپنے رب کے آگے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے بچا لیا، پس اس کا ٹھکانا جنت ہے۔''[4]

(4) **مجاہدہ** ہر مسلمان کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اس کا پہلا دشمن اس کا اپنا نفس ہے جو اس کے پہلو میں چھپا ہوا ہے۔ یہ طبعی طور پر شر پسند ہے، اچھائی سے راہِ فرار اختیار کرتا اور برائی کا حکم دیتا ہے۔

قرآنِ مجید نے حضرت یوسف علیہ السلام یا عزیزِ مصر کی بیوی کا یہ قول بیان کیا ہے:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ

''اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا، بے شک یہ تو برائی کا حکم دیتا رہتا ہے۔''[5]

اسے آرام و راحت میں رہنا پسند ہے، بے مقصد کاموں میں راغب ہے اور شہوات و خواہشات کی رو میں بہتا رہتا ہے، چاہے اس میں اس کی شامت آجائے یا موت ہی واقع ہو جائے۔

''نفس امارہ'' کی اس حقیقت سے آگاہی کے بعد ہی ایک انسان اپنے آپ کو اس کے خلاف جہاد کرنے پر تیار کر سکتا ہے اور اعلانِ جنگ کر کے مقابلہ میں اسلحہ نکالتا اور اس کی رعونتوں کا مقابلہ کرتا ہے اور جوں ہی نفس راحت طلب ہونے لگتا ہے، اسے مشقت پر آمادہ کر کے شہوات کی رغبت سے محروم کر دیتا ہے اور جب اللہ کی اطاعت اور نیکی میں

[1] النور 24:31. [2] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب الاستغفار والا ستكثار منه، حديث: 2702، ومسند أحمد: 5/411. [3] [ضعيف] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث: الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت، حديث: 2459 تعليقًا. [4] النّٰزعٰت 79:40، 41. [5] يوسف 12:53.

کمزوری دکھانے لگتا ہے تو اسے ملامت کرتا ہے، پھر وہ کام کرتا ہے جن میں نفس کوتاہی کر رہا یا کمزوری دکھا رہا تھا۔ یہ تادیب مسلسل جاری رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کا نفس مطمئن اور پاک و طاہر ہو جاتا ہے اور یہی وہ مجاہدۂ نفس ہے جو دراصل مطلوب ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

''اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں، ہم ضرور انھیں اپنے راستے دکھاتے ہیں (توفیق سے نوازتے ہیں) اور بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''[1]

ایک مسلمان جب اللہ کے لیے اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے تاکہ یہ نفس پاک، طاہر اور مطمئن بن جائے اور اللہ کے اعزازات و اکرامات حاصل کرنے کا مستحق قرار پائے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی صالحین، مومنین اور نیک لوگوں کا راستہ ہے اور وہ ان کے نقشِ قدم پر چلتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت اتنا لمبا قیام کیا کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے، جب آپ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

«أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا» ''کیا میں پسند نہ کروں کہ (اللہ کا) شکر گزار بندہ بن جاؤں؟''[2]

قسم ہے ربّ قدوس کی! اس سے بڑھ کر اور مجاہدہ کیا ہو سکتا ہے!!

سیدنا علی رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بابت گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے اصحابِ محمد ﷺ کو دیکھا ہے، آج میں ان کے مشابہ کوئی نہیں دیکھ رہا۔ وہ لوگ صبح کو اٹھتے تو پراگندہ حال، غبار آلود اور زرد رنگ ہوتے اور رات کے وقت سجدہ و قیام میں ہوتے اور اللہ کی کتاب کی تلاوت فرماتے، کبھی کھڑے ہیں تو کبھی پیشانی کے بل سجدہ میں گرے ہیں۔ بوقتِ ذکر الٰہی اس طرح جھک جاتے جس طرح ہوا سے پودا جھک جاتا ہے اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتیں حتی کہ کپڑے نم آلود ہو جاتے۔[3]

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو میں ایک دن بھی زندہ رہنا پسند نہ کرتا۔ دوپہر کے وقت اللہ کے لیے پیاسا ہونا، آدھی رات کے وقت اس کے لیے سجدہ کرنا اور ایسے لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرنا جو صاف ستھرے کلام کو ایسے پسند کرتے ہیں جیسے اچھے پھل پسند کیے جاتے ہیں۔[4]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکنے پر اپنے نفس کو عتاب کیا اور اس کی پاداش میں دو لاکھ مالیت درہم کی زمین صدقے میں دے دی۔[5]

1 العنكبوت 69:29. 2 صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ، حديث: 4837.
3 حلية الأولياء: 118/1. 4 حلية الأولياء: 272/1. 5 إحياء علوم الدين: 483/4.

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اگر عشاء کی نماز باجماعت رہ جاتی تو رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزار دیتے۔ [1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اللہ ان لوگوں پر رحم کرے جنھیں لوگ مریض سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ بیمار نہیں۔ [2]

یہ چند مجاہدۂ نفس کے متعلقہ آثار تھے۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں: «(خَيْرُ النَّاسِ) مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَ حَسُنَ عَمَلُهُ»

''(انسانوں میں سب سے اچھا وہ ہے) جس کی عمر لمبی اور عمل اچھے ہوں۔'' [3]

باب: 6

حقوق العباد

والدین کے حقوق ہر مسلمان اپنے ذمے والدین کے حقوق تسلیم کرتا ہے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا اور ان کی اطاعت کرنے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کو ضروری جانتا ہے۔ محض اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس کی پیدائش کا باعث تھے اور انھوں نے بچپن میں اس کی دیکھ بھال اور خدمت کی ہے بلکہ اس لیے بھی کہ اللہ جل مجدہ نے ان کی فرماں برداری ضروری قرار دی ہے اور ان کے حقوق کو اپنے حقوق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

''اور تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اُف تک نہ کہہ اور نہ انھیں جھڑک اور ان کے ساتھ نرمی سے (اچھی) بات کر اور ان کے لیے محبت اور نرمی کا پہلو جھکائے رکھ اور (ان کے لیے دعا کرتے ہوئے) یہ کہہ کہ ''اے رب! ان پر رحم کر جس طرح انھوں نے بچپن میں مجھے پالا اور میری تربیت کی۔'' [4] نیز اللہ سبحانہ نے فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (اچھا سلوک کرنے کی) وصیت کی ہے اس کی ماں نے

[1] حلية الأولياء: 376/1. [2] إحياء علوم الدين: 484/4. [3] [حسن] جامع الترمذي، الزهد، باب ما جاء في طول العمر للمؤمن، حديث: 2329 وقال: حسن غريب. [4] بنيٓ إسرآءيل 17: 24,23.

اسے کمزوری پر کمزوری کی حالت میں اٹھایا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال کے اندر اندر ہوتا ہے کہ میرا اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کر۔ (تمھیں) میری طرف لوٹنا ہے۔''[1]

ایک شخص نے دریافت کیا: «يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ»

''اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' عرض کی: پھر اس کے بعد؟ فرمایا: ''تیری ماں۔'' عرض کی: پھر اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں'' کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا باپ۔''[2]

فرمانِ نبوی ہے: «إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَ مَنْعًا وَّهَاتِ، وَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيلَ وَ قَالَ، وَ كَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَ إِضَاعَةَ الْمَالِ»

''بے شک اللہ نے تم پر ماؤں کو ایذا دینا، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، کنجوسی کرنا اور بھیک مانگنا حرام قرار دیا ہے اور قیل و قال، سوالات کی کثرت اور مال ضائع کرنے کو ناپسند قرار دیا ہے۔''[3]

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: «أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ - ثَلَاثًا - قُلْنَا بَلٰى، يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَ عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَ كَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ: أَلَا وَ قَوْلُ الزُّورِ وَ شَهَادَةُ الزُّورِ، أَلَا وَ قَوْلُ الزُّورِ وَ شَهَادَةُ الزُّورِ، فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتّٰى (قَالَ أَبُوبَكْرَةَ:) قُلْتُ: لَا يَسْكُتُ»

''کیا میں تمھیں بڑے گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟'' تین بار فرمایا، لوگوں نے عرض کی: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''(کسی کو) اللہ کا شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔'' آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: ''جھوٹی بات کہنا اور جھوٹی گواہی دینا۔'' آپ بار بار یہی «أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ» کہتے رہے۔ یہاں تک کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ (دل میں) کہنے لگے: آپ خاموش نہیں ہوں گے۔''[4]

حدیثِ نبوی ہے: «لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَّالِدًا إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ»

1 لقمٰن 31:14. 2 صحيح البخاري، الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، حديث: 5971، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب بر الوالدين ......، حديث: 2548. 3 صحيح البخاري، الاستقراض، باب ماينهى عن إضاعة المال، حديث: 2408، وصحيح مسلم، الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل ......، حديث: 593 بعد الحديث: 1715 واللفظ له. 4 صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث: 5976، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 87.

”کوئی اولاد اپنے والد کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتی، اِلّا یہ کہ اسے غلام پائے اور خرید کر آزاد کر دے۔“ [1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ کو کون سا عمل محبوب ہے؟ فرمایا: ”والدین کی فرماں برداری“ میں نے کہا: پھر کون سا؟ آپ نے جواب دیا: ”اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔“ [2]

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت چاہی، آپ نے پوچھا:

«أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ»

”کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟“ اس نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: ”تو انھیں میں جہاد کر (ان کی خدمت کر)۔“ [3]

ایک انصاری آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی: کیا میرے والدین کی موت کے بعد بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک میں سے کوئی چیز باقی ہے؟ آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ، اَلصَّلَاةُ عَلَيْهِمَا، وَالاسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وَ إِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا، وَ صِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لَا تُوَاصَلُ إِلَّا بِهِمَا، وَ إِكْرَامُ صَدِيقِهِمَا»

”ہاں، ان کی نمازِ جنازہ پڑھنا، ان کے حق میں رحم و کرم اور مغفرت و بخشش کی دعا کرنا، ان کے بعد ان کے کیے وعدے پورے کرنا، ان کی وجہ سے قائم رشتوں کو جوڑنا (ان سے صلہ رحمی کرنا)، ان کے دوستوں کی عزت کرنا، (والدین کی وفات کے بعد یہ باتیں ابھی تیرے ذمہ باقی ہیں)۔“ [4]

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ»

”والد کے چلے جانے کے بعد اس کے ساتھ بہترین نیکیوں میں سے یہ بھی ہے کہ بیٹا اس کے دوستوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھے۔“ [5]

جس طرح ایک مسلمان اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم کی بجا آوری میں اپنے والدین کے حقوق کا اعتراف اور پھر ان کی ادائیگی کرتا ہے اسی طرح وہ درج ذیل آداب کو بھی ملحوظِ خاطر رکھتا ہے:

(1) ایک مسلمان والدین کی ہر بات میں فرماں برداری کرتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو کیونکہ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

1 صحیح مسلم، العتق، باب فضل عتق الوالد، حدیث: 1510. 2 صحیح البخاري، الأدب، باب البر والصلة، حدیث: 5970، وصحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون الإیمان باللّٰه تعالٰی أفضل الأعمال، حدیث: 85 مختصرًا. 3 صحیح البخاري، الجهاد والسیر، باب الجهاد بإذن الأبوین، حدیث: 3004، وصحیح مسلم، البر والصلة، باب بر الوالدین......، حدیث: 2549. 4 [صحیح] سنن أبي داود، الأدب، باب في بر الوالدین، حدیث: 5142، اسے امام ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 5 صحیح مسلم، البر والصلة، باب فضل صلة أصدقاء الأب والأم ونحوهما، حدیث: 2552.

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا

''اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک بنائے، جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں ہے تو تو ان کا کہا نہ مان اور دنیا (داری) میں اچھے انداز سے ان کے ساتھ نباہ کر۔''[1]

نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ» ''اطاعت تو صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔''[2] مزید فرمایا: «لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ» ''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔''[3]

(2) ان کی عزت وتوقیر ملحوظ رکھے، قول اور فعل میں ادب سے پیش آئے، انھیں ڈانٹے نہیں، ان کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ کرے، ان کے آگے نہ چلے، ان پر اپنی بیوی اور اولاد کو فوقیت نہ دے، انھیں نام لے کر نہ پکارے بلکہ ابا جان اور امی جان جیسے الفاظ کے ساتھ احترام سے بلائے اور اگر سفر اختیار کرنا ہو تو ان کی اجازت اور رضامندی سے کرے۔

(3) جس طرح بھی ممکن ہو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، انھیں کھانا کھلائے، پہننے کو کپڑے دے، بیمار ہو جائیں تو علاج کرائے، ان سے ہر طرح کی تکالیف دور کرنے کی کوشش کرے بلکہ اپنے آپ کو ان پر قربان کر دے۔

(4) جو رشتے ان کی بنیاد پر بنے ہیں، ان سے تعلقات درست رکھے، والدین کے لیے دعا و استغفار کرتا رہے، ان کے وعدے پورے کرے اور ان کے دوستوں کے ساتھ احترام سے پیش آئے۔

اولاد کے حقوق اولاد کے بھی اپنے والد پر حقوق ہیں جن کی ادائیگی اس کے لیے ضروری ہے اور کچھ آداب ایسے ہیں کہ والد پر لازم ہے کہ وہ انھیں اولاد کے لیے ملحوظ رکھے، مثلاً: ان کی والدہ کا انتخاب اچھا کرے، بچے کا بہتر نام رکھے، ساتویں دن عقیقہ اور ختنہ کرے، اپنی اولاد کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آئے، ان کے لیے خرچ کرے، اچھی تربیت اور تادیب وتعلیم کا انتظام کرے، انھیں اسلامی احکام وفرائض کی ادائیگی اور سنن و آداب کے ملحوظ رکھنے کی مشق کرائے اور جب بالغ ہو جائیں تو ان کا نکاح کر دے اور پھر انھیں اختیار دے دے، چاہے باپ کے ساتھ رہیں، چاہے الگ سے اپنا گھر بسائیں۔ کتاب وسنت کے مندرجہ ذیل دلائل ان احکام کی وضاحت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

''اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں (یہ حکم اس کے لیے ہے) جو پوری مدت دودھ پلانا چاہے اور باپ پر، ان (ماؤں) کو دستور کے مطابق روٹی اور کپڑا دینا ہے۔''[4] نیز فرمایا:

[1] لقمٰن 15:31. [2] صحیح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في إجازة خبرالواحد الصدوق......، حديث: 7257، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء......، حديث: 1840. [3] المصنف لابن أبي شيبة: 546/12. [4] البقرة 233:2.

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں (اور) جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں، اللہ انھیں جو حکم دیتا ہے، وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو انھیں حکم ملتا ہے، (فوراً) اس کی تعمیل کرتے ہیں۔''[1]

اس آیت مبارکہ میں اپنے اہل کو آگ سے بچانے کا حکم ارشاد ہوا ہے جس کی تعمیل اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہی ممکن ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کے کاموں کی معرفت حاصل کی جائے جو تعلیم کے بغیر ناممکن ہے۔ اولاد بھی اہل میں داخل ہے، آیتِ کریمہ کی رو سے ان کی تعلیم و تربیت کرنا، نیک کاموں کی ترغیب دینا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام بجالانے پر انھیں آمادہ کرتے رہنا اور شوق دلانا، نیز گناہوں، نافرمانیوں، خرابیوں اور شرارتوں سے انھیں دور رکھنا ضروری ہے تاکہ انھیں عذاب جہنم سے بچایا جا سکے جبکہ اس سے پہلی آیت: ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ......﴾[2] اس بات کی دلیل ہے کہ اولاد کا خرچ والد کے ذمہ ہے کیونکہ دودھ پلانے والی کو نفقہ (خرچ) اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلاتی ہے۔ حکم ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ ''اور فقر کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔''[3]

رسول اللہ ﷺ سے جب سب سے بڑے گناہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّ هُوَ خَلَقَكَ، وَ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ، أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ»

''یہ کہ تو کسی کو اللہ کا برابر اور شریک ٹھہرائے، حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے، یہ کہ تو اس ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کردے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی، اور یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔''[4]

قتل اولاد سے منع کرنے میں یہ امور خود بخود شامل ہو گئے ہیں کہ ان کے ساتھ شفقت اور نرمی کا برتاؤ کیا جائے اور ان کے جسم، عقل اور روح کی درستی اور حفاظت کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اولاد کے عقیقہ کے بارے میں فرمایا:

«اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهٖ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَ يُسَمّٰى وَ يُحْلَقُ رَأْسُهٗ»

''لڑکا اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے گا، اور اس کا نام رکھا

1 التحريم 6:66. 2 البقرة 233:2. 3 بنیٓ إسرآءيل 31:17. 4 صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالٰی: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾، حديث: 4477، وصحيح مسلم، الإيمان، باب كون الشرك أقبح الذنوب، حديث: 86.

جائے گا اور سر کے بال اتارے جائیں گے۔'' [1] نیز فرمایا:

«اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ: اَلْخِتَانُ، وَالِاسْتِحْدَادُ، وَ قَصُّ الشَّارِبِ، وَ تَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَ نَتْفُ الْإِبْطِ»

''پانچ چیزیں فطرت میں داخل ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا اور بغل کے بال اکھاڑنا۔'' [2] مزید فرمایا:

«أَكْرِمُوا أَوْلَادَكُمْ وَ أَحْسِنُوا أَدَبَهُمْ» ''اپنی اولاد کی عزت کرو اور ان کے آداب بہتر بناؤ۔'' [3]

ارشادِ عالی ہے: «سَوُّوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ، فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلًا أَحَدًا لَّفَضَّلْتُ النِّسَاءَ»

''عطیہ دینے میں اپنی اولاد میں برابری کرو۔ اگر میں (اولاد میں سے) کسی کو فضیلت دیتا تو عورتوں کو دیتا۔'' [4]

مزید فرمایا: «مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَ هُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَ هُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ، وَ فَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»

''جب تمھارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انھیں نماز کا حکم دو اور اگر دس سال کے ہو جائیں تو انھیں نماز کے لیے مارو اور انھیں الگ الگ بستروں میں سلاؤ۔'' [5]

ایک حدیث میں والد پر اولاد کے حقوق کی بابت یہ بھی آیا ہے کہ وہ ان کی تربیت کرے اور اچھا نام رکھے۔ [6]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: والد پر اولاد کے حقوق میں یہ بھی ہے کہ انھیں لکھنا، پڑھنا اور تیر اندازی سکھائے اور انھیں صرف حلال خوراک مہیا کرے۔ [7]

1 سنن أبي داود، الضحايا، باب في العقيقة، حديث: 2838، وجامع الترمذي، الأضاحي، باب من العقيقة، حديث: 1522، واللفظ له، امام ترمذی کے علاوہ ابن الجارود، حاکم، ذہبی اور عبدالحق اشبیلی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ لڑکا اپنے عقیقے کے عوض گروی ہے، علمائے کرام نے اس کا ایک مطلب یہ بتایا ہے کہ جس بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ بچہ فوت ہو جائے تو وہ اپنے والدین کے حق میں شفاعت نہیں کرتا تو جس طرح صاحبِ حق کو اس کا حق ادا کر کے اپنی گروی چیز چھڑالی جاتی ہے، اسی طرح ہر صاحبِ استطاعت والد بھی اللہ کی نعمت اولاد کے شکرانے میں عقیقہ کر کے قیامت کے دن اپنے بچے کی شفاعت کو حاصل کر لے۔ واللہ اعلم۔ (ع،ر)
2 صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، حديث: 5891، وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 257. 3 [ضعيف] سنن ابن ماجه، الأدب، باب بر الوالد والإحسان إلى البنات، حديث: 3671، اس کی سند سعید بن عمارہ اور حارث بن نعمان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 4 [ضعيف] السنن الكبرٰى للبيهقي: 177/6، والمعجم الكبير للطبراني: 354/11، اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا بنیادی راوی سعید ابن یوسف الرجبی ضعیف ہے۔ جبکہ اس روایت کے پہلے جملے کے لیے شاہد بخاری ومسلم کی حدیث «واعدلوا بين أولادكم» نہیں ہے کیونکہ عدل اور تسویہ میں فرق ہے۔ 5 [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، حديث: 495، اور جامع ترمذی، حدیث: 407 وغیرہ میں اس کا صحیح شاہد بھی ہے۔ 6 شعب الإيمان للبيهقي: 400/6. 7 شعب الإيمان للبيهقي: 401/6، وجامع الأحاديث: 134/12.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ بھی ہے کہ نکاح کے لیے صالح خاندانوں کا انتخاب کرو، اس لیے کہ نسلوں کی خفیہ تاثیر ہوتی ہے۔[1]

ایک اعرابی اپنی اولاد پر احسان جتلاتے ہوئے کہتا ہے: میں نے تمھارے لیے تمھاری ماں کا بہتر انتخاب کیا تھا۔ پھر یوں کہتا ہے: «وَ أَوَّلُ إِحْسَانِي إِلَيْكُمْ تَخَيُّرِي لِمَاجِدَةِ الْأَعْرَاقِ بَادٍ عَفَافُهَا»

''میرا تم پر اولیں احسان یہ ہے کہ میں نے تمھارے لیے اچھی نسل کی عفیفہ، پاک دامن عورت کا چناؤ کیا ہے۔''[2]

بھائیوں کے حقوق ہر مسلمان کے نزدیک بھائیوں کے حقوق بھی آباء و اجداد اور اولاد کے حقوق کی طرح ضروری ہیں۔ چھوٹے بھائیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے بڑے بھائیوں کا اسی طرح احترام کریں جس طرح کہ وہ اپنے آباء کی عزت و توقیر کرتے ہیں، نیز بڑے بھائیوں پر چھوٹے بھائیوں کے کچھ حقوق ہیں جیسا کہ ان پر ان کے والدین کے حقوق و واجبات ہیں۔

حدیثِ نبوی ہے: ''بڑے بھائیوں کا حق چھوٹے بھائیوں پر اسی طرح ہے جس طرح کہ والد کا حق اولاد پر۔''[3]

فرمانِ نبوی ہے: «بِرَّ أُمَّكَ وَ أَبَاكَ، وَ أُخْتَكَ وَ أَخَاكَ، ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ»

''اپنی ماں، باپ، پھر بہن، بھائی، پھر درجہ بدرجہ دیگر قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک و برتاؤ کر۔''[4]

خاوند اور بیوی کے باہمی حقوق ہر مسلمان اس بات کا معترف ہے کہ خاوند کے بیوی پر اور بیوی کے خاوند پر کچھ حقوق ہیں۔ قرآنِ پاک میں ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

''اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے کہ جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے، البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔''[5]

اس آیتِ کریمہ نے خاوند، بیوی میں سے ہر ایک کے دوسرے پر کچھ حقوق و آداب ثابت کیے ہیں جبکہ بعض خصوصی اعتبارات کی بنیاد پر مردوں کو (عورتوں پر) ایک درجہ کی خصوصیت حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا:

«أَلَا! إِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَاءِكُمْ حَقًّا، وَ لِنِسَاءِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا»

[1] إحياء علوم الدين: 241/2. [2] أدب الدنيا والدين: 196/1. [3] [ضعيف] شعب الإيمان للبيهقي: 210/6، حديث: 7929. اس کی سند محمد بن السائب الکلبی وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [4] [حسن] المستدرك للحاكم: 151/4، حديث: 7245. اس کی سند قوی ہے۔ [5] البقرة 2: 228.

''سنو! تمھارے لیے تمھاری بیویوں پر حقوق ہیں اور تمھاری عورتوں کے تم پر حقوق ہیں۔''[1]

ان میں بعض حقوق تو دونوں کے درمیان مشترک اور برابر ہیں جبکہ بعض حقوق ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ مشترک حقوق درج ذیل ہیں:

① امانت: دونوں ایک دوسرے کے امین ہوتے ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر کوئی بھی دوسرے سے خیانت نہ کرے۔ خاوند، بیوی دو شریک کاروبار ساتھیوں کی طرح ہوتے ہیں، ان میں معمولی چیز ہو یا زیادہ۔ امانت، خیر خواہی، سچائی اور اخلاص کا پایا جانا ضروری ہے۔

② محبت اور رحم کا جذبہ: یہ جذبہ دونوں میں اتنا ہونا چاہیے کہ دکھ سکھ میں ساری زندگی ایک دوسرے کے کام آئیں اور خالص محبت وشفقت کا اظہار کرتے رہیں تا کہ اس ارشادِ حق تعالیٰ کا مصداق بنیں:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً

''اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری جانوں سے (تمھاری) بیویاں پیدا کر دیں تا کہ تم ان کی طرف (مائل ہوکر) سکون حاصل کرو، اور اس نے تمھارے درمیان محبت وشفقت پیدا کر دی۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی بھی تعمیل ہو جائے:

«مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ» ''جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''[3]

③ باہمی اعتماد: دونوں میں اس انداز کا باہمی اعتماد ہونا ضروری ہے کہ ایک دوسرے پر کلی بھروسا کریں۔ خیر خواہی، سچائی اور اخلاص میں ایک دوسرے پر شک نہ کریں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ''ایمان والے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔''[4]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''[5]

1 [صحيح] السنن الكبرى للنسائي: 372/5، حديث: 9169، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حديث: 1851، وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، حديث: 1163 و3087. 2 الروم 21:30. 3 صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد و تقبيله و معانقته، حديث: 5997 و6013، وصحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال...، حديث: 2318. 4 الحجرات 10:49. 5 صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، حديث: 13، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم مايحب لنفسه من الخير، حديث: 45.

زوجیت کے تعلق نے اخوتِ ایمانی کے تعلق کو مزید بڑھایا ہے اور اس میں پختگی اور اعتماد پیدا کیا ہے۔

اسی وجہ سے خاوند اور بیوی دونوں خود کو دو قالب یک جان سمجھتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی ذات پر اعتماد نہ کرے اور اس کے لیے خیر خواہی کے جذبات نہ رکھے۔ اپنے آپ سے خیانت کون کرتا ہے اور خود سے دھوکا کون کر سکتا ہے؟

(4) حقوقِ عامہ: باہمی معاملات میں توجہ اور نرمی سے کام لینا، چہرے کی شگفتگی، بات میں ادب و احترام، یہی وہ اچھی معاشرت ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ''اور عورتوں سے معروف طریقے کے ساتھ نباہ کرو۔''[1]

اور یہی وہ اچھی وصیت ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمائی:

«وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا» ''اور عورتوں کے لیے اچھی وصیت قبول کرو۔''[2]

یہ مذکورہ بالا حقوق و آداب، خاوند اور بیوی میں مشترک ہیں، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے فرمان میں مذکور ''پختہ عہد'' کی تعمیل میں بھی ان آداب وحقوق کا التزام کرنا دونوں کے لیے ضروری ہے، جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

''اور (طلاق کی صورت میں) تم کس طرح ''مہر'' واپس لو گے، جبکہ ایک دوسرے تک تم پہنچ چکے ہو اور انھوں نے تم سے ''پختہ عہد'' لے لیا ہے۔''[3]

نیز ارشادِ عالی ہے: وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

''اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا، اللہ تمھارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔''[4]

کچھ حقوق و آداب ان کے ایک دوسرے پر انفرادی ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

بیوی کے حقوق (1) خاوند معروف طریقے کے ساتھ عورت سے نباہ کرے، جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ''اور ان (عورتوں) کے ساتھ دستور کے مطابق نباہ کرو۔''[5]

یعنی جب کھانا کھائے تو اسے کھلائے، کپڑا پہنے تو اسے بھی پہنائے، اس کی طرف سے نافرمانی کا خطرہ محسوس کرے تو اللہ کے حکم کے مطابق گالی گلوچ اور برا بھلا کہے بغیر اسے سمجھائے اگر کہا مان لے تو فبہا، ورنہ بستر کی جدائی اختیار

1 النسآء 19:4. یہاں معروف طریقے سے اپنے اپنے علاقے کا عرف اور رواج نہیں ہے بلکہ دینی نقطۂ نظر سے معروف طریقہ ''شرعی دستور'' مراد ہے۔ علاوہ ازیں معروف کا ایک معنیٰ ''نیکی اور احسان کرنا'' بھی آتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (ع،ر) 2 صحيح البخاري، النكاح، باب الوصاة بالنساء، حديث: 5186. 3 النسآء 21:4. 4 البقرة 237:2. 5 النسآء 19:4.

کرے، اگر اس سزا سے درست ہو جائے تو بہتر، ورنہ چہرے کو چھوڑ کر ایسی معمولی ضرب کرے کہ اس کا خون بہائے نہ اسے زخمی کرے اور نہ ہی اس کا کوئی عضو توڑے۔ حکم ربانی ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا

''اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمھیں اندیشہ ہو تو انھیں سمجھاؤ اور (اگر نہ سمجھیں تو) شب باشی میں الگ کر دو اور (اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو) انھیں مارو اور اگر وہ تمھاری اطاعت کرنے لگیں تو پھر ان پر اور کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔''[1]

رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا: شوہر پر بیوی کے کیا حقوق ہیں؟

تو آپ نے فرمایا: «أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَ تَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ»

''کہ جب تو کھانا کھائے اسے بھی کھلا، جب تو لباس پہنے اسے بھی پہنا، اس کے منہ پر نہ مار، اسے برا نہ کہہ اور علیحدگی کو صرف گھر تک محدود رکھ۔''[2]

مزید فرمایا: «أَلَا! وَ حَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ»

''خبردار! تم پر عورتوں کا یہ حق ہے، کہ تم انھیں اچھا لباس اور اچھا کھانا مہیا کرو۔''[3]

نیز فرمایا: «لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ»

''کوئی مومن ایمان والی عورت سے نفرت نہ کرے، (اس لیے کہ) اگر اسے اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو دوسری پسند آجائے گی۔''[4]

② بیوی کو ضروری دینی احکام سکھائے یا اسے اجازت دے کہ وہ مجالس علم و وعظ میں شریک ہو کر اکتساب علم کرے، اس لیے کہ عورت کو کھانے پینے کی چیزوں کی نسبت، اپنے دین اور روح کی اصلاح کی زیادہ ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''[5]

1 النسآء 4:34. 2 [حسن] سنن أبي داود، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث: 2142. 3 [صحيح] جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، حديث: 1163، والسنن الكبرى للنسائي: 372/5، حديث: 9169، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حديث: 1851. 4 صحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث: 1467. 5 التحريم 66:6.

عورت بھی گھر والوں میں شامل ہے، لہٰذا ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ اسے جہنم سے بچانا ضروری ہے اور عملِ صالح کے لیے علم و معرفت کی ضرورت ہے۔ تاکہ علم کی بنیاد پر وہ اپنے عمل اور ایمان کو درست کر سکے اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا! وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ»

''سنو! عورتوں کے بارے میں اچھی وصیت قبول کرو، وہ تمھارے پاس (رہنے کے لیے) پابند ہو چکی ہیں۔''[1]

اور ان کے لیے اچھی وصیت میں سے یہ بھی ہے کہ اسے اپنے دین کو درست کرنے کے لیے معلومات مہیا کی جائیں اور استقامت و اصلاحِ حال کے لیے اس کی تادیب و تربیت کا انتظام کیا جائے۔

③ اسلامی تعلیمات و آداب پر عمل پیرا ہونے کا اسے پابند کرے، بے پردہ باہر نکلنے اور غیر محرم مردوں کے اختلاط سے اسے منع کرے اور اس پر یہ بھی لازم ہے کہ اس کی حفاظت اور پوری نگہداشت کرے، اخلاقی اور عملی خرابیوں سے اسے بچائے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے بغاوت اور گناہ و فجور کی زندگی گزارنے کے لیے اس کے لیے میدان کھلا نہ چھوڑے، اس لیے کہ وہ ذمہ دار و نگہبان ہے، اس کی حفاظت اور صیانت اس کی ذمہ داری ہے۔

ارشادِ حق تعالیٰ ہے: ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ ''مرد عورتوں پر ذمہ دار ہیں۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ»

''مرد اپنے اہل پر حاکم (اور ذمہ دار) ہے اور اس کی ذمہ داری کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔''[3]

④ اگر دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان مساوات و انصاف روا رکھے۔ خور و نوش، لباس و رہائش اور رات گزارنے میں ان کے مابین عدل اور برابری کرے۔ ان امور میں ظلم و زیادتی روا نہ رکھے کیونکہ اللہ جل شانہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾

''اگر تمھیں خطرہ ہو کہ عدل و انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی (سے نکاح کرو) یا جو (لونڈیاں) تمھاری ملکیت میں ہیں۔''[4]

رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ بھلائی کی وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَ أَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي»

① [صحيح] جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، حديث:1163و3087 وقال: حسن صحيح، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حديث: 1851. ② النسآء 4:34. ③ صحيح البخاري، الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، حديث: 893، وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل.....، حديث: 1829.
④ النسآء 4:3. لونڈیوں کے بارے میں یہ پابندی ضروری نہیں جتنی چاہے رکھ لے۔ واللہ اعلم۔ (ع، ر)

''تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے اہل کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔''[1]

(5) اپنی بیوی کا کوئی راز ظاہر نہ کرے اور نہ اس کے کسی عیب کا تذکرہ کرے، اس لیے کہ وہ اس کا امین ہے اور اس کی حفاظت، نگہداشت اور دفاع کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

«إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَ تُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا»

''اللہ کے نزدیک اس انسان کا ٹھکانہ قیامت کے دن بدترین ہوگا جو اپنی بیوی کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے بعد اس کا راز ظاہر کرتا ہے۔''[2]

خاوند کے حقوق (1) اللہ کی نافرمانی کے سوا عورت مرد کی ہر بات کی فرماں برداری کرے۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ﴾ ''اگر وہ تمھارا کہا مان لیں تو پھر ان پر اور کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔''[3]

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهِ فَلَمْ تَأْتِهِ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ»

''جب مرد اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے لیکن وہ اس کے پاس نہ جائے اور وہ (خاوند) ناراض ہی رات گزار دے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔''[4]

نیز فرمایا: «لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَّأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا»

''اگر میں کسی کو حکم دینے والا ہوتا کہ وہ کسی (غیر اللہ) کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔''[5]

(2) خاوند کے مال ومتاع، عزت وناموس اور گھر کے جملہ امور میں اس کی محافظ بنے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾

''نیک عورتیں خاوندوں کی تابع فرماں ہیں، غیب میں (خاوندوں کی غیر حاضری میں ان کے حقوق کی) حفاظت

(1) [حسن] جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبيﷺ، حديث: 3895، وقال: حسن غريب صحيح. امام ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے دیکھیے موارد الظمآن، حدیث: 312. (2) صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم إفشاء سر المرأة، حديث: 1437. (3) النسآء 4:34. (4) صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم: آمين والملائكة في السماء......، حديث: 3237، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها، حديث: 1436 واللفظ له. (5) [حسن] سنن أبي داود، النكاح، باب في حق الزوج على المرأة، حديث: 2140، والمستدرك للحاكم: 187/2، حديث: 2763، وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق الزوج على المرأة، حديث: 1159 وقال: حسن غريب واللفظ له، امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔

کرنے والی ہیں، اس لیے کہ اللہ نے (ان کے) حقوق محفوظ رکھے ہیں۔''[1]

آپ نے فرمایا: «وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ»

''اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے۔''[2] نیز فرمایا:

«فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلٰى نِسَآئِكُمْ، فَلَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَّنْ تَكْرَهُونَ، وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ»

''تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستر پر انھیں نہ آنے دیں جنھیں تم پسند نہیں کرتے اور تمھارے گھروں کے اندر انھیں آنے کی اجازت نہ دیں جنھیں تم ناپسند کرتے ہو۔''[3]

③ بیوی کو چاہیے کہ خاوند کے گھر میں رہے، اس کی اجازت و مرضی کے بغیر نہ نکلے، اپنی نظر نیچی رکھے، اونچی آواز سے کلام نہ کرے، اپنے ہاتھ کو برائی سے روکے اور زبان کو فحش کلامی سے بچائے۔ رشتہ داروں کے ساتھ احسان میں وہی معاملہ اختیار کرے جو اس کا خاوند اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ جو عورت مرد کے والدین اور قرابت داروں کے ساتھ اچھی نہیں ہے، وہ خاوند کے لیے اچھی کہاں ہوئی؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ﴾

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور (عہد نبوت سے) پہلی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار نہ کرو۔''[4]

نیز فرمایا: ﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ ﴾

''پس (کسی اجنبی شخص کے ساتھ) نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ (برائی کا) طمع کرے گا۔''[5]

مزید فرمایا: ﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ﴾

''اللہ تعالیٰ اعلانیہ بری بات کہنے کو پسند نہیں کرتا مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو۔''[6] نیز حکم ربانی ہے:

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾

''اور مومن عورتوں سے کہیے کہ اپنی آنکھیں جھکا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں، سوائے اس چیز کے جو (عادتاً) ظاہر ہو جاتا ہے۔''[7]

① النسآء 4:34 اس لیے کہ اللہ کی توفیق اور مدد ان کے شامل حال ہے ورنہ ان کے لیے ان حقوق کی حفاظت کرنا ممکن نہ تھا۔ (ع،ر)
② صحيح البخاري، النكاح، باب: المرأة راعية في بيت زوجها، حديث: 5200، وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل.....، حديث: 1829. ③ [صحيح] جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، حديث: 1163، وصحيح الترغيب والترهيب للألباني، حديث: 1930، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حديث: 1851. ④ الأحزاب 33:33. ⑤ الأحزاب 33:32. ⑥ النسآء 4:148. ⑦ النور 24:31.

فرمانِ نبوی ہے: «خَيْرُ النِّسَاءِ الَّتِي إِذَا نَظَرْتَ إِلَيْهَا سَرَّتْكَ، وَ إِذَا أَمَرْتَهَا أَطَاعَتْكَ، وَ إِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْكَ فِي نَفْسِهَا وَ مَالِكَ»

''بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے تو تجھے خوش کرے، جب تو اسے حکم کرے تو تیری اطاعت کرے اور جب تو اس سے غائب ہو تو اپنے نفس اور تیرے مال کی حفاظت کرے۔''[1] نیز فرمایا:

«لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ، وَ إِذَا اسْتَأْذَنَتْ أَحَدَكُمُ امْرَأَتُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا»

''اللہ کی بندیوں کو مساجد سے نہ روکو اگر کسی کی عورت اس سے مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے منع نہ کرے۔''[2] مزید فرمایا: «اِئْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ»

''عورتوں کو رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو۔''[3]

قرابت داروں کے حقوق قریبی رشتہ داروں کے ساتھ مسلمان کا وہی برتاؤ ہوتا ہے جو والدین، اولاد اور بھائیوں کے ساتھ ہوتا ہے، وہ خالہ کو ماں کی طرح سمجھتا ہے۔ چچا کو باپ کی حیثیت دیتا ہے جس طرح والدین کے ساتھ نباہ کرتا ہے، ماموں اور چچا کے لیے اطاعت شعاری وفرماں برداری کے بھی وہی جذبات رکھتا ہے، غرضیکہ جس کے ساتھ بھی اس کی کسی درجہ کی قرابت داری ہے، چاہے وہ مومن ہے یا کافر، ان کے ساتھ تعلقات جوڑتا اور ان کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اور اسے اولاد اور والدین کے حقوق و آداب کی طرح لازم اور ضروری گردانتا ہے۔ بڑے کی عزت کرتا اور چھوٹے پر رحم کھاتا ہے، بیماروں کی بیمار پرسی کرتا ہے اور مصیبت زدہ کی ہمدردی وغم خواری۔ کوئی حادثہ سے دوچار ہو جائے تو تعزیت وتسلی کے لیے جاتا ہے۔ وہ اس سے قطع تعلق کرتے رہیں تو یہ تعلقات جوڑتا رہتا ہے، ان کے لیے نرم پہلو رکھتا ہے، چاہے اس پر ظلم وستم اور سختی کریں اور یہ سب کچھ اس جذبہ کے تحت کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا یہی حکم ہے۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾

''اور اللہ سے ڈرو جس کا نام لے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں کا خیال رکھو۔''[4]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾

① [صحیح] مسند أبي داود الطيالسي: 86/4، حديث: 2444، اس کی سند ابومعشر کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن سنن النسائي، النكاح، باب كراهية تزويج الزناة، حديث: 3233 میں ہے، جو حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا: کون سی عورت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: «اَلَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ» اسے امام حاکم، ذہبی اور عراقی نے صحیح کہا ہے۔ ابن عجلان کی تصریح سماع کے لیے دیکھیے: السنن الكبرى للنسائي: 310/5، حديث: 8961. ② صحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد......، حديث: 442. ③ صحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد......، حديث: 442. اس سے معلوم ہوا کہ مساجد میں خواتین کے لیے پردہ وحفاظت کا معقول انتظام ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔ (ع، ر) ④ النسآء 4:1.

''اور رشتے دار آپس میں کتاب اللہ کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔''[1]

فرمانِ عالی ہے: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝﴾

''تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور اپنے رشتے ناتے توڑ ڈالو۔''[2]

ارشادِ عالی ہے: ﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''پس قرابت دار، مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو۔ یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔''[3]

ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾

''بے شک اللہ انصاف کا، احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔''[4] حکم ربانی ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قرابت دار ہمسائے، اجنبی ہمسائے، پہلو کے ساتھی، مسافر اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔''[5] اللہ نے فرمایا:

﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝﴾

''اور تقسیم (وراثت) کے وقت اگر (غیر وارث) قرابت دار، یتیم اور مساکین آ جائیں تو انھیں بھی اس میں سے کچھ دے دیا کرو اور انھیں اچھی بات کہو۔''[6]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: «أَنَا الرَّحْمٰنُ، وَ هِيَ الرَّحِمُ شَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِنِ اسْمِي، مَنْ وَّصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَ مَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ»

''میں رحمٰن (بہت رحم کرنے والا) ہوں۔ میں نے رحم (بمعنی رشتہ کے لفظ) کو اپنے نام سے مشتق کیا (نکالا) ہے۔ جو اسے (رشتے داری کو) جوڑے گا، میں اسے (اپنی رحمت سے) جوڑوں گا اور جو اسے توڑے گا میں اسے توڑوں گا۔''[7]

ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں کس کے ساتھ حسنِ سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا:

[1] الأنفال 8:75. [2] محمد 47:22. [3] الروم 30:38. [4] النحل 16:90. [5] النساء 4:36. [6] النساء 4:8. [7] [صحیح] سنن أبي داود، الزكاة، باب في صلة الرحم، حديث: 1694، اسے امام ترمذی نے (حدیث: 1907) صحیح کہا ہے۔ اس روایت کی بے شمار سندیں ہیں دیکھیے: مسند الحميدي، حديث: 65 بتحقيقي.

«أُمَّكَ قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمَّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمَّكَ قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أَبَاكَ، ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ»

''اپنی ماں کے ساتھ، عرض کی: پھر کس کے ساتھ، فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، عرض کیا: پھر کس سے، فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، عرض کیا: پھر کس سے، فرمایا: اپنے باپ کے ساتھ، پھر قریب ترین اور پھر قریب تر رشتے دار کے ساتھ (اچھا سلوک کرو۔)''[1]

رسول اللہ ﷺ سے ایسے اعمال کا سوال ہوا جو بہشت میں داخل کر دیں اور جہنم سے دور کر دیں۔

تو آپ نے فرمایا: «تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَ تُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَ تُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَ تَصِلُ الرَّحِمَ»

''اللہ کی عبادت کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا، نماز قائم کر، زکاۃ دے اور صلہ رحمی کر۔''[2]

خالہ کے بارے میں فرمایا: «اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ» ''خالہ ماں کے درجے میں ہے۔''[3]

اور ایک جگہ فرمایا: «اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَ هِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَّ صِلَةٌ»

''مسکین کو خیرات دینا (صرف) صدقہ ہے اور رشتہ دار کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔''[4]

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کا سوال کیا، جو کہ مشرکہ تھی اور مکہ سے انھیں ملنے آئی تھی تو آپ نے جواب میں فرمایا: «نَعَمْ، صِلِي أُمَّكِ» ''ہاں، اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر۔''[5]

پڑوسیوں کے حقوق ہمسایہ کے حقوق و آداب میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان کی ادائیگی میں پوری کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ ﴾

''اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مساکین اور قرابت دار ہمسایہ اور غیر قرابت دار ہمسایہ (سب کے حقوق و آداب کی ادائیگی کرو۔)''[6]

(1) [صحيح] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في برالوالدين، حديث: 1897 وقال: حسن وأصله متفق عليه. (2) صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبيﷺ ......، حديث: 50، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان الذي يدخل به الجنة، حديث: 13 واللفظ له. (3) صحيح البخاري، الصلح، باب كيف يكتب هذا ماصالح فلان بن فلان......، حديث: 2699 «بلفظ: اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ» جبکہ صحیح مسلم، الزكاة، باب في تقديم الزكاة ومنعها، حديث: 983 میں چچا کو والد کی مثل قرار دیا ہے۔ اس سے ان رشتوں کی اہمیت و احترام کا پتہ چلتا ہے۔ (ع،ر) (4) جامع الترمذي، الزكاة، باب ماجاء في الصدقة......، حديث: 658. (5) صحيح البخاري، الهبة وفضلها......، باب الهدية للمشركين، حديث: 2620، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين......، حديث: 1003. (6) النسآء 4:36.

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالی ہے: «مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ» ''جبریل (علیہ السلام) ہمسایہ کے بارے میں مجھے برابر وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ اسے وارث ہی بنا دیں گے۔''[1] اور فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ» ''جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ ہمسایہ کی عزت وتکریم کرے۔''[2]

ہمسایوں کے حقوق کا کچھ خاکہ مندرجہ ذیل ہے:

① زبان اور فعل سے ہمسایہ کو ایذا نہ دے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ»

''جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسایہ کو ایذا نہ دے۔''[3]

اور فرمایا: «وَاللّٰهِ! لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ! لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ! لَا يُؤْمِنُ» قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «اَلَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ»

''اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے۔'' پوچھا گیا: کون اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: ''جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں۔''[4]

ایک عورت کے بارے میں آپ کو بتایا گیا کہ وہ (نفلی) روزے رکھتی ہے اور رات کا قیام کرتی ہے مگر ہمسایوں کو ایذا دیتی ہے تو آپ نے فرمایا: «هِيَ فِي النَّارِ» ''یہ عورت جہنم میں جائے گی۔''[5]

② ہمسایہ کے ساتھ اس طرح احسان کرو کہ وہ مدد مانگے تو اس کی امداد کرو، بیمار ہو جائے تو بیمار پرسی کرو، خوشی میں ہو تو مبارکباد دو، مصیبت زدہ ہو جائے تو تسلی دلاؤ، ضرورت مند ہے تو اس کی مالی امداد کرو، اسے سلام میں پہل کرو، بات نرمی سے کرو، اس کی اولاد کے ساتھ گفتگو میں نرمی اختیار کرو، اس کے دین و دنیا کی درستی میں اس کی رہنمائی کرو، ہر انداز میں اس کا خیال اور لحاظ رکھو، اس کے مال کی حفاظت کرو اور اس کی لغزشوں سے درگزر کرو، اس کے عیوب کی تلاش میں نہ رہو، کسی تعمیر یا گزرگاہ میں اس کی تنگی کا باعث نہ بنو، پرنالہ اس کی طرف ڈال کر اسے تنگ نہ کرو، اسی طرح

① صحيح البخاري، الأدب، باب الوصاءة بالجار، حديث: 6014، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب الوصية بالجار……، حديث: 2624. ② صحيح البخاري، الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر……، حديث: 6019، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الحث على إكرام الجار……، حديث: 47. ③ صحيح البخاري، الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر……، حديث: 6018، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الحث على إكرام الجار……، حديث: 47. ④ صحيح البخاري، الأدب، باب إثم من لا يأمن جاره بوائقه، حديث: 6016 ⑤ [صحيح] مسند أحمد: 440/2، والمستدرك للحاكم: 166/4، حديث: 7305,7304. اسے امام حاکم، ذہبی اور ابن حبان (موارد: 205) نے صحیح کہا ہے۔

کوڑا کرکٹ پھینک کر اسے ایذا نہ دو۔ یہ سب باتیں ہمسایہ کے ساتھ احسان اور حسنِ سلوک کے ذیل میں آتی ہیں، جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم فرمایا ہے:

﴿ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ ﴾ ''قرابت دار ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ کے ساتھ (احسان کرو۔)''[1]

اور نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَىٰ جَارِهِ»

''جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسایہ کے ساتھ احسان کرے۔''[2]

③ ہمسایہ کے پاس اچھے تحفے بھیج کر اس کی عزت وتکریم کرے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ! لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِّجَارَتِهَا وَ لَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ»

''اے مسلمان عورتو! تم اپنی ہمسائی (کو دینے) کے لیے کوئی چیز معمولی نہ سمجھو، چاہے بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔''[3]

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: «يَا أَبَا ذَرٍّ! إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَ هَا وَ تَعَاهَدْ جِيرَانَكَ»

''اے ابوذر! جب شوربہ پکاؤ تو پانی زیادہ ڈال لو اور ہمسایوں کا خیال رکھو۔''[4]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ میرے دو ہمسائے ہیں کس کو تحفہ میں چیز بھیجوں؟ فرمایا:

«إِلَىٰ أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا» ''جس کا دروازہ تیرے زیادہ قریب ہے۔''[5]

④ ہمسایہ کا احترام واکرام اس طرح کرے کہ اپنی دیوار پر شہتیر رکھنے سے اسے نہ روکے، اور اس کے قریب والی جگہ کو فروخت کرنے یا کرایہ پر دینے میں اسے ترجیح دے یا پہلے اسے بتائے اور اس سے مشورہ طلب کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «لَا يَمْنَعْ أَحَدُكُمْ جَارَهُ أَنْ يَّغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ»

''تم میں سے کوئی اپنے ہمسایہ کو اپنی دیوار پر شہتیر رکھنے سے نہ روکے۔''[6]

نیز فرمایا: «مَنْ كَانَ لَهُ جَارٌ فِي حَائِطٍ أَوْ شَرِيكٌ فَلَا يَبِعْهُ حَتَّىٰ يَعْرِضَهُ عَلَيْهِ»

''جس کے باغ میں اس کا پڑوسی یا (کوئی اور) شریک ہو تو وہ اسے فروخت کرنے سے پہلے اس (پڑوسی یا شریک) پر پیش کرے۔''[7]

① النسآء 4:36. ② صحیح مسلم، الإیمان، باب الحث علی إکرام الجار……، حدیث: 48. ③ صحیح البخاري، الهبة وفضلها……، باب فضل الهبة، حدیث: 2566. ④ صحیح مسلم، البر والصلة، باب الوصیة بالجار والإحسان إلیه، حدیث: 2625. ⑤ صحیح البخاري، الشفعة، باب: أي الجوار أقرب؟ حدیث: 2259. ⑥ صحیح البخاري، المظالم، باب لایمنع جار جاره أن یغرز خشبة في جداره، حدیث: 2463، وصحیح مسلم، المساقاة، باب غرز الخشبة في جدار الجار، حدیث: 1609 واللفظ له. ⑦ [صحیح] المستدرك للحاکم: 2/56، ومکارم الأخلاق للخرائطي، حدیث: 245، وجامع الترمذي، البیوع، باب ماجاء في أرض المشترك یرید بعضهم بیع نصیبه، حدیث: 1312 وقال: هٰذا حدیث إسناده لیس بمتصل، اس کی سند قوی ہے۔ کیونکہ صحیفہ سے روایت کرنا کوئی مؤثر جرح نہیں ہے۔ اسے امام ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

فائدہ کی دو باتیں اول: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَمِعْتَ جِيرَانَكَ يَقُولُونَ: قَدْ أَحْسَنْتَ فَقَدْ أَحْسَنْتَ، وَ إِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُولُونَ: قَدْ أَسَأْتَ فَقَدْ أَسَأْتَ»

''جب تو اپنے ہمسایوں سے یہ سنے کہ تو نے اچھا کیا ہے تو یقیناً تو نے اچھا کیا ہے اور جب تو انھیں یہ کہتے ہوئے سنے کہ تو نے برا کیا ہے تو واقعی تو نے برا کیا ہے۔''(1)

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان اپنے بارے میں فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ اچھائی کر رہا ہے یا برائی۔

دوم: اگر کسی شخص کو برے ہمسائے کے ساتھ پالا پڑ جائے تو وہ صبر کرے، اس کا صبر کرنا اس سے خلاصی کا باعث بنے گا۔ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اپنے ہمسائے کی شکایت کی تو آپ نے اسے حکم دیا:

«اِذْهَبْ فَاصْبِرْ»، فَأَتَاهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَقَالَ: «اِذْهَبْ فَاطْرَحْ مَتَاعَكَ فِي الطَّرِيقِ»، فَطَرَحَ مَتَاعَهُ فِي الطَّرِيقِ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَسْأَلُونَهُ فَيُخْبِرُهُمْ خَبَرَهُ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَلْعَنُونَهُ، فَعَلَ اللّٰهُ بِهِ وَ فَعَلَ وَ فَعَلَ، فَجَاءَ إِلَيْهِ جَارُهُ فَقَالَ لَهُ: اِرْجِعْ لَا تَرٰى مِنِّي شَيْئًا تَكْرَهُهُ»

''جاؤ اور صبر کرو۔'' وہ پھر آپ کے پاس دو یا تین بار آیا تو آپ نے فرمایا: ''جا اپنا سامان راستے پر ڈال دے۔'' چنانچہ اس نے اپنا مال متاع راستے پر ڈال دیا۔ لوگ اس سے پوچھنے لگے (کہ کیا ہوا؟) تو اس نے انھیں اپنے ہمسائے کا سلوک بتایا۔ تو لوگ اسے لعنت ملامت کرنے لگے۔ اللہ اس کے ساتھ ایسے کرے اور ایسے کرے۔ تو وہ ہمسایہ اس کے پاس آیا اور اس سے بولا: اپنے گھر میں واپس چلے جاؤ۔ (آئندہ) میری طرف سے کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں دیکھو گے۔''(2)

مسلمانوں کے حقوق ہر مسلمان تسلیم کرتا ہے کہ مجھ پر دوسرے مسلمان بھائیوں کے کچھ حقوق و آداب واجب ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ دراصل ان حقوق کی ادائیگی اللہ کی عبادت ہے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے، اس لیے کہ یہ حقوق و آداب حق تعالیٰ نے ہر مسلمان پر واجب کیے ہیں تاکہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے انھیں انجام دے تو یہ بلاشبہ اللہ ہی کی اطاعت و فرماں برداری ہے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

ان آداب میں درج ذیل امور بھی شامل ہیں:

(1) جب ملے تو گفتگو سے پہلے سلام کہے اور مصافحہ کرے، سلام کے الفاظ یہ ہیں:

(1) [صحيح] مسند أحمد: 402/1، وسنن ابن ماجه، الزهد، باب الثناء الحسن، حديث: 4223، اسے ابن حبان اور بوصیری نے صحیح کہا ہے۔ (2) [صحيح] سنن أبي داود، الأدب، باب في حق الجوار، حديث: 5153، اسے امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ» ''تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔''[1] اور جوابی الفاظ یہ ہیں:
«وَ عَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ» ''اور تم پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت و برکات ہوں۔''[2]
یہ درج ذیل ارشادِ باری کی بنا پر ہے: ﴿ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ﴾
''اور جب تمھیں سلام کہا جائے تو اس سے بہتر جواب دو یا اسی کو لوٹاؤ۔''[3]
اور نبی ﷺ نے فرمایا: «يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي، وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ»
''سوار پیدل چلنے والے کو سلام کہے، چلنے والا بیٹھنے والے کو اور کم تعداد والے بڑی جماعت کو سلام کہیں۔''[4]
ایک سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: «وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ»
''تو پہچاننے والے اور نہ پہچاننے والے سب کو سلام کہے۔''[5]
نیز فرمایا: «مَا مِنْ مُّسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَّتَفَرَّقَا»
''جو بھی دو مسلمان ملتے ہیں اور باہم مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے انھیں معاف کر دیا جاتا ہے۔''[6]
مزید فرمایا: «مَنْ بَدَأَ بِالْكَلَامِ قَبْلَ السَّلَامِ فَلَا تُجِيبُوهُ حَتّٰى يَبْدَأَ بِالسَّلَامِ»
''جو شخص سلام سے پہلے گفتگو شروع کر دے، اسے جواب نہ دو جب تک وہ سلام نہ کرے۔''[7]

(2) ایک دوسرے کے حقوق و آداب میں یہ بھی ہے کہ چھینک مارنے والا «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» ''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں'' کہے تو دوسرا «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» ''اللہ تجھ پر رحم کرے'' کہہ کر اسے جواب دے اور چھینک مارنے والا کہے: «يَغْفِرُ اللّٰهُ لِي وَلَكَ» ''اللہ مجھے اور تجھے معاف کرے'' یا «يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ» ''اللہ تمھیں ہدایت دے اور تمھارے حالات سنوارے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلْيَقُلْ لَّهُ أَخُوهُ أَوْ صَاحِبُهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَإِذَا قَالَ لَهُ:

(1) سنن أبي داود، الأدب، باب كيف السلام، حديث: 5195، وجامع الترمذي، الاستئذان، باب ماذكر في فضل السلام، حديث: 2689. (2) سنن أبي داود، الأدب، باب كيف السلام، حديث: 5195، وجامع الترمذي، الاستئذان، باب ماذكر في فضل السلام، حديث: 2689. (3) النسآء 4:86. (4) صحيح البخاري، الاستئذان، باب يسلم الراكب على الماشي، حديث: 6232، وصحيح مسلم، السلام، باب يسلم الراكب على الماشي والقليل على الكثير، حديث: 2160. (5) صحيح البخاري، الاستئذان، باب السلام للمعرفة وغير المعرفة، حديث: 6236، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام، حديث: 39. (6) [ضعيف] سنن أبي داود، الأدب، باب في المصافحة، حديث: 5212، وسنن ابن ماجه، الأدب، باب المصافحة، حديث: 3703، وجامع الترمذي، الاستئذان، باب ماجاء في المصافحة، حديث: 2727 وقال: حسن غريب، اس کی سند ابو اسحاق کے عنعنہ اور اجلح کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن شیخ البانی فرماتے ہیں یہ حدیث تعدد طرق اور شاہد کی وجہ سے کم از کم حسن ہے، الصحيحة: 2/56. (7) [حسن] عمل اليوم والليلة لابن السني، ص: 110، وإحياء علوم الدين: 2/48.

يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَلْيَقُلْ: يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ»

''جب تم میں سے کوئی شخص چھینک مارے تو «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کہے، پھر چاہیے کہ اس کا بھائی یا اس کا ساتھی اسے «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہے اور (پہلا) اسے جواب دے: «يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ»''[1]

ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چھینک کے وقت اپنا ہاتھ یا کپڑا منہ پر رکھ لیتے تھے اور اس طریقے سے آواز پست کرتے۔[2]

③ اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کرے اور شفا کی دعا مانگے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَ عِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَ إِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَ تَشْمِيتُ الْعَاطِسِ»

''مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے پیچھے جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینک مارنے والے (کی چھینک) کا جواب دینا۔''[3]

براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں: «أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، وَ تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَ إِبْرَارِ الْمُقْسِمِ، وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ، وَ إِجَابَةِ الدَّاعِي، وَ إِفْشَاءِ السَّلَامِ»

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بیمار کی بیمار پرسی کرنے، جنازے کے ساتھ جانے، چھینک کا جواب دینے، قسم ڈالنے والے کی قسم پوری کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنے اور سلام کو عام کرنے کا حکم دیا ہے۔''[4]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «أَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ، وَ فُكُّوا الْعَانِيَ۔ الْأَسِيرَ۔»

''بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ بیمار کی بیمار پرسی کرو اور قیدیوں کو آزاد کرو (اور کراؤ۔)''[5]

امی عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اہل میں سے کسی کی بیمار پرسی کرتے تو اپنا دایاں ہاتھ اس پر پھیرتے اور فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ! رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ الْبَأْسَ، اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا»

① صحيح البخاري، الأدب، باب إذا عطس كيف يشمت،حديث:6224، ومسند أحمد: 8/6. ② [صحيح] سنن أبي داود، الأدب، باب في العطاس، حديث: 5029، اسے امام ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ ③ صحيح البخاري، الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حديث: 1240، وصحيح مسلم، السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، حديث: 2162.
④ صحيح البخاري، الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حديث: 1239، والاستئذان، باب إفشاء السلام، حديث: 6235.
⑤ صحيح البخاري، المرضى، باب وجوب عيادة المريض، حديث: 5649.

’’اے اللہ! انسانوں کے رب! بیماری دور کر، شفا دے تو شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کسی کی شفا نہیں ہے۔ ایسی شفا دے جو بیماری کے اثرات کو باقی نہ چھوڑے۔‘‘[1]

④ جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَ إِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ»

’’مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی بیمار پرسی کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔‘‘[2]

⑤ اگر کسی معاملہ میں قسم ڈال دے تو اس کی قسم پوری کرے، بشرطیکہ اس میں کوئی ناجائز بات نہ ہو، یعنی وہ کام کر دے جس پر اس نے قسم ڈالی ہے تاکہ وہ اپنی قسم پوری کر سکے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، وَ تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَ إِبْرَارِ الْمُقْسِمِ، وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ، وَ إِجَابَةِ الدَّاعِي، وَ إِفْشَاءِ السَّلَامِ»

’’ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ بیمار کی بیمار پرسی کریں، جنازے کے ساتھ جائیں، چھینک کا جواب دیں، قسم ڈالنے والے کی قسم پوری کریں، مظلوم کی مدد کریں، دعوت دینے والے کی دعوت قبول کریں اور سلام کو عام کریں۔‘‘[3]

⑥ اگر کسی معاملہ میں وہ خیر خواہی اور مشورہ طلب کرے یا کسی بات کی صحت و درستی دریافت کرے تو اس کے لیے اچھائی مدنظر رکھے اور اس کی خیر خواہی کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ»

’’جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے خیر خواہی کا طلب گار ہو تو وہ اس کی خیر خواہی کرے۔‘‘[4]

نیز فرمایا: «اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَ لِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَ عَامَّتِهِمْ»

’’دین خیر خواہی (کا نام) ہے۔‘‘ صحابۂ کرام نے عرض کی: کس کے لیے؟ فرمایا: ’’اللہ، اس کی کتاب، اس کے

① صحيح البخاري، الطب، باب رقية النبي ﷺ، حديث: 5743، وصحيح مسلم، السلام، باب استحباب رقية المريض، حديث:2191 واللفظ مركب. ② صحيح البخاري، الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حديث:1240، وصحيح مسلم، السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، حديث: 2162. ③ صحيح البخاري، الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حديث: 1239، والاستئذان، باب إفشاء السلام، حديث: 6235. ④ صحيح البخاري، البيوع، باب هل يبيع حاضر لباد، قبل الحديث : 2157، وصحيح مسلم، السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، حديث : 2162 میں اس کا ایک شاہد موجود ہے جبکہ اس کی اسانید تغلیق التعلیق : 253/3 میں دیکھیے۔

رسول (ﷺ)، سربراہانِ اہلِ اسلام اور عام مسلمانوں کے لیے۔‘‘ [1]

مزید فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

’’تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا حتی کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔‘‘ [2]

نیز ارشاد فرمایا: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى»

’’آپس میں محبت، ایک دوسرے پر رحم اور مہربانی میں سب ایمان دار ایک جسم کے مانند ہیں، اگر جسم کا ایک حصہ تکلیف میں ہو تو اس کی وجہ سے سارا جسم بیداری اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔‘‘ [3]

ایک اور فرمان ہے: «اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»

’’ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس عمارت کی طرح ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔‘‘ [4]

(7) اگر کسی جگہ اس کی مدد اور تائید کی ضرورت ہو تو اس کی مدد کرنے میں دریغ نہ کرے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا» ’’اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہے یا مظلوم۔‘‘ [5]

آپ سے سوال ہوا کہ ظالم کی مدد کیسے؟ فرمایا: «تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ»

’’اس کے ہاتھوں کو پکڑ (اور ظلم کرنے سے باز رکھ، یہی تیری اس کے لیے مدد ہے۔)‘‘ [6]

نیز فرمایا: «اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَ لَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ»

’’مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے رسوا کرتا ہے اور نہ ہی اس کی تحقیر کرتا ہے۔‘‘ [7]

مزید فرمایا: «مَا مِنِ امْرِئٍ يَخْذُلُ امْرَءًا مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ يُنْتَهَكُ فِيهِ حُرْمَتُهُ وَ يُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ إِلَّا خَذَلَهُ اللّٰهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ، وَ مَا مِنِ امْرِئٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب قول النبيﷺ: «الدين النصيحة»، قبل الحديث: 57، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، حديث: 55. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه، حديث: 13، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم مايحب لنفسه، حديث: 45. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6011، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، حديث: 2586 واللفظ له. [4] صحيح البخاري، المظالم، باب نصر المظلوم، حديث: 2446، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم و تعاضدهم، حديث: 2585. [5] صحيح البخاري، المظالم، باب أعن أخاك ظالمًا أو مظلومًا، حديث: 2444. [6] صحيح البخاري، المظالم، باب أعن أخاك ظالمًا أو مظلومًا، حديث: 2444، والإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه أنه أخوه......، حديث: 6952. [7] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم، حديث: 2564.

يُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ وَ يُنْتَهَكُ فِيهِ مِنْ حُرْمَتِهِ إِلَّا نَصَرَهُ اللّٰهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ نُصْرَتَهُ»

''جس نے کسی مسلمان کو کہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جہاں وہ بے عزت کیا جا رہا تھا تو اللہ اسے ایسی جگہ بے یار و مددگار چھوڑے گا جہاں وہ چاہے گا کہ (کاش) اس کی مدد کی جائے۔ اور جس نے کسی مسلمان کی مدد کی (اور اس کا دفاع کیا) جہاں اسے بے عزت اور ذلیل کیا جا رہا تھا تو اللہ اس کی ایسی جگہ سے مدد فرمائے گا جہاں وہ چاہے گا کہ اس کی مدد کی جائے۔''[1]

فرمانِ نبوی ہے: «مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَّجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے جہنم کی آگ ہٹا دیں گے۔''[2]

(8) کوئی مسلمان اپنے بھائی کو برائی اور تکلیف نہ پہنچائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَ مَالُهُ وَعِرْضُهُ»

''ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون (بہانا)، مال (کا نقصان کرنا) اور عزت (پامال کرنا) حرام ہے۔''[3]

نیز فرمایا: «لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُّرَوِّعَ مُسْلِمًا»

''کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کرے۔''[4]

مزید فرمایا: «لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُّشِيرَ إِلٰى أَخِيهِ بِنَظْرَةٍ تُؤْذِيهِ»

''کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی طرف تکلیف دہ نظر سے دیکھے۔''[5]

اور ارشادِ نبوی ہے: «إِنَّ اللّٰهَ يَكْرَهُ أَذَى الْمُؤْمِنِينَ»

''بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ایذا دینا ناپسند کرتا ہے۔''[6]

ایک جگہ رسولِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهِ وَ يَدِهِ»

(1) [ضعيف] سنن أبي داود، الأدب، باب الرجل يذب عن عرض أخيه، حديث: 4884، اسے امام احمد نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں اسماعیل بن بشیر اور اس کا شاگرد دونوں مجہول ہیں جبکہ شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ (2) [حسن] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الذب عن عرض المسلم، حديث: 1931، امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ (3) صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم……، حديث: 2564. (4) [حسن] سنن أبي داود، الأدب، باب من يأخذ الشيء على المزاح، حديث: 5004، امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ طبرانی میں اس کا ایک شاہد ہے جس کے رجال ثقہ ہیں۔ (5) [ضعيف] كتاب الزهد لابن المبارك، ص: 219، حديث: 689، امام عراقی نے تخريج إحياء علوم الدين (195/2) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (6) [ضعيف] كتاب الزهد لابن المبارك، ص: 220، حديث: 692، اس کی سند مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''[1]

فرمانِ نبوی ہے: «اَلْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ»

''مومن وہ ہے جس پر لوگ اپنے خون اور مالوں کے سلسلے میں اعتماد اور بھروسا کریں۔''[2]

(9) اس کے لیے نرمی اور تواضع سے کام لے، تکبر وغرور سے احتراز کرے اور اسے اس کی جائز جگہ سے اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ ﴾

''اور (ازراہِ تکبر) لوگوں سے اپنی گال نہ پھلا اور زمین پر اترا کر نہ چل، یقیناً اللہ تعالیٰ اترانے والے خود پسند سے محبت نہیں کرتا۔''[3]

فرمانِ نبوی ہے: «إِنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ»

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ ایسی تواضع کرو کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔''[4]

آپ نے فرمایا: «مَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ»

''جو اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے تواضع اور عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رفعت اور بلندی عطا کرتا ہے۔''[5]

آپ سید المرسلین ہونے کے باوجود بھی تواضع پسند تھے، بیوگان اور مساکین کے ساتھ چلنے اور ان کے کام کرنے کے معاملہ میں تکبر اور غرور نہیں کرتے تھے۔

آپ کا فرمان ہے: «اَللّٰهُمَّ! أَحْيِنِي مِسْكِينًا، وَ أَمِتْنِي مِسْكِينًا، وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ»

''اے اللہ! مجھے مسکین ہی زندہ رکھ، مسکین بنا کر ہی موت دینا اور مساکین کے زمرہ میں مجھے اٹھانا۔''[6]

(1) صحيح البخاري، الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، حديث: 10، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام……، حديث: 41. (2) [صحيح] جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في أن المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده، حديث: 2627 وقال: هذاحديث حسن صحيح. اسے امام حاکم اور ذہبی نے امام مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (3) لقمٰن 18:31. (4) صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث: 2865. (5) صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حديث: 2588. (6) [ضعيف] سنن ابن ماجه، الزهد، باب مجالسة الفقراء، حديث: 4126، اس کی سند ابوالمبارک اور یزید بن سنان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مستدرک حاکم (322/4) میں اس کا ایک شاہد ہے جس کی سند خالد بن یزید بن ابی مالک عن ابیہ کی وجہ سے ضعیف ہے اس کے دیگر شواہد بھی ضعیف ہیں، لہٰذا یہ روایت غیر ثابت ہے۔

اور فرمایا: «لَا يُقِيمَنَّ أَحَدُكُمُ الرَّجُلَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ۔ وَ لٰكِنْ تَفَسَّحُوا وَ تَوَسَّعُوا»
''تم میں سے کوئی دوسرے کو اس کی جگہ سے مت اٹھائے کہ پھر خود اس جگہ بیٹھے، البتہ کشادگی اختیار کرو اور مجالس میں وسعت پیدا کرو۔''[1]

[10] کسی مسلمان بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ گفتگو منقطع نہ رکھے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَ يُعْرِضُ هٰذَا، وَ خَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ»
''کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین رات (اور دن) سے زیادہ چھوڑے رہے کہ جب وہ ملیں تو ایک دوسرے سے منہ پھیر لیں اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کہے۔''[2]

فرمانِ نبوی ہے: «لَا تَدَابَرُوا، وَ كُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا»
''ایک دوسرے سے اعراض نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔''[3]

[11] اس کی غیبت کرے نہ ہی اسے حقیر جانے، عیب جوئی کرے نہ ہی مذاق اڑائے، برے القاب سے پکارے اور نہ ہی فساد کرانے کے لیے چغل خوری کرے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ﴾

''اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے اجتناب کرو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تم اسے (یقیناً) برا سمجھو گے۔''[4] ارشادِ عالی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ﴾

''اے ایمان والو! کوئی قوم کسی دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا کہ وہ اس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب: ﴿ إِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا ﴾، حديث: 6270، وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم إقامة الإنسان من موضعه المباح ......، حديث: 2177 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب الهجرة، حديث: 6077، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاثة أيام......، حديث: 2560 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب الهجرة، حديث: 6076، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظن......، حديث: 2563. [4] الحجرات 49:12.

دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو، ایمان کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟» ''کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ تو آپ نے فرمایا:

«ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ» ''تیرا، اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے وہ پسند نہ کرتا ہو۔''

ایک سائل نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اگر میرے بھائی میں وہ بات ہو جو میں کہتا ہوں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَ إِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهَتَّهُ»

''اگر اس میں وہ بات ہے جو تو کہتا ہے تو تُو نے اس کی غیبت کی ہے اور اگر اس میں وہ بات نہیں (جو تو کہتا ہے) تو تُو نے اس پر بہتان باندھا ہے۔''[2]

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَ أَمْوَالَكُمْ وَ أَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ»

''بے شک تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں تم پر (ایک دوسرے پر) حرام ہیں۔''[3]

اور فرمایا: «كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَ مَالُهُ وَ عِرْضُهُ»

''ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''[4]

نیز فرمایا: «بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ»

''ایک انسان کے لیے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔''[5]

مزید فرمایا: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ» ''چغل خور بہشت میں داخل نہیں ہوگا۔''[6]

(12) ناحق کسی مسلمان کو گالی نہ دے، چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ» ''مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔''[7]

[1] الحجرات 49:11. [2] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الغيبة، حديث: 2589. [3] صحيح البخاري، العلم، باب قول النبي ﷺ: «رُبَّ مبلغ أوعى من سامع»، حديث: 67، وصحيح مسلم، القسامة، باب تغليظ تحريم الدماء……، حديث: 1679 واللفظ له. [4] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم……، حديث: 2564. [5] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم……، حديث: 2564. [6] صحيح البخاري، الأدب، باب مايكره من النميمة، حديث: 6056، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم النميمة، حديث: 105. [7] صحيح البخاري، الأدب، باب ماينهى من السباب واللعن، حديث: 6044، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ: «سباب المسلم فسوق……»، حديث: 64.

فرمانِ نبوی ہے:

«لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ، وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ»

''جو شخص کسی کو گناہ یا کفر کا الزام دیتا ہے اگر وہ اس کا مستحق نہ ہو تو وہ (الزام) اسی پر لوٹ آتا ہے۔''[1]

ارشادِ نبوی ہے: «اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا، فَعَلَى الْبَادِیءِ، مَالَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ»

''آپس میں دو گالیاں دینے والے جو کچھ کہیں (ان کا گناہ) ابتدا کرنے والے کے سر پر ہے، جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔''[2]

حدیثِ نبوی ہے: «لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا»

''مُردوں کو گالی نہ دو کیونکہ وہ ان اعمال تک پہنچ چکے ہیں جو انھوں نے آگے بھیجے ہیں۔''[3]

آپ نے فرمایا: «مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ»

''ایک انسان کا اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟'' فرمایا: ''ہاں، ایک شخص دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا اور اسی طرح اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔''[4]

(13) کوئی مسلمان دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرے، اس کے بارے میں برا گمان اور بغض نہ رکھے اور اس کی جاسوسی بھی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا

''اے ایمان والو! زیادہ بدگمانیوں سے بچو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے۔''[5]

ارشادِ باری ہے: لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا

''جب تم نے یہ بات سنی تو مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں حسنِ ظن کیوں نہ رکھا؟''[6]

1 صحيح البخاري، الأدب، باب ماينهى من السباب واللعن، حديث: 6045. 2 صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن السباب، حديث: 2587. 3 صحيح البخاري، الجنائز، باب ماينهى من سب الأموات، حديث: 1393. 4 صحيح البخاري، الأدب، باب لايسب الرجل والديه، حديث: 5973، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر و أكبرها، حديث: 90 واللفظ له. 5 الحجرات 12:49. 6 النور 12:24.

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ عالی ہے: «لا تحاسدوا ولا تناجشوا وَ لا تباغضوا ولا تدابروا ولا يبع بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَ كُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا»

''ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو اور (خریدار کو) دھوکا دینے کے لیے قیمت زیادہ نہ لگاؤ اور ایک دوسرے کے ساتھ بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کی بیع پر بیع کرو اور اللہ کے بندو! ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ۔'' [1]

ارشادِ عالی ہے: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ»

''اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ، بے شک بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔'' [2]

﴿14﴾ دوسرے مسلمان کو دھوکا دے نہ اس کی خیانت کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۝

''اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو، ان کے جرم کیے بغیر ایذا دیتے ہیں، وہ جھوٹ اور صریح گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔'' [3]

ارشادِ ربانی ہے: وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۝

اور جو شخص غلطی یا گناہ تو خود کرے، پھر کسی بے گناہ کو اس کا الزام دے، اس نے بہتان اور واضح گناہ کو (اپنے سر پر) اٹھا لیا ہے۔'' [4]

ارشادِ نبوی ہے: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا، وَ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»

''جو ہمارے اوپر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں اور جو ہمیں دھوکا دے، وہ بھی ہم سے نہیں۔'' [5]

ایک شخص لین دین کے معاملات میں اکثر دھوکا کھا جایا کرتا تھا، آپ نے اس سے فرمایا:

«مَنْ بَايَعْتَ فَقُلْ: لَا خِلَابَةَ» ''جس سے تو بیع کرے، اسے کہہ کہ (بیع میں) کوئی دھوکا نہیں ہوگا۔'' [6]

فرمانِ نبوی ہے: «مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَ هُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ»

1 صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم.....، حديث: 2564. 2 صحيح البخاري، الأدب، باب ماينهٰى عن التحاسد والتدابر، حديث: 6064. 3 الأحزاب 33:58. 4 النسآء 4:112. 5 صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: «من غشنا فليس منا»، حديث: 101. 6 صحيح البخاري، البيوع، باب مايكره من الخداع في البيع، حديث: 2117، وصحيح مسلم، البيوع، باب من يخدع في البيع، حديث: 1533 واللفظ له. یعنی اس سے شرط لگا لے کہ اگر مجھ سے دھوکا ہوا تو سودا منسوخ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ (ع،ر)

''جس بندے کو اللہ رعیت دے اور وہ مرتے دن تک ان سے دھوکا کرتا رہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔'' [1]

فرمانِ عالی ہے:«مَنْ خَبَّبَ زَوْجَةَ امْرِيءٍ أَوْ مَمْلُوكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا»

''جو کسی مرد کی بیوی یا اس کے غلام کو خراب کرے (اس کے خلاف بھڑکائے) تو وہ ہم سے نہیں۔'' [2]

(15) وعدہ خلافی کرے نہ خیانت ہی کرے، کسی سے جھوٹ بولے نہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرے۔

حکم ربانی ہے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

''اے ایمان والو! (اپنے وعدوں، معاہدوں اور) اقراروں کو پورا کرو۔'' [3]

ارشادِ حق تعالیٰ ہے: وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا

''اور جب عہد کریں تو اسے پورا کرنے والے ہیں۔'' [4]

ارشادِ الٰہی ہے: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ○

''اور عہد پورا کرو، یقیناً عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' [5] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَ مَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَ إِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَ إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ»

''چار خامیاں اگر کسی میں پائی جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک خامی ہے تو اس میں نفاق کی ایک نشانی ہے، یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے، (وہ یہ ہیں کہ) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹ بولے، عہد کرے تو دھوکا کرے اور جب لڑے تو گالی دے۔'' [6]

ایک حدیثِ قدسی میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:«ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطٰى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَ رَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَ رَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَ لَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ»

''قیامت کے دن میں تین اشخاص کا دشمن ہوں گا: ایک وہ شخص جس نے میرے نام کے واسطے سے عہد کیا، پھر دھوکا دیا اور دوسرا وہ جس نے آزاد انسان کو فروخت کیا اور اس کی قیمت کھا گیا اور تیسرا وہ شخص جس نے مزدور

1 صحيح البخاري، الأحكام، باب من استرعى رعيةً فلم ينصح، حديث:7151,7150، وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل......، حديث: 142 بعد الحديث: 1829 واللفظ له. 2 [صحيح] سنن أبي داود، الأدب، باب فيمن خبب مملوكاً على مولاه، حديث: 5170، اسے امام ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 3 المآئدة 1:5. 4 البقرة 177:2. 5 بني إسرآء يل 34:17. 6 صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 34، و صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: 58.

رکھا، پھر اس سے پورا کام لیا مگر اس کی مزدوری ادا نہ کی۔“ [1]

حدیثِ نبوی ہے: «مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَ إِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلٰی مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ»

”غنی آدمی کا (قرض کی ادائیگی میں) ٹال مٹول سے کام لینا ظلم ہے اگر کسی کو دولت والے کے حوالے کیا جائے تو وہ مان لے۔“ [2]

یعنی اگر مقروض، قرض خواہ سے کہے: آج کل میرا ہاتھ ذرا تنگ ہے، اس لیے تم فلاں مالدار آدمی سے اپنی رقم وصول کرلو کیونکہ میں نے اس سے یہ رقم لینی ہے تو قرض خواہ کو یہ بات مان لینی چاہیے۔ واللہ اعلم۔

⑯ اس سے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے، اس کے حق میں مفید چیزیں مہیا کرے۔ ایذا رسانی سے رک جائے، خوش ہو کر ملے، اس کا احسان قبول کرے اور اس کی کوتاہی معاف کرے اور اسے ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو وہ نہ کر سکے، نیز جاہل سے علم کا طلب گار نہ بنے اور عاجز سے خوش گفتاری کا تقاضا نہ کرے۔

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ○

”معافی کا طریقہ اپنا اور اچھائی کا حکم دے اور جاہلوں سے اعراض کر۔“ [3] اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَ أَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَ خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»

”تو جہاں بھی ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈر، برائی ہو جائے تو اس کے پیچھے نیکی بھی کر، وہ برائی کو مٹا دے گی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ برتاؤ کر۔“ [4]

⑰ اگر بڑا ہے تو اس کی عزت وتوقیر کرے اگر چھوٹا ہے تو اس پر رحم کرے۔

فرمانِ نبوی ہے: «مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا»

”جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ [5]

نیز فرمایا: «إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ»

”یہ بات اللہ جل جلالہ کی تعظیم میں سے ہے کہ سفید بالوں والے مسلمان کی عزت کی جائے۔“ [6]

1 صحیح البخاري، الإجارة، باب إثم من منع أجر الأجیر، حدیث: 2270. 2 صحیح البخاري، الحوالات، باب الحوالة......، حدیث: 2287، وصحیح مسلم، المساقاة، باب تحریم مطل الغني......، حدیث: 1564. 3 الأعراف 7:199. 4 [حسن] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في معاشرة الناس، حدیث: 1987 وقال: حسن صحیح، والمستدرك للحاكم: 54/1 وصححه علی شرط الشیخین و وافقه الذهبي. 5 [حسن] سنن أبي داود، الأدب، باب في الرحمة، حدیث: 4943، اسے امام حاکم (62/1) اور ذہبی نے امام مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ 6 [ضعیف] سنن أبي داود، الأدب، باب في تنزیل الناس منازلهم، حدیث: 4843، اس کی سند ابوکنانہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانی کے نزدیک حدیث حسن ہے۔

مزید فرمایا:«كَبِّرْ كَبِّرْ» ''بڑے کو پہلے بات کرنے دے، بڑے کو پہلے بات کرنے دے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ معروف ہے کہ آپ کے پاس برکت کی دعا کے لیے بچے لائے جاتے تھے۔ آپ ان کے نام تجویز فرماتے، انھیں اپنی گود میں بٹھا لیتے۔[2]

اور کبھی کبھی بچہ پیشاب بھی کر دیتا۔ چنانچہ مروی ہے کہ آپ سفر سے آتے تو بچے آپ کی ملاقات کے لیے پہلے پہنچ جاتے۔ آپ رک جاتے اور انھیں اپنے آگے پیچھے سواری پر بٹھا لیتے۔[3]

اور بعض بچوں کو اپنے ساتھیوں کی سواریوں پر سوار کرا دیتے، یہ رسول اللہ ﷺ کی بچوں پر خصوصی مہربانی اور کرم نوازی تھی۔

(18) اپنی طرف سے اس کے لیے انصاف مہیا کرے اور جس انداز میں اپنے ساتھ معاملہ چاہتا ہے، اس کے ساتھ بھی اسی انداز میں رہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

«لَا يَسْتَكْمِلُ عَبْدٌ الْإِيمَانَ حَتّٰى يَكُونَ فِيهِ ثَلَاثُ خِصَالٍ: اَلْإِنْفَاقُ مِنَ الْإِقْتَارِ، وَالْإِنْصَافُ مِنْ نَفْسِهِ، وَ بَذْلُ السَّلَامِ»

''کوئی بندہ اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں تین باتیں نہ پائی جائیں: تنگ دستی میں خرچ کرنا، اپنی ذات سے انصاف کرنا اور سلام پھیلانا۔''[4]

حدیث نبوی ہے:«فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ، وَ يُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَ هُوَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتٰى إِلَيْهِ»

''جو شخص جہنم کی آگ سے دور ہونے اور جنت میں داخل ہونے کو پسند کرتا ہے تو اس کی موت اس حالت میں آنی چاہیے کہ وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو اپنے ساتھ چاہتا ہے۔''[5]

1 الموطأ للإمام مالك، القسامة، باب تبدئة أهل الدم في القسامة، حديث: 1678، وصحيح البخاري، الجزية و الموادعة، باب الموادعة والمصالحة مع المشركين بالمال......، حديث: 3173، وصحيح مسلم، القسامة، باب القسامة، حديث: 1669. 2 صحيح مسلم، الآداب، باب استحباب تحنيك المولود......، حديث: 2146. 3 سنن ابن ماجه، الأدب، باب ركوب ثلاثة على دابة، حديث: 3773. 4 [ضعيف] مكارم الأخلاق للخرائطي، حديث: 329 وفي إسناده انقطاع ومقال كما في تغليق التعليق (40/2) یہ روایت مرفوعاً ضعیف ہے تاہم اس کا مفہوم موقوفاً صحیح ہے (یہ بات نبیٔ اکرم ﷺ سے نہیں بلکہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے) دیکھیے صحيح البخاري، الإيمان، باب إفشاء السلام من الإسلام، قبل الحديث: 28. 5 صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب الوفاء ......، حديث : 1844.

(19) اپنے مسلمان بھائی کی لغزش معاف کرے، اس کے عیب پر پردہ ڈالے اور کوئی ایسی بات سننے کی کوشش نہ کرے، جسے وہ اس سے چھپا رہا ہو۔ ارشادِ سبحانی ہے: فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

''ان کو معاف کر اور درگزر کر۔ بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''[1]

ارشادِ ربانی ہے: فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ

''جسے اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کوئی چیز معاف کر دی جائے تو دستور کے مطابق (مقتول کا وارث اس کے خون بہا کے مطالبے کی) پیروی کرے اور (قاتل بھی) اچھے طریق سے ادائیگی کر دے۔''[2]

فرمانِ الٰہی ہے: فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ

''پس جس شخص نے معاف کیا اور اصلاح کی، اس کا ثواب اللہ پر ہے۔''[3]

ارشادِ عالی ہے: وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ

''اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تمھیں پسند نہیں کہ اللہ تمھیں بخش دے۔''[4]

فرمانِ عالی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

''بے شک جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیل جائے، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔''[5]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا»

''اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی عزت بڑھاتا ہے، جو دوسروں سے درگزر کرتا ہے۔''[6]

نیز فرمایا: «وَتَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَكَ» ''اور (یہ کہ) تو اسے معاف کر دے جس نے تجھ پر ظلم کیا ہے۔''[7]

مزید فرمایا: «لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا إِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جو بندہ دنیا میں کسی دوسرے بندے کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس (کے عیوب) کو ڈھانپ دے گا۔''[8]

اور فرمایا: «يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ! لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ»

1 المآئدة 13:5. 2 البقرة 178:2. 3 الشورٰی 40:42. 4 النور 22:24. 5 النور 19:24. 6 صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حديث: 2588. 7 [ضعيف] المستدرك للحاكم: 518/2، حديث: 3912 وصححه. اس کی سند سلیمان بن داود الیمامی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 8 صحيح مسلم، البر والصلة، باب بشارة من ستر الله تعالى عليه في الدنيا......، حديث: 2590.

''اے وہ جماعت! جو زبان سے اسلام قبول کر چکی ہے اور ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا! تم مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور نہ ان کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑو کیونکہ جو شخص ان کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا کرے گا اور جس کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا اللہ کرے تو اسے اس کے گھر میں ہی رسوا کر دے گا۔''[1] فرمانِ نبوی ہے:

«مَنِ اسْتَمَعَ إِلٰى حَدِيثِ قَوْمٍ وَّهُمْ لَهُ كَارِهُونَ أَوْ يَفِرُّونَ مِنْهُ، صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جو شخص دوسروں کی باتیں سننے کی کوشش کرے جسے وہ ناپسند سمجھتے ہوں یا اس سے (دور) بھاگتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ ڈال دیا جائے گا۔''[2]

20 اگر کسی مسلمان کو اس کی مدد اور تعاون کی ضرورت ہو تو مہیا کرے اور حسبِ استطاعت، ضروریاتِ زندگی پوری کرنے میں اس کی سفارش کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ''اور نیکی وتقویٰ پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔''[3]

ارشادِ الٰہی ہے: مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا

''جو اچھے کام میں سفارش کرے، اسے اس (کے ثواب) سے حصہ ملے گا۔''[4]

آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ نَّفَّسَ عَنْ مُّؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَّسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَّسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَاكَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»

''جو شخص کسی مومن سے دنیا کا کوئی غم ومصیبت دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے غم ومصائب سے ایک مصیبت دور کرے گا اور جو کسی تنگ دست کو آسانی مہیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانی فرمائیں گے اور جو کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرنے میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں لگا رہتا ہے۔''[5]

اور فرمایا: «اِشْفَعُوا تُؤْجَرُوا، وَيَقْضِي اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ مَا شَاءَ»

''سفارش کرو، اجر دیے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعے سے جو چاہے فیصلہ کرتا ہے۔ (مگر تم مجھ سے

1 [حسن] سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، حديث:4880، جامع ترمذی میں اس کا ایک حسن شاہد ہے اور اسے امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ 2 صحيح البخاري، التعبير، باب من كذب في حلمه، حديث:7042. 3 المآئدة 2:5. 4 النسآء 85:4. 5 صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن.....، حديث:2699.

ضرورت مندوں کی سفارش کرکے اس کا اجر تو لے لو۔)'' [1]

(2) جب کوئی اللہ کے نام پر پناہ طلب کرے تو ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ اسے پناہ دے اور اگر اللہ کے نام پر سوال کرے تو اسے دے، احسان کرنے پر اسے بدلہ دے یا اس کے لیے دعا کرے۔آپ کا فرمان ہے:

«مَنِ اسْتَعَاذَكُمْ بِاللّٰهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِاللّٰهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ، وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ فَادْعُوا لَهُ حَتّٰى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ»

''جو شخص تم سے اللہ کے نام پر پناہ طلب کرے، اسے تحفظ دو اور جو اللہ کے نام پر سوال کرے، اسے دو اور جو تمھیں بلائے، اس کی دعوت قبول کرو اور جو تمھارے ساتھ اچھائی کرے، اسے بھرپور بدلہ دو اگر بدلہ دینے کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو اس کے لیے اتنی دعا کرو کہ تم سمجھنے لگو کہ اب تم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔'' [2]

کافروں کے حقوق اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ ''دینِ اسلام'' کے سوا تمام ملل و ادیان باطل اور ان کے ماننے والے کافر ہیں جبکہ ''دینِ اسلام'' برحق اور اس کے ماننے والے مومن اور مسلمان ہیں۔ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ''بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔'' [3] ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرتا ہے، وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان (اٹھانے) والوں میں سے ہوگا۔'' [4]

ارشادِ عالی ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور میں نے تمھارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا ہے۔'' [5]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ان ارشادات کی بنیاد پر مسلمان یقین رکھتا ہے کہ اسلام سے پہلے کے ادیان منسوخ ہو چکے ہیں اور اب بنی نوع انسان کے لیے ضابطۂ حیات صرف ''اسلام'' کے نام سے مقرر ہے، اس کے علاوہ اللہ کسی اور دین کو قبول نہیں کرے گا اور نہ کسی دوسری شریعت پر راضی ہوگا، لہٰذا جو شخص معمولاتِ زندگی اسلام کے مطابق نہیں بناتا وہ کافر ہے۔اس سلسلہ میں درج ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

(1) صحيح البخاري، الزكاة، باب التحريض على الصدقة والشفاعة فيها، حديث: 1432، و صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب الشفاعة فيما ليس بحرام، حديث: 2627. 2 [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب عطية من سأل بالله، حديث: 1672، والأدب، باب الرجل يستعيذ من الرجل، حديث: 5109، واللفظ مركب، امام ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔
(3) آل عمرٰن 19:3. 4 آل عمرٰن 85:3. 5 المآئدة 3:5.

(1) مسلمان کافر کو کفر پر قرار نہ بخشے، اور نہ اسے پسندیدگی سے دیکھے، اس لیے کہ کفر کو پسند کرنا بھی کفر ہے۔

(2) اس سے بغض رکھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے بغض رکھتا ہے، اور مسلمان کی محبت یا بغض اللہ کے لیے ہے چونکہ اللہ بھی کافر سے بغض رکھتا ہے، لہٰذا مسلمان کو بھی اس سے بغض رکھنا چاہیے۔

(3) کافر سے دوستی اور محبت نہ رکھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ

''مومن اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔''[1] ارشادِ ربانی ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ

''اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے والے لوگوں کو تو نہیں پائے گا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ محبت کرتے ہوں، چاہے (مخالفت کرنے والے) ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا کنبہ کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔''[2]

(4) اگر کافر مسلمانوں کے ساتھ حالتِ جنگ میں (محارِب) نہ ہو تو اس کے ساتھ عدل و انصاف اور نیکی کا رویہ قائم رکھنا چاہیے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا يَنْهَىٰكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ○

''جنھوں نے دین میں تمھارے ساتھ لڑائی نہیں کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تمھیں نہیں روکتا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''[3]

یہ آیتِ کریمہ کافروں کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کی اجازت دیتی ہے اور اس بات کی بھی کہ مسلمانوں کا ان کے ساتھ رویہ اچھا ہونا چاہیے۔ اس سے صرف وہ کافر مستثنیٰ ہیں جو (دین کی وجہ سے) مسلمانوں کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہیں، یعنی محارب ہیں کیونکہ ان کے لیے مخصوص احکام ہیں۔ جن کا تذکرہ ''أحكام المحاربين'' کے عنوان سے ہوتا ہے۔

(5) انسانی معاملات میں مسلمانوں کا معاملہ کافر کے ساتھ بھی رحمت و مہربانی کا ہوتا ہے، یعنی بھوکے کو کھانا کھلائے، پیاسے کو پانی پلائے، بیمار ہے تو علاج کرے، ہلاکت کا اندیشہ ہے تو بچانے کی سعی کرے اور ایذا رسانی سے اجتناب کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اِرْحَمْ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكَ مَنْ فِي السَّمَاءِ»

1 آل عمرٰن 28:3. 2 المجادلة 22:58. 3 الممتحنة 8:60.

''تو زمین والوں پر رحم کر، آسمان والا تجھ پر رحم کرے گا۔''[1] نیز آپ کا ارشاد ہے:

«فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَّطْبَةٍ أَجْرٌ» ''ہر زندہ، جگر والی مخلوق (کا بھلا کرنے) میں اجر ہے۔''[2]

(6) اگر کافر حربی نہ ہو تو اس کے مال، خون اور عزت میں اسے ایذا نہ دے۔ آپ نے فرمایا:

«قَالَ اللّٰهُ: يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا»

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے میرے بندو! میں نے ظلم کرنے کو اپنے نفس پر حرام کر لیا ہے اور تمھارے لیے بھی اسے حرام قرار دے دیا ہے، پس ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔''[3]

نیز فرمایا: «مَنْ آذٰى ذِمِّيًّا فَأَنَا خَصْمُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جو شخص کسی ذمی کو ایذا دیتا ہے، میں قیامت کے دن اس کا دشمن ہوں گا۔''[4]

(7) کافر کو تحفے تحائف دینا جائز ہے، جیسا کہ اس سے تحفے قبول کرنا جائز ہے اور اگر وہ یہودی یا نصرانی اہل کتاب میں سے ہو تو اس کا کھانا (ذبیحہ) بھی کھایا جا سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ''اور اہل کتاب کا طعام (ذبیحہ) تمھارے لیے حلال ہے۔''[5]

اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں صحیح سند سے ثابت ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ نے یہود کے کھانے کی دعوت قبول کی اور ان کا پیش کردہ کھانا کھایا۔[6]

(8) کفار کے ساتھ مومنہ عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا، البتہ کتابیہ عورت، یعنی عیسائی یا یہودی عورت کا مسلمان مرد سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنہ عورت کو مطلق طور پر کفار کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ

1 [حسن] المعجم الكبير للطبراني: 356/2، حديث: 2502، والمستدرك للحاكم: 248/4، حديث: 7631 بسند آخر، امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے، نیز سنن ابو داود (حديث: 4941) وغیرہ میں اس کا ایک حسن درجے کا شاہد موجود ہے۔ خالص انسانی ہمدردی کے معاملات میں عام کفار کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا مستحب ہے۔ اگر کافر مؤلفة القلوب میں سے ہو تو پھر اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، نادار کے لیے مستحب اور صاحبِ حیثیت کے لیے واجب ہے۔ یاد رہے کہ کافر سے مسلمان کا حسنِ سلوک اس انداز سے نہ ہو جس سے کافر یہ سمجھے کہ میرا دین (کفر) ٹھیک ہے، اس لیے اس کی عزت ہو رہی ہے۔ واللہ اعلم (ع، ر) 2 صحيح البخاري، المظالم، باب الآبار على الطرق إذا لم يتأذ بها، حديث: 2466، وصحيح مسلم، السلام، باب فضل سقي البهائم......، حديث: 2244. 3 صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: 2577. 4 [موضوع] یہ روایت من گھڑت ہے تاریخ بغداد: 370/8، و قال منكر و ذكره ابن الجوزي في الموضوعات: 236/2 من طريقه. یہ روایت عباس بن احمد المذکر کی وجہ سے موضوع ہے۔ 5 المائدة 5:5. 6 صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب إذا غدر المشركون بالمسلمين......، حديث: 3169.

''نہ مسلمان عورتیں ان (کافروں) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر مرد) ان کے لیے حلال ہیں۔'' [1]

اور فرمایا: وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا

''اور مشرک مردوں کو مومن عورتوں کا نکاح نہ دو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔'' [2]

البتہ کتابیہ عورت کے ساتھ مسلمان مرد کا نکاح اس حکمِ ربانی کی بنا پر جائز ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ

''اور تم سے پہلے جو لوگ کتاب دیے گئے ان کی شریف عورتیں (تمھارے لیے حلال ہیں) جب تم گھر آباد کرنے کے لیے ان کا حق مہر ادا کرو، نہ کہ کھلی بدکاری اور مخفی آشنائی کے لیے۔'' [3]

⑨ کافر چھینک مارے اور اللہ کی حمد (تعریف) بیان کرے تو جواب میں مسلمان کہے:

«يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ» ''اللہ تمھیں ہدایت دے اور تمھارے حال کو درست کرے۔'' [4]

اس لیے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اس غرض سے چھینک مارتے تھے کہ آپ ان کے لیے رحم کی دعا کریں گے۔ مگر آپ جواب میں «يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ» ہی فرماتے۔ (حوالہ مذکورہ)

⑩ کافر کو سلام کی ابتدا نہ کرے اگر وہ سلام کہتا ہے تو جواب میں صرف ''وَعَلَيْكُمْ'' کہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے: «إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا: وَعَلَيْكُمْ»

''اہل کتاب اگر تمھیں سلام کہیں تو جواب میں وعلیکم کہو۔'' [5]

⑪ راستے میں چلتے وقت اسے تنگ راستے کی طرف مجبور کر دے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَبْدَأُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلٰى أَضْيَقِهِ»

''یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں ابتدا نہ کرو۔ اگر راستہ میں ملاقات ہو جائے تو اسے تنگ راستے پر جانے

---

[1] الممتحنة 10:60۔ [2] البقرة 221:2۔ [3] المائدة 5:5. پوری آیتِ مبارکہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی یا یہودی عورت سے نکاح مشروط طور پر جائز ہے، مثلاً: کتابیہ پاک دامن ہو، نکاح کے جملہ تقاضے پورے کیے جائیں اور خاوند یا اولاد کے بیوی کے دین کی جانب مائل ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ واللہ اعلم (ع،ر) [4] سنن أبي داود، الأدب، باب كيف يشمت الذمي، حديث: 5038، وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء كيف يشمت العاطس، حديث: 2739 وقال: حسن صحيح. اس میں سفیان ثوری کا عنعنہ ہے جبکہ صحيح البخاري: الأدب، باب إذا عطس كيف يشمت، حديث: 6224 سے اس دعا کا عام مسلمانوں کے لیے ثبوت ملتا ہے۔ اور راجح بات بھی یہی ہے۔ [5] صحيح البخاري، الاستئذان، باب كيف الرد على أهل الذمة بالسلام؟ حديث: 6258، وصحيح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام......، حديث: 2163.

پر مجبور کر دو۔"[1]

⑫ کافر کے ساتھ عام آدابِ زندگی میں، چاہے واجب یا غیر واجب چیزیں ہوں، مشابہت نہیں کرنی چاہیے، مثلاً: داڑھی منڈانا کافر کا وطیرہ ہے جبکہ مسلمان داڑھی بڑھاتا ہے۔ کافر اسے رنگتا نہیں ہے، جبکہ مسلمان کو چاہیے کہ داڑھی کے بال رنگے۔ لباس، پگڑی، ٹوپی وغیرہ میں بھی کافر کے ساتھ مشابہت نہ کرے۔ ارشادِ نبوی ہے:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» "جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرتا ہے، وہ انھیں میں سے ہے۔"[2]

نیز فرمایا: «خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَوْفُوا اللِّحٰى»

"مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں کٹاؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔"[3] مزید فرمایا:

«إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبُغُونَ فَخَالِفُوهُمْ» "یہود و نصاریٰ بال نہیں رنگتے، تم ان کی مخالفت کرو۔"[4]

اس حدیث شریف سے داڑھی یا سر کے بالوں کو زرد یا سرخ رنگ سے رنگنا مراد ہے، اس لیے کہ سیاہ رنگ استعمال کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حدیثِ نبوی ہے: «غَيِّرُوا هٰذَا - الشَّعْرَ الْأَبْيَضَ - بِشَيْءٍ وَّاجْتَنِبُوا السَّوَادَ»

"یہ سفید بال تبدیل کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔"[5]

جانوروں کے حقوق مسلمان کا شیوہ ہے کہ وہ جانوروں کا خیال رکھتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عطا کردہ جذبۂ رحم کے تحت درج ذیل امور پر عمل کرنے کی سعی کرتا رہتا ہے۔

(۱) بھوک اور پیاس میں ان کی خوراک اور پانی کا وافر انتظام کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ حَرّٰى أَجْرٌ» "ہر زندہ، جگر والی چیز (سے اچھا سلوک کرنے) میں ثواب ہے۔"[6]

نیز فرمایا: «مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ» "جو (مخلوق پر) رحم نہیں کرتا، اس پر (بھی) رحم نہیں کیا جاتا۔"[7]

مزید فرمایا: «اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ»

1 صحيح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام......، حديث: 2167. 2 [حسن] سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث:4031، اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حسن کہا ہے۔ 3 صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، حديث: 5892، وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 259 واللفظ له. 4 صحيح البخاري، اللباس، باب الخضاب، حديث: 5899، وصحيح مسلم، اللباس، باب في مخالفة اليهود في الصبغ، حديث: 2103. 5 صحيح مسلم، اللباس، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة وحمرة......، حديث: 2102. 6 [حسن] مسند أحمد: 223,222/2، و صحيح البخاري، المظالم، باب الآبار على الطرق إذا لم يتأذ بها، حديث: 2466، وصحيح مسلم، السلام، باب فضل سقي البهائم......، حديث: 2244. 7 صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، حديث: 5997، وصحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال......، حديث: 2318.

''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''[1]

(2) شفقت و رحم سے برتاؤ کرنا چاہیے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جانور (پرندہ) کو پکڑ کر اسے اپنے تیروں سے تختۂ مشق بنائے ہوئے ہیں۔

اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: «إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا»

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو زندہ چیز کو (تیراندازی کے لیے) ہدف بناتا ہے۔''[2]

اسی طرح آپ نے جانوروں کو باندھ کر قتل کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔[3]

ایک دن آپ نے حمرہ، یعنی سرخ چڑیا کو دیکھا کہ اپنے بچوں کی تلاش میں سرگرداں ہے جو ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) نے گھونسلے سے اٹھا لیے تھے تو آپ نے فرمایا: «مَنْ فَجَعَ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا»

''کس نے اسے اس کے بچوں کی وجہ سے دکھ دیا ہے۔اس کے بچے اسے واپس کر دو۔''[4]

(3) ذبح یا قتل کے وقت جانور کو راحت و آرام پہنچانا چاہیے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»

''بے شک اللہ نے ہر چیز کے ساتھ احسان کرنا فرض کر دیا ہے۔ جب تم قتل کرو تو اچھے انداز سے قتل کرو اور جب تم جانور ذبح کرو تو اچھے انداز سے ذبح کرو اور چاہیے کہ تمھارا ہر فرد اپنے ذبیحہ کو راحت دے اور اپنی چھری کو تیز کر لے۔''[5]

(4) جانور کو مارنا، بھوکا رکھنا، اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ لادنا، شکل بگاڑ دینا اور اسے آگ سے جلانا، غرضیکہ ہر قسم کے عذاب دینے سے احتراز کرنا چاہیے۔حدیث نبوی ہے:

«عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا سَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ»

1 [حسن] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في رحمة الناس، حديث: 1924، والمعجم الكبير للطبراني: 356/2، حديث: 2502، والمستدرك للحاكم: 248/4، حديث: 7631. بسند آخر امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ سنن أبي داود (حديث: 4941) وغیرہ میں اس کا ایک حسن شاہد بھی ہے۔ 2 صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب النهي عن صبر البهائم، حديث: 1958. 3 صحيح مسلم، الصيدو الذبائح، باب النهي عن صبر البهائم، حديث: 1959. 4 [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، حديث: 2675، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 5 صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل......، حديث: 1955.

''ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا جسے اس نے باندھ کے رکھا تھا حتی کہ وہ مرگئی تو اس کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہوگئی، اس نے اسے باندھ کر نہ تو کھلایا نہ پلایا اور نہ اسے چھوڑا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی۔''[1]

رسول اللہ ﷺ چیونٹیوں کے بل کے پاس سے گزرے جسے آگ سے جلا دیا گیا تھا۔

آپ نے فرمایا: «إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ»

''آگ کی سزا تو آگ کا مالک (اللہ) ہی دے سکتا ہے۔''[2]

(5) موذی جانور، کتا، بھیڑیا، سانپ، بچھو، چوہا اور اسی طرح کے دوسرے جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ: اَلْحَيَّةُ، وَالْغُرَابُ الْأَبْقَعُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ، وَالْحُدَيَّا»

''پانچ موذی جانور حل وحرم میں قتل کیے جائیں: سانپ، دھاری دار سیاہ وسفید کوا، چوہا، باؤلا کتا اور چیل۔''[3]

اور اسی طرح بچھو کو مار دینا اور اس پر لعنت کرنا آپ سے ثابت ہے۔[4]

(6) کسی مصلحت کے تحت جانوروں کے کانوں پر آگ کے ساتھ نشان لگانا جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے صدقہ کے اونٹوں کو داغ لگائے تھے۔[5]

اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری کے علاوہ کسی اور جانور کو آگ سے داغ لگانے کی ممانعت ہے۔ آپ نے ایک گدھا دیکھا کہ اس کے منہ کو آگ سے داغا گیا تھا تو فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الَّذِي وَسَمَهُ» ''اللہ اس پر لعنت کرے جس نے اس کے چہرے کو داغا ہے۔''[6]

(7) جب جانور زکاۃ کے نصاب کو پہنچ جائیں تو اللہ کا حق، یعنی زکاۃ ادا کرنا۔

(8) جانوروں کے معاملات میں اتنی مشغولیت سے احتراز کرنا کہ اللہ جل شانہ کی اطاعت اور اس کا ذکر جاتا رہے۔

ارشادِ باری ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ﴾

''اے ایمان والو! تمھارے اموال اور اولادیں تمھیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں۔''[7]

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب، حديث: 3482. 2 [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، حديث: 2675. 3 صحيح مسلم، الحج، باب مايندب للمحرم وغيره قتله من الدواب في الحل والحرم، حديث: 1198. 4 سنن ابن ماجه، الصلاة، باب ماجاء في قتل الحية والعقرب في الصلاة، حديث: 1246. 5 صحيح مسلم، اللباس، باب جواز و سم الحيوان غير الآدمي في غير الوجه......، حديث: 2119. 6 صحيح مسلم، اللباس، باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه......، حديث: 2117. 7 المنٰفقون 63:9.

اور رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں کے بارے میں فرمایا: «اَلْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ: لِرَجُلٍ أَجْرٌ، وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَعَلٰى رَجُلٍ وِزْرٌ، فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْرَوْضَةٍ فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذٰلِكَ فِي الْمَرْجِ وَالرَّوْضَةِ كَانَ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ ...... فَهِيَ لِذٰلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَنِوَاءً فَهِيَ عَلٰى ذٰلِكَ وِزْرٌ»

''گھوڑے تین قسم کے ہیں، آدمی کے لیے ایک باعثِ ثواب، دوسرا حجابِ عذاب اور تیسرا باعثِ بوجھ۔ جس کے لیے باعثِ اجروثواب ہے، وہ شخص ہے جس نے اسے اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے باندھا اور چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی کو لمبا کر دیا، پس یہ جہاں تک چرے گا اس کے لیے باعثِ ثواب ہوگا اور اگر رسی توڑ کر ایک بلندی یا دو بلندیاں جائے گا تو اس کے نشاناتِ قدم اور اس کا گوبر مالک کے لیے باعثِ اجروثواب ہوگا...... اور جس کے لیے گھوڑا حجابِ عذاب ہے، وہ شخص ہے جس نے اسے مال ودولت کمانے اور سوال سے بچنے کے لیے باندھا ہوا ہے اور ان کی گردنوں اور پیٹھوں میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو فراموش نہیں کیا[1] تو وہ اس کے لیے (عذاب سے) بچاؤ ہے اور گھوڑا بوجھ اور وبال اس شخص کے لیے ہے جس نے اسے اترانے، دکھلاوے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے باندھ رکھا ہے۔''[2]

جانوروں کے حقوق کی بابت یہ چند احکام بطورِ نمونہ مذکور ہیں جن پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے جذبہ سے اور ''شریعتِ اسلامیہ''، جو انسان وحیوان سب کے لیے خیر ورحمت کا باعث ہے، پر چلتے ہوئے ہر مسلمان ان احکامات پر عمل کرنے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

باب:7 اسلامی اخوت اور اللہ کے لیے دوستی و دشمنی کے آداب

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر سچے ایمان کا تقاضا ہے کہ مسلمان صرف اس سے محبت کرے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور ہر اس شخص

1 گردنوں اور پیٹھوں میں حق فراموش نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت مند کو جانور عاریتاً دے دیا جائے یا اپنے ساتھ سوار کر لیا جائے۔ واللہ اعلم (ع،ر)

2 صحيح البخاري، التفسير، سورة إذا زلزلت، باب قوله: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾، حديث:4962.

سے اس کی دشمنی و بغض ہو جو اللہ کا مبغوض ہے، یعنی اس کی پسند وہی ہو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پسند ہے اور اس کے ہاں وہ چیز ناپسندیدہ ہو جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناپسند کریں۔ الغرض اللہ و رسول ﷺ کی محبت اس کی محبت بن جائے اور اللہ و رسول ﷺ کی دشمنی اس کی دشمنی رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ وَأَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ»

''جو شخص اللہ کے لیے محبت رکھے اور اللہ کے لیے بغض رکھے اور اللہ ہی کے لیے کوئی چیز دے اور اللہ ہی کے لیے روکے (نہ دے) تو اس نے ایمان مکمل کر لیا۔''[1]

بنابریں مسلمان جہاں اللہ کے جملہ نیک اور صالح بندوں سے محبت اور دوستی رکھتا ہے وہاں ایسے سب لوگوں سے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے باغی اور فاسق ہیں، دشمنی اور بغض بھی رکھتا ہے۔

اور یہ بات اس سے قطعاً مانع نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بعض صالح اور نیک بندوں سے بطورِ خاص مزید محبت اور دوستی قائم کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے۔

ارشادِ نبوی ہے: «اَلْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ، وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَّا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ»

''مومن سے دوستی کی جاتی ہے (اور) اس شخص میں کوئی خیر نہیں ہے جو نہ تو خود کسی سے مانوس ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی مانوس ہوتا ہے۔''[2] نیز فرمایا:

«إِنَّ حَوْلَ الْعَرْشِ مَنَابِرُ مِنْ نُّورٍ، عَلَيْهَا قَوْمٌ لِّبَاسُهُمْ نُورٌ، وَوُجُوهُهُمْ نُورٌ، لَيْسُوا بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ، يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ، فَقَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! حَلِّهِمْ لَنَا، فَقَالَ: الْمُتَحَابُّونَ فِي اللّٰهِ وَالْمُتَجَالِسُونَ فِي اللّٰهِ، وَالْمُتَزَاوِرُونَ فِي اللّٰهِ»

''بے شک عرش کے اردگرد نور کے منبر ہیں، ان پر نورانی لباس اور نورانی چہروں والے لوگ ہوں گے وہ انبیاء و شہداء تو نہیں مگر انبیاء و شہداء ان پر رشک کریں گے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہمیں بھی ان کی صفات بیان کیجیے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ لوگ اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے، اللہ کی خاطر ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے والے اور اللہ ہی کے لیے ایک دوسرے کی ملاقات کو آنے والے ہیں۔ (نسائی اور یہ صحیح حدیث ہے۔)''[3]

1. [حسن] سنن أبي داود، السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، حديث: 4681، اس کا ترمذی وغیرہ میں ایک شاہد بھی ہے جسے امام حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔ 2 [حسن] مسند أحمد: 400/2، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 237/10. اگرچہ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے لیکن ان کی سند سے ابو صالح کا واسطہ گر گیا ہے جس وجہ سے حافظ ذہبی نے ان کا تعاقب کیا ہے۔
3. مؤلف حفظہ اللہ نے کہا ہے کہ اسے امام نسائی نے روایت کیا ہے لیکن مجھے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ امام نسائی کی سنن صغریٰ ◄

مزید ہے: «إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ: ..... حَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلَّذِينَ يَتَزَاوَرُونَ مِنْ أَجْلِي ..... وَحَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلَّذِينَ يَتَنَاصَرُونَ مِنْ أَجْلِي»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری محبت ان کے لیے ثابت ہو چکی ہے جو میرے لیے ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور میری محبت ان لوگوں پر ثابت ہو چکی ہے جو میری خاطر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔''[1]

اور مزید فرمایا: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَدْلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ»

''سات (طرح کے) افراد کو اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن کہ اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا ⑴ انصاف کرنے والا سربراہِ مملکت ⑵ وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشوونما پائی ⑶ وہ آدمی جس کا دل مسجدوں میں ہی لگا رہتا ہے ⑷ وہ دو آدمی جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اسی (محبت) پر وہ اکٹھے ہوتے اور اسی پر ہی جدا ہوتے ہیں ⑸ وہ مرد جسے حسب و نسب کی مالک اور خوبصورت عورت دعوتِ گناہ دے تو وہ کہے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں ⑹ وہ شخص جو چھپا کر خیرات کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں ہوتا کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے ⑺ وہ آدمی جو علیحدگی میں اللہ کا ذکر کرتا ہے اور (اللہ کے خوف) سے اس کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔''[2] مزید ارشاد ہوا:

«أَنَّ رَجُلًا زَارَ أَخًا لَهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرٰى فَأَرْصَدَ اللّٰهُ لَهُ عَلٰى مَدْرَجَتِهِ مَلَكًا، فَلَمَّا أَتٰى عَلَيْهِ قَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ قَالَ: أُرِيدُ أَخًا لِّي فِي هٰذِهِ الْقَرْيَةِ، قَالَ: هَلْ لَّكَ عَلَيْهِ مِنْ نِّعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا، غَيْرَ أَنِّي أَحْبَبْتُهُ فِي اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، قَالَ: فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكَ، بِأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيهِ»

''ایک شخص کسی دوسری بستی کی طرف اپنے بھائی کی ملاقات کو جا رہا تھا تو اللہ نے اس کے لیے ایک فرشتہ (انسانی

»» اور کبریٰ دونوں میں نہیں ملی، البتہ حافظ عراقی، تخریج الأحیاء: 159/2 میں لکھتے ہیں: اسے امام نسائی نے سنن کبریٰ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔ تاہم السنن الکبرٰی، کتاب التفسیر، حدیث: 11236، میں ایک روایت اس مفہوم کے قریب ہے جس کی سند صحیح ہے اور مسند أحمد: 343/5 میں بھی تقریباً انھی الفاظ کے ساتھ ایک حدیث مروی ہے۔ واللہ اعلم جبکہ قوت القلوب (: 182/2) میں یہ روایت موجود ہے۔ [1] [حسن] مسند أحمد: 386/4، والمستدرك للحاکم (: 169/4) میں اس کا ایک شاہد بھی ہے جسے امام حاکم اور ذہبی دونوں نے بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ [2] صحیح البخاري، الزکاۃ، باب الصدقة بالیمین، حدیث: 1423.

شکل میں) راستے میں کھڑا کر دیا جب وہ شخص وہاں پہنچا تو (فرشتے نے) پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ اس نے کہا:اس بستی میں میرا ایک بھائی ہے اسے ملنے جارہا ہوں۔فرشتے نے کہا:اس کا کوئی احسان ہے جسے چکانے جارہے ہو؟ اس نے کہا:اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے کہ مجھے محض اللہ کے لیے اس سے محبت ہے۔ (رشتہ دار بھی نہیں ہے،محض دینی بھائی ہے) فرشتے نے کہا: مجھے اللہ نے تیرے پاس بھیجا ہے کہ تجھے اطلاع دوں کہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت کرتے ہیں جس طرح تو نے اس کی خاطر اس (آدمی) سے محبت کی ہے۔''[1]

اس اخوت و دوستی کے لیے صرف یہی شرط ہے کہ یہ خالص اللہ کے لیے ہو، اس میں دنیاوی اغراض و مقاصد اور مادی ضروریات بالکل داخل نہ ہوں اور اس کا باعث صرف ایمان، اسلام اور نیکی ہو۔

اسلامی اخوت کے آداب اس میں درج ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

(1) وہ شخص عقلمند اور سمجھدار ہو کیونکہ احمق و بے وقوف کی اخوت اور دوستی بعض اوقات نقصان بھی دے جاتی ہے، حالانکہ وہ اپنے دوست کو کوئی فائدہ ہی پہنچانا چاہتا ہے۔

(2) اچھے اخلاق و عادات کا مالک ہو، بداخلاق انسان چاہے عقلمند ہو، تاہم ذاتی اغراض کے غلبے یا غصہ کے وقت ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے حق میں برا ثابت ہو۔

(3) متقی اور پرہیز گار ہو کیونکہ فاسق جو اپنے مالک حقیقی کی اطاعت سے خالی ہے، اس سے اندیشہ ہے کہ وہ دوستی کا لحاظ نہ کرے جب وہ اللہ سے نہیں ڈرتا تو کسی اور سے کیسے ڈرے گا۔

(4) کتاب و سنت پر عامل ہو اور بدعات وخرافات سے اجتناب ضروری گردانتا ہو، اس لیے کہ بدعتی کی بدعات کی نحوست، بعض اوقات اس کے دوستوں پر بھی آن پڑتی ہے، نیز اس لیے بھی کہ بدعتی اور اپنی خواہشاتِ نفس پر چلنے والے انسان سے تو دور رہنے کا حکم ہے اور اس سے تعلقات منقطع کر لینا لازم ہے۔ پھر اس کے ساتھ دوستی کیسے ممکن ہے؟

ایک نیک و صالح بزرگ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے آدابِ مذکورہ کو بایں الفاظ ذکر کیا ہے: بیٹے ! تجھے کسی کی دوستی کی ضرورت پڑے تو ایسے شخص سے دوستی اختیار کر کہ جب تو اس کی خدمت کرے تو وہ تیرا محافظ ہو، اس کی صحبت میں رہنا تیرے لیے باعثِ زینت ہو، کوئی مشکل آ جائے تو وہ تیرا بوجھ ہلکا کرے، تو نیکی کی طرف ہاتھ بڑھائے تو وہ بھی بڑھائے، تیری اچھائی دیکھے تو اسے قابلِ اعتناء گردانے، برائی دیکھے تو تجھے اس سے روکے، تو اگر اس سے مانگے تو تجھے دے، نہ مانگے پھر بھی دے، تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو ہمدردی کرے، جب تو کوئی بات کہے تو تیری تصدیق کرے اگر تم دونوں کسی کام کا ارادہ کرو تو وہ تیری رائے کو اولیت دے اور اگر کسی بات میں تمھارا نزاع و جھگڑا

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل الحب في الله، حديث:2567.

ہو جائے تو وہ تجھے اہمیت دے۔

اسلامی اخوت کے حقوق (1) مال کے ساتھ ایک دوسرے کی ہمدردی کہ دونوں ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مالی امداد کریں۔ ہر ایک اپنی نقدی، رقوم اور روپے پیسے کو مشترکہ گردانے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور بولا: میں آپ کو اللہ کے لیے بھائی بنانا چاہتا ہوں۔ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بھائی بنانے کا حق جانتے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ آپ بتایئے، آپ نے فرمایا: تو اپنے دینار و درہم کا مجھ سے زیادہ حق دار نہیں ہو سکے گا۔ اس شخص نے کہا: ابھی میں اس درجہ تک نہیں پہنچا۔ تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر تم چلے جاؤ۔[1]

(2) دونوں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن جائیں جس طرح کہ ایک انسان اپنے ذاتی معاملات پر نظر رکھتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے معاملات پر اسی طرح نظر رکھیں۔ ہر ایک کی کوشش ہو کہ وہ اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال سے زیادہ اپنے بھائی کو اہمیت دے، ہر تین دن بعد اس کے بارے میں دریافت کرے، بیمار ہے تو بیمار پرسی کرے، کسی کام میں ہے تو ہاتھ بٹائے، اسے کوئی بات بھول گئی ہے تو یاد دلائے، ملے تو خوش آمدید کہے، ساتھ بیٹھے تو مجلس میں وسعت پیدا کرے، بات کرے تو توجہ سے سنے۔

(3) اپنی زبان سے اپنے بھائی کا تذکرہ بجز اچھائی کے بالکل نہ کرے۔ اس کے سامنے یا پیٹھ پیچھے اس کے عیوب ذکر نہ کرے، اس کے راز فاش نہ کرے، اس کی مخفی باتوں کی ٹوہ میں نہ لگا رہے، اور جب اسے دیکھے کہ وہ کسی ذاتی کام کی غرض سے کہیں جا رہا ہے تو (اندازے لگا کر) اس کام کا ذکر کرنے میں پہل نہ کرے اور نہ ہی جائے مقصد کو جاننے کی کوشش کرے (اگر وہ خود بتائے تو الگ بات ہے) اسے اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نرم رویہ اختیار کرے، گفتگو میں جھگڑنے کا انداز اور بحث و جدل کا طریق نہ اپنائے اور کسی معاملہ میں بھی طرزِ عتاب و اظہارِ ناراضی نہ کرے۔

(4) اپنی زبان کا استعمال اپنے بھائی کے لیے اس انداز میں کرے جیسا کہ وہ خود اپنے لیے اس سے چاہتا ہے۔ دوست کو جو نام پسند ہے اسی سے بلائے۔ لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو رشک اور خوشی سے اس کی اطلاع اسے دے۔ نصیحت کو اتنا طول نہ دے کہ وہ اکتا جائے اور لوگوں کے سامنے پند و نصائح سے احتراز کرے کیونکہ وہ اس طرح شرمندہ ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو اپنے بھائی کو پوشیدہ سمجھاتا ہے، وہ اس کی خیر خواہی کرتا ہے اور اس کی زینت کا باعث ہے اور جو اعلانیہ نصیحت کرتا ہے، وہ اسے رسوا کرتا اور معیوب ٹھہراتا ہے۔

1 بشرطِ صحت اس روایت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی رضا پر مبنی اسلامی اخوت کی انتہا کیا ہو سکتی ہے؟ (ع،ر)

(5) دوست کی لغزشوں کو معاف اور کوتاہیوں سے صرف نظر کرے، عیوب پر پردہ ڈالے اور اس کے بارے میں حسنِ ظن کو اپنائے۔ اگر وہ خفیہ یا اعلانیہ کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس سے قطع تعلق نہ کرے اور نہ اخوت ہی میں کمی آنے دے بلکہ اس کی توبہ اور رجوع کا انتظار کرے، ہاں، اگر وہ جرم پر اصرار اور ضد کرتا ہے تو پھر اس سے تعلقات منقطع کرے یا تعلقات بحال رکھے، یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے مگر خیر خواہی اور وعظ ونصیحت برابر کرتا رہے، اس امید پر کہ وہ جرم سے رجوع کر لے گا اور اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔

ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس وقت تیرا بھائی بدل جائے اور نیکی کے حال پر قائم نہ رہے تو اس وجہ سے اسے مت چھوڑ کیونکہ اگر وہ خراب ہوسکتا ہے تو پھر ٹھیک بھی تو ہوسکتا ہے۔[1]

(6) اخوت میں وفاداری، ثابت قدمی اور دوام ضروری ہے، اس لیے کہ اخوت ترک کرنے میں ثواب کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اگر تیرا یہ بھائی فوت ہو جائے تو حسنِ سلوک اس کی اولاد اور اس کے دوستوں کی طرف منتقل ہو جانا چاہیے۔ اسی میں اخوت کی حفاظت اور وفاداری کا دوام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑھیا کا احترام کیا جو آپ کے پاس آئی اور جب آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا:

«إِنَّهَا كَانَتْ تَأْتِينَا زَمَنَ خَدِيجَةَ، وَإِنَّ حُسْنَ الْعَهْدِ مِنَ الْإِيمَانِ»

''یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایامِ زندگی میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور عہد کی بہترین پاسداری بھی ایمان میں داخل ہے۔''[2]

وفاداری کا یہ بھی تقاضا ہے کہ دوست کے دشمن سے تعلقات استوار نہ کیے جائیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تیرا دوست تیرے دشمن کی باتیں ماننے لگ جائے تو یوں سمجھ کہ وہ دونوں تیری دشمنی میں برابر ہیں۔

(7) بھائی پر اتنی مشقت نہ ڈالے جو وہ برداشت نہ کر سکے یا وہ اس پر خوش نہ ہو اور نہ ہی اس کے مرتبہ و مال سے کوئی منفعت حاصل کرنے کی سعی کرے، اس لیے کہ جب اخوت کی بنیاد اللہ کی رضا ہے تو پھر اس کے ذریعے سے دنیاوی منافع حاصل کرنا اور اپنی ضرر رساں چیزیں دور کرنا کہاں درست ہے؟

پھر جب ایک شخص خود تکلف نہیں کر رہا تو دوسرے کو بھی نہ کرنے دے کیونکہ یہ دونوں باتیں اخوت کے مقاصد کو تباہ کرنے والی ہیں، ان سے اجر وثواب میں کمی کا باعث ہوتی ہیں، حالانکہ اسی کا حصول تو ان کا اولین مقصد ہے،

1 إحياء علوم الدين: 222/2، وقوت القلوب: 184/2. 2 [حسن] المستدرك للحاكم: 16/1، حديث: 40 وصححه ووافقه الذهبي، اس کے متعدد طرق ہیں۔

لہٰذا اخوت میں تکلف اور تحفظ کی بساط لپٹی ہوئی چاہیے ورنہ الفت کے بجائے منافرت پیدا ہو جائے گی، ایک روایت میں ہے:«أَنَا وَأَتْقِيَاءُ أُمَّتِي بُرَآءُ مِنَ التَّكَلُّفِ» ''میں اور میری امت کے متقی تکلف سے بری ہیں۔''[1]

ایک صالح زاہد کا مقولہ ہے: جس کا تکلف ساقط ہو جائے اس کی الفت اور دوستی میں دوام آ جائے گا، جس کا بوجھ ہلکا ہو جائے، اس کی محبت پائیدار ہو جائے گی۔

اگر انس واپنائیت کو پانا اور اجنبیت کا احساس دور کرنا ہے تو ایک بھائی دوسرے کے ساتھ ان چار امور میں شریک ہو جائے۔ اس کے گھر کا کھانا کھانے میں، اس کے بیت الخلا کو استعمال کرنے میں اور اس کے ساتھ نماز پڑھنے میں اور اس کے پاس سونے میں۔ ان کاموں کے نتیجہ میں اخوت مستحکم ہو گی اور وہ رعب، جس سے اجنبیت بڑھ رہی تھی، جاتا رہے گا۔ اور (اس طرح) مانوسیت اور انبساط کا دور دورہ برقرار رہے گا۔

﴿8﴾ اپنے ساتھی اور اس کی اولاد کے حق میں دعائے خیر کرے جو وہ اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لیے کرتا رہتا ہے۔ اس کا بھائی زندہ ہے یا فوت شدہ، حاضر ہے یا غائب اس کے حق میں دعائیں ضرور کرتا رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يَدْعُو لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ»

''کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں ہے جو اپنے (مسلمان) بھائی کی غیر حاضری میں اس کے لیے دعائے خیر کرتا ہو مگر فرشتہ (وہی دعا اس کے حق میں کرتے ہوئے) کہتا ہے اور تیرے لیے بھی اسی کے مثل حاصل ہو۔''[2]

ایک زاہد کا مقولہ ہے: اس نیک شخص کے مانند کون ہو سکتا ہے؟ کہ جب اس کا بھائی مرتا ہے تو اس کے دیگر وارث، وراثت کی تقسیم میں لگے ہوتے ہیں اور ان پر اس کے ترکہ سے نفع اندوزی کی دھن سوار ہوتی ہے۔ جبکہ یہ نیک شخص غمگین ہوتا ہے اور اسے صرف یہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ میرے بھائی نے آگے کے لیے کیا جمع کیا ہے؟ اور اب وہ کس حال میں ہے؟ وہ رات کی تاریکیوں میں منوں مٹی کے نیچے مدفون بھائی کے لیے مغفرت کی دعائیں کر رہا ہوتا ہے۔

باب:8

آدابِ مجلس

مسلمان کی ساری زندگی اسلامی ضوابط کے دائرے میں بسر ہوتی ہے اور ساتھیوں کے ساتھ اکٹھے بیٹھنے میں بھی وہ مندرجہ ذیل آداب کا التزام کرتا ہے:

1 یہ روایت ثابت نہیں ہے دیکھیے الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، ص: 86، وتذكرة الموضوعات، ص: 67.

2 صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب، حديث: 2732

(1) کسی مجلس میں بیٹھنے سے پہلے اہلِ مجلس کو سلام کہتا ہے، پھر اسے مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جاتا ہے، کسی کو اس کی نشست سے اٹھاتا ہے نہ ہی اکٹھے بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کے درمیان بلا اجازت بیٹھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ، وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا»

''تم میں سے کوئی شخص دوسرے کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر وہاں خود بیٹھے، البتہ مجلس میں فراخی اور وسعت پیدا کرو۔''[1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اگر کوئی جگہ دینے کے لیے اٹھتا تو وہ اس جگہ پر نہیں بیٹھتے تھے۔[2]

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تو جہاں مجلس پہنچی (ختم) ہوتی، وہیں بیٹھ جاتے۔

آپ کا ارشاد ہے: «لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا»

''کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ بلا اجازت دو آدمیوں کے درمیان (بیٹھ کر) تفریق کرے۔''[3]

(2) اگر ایک آدمی کسی جگہ سے اٹھ کر چلا جاتا اور پھر واپس آ جاتا ہے تو وہی اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِّنْ مَّجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ»

''تم میں سے کوئی اگر مجلس سے اٹھ کر چلا جائے اور پھر واپس آئے تو وہی اس جگہ کا زیادہ حق رکھتا ہے۔''[4]

(3) حلقۂ مجلس کے درمیان میں نہ بیٹھے، حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ مَنْ جَلَسَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ»

''رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو حلقۂ مجلس کے درمیان بیٹھتا ہے۔''[5]

(4) مجلس میں وقار وسکینت کی حالت میں بیٹھنا چاہیے۔ اس دوران انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا، داڑھی یا انگوٹھی کے ساتھ کھیلتے رہنا، دانتوں کا خلال کرنا، ناک میں انگلی ڈالنا، زیادہ تھوکنا، بکثرت کھنکھارنا، بکثرت چھینک یا جمائی لیتے رہنا معیوب اور برا ہے، لہٰذا ان امور سے احتراز کرے۔ مجلس میں پرسکون بیٹھے، کم از کم حرکت کرے، گفتگو میں توازن اور

1 صحيح البخاري، الاستئذان، باب: إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوا حديث: 6270، وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم إقامة الإنسان...... حديث: 2177 واللفظ له. 2 صحيح مسلم، السلام، باب تحريم إقامة الإنسان من مجلسه المباح الذي سبق إليه، حديث: 2177. 3 [حسن] سنن أبي داود، الأدب، باب في الرجل يجلس بين الرجلين بغير إذنهما، حديث: 4845، وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في كراهية الجلوس بين الرجلين بغير إذنهما، حديث: 2752، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ 4 صحيح مسلم، السلام، باب إذا قام من مجلسه ثم عاد، فهو أحق به، حديث: 2179. 5 [ضعيف] سنن أبي داود، الأدب، باب الجلوس وسط الحلقة، حديث: 4826، اس کی سند ابومجلز کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

الفاظ میں حسنِ ترتیب ملحوظ رکھے، درست بات کہے، نیز زیادہ بولنے، خوش طبعی اور تمسخر کرنے سے احتراز کرے۔ اپنے خاندان، کاروبار اور اپنی اولاد، تالیفات یا کسی بھی کام پر فخریہ گفتگو نہ کرے۔

اگر دوسرا بات کر رہا ہے تو توجہ سے اس کی بات سننے میں خود پسندی کا مظاہرہ نہ کرے، اس کے سلسلۂ گفتگو کو قطع نہ کرے اور یہ بھی نہ کہے کہ دوبارہ سناؤ کیونکہ اس سے متکلم کی طبیعت پر برا اثر پڑتا ہے۔

ان باتوں کا التزام واہتمام مسلمان دو وجہ سے کرتا ہے:

ایک یہ کہ اس کی کسی عادت یا عمل سے کسی بھائی کو تکلیف نہ پہنچے کیونکہ مسلمان کو ایذا دینا حرام ہے۔

حدیث میں ہے: «اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ»

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔''[1]

دوسری وجہ یہ کہ اس طرح وہ ساتھیوں کی محبت اور الفت حاصل کرے گا کیونکہ شارع نے باہمی محبت والفت کا حکم دیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔[2]

(5) کسی وجہ سے راستہ میں بیٹھنا پڑے تو اس صورتِ حال میں درج ذیل باتوں کو اپنائے:

- نگاہ نیچی رکھے اور راستہ میں گزرنے والی مومن عورتوں یا اپنے گھر کے دروازہ میں کھڑی عورت یا کسی ضرورت کے تحت مکان کی چھت پر جانے والی یا کھڑکی سے جھانکنے والی پر نظر بازی نہ کرے، اسی طرح کسی بھی شخص کو حسد کی نظر سے نہ دیکھے اور نہ ہی کسی کو اپنے سے حقیر گردانے۔
- راستہ سے گزرنے والوں کو کسی انداز میں ایذا نہ دے، سب وشتم، عیب جوئی اور اعتراض بازی سے اجتناب کرے۔ گالی گلوچ، مار کٹائی اور چھینا جھپٹی جیسی قبیح حرکتوں سے لوگوں کی آمد ورفت بند نہ کر دے۔
- پاس سے گزرنے والے سلام کہیں تو ان کا جواب دے کیونکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا

''جب تمھیں سلام کہا جائے تو اس سے بہتر سلام کہو یا اسی کو لوٹا دو۔''[3]

- اگر اس کے سامنے معروف (نیکی) پر عمل متروک ہو جائے یا اسے معمولی سمجھا جانے لگے تو اس پر امر بالمعروف لازم ہو جاتا ہے اور یہ اس کی ذمہ داری ہے جس سے وہ صرف اسی صورت ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے کہ وہ خود یہ

1 صحيح البخاري، الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، حديث: 10، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام.....، حديث: 41. 2 صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أنه لايدخل الجنة إلا المؤمنون.....، حديث: 54.
3 النسآء 4:86.

فریضہ سرانجام دے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ نماز کی اذان ہو جائے اور حاضرینِ مجلس نماز باجماعت کے لیے جانے کو تیار نہ ہوں تو اس پر فرض ہے کہ ان سے مؤذن کے اعلانِ نماز پر عمل کرائے کہ اس وقت یہی معروف ہے جس کا حکم دینا اس پر فرض ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ اگر کوئی بھوکا یا ننگا شخص اس کے قریب سے گزر رہا ہو تو اس پر لازم ہے کہ اسے کھانا کھلائے اور کپڑے پہنائے بشرطیکہ اسے اس کی استطاعت ہو، وگرنہ کسی اور صاحبِ استطاعت کو اس کی تلقین کرے، بھوکے کو کھانا کھلانا اور ننگے کو لباس مہیا کرنا نیکی ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے۔

✽ اگر اس کے سامنے اللہ کی نافرمانی کی جا رہی ہو تو اس سے منع کرے کیونکہ منکر کو مٹانا اسی طرح ضروری ہے، جس طرح نیکی کا حکم کرنا ضروری ہے اور یہ ہر مسلمان کا وظیفۂ زندگی اور فریضۂ حیات ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ»

''تم میں سے جو شخص برائی دیکھے تو اسے تبدیل کرے۔''[1]

یعنی اگر اس کے سامنے ایک شخص کسی پر ظلم و زیادتی کر رہا ہو یا اسے مار رہا ہو یا اس کا مال چھین رہا ہو تو اس وقت مظلوم کی امداد اپنی وسعت و طاقت کے مطابق اس پر ضروری ہے۔

✽ کوئی راستہ بھٹک جائے تو اس کی رہنمائی کرے، اگر کوئی کسی مکان کی تلاش میں ہے تو اس کا پتہ بتائے، کسی آدمی کی دریافت مطلوب ہو تو نشاندہی کرے۔ یہ ان تمام اشخاص کی ذمہ داری ہے جو دکانوں، مکانوں کے سامنے اور عام تفریح گاہوں اور باغیچوں میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ راستے میں بیٹھنے کے متعلق ہی رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ عالی ہے:

«إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ، فَقَالُوا: مَالَنَا بُدٌّ، إِنَّمَا هِيَ مَجَالِسُنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا قَالَ: فَإِذَا أَتَيْتُمْ إِلَى الْمَجَالِسِ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهَا، قَالُوا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذٰى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ»

''راستوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو'' لوگوں نے کہا: ہم ان مجالس میں روزمرہ کی بات چیت کے لیے بیٹھتے ہیں، اس کے بغیر ہمارا کوئی چارہ نہیں۔ فرمایا: ''پھر جب تم اپنی مجالس میں آؤ تو راستے کے حقوق ادا کرو۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: راستے کے کیا حقوق ہیں؟ فرمایا: ''نظر نیچی رکھنا، ایذا نہ دینا، سلام کا جواب دینا، اچھائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔''[2]

1. صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان......، حديث: 49. 2 صحيح البخاري، المظالم، باب أفنية الدور والجلوس فيها والجلوس على الصعدات، حديث: 2465، و صحيح مسلم، السلام، باب النهي عن الجلوس في الطرقات......، حديث: 2121.

بیٹھنے کے آداب میں یہ انتہائی ضروری ہے کہ جب اٹھے تو کفارۂ مجلس کے طور پر استغفار کرے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی مجلس سے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ»

''اے اللہ تو اپنی تعریف کے ساتھ (ہر عیب سے) پاک ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں ہے۔ تجھ سے (اپنی کوتاہیوں کی) معافی چاہتا ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں۔''[1]

آپ سے اس (دعا کے) بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''یہ مجلس کی کوتاہیوں کا کفارہ ہے۔''

باب:9 کھانے پینے کے آداب

مسلمان کی نظر میں سامانِ خور ونوش اصل مقصود نہیں، وہ محض اس لیے کھاتا پیتا ہے کہ بدن کو زندہ رکھ سکے اور اللہ کی عبادت کا فریضہ سرانجام دے سکے اور یہی عبادت اسے دارِ آخرت کی عزت وسعادت کا اہل بنائے گی۔

اس کا کھانا پینا محض کھانے پینے کی غرض کے لیے نہیں ہوتا اور نہ ہی لذت اور شوق کے لیے، یہی وجہ ہے کہ جب بھوک لگتی ہے تو کھاتا ہے، پیاس لگتی ہے تو پیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«نَحْنُ قَوْمٌ لَّا نَأْكُلُ حَتّٰى نَجُوعَ، وَإِذَا أَكَلْنَا فَلَا نَشْبَعُ»

''ہم بھوک کے بغیر نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو شکم سیری نہیں کرتے۔''[2]

لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خور ونوش کے شرعی آداب کی پابندی قبول کرے۔

کھانے سے پہلے کے آداب (1) مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ ان حلال اور پاک اشیاء سے کھانے پینے کی چیزیں تیار کرے جن میں حرام اور شبہ کا شائبہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

''اے ایمان والو! ہم نے جو پاک اور عمدہ روزی تمھیں دی ہے، اس سے کھاؤ۔''[3]

پاک روزی سے مراد وہ حلال ہے جس سے نہ تو گھن آتی ہو اور نہ وہ صحت کو خراب کرنے والی ہو۔

(2) کھانے پینے میں اللہ کی عبادت کے لیے جسمانی قوت حاصل کرنے کی نیت کرے تاکہ خور ونوش اس کے لیے باعث

1 [صحیح] جامع الترمذي، الدعوات، باب ما يقول إذا قام من مجلسه، حديث: 3433۔ اسے امام ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ 2 اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ 3 البقرة 2:172.

ثواب ہو، اس لیے کہ اچھی نیت سے مباح کام بھی اطاعت شمار ہوتا ہے اور اس پر مسلمان کو اجر وثواب دیا جاتا ہے۔

(3) اگر ہاتھوں پر میل کچیل ہے یا صاف نہ ہونے کا گمان ہے تو کھانا شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھو لے۔

(4) کھانا زمین پر کپڑے، دستر خوان پر رکھ کر کھائے کہ اس میں تواضع زیادہ ہے، میز، طشتری وغیرہ استعمال نہ کرے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «مَا أَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى خِوَانٍ وَّلَا فِي سُكُرُّجَةٍ»

''رسول اللہ ﷺ نے میز یا طشتری پر رکھ کر کھانا نہیں کھایا۔''[1]

(5) گھٹنوں کے بل اور دونوں قدموں کی پشت پر تواضع کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے یا دایاں گھٹنا کھڑا کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد عالی ہے:

«إِنِّي لَا آكُلُ مُتَّكِئًا» ''میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔''[2]

نیز فرمایا: «آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ، وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ»

''میں کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور میں بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے اور میں بندہ ہی ہوں۔''[3]

(6) حاضر کھانے کو پسند کرے، عیب جوئی نہ کرے، پسند آتا ہے تو کھائے اگر کسی وجہ سے پسند نہیں ہے تو ترک کر دے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «مَا عَابَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ، إِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ، وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ»

''نبیٔ اکرم ﷺ نے کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر پسند ہوتا تو کھا لیتے اور اگر ناپسند ہوتا تو چھوڑ دیتے۔''[4]

(7) کوشش کرے کہ کھانا مہمان، گھر کے افراد یا خادم کے ساتھ کھائے۔ حدیث نبوی ہے:

«فَاجْتَمِعُوا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ»

''اکٹھے کھانا کھاؤ، اس پر اللہ کا نام لو (بسم اللہ پڑھو) تمھارے لیے اس میں برکت ہوگی۔''[5]

آدابِ دورانِ طعام (1) اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھانا شروع کرے۔ فرمانِ نبوی ہے:

«إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى، فَإِنْ نَّسِيَ أَنْ يَّذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ»

''جب تم میں سے کوئی (کھانا) کھانے لگے تو ''بسم اللہ'' کہے اگر شروع میں اللہ کا نام لینا بھول جائے تو «بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ» (اللہ کے نام سے، اس کے آغاز پر اور اختتام پر) کہے۔''[6]

1 صحيح البخاري، الأطعمة، باب ماكان النبي ﷺ وأصحابه يأكلون، حديث: 5415. 2 صحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل متكئًا، حديث: 5398. 3 سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 544، وصحيح الجامع الصغير، حديث: 8. 4 صحيح البخاري، الأطعمة، باب ما عاب النبي ﷺ طعامًا، حديث: 5409. 5 [حسن] سنن أبي داود، الأطعمة، باب في الاجتماع على الطعام، حديث: 3764، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 895. 6 [صحيح] سنن أبي داود، ◄◄

(2) اور اللہ کی حمد وتعریف سے کھانے کا اختتام کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَكَلَ طَعَامًا قَالَ: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هٰذَا وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّي وَلَا قُوَّةٍ» غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جو کھانا کھا کر کہتا ہے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هٰذَا ...... وَلَا قُوَّةٍ» یعنی ''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میرے تصرف وقوت کے بغیر مجھے یہ عطا کیا'' تو اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''[1]

(3) کھانا دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں سے کھائے، لقمہ چھوٹا لے اور خوب چبا کر کھائے، اپنے آگے سے اٹھائے، برتن کے درمیان سے نہ کھائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «يَا غُلَامُ! سَمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ»

''اے لڑکے! اللہ کا نام لے کر، دائیں ہاتھ سے اور اپنے آگے سے کھا۔''[2]

نیز فرمایا: «إِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ، فَكُلُوا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَّسَطِهِ»

''بے شک برکت کھانے کے درمیان میں اترتی ہے، پس اس کے کناروں سے کھاؤ اور درمیان سے نہ کھاؤ۔''[3]

(4) کھانا اچھی طرح چبا کر کھائے، ہاتھوں کو رومال یا پانی سے صاف کرنے سے پہلے برتن اور انگلیوں کو اچھی طرح صاف کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ حَتّٰى يَلْعَقَهَا أَوْيُلْعِقَهَا»

''جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو چاٹنے یا چٹانے سے پہلے ہاتھ (انگلیاں) صاف نہ کرے (نہ دھوئے۔)''[4]

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انگلیوں کو چاٹنے اور برتن صاف کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے:

«فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ فِي أَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ»

''تم نہیں جانتے کہ تمھارے کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔''[5]

◄◄ الأطعمة، باب التسمية على الطعام، حديث: 3767، وجامع الترمذي، الأطعمة، باب ماجاء في التسمية على الطعام، حديث: 1858، اسے امام ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 1 [حسن] جامع الترمذي، الدعوات، باب مايقول إذا فرغ من الطعام، حديث: 3458، وقال: حسن غريب، وسنن أبي داود، اللباس، باب مايقول إذا لبس ثوبا جديدا، حديث: 4023، اسے حافظ ابن حجر نے حسن کہا ہے۔ 2 صحيح البخاري، الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، حديث: 5376، وصحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث: 2022. 3 [صحيح] جامع الترمذي، الأطعمة، باب ماجاء في كراهية الأكل من وسط الطعام، حديث: 1805، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ 4 صحيح البخاري، الأطعمة، باب لعق الأصابع......، حديث: 5456، یہاں ہاتھ سے مراد انگلیاں ہیں، دیکھیے: صحيح مسلم، الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع والقصعة......، حديث: 2031. 5 صحيح مسلم، الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع والقصعة......، حديث: 2034.

(5) اگر کھانے کی کوئی چیز نیچے گر جائے تو اسے صاف کر کے کھا لے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَأْخُذْهَا، فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا أَذًى وَّلْيَأْكُلْهَا، وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ»

''جب تم میں سے کسی ایک کا لقمہ گر جائے تو اسے اٹھا لے اور اس کے ساتھ لگی ہوئی گندگی صاف کر کے اسے کھا لے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔''[1]

(6) گرم کھانے میں پھونک نہ مارے بلکہ ٹھنڈا کر کے کھائے اور پیتے وقت (بھی) پانی (وغیرہ) میں پھونک نہ مارے، اور چاہیے کہ برتن منہ سے الگ کر کے تین بار سانس لے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:''رسول اللہ ﷺ مشروب پینے میں تین بار سانس لیتے تھے۔''[2]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:''آپ نے پانی میں پھونک مارنے سے منع کیا ہے۔''[3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:''رسول اللہ ﷺ نے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔''[4]

(7) پیٹ زیادہ بھر کر کھانے سے اجتناب کرے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِّعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ، بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُّقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِّطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِّشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِّنَفَسِهِ»

''انسان، پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں بھرتا۔ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو کھڑا رکھ سکیں۔ اگر اس سے زیادہ ہی کھانا ہے تو (معدے کا) تہائی کھانے کے لیے، تہائی پینے کے لیے اور تہائی سانس کے لیے مقرر کر لے۔''[5]

(8) اکٹھے بیٹھنے والوں میں سے بڑے کو پہلے بات کرنے کا حق حاصل ہے، جبکہ کھانے پینے کی چیزوں میں دائیں طرف سے دینا شروع کرے، خواہ اس جانب کم عمر ہی کیوں نہ ہوں اور پلانے والا آخر میں خود نوش کرے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان اقدس ہے:«كَبِّرْ كَبِّرْ» ''بڑے کو بات کرنے دو، بڑے کو بات کرنے دو۔''[6]

1 صحيح مسلم، الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع والقصعة......، حديث: 2033. 2 صحيح البخاري، الأشربة، باب الشرب بنفسين أو ثلاثة، حديث: 5631، وصحيح مسلم، الأشربة، باب كراهة التنفس في نفس الإناء......، حديث: 2028. 3 [صحيح] جامع الترمذي، الأشربة، باب ماجاء في كراهية النفخ في الشراب، حديث: 1887، امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ 4 [صحيح] جامع الترمذي، الأشربة، باب ما جاء في كراهية النفخ في الشراب، حديث: 1888، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ 5 [حسن] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في كراهية كثرة الأكل، حديث: 2380، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے، اس روایت کے بہت سے شواہد بھی ہیں۔ 6 الموطأ للإمام مالك، القسامة، باب تبدئة أهل الدم في القسامة، حديث: 1678، وصحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب الموادعة والمصالحة مع المشركين......، حديث: 3173، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب القسامة، حديث: 1669.

نیز رسول اللہ ﷺ نے بڑوں کو دینے کے لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اجازت طلب کی تھی جبکہ وہ دائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے اور بڑے شیوخ بائیں طرف تھے۔ آپ کا اجازت طلب کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ زیادہ حق دائیں طرف والوں کا ہے۔[1]

نیز آپ کا ارشاد ہے: «اَلْأَیْمَنُ فَالْأَیْمَنُ» ''دائیں طرف دو، دائیں طرف دو۔''[2]

اور یوں بھی فرمایا: «إِنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا» ''بے شک قوم کو مشروب پلانے والا آخر میں پیے گا۔''[3]

(9) مجلس میں بڑی عمر یا فضیلت میں بڑے کی موجودگی میں تناولِ طعام میں پہل نہ کرے، اس لیے کہ یہ ادب کے خلاف ہے اور ایسا کرنے والا حرص کی مذموم صفت سے متصف سمجھا جائے گا۔ ایک شاعر کہتا ہے:

وَ إِنْ مُدَّتِ الْأَيْدِي إِلَى الزَّادِ لَمْ أَكُنْ بِأَعْجَلِهِمْ إِذْ أَجْشَعُ الْقَوْمِ أَعْجَلُ

''اور جب ہاتھ کھانے کی طرف بڑھائے جاتے ہیں تو میں جلدی نہیں کرتا کہ قوم میں زیادہ حریص انسان سب سے زیادہ جلد باز ہوتا ہے۔''

(10) کسی جھجک یا تکلف کے بغیر کھانا کھائے تاکہ اس کے ساتھی یا میزبان کو یہ نہ کہنا پڑے کہ ضرور کھاؤ کیونکہ یہ تو میزبان کو تنگ کرنے والی بات ہے اور دوسرا یہ ایک قسم کا دکھلاوا اور ریا بھی ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

(11) کھانے میں شریک ساتھی کا لحاظ کرے اور اس سے زیادہ کھانا کھانے کی کوشش نہ کرے، بالخصوص جبکہ کھانا تھوڑا ہو کیونکہ اس سے دوسرے کی حق تلفی ہوگی۔

(12) کھانے کے دوران (بلا وجہ) دوسرے ساتھیوں کو نہ دیکھے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ دے، وہ اس سے شرم محسوس کریں گے۔ بلکہ اپنے اردگرد کھانے والوں سے صرفِ نظر کر کے کھانا کھاتا رہے۔ اسی طرح کھانے کے دوران میں ان کی طرف تانک جھانک بھی نہ کرے کہ اس طرح انھیں تکلیف ہوگی بلکہ بعض اوقات ان میں دشمنی بھی پیدا ہوسکتی ہے اور یہ گناہ گار بنے گا۔

(13) کوئی ایسا کام نہ کرے جو لوگوں کی نظر میں معیوب ہو، پیالے میں ہاتھ نہ ڈالے، کھانا کھاتے وقت منہ برتن کے زیادہ قریب نہ کرے، ہوسکتا ہے کہ منہ میں سے کچھ حصہ گر جائے، روٹی کا ٹکڑا دانتوں سے توڑا ہے تو اسے سالن کے

1 صحيح البخاري، الأشربة، باب هل يستأذن الرجل من عن يمينه في الشرب ليعطي الأكبر، حديث: 5620. اور جب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اجازت نہ دی تو آپ نے انھی کو پہلے پانی پلایا اس سے معلوم ہوا کہ دائیں طرف سے ہی ابتدا کرنی چاہیے الا یہ کہ دائیں طرف والا کسی اور کو دینے کی اجازت دے دے۔ واللہ اعلم (ع، ر) 2 صحيح البخاري، الأشربة، باب الأيمن فالأيمن في الشرب، حديث: 5619، وصحيح مسلم، الأشربة، باب استحباب إدارة الماء واللبن......، حديث: 2029. 3 صحيح مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها، حديث: 681.

برتن میں نہ ڈبوئے اور اسی طرح بے ہودہ اور گھٹیا الفاظ استعمال نہ کرے کیونکہ اس سے کوئی بھی ساتھی ایذا اور تکلیف محسوس کر سکتا ہے اور مسلمان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

(14) تنگ دست کے ساتھ کھانا ایثار پر قائم رہتے ہوئے، ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ کھانا انبساط و خوش طبعی کو برقرار رکھتے ہوئے اور مرتبہ و شان والے بزرگوں کے ساتھ کھانا آداب و احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے کھایا جائے۔

آداب بعد از طعام (1) شکم سیر ہونے سے پہلے کھانا بند کر دے، اسی میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا ہے، اس طرح وہ بدہضمی سے بھی محفوظ رہے گا اور اس کی ذہنی استعداد بھی درست رہے گی۔

(2) ہاتھ کی انگلیاں چاٹے پھر کپڑے سے صاف کرے یا دھو لے، البتہ دھونا بہتر ہے۔

(3) کھانے کے دوران میں گرنے والے ٹکڑے چن لے۔ جس طرح کہ ''حدیث'' میں اس کی ترغیب آئی ہے اور یہ نعمت پر اظہارِ تشکر ہے۔[1]

(4) دانتوں کا خلال کرے اور منہ صاف کرنے کے لیے کلی کرے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا اور ساتھیوں سے ہم کلام ہوگا۔ منہ کی یہ صفائی دانتوں کی تندرستی کے لیے بھی بے حد ضروری ہے۔

(5) کھانا کھانے یا مشروب پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف کرے، دودھ پیا ہے تو یوں کہے:

«اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ»

''اے اللہ! اس (دودھ) میں ہمیں برکت دے اور مزید عطا فرما۔''[2]

کسی کے پاس روزہ افطار کیا ہے تو اسے بایں الفاظ دعا دے:

«أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ»

''تمھارے پاس روزہ دار روزہ افطار کریں، نیک لوگ تمھارا کھانا کھائیں اور فرشتے تمھارے لیے دعا کریں۔''[3]

اور اگر یوں کہے: «اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ»

''اے اللہ! جو کچھ تو نے انھیں عطا فرما رکھا ہے اس میں برکت کر، انھیں بخش دے اور ان پر رحم فرما۔''[4]

تو اس نے سنت کو بھی پالیا اور اس کے حق میں خیر کثیر کی دعا بھی کر دی۔

1 صحيح مسلم، الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع والقصعة......، حديث: 2034,2033. 2 [ضعيف] سنن أبي داود، الأشربة، باب مايقول إذا شرب اللبن، حديث: 3730، وحسنه الترمذي وابن حجر، اس کی سند علی بن زید اور عمر بن حرملہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 3 [حسن] سنن أبي داود، الأطعمة، باب في الدعاء لرب الطعام، حديث: 3854 یہ حدیث حسن ہے، دیکھیے نیل المقصود وغیرہ۔ 4 صحيح مسلم، الأشربة، باب استحباب وضع النوى خارج التمر......، حديث: 2042.

باب:10

مہمان نوازی کے آداب

مسلمان کا شیوہ ہے کہ وہ مہمان کی عزت کرتا ہے اور اس کی مناسب توقیر بجالاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»

''جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''[1] نیز فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ» قَالُوا: وَمَا جَائِزَتُهُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: جَائِزَتُهُ يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ»

''جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لاتا ہے، وہ اپنے مہمان کی عزت کرتے ہوئے اسے اس کا انعام دے۔'' لوگوں نے پوچھا: اس کا انعام کیا ہے؟ فرمایا: ''اس کا انعام (پرتکلف دعوت) ایک دن اور ایک رات تک ہے جبکہ ضیافت (عام روٹین کا کھانا) تین دن کے لیے ہے، اس کے بعد (مہمان کو جو کچھ پیش کیا جائے گا وہ) صدقہ وخیرات ہے۔''[2] بنابریں مسلمان مہمانداری میں درج ذیل آداب کا التزام کرے:

مہمانی کے لیے بلانا ① اپنی ضیافت میں متقی اور پرہیزگار لوگوں کو بلائے، فاسق اور مجرم اشخاص کو مدعو نہ کرے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: «لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ»

''صرف ایماندار کی صحبت اختیار کر اور تیرا کھانا صرف متقی ہی کھائے۔''[3]

② ضیافت ومہمانی کے لیے اغنیاء کو مخصوص نہ کرے بلکہ فقراء کو بھی بلائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعٰى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ»

''بدترین کھانا اس ولیمے کا کھانا ہے جس میں دولت مند بلائے جائیں اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔''[4]

③ ضیافت میں مقصود ایک دوسرے سے بڑھنا اور فخر کرنا نہ ہو بلکہ رسول اللہ ﷺ اور سابقہ انبیاء، مثلاً: ابراہیم علیہ السلام

1 صحيح البخاري، الأدب، باب إكرام الضيف......، حديث: 6135، وصحيح مسلم، اللقطة، باب الضيافة و نحوها، حديث: 48 بعد الحديث: 1726. 2 صحيح البخاري، الأدب، باب إكرام الضيف......، حديث: 6135، وصحيح مسلم، اللقطة، باب الضيافة ونحوها، حديث: 48 بعد الحديث: 1726. 3 [حسن] سنن أبي داود، الأدب، باب من يؤمر أن يجالس، حديث: 4832، وجامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في صحبة المؤمن، حديث: 2395 و قال: حسن، اسے امام ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 4 صحيح البخاري، النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله، حديث: 5177، وصحيح مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: 1432.

کے طریق کی پیروی کا ارادہ کرے اور اس میں یہ نیت و جذبہ بھی کارفرما ہو کہ ایماندار بھائیوں میں سرور اور خوشی پیدا کرے گا۔

④ کسی ایسے شخص کو دعوت نہ دے جس کا شریک ہونا مشکل ہو یا (خیال ہو کہ) وہ کسی شریک ساتھی کی وجہ سے رنجیدہ ہوگا کیونکہ مومن کو ایذا دینا حرام ہے۔

قبولِ دعوت کے آداب ① کھانے کی دعوت قبول کر لینی چاہیے، معقول عذر کے بغیر اس سے پیچھے رہنا مناسب نہیں ہے، مثلاً: دعوت میں شریک ہونے سے دین یا بدن میں نقصان وضرر کا اندیشہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ دُعِيَ إِلٰى عُرْسٍ أَوْنَحْوِهِ فَلْيُجِبْ»

''جسے شادی وغیرہ (کی دعوت) کے لیے بلایا جائے، وہ اسے قبول کرے۔''[1]

نیز فرمایا: «لَوْ دُعِيتُ إِلٰى ذِرَاعٍ أَوْكُرَاعٍ لَأَجَبْتُ، وَلَو أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ»

''مجھے اگر بکری کے بازو یا پائے کے لیے بلایا جائے تو میں ضرور دعوت قبول کروں گا اور اگر مجھے بازو یا پائے کا تحفہ دیا جائے تو میں اسے منظور کروں گا۔''[2]

② قبولِ دعوت میں امیر وغریب کا فرق نہ کرے، غریب کی دعوت قبول نہ کرنے سے اس کی دل شکنی ہوگی اور اس میں تکبر کا پہلو بھی ہے، اور تکبر کرنے پر اللہ ناراض ہوتا ہے۔

غرباء کی دعوت قبول کرنے کے بارے میں مروی ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما ایک دن مساکین کے پاس سے گزرے جو روٹی کے ٹکڑے زمین پر رکھ کر کھا رہے تھے۔ انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو دعوت دی۔ اے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کے بیٹے! ہمارے ساتھ صبح کے کھانے میں شریک ہو جائیں۔

حسن رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: «نَعَمْ، إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرَ»

''ہاں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑائی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔''[3]

خچر سے اترے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

③ قبولِ دعوت میں دور اور قرابت والے کا فرق نہ کرے بلکہ جو پہلے آ جائے اس کی دعوت قبول کر لے اور دوسرے سے معذرت کر لے۔

④ نفلی روزہ کی وجہ سے انکار نہ کرے اگر صاحب دعوت اسے کھانا کھلانے میں خوشی محسوس کرتا ہے تو روزہ افطار کر

1 صحيح مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: 1429. 2 صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب القليل من الهبة، حديث: 2568. 3 إحياء علوم الدين: 18/2. یہ روایت مجھے باسند نہیں ملی۔

دے اور ایک مومن کے دل کو خوش کردے ورنہ ان کے لیے دعائے خیر کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ»

''جب تم میں سے کسی کو کھانے کے لیے بلایا جائے تو وہ قبول کرے۔ اگر (نفلی) روزے سے ہے تو دعا کردے اور اگر روزہ دار نہیں تو کھانا کھائے۔''[1]

آپ نے نفلی روزہ رکھنے والے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے، جسے دعوت ملی تھی، یہ فرمایا: «دَعَاكُمْ أَخُوكُمْ وَتَكَلَّفَ لَكُمْ» ''تمھیں تمھارے بھائی نے دعوت دی ہے اور تکلیف اٹھائی ہے۔'' پھر آپ نے اسے حکم دیا کہ افطار کرلو۔ اور اگر تم چاہو تو اس کے بدلے میں کسی دوسرے دن روزہ رکھ لینا۔''[2]

قبول دعوتِ طعام میں اپنے ساتھی مسلمان کی عزت و توقیر مطلوب ہونی چاہیے تاکہ ثواب ملے۔

حدیث میں ہے: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى»

''اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر شخص کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی۔''[3]

حقیقت یہ ہے کہ اچھی نیت سے مباح کام کو اطاعت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے جس پر مومن اجر کا مستحق قرار پاتا ہے۔

دعوتِ طعام میں حاضر ہونے کے آداب ① میزبانوں کو زیادہ انتظار نہ کرائے، اس طرح وہ پریشان ہوں گے اور نہ وہاں پہنچنے میں جلدی کرے کہ تیاری سے پہلے اچانک پہنچنے سے انھیں تکلیف ہوگی۔

② اندرون خانہ آنے کے بعد تواضع و انکساری کے ساتھ بیٹھ جائے اور صاحبِ خانہ جس جگہ بٹھائے وہیں بیٹھے، اس سے الگ نہ ہو۔

③ میزبان مہمان کے لیے کھانا جلد پیش کرے، اس لیے کہ اس میں اس کی عزت و توقیر ہوگی اور شارع نے مہمان کی عزت کرنے کا حکم دیا ہے: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»

''جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''[4]

④ میزبان سب مہمانوں کے فارغ ہونے سے پہلے، بقیہ کھانا اٹھانے میں جلدی نہ کرے۔

⑤ کفایت کے انداز سے کھانا پیش کرے، تھوڑی چیز پیش کرنا بے مروتی ہے اور زیادہ حاضر کرنا تصنع اور بناوٹ ہے،

[1] صحیح مسلم، النکاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلٰی دعوة، حدیث: 1431. [2] [ضعیف] السنن الکبرٰی للبیهقي: 279/4، اس کی سند اسماعیل بن ابی اویس کی وجہ سے ضعیف ہے، دیکھیے تہذیب وغیرہ، نیز ابن المنکدر کا ابوسعید سے سماع معروف نہیں ہے، التلخیص الحبیر: 198. [3] صحیح البخاري، بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلٰی رسول اللّٰهﷺ......، حدیث: 1، و صحیح مسلم، الإمارة، باب قولهﷺ: «إنما الأعمال بالنیة......»، حدیث: 1907. [4] صحیح البخاري، الأدب، باب إکرام الضیف......، حدیث: 6135، وصحیح مسلم، اللقطة، باب الضیافة ونحوها، حدیث: 48 بعد الحدیث: 1726.

دونوں باتیں قابلِ مذمت ہیں۔

⑥ جب کسی کے پاس مہمان بن کر جائے تو وہاں تین دن سے زیادہ نہ رہے۔ اِلّا یہ کہ میزبان مجبور کرے اور واپسی پر اس سے اجازت طلب کرے۔

⑦ مہمان کی روانگی کے وقت میزبان گھر کے باہر تک اس کے ساتھ جائے کہ یہ سلف صالحین رحمہم اللہ کا طرزِ عمل ہے اور شرعاً مہمان کی توقیر میں داخل ہے۔

⑧ مہمان خوش ہو کر واپس جائے، چاہے اس کی خدمت میں کوئی کمی رہ گئی ہو، اس لیے کہ یہ بات خوش خلقی میں داخل ہے، جس پر روزہ وقیام کا ثواب ملتا ہے۔

⑨ مسلمان کے پاس تین بستر ہونے چاہئیں:

ایک اپنے لیے دوسرا بیوی کے لیے اور تیسرا مہمان کے لیے اور ان سے زائد ممنوع ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «فِرَاشٌ لِّلرَّجُلِ وَفِرَاشٌ لِّامْرَأَتِهِ وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ، وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ»

''ایک بستر مرد کے لیے، دوسرا اس کی بیوی کے لیے، تیسرا مہمان کے لیے اور چوتھا شیطان کے لیے ہوتا ہے۔''[1]

باب:11 سفر کے آداب

سفر ایک ایسی ضرورت ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں، حج، عمرہ، جنگ، طلبِ علم، تجارت، دوستوں اور قرابت داروں کی ملاقات کے لیے سفر یا تو فرض ہے یا واجب۔[2] اسی لیے شارع نے سفر کے احکام و آداب بیان کرنے کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے، چنانچہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ احکامِ سفر کی آگاہی حاصل کرے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

احکامِ سفر ① چار رکعت والی نماز دو رکعت رہ جاتی ہے، البتہ نمازِ مغرب تین رکعت ہی پڑھے گا اسی طرح نمازِ فجر بھی کم نہیں ہوگی۔ مسافر اپنا شہر چھوڑنے سے لیکر گھر واپس آنے تک قصر (نماز کم کرکے پڑھنا) کرے گا۔ اِلّا یہ کہ وہ

[1] صحیح مسلم، اللباس والزینة، باب کراهة مازاد علی الحاجة من الفراش واللباس، حدیث: 2084. حدیث کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو ضرورت سے زائد بستر نہیں رکھنے چاہئیں کہ اس میں ریا اور دکھلاوا پایا جاتا ہے جس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (ع،ر) [2] محدثین کرام اور اکثر فقہائے عظام رحمہم اللہ کے نزدیک فقہی احکام میں فرض، واجب ہم معنی الفاظ ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔ واللہ اعلم۔ (ع،ر)

کسی جگہ چار دن یا اس سے زیادہ رہنے اور مقیم ہونے کا ارادہ کر لے، پھر وہ چار رکعت والی نماز پوری ادا کرے گا اور جب وہاں سے گھر کی طرف واپس روانہ ہو تو پھر قصر شروع کر دے گا اور اپنے گھر واپس آنے تک قصر کرتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَوٰةِ﴾

''جب تم زمین میں سفر کرو تو نماز، قصر کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔''[1]

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ»

''ہم نبیٔ اکرم ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ مکرمہ گئے۔ آپ (چار چار رکعت والی) نماز دو دو رکعت پڑھتے رہے، یہاں تک کہ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔''[2]

(2) یہ ایک موقف ہے، جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ 19 دن سے زیادہ قیام کا ارادہ ہو تو مقیم تصور ہوگا اور پوری نماز پڑھے ورنہ قصر ہی کرے گا، جبکہ بعض محققین کہتے ہیں کہ اپنی اقامت گاہ سے نکل کر جب تک آدمی کو مسافر سمجھا جاتا ہو تو وہ مسافر ہی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی اقامت گاہ کو لوٹے۔

(3) تین دن اور تین راتیں موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَّلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَّلَيْلَةً لِّلْمُقِيمِ»

''رسول اللہ (ﷺ) نے مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں (موزوں پر مسح کے لیے) مقرر کیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات۔''[3]

(4) پانی نہ ملے، تلاش میں تکلیف ہوتی ہو یا قیمت بہت زیادہ ہو تو پھر مسافر کے لیے تیمم جائز ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ﴾

''اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے جماع کیا ہو اور پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی سے تیمم کرو، پس چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔''[4]

(5) سفر میں روزہ افطار کرنے کی بھی اجازت ہے۔ فرمانِ باری ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

1 النسآء 101:4. 2 صحیح البخاري، التقصیر، باب ماجاء في التقصیر......، حدیث: 1081، وصحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب صلاة المسافرین و قصرها، حدیث: 693. 3 صحیح مسلم، الطهارة، باب التوقیت في المسح علی الخفین، حدیث: 276. 4 النسآء 43:4.

''پس تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی (پورا کرنے کا حکم) ہے۔''[1]

⑥ سفر میں نفل نماز سواری پر پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر نفل پڑھ لیتے تھے، خواہ اس کا رخ جدھر بھی ہوتا۔''[2]

⑦ اگر سفر میں جلدی ہو تو ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کی جمع تقدیم جائز ہے، یعنی ظہر اور عصر، ظہر کے وقت میں پڑھ لے اور مغرب اور عشاء، مغرب کے وقت میں اور اسی طرح جمع تاخیر بھی جائز ہے، یعنی ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے اول وقت میں پڑھے اور ساتھ ہی عصر بھی پڑھ لے اور اسی طرح مغرب اور عشاء، عشاء کے اول وقت میں پڑھ سکتا ہے۔ چنانچہ معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ تبوک میں ہم نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ظہر و عصر اکٹھی پڑھتے اور مغرب و عشاء بھی اکٹھی پڑھتے تھے۔''[3]

سفر کے آداب ① اگر کسی کا کوئی حق یا امانت ہو تو اس کی ادائیگی کرے، اس لیے کہ سفر میں ہلاکت کے امکانات ہوتے ہیں۔

② سفر خرچ حلال ذریعہ سے تیار کرے، مزید بیوی، بچوں اور والدین کا لازمی اور ضروری خرچ مہیا کر کے جائے۔

③ بھائیوں، ساتھیوں اور اہل وعیال کے ساتھ الوداعی ملاقات کرے اور یہ دعا دے:

«أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِينَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيمَ أَعْمَالِكُمْ»

''میں تمھارے دین، تمھاری امانت اور تمھارے خاتمۂ اعمال کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔''[4]

اور الوداع کہنے والے اسے یہ دعا دیں: «زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ»

''اللہ تجھے تقویٰ کا توشہ عطا کرے، تیرے گناہ معاف کرے اور تو جدھر بھی جائے اچھائی کو تیرے لیے آسان کرے۔''[5]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ لُقْمَانَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى إِذَا اسْتُودِعَ شَيْئًا حَفِظَهُ»

''لقمان (علیہ السلام) نے کہا کہ جو چیز اللہ کے سپرد کی جائے، وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔''[6]

1 البقرة 184:2. 2 صحيح البخاري، التقصير، باب صلاة التطوع على الدواب وحيثما توجهت، حديث: 1095، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جواز صلاة النافلة على الدابة......، حديث: 700. 3 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، حديث: 706. 4 [صحيح] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الدعاء عند الوداع، حديث: 2601، یہ روایت مجاہدین اور فوجیوں کو الوداع کہنے کے بارے میں ہے۔ جبکہ کسی دوست یا مہمان کو الوداع کہنے کے لیے یہ دعا آتی ہے: «أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِينَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ» (سنن أبي داود، حديث: 2600 اور یہ حدیث صحیح ہے) 5 [حسن] جامع الترمذي، الدعوات، باب منه [دعاء: «زودك الله التقوى......»]، حديث: 3444، وقال: حسن غريب. 6 [حسن] السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، حديث: 10352.

آپ ﷺ نے ابن عمر کو ان الفاظ کے ساتھ رخصت فرمایا: «أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِينَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ»
''میں تیرا دین، امانت اور خاتمۂ عمل اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔''[1]

④ سفر ایسے تین یا چار ساتھیوں کے ساتھ اختیار کرے، جن کے بارے میں اسے یقین ہو کہ یہ سفر میں ٹھیک رہیں گے۔ کیونکہ سفر انسان کے جانچنے کا ایک ذریعہ ہے، جس میں لوگوں کے اخلاق و کردار نمایاں ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «اَلرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَّالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ»
''اکیلا سوار شیطان ہے، دو بھی شیطان ہیں اور تین قافلہ ہے۔''[2]

نیز فرمایا: «لَوْيَعْلَمُ النَّاسُ مَافِي الْوَحْدَةِ مَا أَعْلَمُ، مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَّحْدَهُ»
''اگر لوگ اکیلے سفر کرنے کی وہ خرابیاں جان لیں جو مجھے معلوم ہیں تو کوئی بھی رات کو اکیلا سفر نہ کرے۔''[3]

⑤ مسلمان مسافروں کا قافلہ اپنے میں سے ایک کو امیر چن لے جو سب کے مشورے سے ان کی قیادت کے فرائض سرانجام دے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ»
''جب تین اشخاص سفر کے لیے نکلیں تو اپنے میں سے ایک کو (اپنا) امیر بنالیں۔''[4]

⑥ سفر شروع کرنے سے پہلے استخارہ کی دعا پڑھے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے اور قرآنی سورت کی طرح آپ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ دعا سکھاتے تھے اور جملہ معاملاتِ زندگی میں اس پر عمل فرماتے تھے۔[5]

⑦ گھر سے نکلتے وقت یہ دعائیں پڑھے: «بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»
''اللہ کے نام سے سفر شروع کرتا ہوں، اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کے ساتھ کسی کو برے کام سے بچنے

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الدعاء عند الوداع، حديث: 2600. [2] [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرجل يسافر وحده، حديث: 2607، اسے امام ترمذی اور بغوی نے حسن جبکہ امام ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ یعنی مطلق طور پر تن تنہا سفر کرنا شیطان کے افعال میں سے ایک فعل ہے اور شیطان بندے کو بھی اس پر ابھارتا رہتا ہے تاکہ دورانِ سفر وہ اپنے پاس کسی مسلمان بھائی کو نہ پائے جو مصیبت میں اس کے کام آئے، بیماری کی صورت میں اس کی وصیت سنے یا موت کی صورت میں اس کے کفن دفن کا انتظام کرے (وغیرہ) دو آدمیوں کے سفر کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اگر ایک آدمی اپنے ساتھی کو سامان کے پاس چھوڑ کر کسی کام کو نکل جائے تو دونوں تنہا رہ جاتے ہیں۔ ہاں اگر تین آدمی ہوں تو وہ از روئے شریعت ''قافلہ'' ہیں لیکن اگر چار ہوں تو زیادہ بہتر ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ سفر جس میں نماز قصر ہوتی ہے اس میں کم از کم تین آدمیوں کو مل کر سفر کرنا چاہیے الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو۔ واللہ اعلم (ع،ر) [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب السير وحده، حديث: 2998. [4] [ضعيف] سنن أبي داود، الجهاد، باب في القوم يسافرون يؤمّرون أحدهم، حديث: 2608، اس کی سند ابن عجلان کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [5] صحيح البخاري، التهجد، باب ماجاء في التطوع مثنى مثنى، حديث: 1162 و6382 و7390. **نوٹ:** مؤلف ﷾ نے حدیث شریف کے عموم سے استدلال کیا ہے (جو کہ درست ہے) ورنہ اس میں بطور خاص سفر سے قبل استخارہ کرنے کی صراحت نہیں ہے۔ واللہ اعلم (ع،ر)

اور نیک کام کرنے کی طاقت ملتی ہے۔[1]

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ» اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں کہ بھٹکوں یا بھٹکایا جاؤں، پھسلوں یا پھسلایا جاؤں، ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا (کسی کے ساتھ) جہالت کے کام کروں یا میرے ساتھ کوئی جہالت و نادانی سے پیش آئے۔''[2]

سواری پر سوار ہو تو یہ دعا پڑھے:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَسْئَلُكَ فِي سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى، وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ! هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهُ، اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ، وَسُوءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ»

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ پاک ہے وہ جس نے ہمارے لیے اسے (سواری کو) مسخر کر دیا، ہم اسے اپنے کنٹرول میں نہیں کر سکتے تھے۔ یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتے ہیں اور اس عمل کا جسے تو پسند کرے۔ اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی دوری کو لپیٹ دے۔ اے اللہ! سفر میں تو ہی ساتھی ہے اور پیچھے گھر میں اہل وعیال کا نگران بھی تو ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی شدتوں، برے منظر اور واپسی پر مال اور اہلِ خانہ میں برے حالات (پیدا ہونے) سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''[3]

(8) سفر کے لیے جمعرات کے دن صبح سویرے نکلے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا» ''اے اللہ! میری امت کی صبح میں برکت فرما۔''[4]

نیز رسول اللہ ﷺ عموماً جمعرات کے دن سفر اختیار کیا کرتے تھے۔[5]

(9) اونچی جگہ چڑھتے وقت اللہ اکبر کہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں سفر کا

(1) [ضعيف] سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول إذا خرج من بيته، حديث:5095، اس کی سند ابن جریج کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور تصریحِ سماع ثابت نہیں ہے وصححه الألباني. (2) [ضعيف] سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول إذا خرج من بيته، حديث:5094، اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ شعبی نے ام سلمہ سے نہیں سنا۔ اسے ترمذی، حاکم، ذہبی اور البانی نے صحیح کہا ہے۔ (3) صحيح مسلم، الحج، باب ما يقول إذا ركب إلى سفر الحج وغيره، حديث:1342. (4) [صحيح] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الابتكار في السفر، حديث:2606، اسے امام ترمذی نے حسن کہا جبکہ امام ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے اور اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ (5) سنن أبي داود، الجهاد، باب في اي يوم يستحب السفر، حديث:2605.

ارادہ رکھتا ہوں، مجھے وصیت کیجیے۔ تو آپ نے یہ فرمایا: «عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالتَّكْبِيرِ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ»

''تم اللہ کا خوف اور ڈر لازم پکڑو اور ہر اونچائی پر تکبیر کہو۔''[1]

⑩ کسی کا خطرہ محسوس ہو تو یہ دعا پڑھے: «اَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ»

''اے اللہ! ہم تجھے ان کے سینوں میں (مدمقابل) کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔''[2]

ایسے مواقع پر رسول اللہ ﷺ سے یہی دعا منقول ہے۔

⑪ سفر میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اور دنیا و آخرت کی اچھائی کا سوال کرے کیونکہ سفر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: «ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُّسْتَجَابَاتٌ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهِ»

''تین دعائیں قبول ہوتی ہیں: مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد کی اولاد کے حق میں دعا۔''[3]

⑫ کسی جگہ پڑاؤ ڈالے تو یہ کہے: «أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ»

''میں اللہ کے کامل تر کلمات کی پناہ لیتا ہوں، اس کی مخلوق کے شر سے۔''[4]

رات کا وقت آئے تو یوں کہے: «يَا أَرْضُ! رَبِّي وَرَبُّكِ اللّٰهُ، أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيكِ وَشَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ، وَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ (شَرِّ) أَسَدٍ وَّأَسْوَدَ، وَمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ، وَمِنْ سَاكِنِي الْبَلَدِ، وَمِنْ وَّالِدٍ وَّمَا وَلَدَ»

''اے زمین! میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ میں تیرے شر سے اور تیرے اندر موجود شر سے، تجھ میں پیدا شدہ شر سے اور تجھ پر چلنے والی مخلوق کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اور اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیر، سانپ، بچھو، شہر میں رہنے والوں اور (ہر) جنم دینے والے اور جو کچھ اس نے جنم دیا ہے، کے شر سے۔''[5]

⑬ تنہائی میں خوف محسوس کرے تو کہے:

«سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ، جُلِّلَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوتِ»

1 [حسن] جامع الترمذي، الدعوات، باب منه وصيته ﷺ المسافر بتقوى الله و التكبير على كل شرف، حديث: 3445، امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ 2 [ضعیف] سنن أبي داود، الوتر، باب مايقول الرجل إذا خاف قوماً، حديث: 1537، اس کی سند قتادہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانی کے نزدیک حدیث حسن ہے۔ 3 [حسن] جامع الترمذي، الدعوات، باب ماذكر في دعوة المسافر، حديث: 3448، وسنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء بظهر الغيب، حديث: 1536، امام ترمذی نے اسے حسن اور امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ 4 صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب في التعوذ من سوء القضاء......، حديث: 2708. 5 صحيح البخاري، العمرة، باب السفر قطعة من العذاب، حديث: 1804 و3001، وصحيح مسلم، الإمارة، باب: السفر قطعة من العذاب......، حديث: 1927.

''بادشاہ مطلق، پاک ذات، فرشتوں اور روح الامین کے رب کی تسبیح (کرتا ہوں) جس کا غلبہ اور قہر آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔''[1]

⑭ رات کے ابتدائی حصہ میں سوئے تو اپنا بازو بچھا کر اس پر سر رکھ کر سوئے اور اگر رات کے آخری پہر آرام کرنا چاہے تو بازو کھڑا کر کے ہتھیلی پر سر رکھے، تاکہ گہری نیند نہ سو سکے ورنہ صبح کی نماز وقت پر نہیں پڑھ سکے گا۔

⑮ سفر میں کوئی شہر یا آبادی سامنے آئے تو کہے: «(اَللّٰهُمَّ!) اجْعَلْ لَّنَا فِيهَا رِزْقًا وَّقَرَارًا»

''اے اللہ! اس میں ہمیں حلال روزی دے اور ہمارے لیے اس میں ٹھہرنا نصیب کر۔''[2]

«فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّمَا فِيهَا»

''ہم تجھ سے اس شہر کی اور اس میں رہنے والوں کی اچھائی کا سوال کرتے ہیں اور تیری پناہ چاہتے ہیں اس شہر کے شر سے، اس میں رہنے والوں کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے۔''[3]

ایسے مواقع پر رسول اللہ ﷺ یہی دعا کیا کرتے تھے۔

⑯ سفر سے مقصود ضرورت کے پورا ہونے پر جلد اپنے وطن اور گھر واپس آ جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ وَنَوْمَهُ، فَإِذَا قَضٰى أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ، (حَاجَتَهُ مِنْ سَفَرِهِ) فَلْيُعَجِّلْ إِلٰى أَهْلِهِ»

''سفر عذاب کا قطعہ ہے جو تم میں سے ایک کو کھانے، پینے اور آرام سے روکتا ہے۔ جب تم میں سے کوئی اپنے سفر کے مقصد کو پورا کر لے تو اپنے اہل کی طرف جلدی لوٹ آئے۔''[4]

⑰ واپسی پر تین بار ''اللہ اکبر'' کہے اور پھر بار بار یہ ذکر کرے: «آئِبُونَ، تَآئِبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ»

''(ہم) واپس آنے والے توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔''[5]

ایسے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول ہوا کرتا تھا۔

⑱ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ و عادت مبارکہ یہ تھی کہ اپنی آمد کی اطلاع پہلے گھر بھجوا دیتے تھے، لہٰذا بلا اطلاع

1. [ضعيف] عمل اليوم والليلة لابن السني، حديث: 639، اس کی سند درمک بن عمرو کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھیے لسان المیزان وغیرہ۔ 2. [ضعيف] عمل اليوم والليلة للنسائي، حديث: 525، اس کی سند قیس بن سالم کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 3. [صحيح] عمل اليوم والليلة للنسائي، حديث: 544، اسے امام ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔
4. صحيح البخاري، العمرة، باب السفر قطعة من العذاب، حديث: 1804 و 3001، وصحيح مسلم، الإمارة، باب: السفر قطعة من العذاب....، حديث: 1927. 5. صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب مايقول إذا رجع من الغزو، حديث: 3085، وصحيح مسلم، الحج، باب مايقول إذا رجع من سفر وغيره، حديث: 1344 بسند آخر.

اور رات کے وقت اپنے گھر نہیں آنا چاہیے۔[1]

⑲ عورت اپنے محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔حدیث نبوی ہے:

«لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ» ''کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔''[2]

باب:12 لباس کے آداب

مسلمان کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لباس پہننے کا حکم دیا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ﴾

''اے اولادِ آدم! ہر مسجد (نماز) کے پاس اپنی زینت اپناؤ (لباس پہنو) اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[3] اور لباس کو احسان جتلاتے ہوئے یہ فرمایا:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾

''اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا تاکہ تمھارا ستر ڈھانکے اور (تمھارے بدنوں کے لیے باعثِ) زینت بھی ہو اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔''[4]

نیز ارشادِ عالی ہے: ﴿ وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ﴾

''اور (اللہ نے) تمھارے لیے قمیصیں بنائیں جو تمھیں گرمی سے محفوظ رکھتی ہیں اور ایسی قمیصیں (بھی بنائیں) جو تمھیں تمھاری جنگ (کے ضرر) سے محفوظ رکھتی ہیں۔''[5]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے اسے تمھارے لیے لباس بنانے کا طریقہ سکھایا تاکہ تمھیں جنگ میں (دشمن کے وار سے) بچائے، پھر کیا تم شکر ادا کرتے ہو؟''[6]

اور رسول اللہ ﷺ نے بھی لباس پہننے کا حکم دیا ہے۔ارشادِ نبوی ہے:

1 صحيح البخاري، النكاح، باب لا يطرق أهله ليلًا...، حديث: 5244,5243، بہتر یہی ہے کہ ہر ممکن حد تک گھر والوں کو اپنی آمد کی قبل از وقت اطلاع دے اگر سنت سمجھ کر ایسا کرے گا تو یہ کارِ ثواب ہے اور بہت سے معاشرتی فوائد اور مصلحتوں پر مشتمل حکمِ شرعی۔ واللہ اعلم (ع،ر) [2] صحيح البخاري، الحج، باب حج النساء، حديث: 1862. [3] الأعراف 31:7. [4] الأعراف 26:7. [5] النحل 81:16. [6] الأنبياء 80:21

«كُلُوا وَاشْرَبُوا وَالْبَسُوا وَتَصَدَّقُوا فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَّلَا مَخِيلَةٍ»

''کھاؤ، پیو، پہنو اور خیرات کرو لیکن اسراف اور بڑائی کے بغیر۔''[1]

اسی طرح آپ نے جائز وناجائز اور مستحسن ومکروہ لباس کی پوری وضاحت فرما دی ہے۔ بنا بریں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ درج ذیل آداب کا التزام کرے۔

(1) مرد ریشمی لباس کا استعمال کسی طرح بھی نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ، فَإِنَّهُ مَنْ لَّبِسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ»

''ریشم نہ پہنو، جو اسے دنیا میں پہنتا ہے، وہ آخرت میں اسے نہیں پہن سکے گا۔''[2]

ایک دن آپ نے ریشم اپنے دائیں ہاتھ میں اور سونا بائیں ہاتھ میں لیا اور یوں فرمایا:

«إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُورِ أُمَّتِي» ''یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔''[3]

نیز یہ بھی فرمایا: «حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ عَلٰى ذُكُورِ أُمَّتِي وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ»

''ریشمی لباس اور سونا میری امت کے مردوں کے لیے حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔''[4]

(2) شلوار، قمیص، کوٹ اور چادر وغیرہ اتنے لمبے نہیں ہونے چاہئیں کہ ٹخنوں سے نیچے تجاوز کر جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِي النَّارِ»

''تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا جہنم میں (لے جانے کا باعث) ہوگا۔''[5] نیز فرمایا:

«اَلْإِسْبَالُ فِي الْإِزَارِ وَالْقَمِيصِ وَالْعِمَامَةِ، مَنْ جَرَّ مِنْهَا شَيْئًا خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''تہبند، قمیص، اور پگڑی میں ''اسبال'' (نیچے گھسٹنے کا احتمال) ہے۔ جو انھیں تکبر کے طور پر گھسیٹے گا، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی طرف (نظرِ رحمت سے) نہیں دیکھیں گے۔''[6]

مزید فرمایا: «لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلٰى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ»

''جو تکبر کے طور پر اپنا کپڑا گھسیٹتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔''[7]

[1] مسند أحمد: 181/2، وصحيح البخاري، اللباس، باب قول الله تعالى: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ﴾، قبل الحديث: 5783. [2] صحيح البخاري، اللباس، باب لبس الحرير للرجال وقدرما يجوز منه، حديث: 5834، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم لبس الحرير وغير ذٰلك للرجال، حديث: 2069 واللفظ له. [3] [صحيح] سنن أبي داود، اللباس، باب في الحرير للنساء، حديث: 4057. [4] [صحيح] جامع الترمذي، اللباس، باب ماجاء في الحرير والذهب للرجال، حديث: 1720، وقال: حسن صحيح، حديث سابق اس کی شاہد ہے۔ [5] صحيح البخاري، اللباس، باب ماأسفل من الكعبين فهو في النار، حديث: 5787. [6] [حسن] سنن أبي داود، اللباس، باب في قدر موضع الإزار، حديث: 4094. [7] صحيح البخاري، اللباس، باب قول الله تعالى: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ﴾، حديث: 5783.

③ لباس کسی بھی رنگ کا ہو جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ سفید لباس کو ترجیح دے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِلْبَسُوا الْبَیَاضَ، فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْیَبُ، وَكَفِّنُوا فِیهَا مَوْتَاكُمْ»

''سفید لباس پہنو! یہ انتہائی پاک اور خوشگوار ہوتا ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفناؤ۔''[1]

نیز براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ درمیانہ قد تھے، میں نے آپ کو سرخ لباس کے جوڑے میں دیکھا ہے، (اور) میں نے اس سے پہلے ویسا حسین کہیں نہیں دیکھا۔[2]

اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے سبز رنگ کا لباس بھی زیب تن کیا ہے۔[3]

اور کالے رنگ کی پگڑی استعمال کی ہے۔[4]

④ مسلمان عورت پر لازم ہے کہ اتنا لمبا لباس استعمال کرے جو قدموں کو ڈھانپ لے اور اوڑھنی ایسی ہو کہ سر، گردن اور سینہ کو چھپا دے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ يُدۡنِينَ عَلَيۡهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں کو کہیں کہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکائیں۔''[5]

نیز فرمایا: ﴿وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّۖ وَلَا يُبۡدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوۡ ءَابَآئِهِنَّ﴾

''اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالیں اور اپنی زینت کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں لیکن اپنے خاوندوں کے سامنے یا اپنے آباء کے سامنے......''[6]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم فرمائے، جب آیت ﴿وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ (النور 31:24) نازل ہوئی تو انھوں نے اپنی موٹی چادریں پھاڑ کر ان سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا۔''[7]

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب آپ پر ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ﴾..... نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں موٹی چادریں سروں پر لپیٹ کر نکلیں، ایسا لگتا تھا گویا سروں پر کوے بیٹھے ہیں۔[8]

⑤ مرد سونے کی انگوٹھی نہ پہنے۔ رسول اللہ ﷺ کا سونے اور ریشم کے متعلق فرمان ہے:

◂◂ تحریم جرالثوب خیلاء......، حدیث: 2085. [1] [صحیح] جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في لبس البیاض، حدیث: 2810 و قال: حسن صحیح، اس کے شواہد کے لیے دیکھیے سنن أبي داود، اللباس، باب في البیاض، حدیث: 4061. [2] صحیح البخاري، اللباس، باب الثوب الأحمر، حدیث: 5848. [3] [صحیح] سنن أبي داود، اللباس، باب في الخضرة، حدیث: 4065. [4] صحیح مسلم، الحج، باب جواز دخول مکة بغیر إحرام، حدیث: 1358. [5] الأحزاب 59:33. [6] النور 31:24. [7] صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾، حدیث: 4858، 4759. [8] سنن أبي داود، اللباس، باب في قول اللہ تعالیٰ ﴿يُدۡنِينَ عَلَيۡهِنَّ﴾ ......، حدیث: 4101.

«إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُورِ أُمَّتِي» ”بلاشبہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔“ [1]

نیز فرمایا: «حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ عَلٰى ذُكُورِ أُمَّتِي وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ»

”ریشمی لباس اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہیں۔“ [2]

آپ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اتار کر پھینک دی اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلٰى جَمْرَةٍ مِّنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ»

”تم میں سے ایک جہنم کے انگارے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے۔“ رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد لوگوں نے کہا: ”یہ انگوٹھی اٹھالو اور اس سے (کوئی اور) فائدہ حاصل کرلو“ تو اس شخص نے جواب دیا: ”نہیں، اللہ کی قسم! میں اسے نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ اسے رسول اللہ ﷺ نے پھینکا ہے۔“ [3]

(6) چاندی کی انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ انگوٹھی میں اپنا نام کندہ کرے اور خطوط و رسائل میں اسے مہر کے طور پر استعمال کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس پر (محمد رسول اللہ) کندہ کیا اور آپ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں اسے زیب تن کرتے تھے۔ [4]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ بائیں ہاتھ کی خنصر (چھوٹی انگلی) میں انگوٹھی پہنتے تھے۔“ [5]

(7) کپڑا اس انداز میں نہ اوڑھے کہ ہاتھ اس سے آسانی سے نکالے نہ جاسکیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ اور آپ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ آدمی ایک جوتا پہن کر چلے۔ ارشادِ نبوی ہے:

«لَا يَمْشِ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ، لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا أَوْلِيَخْلَعْهُمَا جَمِيعًا»

”تم میں سے کوئی شخص ایک جوتا پہن کر نہ چلے، دونوں پہن لے یا دونوں اتار دے۔“ [6]

(8) مسلمان مرد، مسلمان عورت کا لباس نہ پہنے اور اسی طرح عورت، مرد کا لباس نہ پہنے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

1. [صحيح] سنن أبي داود، اللباس، باب في الحرير للنسآء، حديث: 4057. 2 [صحيح] جامع الترمذي، اللباس، باب ماجاء في الحرير والذهب للرجال، حديث: 1720، وقال: حسن صحيح، حدیث سابق اس کی شاہد ہے۔ 3. صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال......، حديث: 2090. 4 صحيح البخاري، اللباس، باب خاتم الفضة، حديث: 5866، اس انگوٹھی یا مہر میں سب سے نیچے لفظ ”محمد“ درمیان میں ”رسول“ اور سب سے اوپر لفظ ”اللہ“ کندہ تھا۔ واللہ اعلم (ع،ر) 5. صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب في لبس الخاتم في الخنصر من اليد، حديث: 2095. 6 صحيح البخاري، اللباس، باب لايمشي في نعل واحدة، حديث: 5855، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب استحباب لبس النعل في اليمنى أولا......، حديث: 2097 واللفظ له.

«لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ»

''نبیٔ اکرم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ مشابہت کرنے والے مرد اور مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔''[1] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ»

''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ایسے مرد پر جو عورت کا لباس پہنے اور ایسی عورت پر جو مرد کا لباس پہنے۔''[2]

⑨ جوتا پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اور جب اتارے تو پہلے بائیں پاؤں سے اتارے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ، وَإِذَا انْتَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْيُمْنٰى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ»

''جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں پاؤں میں پہلے پہنے اور جب اتارے تو بائیں پاؤں سے پہلے اتارے چاہیے کہ دائیں میں پہلے پہنا جائے اور آخر میں اتارا جائے۔''[3]

⑩ لباس پہنتے وقت دائیں جانب کو اختیار کرے۔ امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي نَعْلَيْهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُورِهِ»

''رسول اللہ ﷺ سب کاموں، جوتے پہننے، کنگھی کرنے اور وضو کرنے (وغیرہ) میں دائیں طرف (سے ابتدا کرنے) کو پسند کرتے تھے۔''[4]

⑪ نیا کپڑا، پگڑی یا کوئی بھی لباس پہنتے وقت یہ دعا پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ، أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِهِ وَخَيْرِ مَا صُنِعَ لَهُ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّمَا صُنِعَ لَهُ»

''اے اللہ! تیری ہی تعریف ہے تو نے ہی مجھے یہ پہنایا ہے۔ میں تجھ سے اس کی اچھائی کا اور اس اچھائی کا جس کے لیے اسے بنایا گیا ہے، سوال کرتا ہوں، اور میں اس کے شر سے اور اس شر سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''[5]

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب إخراج المتشبهين بالنسآء من البيوت، حديث:5886. [2] [صحيح] سنن أبي داود، اللباس، باب في لباس النسآء، حديث:4098. [3] صحيح البخاري، اللباس، باب ينزع نعله اليسرٰى، حديث:5856، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب استحباب لبس النعل في اليمنٰى أولًا...... حديث:2097. [4] صحيح البخاري، اللباس، باب الترجيل والتيمن فيه، حديث:5926، وصحيح مسلم، الطهارة، باب التيمن في الطهور وغيره، حديث:268 واللفظ له. [5] [حسن] سنن أبي داود، اللباس، باب مايقول إذا لبس ثوباً جديداً، حديث:4020، وجامع الترمذي، ◄◄

⑫ اپنے بھائی کو نیا لباس پہنے دیکھے تو یہ دعا دے:

«أَبْلِ وَأَخْلِقْ» ''تو اسے استعمال کر کے خوب بوسیدہ اور پرانا کر۔''

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ''ام خالد رضی اللہ عنہا'' کو، جب اس نے نیا لباس پہنا تھا، «أَبْلِي وَأَخْلِقِي» ''تو اس کے بوسیدہ ہونے اور پھٹنے تک اسے استعمال کرتی رہے۔'' کی دعا دی تھی۔

لہٰذا مذکر کے لیے «أَبْلِ وَأَخْلِقْ» اور مؤنث کے لیے «أَبْلِي وَأَخْلِقِي» کے الفاظ کے ساتھ دعا دی جائے گی۔[1]

باب: 13 خصائل فطرت کے آداب[2]

مسلمان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں زندگی بسر کرتا ہے اور ہمہ وقت تمام کاموں میں ان کے مطابق چلنے کی کوشش وکاوش میں لگا رہتا ہے۔ اس لیے کہ ربِ کائنات کا حکم ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے فیصلے کے بعد اپنی بات میں کوئی اختیار نہیں رہتا۔''[3] ارشادِ ربانی ہے: ﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾

''جو رسول اللہ (ﷺ) تمھیں دیتے ہیں وہ لے لو اور جس سے منع کرتے ہیں اس سے رک جاؤ۔''[4]

اور آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهِ»

''تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے۔''[5] نیز فرمایا: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»

''جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''[6]

لہٰذا خصائل فطرت کو اپنانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے جس کی تفصیل آپ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی میں ہے:

[1] صحیح البخاري، اللباس، باب ما يدعى لمن لبس ثوباً جديدًا، حديث: 5845. سنن أبي داود، اللباس، باب ما يقول إذا لبس ثوباً جديداً، حديث: 1767. [2] خصائلِ فطرت سے مراد وہ اوصاف ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی فطرت بنایا ہے اگر کوئی انسان انھیں اپناتا ہے تو اپنی فطرت پر قائم رہتا ہے اور اگر انھیں نہیں اپناتا تو وہ اپنی فطرت مسخ کر کے حیوانوں اور درندوں کی صف میں جا کھڑا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (ع،ر) [3] الأحزاب 36:33. [4] الحشر 7:59. [5] الفردوس بمأثور الخطاب: 153/5. اس کی سند ضعیف ہے دیکھیے: ذم الكلام للهروي، ص: 96. [6] صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا......، حديث: 2697، وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة......، حديث: 1718 واللفظ له.

«خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ: اَلْإِسْتِحْدَادُ، وَالْخِتَانُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ»

''پانچ (خصائل) فطرت میں سے ہیں، زیر ناف بال اتارنا، ختنہ کرنا، مونچھیں کاٹنا، بغل کے بال اکھیڑنا اور ناخن تراشنا۔''[1]

خصائلِ فطرت کی تفصیل ① ختنہ: عضو مخصوص کے سرے پر موجود جھلی کا کاٹنا، بہتر یہ ہے کہ یہ کام پیدائش سے ساتویں دن کیا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا ختنہ ساتویں دن کیا تھا۔[2]

اگر تاخیر ہو جائے اور بالغ ہونے سے پہلے ختنہ کر لیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر پھر بھی رہ جائے تو بلوغت کے بعد ہی کر لیا جائے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے 80 سال کی عمر میں ختنہ کیا تھا۔[3]

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ہر اسلام قبول کرنے والے شخص کو حکم فرماتے:

«أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاخْتَتِنْ» ''وقتِ کفر کے بال اتار دے اور ختنہ کرالے۔''[4]

② ③ اوپر کے ہونٹ سے مونچھیں صاف کرے، البتہ داڑھی بڑھائے جس سے چہرہ بھر جائے اور خوبصورتی پیدا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحٰى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ»

''مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''[5]

نیز فرمایا: «خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَوْفُوا اللِّحٰى»

''مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں خوب پست کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔''[6] بنا بریں داڑھی منڈوانا حرام ہے

رسول اللہ ﷺ نے سر کے کچھ حصے کو مونڈنے اور کچھ کے چھوڑنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: «نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْقَزَعِ»

''رسول اللہ ﷺ نے سر کے بعض حصے کو مونڈنے اور بعض کو چھوڑنے سے منع فرمایا ہے۔''[7]

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، حديث: 5891، وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 257، وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في تقليم الأظفار، حديث: 2756. [2] السنن الكبرٰى للبيهقي: 423/8. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبيآء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيمَ خَلِيلًا ﴾، حديث: 3356. [4] [ضعيف] سنن أبي داود، الطهارة، باب الرجل يسلم فيؤمر بالغسل، حديث: 356، اس کی سند انقطاع وغیرہ کی وجہ سے **ضعیف** ہے۔ [5] صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 260. [6] صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، حديث: 5892، وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 259 واللفظ له. [7] صحيح البخاري، اللباس، باب القزع، حديث: 5920، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب كراهة القزع، حديث: 2120، وسنن أبي داود، الترجل، باب في الصبي له ذؤابة، حديث: 4193.

داڑھی کو سیاہ رنگ سے نہ رنگے کیونکہ فتح مکہ کے دن جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کو لایا گیا تو ان کے سر کے بال انتہائی سفید تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اس کا سر رنگ دو، اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔''[1]

البتہ مہندی اور کتم (ایک بوٹی جسے مہندی میں ملایا جائے تو اس کا رنگ سیاہی مائل ہو جاتا ہے) سے داڑھی رنگنا مستحسن ہے۔[2] اگر سر کے بال بڑھانے کا ارادہ ہو تو کنگھی اور تیل سے انھیں درست رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ» ''جس کے بال ہوں، وہ ان کی تکریم کرے۔''[3]

﴿4﴾ بغل کے بال اکھیڑے۔ اگر بال ہاتھ سے نہ اکھیڑ سکے تو مونڈ لے یا کسی پاؤڈر کے ذریعہ سے صاف کر لے۔

﴿5﴾ ناخن کاٹے اور اس میں مستحب یہ ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ کے ناخن اتارے، پھر بائیں کے۔ اسی طرح پہلے دائیں پاؤں کے ناخن اتارے اور پھر بائیں کے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کام دائیں طرف سے ہی شروع کرتے تھے۔[4]

یاد رہے کہ ان تمام کاموں میں مسلمان کی نیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور اتباع کی ہونی چاہیے تاکہ متابعت کا ثواب ملے اور آپ کی سنت کی پیروی ہو۔ فرمانِ نبوی ہے: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى» ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کو اس کی نیت ہی کا پھل ملتا ہے۔''[5]

باب: 14

سونے کے آداب

مسلمان نیند کو اللہ کی نعمت سمجھتا ہے، اس لیے کہ سارے دن کی مسلسل جد و جہد اور حرکت کے بعد رات کے اوقات میں انسان کا نیند کرنا جسم کی زندگی، نشوونما اور تندرستی کے لیے ضروری ہے تاکہ انسان وہ ذمہ داری پوری کر سکے جس کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

''اور اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تمھارے لیے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اس کا فضل

1. سنن النسائي، الزينة، باب النهي عن الخضاب بالسواد، حديث: 5079. 2 صحيح مسلم، الفضائل، باب شيبه ﷺ، حديث: 2341. 3 [حسن] سنن أبي داود، الترجل، باب في إصلاح الشعر، حديث: 4163، اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حسن کہا ہے۔ 4 صحيح البخاري، اللباس، باب الترجيل و التيمن فيه، حديث: 5926، وصحيح مسلم، الطهارة، باب التيمن في الطهور وغيره، حديث: 268. 5 صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ......، حديث: 1، وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: «إنما الأعمال بالنية......»، حديث: 1907.

(رزق حلال) تلاش کرو اور تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔"[1]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ "اور ہم نے تمھاری نیند کو باعثِ آرام بنایا۔"[2]

اس نعمت وکرم نوازی کا شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ ہدایاتِ ذیل کو قابلِ اہتمام سمجھا جائے:

(1) نمازِ عشاء کے بعد سونے میں تاخیر نہ کرے، اِلَّا یہ کہ کوئی (جائز) ضرورت ہو۔ مثلاً کوئی علمی مذاکرہ، مہمان کے ساتھ بات چیت اور گھر والوں کے ساتھ اُنس والفت کی باتیں وغیرہ۔

ابو برزہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشاء سے پہلے نیند اور بعد میں باتیں کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔"[3]

(2) کوشش کرے کہ باوضو سوئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا:

«إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ»

"جب تو (سونے کے لیے) بستر پر آنے کا ارادہ کرلے تو وضو کر، جس طرح تو نماز کے لیے وضو کرتا ہے۔"[4]

(3) پہلے دائیں کروٹ پر لیٹے اور دائیں ہاتھ کا سرہانہ بنائے اور اس کے بعد بائیں کروٹ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث نبوی ہے: «إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ»

"جب تو (نیند کے لیے) بستر پر آنے کا ارادہ کرلے تو نماز کے وضو جیسا وضو کر اور پھر اپنی دائیں جانب پر لیٹ جا۔"[5] ارشادِ نبوی ہے: «إِذَا أَوَيْتَ إِلٰى فِرَاشِكَ وَأَنْتَ طَاهِرٌ فَتَوَسَّدْ يَمِينَكَ»

"جب تو باوضو ہو کر بستر پر آجائے تو دائیں ہاتھ کو سرہانہ بنا۔"[6]

(4) رات یا دن کے وقت جب بھی سوئے پیٹ کے بل نہ لیٹے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا هٰذِهِ ضِجْعَةُ أَهْلِ النَّارِ» "یہ تو جہنمیوں کا لیٹنا ہے۔"[7]

نیز ارشاد ہے: «إِنَّ هٰذِهِ ضِجْعَةٌ لَا يُحِبُّهَا اللّٰهُ» "یہ لیٹنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔"[8]

[1] القصص 73:28. [2] النبا 9:78. [3] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب مايكره من النوم قبل العشآء، حديث: 568. [4] صحيح البخاري، الوضوء، باب فضل من بات على الوضوء، حديث: 247، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب مايقول عند النوم ...... حديث: 2710. [5] صحيح البخاري، الوضوء، باب فضل من بات على الوضوء، حديث: 247، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب مايقول عند النوم وأخذ المضجع، حديث: 2710. [6] [صحيح] سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول عند النوم، حديث: 5047. [7] [صحيح] سنن ابن ماجه، الأدب، باب النهي عن الاضطجاع على الوجه، حديث: 3724. [8] [حسن] جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في كراهية الاضطجاع على البطن، حديث: 2768.

(5) سونے سے پہلے ماثور ومنقول (کتاب وسنت سے ثابت شدہ) دعائیں پڑھے۔ جو حسب ذیل ہیں:

- سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھریلو کام میں تعاون کے لیے رسول اللہ ﷺ سے ایک خادم مانگا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں اس سے بہتر چیز بتاتا ہوں، جب بستر پر آرام کے لیے آؤ تو 33 بار تسبیح «سُبْحَانَ اللّٰهِ»، 33 بار تحمید «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» اور 34 بار تکبیر «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہو، یہ تمھارے لیے خادم سے بہتر ہے۔''[1]
- سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ﴾ سے آخر تک پڑھے کیونکہ اس کی ترغیب حدیث میں وارد ہے۔[2]
- پھر سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ سے منقول یہ دعا پڑھے:

«بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي، وَبِكَ أَرْفَعُهُ، إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ» «اَللّٰهُمَّ! أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ»

''اے میرے پروردگار! تیرے نام سے اپنا پہلو رکھتا ہوں اور تیرے نام سے ہی اسے اٹھاؤں گا۔ اے اللہ! اگر تو (اس نیند میں) میری جان قبض کر لے تو اس پر رحم فرما اور اگر اسے چھوڑ دے تو اس کی حفاظت کر جس طرح کہ تو نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔'' ''اے اللہ! میں اپنی جان تیرے سپرد کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے چہرے کو متوجہ کرتا ہوں اور اپنا معاملہ تجھے سونپتا ہوں اور میں اپنی پیٹھ کا آسرا تجھے بناتا ہوں۔'' ''تیری مغفرت کا طلبگار ہوں، تیری طرف رجوع کرتا ہوں، میں تیری کتاب پر، جو تو نے اتاری ہے اور تیرے نبی پر جو تو نے بھیجا ہے ایمان لایا، پس میرے پہلے، پچھلے، چھپے اور اعلانیہ کیے ہوئے تمام گناہ معاف فرما تو ہی آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے۔''[3]

- رات کے وقت نیند سے بیدار ہو جائے تو یہ کہے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَلْحَمْدُ

1 صحيح البخاري، الدعوات، باب التكبير والتسبيح عند المنام، حديث: 6318، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب التسبيح أول النهار وعند النوم، حديث: 2727. 2 صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب فضل سورة البقرة، حديث: 5009. 3 صحيح البخاري، الدعوات، باب التعوذ والقراءة عند المنام، حديث: 6320، وباب النوم على الشق الأيمن، حديث: 6317,6315 یہ دعا مختلف دعاؤں سے مرکب ہے۔

لِلّٰهِ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي»

''اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں ہے۔ وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے اور تعریف بھی اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ پاک ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، گناہ سے ہٹانے اور نیکی کروانے کی طاقت بھی صرف اللہ کے پاس ہے۔ اے اللہ! مجھے معاف کردے۔''

اس ذکر کے بعد جو چاہے دعا کرے، اللہ کریم قبول فرمائیں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص رات کو جاگے اور ''مذکورہ'' ذکر کے بعد دعا کرے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے ضرور قبول فرماتے ہیں۔ اگر اس کے بعد اٹھ کر وضو کرے اور نماز پڑھے تو وہ بھی مقبول ومنظور ہوگی۔''[1]

یا یہ دعا پڑھے: «لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِي وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ، اَللّٰهُمَّ! زِدْنِي عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي، وَهَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً، إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ»

''تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو (ہر عیب سے) پاک ہے، اے اللہ! میں تجھ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! مجھے علم میں زیادہ کر اور جب تو نے مجھے ہدایت دیدی ہے تو میرا دل ٹیڑھا نہ کر اور مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرما۔ بے شک تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا (داتا) ہے۔''[2]

(6) صبح ہو جائے تو درج ذیل اذکار مبارکہ کا ورد کرے: جاگنے کے بعد اور بستر سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ»

''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندگی دی (سلانے کے بعد جگایا) ہے اور اسی کی طرف (دوبارہ جی کر) اٹھنا ہے۔''[3]

تہجد کے لیے اٹھے تو آسمان کی طرف دیکھے اور سورۂ آلِ عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت کرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میں ایک رات اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سویا تھا کہ رسول اللہ ﷺ آدھی رات کے وقت یا اس سے پہلے یا اس کے بعد اٹھے، اپنے چہرے سے نیند زائل کرنے کے لیے ہاتھ پھیرنے لگے، پھر سورۂ آلِ عمران کی آخری دس آیات تلاوت کیں اور پھر لٹکے ہوئے مشکیزے کے پاس آئے اور اچھی طرح وضو کیا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔''[4]

1 صحيح البخاري، التهجد، باب فضل من تعار من الليل فصلّى، حديث: 1154. 2 [حسن] سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول الرجل إذا تعار من الليل، حديث: 5061، اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 3 صحيح البخاري، الدعوات، باب مايقول إذا نام، حديث: 6312. 4 صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب استعانة اليد في الصلاة إذا كان من أمر الصلاة، حديث: 1198، و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث: 763.

چار بار یہ دعا پڑھے: «اَللّٰھُمَّ! إِنِّي أَصْبَحْتُ أُشْهِدُكَ وَأُشْهِدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلَائِكَتَكَ وَجَمِيعَ خَلْقِكَ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ»

''اے اللہ! میں صبح کرتا ہوں۔ میں تجھے، تیرے حاملینِ عرش اور دیگر فرشتوں اور تیری ساری مخلوق کو گواہ بناتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) تیرے بندے اور رسول ہیں۔''[1]

حدیث میں ہے کہ ''جس نے ایک بار یہ دعا پڑھی، وہ دوزخ سے ایک چوتھائی نجات پا گیا۔ جس نے تین بار یہ دعا پڑھی وہ تین چوتھائی نجات پا گیا اور جس نے چار مرتبہ پڑھی، وہ مکمل طور پر دوزخ سے نجات پا گیا۔[2]

گھر سے باہر نکلتے ہوئے چوکھٹ پر پاؤں رکھے تو کہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»

''اللہ کے نام سے، میں نے اسی پر بھروسا کیا ہے، برے کام سے بچنا اور نیکی کی طاقت پانا اسی کی توفیق سے ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص مذکورہ ذکر کرتا ہے، اسے کہا جاتا ہے تو ہدایت یافتہ ہے اور کفایت کیا گیا ہے۔ چوکھٹ سے آگے بڑھے تو کہے:

«اَللّٰھُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ»

''اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں، پھسل جاؤں یا پھسلا دیا جاؤں، ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، اور جہالت کا کام کروں یا مجھ پر جہالت کی جائے۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ جب میرے گھر سے باہر نکلتے تو آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہی مذکورہ دعا پڑھتے۔''[4]

1 [حسن] سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول إذا أصبح، حديث: 5078,5069- اس کی سند شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ اس میں عبدالرحمٰن ضعیف ہے اس میں بقیہ کا عنعنہ ہے۔ البانی صاحب نے اسے ضعیف کہا ہے (ضعیف سنن أبي داود للألباني، حديث: 5078) 2 سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، حديث: 5069۔ یہ حدیث ضعیف ہے اس میں ایک راوی عبدالرحمان ضعیف ہے۔ 3 جامع الترمذي، الدعوات، باب ماجاء ما يقول إذا خرج من بيته، حديث: 3426، اس کی سند ابن جریج کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے دیکھیے بین المقصود في تحريج سنن أبي داود، حديث: 5095 شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔
4 [ضعیف] سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا خرج من بيته، حديث: 5094 شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے، دیکھیے صحیح ابن ماجه، حديث: 3884

اخلاقیات

باب:1

حسنِ خلق

عادت، انسانی نفس میں ایک راسخ کیفیت کا نام ہے۔ اس سے اختیاری، اچھے یا برے کام سرزد ہوتے رہتے ہیں اور طبعی طور پر اس میں اچھی یا بری تربیت کا اثر ہوتا ہے۔ اگر اس میں حق، نیکی، خیر اور خوبی کو ترجیح دینا اور اپنانا شامل کر دیا جائے اور یہ کام انسان کی طبیعت بن جائیں تو اچھے کام آسانی سے اور بغیر کسی تکلف ومشقت کے ہو جاتے ہیں۔ یہی افعال حسنہ جو بلاتکلف ومشقت ہوتے رہتے ہیں، اخلاق حسنہ کہلاتے ہیں، مثلاً: حلم، حوصلہ، صبر، تحمل، بردباری، شجاعت وسخاوت اور عدل واحسان وغیرہ اور اسی طرح اخلاق فاضلہ، کمالات نفسانیہ اور دیگر اچھی عادات بھی اخلاقِ حسنہ میں شامل ہیں۔

اس کے برعکس اگر انسانی نفس کی مناسب تربیت وتہذیب نہ کی جائے اور اس میں پوشیدہ بھلائی کے عناصر کو اجاگر نہ کیا جائے، اس کی تربیت بری ہو جائے اور اسے قبیح چیز محبوب اور جمیل چیز ناپسند محسوس ہونے لگے اور پھر گھٹیا اور ناقص اقوال وافعال بلاتکلف اور بغیر مشقت کے اس سے صادر ہونے لگیں تو یہ بری عادات کہلاتی ہیں اور یہ اقوال وافعال جو اس سے صادر ہوئے، اخلاق سیئہ کہلاتے ہیں، مثلاً: خیانت، جھوٹ، بے صبری، لالچ، زیادتی، سختی، فحش گوئی وغیرہ۔ اسلام نے اچھی عادات اپنانے اور مسلمانوں میں ان کی تربیت بڑھانے کا حکم دیا ہے، نیز بندے کے ذاتی فضائل اور اخلاق حسنہ کو اس کے ایمان واسلام کے اعتبار میں لازم ٹھہرایا ہے، مثلاً: اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کے حسنِ خلق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ ''اور یقیناً تو بڑے اخلاق پر فائز ہے۔''[1]

اور آپ کو اچھے اخلاق وعادات کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝

''بہترین طریقہ سے مدافعت کر، پھر (تو دیکھے گا کہ وہ شخص) جس کے اور تیرے درمیان عداوت ہے، گویا وہ (بھی تیرا) جگری دوست (بن گیا) ہے۔''[2]

نیز اچھی عادات کو حصول جنت کا سبب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

1 القلم 68:4. 2 حٰمٓ السجدة 41:34.

وَ سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ الْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

''اور اپنے رب کی مغفرت اور بہشت، جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے، کی طرف تیزی سے چلو، یہ پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو خوشی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے انھی اخلاق فاضلہ کی تکمیل کے لیے اپنا رسول مبعوث فرمایا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ» ''میں اخلاق کریمہ کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ میں محاسن اخلاق کی فضیلت واہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ»

''میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز بھاری نہیں ہے۔''[3]

اور فرمایا: «اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ» ''نیکی اچھے اخلاق (کا نام) ہے۔''[4]

مزید فرمایا: «أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا»

''مومنوں میں، کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں سب سے اچھے ہیں۔''[5]

نیز فرمایا: «إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا»

''بے شک تم میں سے وہ لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں جو اخلاق میں سب سے اچھے ہیں۔''[6]

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ کون سا عمل بہشت میں جانے کا سبب بنے گا؟ تو آپ نے فرمایا:

«تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ» ''اللہ کا ڈر اور اچھی عادت۔''[7] ارشاد نبوی ہے:

1 آل عمرٰن 3:133,134. 2 [حسن] الأدب المفرد للبخاري، حديث: 273، ومسند أحمد: 381/2، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 45، اسے امام حاکم (613/2) اور ذہبی نے امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے گو ابن عجلان کے سماع کی تصریح نہیں ملی لیکن اس کے کئی شواہد ہیں جن سے یہ روایت حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ 3 [صحيح] سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث: 4799. 4 صحيح مسلم، البر والصلة، باب تفسير البر والإثم، حديث: 2553. کتاب وسنت کی جملہ تعلیمات کو صدق دل سے اپنانا اچھے اخلاق کا نقطۂ آغاز ہے۔ (ع، ر) 5 [حسن] سنن أبي داود، السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، حديث: 4682. 6 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عبدالله بن مسعود رضي الله عنه، حديث: 3759. 7 [صحيح] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في حسن الخلق، حديث: 2004، وقال: صحيح غريب، وصحيح ابن حبان، حديث: 476، والمستدرك للحاكم: 324/4، امام ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

«إِنَّ الْعَبْدَ لَيَبْلُغُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ عَظِيمَ دَرَجَاتِ الْآخِرَةِ وَشَرَفَ الْمَنَازِلِ، وَإِنَّهُ لَضَعِيفُ الْعِبَادَةِ»
''بے شک بندہ اچھے اخلاق کے ذریعے سے آخرت کے درجات عالیہ اور اونچے مراتب حاصل کر لیتا ہے، حالانکہ وہ عبادت میں کمزور ہے۔''[1]

حسنِ خلق کے بارے میں بزرگانِ سلف کی آراء حسن بصری ؒ کہتے ہیں: ''خندہ پیشانی، سخاوت اور کسی کو ایذا نہ دینا حسن خلق ہے......'' عبداللہ بن مبارک ؒ کی رائے میں تین صفات کا نام حسن خلق ہے: ''حرام کاموں سے اجتناب، حلال کی تلاش اور عیال کے لیے خرچ وخوراک میں فراخی......'' ایک اور صاحب کا مقولہ ہے: ''اچھا خلق لوگوں کے قریب رہنا اور ان کے اموال سے دور رہنا ہے......'' ایک اور صاحب کا فرمان ہے: ''کسی کو ایذا نہ دینا اور مومن کی ضروریات میں اس کا ساتھ دینا، اچھی عادت ہے......'' ایک اور بزرگ فرماتے ہیں: ''تو اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا مقصود ومطلوب بنانا ترک کر دے، یہی بہترین خصلت ہے۔''

دراصل یہ سب باتیں حسن خلق کی جزوی تعریف ہیں، اس کی اصل تعریف وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

اچھے اخلاق کے مالک کی جو صفات عام طور پر بیان کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں:

وہ حیادار ہو، ایذا نہ دینے والا ہو، انتہائی نیک، سچا، کم گفتار، بہت عمل والا ہو، جس کی لغزشیں کم ہوں، بے فائدہ کام نہ کرے، تعلقات جوڑنے والا، عزت و وقار کا مالک، صابر، قدردان، راضی بہ رضا رہنے والا، حلیم الطبع، وفادار، خود کو رذائل سے بچانے والا، لعنت نہ کرنے والا ہو، جو گالی گلوچ نہ کرے، چغل خوری نہ کرے، غیبت نہ کرے، عجلت پسند نہ ہو، کینہ وبغض نہ رکھے، بخیل نہ ہو، حسد نہ کرے، ہشاش بشاش رہنے والا ہو، اس کی محبت وبغض اور خوشی وناراضی محض اللہ کے لیے ہو۔

یہ تعریف بھی جزوی صفات کی حامل ہے، آئندہ اوراق میں ہم حسن خلق کی صفات کا الگ الگ تذکرہ کریں گے۔ ان صفات عظیمہ کے مجموعہ سے ''حسن خلق'' کے اجزاء ترتیب پائیں گے اور اچھے اخلاق کے مالک کا ایک صفاتی تعین ہو سکے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

باب:2

صبر وتحمل

ان عادات وصفات میں، جن سے ایک مسلمان اخلاق حسنہ میں کمال اور زینت حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا

1 [ضعیف] المعجم الكبير للطبراني:1/260، حدیث: 754، اس کی سند مقدام بن داود اور نوح بن عبید القرشی البصری کی وجہ سے ضعیف ہے۔

کے لیے صبر کرنا اور تکالیف وایذائیں برداشت کرنا بھی ہے۔ناپسند اور تکلیف دہ صورت حال پر اپنے آپ کو حوصلہ دینا، برداشت کرنا اور تسلیم ورضا کی صفت سے متصف ہونا صبر ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت واطاعت میں اگر انسانی نفس کچھ تکلیف محسوس کرتا ہے تو اس تکلیف کو خوشی خوشی قبول کرتے ہوئے اس عبادت و اطاعت پر ہمیشہ کار بند رہنا مومن کا شیوہ ہے جبکہ اللہ کی نافرمانی میں طبعی طور پر کتنی ہی کشش کیوں نہ ہو، وہ اپنے نفس کو اس سے روکتا ہے۔ اسی طرح مصیبت کے نازل ہونے کی صورت میں جزع فزع اور ناراضی کا اظہار نہیں کرتا۔ دانا کہتے ہیں کہ فوت شدہ چیز پر غم وغصہ کا اظہار آفت ہے اور متوقع امر پر ایسا کرنا کم عقلی ہے، جبکہ تقدیر الٰہی پر راضی نہ ہونے کا مطلب اللہ واحد وقہار کے ساتھ ناراضی کا اظہار ہے۔

چنانچہ ان حالات میں مومن اللہ کی مدد کا طلبگار ہوتا ہے اور فرماں برداری پر اور فرماں برداروں کے لیے اس کے اجر عظیم کو یاد کرتا ہے اور نافرمانوں اور اللہ کے ناپسندیدہ لوگوں کے لیے اس کی وعید اور شدید عذاب کو ذہن میں لاتا ہے اور پھر سوچتا ہے کہ اللہ کے فیصلے جاری ہیں، انھیں کوئی نہیں روک سکتا اور اللہ کا فیصلہ عدل وانصاف کا فیصلہ ہے، بندہ صبر کرے یا نہ کرے۔ ہاں، صبر کی صورت میں اجر ملے گا اور بے صبری میں گناہ اور عذاب ہوگا، لہٰذا کیوں نہ میں صبر سے کام لوں؟

صبر وبرداشت ان عادات واخلاق میں سے ہیں جو انسان ریاضت اور محنت سے حاصل کر سکتا ہے، مسلمان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ دوران تکلیف اجر وثواب کا وعدہ یاد کر کے اللہ سے صبر کی توفیق مانگے۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

''اے ایمان والو! صبر کرو، ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور (دشمن کے سامنے) جمے رہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''[1]

مزید فرمایا: ﴿وَٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ﴾ ''صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد حاصل کرو۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿وَٱصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِٱللَّهِ﴾ ''اور صبر کر اور اللہ کی توفیق سے ہی تجھے صبر مل سکتا ہے۔''[3]

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ﴾

''اور تجھے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر، یقیناً یہ پختہ کردار میں سے ہے۔''[4] فرمان الٰہی ہے:

﴿وَبَشِّرِ ٱلصَّٰبِرِينَ ۝ ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓا۟ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ۝ أُو۟لَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُهْتَدُونَ﴾

''اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سناؤ، جب انھیں مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ﴾

[1] آل عمران 3:200. [2] البقرة 2:45. [3] النحل 16:127. [4] لقمٰن 31:17.

''ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں اور رحمت (اترتی) ہے اور یہی لوگ سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں۔''[1]

حق تعالیٰ نے فرمایا: وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوٓا أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

''اور یقیناً ہم (آخرت میں) صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کا نہایت اچھا بدلہ دیں گے۔''[2]

ارشاد باری ہے: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ○

''اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) میں سے چونکہ ان لوگوں نے صبر کیا تھا، ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے (لوگوں کی) رہنمائی کرتے تھے اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔''[3]

ارشاد الٰہی ہے: إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

''صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب بغیر حساب کے پورا دے دیا جائے گا۔''[4]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ» ''صبر ایک روشنی ہے۔''[5]

اور فرمایا: «مَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ»

''جو (سوال سے) بچنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ اسے بچاتا ہے اور جو (دوسروں کی دولت سے) بے نیازی اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بے نیاز کرتا ہے اور جو صبر کی کوشش کرے، اللہ اسے صبر عطا کرتا ہے اور صبر سے بہتر اور وسیع کسی کو کوئی چیز نہیں ملی۔''[6]

ارشاد نبوی ہے: «عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ»

''مومن کی یہ بات کتنی عجیب ہے کہ اس کے سارے معاملات اس کے حق میں بہتر ہوتے ہیں۔ اگر اسے خوشی پہنچے تو وہ شکر ادا کرتا ہے جو اس کے لیے خیر (وبرکت) کا باعث ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بہتری اور اچھائی ہے۔''[7]

آپ ﷺ کی ایک دختر کے فرزند کی جانکنی کا وقت تھا، بی بی نے نبیٔ رحمت ﷺ کو بلایا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''میری بیٹی کو سلام کہو اور میرا پیغام دو:

1 البقرة 2:155-157۔ 2 النحل 16:96۔ 3 السجدة 32:24۔ 4 الزمر 39:10۔ 5 صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، حديث: 223۔ 6 صحيح البخاري، الزكاة، باب الاستعفاف عن المسألة، حديث: 1469۔ 7 صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب المؤمن أمره كله خير، حديث: 2999۔

«إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ»

''اللہ ہی کا ہے جو اس نے لے لیا ہے اور جو اس نے دیا ہے، وہ بھی اسی کا ہے۔ ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ صبر کرے اور اللہ کے ہاں ثواب کی نیت کرے۔''[1]

نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي بِحَبِيبَتَيْهِ فَصَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ»

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں جب اپنے بندے کو اس کی دو پیاری اور محبوب چیزوں (آنکھوں) کی تکلیف میں مبتلا کروں اور وہ صبر کرے تو اس کے عوض میں اسے بہشت عطا کرتا ہوں۔''[2]

آپ نے فرمایا: «مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ»

''اللہ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے بیماری کی مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔''[3]

نیز فرمایا: «إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَّضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ»

''جتنی بڑی مصیبت ہو اتنا بڑا اجر وثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو انھیں آزماتا ہے، چنانچہ جو راضی ہوتا ہے، اس کے لیے (اللہ کی) رضا ہے اور جو ناراض ہوتا ہے اس کے لیے (اللہ کی) ناراضی ہے۔''[4] مزید فرمایا:

«مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَالِهِ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ»

''مومن مرد اور عورت کو برابر، اس کے نفس، اولاد اور مال میں آزمایا جاتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اللہ سے ملتے ہیں تو ان کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔''[5]

ایذا برداشت کرنا تکلیف دہ صبر ہے لیکن صدیقین وصالحین ؒ کا طرز عمل اور شعار یہی رہا ہے، اللہ کی ذات کی وجہ سے جب ایک مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہے اور اسے ستایا جاتا ہے تو وہ صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتا ہے، برائی کا جواب برائی

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه......، حديث:1284و7377. [2] صحيح البخاري، المرضى، باب فضل من ذهب بصره، حديث:5653. [3] صحيح البخاري، المرضى، باب ماجاء في كفارة المرض، حديث:5645. مسلمان اس مصیبت پر صبر کرتا ہے، نتیجتاً اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں یا درجات بلند ہوتے ہیں۔ اور بسا اوقات آئندہ کے لیے ہدایت بھی مل جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (ن،ر) [4] [حسن] جامع الترمذي، الزهد، باب ما جاء في الصبر على البلاء، حديث:2396 وقال حسن غريب، و سنن ابن ماجه، الفتن، باب الصبر على البلاء، حديث:4031، اس کی سند سعد بن سنان کی وجہ سے حسن ہے۔ [5] [حسن] جامع الترمذي، الزهد، باب ما جاء في الصبر على البلاء، حديث:2399، اس کی سند محمد بن عمرو لیثی کی وجہ سے حسن ہے۔

سے نہیں دیتا اور نہ اپنی ذات کے لیے انتقام لیتا ہے، اس معاملہ میں اپنی شخصیت کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا بلکہ سب کچھ اللہ کے دین اور اس کی رضا جوئی کے لیے کرتا ہے۔ اللہ کے انبیاء ورسل علیہم السلام اس کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ ان میں کم ہی ہیں جنھیں اللہ کی ذات اور اس کے دین میں ابتلا اور آزمائشوں سے نہ گزرنا پڑا ہو۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی کا حال بیان کر رہے تھے جسے اس کی قوم نے خون آلود کر دیا اور وہ اپنے چہرے سے خون بھی صاف کر رہا تھا اور کہے جا رہا تھا: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

''اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ یہ جانتے نہیں ہیں۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایذائیں برداشت کیں، ان میں ایک یہ بھی تھی جس کی جھلک ابھی بیان ہوئی ہے۔ مزید برداشت کے ایک اور انداز کا تذکرہ یوں ہے: آپ نے ایک دن مال تقسیم کیا تو ایک اعرابی (بدو) کہنے لگا، اس تقسیم میں انصاف اور اللہ کی رضا کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی تو چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا:

«يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰى قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ»

''اللہ موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم کرے، انھیں اس سے بھی زیادہ ایذائیں دی گئیں مگر انھوں نے صبر کیا۔''[2]

خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کعبہ کے سائے تلے چادر کا سرہانا لگا کر لیٹے ہوئے تھے، ہم نے آپ کے پاس شکایت کی اور کہا: کیا آپ ہمارا بدلہ نہیں لیں گے، کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کریں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

«قَدْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهِ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مِنْ دُونِ لَحْمِهِ وَعَظْمِهِ فَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ»

''تم سے پہلے لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جنھیں گرفتار کر کے زمین میں گاڑ دیا جاتا اور پھر آرے سے ان کے جسموں کو سر سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا اور لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت اور ہڈیوں کے درمیان کھینچی جاتیں۔ یہ بات بھی انھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین سے نہیں روکتی تھی۔''[3]

قرآن پاک میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء ورسل علیہم السلام کے تحمل و برداشت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب، حديث: 3477، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة أحد، حديث: 1792. [2] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ما كان النبي ﷺ يعطي المؤلفة قلوبهم وغيرهم من الخمس ونحوه، حديث: 3150، وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام......، حديث: 1062 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الإكراه، باب من اختار الضرب والقتل والهوان على الكفر، حديث: 6943.

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَاؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَاؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

''اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسا نہ کریں، حالانکہ اس نے ہمیں راستے دکھائے ہیں! اور تم ہمیں جو بھی ایذا دو گے ہم صبر کریں گے اور چاہیے کہ توکل کرنے والے اللہ ہی پر بھروسا کریں۔''[1]

بعض صحابۂ کرام ؓ کہا کرتے تھے: ''ایذا پر صبر نہ کرنے والے کو ہم ایمان والا نہیں سمجھتے تھے۔''[2]

صبر وتحمل کی ان زندہ اور منہ بولتی مثالوں کی روشنی میں ایک مسلمان زندگی بسر کرتا ہے، وہ شکایت و ناراضی کا اظہار نہیں کرتا، برائی کا دفاع برائی سے نہیں کرتا، البتہ برائی کو اچھائی سے مٹاتا ہے اور عفو و درگزر اور صبر وتحمل کی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے: وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

''جو صبر کرتا ہے اور معاف کرتا ہے (تو) یقیناً یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''[3]

باب:3 اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور خود اعتمادی

مسلمان اپنے تمام کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور توکل کرتا ہے۔ وہ اسے صرف اخلاقی فرض ہی نہیں سمجھتا بلکہ ایک دینی فرض اور اسلامی عقیدہ شمار کرتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ''اور اللہ ہی پر بھروسا کرو اگر تم ایمان والے ہو۔''[4]

نیز فرمایا: وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ''اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''[5]

یہی وجہ ہے کہ مطلق طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر توکل کرنا مومن کے عقیدے کا لازمی جزو ہے۔ ایماندار اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے خود کو پوری طرح سے اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔

اسلام سے ناواقف اور عقائد اسلام کے مخالفین نے توکل کا جو خود ساختہ تصور قائم کیا ہوا ہے، مومن کے نقطۂ نظر سے وہ غلط ہے، یعنی توکل زبان سے اللہ کا نام لینا ہے، چاہے دل تدبر سے خالی ہو۔ ہونٹ اس کے ذکر سے حرکت میں رہیں، چاہے عقل وفہم اس کی حقیقت سے عاری ہو یا پھر اسباب کو قابل توجہ نہ سمجھنا، کام نہ کرنا، ذلت وگھٹیا پن اور کمینگی پر قناعت کرنا ہی توکل کے شعار وعلامات ہیں بلکہ یہ سب کچھ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا ہے۔ یہ تصور بالکل غلط ہے اس کے برعکس مسلمان کے ذہن میں توکل کا وہ مفہوم ہے جو اس کے ایمان اور عقیدے کا جزو ہے، یعنی کسی بھی کام کے لیے

1 إبراهيم 12:14. 2 شعب الأيمان للبيهقي، باب في الصبر على المصائب: 124/7، حديث: 9718. 3 الشورٰى 43:42.
4 المائدة 23:5. 5 إبراهيم 11:14.

جتنے بھی جائز اسباب ہیں سب کو استعمال کرنے کے باوجود اس کام کی تکمیل اور اس کا صدور محض اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ مومن اسباب کے بغیر کسی ثمر کے حاصل ہونے کی طمع نہیں کرتا، اسی طرح جن چیزوں کا پہلے صادر ہونا ضروری ہے، ان کے بغیر کسی نتیجہ کی برآمدگی کا وہ قائل نہیں ہوتا۔ ہاں، وہ ان اسباب ومقدمات کے ثمرات و مقاصد کے حصول کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، اس لیے کہ وہی ہر کام کو نتیجہ خیز بنانے پر قادر ہے، اس کے سوا کسی کو اس کی قدرت نہیں ہے۔

گویا توکل مسلمان کے نزدیک رضا ورغبت سے اطمینان کے ساتھ کام کرنے اور پھر اس کے مثبت نتیجے کی امید رکھنے کا نام ہے جبکہ عقیدہ بھی یہ ہو کہ جو اللہ چاہے گا، وہی ہوگا اور جو نہیں چاہے گا، وہ نہیں ہوگا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی اچھے کام کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ مسلمان کو تو کائنات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنت کا یقین ہے، اسی لیے وہ اعمال کے لیے اسباب مطلوبہ کو ضروری سمجھتا ہے اور انھیں مہیا کرنے اور مکمل کرنے میں پوری طاقت صرف کرتا ہے لیکن یہ ہرگز نہیں سمجھتا کہ اغراض ومقاصد کے حصول میں صرف اسباب ہی کافی ہیں۔ انھیں وہ اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا کہ ان اسباب کو اختیار کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، لہٰذا دیگر اوامر ونواہی کی طرح اس کی تعمیل بھی ضروری ہے۔ باقی رہا مطلوبہ نتائج اور پسندیدہ اغراض کا حاصل ہونا تو یہ اللہ کے سپرد ہے۔ وہی اس پر قادر ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں اور اس پوری کائنات میں وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو نہیں چاہتا، نہیں ہوتا۔ ایسے کتنے ہی کارکن اور محنت کش ہیں جو اپنی محنت کا پھل نہ پاسکے اور کتنے ہی کاشت کار ہیں جو کاشت ومحنت کے باوجود غلہ حاصل نہ کر سکے۔ بس اسباب پر مسلمان کی نظر صرف اتنی ہی ہے، اس لیے کہ ان پر کلی اعتماد اور ہر معاملہ میں انھی کا اعتبار کرنا کفر وشرک ہے جس سے احتراز ضروری ہے، البتہ کسی بھی کام کے مطلوبہ اسباب کو درخور اعتنا نہ سمجھنا اور باوجود قدرت کے انھیں حاصل کرنے کی سعی نہ کرنا اور امید رکھنا کہ یہ کام ہو جائے گا، یہ اللہ کی نافرمانی ہے جس سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔

اسباب کے بارے میں مسلمان کا یہ نظریہ اسلامی روح اور نبیٔ کریم ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کفار کے ساتھ کئی طویل لڑائیاں لڑی ہیں۔ آپ جنگ سے پہلے پوری تیاری کرتے تھے، سامانِ جنگ مہیا ہوتا، معرکے کے لیے میدان کا چناؤ ہوتا اور وقت کا انتخاب کیا جاتا۔

اور نبی ﷺ کی بابت یہ بھی مروی ہے کہ آپ گرمی کے وقت حملہ نہیں کرتے تھے۔ فضا ٹھنڈی اور خوشگوار ہو جاتی، جنگ کی پوری پالیسی طے کر لی جاتی اور صفوں کو منظم کر دیا جاتا تو اجازت مرحمت فرماتے اور پھر معرکہ کی کامیابی کے لیے مطلوبہ مادی اسباب مہیا کر لینے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اللہ کی جناب میں عرض فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ»

''اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے، بادلوں کو حرکت دینے والے اور دشمن افواج کو شکست دینے والے، انھیں شکست سے دوچار کر اور ہمیں ان پر فتح عطا فرما۔'' [1]

گویا آپ کی عادت مبارکہ اور سیرت طیبہ یہ تھی کہ مادی اور روحانی دونوں قسم کے اسباب سے کام لیا جائے اور پھر فتح وکامرانی کو حقیقی مالک، رب تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت سے پہلے اکثر ساتھیوں کو مکہ سے روانہ کر دیا تھا، ان کے بعد اللہ کی طرف سے آپ کو ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی۔ بوقت ہجرت رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر درج ذیل ترجیحات تھیں:

(1) اپنے ساتھیوں میں سے بہترین ساتھی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اس ہجرت کے سفر میں آپ کے ساتھ رہے۔

(2) کھانے پینے کی چیزیں تیار کرائیں اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اپنے نطاق (کمر بند) کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے انھیں باندھا جس کی وجہ سے ان کا لقب ''ذات النطاقین'' پڑا۔

(3) اس طویل اور پر مشقت سفر کے لیے بہترین اور عمدہ سواری کا انتظام کیا۔

(4) ایک ماہر، جغرافیہ دان جو راستے کی نزاکتوں اور باریکیوں کو خوب جانتا تھا، کی خدمات حاصل کیں تاکہ وہ اس سفر میں راستے کی صحیح رہنمائی کر سکے۔ [2]

(5) ہجرت کی رات آپ کا مکان دشمن کے محاصرے میں تھا، آپ نے کمال دانشمندی سے اپنے بستر پر اپنے عزیز بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سلا دیا تاکہ دشمنوں کو باور کرایا جائے اور چال چلی جائے کہ آپ گھر میں ہی ہیں۔ جو دروازوں کے شگافوں سے صورت حال پر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے نظر رکھ رہے تھے۔ [3]

(6) دشمن کو حقیقت حال کا پتہ چلا تو آپ کا پیچھا کرتے ہوئے دوڑ پڑا لیکن آپ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں غار ثور میں پناہ گزین ہو گئے تاکہ کینہ ور، حاسد اور بے رحم دشمن کی نظروں سے چھپ جائیں۔ [4]

(7) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب فرمایا: ''اگر دشمن اپنے قدموں کی طرف نظر کر لے تو وہ ہمیں تاڑ لے گا'' تو اس پر توکل کے اعلیٰ منصب پر فائز اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ! بِاثْنَيْنِ، اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا»

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب: كان النبيﷺ إذا لم يقاتل أول النهار أخر القتال حتى تزول الشمس، حديث: 2966، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب كراهة تمني لقاء العدو......، حديث: 1742. [2] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبيﷺ وأصحابه إلى المدينة، حديث: 3905. [3] البداية والنهاية: 175,174/3. [4] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبيﷺ وأصحابه إلى المدينة، حديث:3905.

''اے ابوبکر! ان دو ہستیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔''[1]

اس واقعہ میں ایمان و توکل کے اعلیٰ حقائق نمایاں ہیں، غور فرمایئے رسول اللہ ﷺ نے اسباب کا انکار نہیں کیا اور نہ ان پر کلی اعتماد کیا اور واقعی مومن کے لیے آخری سبب و سہارا یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے آگے گر جائے اور پورے اطمینان و وثوق کے ساتھ معاملہ اس کے سپرد کر دے۔

رسول اللہ ﷺ نے کفار سے بچنے کے لیے جملہ اسباب مہیا کیے تھے حتیٰ کہ اس تاریک غار میں چھپے جس میں خوفناک سانپوں اور بچھوؤں کا بسیرا تھا مگر جب آپ کے ساتھی کو خوف اور غم نے گھیرا تو ایمان کے کس اعتماد و وثوق اور توکل کے کس اعلیٰ یقین کی بنیاد پر آپ نے فرمایا: «لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ! بِاثْنَيْنِ ، اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا»

''غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ!) تمھارا کیا گمان ہے ان دو کے متعلق جن کے ساتھ تیسرا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے؟''[2]

درحقیقت مسلمان کا نظریۂ اسباب، رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ اور آپ کی تعلیم سے مستفاد ہے، یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ مسلمان اس بارے میں محض مقتدی اور فرماں بردار ہے۔

اسی طرح خود اعتمادی کا وہ مفہوم بھی جو گناہوں میں آلودہ، حواس باختہ اور بیوقوف لوگوں نے گھڑ رکھا ہے، ایک مسلمان کے شایان شان نہیں ہے، جن کے ہاں اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑ لینا ہی خود اعتمادی کہلاتا ہے ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ بندہ اپنے اعمال کا خود خالق ہے اور اپنے کسب و نفع کا حصول وہ خود کرتا ہے، اللہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ان کے اوہام سے پاک ہے۔

مسلمان کا تو کسب و عمل پر اعتماد اس یقین کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ صرف اللہ کا محتاج ہے، کسی اور کا نہیں اور اس احتیاج کا اظہار بھی اسی کے آگے کرتا ہے۔ اگر وہ کام خود کرتا ہے تو اس کا بھروسا اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ہوتا ہے۔ اگر درمیان میں کوئی رکاوٹ آ جائے تو اس کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتا، اس لیے کہ اس کا دل غیر اللہ کے تعلق سے بری ہو چکا ہے اور غیر اللہ سے ایسا تعلق اسے پسند نہیں ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، سلف صالحین رحمہم اللہ کا طرز عمل اور صدیقین رحمہم اللہ کا پسندیدہ طریقہ بھی یہی تھا، ان میں سے اگر کسی کے ہاتھ سے چابک گر جاتا تو گھوڑے سے اتر کر خود اسے اٹھاتا، کسی کو نہ کہتا کہ مجھے یہ اٹھا دو۔[3]

رسول اللہ ﷺ بیعت میں مسلمانوں سے اقامت نماز، ادائیگی زکاۃ اور اس بات کا وعدہ لیا کرتے تھے کہ وہ

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب المهاجرين و فضلهم، حديث: 3653، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، حديث: 2381. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب المهاجرين و فضلهم، حديث: 3652. [3] صحيح مسلم، الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، حديث: 1043.

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے حاجات کا سوال نہیں کریں گے۔[1]

توکل اور اعتماد میں اس عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے والا مومن اپنے عقیدہ و نظریہ کی آبیاری آیات مبارکہ اور احادیث مطہرہ سے کرتا رہتا ہے۔

﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ ﴾ ''اور اس زندہ پر بھروسا کر جو کبھی نہیں مرے گا۔''[2]

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○﴾

''اور انھوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کام بنانے والا ہے۔''[3]

نیز ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○﴾ ''بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔''[4]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ، تَغْدُو خِمَاصًا وَّتَرُوحُ بِطَانًا»

''اگر تم اللہ پر ایسے بھروسا کرو جس طرح اس پر بھروسا کرنے کا حق ہے تو تمھیں بھی ایسے روزی دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔''[5]

اور گھر سے باہر نکلتے وقت آپ فرمایا کرتے تھے:

«بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»

''اللہ کے نام سے (نکلتا ہوں) میں اللہ پر توکل کرتا ہوں اور بدی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ ہی (کی طرف) سے حاصل ہو سکتی ہے۔''[6]

اور ان ستر ہزار لوگوں کے بارے میں، جو بغیر حساب و عذاب کے بہشت میں داخل ہوں گے، فرمایا:

«هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ»

''یہ وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کرواتے، بدشگونی نہیں کرتے، داغ نہیں لگواتے اور صرف اپنے پالنے والے اللہ ہی پر بھروسا کرتے ہیں۔''[7]

① صحيح مسلم، الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، حديث: 1043. ② الفرقان 58:25. ③ آل عمران 173:3. ④ آل عمران 159:3. ⑤ [حسن] سنن ابن ماجه، الزهد، باب التوكل واليقين، حديث: 4164، وجامع الترمذي، الزهد، باب في التوكل على الله، حديث: 2344 وقال: حسن صحيح، ومسند أحمد: 30/1. ⑥ [ضعيف] جامع الترمذي، الدعوات، باب ماجاء ما يقول إذا خرج من بيته، حديث: 3426. جبکہ امام ترمذی نے اسے ''حسن صحیح'' اور شیخ البانی نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔
⑦ صحيح البخاري، الطب، باب من اكتوى أو كوى غيره ...، حديث: 5705، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب ولا عذاب، حديث: 218.

باب:4

ایثار وقربانی اور نیکی سے پیار

مسلمان کے اخلاق میں اور جو فیوض و برکات اس نے دینی تعلیمات اور محاسنِ اسلام سے حاصل کی ہیں، ان میں ایثار اور دوسروں سے محبت کرنا بھی شامل ہے، چنانچہ جب بھی وہ ایثار کا موقع محل پاتا ہے تو اپنے اوپر دوسرے کو فوقیت دیتا ہے، خود بھوکا رہتا ہے مگر دوسرے کو پیٹ بھر کر کھلاتا ہے، خود پیاسا رہتا ہے مگر ساتھی کی پیاس بجھاتا ہے بلکہ وہ تو دوسروں کی زندگی کے لیے اپنی جان قربان کرنے کا جذبہ بھی رکھتا ہے۔ ایثار کا یہ جذبہ کسی ایسے فرد کے لیے قطعاً کوئی عجیب وغریب بات نہیں ہے جو بہترین صفات سے متصف اور اچھائی اور فضل و ایثار کی محبت سے سرشار ہو۔

یہ اللہ کا رنگ ہے اور اس کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے۔ مومن ایثار ومحبت کی اس بھلائی میں سلف صالحین رحمہم اللہ کے نقش قدم پر چلتا ہے، جن کی تعریف میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

''اور وہ اپنے آپ پر (دوسروں کو) ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں خود احتیاج ہی ہو اور جو نفس کی کنجوسی سے بچا لیے گئے، وہی کامیاب ہیں۔''[1]

مسلمان کے جملہ اخلاق فاضلہ اور تمام صفات حسنہ، قابل تعریف حکمت محمدی کے چشمۂ صافی سے ماخوذ ہیں یا رحمت الٰہی سے فیضان سے الہام شدہ۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

''کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''[2]

اس ہدایت پر عمل کرنے سے مسلمان کی عادات میں رفعت وعظمت اور بلندی حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

''اور وہ اپنے آپ پر (دوسروں کو) ترجیح دیتے ہیں، چاہے خود محتاج ہوں اور جو نفس کی کنجوسی سے بچا لیا گیا وہی کامیاب ہے۔''[3]

اس آیت کا ماننے والا اپنے نفس، اہل اور اولاد پر دوسرے مستحق لوگوں کو فوقیت دے گا۔ اور اس ایثار میں وہ

[1] الحشر 9:59. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، حديث: 13، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ما يحب لنفسه من الخير، حديث: 45.
[3] الحشر 9:59.

بڑھتا ہی رہے گا۔

دراصل ایک سچے مسلمان کی پوری زندگی اللہ کے تعلق میں بسر ہوتی ہے، اس کی زبان ہمیشہ اس کے ذکر سے تروتازہ رہتی ہے اور دل اس کی محبت میں سرشار۔ اگر وہ مظاہر قدرت پر نظر دوڑاتا ہے تو عبرت پکڑتا ہے اور اگر سورۂ مزمل اور فاطر کی مندرجہ ذیل آیات کے معانی پر غور وفکر کرتا ہے تو دنیا کو حقیر اور معیوب جانتا ہے اور اسے آخرت ہی کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ ایسا انسان مال کی سخاوت میں خوشی کیوں نہیں محسوس کرے گا اور خیر کے جذبہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ کیوں نہیں لے گا جبکہ وہ جانتا ہے کہ ہم جو کچھ آج کر رہے ہیں، کل آخرت میں ہمیں بہتر انداز میں مل جائے گا۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ﴾

''اور تم جو بھی اپنے لیے اچھا کام کرتے ہو، اللہ کے پاس اسے، اس سے بہتر اور اجر میں زیادہ پاؤ گے۔''[1]

ارشاد عالی ہے: ﴿ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝ ﴾

''اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا ہے، وہ اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر (دونوں طرح) خرچ کرتے ہیں، وہ ایک ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی تاکہ وہ (اللہ) ان کو ان کے پورے پورے صلے دے اور اپنا مزید فضل عطا کرے۔ یقیناً وہ بخشنے والا، قدر دان ہے۔''[2]

اب ہم ایثار، بھلائی اور محبت کے پانچ واقعات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ عقل وفہم والے انسان ان سے راہنمائی حاصل کریں:

ایثار و بھلائی کی عملی مثالیں (1) ''دارالندوہ'' میں قریش کی پارلیمینٹ کا اجلاس ہوا۔ ابومرہ ملعون نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی ایک رائے پیش کی جسے مجلس نے بالاتفاق منظور کیا اور اس پر عملدرآمد کے لیے آپ کے گھر پر اچانک حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو اللہ رب کریم نے پیغمبر اعظم ﷺ کو ہجرت کی اجازت دے دی اور آپ نے اس کے لیے تیاری شروع کردی، طے یہ ہوا کہ حملہ آوروں کے حملوں کو جنھوں نے مکان سے نکلتے وقت آپ پر جھپٹنا تھا، ناکام بنایا جائے اور آپ کے بستر پر ایک نوجوان سو جائے تاکہ دشمن سمجھے کہ آپ ابھی سوئے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچیرے بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اس ایثار وقربانی کے قابل پایا، چنانچہ آپ نے انھیں حکم دیا کہ آج رات میرے بستر پر تم نے سونا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ بلا تردد اس پر آمادہ ہوگئے، جبکہ یہ بھی امکان تھا کہ بوکھلایا ہوا دشمن جھپٹ پڑے اور تکا بوٹی کردے۔ نوعمری کے باوجود علی رضی اللہ عنہ نے سخاوت نفس کی ایک اعلیٰ مثال پیش کی۔[3] اس

[1] المزمل 20:73. [2] فاطر 30,29:35. [3] البداية والنهاية: 175,174/3.

سے یہ ثابت ہوا کہ ایک سچا مسلمان اس انداز کی قربانی پیش کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

(2) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک مہمان کو ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کھانا کھلانے کے لیے لے گئے، اس کے آگے کھانا رکھا، بیوی کو کہہ کر کسی بہانے سے چراغ گل کرا دیا اور خود کھانا کھانے کے انداز سے ہاتھ بڑھاتے رہے اور کھایا نہیں، مہمان سیر ہو گیا، صبح ہوئی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس ایثار و محبت کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دی اور آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾

''اور وہ اپنے آپ پر (دوسروں کو) ترجیح دیتے ہیں، چاہے خود محتاج ہوں۔''[1]

(3) حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے موقع پر میں اپنے چچیرے بھائی کی تلاش میں زخمیوں کو دیکھ رہا تھا۔ میرے پاس کچھ پانی تھا اور میں کہہ رہا تھا کہ اگر اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہوئی تو میں اسے پلا دوں گا اور اس سے اس کا چہرہ صاف کر دوں گا، چنانچہ وہ مجھے مل گیا، میں نے اس سے پانی کا پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا کہ اچانک دوسری طرف سے ایک اور زخمی کے کراہنے کی آواز آئی تو اس نے مجھ سے اس کی طرف جانے کا کہا، اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھیں پانی پیش کر رہا تھا کہ کسی اور طرف سے کراہنے کی آواز آئی ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف جانے کا اشارہ دیا۔ میں ادھر گیا تو وہ مجاہد فوت ہو چکا تھا، پھر ہشام رضی اللہ عنہ کی طرف پلٹا تو وہ بھی فوت ہو گئے تھے اور آخر میں اپنے چچیرے بھائی کے پاس آیا تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔[2]

ان تینوں شہداء نے ایثار و قربانی کی اعلیٰ مثال پیش کی ہے اور مسلمان کی تو ساری زندگی اس انداز سے گزرتی ہے۔

(4) مروی ہے کہ ابو الحسن الانطاکی رحمہ اللہ کے پاس تیس سے زائد آدمی جمع تھے اور ان کے پاس کھانے کے لیے چند روٹیاں تھیں، جو ان کے لیے کافی نہیں تھیں، انھوں نے روٹیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور چراغ بجھا دیا اور پھر کھانے کے لیے بیٹھ گئے، دستر خوان اٹھایا گیا تو پتہ چلا کہ ساری روٹیاں اسی طرح موجود ہیں، اس لیے کہ کسی نے بھی وہ روٹیاں نہیں کھائیں ہر ایک کی یہ تمنا تھی کہ دوسرا کھا لے گا۔ بھوک میں مبتلا ہر مسلمان واقعی ایثار اور حب خیر کی یہی مثال پیش کرتا ہے۔[3]

(5) منقول ہے کہ بشر بن حارث رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا، جبکہ وہ بیمار تھے اس شخص نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا۔ بشر رحمہ اللہ نے اپنی قمیض اتار کر اسے دے دی اور خود عاریتاً ایک قمیض منگوائی اور اس میں وہ فوت ہوئے۔[4]

(1) الحشر 59:9، و صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ ﴾، حديث: 4889، وصحيح مسلم، الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، حديث: 2054. (2) البداية والنهاية: 4/12 . (3) تفسير القرطبي: 20/18. (4) تفسير القرطبي: 20/18.

یہ پانچ واقعات مسلمان کے جذبۂ ایثار اور حب خیر کی پوری عکاسی کرتے ہیں۔ ہم نے اس لیے ان کا تذکرہ کیا ہے تاکہ عام لوگ نیکی سے محبت اور قربانی کے جذبہ سے معمور ہو کر اعلیٰ، مثالی اور اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کریں، اس لیے کہ وہ ہر چیز سے پہلے مسلمان ہیں۔

باب:5

عدل و اعتدال

عدل مسلمان کے نقطۂ نظر میں عدل سب سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا حکم بایں الفاظ دیا ہے: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ ﴾

''بے شک اللہ عدل، احسان اور رشتہ داروں کو (کچھ) دینے کا حکم دیتا ہے۔''[1]

نیز انصاف پسندوں کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی محبت کی خوشخبری دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾

''اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''[2]

پھر صرف احکام ہی میں عدل وانصاف کا حکم نہیں دیا بلکہ کلام وگفتگو میں بھی عدل ملحوظ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ﴾

''اور جب بات کہو تو انصاف کرو، چاہے وہ رشتہ دار ہی (کے خلاف) ہو۔''[3] اور فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ﴾

''یقیناً اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو پہنچا دو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو۔''[4]

بنا بریں مسلمان قول وفعل اور فیصلہ کرنے میں انصاف کو تلاش کرتا ہے، یہ اس کی طبعی صفت ہے جو کسی صورت اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ وہ جو بات کہتا ہے اور جو کام کرتا ہے، عدل وانصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ کسی پر ظلم وزیادتی سے بہت دور رہتا ہے، اس کی انصاف پسندی کو ہوائے نفس اور دنیا کی کوئی خواہش وشہرت متزلزل نہیں کر سکتی اور اسی وجہ سے وہ اللہ کی محبت، رضا، اعزازات اور انعامات کا مستحق قرار پاتا ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کہا ہے: ''وہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' اور رسول اللہ ﷺ نے رب کے ہاں ان کے اعزاز واکرام کا پتہ دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

[1] النحل 90:16. [2] الحجرات 9:49. [3] الأنعام 152:6. [4] النسآء 58:4.

«إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ...... اَلَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا»

"بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر ہوں گے...... وہ جو اپنے فیصلہ جات، اہل وعیال اور جو کچھ ان کی حکمرانی (اور ذمہ داری) میں ہو، اس میں انصاف کرتے ہیں۔"[1]

اور فرمایا: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفٰى حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ»

"سات طرح کے انسانوں کو (قیامت کے دن) اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا، جبکہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا، امام انصاف کرنے والا، وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی گزار رہا ہے، وہ مرد جس کا دل مساجد سے لگا ہوا ہے، وہ دو مرد جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں، اکٹھے ہوں یا جدا اسی محبت پر قائم ہیں، ایک وہ مرد جسے حسب ونسب والی خوبصورت عورت نے دعوت (گناہ) دی اور وہ اللہ کے خوف کی وجہ سے باز رہتا ہے، ایک وہ شخص جو چھپا کر خیرات کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے اور ایک وہ انسان جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے روتا ہے۔"[2]

عدل کے مظاہر عدل کے بہت سے مظہر ہیں جن میں مسلمان نمایاں ہوتا ہے، مثلاً:

(1) اللہ کے ساتھ عدل، یعنی اس کی عبادت وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، اس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی سے بچا جائے، اسے یاد رکھا جائے اور بھلایا نہ جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس کی کفران وناشکری سے اجتناب کیا جائے۔

(2) لوگوں کے فیصلے کرنے میں انصاف، یعنی ہر حق والے کو اس کا حق ملے اور اس کی دادرسی ہو۔

(3) بیویوں اور اولاد میں انصاف، یعنی ان میں برابری کی جائے اور کسی ایک کے ساتھ دوسرے پر برتری اور ایثار کا سلوک روا نہ رکھا جائے۔

(4) بات میں عدل، یعنی جھوٹ نہ بولا جائے، کذب اور باطل سے احتراز کیا جائے۔

(5) عقائد ونظریات میں عدل، یعنی حق اور سچائی کو تسلیم کیا جائے، خلاف حقیقت اور خلاف واقع باتوں کو دل

(1) صحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل...... حديث: 1827. (2) صحيح البخاري، الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد، حديث: 660.

میں جگہ نہ دی جائے۔

عدل وانصاف کے ثمرات فیصلہ میں انصاف کے نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ نفوس میں اس سے اطمینان وسکون پھیلتا ہے، چنانچہ مروی ہے کہ قیصر ''بادشاہ روم'' نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا۔ وہ مدینہ میں آیا تو پوچھا: تمھارا بادشاہ کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا ہمارا بادشاہ نہیں ہے بلکہ ہمارا تو امیر ہے اور وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے، چنانچہ وہ شخص تلاش میں نکل کھڑا ہوا، دیکھتا ہے کہ مسلمانوں کا امیر ریت پر درہ سرہانے رکھ کر سویا ہوا ہے۔ درہ چھوٹی سی لاٹھی تھی، جسے وہ ہر وقت اپنے پاس رکھتے اور نہی عن المنکر میں اسے استعمال کرتے تھے۔ قاصد نے دیکھا تو اس کے دل پر رقت طاری ہوگئی اور کہنے لگا: یہ شخص کہ دنیا کے بادشاہ جس سے کانپ رہے ہیں، اس اطمینان سے اکیلا سویا ہوا ہے۔ عمر! تم نے انصاف کیا، اس لیے تم سکون اور اطمینان میں ہو اور دنیا کے بادشاہ ظالم ہیں، اس لیے وہ خائف ہیں اور ان کی نیندیں اڑ چکی ہیں۔[1]

اعتدال میانہ روی، عدل وانصاف کی نسبت عام ہے اور مسلمان کی زندگی کے تمام کاموں میں اس کی کارفرمائی ہے۔ اعتدال (میانہ روی) افراط وتفریط کا درمیانی راستہ ہے اور افراط وتفریط دونوں مذموم صفتیں ہیں نہ افراط ٹھیک ہے اور نہ تفریط۔ عبادات میں اعتدال یہ ہے کہ غلو وشدت سے خالی ہوں اور یہ بھی نہ ہو کہ عبادت کی کوئی اہمیت ہی ذہن وفکر میں نہ ہو، جسے اہمال وتفریط (انتہائی کوتاہی وکمی) کہہ سکتے ہیں۔

خرچ میں اعتدال اس طرح ہے کہ فضول خرچی نہ ہو اور نہ کنجوسی، اسراف وبخل کے مابین کی حالت درست ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾

''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی بلکہ ان کے درمیان اعتدال ہوتا ہے۔''[2]

لباس میں میانہ روی یہ ہے کہ وہ نہ تو فخر وتکبر کے لیے ہو اور نہ کھردرا اور بہت پیوند لگا ہوا بھدا ہو۔ چال میں اعتدال یہ ہے کہ متکبرانہ نہ ہو اور نہ انتہائی مسکینی اور ذلت کے رنگ میں۔ حقیقت میں اعتدال ہر میدان میں افراط وتفریط کے مابین ایک درمیانی حالت ہے۔

اعتدال استقامت کی طرح انسان کے لیے بہت بڑی فضیلت اور کردار کی بلندی کی علامت ہے۔ اس کی بدولت اس کے حامل کو اللہ کی حدود پر ٹھہراؤ حاصل ہوتا ہے اور وہ فرائض کی ادائیگی میں سستی اور کمی سے محفوظ رہتا ہے اور عبادت کے کسی جزو میں افراط کا شکار بھی نہیں ہوتا۔

اعتدال سے ''وصف عفت'' کو جلا ملتی ہے، جس کے نتیجے میں مسلمان حلال پر اکتفا اور حرام سے اجتناب کرنے کا

[1] لم أجده. [2] الفرقان 67:25.

عادی ہو جاتا ہے۔ میانہ روی انسان کے لیے کتنے شرف وفخر کی بات ہے، حق تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۝ ﴾

''اور اگر یہ لوگ سیدھے راستہ پر چلتے تو ہم انھیں بہت پانی پلاتے۔''[1] اور فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

''بے شک جن لوگوں نے کہا: ''ہمارا رب اللہ ہے'' پھر (اس پر) سیدھے رہے تو انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی لوگ بہشت والے ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یہ) ان عملوں کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔''[2]

باب:6 شفقت ورحمت

مسلمان رحمدل ہوتا ہے اور رحم کرنا اس کی عادت ہے کہ یہ صفت نفس وروح کی پاکیزگی اور صفائی کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے اور مسلمان نیک کام کرنے اور شر و مفاسد سے دور رہنے کی وجہ سے نفس وروح کی طہارت وصفائی کا حامل ہوتا ہے اور ایسا انسان کبھی بھی صفت رحمت سے عاری نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خود بھی رحمت وشفقت کو پسند کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتا رہتا ہے بلکہ اس کا ہمہ وقت داعی ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ ﴾

''پھر وہ ان لوگوں سے ہوتا ہے جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کرنے کی وصیت کرتے رہے۔ یہی لوگ دائیں جانب (سعادت) والے ہیں۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «إِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ»

''اللہ اپنے بندوں میں سے ان پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔''[4]

نیز فرمایا: «اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ»

''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''[5]

① الجن 72:16۔ ② الأحقاف 46:13، 14۔ ③ البلد 90:17، 18۔ ④ صحيح البخاري، التوحيد، باب ما جاء في قول الله تعالى: ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾، حديث: 7448. ⑤ جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في رحمة الناس، ◄◄

نیز ارشاد ہے: «مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ» ”جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔“[1]

اور یہ بھی فرمان نبوی ہے: «لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ» ”بد بخت سے ہی رحمت چھینی جاتی ہے۔“[2]

اور وہ آپ کے اس فرمان کا مصداق ہوتا ہے: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى»

”باہمی محبت، ایک دوسرے پر رحم اور نرمی کرنے میں ایمانداروں کی مثال ایک جسم کی ہے کہ اگر اس کا ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارا جسم بیداری اور بخار محسوس کرتا ہے۔“[3]

دلی رقت اور نفسانی شفقت کو، جو عفو و درگزر اور احسان کو شامل ہو، رحمت کہتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ یہ ہمیشہ نفسانی جذبہ ہی رہے جس کا خارج میں کوئی اثر نہ ہو بلکہ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے خارجی اثرات بھی ہوتے ہیں، جیسا کہ لغزش والے سے درگزر کرنا، گناہ گار کو معاف کر دینا، عاجز اور بے بس کی مدد کرنا، کمزور سے تعاون کرنا بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو لباس مہیا کرنا، مریض اور بیمار کو علاج کی سہولت مہیا کرنا اور غمگین کے ساتھ ہمدردی و غمخواری وغیرہ یہ سب رحمت کے آثار ہیں۔

شفقت و رحمت کے مظاہر رحمت کے آثار جو ہمارے مشاہدے اور دیکھنے میں آ سکتے ہیں، اس کے چند مظاہر ملاحظہ فرمائیے:

(1) امام بخاری رحمہ اللہ (اپنی سند کے ساتھ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسیف القین رضی اللہ عنہ (لوہار) کے گھر گئے۔ جو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا (دایہ) کے شوہر تھے۔ آپ نے بچے کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور بوسے دیے۔ اس واقعہ کے بعد ایک دفعہ ہم پھر وہاں گئے جبکہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی جاں کنی کا وقت تھا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اور آپ بھی اے اللہ کے رسول! (آنسو بہاتے ہیں۔) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے ابن عوف! یہ رحمت ہے۔“ پھر فرمایا: ”آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہے اور ہم وہی کہیں گے جس پر ہمارا رب راضی ہوتا ہے اور اے ابراہیم! ہم تیرے جدا ہونے

» حدیث: 1924، والمعجم الكبير للطبراني: 356/2، حديث: 2502، والمستدرك للحاكم: 248/4، بسند آخر، امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، سنن ابوداود (حدیث: 4941) میں اس کا ایک حسن درجے کا شاہد موجود ہے۔ [1] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، حديث: 5997 و 6013، وصحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان و العيال......، حديث: 2318. [2] [حسن] سنن أبي داود، الأدب، باب في الرحمة، حديث: 4942، اسے امام ترمذی نے حسن اور امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ [3] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6011، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب، تراحم المؤمنين وتعاطفهم، حديث: 2586 واللفظ له.

پر بہت غمگین ہیں۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کا اپنے فرزند کو دیکھنے جانا جبکہ وہ دودھ پلانے والی کے پاس تھا، اسے بوسے دینا اور چومنا اور پھر جاں کنی کی حالت میں اس کی عیادت کے لیے دوبارہ جانا اور غم کے آنسو بہانا، یہ سب کچھ دل میں موجزن رحمت کا مظہر تھا۔

(2) امام بخاری رحمہ اللہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک شخص کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی، وہ کنوئیں میں نیچے اترا اور پانی پیا، باہر نکلا تو ایک کتا دیکھا جو پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا تھا اور گیلی مٹی کھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ یہ بھی میری طرح پیاسا ہے۔ تو اس نے پانی سے اپنا موزہ بھرا، منہ سے پکڑا اور کنویں سے باہر آکر کتے کو پانی پلایا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے اس فعل کی قدر کی اور اس کی مغفرت فرما دی۔" لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جانوروں کے ساتھ ہمدردی میں بھی ہمیں ثواب ملتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر زندہ جگر والی چیز (کے ساتھ حسن سلوک) میں اللہ کے ہاں اجر ہے۔"[2]

اس آدمی کا کنویں میں اترنا، پانی لانا اور پیاسے کتے کو پلانا، یہ سب دل میں موجود رحمت کے مظاہر ہیں، ورنہ وہ ایسا نہ کرتا۔

اس کے برعکس امام بخاری رحمہ اللہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور واقعہ لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ایک عورت کو صرف اس لیے عذاب ہوا کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ بھوکی پیاسی مر گئی۔ (اللہ کی طرف سے) اسے کہا گیا کہ تو نے اسے باندھ کر نہ اسے کھانا دیا نہ پانی پلایا اور نہ چھوڑا کہ یہ خود زمینی جانور کھا کر گزارہ کرتی۔"[3]

اس عورت کا یہ طرز عمل اس کے دل کی سختی اور رحمت کے فقدان کی وجہ سے تھا اور رحمت سے وہی عاری ہوتا ہے جس کا دل سخت ہو۔

(3) امام بخاری رحمہ اللہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں اس ارادے سے نماز شروع کرتا ہوں کہ لمبی پڑھوں گا مگر بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو بچے کی ماں کے احساس کی وجہ سے مختصر کر دیتا ہوں جو اس کے رونے پر اسے ہوتا ہے۔"[4]

نبی ﷺ کا لمبی نماز پڑھنے کے ارادے کو ترک کرنا اور ماں کا بچے کے رونے کی وجہ سے بے چین ہونا، یہ سب اس

(1) صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: إنا بك لمحزونون، حديث: 1303. (2) صحيح البخاري، المظالم، باب الآبار على الطرق إذا لم يتأذ بها، حديث: 2466. (3) صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب في شراب أحدكم فليغمسه، حديث: 3318، والمساقاة، باب فضل سقي الماء، حديث: 2365. (4) صحيح البخاري، الأذان، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي، حديث: 707.

رحمت کی وجہ سے ہے جو اللہ نے اپنے رحم کرنے والے بندوں کے دلوں میں ودیعت کی ہے۔

④ بیان کیا جاتا ہے کہ زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ مسجد کی طرف جا رہے تھے کہ انھیں ایک شخص نے گالی دی، خدام اسے مارنے کے لیے دوڑے تو انھوں نے انھیں جذبہ ''ترحم'' کے تحت منع کر دیا اور فرمایا: ''صاحب میں تو اس سے بھی زیادہ ہوں جتنا تو کہہ رہا ہے اور میری جو باتیں تو نہیں جانتا، وہ ان سے زیادہ ہیں جو تو جانتا ہے۔ اگر تجھے ان سے کوئی مطلب ہے تو بیان کر دوں۔'' چنانچہ وہ آدمی شرمندہ اور نادم ہوا۔ زین العابدین رحمہ اللہ نے اپنی قمیض اس کو اتار کر دے دی اور ایک ہزار درہم نقد بھی دیے۔

یہ معاف کرنا اور یہ احسان سے نوازنا، رسول اللہ ﷺ کے نواسے کے دل میں رحمت و مہربانی کی وجہ ہی سے تو تھا۔

باب:7 شرم وحیا

''حیا'' مسلمان کی صفت ہے، وہ باحیا ہوتا ہے اور عفت اس کا زیور ہے۔ حیا ایمان کا ایک جزو ہے اور ایمان مسلمان کا عقیدہ اور اس کی زندگی کی درستی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْإِيمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُونَ أَوْ بِضْعٌ وَّ سِتُّونَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ»

''ایمان کی ستر یا ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں، افضل شاخ ''لا الہ الا اللہ'' اور کم تر شاخ، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔''[1]

اور فرمایا: «اَلْحَيَاءُ وَالْإِيمَانُ قُرَنَاءُ جَمِيعًا، فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ»

''حیا اور ایمان دو ساتھی ہیں، جب ایک اٹھ جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔''[2]

''حیا'' ایمان کا جزو ہے۔ اس میں بنیاد یہ ہے کہ دونوں خیر کے داعی اور شر سے انسان کو دور کرتے ہیں، ایمان اطاعت کے کام کرنے اور گناہ چھوڑنے پر آمادہ کرتا ہے اور حیا منعم کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے میں کمی اور صاحب حق کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے سے روکتا ہے، باحیا انسان گندے کام نہیں کرتا اور برے الفاظ نہیں بولتا، اس لیے کہ وہ مذمت اور ملامت سے ڈرتا ہے، اسی بنیاد پر حیا خیر ہی خیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان عدد شعب الإیمان......، حدیث: 35. [2] [حسن] المستدرك للحاكم: 22/1، امام حاکم اور ذہبی نے اسے امام بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

«اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ» ''حیا خیر ہی لاتا ہے۔''[1]

مزید فرمایا: «اَلْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ» ''حیا پورے کا پورا خیر و بھلائی ہے۔''[2]

حیا کی ضد بے حیائی ہے جو قول و فعل میں برائی کا نام ہے جس سے کلام میں درشتی پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان سخت کلام، برا، سنگدل اور خشک مزاج نہیں ہوتا، اس لیے کہ یہ جہنمیوں کی صفات ہیں جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے اہل جنت میں سے ہے۔ بنا بریں اس کی عادات میں سختی اور بدمزاجی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اس پر شاہد ہے:

«اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ، وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ»

''حیا ایمان سے ہے اور ایمان بہشت میں لے جائے گا اور بے حیائی جفا سے ہے اور جفا جہنم کا موجب ہے۔''[3]

حیا میں مسلمان کے لیے بہترین نمونہ اولین و آخرین کے سردار رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے۔[4]

صحیح بخاری میں ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ناپسند چیز دیکھتے تو ہم اس کے آثار آپ کے چہرے پر نمایاں پاتے تھے۔''[5]

اس صفت کی حفاظت اور اس کے پرچار میں مسلمان کی ہر وقت کوشش و سعی قائم رہتی ہے اور وہ لوگوں کی خیر و نیکی کی طرف رہنمائی کرتا رہتا ہے، اس لیے کہ حیا ایمان کا جز ہے اور ایمان فضائل اور نیکیوں کا مجموعہ اور عنصر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی کو وعظ کر رہا تھا کہ تجھے اتنا حیادار نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعْهُ، فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ» ''اسے رہنے دے، حیا ایمان کا جز ہے۔''[6]

اس طرح نبی ﷺ نے مسلمان کو حیا کی بقا کی تلقین فرمائی اور اسے ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے، خواہ اسے اپنے بعض حقوق سے محروم ہی کیوں نہ ہونا پڑے کیونکہ بعض حقوق سے دستبردار ہو جانا بے حیا بننے سے کہیں بہتر ہے، اس لیے کہ حیا ایمان کا جزو، اعلیٰ انسانی اقدار کی نشانی اور نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم کرے جس کا بیٹا شہید ہو گیا تو وہ نقاب اوڑھ کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آئی تو لوگوں نے اس کے اس حالت میں نقاب اوڑھنے کو حیرت سے دیکھا تو کہنے لگی:

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب الحياء، حديث: 6117، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان......، حديث: 37. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان......، حديث: 37. [3] [صحيح] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في الحياء، حديث: 2009، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ [4] صحيح البخاري، الأدب، باب الحياء، حديث: 6119. [5] صحيح البخاري، الأدب، باب من لم يواجه الناس بالعتاب، حديث: 6102. [6] صحيح البخاري، الإيمان، باب الحياء من الإيمان، حديث: 24، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان......، حديث: 36.

«أَنْ أُرْزَأَ ابْنِي فَلَنْ أُرْزَأَ حَيَائِي»

''میں اپنے بچے کی مصیبت میں مبتلا ہوں اب بے حیائی کی مصیبت میں ہرگز گرفتار نہیں ہوں گی۔''[1]

ہاں ''باحیا'' انسان کو کلمہ حق کہنے، علم حاصل کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے رکنا نہیں چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے پیارے صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ایک بار کسی کی سفارش کی تو آپ کے شرم و حیا نے آپ کو ناراضی کے انداز میں اسامہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرمانے سے نہیں روکا:

«أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللّٰهِ؟ (يَا أُسَامَةُ!) ...... وَأَيْمُ اللّٰهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ﷺ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

''اسامہ! اللہ کی حدود میں سے ایک حد میں سفارش کرتے ہو...... اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''[2]

اور شرم وحیا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ مسئلہ پوچھنے میں بھی مانع نہیں ہوئی۔ کہتی ہیں: اے اللہ کے رسول! بے شک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔ عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر بھی غسل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! اگر وہ پانی دیکھتی ہے۔''[3] یہاں آپ نے بھی جواب دینے میں شرم محسوس نہیں کی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک بار خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور مہر کے زیادہ ہونے پر اعتراض کیا تو ایک عورت کہنے لگی: عمر! جو چیز اللہ ہمیں دیتا ہے تم کیوں روکتے ہو؟ اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾

''تم ان میں سے کسی کو بہت مال دے چکے ہو تو اس سے کچھ (واپس) نہ لو۔''[4]

دیکھیے! شرم وحیا نے عورت کو عورتوں کے حقوق کے دفاع سے نہیں روکا اور عمر رضی اللہ عنہ بھی کسی قسم کی خفگی محسوس کیے بغیر معذرت کرتے ہوئے کہتے ہیں: عمر! تم سے تو سب لوگ زیادہ فقیہ ہیں۔[5]

ایک اور موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے اور لوگوں کو بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص کہنے لگا: ہم آپ کی بات سنتے ہیں نہ اطاعت کرتے ہیں کیونکہ آپ نے دو کپڑے بنوا لیے اور ہمیں ایک لباس کا کپڑا ملا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے اونچی آواز سے اپنے بیٹے کو بلایا، بیٹا حاضر ہوا تو اس نے حقیقت حال واضح کی کہ میں نے اپنے حصے کا

[1] [ضعیف] سنن أبي داود، الجهاد، باب فضل قتال الروم على غيرهم من الأمم، حديث: 2488، اس کی سند فرج اور عبدالخبیر وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب (54)، حديث: 3475. [3] صحيح البخاري، الغسل، باب إذا احتلمت المرأة، حديث: 282. [4] النسآء 20:4. [5] [حسن] مسند أبي يعلى بحواله تفسير ابن كثير: 640,639/1، النسآء 20:4 وقال: إسناده جيد قوي.

کپڑا انھیں دے دیا ہے۔ تب ان کے دو کپڑے تیار ہوئے ہیں۔ اس شخص نے کہا: اب فرمائیے ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔[1] نہ تو شرم کی وجہ سے وہ شخص ہی خاموش رہا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراف میں شرم محسوس کی۔

مسلمان، مخلوق کے سامنے شرم وحیا کرتا ہے، اس لیے ان کے سامنے ننگا نہیں ہوتا اور نہ ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور نہ کسی کے احسان کا انکاری ہوتا ہے اور نہ برے انداز سے کسی کا سامنا کرتا ہے۔ اسی طرح اپنے خالق کے آگے بھی وہ باحیا ہے کہ اس کی اطاعت وفرماں برداری اور نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں کمی نہیں کرتا، اس لیے کہ وہ اللہ کی قدرت کاملہ اور علم تام کا اقراری ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول پر ہر صاحبِ ایمان کا عمل ہے:

«اِسْتَحْيُوا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ، فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى، وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى، وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبَلَاءَ»

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں پوری طرح باحیا رہو...... انسان سر اور جو اس میں ہے، پیٹ اور جو اس میں ہے، کی حفاظت کرے (کوئی ناجائز چیز ان میں نہ آنے پائے) اور موت اور آزمائش کو یاد رکھے۔''[2]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«اَللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُّسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ» ''لوگوں سے زیادہ اللہ کا حق ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔''[3]

باب:8
احسان وبھلائی

احسان پر مسلمان کی نظر صرف اس انداز کی نہیں کہ یہ ایک اچھی عادت ہے اور اسے اپنانا بہتر ہے بلکہ وہ اسے اپنے عقیدہ کا ایک حصہ اور اسلام کا بڑا جز سمجھتا ہے، اس لیے کہ دین اسلام کی بنیادیں تین ہیں: ایمان، اسلام اور احسان۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ جبریل میں جبرائیل علیہ السلام کے جواب میں بیان فرمایا اور آخر میں فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ لِيُعَلِّمَكُمْ دِينَكُمْ» ''یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔''[4]

[1] خلفاء الرسول: 184/1. [2] [ضعيف] الترغيب والترهيب للمنذري: 400/3، وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب في بيان ما يقتضيه الاستحياء من الله حق الحياء، حديث: 2458، والمعجم الصغير للطبراني: 298/1، حديث: 494 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الغسل، باب من اغتسل عريانا وحده في خلوة، قبل الحديث: 278، تعليقاً، وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في حفظ العورة، حديث: 2794. امام ترمذی نے اسے حسن اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔ [4] صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الإيمان...... حديث: 50، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الإيمان ماهو؟ وبيان خصاله، حديث: 9، وصحيح ابن حبان: 399/1، حديث: 173 واللفظ له.

آپ ﷺ نے ان تینوں باتوں کو دین کا نام دیا ہے۔ اور قرآن پاک میں بھی اللہ عزوجل نے کئی مواقع پر احسان کا حکم دیا۔ ارشاد ہے: ﴿ وَاَحۡسِنُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝﴾

''اور احسان کرو، بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''[1]

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ ﴾ ''بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''[2]

نیز حکم حق تعالیٰ ہے: ﴿ وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا ﴾ ''اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔''[3] اور فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَـارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَـارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ﴾

''اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مساکین، قرابت دار ہمسائے، دور کے ہمسائے، پہلو کے ساتھی، مسافر اور اپنے مملوک غلاموں کے ساتھ (بھی احسان کرو۔)''[4] اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»

''بے شک اللہ نے ہر چیز کے ساتھ احسان کرنا فرض کر دیا ہے، جب تم قتل کرو تو اچھے انداز سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو ذبح کرنے کا اچھا انداز اپناؤ اور چھری تیز کرو اور ذبیحہ کو راحت دو۔''[5]

عبادات میں احسان کا مطلب یہ ہے کہ انھیں صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے، خواہ وہ نماز، روزہ، اور حج وغیرہ میں سے کوئی بھی ہو، یعنی ادائیگی میں شروط، ارکان، سنن وآداب کا پورا پورا لحاظ کیا جائے اور اس کی تکمیل یوں ہو گی کہ عبادت کی ادائیگی کے وقت انسان اللہ کے مراقبہ میں پوری طرح مستغرق ہو جائے۔ گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ شعور ضرور ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کے احوال پر مطلع ہے۔ اس طرح وہ مطلوبہ طریقے سے اور مکمل طور پر عبادت کی ادائیگی کر سکے گا۔ یہی بات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے:

«اَلْإِحْسَانُ ـ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ»

''احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت اس انداز میں کرے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر ایسے نہیں تو پھر یہ (تصور کر) کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''[6]

معاملات میں والدین کے ساتھ احسان یہ ہے: ان کی فرماں برداری کرنا، ان کے لیے خیر مہیا کرنا، ان سے تکلیف کو

① البقرة 2:195. ② النحل 16:90. ③ البقرة 2:83. ④ النسآء 4:36. ⑤ صحیح مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، حديث: 1955. ⑥ صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الإيمان......، حديث: 50، و صحيح مسلم، الإيمان، باب الإيمان ماهو؟ وبيان خصاله، حديث: 9.

دور کرنا اور ان کے حق میں دعا واستغفار کرنا، ان کے وعدے پورے کرنا اور ان کے دوستوں کی عزت واکرام کرنا۔

دوسرے قرابت داروں کے لیے احسان میں یہ پہلو مدنظر رہے کہ ان سے حسن سلوک، نرمی، مہربانی اور اچھا برتاؤ کیا جائے، برائی اور قبیح قول وفعل سے اجتناب کیا جائے۔

یتیموں کے لیے احسان میں ان کے اموال کی حفاظت کرنا، ان کے حقوق کا تحفظ، انھیں آداب سکھانا اور اچھی تربیت کرنا داخل ہے۔ اسی طرح انھیں ایذا نہ دی جائے اور ان پر قہر وظلم روا نہ رکھا جائے بلکہ ان کے سر پر دست شفقت رکھا جائے۔

مساکین کے لیے احسان یہ ہے کہ ان کی بھوک دور کی جائے، ان کو لباس اس انداز سے مہیا کیا جائے کہ ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہونے پائے۔ انھیں حقیر نہ سمجھا جائے، معیوب نہ جانا جائے اور انھیں برے الفاظ اور ناپسند افعال کا ہدف نہ بنایا جائے۔

مسافر کے لیے احسان میں اس کی ضرورت پوری کرنا، بھوک دور کرنا، اس کے مال وعزت کی حفاظت کرنا، راستہ پوچھے تو بتانا اور بھٹک جائے تو راہ راست دکھانا داخل ہے۔

خادم کے لیے احسان اس طرح ہے کہ پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اجرت ادا کی جائے۔ جو کام اس کے ذمہ نہیں، وہ اس سے نہ لیا جائے، اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لینا، اس کی عزت اور شخصیت کا احترام کرنا، اگر گھر کا خادم ہو تو اسے گھر والوں جیسا کھانا کھلانا اور اسے انھی کے معیار کا لباس دینا۔

عام لوگوں کے لیے احسان میں یہ باتیں داخل ہیں کہ ان کے ساتھ گفتگو میں نرمی، لین دین میں اچھا انداز، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا اہتمام کرنا، بھٹک جائے تو راستہ بتانا، جاہل ہے تو تعلیم دینا، انھیں انصاف مہیا کرنا، ان کے حقوق کا اعتراف، ان سے تکلیف اور ایذا دور کرنا اور کوئی ایسا کام نہ کرنا جو عام لوگوں کے لیے نقصان دہ اور ایذا کا باعث بن جائے۔

حیوان کے لیے احسان یہ ہے کہ بھوکا ہے تو اسے چارہ مہیا کرے، بیمار ہو جائے تو علاج کرے، طاقت سے زیادہ اس سے کام نہ لے، اس پر اتنا بوجھ نہ لادے جسے وہ برداشت نہ کر سکے، کام لینے میں اس سے نرم رویہ اپنائے اور تھک جائے تو اسے آرام کرنے کا موقع دے۔

بدنی کاموں میں احسان یہ ہے کہ کام عمدہ اور مضبوط ہو اور اس میں دھوکا وخیانت نہ ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا» ''جو ہمارے ساتھ دھوکا کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''[1]

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: «من غشنا فليس منا»، حديث: 101.

احسان کے چند مظاہر (1) احد کے دن مشرکین نے نبی ﷺ کے دانت توڑ دیے، چہرہ زخمی کر دیا، آپ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور ان کا مثلہ کیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مشرکین کے لیے بددعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ» اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما، یہ لوگ نہیں جانتے۔[1]

(2) عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک دن اپنی لونڈی سے کہا: ''میں سونا چاہتا ہوں تم مجھے ہوا دو۔'' چنانچہ لونڈی نے ہوا دی تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سو گئے۔ لونڈی پہ جب نیند کا غلبہ طاری ہوا تو وہ بھی سو گئی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جاگے تو پنکھا پکڑ کر اسے ہوا دینے لگے، جب وہ جاگی اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو ہوا دیتے دیکھا تو گھبرا گئی۔ خلیفۂ اسلام نے فرمایا: کوئی حرج نہیں تو بھی انسان ہے، گرمی سے متاثر ہوتی ہے تو نے مجھے ہوا دی ہے، اگر میں نے تجھے ہوا دے دی ہے تو کیا ہوا؟[2]

(3) ایک زرخرید غلام پر ایک نیک آدمی ناراض ہو گیا اور انتقام کا ارادہ کیا، غلام نے کہا: اللہ غصہ پی جانے والوں کی تعریف کرتا ہے۔ نیک آدمی نے کہا: میں بھی غصہ پی گیا۔ غلام نے کہا: اللہ نے انسانوں کو معاف کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ اس شخص نے کہا: میں نے بھی معاف کر دیا ہے۔ پھر غلام نے کہا: اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ تو اس صالح شخص نے فرمایا: جا میں نے تجھے اللہ کی رضا کے لیے آزاد کر دیا ہے۔[3]

باب:9

سچائی

مسلمان سچا اور سچائی پسند ہوتا ہے، اپنے اقوال وافعال میں صداقت کا التزام کرتا ہے، اس لیے کہ سچائی نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور جنت تو مسلمان کی سب سے بڑی مراد اور عظیم تمنا ہے، جبکہ جھوٹ سچائی کی ضد ہے اور گناہ کی دعوت دیتا ہے اور گناہ جہنم میں پہنچاتا ہے اور جہنم ایک ایسا شر ہے جس سے مسلمان بہت ڈرتا اور ہمیشہ اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

مسلمان صدق وسچائی محض ایک عادت کے طور پر نہیں اپناتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ اس طرح ایمان واسلام کی تکمیل ہو گی، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صدق کا حکم دیا ہے اور اس صفت کے حامل لوگوں کی تعریف کی ہے اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی سچائی کا حکم دیا، ترغیب دلائی اور اس کی دعوت دی ہے۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب (54)، حديث:3477، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة أحد، حديث:1792. [2] أخبار أبي حفص عمر بن عبدالعزيز:86/1. [3] تاريخ دمشق:387/41.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ والوں کا ساتھ دو۔''[1]

سچے لوگوں کی تعریف میں فرمایا: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ

''مومنوں میں کتنے ایسے اشخاص ہیں جنھوں نے جو اللہ کے ساتھ عہد کیا تھا، سچ کر دکھایا۔''[2]

نیز ارشاد ربانی ہے: وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ ''سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں۔''[3]

اور فرمان الٰہی ہے: وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

''اور جو شخص سچائی لایا اور جنھوں نے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔''[4] نبی ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا»

''سچائی اختیار کرو۔ سچائی نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور نیکی بہشت میں لے جاتی ہے اور انسان برابر سچ بولتا اور سچائی تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو، جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم میں لے جاتا ہے اور انسان ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں کذاب (بہت جھوٹ بولنے والا) لکھ دیا جاتا ہے۔''[5]

سچائی کے ثمرات سچائی کے بہت اچھے ثمرات ہیں جو سچے لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

(1) اس سے ضمیر کو راحت ملتی ہے اور دل مطمئن ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ» ''سچائی اطمینان انگیز ہے۔''[6]

(2) سچ کے نتیجے میں کمائی میں برکت اور نیکی میں اضافہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا»

[1] التوبة 119:9. [2] الأحزاب 23:33. [3] الأحزاب 35:33. [4] الزمر 33:39. [5] صحيح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب.....، حديث: 2607. [6] [صحيح] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث: اعقلها و توكل.....، حديث: 2518، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔

''بیچنے اور خریدنے والے جب تک جدا نہ ہوں انھیں (بیع ختم کرنے کا) اختیار ہے۔ اگر دونوں سچ کہیں گے اور بات واضح کریں گے تو ان کی بیع (سودے) میں برکت ہو گی اور اگر کوئی بات چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو ان کی بیع کی برکت مٹا دی جاتی ہے۔''[1]

③ سچائی سے شہداء کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ، وَإِنْ مَّاتَ عَلٰى فِرَاشِهِ»

''جو اللہ سے صدق دل سے شہادت کا سوال کرے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے شہداء کا مقام عطا کر دیتا ہے، چاہے اسے اپنے بستر پر ہی موت آئے۔''[2]

④ ناپسندیدہ امور سے نجات ملتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص دشمن سے ڈر کر ایک صالح آدمی سے پناہ کا طلبگار ہوا اور کہا: مجھے میرا پیچھا کرنے والے سے چھپا دیجیے، چنانچہ اس نیک شخص نے اسے ایک جگہ سونے کو کہا اور اس پر کھجور کے پتوں کا گٹھا ڈال دیا، جب تلاش کرنے والے آئے اور مفرور شخص کا پوچھا تو نیک آدمی نے کہا: ان پتوں کے نیچے ہے۔ انھوں نے اسے مذاق سمجھا اور چھوڑ کر چلے گئے اور اس طرح اس نیک آدمی کے سچ بولنے کی برکت سے اس شخص نے نجات پائی۔

سچائی کن باتوں میں نمایاں ہو سکتی ہے؟ ① بات میں۔ اس طرح کہ مسلمان حق اور صدق کے بغیر کوئی بات نہیں کرتا، اگر کسی خبر کی اطلاع دیتا ہے تو حقیقت اور نفس الامر کے خلاف کوئی بات نہیں کہتا، اس لیے کہ جھوٹ بولنا تو نفاق کی نشانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ»

''منافق کی تین نشانیاں ہیں، بات کہے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔''[3]

② لین دین میں مسلمان سچائی کو مدنظر رکھتا ہے، خیانت اور دھوکا نہیں کرتا اور کسی بھی حال میں جھوٹ اور دھوکے کا مرتکب نہیں ہوتا۔

③ مسلمان کا عزم و ارادہ سچا ہوتا ہے، جو کام کرنا چاہے بلا تردد صدق دل سے کرتا ہے، کسی (دوسری) چیز کی طرف

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب إذا بين البيعان ولم يكتما و نصحا، حديث: 2079. [2] صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب طلب الشهادة في سبيل الله تعالى، حديث: 1909. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 33، وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: 59.

توجہ کیے بغیر اپنے کام میں لگ جاتا ہے اور وہ اس میں پورا اترتا ہے۔

④ وعدے میں مسلمان سچ کا قائل ہے۔ وہ جب بھی کسی سے وعدہ کرے تو اسے پورا کرتا ہے، اس لیے کہ وعدہ خلافی تو منافق کی نشانی ہے، جیسا کہ اوپر حدیث شریف میں گزر چکا ہے۔

⑤ مسلمان اپنے حال میں سچا ہوتا ہے۔ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہے، وہ نہ تو جھوٹ کا لباس پہنتا ہے اور نہ ریا و دکھلاوا کرتا ہے وہ مال کے اظہار میں بھی تکلف نہیں کرتا کہ جو مال اس کا نہیں اسے اپنا ظاہر کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ»

''نہ دی ہوئی چیز پر سیر ہونے کا دعویٰ کرنے والا، جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے شخص کی طرح ہے۔''[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ استغنا اور دولت کے اظہار کے لیے مانگی ہوئی چیز سے زینت اور تجمل کرنا، ایسے ہے جیسے زہد و ورع کے اظہار کے لیے پھٹے پرانے کپڑے پہن لے، حالانکہ وہ زاہد و متقی نہیں ہے۔

سچ کی چند مثالیں ① امام ابوداود رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن ابی حمساء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سودا کیا اور وعدہ کیا کہ آپ یہیں ٹھہریں میں بقیہ رقم ابھی لا دیتا ہوں، میں بھول گیا تین دن بعد مجھے بات یاد آئی اور میں نے دیکھا کہ آپ وہیں کھڑے ہیں تو آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ''اے جوان! تم نے مجھے تکلیف دی ہے، میں تین دن سے یہاں تمھارے انتظار میں ہوں۔''[2]

اسی انداز کا ایک واقعہ آپ کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کو بھی پیش آیا تھا۔[3]

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی تعریف کی:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝﴾

''اور کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کر وہ سچے وعدے والے اور رسول، نبی تھے۔''[4]

② حجاج بن یوسف نے ایک دن لمبا خطبہ دیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: نماز کا وقت ہو گیا ہے، وقت تیرا انتظار نہیں کرتا اور رب تعالیٰ تجھے معذور نہیں قرار دے گا۔ حجاج نے اسے قید کرنے کا حکم دیا۔ اس کی قوم کے افراد آ کر کہنے لگے: یہ تو مجنون ہے۔ حجاج نے کہا: وہ خود کہہ دے کہ میں پاگل ہوں تو میں اسے جیل سے چھوڑ دوں گا۔ اس پر اس آدمی نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتِ عقل کا کیسے انکار کر سکتا ہوں اور جس مرضِ جنون سے اس نے مجھے عافیت دی ہے، میں کیسے اس کا اقرار کروں۔ حجاج نے اس کی سچی بات سنی تو آزاد کر دیا۔

[1] صحيح مسلم، اللباس، باب النهي عن التزوير في اللباس وغيره والتشبع بمالم يعط، حديث: 2130. [2] [ضعيف] سنن أبي داود، الأدب، باب في العدة، حديث: 4996، اس کی سند عبدالکریم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [3] تفسير الطبري: 120/9.
[4] مریم 54:19.

(3) امام بخاری ؒ روایت کرتے ہیں کہ میں طلب حدیث کے لیے ایک شخص کے پاس گیا، دیکھا کہ اس کا گھوڑا بھاگ رہا تھا اور وہ شخص اپنے دامن میں ''جو'' کا اشارہ دے کر اسے پکڑنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا: تیرے دامن میں ''جو'' ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، میں صرف گھوڑے کو پکڑنے کے لیے ایسا کر رہا ہوں۔ امام بخاری ؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: جو شخص جانوروں کے ساتھ جھوٹ بول رہا ہے، میں اس سے حدیث حاصل نہیں کروں گا۔ صدق کے میدان میں جناب امام بخاری ؒ کا یہ طرز عمل کتنا بلند ہے۔ [1]

باب: 10

جود و کرم

''سخاوت'' مسلمان کی صفت اور ''کرم'' اس کی علامت ہے۔ مومن کنجوس اور بخیل نہیں ہوتا، اس لیے کہ کنجوسی اور بخل دو مذموم صفتیں ہیں۔ جو خباثت نفس اور دل کی تاریکی کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہیں اور مومن کا نفس و دل ایمان اور عمل کی وجہ سے پاک اور روشن ہوتا ہے، بنا بریں طہارت نفس اور دل کی روشنی، کنجوسی اور بخل کی ضد ہیں، لہٰذا مسلمان کنجوس اور بخیل نہیں ہوتا۔

کنجوسی دل کی ایک عام بیماری ہے، جس سے شاید ہی کوئی انسان بچ سکا ہو۔ ہاں، مومن کو اللہ تعالیٰ ایمان اور نماز وزکاۃ جیسے اعمال کی وجہ سے اس گندی بیماری کے شر سے بچا لیتا ہے تاکہ اسے فلاح اور اخروی کامیابی کے لیے تیار کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝

''بے شک انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے، جب اسے شر پہنچے تو جزع وفزع کرتا ہے اور خیر پہنچے تو نہ دینے والا ہوتا ہے مگر نماز گزار جو ہمیشہ نماز کا التزام رکھتے ہیں اور وہ لوگ کہ ان کے مالوں میں سوالی اور محروم لوگوں کا حق معلوم ومقرر ہے۔'' [2] اور ارشاد فرمایا: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا

''ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لو کہ اس کے ساتھ انھیں پاک اور ان کا تزکیہ کرتے رہو۔'' [3]

نیز فرمان الٰہی ہے: وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

''اور جو اپنے نفسوں کی کنجوسی سے بچا لیے گئے، یقیناً یہی لوگ کامیاب ہیں۔'' [4]

1 اس واقعہ کی کوئی اصل مجھے معلوم نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ 2 المعارج 70:19-25۔ 3 التوبۃ 9:103۔ 4 الحشر 59:9۔

فضیلت و عظمت کی حامل عادات چونکہ ریاضت و تربیت کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہیں، اس لیے مسلمان کی بھی کوشش یہی رہتی ہے کہ وہ ایسی ہی عادات اپنائے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے حاصل کرنے کی ترغیبات اور ان کی ضد کی ترہیبات پر نظر رکھتا ہے، چنانچہ سخاوت کے لیے وہ اپنے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرامین مقدسہ کے تدبر و تامل میں لگاتا ہے۔ فرمان ربانی ہے:

﴿ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾

''اور ہم نے جو روزی تمھیں دی ہے، اس میں سے خرچ کرلو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی ایک کو موت آئے اور وہ کہنے لگے کہ اے رب! مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کرلوں اور نیک لوگوں میں سے بن جاؤں۔''[1] نیز ارشاد ہے:

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۭ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۭ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ﴾

''تو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور نیک بات کو سچ جانا، اسے ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا، اسے ہم سختی میں پہنچائیں گے اور جب وہ دوزخ کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔''[2]

اور فرمان حق تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾

''اور تمھیں کیا ہوا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے؟ حالانکہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے۔''[3] نیز ارشاد ہے: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾

''اور جو مال تم خرچ کرو گے، تمھیں پورا پورا (اجر) دیا جائے گا، اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''[4]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ جَوَّادٌ يُحِبُّ الْجُودَ وَيُحِبُّ مَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ، وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا»

''بے شک اللہ سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے اور اچھے اخلاق کو پسند اور گھٹیا عادات کو ناپسند کرتا ہے۔''[5]

ایک جگہ فرمایا: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ

(1) المنافقون 10:63. 2 الیل 92:5-11. 3 الحدید 10:57. 4 البقرۃ 272:2. 5 [حسن] شعب الإیمان للبیهقي: 426/7، حدیث: 10840 وقال: «في هٰذا الإسناد إنقطاع بین سلیمان بن سحیم و طلحة» گو اس کی سند انقطاع اور ارسال وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن امام خرائطی نے مکارم الاخلاق، حدیث: 3، میں قوی سند کے ساتھ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا» لہٰذا اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔ واللہ اعلم۔

آتاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا»

’’صرف دو آدمیوں کے ساتھ رشک کرنا چاہیے، ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا اور وہ اسے صحیح جگہوں پر خرچ کرتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ نے علم وحکمت سے نوازا ہے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا اور تعلیم دیتا ہے۔‘‘ [1]

نیز فرمایا: «أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟ قَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ، قَالَ: فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ»

’’تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پسند ہو؟‘‘ لوگوں نے کہا: ’’اے اللہ کے رسول ﷺ! ہر کسی کو اپنا ہی مال پسند ہے‘‘۔ تو آپ نے فرمایا: ’’اس کا اپنا مال تو وہ ہے جو اس نے آگے کے لیے بھیج دیا ہے اور جو پیچھے چھوڑے جا رہا ہے وہ اس کے وارث کا مال ہے۔‘‘ [2] نیز فرمان نبوی ہے:

«اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ» ’’آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی خیرات کر کے۔‘‘ [3] مزید فرمایا:

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»

’’ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں، ایک کہتا ہے: ’’اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا عوض دے‘‘ اور دوسرا کہتا ہے: ’’اے اللہ! بخل وکنجوسی کرنے والے کو بربادی دے۔‘‘ [4]

نیز ارشاد عالی ہے: «اِتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلٰى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَ هُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ»

’’بخل وکنجوسی سے بچو کیونکہ اس نے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ اس کی وجہ سے انھوں نے اپنے آدمیوں کے خون بہائے اور محارم کو حلال جانا۔‘‘ [5]

ایک دن آپ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جو بکری ذبح کی تھی، اس کا کچھ حصہ باقی ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: «مَا بَقِيَ مِنْهَا إِلَّا كَتِفُهَا» ’’سب ختم ہو گیا ہے، صرف کندھے کا گوشت باقی ہے۔‘‘ اس پر آپ نے فرمایا: (آپ یہ الفاظ نہ کہو) بلکہ یہ کہو: «بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا» ’’کندھے کے سوا سب باقی ہے۔‘‘ [6]

1 صحيح البخاري، العلم، باب الاغتباط في العلم والحكمة، حديث: 73. 2 صحيح البخاري، الرقاق، باب ما قدم من ماله فهو له، حديث: 6442. 3 صحيح البخاري، الزكاة، باب: اتقوا النار ولو بشق تمرة والقليل من الصدقة، حديث: 1417. 4 صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله تعالى: ﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ ...... ﴾، حديث: 1442. 5 صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: 2578. 6 [صحيح] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب قوله في الشاة، حديث: 2470، امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے واضح رہے کہ اس کے ایک راوی ابواسحاق کے سماع کی تصریح امام بخاری کی کتاب التاريخ الكبير: 230/4، میں ہے علاوہ ازیں مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں اس حدیث کے شواہد بھی ہیں۔

یعنی جو صدقہ ہو چکا ہے حقیقت میں تو وہی باقی ہے۔ (جس کا اجر قیامت کے دن ملے گا) ایک جگہ ارشاد فرمایا:

«مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ»

''جس نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر خیرات کی۔ اور اللہ حلال ہی قبول کرتا ہے۔ اسے اللہ اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے اور پھر خیرات کرنے والے کے لیے بڑھاتا رہتا ہے۔ جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے بچھیرے کو پالتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ (صدقہ یعنی اس کا اجر) پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔''[1]

سخاوت کے مظاہر

- سائل کو دینے والا احسان اور ایذا رسانی کے بغیر دیتا ہے۔
- دینے والا سائل کو دیکھ کر فرحت محسوس کرتا ہے اور عطیہ دے کر خوش ہوتا ہے۔
- فضول خرچی اور کنجوسی دونوں سے احتراز کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے۔
- جس کے پاس زیادہ ہے وہ زیادہ دیتا ہے اور جس کے پاس تھوڑا ہے وہ کم دیتا ہے مگر دل کی خوشی، انبساط اور اچھے انداز سے دیتا ہے۔

سخاوت کی چند مثالیں ① مروی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لاکھ (100,00,0) درہم بھیجے، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں خیرات کرنا شروع کر دیا اور شام کو اپنی نوکرانی سے فرمانے لگیں: میرے لیے افطاری لاؤ۔ وہ روٹی اور زیتون لائی اور کہنے لگی: اس مال میں سے جو آج آپ نے خرچ کیا ہے، ایک درہم کا گوشت ہی خرید لیتیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر آپ یاد دلاتیں تو خرید لیتے۔[2]

② مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے خالد بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ سے اس کا گھر، جو مکہ کے بازار میں تھا، ستر ہزار درہم میں خرید لیا، رات کے وقت عبداللہ نے خالد کے اہل کے رونے کی آواز سنی۔ سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ مکان کی فروخت پر افسوس ہو رہا ہے۔ تو اس پر عبداللہ بن عامر نے اپنے غلام کے ذریعے کہلا بھیجا: مکان بھی تم رکھو اور دیے گئے درہم بھی تمھارے ہو گئے۔[3]

③ بیان کیا جاتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے مرض الموت میں وصیت کی کہ مجھے فلاں شخص غسل دے۔ اسے غسل دینے کے لیے بلایا گیا تو اس نے کہا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی وہ کتاب دکھاؤ، جس پر وہ اپنی ضروری یادداشتیں لکھا کرتے تھے۔ وہ اسے دی گئی، دیکھا تو امام شافعی رحمہ اللہ کے قرضہ جات لکھے تھے، جو انھوں نے دینے تھے۔ اس آدمی نے وہ لکھ لیے اور

① صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب، حديث: 1410. ② حلية الأولياء: 58/2. ③ إحياء علوم الدين للغزالي: 298/3.

کہا کہ میں ادائیگی کر دوں گا اور یہی میرا انھیں غسل دینا ہے اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

(4) مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رومیوں کے ساتھ جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور مسلمانوں پر تنگی کا وقت تھا، اور اسی وجہ سے اس فوج کو ''جیش العسرہ'' (تنگی کا لشکر) بھی کہتے ہیں۔ اس فوج کے لیے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار، تین سو اونٹ پورے ساز و سامان سمیت اور پچاس گھوڑے دیے تھے۔ (بعد میں مزید صدقہ کیا تو کل مقدار نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی) اس طرح (تقریباً) آدھی فوج کے لیے تو یہی سامان ہو گیا تھا۔[1]

باب:11 تواضع و انکسار کی عظمت اور تکبر کی مذمت

ذلت و بے قدری سے اجتناب کرتے ہوئے مسلمان کا شیوہ ہے کہ وہ تواضع کا عادی ہوتا ہے اور یہ اس کی بلند پایہ صفات میں سے ایک ہے، اس میں بڑائی اور تکبر نہیں ہوتا، تواضع میں رفعت اور بلندی ہے اور تکبر میں گراوٹ، اس لیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تواضع کرنے والوں کو بلندی عطا کرتا ہے اور بڑائی کرنے والے لوگوں کو گرا دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے: «مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ»

''خیرات مال کو کم نہیں کرتی۔ معاف کرنے پر اللہ بندے کو اور عزت عطا کرتا ہے اور جو اللہ کے لیے تواضع کرے، اللہ اسے اونچا کرتا ہے۔''[2]

اور فرمایا: «حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَّا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِّنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ»

''یہ بات اللہ پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز بھی اونچی ہوتی ہے، وہ اسے گرا دیتا ہے۔''[3]

مزید ارشاد ہے: «يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِي صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُونَ إِلٰى سِجْنٍ فِي جَهَنَّمَ يُقَالُ لَهُ: بُولَسُ تَعْلُوهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ، يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِينَةِ الْخَبَالِ»

''قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی طرح اٹھائے جائیں گے جبکہ ان کی صورتیں انسانی ہوں گی۔ ہر جگہ ان

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب في عد عثمان تسميته شهيدا و تجهيزه جيش العسرة، حديث: 3699-3703، جامع ترمذی کی ان روایات میں ایک ہزار دینار اور تین سو اونٹوں کے وقف کرنے کا بیان ہے۔ واللہ اعلم۔ [2] صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حديث: 2588. [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب ناقة النبي ﷺ، حديث: 2872.

پر ذلت حاوی ہو گی، جہنم سے ''بولس'' نامی ایک قید خانے میں انھیں دھکیلا جائے گا، سب سے بڑی آگ ان پر غالب ہو گی اور انھیں جہنمیوں کی پیپ اور لہو پلایا جائے گا۔''[1]

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کلام مقدس اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین عالیہ میں جب ایک مسلمان، متواضع مسلمان کی تعریف اور متکبرین کی مذمت پر توجہ دیتا ہے اور غور کرتا ہے کہ اللہ نے تواضع کا حکم دیا ہے اور بڑائی سے منع کیا ہے تو وہ تواضع پسند کیوں نہ بنے گا اور تکبر و بڑائی سے اسے نفرت اور عداوت کیوں نہ ہو گی؟

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بھی تواضع کا حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''اور جو مومن آپ کے پیروکار ہو گئے ہیں، ان کے لیے اپنا بازو جھکا دیں۔''[2]

اور حکم ربانی ہے: ﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ﴾ ''اور زمین پر اکڑ کر نہ چل۔''[3]

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی صفت ''تواضع'' کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾

''وہ (اللہ) ان سے محبت کرتا ہے اور وہ (لوگ) اس (اللہ) سے محبت کرتے ہیں، مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہیں۔''[4] اور تواضع کرنے والوں کا صلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ﴾

''وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے بنایا ہے، جو زمین میں برتری اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے۔''[5]

تواضع کے حکم میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «إِنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ، وَلَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ»

''بے شک اللہ نے مجھے وحی کی ہے کہ تواضع اختیار کرو اور کوئی کسی پر فخر و بڑائی نہ کرے اور نہ کوئی دوسرے پر زیادتی کرے۔''[6]

تواضع کی ترغیب میں آپ ﷺ کا فرمان ہے: «مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ:

[1] الترغيب والترهيب: 388/4، وجامع الترمذي صفة القيامة، باب ماجاء في شدة الوعيد للمتكبرين، حديث: 2492، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [2] الشعراء 26:215. [3] لقمٰن 31:18. [4] المآئدة 5:54. [5] القصص 28:83. [6] صحیح مسلم، الجنة و نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة و أهل النار، حديث: 2865.

وَأَنْتَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ»

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو نبی بھی مبعوث کیا، اس نے بکریاں چرائی ہیں۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کیا آپ نے بھی؟ تو آپ نے فرمایا: ''ہاں، میں نے بھی چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔''[1]

نیز فرمایا: «لَوْ دُعِيتُ إِلٰى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ»

''اگر مجھے بکری کے بازو یا پائے کے لیے دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کرلوں گا اور اگر مجھے بکری کے بازو یا پائے کا تحفہ دیا جائے تو بھی قبول کرلوں گا۔''[2]

کبر وغرور سے نفرت دلاتے ہوئے فرمایا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ»

''کیا میں تمھیں جہنمیوں کا پتہ نہ دوں؟ ہر وہ شخص جو سخت طبیعت، اترانے والا اور اپنے آپ کو بڑا جاننے والا ہے۔''[3]

اور ارشاد ہے: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ (وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ) وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، شَيْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ»

''تین افراد کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ اور فقیر بڑائی کرنے والا۔''[4]

نیز فرمایا: «يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: اَلْعِزُّ إِزَارِي وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَاءِي، فَمَنْ نَازَعَنِي شَيْئًا مِنْهُمَا عَذَّبْتُهُ»

''اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ عزت میری تہبند اور بڑائی میری چادر ہے، سو جو کوئی ان میں سے کسی ایک کو بھی مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔''[5]

مزید فرمایا: «بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ، مُرَجِّلٌ جُمَّتَهُ إِذْ خَسَفَ اللّٰهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''ایک شخص ''حلہ'' (قیمتی جوڑے) میں ملبوس خود پسندی میں مبتلا ہوکر چل رہا تھا، اپنے سر کے بال سنوارے ہوئے، چلنے میں اتراتا تھا کہ اللہ عزوجل نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین

1. صحيح البخاري، الإجارة، باب رعي الغنم على قراريط، حديث:2262. 2. صحيح البخاري، الهبة و فضلها ......، باب القليل من الهبة، حديث: 2568. 3. صحيح البخاري، الأدب، باب الكبر، حديث:6071، وصحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب النار يدخلها الجبارون......، حديث:2853. 4. صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال لإزار......، حديث: 107. 5. صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الكبر، حديث:2620، وكتاب الأسماء والصفات للبيهقي، ص: 138، واللفظ له.

میں دھنستا رہے گا۔'' [1]

تواضع کے مظاہر ❖ جو انسان اپنے جیسوں سے آگے چلنے کی کوشش کرے، وہ متکبر ہے اور جو پیچھے رہے، وہ متواضع ہے۔

❖ صاحب علم وفضل کی ملاقات کے لیے اٹھے، اسے بٹھائے اور اس کے جوتے سیدھے کرے اور گھر کے دروازے تک اس کے ساتھ جا کر الوداع کرے، یہ شخص متواضع ہے۔

❖ زیادتی کرنے والے کے ساتھ خوشی وانبساط سے ملنا۔ سوال میں نرمی کا اظہار، اس کی دعوت قبول کرنا، اس کا کام کر دینا اور اپنے آپ کو اس سے بہتر نہ سمجھنا بھی تواضع ہے۔

❖ جو شخص اپنے سے علم وفضل میں کم تر یا برابر کی ملاقات کو جائے، اس کے ساتھ سامان اٹھائے یا اس کے کام کے لیے اس کے ساتھ جائے، وہ متواضع ہے۔

❖ فقراء، مساکین اور مصیبت زدہ لوگوں کے پاس بیٹھنے والا، ان کے ساتھ کھانا کھانے اور ان کے ساتھ راستہ میں چلنے والا بھی متواضع کہلائے گا۔

❖ کھانے پینے میں اسراف سے بچنے اور لباس میں تکبر وغرور سے احتراز کرنے والا بھی متواضع ہے۔

تواضع کی چند عظیم مثالیں (1) عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رات کو لکھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک مہمان آ گیا۔ چراغ بجھ رہا تھا، مہمان چراغ درست کرنے کے لیے جانے لگا تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا: مہمان سے خدمت لینا کرم وشرف کے خلاف ہے۔ مہمان نے کہا: میں نوکر کو اٹھا دیتا ہوں۔ عمر رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ ابھی ابھی سویا ہے، اسے اٹھانا مناسب نہیں ہے، چنانچہ خود اٹھے تیل کی بوتل سے چراغ بھر کر روشن کر دیا، جب مہمان نے کہا: آپ نے خود ہی یہ کام کر لیا ہے۔ تو فرمایا: میں پہلے بھی عمر تھا اور اب بھی وہی ہوں، میرے اندر کوئی بھی کمی نہیں ہوئی اور انسانوں میں اچھا وہ ہے جو اللہ کے ہاں متواضع ہے۔

(2) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے اور وہ ان دنوں مدینہ میں مروان کے قائم مقام تھے اور فرما رہے تھے کہ ''امیر (ابوہریرہ خود) آ رہا ہے، گزرنے کے لیے راستہ کھلا کر دو، اس لیے کہ وہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ہے۔'' [2]

(3) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دن بائیں ہاتھ میں گوشت اٹھائے ہوئے تھے اور دائیں میں درہ تھا اور یہ ان دنوں

---

(1) صحيح البخاري، اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، حديث: 5789، و صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم التبختر في المشي مع إعجابه بثيابه، حديث: 2088. 2 البداية والنهاية: 120/8.

خلیفہ اور امیر المؤمنین تھے۔

(4) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن کچھ کھجوریں خریدیں اور اپنی چادر میں باندھ لیں، ساتھیوں نے کہا: انھیں ہم اٹھا لیتے ہیں تو حضرت علی نے فرمایا: جن بچوں نے کھانی ہیں ان کا باپ اٹھائے یہ بہتر ہے۔[1]

(5) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی لونڈی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں چاہتی دوسرے لوگوں سے الگ (بات کرنے کے لیے) لے جاتی۔[2]

(6) ابوسلمہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا: لوگوں نے لباس، طعام، سواری اور پینے کی چیزوں میں کیا کیا ایجادات کر لی ہیں۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بھتیجے! آپ کا کھانا، پینا اور پہننا سب اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ اس میں اگر خود پسندی، فخر، ریا اور نمائش پیدا ہو جائے تو یہ گناہ اور اسراف ہے۔ تو گھر کے کاموں میں وہ سب کام کر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ آپ اونٹ کو چارہ ڈالتے اور اسے باندھتے، گھر میں جھاڑو دیتے، بکری دوھتے، جوتے گانٹھتے، کپڑا پیوند کر لیتے، نوکر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے، وہ تھک جاتا تو آٹا پیس دیتے، بازار سے چیزیں خرید لاتے اور اس میں کبھی کوئی عار محسوس نہ کرتے اور خریدی ہوئی چیز اپنے ہاتھ میں پکڑ کر لے آتے یا کپڑے میں باندھ کر گھر لے آتے۔ غنی، فقیر، بڑے اور چھوٹے سب سے مصافحہ کرتے اور نمازیوں میں سے جو سامنے آ جاتا چھوٹا یا بڑا، کالا یا گورا، آزاد یا غلام، ہر ایک کو سلام کہنے میں پہل کرتے۔[3]

باب: 12

اخلاقِ سیئہ

(ظلم، حسد، دھوکا، ریا، خود پسندی، عاجزی اور سستی و کاہلی)

ظلم مسلمان کسی پر ظلم نہیں کرتا، نہ اپنے آپ پر ظلم قبول کرتا ہے، یعنی نہ ہی اس سے کسی پر ظلم ہوتا ہے اور اگر اس پر کوئی ظلم وستم کرتا ہے تو وہ اسے بھی برداشت نہیں کرتا۔ ظلم کی تین بنیادی اقسام ہیں اور تینوں کتاب وسنت کی رو سے حرام ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ''نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''[4]

نیز ارشاد عالی ہے: وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝

''اور تم میں سے جو بھی ظلم کرے گا ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔''[5]

1 البداية والنهاية: 5/8. 2 سنن ابن ماجه، الزهد، باب البراءة من الكبر والتواضع، حديث: 4177، وصحيح البخاري، الأدب، باب الكبر، حديث: 6072. 3 إحياء علوم الدين للغزالي: 421/3. 4 البقرة 2:279. 5 الفرقان 25:19.

نبی کریم ﷺ نے ربّ کائنات کا یہ ارشاد نقل فرمایا:

«يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا»

''اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام کیا ہے اور تمھارے مابین بھی اسے حرام قرار دیا ہے، لہٰذا تم آپس میں ظلم نہ کرو۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اِتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے دن ظلم تاریکیوں کا باعث ہوگا۔''[2]

نیز فرمایا: «مَنْ ظَلَمَ قِيدَ شِبْرٍ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ»

''جو ایک بالشت کے قدر ظلم کرے گا، اس پر سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔''[3]

ایک جگہ فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ، فَإِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ، ثُمَّ قَرَأَ:»

''اللہ تعالیٰ (پہلے تو) ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے، پھر جب اسے پکڑتا ہے تو پھر اسے چھوڑتا نہیں۔'' پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾

''اور ایسے ہی تیرے رب کی پکڑ ہے کہ جب وہ بستی کے ظالم باشندگان کو پکڑتا ہے تو اس کی گرفت سخت اور دردناک ہوتی ہے۔''[4]

نبی رحمت ﷺ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا: «وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ»

''اور مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اس کے اور اللہ کے مابین کوئی حجاب نہیں ہے۔''[5]

ظلم کی تین اقسام ہیں (1) بندے کا رب کے بارے میں ظلم۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنے مالک اور مربی کا انکار کر دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔''[6]

1 صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: 2577. 2 صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: 2578. 3 صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين، حديث: 3195، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم الظلم و غصب الأرض ......، حديث: 1612. 4 صحيح البخاري، التفسير، سورة هود، باب قوله تعالىٰ: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾، حديث: 4686، و صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: 2583. 5 صحيح البخاري، الزكاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء......، حديث: 1496، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين......، حديث: 19. 6 البقرة 2:254.

اسی طرح انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کر کے یا اس کی عبادت کے ساتھ ساتھ غیر کی عبادت بھی کرنے لگ جائے تو یہ شرک اور بہت بڑا ظلم ہے۔ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ○ ''یقیناً شرک بڑا ظلم ہے۔''[1]

(2) انسان، اللہ کی مخلوق اور انسانوں پر ظلم کرے۔ان کی عزت، جان او مال کو ناحق پامال کرے تو یہ ظلم کی دوسری قسم ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِّأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْشَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَّا يَكُونَ دِينَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ»

''جس نے اپنے کسی بھائی کی عزت کا یا کوئی اور حق دینا ہے تو وہ آج ہی اسے معاف کرالے،اس سے پہلے کہ جب درہم و دینار نہیں ہوں گے اور اگر اس کے پاس نیک عمل ہوں گے تو وہی بدلہ میں لیے جائیں گے اور اگر نیکیاں نہیں ہونگی تو حق دار کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے۔''[2] مزید فرمایا:

«مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِىءٍ مُّسْلِمٍ بِيَمِينِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَّسِيرًا يَّارَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: وَإِنْ كَانَ قَضِيبًا مِّنْ أَرَاكٍ»

''جس نے اپنی قسم کے ذریعے سے کسی مسلمان کا حق مارلیا، اللہ نے اس کے لیے جہنم واجب اور بہشت حرام کر دی ہے۔''ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) چاہے وہ معمولی حق ہو۔فرمایا:''چاہے پیلو کے درخت کی ایک ٹہنی ہی ہو۔''[3]

نیز فرمایا:«لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِّنْ دِينِهِ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا»

''مومن اپنے دین میں ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے، جب تک کہ وہ کسی کو ناجائز قتل نہ کردے۔''[4]

یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مخالف نہیں کہ

وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○

''انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے تھے۔''[5]

1 لقمٰن 13:31. 2 صحیح البخاري، المظالم، باب من كانت له مظلمة......، حديث:2449. 3 صحيح مسلم، الإيمان، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار، حديث:137، وسنن النسائي، آداب القضاة، باب القضاء في قليل المال وكثيره، حديث:5421. 4 صحيح البخاري، الديات، باب [illegible]، حديث: 6862. 5 البقرة 57:2.

کیونکہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے اس ظلم سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ ان کے ظلم کا نقصان ان کی اپنی جانوں پر ہی ہوتا ہے۔ اور فرمایا: «كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»

''مسلمانوں پر ایک دوسرے کا خون، مال اور عزت حرام ہیں۔''[1]

(3) انسان کا اپنے آپ پر ظلم۔ اور وہ یہ کہ وہ مختلف انداز کے جرائم اور برائیوں سے آلودہ ہوجائے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے۔ ارشاد حق تعالیٰ ہے:

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

''اور انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے تھے۔''[2]

یعنی گناہ اور فحش کاری میں مبتلا انسان نے خباثت و تاریکی کو اپنے نفس میں جگہ دی ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ کی لعنت اور دوری کا مستحق بن گیا ہے اور یہی اپنے اوپر ظلم ہے۔

حسد مسلمان سب انسانوں کے لیے اچھائی چاہتا ہے اور اپنے پر دوسروں کو فوقیت دیتا ہے۔ بنا بریں وہ حاسد نہیں ہوتا اور نہ ''حسد'' اس کی صفت ہوتی ہے، اس لیے کہ نیکی سے محبت اور ایثار، یہ دونوں صفتیں حسد کے منافی ہیں۔ بلکہ مسلمان اور مومن حسد کو برا سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کی تقسیم پر اعتراض ہے جو مخلوق میں اس نے کر دی ہے، ارشاد ربانی ہے:

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

''کیا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں۔ اس فضل پر جو اللہ نے انھیں عطا کیا ہے؟''[3] نیز ارشاد عالی ہے:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا

''کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں۔ ہم ہی نے دنیا کی زندگی کی گزران ان میں تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے پر ان کے درجات بلند کیے ہیں تاکہ ان کا ایک، دوسرے کو محکوم بنا کر کام لے۔''[4]

''حسد'' دو طرح کا ہوتا ہے:

(1) حاسد دوسرے کی نعمت مال، علم، مرتبہ اور سلطنت کے زوال کی تمنا کرے اور یہ کہ وہ اسے حاصل ہوجائے۔

(2) دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا کرے۔ چاہے اسے ملے یا نہ ملے اور یہ بدترین حسد ہے۔

البتہ رشک حسد نہیں ہے، اس میں انسان یہ تمنا کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے بھی یہ نعمت عطا کرے، اس میں دوسروں کی نعمتوں کے زوال کی تمنا نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

(1) صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم...، حدیث: 2564. (2) البقرة 2:57. (3) النسآء 4:54. (4) الزخرف 43:32.

«لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ»

''دو آدمیوں ہی پر رشک کیا جاسکتا ہے: ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ قرآن عطا کرتا ہے اور وہ اسے دن رات تلاوت کرتا ہے اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ مال عطا کرتا ہے اور وہ دن رات اسے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتا ہے۔''[1]

لیکن ''حسد'' دونوں انداز میں قطعی طور پر حرام ہے۔ کسی بھی چیز کے لیے کسی پر حسد روا رکھنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ

''کیا یہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے فضل پر حسد کرتے ہیں۔''[2]

حاسدین کی مذمت کرتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا: حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم ''خود حسد کرتے ہوئے۔''[3]

دوسری جگہ حسد سے بچنے کی دعا سکھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ○

''(اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں) حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔''[4]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ»

''ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، اعراض نہ کرو اور قطع تعلقی نہ کرو۔ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ گفتگو ترک کرے۔''[5]

اور فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ، كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ»

''حسد سے بچو! یہ نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔''[6]

اگر بشر اور غیر معصوم ہونے کے ناطے مسلمان کے دل میں حسد آ بھی جائے تو وہ فوراً اسے رفع کرتا ہے اور اسے ناپسند کرتا ہے، اس لیے کہ ایک خیال بار بار دل میں آنے کی صورت میں عزم بن جاتا ہے اور اس پر عمل ہلاکت و بربادی ہے۔ اگر اسے کوئی چیز پسند آتی ہے تو کہتا ہے:

«مَاشَاءَ اللّٰهُ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» ''جو اللہ چاہے، ہر کام کی طاقت وقوت اللہ کے پاس ہے۔''[7]

1 صحيح البخاري، التوحيد، باب قول النبي ﷺ: «رجل آتاه الله القرآن......» حديث: 7529. 2 النسآء 4:54. 3 البقرة 2:109.
4 الفلق 113:5. 5 صحيح البخاري، الأدب، باب الهجرة، حديث: 6076، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم التحاسد......، حديث: 2559 واللفظ له. 6 [ضعيف] سنن أبي داود، الأدب، باب في الحسد، حديث: 4903، اس کی سند ابراہیم بن ابی اسید کے غیر معروف دادا کی وجہ سے ضعیف ہے امام بخاری نے کہا: ''لا يصح.'' 7 شعب الإيمان للبيهقي: 4/90، حديث: 4370.

اور اس طرح وہ خیال کی تباہ کاری سے محفوظ رہتا ہے۔

دھوکا بازی مسلمان ہر ایک کے لیے خیر خواہی چاہتا ہے اور اسی پر اس کی زندگی کے لمحات گزرتے ہیں، وہ کسی سے خیانت اور دھوکا نہیں کرتا، اس لیے کہ کینہ پروری، خیانت اور دھوکا دہی انسان کی مذموم اور گندی صفات ہیں۔ ایمان و عمل سے حاصل کردہ نفس کی پاکیزگی ایسی صفات قبول کرنے سے یکسر انکار کرتی ہے اور یہ مذموم صفات محض ''شر'' ہیں، جن میں ''خیر'' کا کوئی بھی پہلو نہیں ہے، جبکہ مسلمان خیر کے قریب اور شر سے کوسوں دور ہوتا ہے۔

دھوکے کے برے نتائج ✤ دھوکے باز انسان اپنے دوسرے بھائی کے لیے قبیح کام اور شر و فساد کو مزین کر کے پیش کرتا ہے تاکہ وہ اس میں گر پڑے۔

✤ ایک چیز کے ظاہر کو اچھا اور درست انداز میں دکھلاتا ہے اور اس کا باطن جو کہ برا اور خراب ہوتا ہے، دوسرے کی نظروں سے اوجھل رکھتا ہے۔

✤ دھوکا دہی کے لیے دل میں بات چھپاتا ہے اور اس کے خلاف ظاہر کرتا ہے۔

✤ مخالف کے مال، بیوی، اولاد، خادم اور دوستوں کو چغل خوری اور عیب جوئی کے ذریعے سے خراب کرتا ہے۔

✤ جان و مال کی حفاظت اور راز چھپانے کا وعدہ کرتا ہے مگر بعد ازاں خیانت کرتا ہے اور دھوکا دیتا ہے۔ دشمنی، دھوکا اور خیانت سے اجتناب میں ایک مسلمان کا جذبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ چیزیں کتاب وسنت کی رو سے حرام ہیں۔ ارشاد حق تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ○

''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام (کی تہمت) سے جو انھوں نے نہ کیا ہو، ایذا دیتے ہیں، وہ بہت بڑا بہتان اور صریح گناہ اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں۔''[1] اور فرمان الٰہی ہے:

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ''پس جو عہد توڑ دے گا تو عہد توڑنے کا وبال اسی پر ہوگا۔''[2]

اور ارشاد تعالیٰ ہے: وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ''اور بری تدبیر اس کے کرنے والے ہی پر پڑتی ہے۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ خَبَّبَ زَوْجَةَ امْرِئٍ أَوْ مَمْلُوكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا»

''جو کسی کی بیوی یا غلام کو (خاوند یا سردار کے خلاف) ورغلائے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''[4] نیز آپ کا ارشاد ہے:

«أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ

1 الأحزاب 58:33. 2 الفتح 10:48. 3 فاطر 43:35. 4 [صحيح] سنن أبي داود، الأدب، باب فيمن خبب مملوكا على مولاه، حديث: 5170، اسے امام ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ»

''جس میں چار صفات ہوں، وہ خالص منافق ہے اور جس میں ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک صفت ہے، اِلّا یہ کہ وہ اسے ترک کر دے (وہ یہ ہیں) جب امین سمجھا جائے تو خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹ بولے، معاہدہ کرے تو دھوکا دے اور لڑے تو گالی دے۔''[1]

ایک دن رسول اللہ ﷺ غلے کے ڈھیر کے پاس سے گزرے اور اس میں ہاتھ داخل کیا تو آپ کی انگلیاں تر ہوگئیں پوچھا: ''اے غلے والے! یہ کیا ہے؟'' صاحب طعام نے کہا: ''رات بارش ہوگئی تھی۔ (اس لیے تری موجود ہے)

آپ نے فرمایا: «أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي»

''گیلی جنس کو اوپر کیوں نہ کر دیا تاکہ لوگ اسے دیکھ سکیں؟ جس نے دھوکا دیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔''[2]

ریا کاری ریا کاری، یعنی دکھاوا، نفاق اور شرک ہے اور مسلمان موحد ومومن ہونے کی وجہ سے کوئی کام دکھاوے کے طور پر نہیں کرتا، اس لیے کہ ایمان وتوحید، ریا اور نفاق کے منافی ہیں۔ اس مذموم صفت کی برائی اور نفرت کی وجہ اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ اس صفت کو ناپسند کرتے ہیں اور اس پر ناراض ہوتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ریا کرنے والوں کو عذاب وسزا کی وعید سنائی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝﴾

''ایسے نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں، جو ریا کرتے ہیں اور برتنے کی عام چیز کا (عاریتاً دینے سے) انکار کر دیتے ہیں۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے اللہ جل شانہ کا یہ فرمان عالی شان بیان کیا ہے:

«أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ»

''میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں جس نے ایسا عمل کیا کہ اس میں میرے ساتھ کسی غیر کو شریک کیا تو میں ایسے شخص کو اور اس کے شرک کو چھوڑ تا ہوں۔''[4]

اور فرمایا: «مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ، وَمَنْ رَاءٰى رَاءَى اللّٰهُ بِهِ»

''جو لوگوں کو دکھلاوے کے لیے عمل کرے، اللہ تعالیٰ اسے دکھلا دے گا اور جو شہرت کے لیے کام کرے اللہ تعالیٰ

1 صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 34، وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: 58. 2 صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: «من غشنا فليس منا» حديث: 102. 3 الماعون 107:4-7. 4 صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب تحريم الرياء، حديث: 2985.

اسے مشہور کر دے گا۔''[1]

نیز فرمان نبوی ہے: «إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ، قَالُوا: وَمَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلرِّيَاءُ، يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا جُزِيَ النَّاسُ بِأَعْمَالِهِمْ: اِذْهَبُوا إِلَى الَّذِينَ كُنْتُمْ تُرَاءُونَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً؟»

''سب سے زیادہ خطرناک چیز جس کا میں تم پر خطرہ محسوس کرتا ہوں، چھوٹا شرک ہے۔''لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:''وہ دکھاوا ہے۔ اللہ عزوجل قیامت کے دن جب بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو فرمائیں گے: جن کو دکھلانے کے لیے تم نے عمل کیے تھے، ان کے پاس جاؤ، پھر دیکھو کیا وہاں تمھیں کوئی صلہ ملتا ہے۔''[2]

اور اصل میں ریا یہ ہے کہ بندہ اللہ عزوجل کی اطاعت اس غرض سے کرے کہ وہ لوگوں کے ہاں سرخرو ہو اور ان کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت ہو۔

ریا کے مظاہر ✽ عمل کرنے والے کی تعریف ہو جائے تو وہ فرماں برداری کا عمل بڑھاتا چلا جائے اور اگر تعریف نہیں ہوئی یا تنقیص ہو گئی یا کسی نے اس عمل کی مذمت کر دی تو اسے چھوڑ دے یا کم کر دے۔

✽ لوگوں کی معیت میں عمل کرے تو خوش وخرم اور اگر اکیلا ہو تو کاہل و سست ہو جائے۔

✽ لوگوں کو دیکھا کر خیرات کرے اگر لوگ دیکھنے والے نہ ہوں تو وہ خیرات نہ کرے۔

✽ حق اور نیکی کی جو بات بھی کہتا ہے یا اطاعت وفرماں برداری کا کوئی کام کرتا ہے تو اس میں اسے محض اللہ کی رضا مطلوب ومقصود نہیں ہے بلکہ اس میں انسانوں کی رضا اور خوشی کو شامل رکھتا ہے یا فقط انسانوں کی رضا کے لیے کام کرتا ہے۔ اللہ کی رضا سرے سے اس کے ذہن میں آتی ہی نہیں۔

خود پسندی اور غرور مومن خود پسندی اور غرور سے اجتناب کرتا ہے اور کبھی بھی ایسی صفات سے متصف نہیں ہوتا کیونکہ یہ صفتیں اس کے کمال حاصل کرنے میں رکاوٹ ہوں گی اور نتیجتاً ہلاکت اور بربادی کے سوا اسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کتنی ہی نعمتیں خود پسندی اور غرور کے نتیجے میں عذاب بن جاتی ہیں اور کتنی عزتیں ذلت میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور طاقت کمزوری کا روپ دھار لیتی ہے، لہٰذا یہ خوفناک بیماری ہے اور انسان کے لیے وبال جان۔ اسی لیے مسلمان ان دونوں صفات سے خود بھی بچتا ہے اور دوسروں کو بھی ان سے ڈراتا رہتا ہے۔ بنابریں کتاب وسنت میں ان کی حرمت،

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب الرياء والسمعة، حديث:6499، وصحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب تحريم الرياء، حديث:2986 واللفظ له. [2] [حسن] مسند احمد:428/5.

ان سے نفرت اور ان سے واضح طور پر ڈرایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

''اور آرزوؤں نے تمھیں دھوکا دیا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ گیا اور بڑا فریبی (شیطان) اللہ کے بارے میں تمھیں فریب دیتا رہا۔''[1] اور ارشاد عالی ہے: يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝

''اے انسان! تجھے تیرے رب کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔''[2]

اور فرمان الٰہی ہے: وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا

''اور جنگ حنین کا دن یاد کرو جب تمھیں تمھاری کثرت پر ناز تھا، سو اس نے تمھیں کوئی فائدہ نہ دیا۔''[3]

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثٌ مُّهْلِكَاتٌ: شُحٌّ مُّطَاعٌ، وَهَوًى مُّتَّبَعٌ، وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ مِنَ الْخُيَلَاءِ»

''تین چیزیں تباہ کن ہیں، کنجوسی کی اطاعت، خواہش کی پیروی اور انسان کا اپنے آپ کو تکبر کی وجہ سے بہت کچھ سمجھنا۔''[4]

نیز فرمایا: «حَتّٰى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُّطَاعًا وَّهَوًى مُّتَّبَعًا وَّدُنْيَا مُّؤْثَرَةً وَّإِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ فَعَلَيْكَ، يَعْنِي بِنَفْسِكَ»

''جب تو دیکھے کہ کنجوسی کی اطاعت کی جا رہی ہے، خواہش کی پیروی ہو رہی ہے، دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور صاحب رائے اپنی رائے کو ہی پسندیدہ قرار دے رہا ہے تو اپنے نفس کو بچانے کی کوشش کرنا۔''[5]

یہ بھی فرمایا: «اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا، وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْأَمَانِيَّ»

''سمجھدار وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو پاتا اور آخرت کے لیے کام کرتا ہے اور احمق وہ ہے جو اپنی خواہش پر چلتا ہے اور اللہ سے (غلط) تمنائیں قائم رکھتا ہے۔''[6]

خود پسندی کی چند مثالیں ابلیس لعین کو اپنا حال پسند آیا، اس نے اپنے نفس اور اپنی اصل پر غرور کیا اور کہا:

1 الحديد 14:57. 2 الانفطار 6:82. 3 التوبة 25:9. 4 [ضعيف] المعجم الأوسط للطبراني: 214/6، حديث: 5448، اس کی سند حمید بن الحکم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 5 [صحيح] سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث: 4341، اسے امام ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 6 [ضعيف] مسند أحمد: 124/4، وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت، حديث: 2459، وحسنه هو والبغوي في الفردوس بمأثور الخطاب: 310/3، حديث: 4930 وضعيف الجامع الصغير، حديث: 4305، اس کی سند ابوبکر بن ابی مریم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ ''تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس (آدم) کو مٹی سے۔''[1]
اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور قدسیوں کے پڑوس سے بھگا دیا۔

❁ قوم عاد اپنی قوت وسلطنت پر مغرور ہو کر کہنے لگی: ہم سے زیادہ طاقت والا کون ہے؟ تو اللہ نے انھیں دنیا وآخرت میں رسوا کن عذاب میں مبتلا کر دیا۔[2] حضرت سلیمان علیہ السلام عدم توجہ کی بنا پر کہہ بیٹھے:

«لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ بِمِائَةِ امْرَأَةٍ تَلِدُ كُلُّ امْرَأَةٍ غُلَامًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''میں آج رات ایک سو عورتوں (بیویوں) کے پاس جاؤں گا، ہر عورت بیٹا جنے گی، جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرے گا (اور ''ان شاء اللہ'' نہ کہا)۔''[3] چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں (اس متوقع) اولاد سے محروم کر دیا۔

❁ جنگ حنین میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنی افرادی کثرت پر مغرور ہوئے اور کہنے لگے: ہم آج قلت کی بنیاد پر مغلوب نہ ہوں گے۔ اس کے نتیجہ میں دوران جنگ بدترین شکست سے دوچار ہوئے اور وسعت کے باوجود ان پر زمین تنگ ہوگئی اور میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ (پھر جب اللہ نے چاہا تو پانسہ پلٹ گیا اور انھیں شاندار فتح نصیب ہوئی۔)

غرور کے مظاہر ❁ علم میں۔ انسان کثرت علم پر مغرور ہو جائے تو مزید علم حاصل کرنے سے پہلوتہی کرنے لگ جاتا ہے اور اساتذہ سے استفادہ نہیں کرتا بلکہ علم والوں کو حقارت سے دیکھتا ہے اور انھیں اپنے سے کم تر گردانتا ہے اور یہی بات اس کی تباہی کے لیے کافی ہے۔

❁ مال میں۔ کثرت اموال کی وجہ سے انسان خود پسندی کا شکار ہو جائے تو فضول خرچی اور اسراف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور مخلوق پر اپنی برتری کا اظہار کرتا ہے اور حق کو حقیر جانتا ہے جو کہ اس کے لیے تباہ کن ہے۔

❁ قوت میں۔ اپنی طاقت اور حکمرانی کا نشہ ہو جائے تو ظلم وستم کرتا ہے، جوا کھیلتا ہے اور دھوکا دیتا ہے اور اسی میں اس کی ہلاکت وبربادی ہے۔

❁ شرف وعزت میں۔ بعض انسان اپنی نسبی شرافت اور خاندانی وجاہت کے فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر کردار کی بلندی سے محروم ہو کر کمالات وسعادت حاصل نہیں کر پاتے، اس لیے کہ عمل میں سستی آ جائے تو نسب اسے درست نہیں کر سکتا۔ نتیجتاً حقارت، گھٹیا پن اور ذلت ورسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

❁ عبادت میں۔ اپنے عمل اور کثرت عبادات کی بابت خود پسندی میں مبتلا انسان ذہن میں رب تعالیٰ پر احسان جتلاتا ہے کہ وہ عامل ہے، اس طرح اس کے عمل ضائع قرار دیے جاتے ہیں۔ اس کی عملی خود پسندی، اس کے لیے بدبختی

[1] صٓ 38:76. [2] حٰمٓ السجدة 41:15. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب قول الرجل: لأطوفن الليلة على نسائي، حديث: 5242.

اور ہلاکت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

غرور کا علاج کثرت سے اللہ کا ذکر کرے۔ بایں صورت کہ انسان یقین کرے کہ یہ علم، مال، طاقت اور نسبی شرف صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا ہے، وہ اسے چھین بھی سکتا ہے اور بندہ اپنے مالک کی کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرلے، وہ اس کی بعض نعمتوں کا عوض بھی نہیں بن سکتی اور اللہ ہی بزرگی اور فضیلت کا اصل مصدر ومنبع ہے اور وہی ہر طرح کی اچھائی دینے والا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَنْ يُنَجِّيَ أَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهُ، قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ»

''تم میں سے کسی کو اس کے عمل ہرگز نجات نہیں دلا سکیں گے۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کو بھی نہیں۔ فرمایا: ''مجھے بھی نہیں، الا یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔''[1]

سستی و کاہلی عاجزی اور سستی قابل مذمت صفات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان سے درج ذیل الفاظ کے ساتھ تحفظ طلب فرماتے تھے: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ»

''اے اللہ! میں عاجزی و کاہلی، بزدلی، بڑھاپے اور کنجوسی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔''[2]

بنا بریں کوئی بھی مسلمان عاجزی اور سستی و کاہلی کا مظاہرہ نہیں کرے گا بلکہ دانائی اور نشاط سے کام لے گا۔ عمل اور محنت کو طرز زندگی بنائے گا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے کام کرنے اور محنت کرنے کی تلقین کی ہے، آپ نے فرمایا:

«اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلٰكِنْ قُلْ: قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ «لَوْ» تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ»

''مفید کاموں کی حرص کر اور اللہ سے مدد طلب کر اور عاجزی کا مظاہرہ نہ کر۔ اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہہ، اگر میں اس طرح کر لیتا تو یوں ہو جاتا، البتہ یہ کہہ کہ اللہ نے اسی طرح مقدر کیا تھا اور جو اس نے چاہا سو کیا۔ اس لیے کہ ''اگر'' کا لفظ شیطان کے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''[3]

یہ عاجزی، کاہلی، بزدلی اور کنجوسی کیوں؟ اور اس بنیاد پر ترک عمل اور مفید کاموں کا چھوڑنا کس لیے؟ مومن تو نظام اسباب کا قائل ہے اور کائنات میں اس کے قانون ''سنت'' کو تسلیم کرتا ہے اور رب کائنات نے

---

1. صحيح البخاري، الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، حديث:6463. 2. صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب ما يتعوذ من الجبن، حديث:2823، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب التعوذ من العجز والكسل وغيره، حديث: 2706. 3. صحيح مسلم، القدر، باب في الأمر بالقوة...... حديث:2664.

انسانوں کو مسابقت اور ایک دوسرے کو رغبت دلانے کی دعوت دی ہے، جس میں ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر اس مقصد کو پانے کی سعی کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ﴾

''اپنے رب کی بخشش کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھو اور اس جنت کی طرف بھی جس کی چوڑائی آسمان و زمین کی طرح ہے۔''[1]

نیز فرمایا: ﴿ وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ○ ﴾

''اور (نجات کے) شائقین اس میں رغبت کریں۔''[2]

مسلمان بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتا اور نہ عمل و محنت سے کنارہ کش ہوتا ہے۔ اسے تو قضائے الٰہی کا یقین ہے، وہ تقدیر کو مانتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ جو تکلیف اسے پہنچی، وہ ہٹ نہیں سکتی تھی اور جو ہٹ گئی ہے، وہ پہنچ نہیں سکتی تھی۔ اچھے عمل کو وہ کیوں ترک کرے۔ جبکہ وہ یہ قرآنی آواز سن رہا ہے:

﴿ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ﴾

''اور جو یہ اچھے کام کرتے ہیں، اس کی ہرگز ناقدری نہیں کی جائے گی۔''[3]

نیز ارشاد ہے: ﴿ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ﴾

''اور جو نیک عمل تم اپنے لیے آگے بھیج رہے ہو، اسے اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں بہت بڑا پاؤ گے۔''[4]

سستی و کاہلی کے مظاہر ❁ کاہل آدمی نماز کی اذان سن کر سو جاتا ہے یا باتوں میں لگا رہتا ہے یا کسی اور کام میں مشغول رہتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ نماز کا وقت ختم ہونے کو ہے تو اٹھ کر آخر میں نماز پڑھتا ہے۔

❁ ضروری کام ترک کر کے غیر ضروری تفریح میں مشغول رہے یا دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں لگا رہے یا بازاروں میں آوارہ گردی کرتا رہے، یہ بھی سستی اور کاہلی کی وجہ سے ہے۔

سستی و کاہلی کے نقصان ایسا انسان دنیا و آخرت کے مفید کام نہیں کرتا، مثلاً: علم حاصل کرنا، زمین کاشت کرنا، رہائشی مکانات وغیرہ کی تعمیر اور عذر یہ تراشتا ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے میں کام نہیں کر سکتا یا یہ کام کرنے کی میرے اندر استعداد نہیں ہے یا میرے پاس اس کام کے کرنے کا وقت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح وہ نیکی اور خیرات کے مواقع حاصل ہونے کے باوجود ان سے استفادہ نہیں کرتا۔ حج کرنے کی فرصت اور قدرت ہے مگر حج نہیں کرتا، سامنے بے نوا ضرورت مند موجود ہیں مگر ان کی حاجت برآری نہیں کرتا، رمضان المبارک کا مہینہ رحمت بن

[1] الحدید 21:57. [2] المطففین 26:83. [3] آل عمرٰن 115:3. [4] المزمل 20:73.

کر آ گیا مگر یہ راتوں کا قیام نہیں کرتا۔ ماں باپ دونوں یا ایک زندہ موجود ہیں اور ان کی خدمت کرنے کی استطاعت بھی ہے مگر عجز و کاہلی یا کنجوسی و بخل یا نافرمانی کی وجہ سے ان کی خدمت نہیں کرتا۔ اللہ ایسی صورت حال سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

ایک انسان ذلت وتوہین سے نکل کر عزت ووقار کی زندگی میں محض سستی کی وجہ سے داخل نہیں ہو رہا اور بے عزتی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَعُوذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَنَعُوذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ كُلِّ خُلُقٍ لَّا يُرْضِي وَعَمَلٍ لَّا يَنْفَعُ»

''اے اللہ! ہم عاجزی اور سستی سے تیری حفاظت چاہتے ہیں اور بزدلی اور کنجوسی سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں اور ہر ناپسند عادت اور غیر مفید عمل سے تیری حفاظت کی درخواست کرتے ہیں۔''

عبادات

باب:1

طہارت کا بیان

طہارت کا حکم اور اس کی اقسام (1) **طہارت کا حکم:** کتاب وسنت کی رو سے طہارت واجب وفرض ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ ''اور اگر تم جنبی ہو تو طہارت حاصل کرو۔''[1]

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ ''اور آپ اپنے کپڑے پاک رکھیں۔''[2]

نیز ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾

''بے شک اللہ بہت توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ» ''نماز کی چابی طہارت (وضو) ہے۔''[4]

نیز فرمایا: «لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ» ''وضو کے بغیر نماز قبول نہیں کی جاتی۔''[5]

مزید ارشاد ہے: «اَلطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ» ''طہارت و پاکیزگی نصف ایمان ہے۔''[6]

(2) **طہارت کی اقسام:** طہارت کی دو قسمیں ہیں: ظاہری اور باطنی

✽ **ظاہری طہارت:** اس کی دو قسمیں: ✽ پلیدی اور نجاست سے طہارت، ✽ طہارت حدث، یعنی حکمِ نجاست (جنابت، حیض ونفاس اور بے وضو ہونے سے پاک صاف ہو جانا)۔ نمازی پر لازم ہے کہ وہ لباس، بدن اور نماز کی جگہ کو پاک پانی کے ساتھ نجاست زائل کر کے پاک بنائے، حدث سے طہارت وضو، غسل اور تیمم سے حاصل ہوتی ہے۔

✽ **باطنی طہارت:** نفس کو گناہ اور نافرمانی کے اثرات سے پاک اور صاف رکھنا، اس کے لیے گناہوں اور نافرمانیوں سے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے اور دل کو شرک، شک، حسد، غصہ، کینہ، خیانت، بڑائی، خود پسندی، ریا اور نمود ونمائش کی آلودگیوں سے منزہ و پاک کرنا ہے۔ اس کے لیے اخلاص، یقین، نیکی کی محبت، حوصلہ، سچائی، تواضع اور تمام ارادوں اور

(1) المآئدة 6:5. (2) المدثر 4:74. (3) البقرة 222:2. (4) [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب فرض الوضوء، حديث:61، اسے امام بغوی اور نووی نے حسن کہا ہے۔ (5) صحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، حديث:224. (6) صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، حديث:223.

اعمال میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کا جذبہ ضروری ہے۔

کن چیزوں سے طہارت حاصل ہوتی ہے؟ طہارت درج ذیل دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے:

(1) **سادہ پانی سے:** جس میں پاک یا پلید چیزوں میں سے کوئی چیز نہ ملی ہو، جیسے بارش، کنویں، چشمے، وادی، ندی، نالوں دریاؤں کا پانی، پگھلنے والی برف اور سمندری پانی۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾ ''اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا ہے۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الْمَاءَ طَاهِرٌ إِلَّا أَنْ تَغَيَّرَ رِيحُهُ أَوْطَعْمُهُ أَوْ لَوْنُهُ بِنَجَاسَةٍ تَحْدُثُ فِيهَا»

''بے شک پانی پاک کرنے والا ہے، الا یہ کہ اس کی بو، ذائقہ اور رنگ پلید چیز اس میں گرنے سے بدل جائے۔''[2]

(2) **پاک زمین سے:** جس میں ریت، مٹی، پتھر اور شور سب ہی داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا»

''زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔''[3]

البتہ یہ اس وقت وضو کے قائم مقام ہوگی جب پانی میسر نہ ہو یا اس کے استعمال سے بیماری یا کوئی اور چیز مانع ہو۔ فرمان ربانی ہے: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ ''پانی نہ پاؤ تو پاک سطح زمین سے تیمم کرلو۔''[4]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ الصَّعِيدَ الطَّيِّبَ طَهُورُ الْمُسْلِمِ، وَإِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ، فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ فَإِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ»

''پاک سطح زمین مسلمان کے لیے وضو ہے، چاہے دس سال اسے پانی نہ ملے، جب پانی حاصل ہو جائے تو اپنے جسم کو اس سے صاف کرے کیونکہ یہ بہتر ہے۔''[5]

نیز عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سخت ٹھنڈی رات میں جنبی ہوگئے اور نہانے کی صورت میں انھیں جان جانے کا اندیشہ ہوا تو تیمم کرلیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے درست قرار دیا۔[6]

(1) الفرقان 48:25. (2) السنن الكبرٰى للبيهقي: 260/1، اس کی سند ضعیف ہے لیکن اس مفہوم کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔ (3) صحيح البخاري، التيمم، باب، حديث: 335، وصحيح مسلم، المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 523. (4) المآئدة 6:5. (5) [صحيح] جامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في التيمم للجنب إذا لم يجد الماء، حديث: 124، اسے امام ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی وغیرہ رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔ (6) صحيح البخاري، تعليقًا، التيمم، باب إذا خاف الجنب على نفسه المرض أو الموت... قبل حديث: 345، اسے امام ابوداود وغیرہ نے موصولاً بیان کیا ہے۔

نجاست اور اس کی اقسام انسان کے جسم (دو راستوں یعنی قُبل، دُبر) سے خارج ہونے والی غلاظت، پیشاب، مذی، ودی اور منی سب اشیاء پلید ہیں۔ اسی طرح حرام جانوروں کا پیشاب، گوبر اور لید بھی پلید ہے اور بہنے والا خون، پیپ اور بدبودار قے بھی پلید ہے اور جو جانور ذبح نہ ہو سکے اور مر جائے تو اس کے اجزاء بھی پلید ہیں۔ البتہ (حلال) مردہ جانور کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

«إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ» ''جب چمڑہ رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔''[1]

باب:2

قضائے حاجت کے آداب

قضائے حاجت سے پہلے کے آداب ① انسانی نظروں سے دور الگ جگہ تلاش کرے۔ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے نکلتے تو اتنا دور چلے جاتے کہ کوئی آپ کو نہ دیکھ سکتا۔[2]

② اس حالت میں کوئی ایسی چیز اپنے ساتھ نہ رکھے جس پر اللہ کا ذکر لکھا ہوا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس پر ''محمد رسول اللہ'' منقوش تھا، جب آپ قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اسے اتار دیتے تھے۔''[3]

③ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں آگے کر کے یہ کہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ»

''اللہ کے نام سے اے اللہ! میں نر اور مادہ جنوں سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔''[4]

④ زمین کے قریب ہونے سے پہلے کپڑا نہ اٹھائے، اس لیے کہ شرم گاہ کا ستر شریعت کی رو سے ضروری ہے۔

⑤ پاخانہ یا پیشاب کے لیے قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ پیٹھ۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

1 صحيح مسلم، الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، حديث: 366. خونِ حیض و نفاس کے سوا دیگر خون، پیپ اور قے کی نجاست کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ دم مسفوح (بہنے والا خون) حرام ہے لیکن حرمت سے نجاست لازم نہیں آتی۔ مردار کی ہڈیاں نجس نہیں ہیں۔ (ع۔و) 2 [ضعيف] سنن أبي داود، الطهارة، باب التخلي عند قضاء الحاجة، حديث: 2، اس کی سند اسماعیل بن عبدالملک وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جبکہ شیخ البانی نے شواہد کی بنا پر اسے صحیح کہا ہے۔ 3 جامع الترمذي، اللباس، باب ماجاء في نقش الخاتم، حديث: 1746، اس کی سند ابن جریج کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔
4 صحيح البخاري، الوضوء، باب ما يقول عند الخلاء، حديث: 142، والمصنف لابن أبي شيبة: 11/1، حديث: 5.

«فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا بِبَوْلٍ وَّلَا غَائِطٍ»

''پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ پیٹھ۔''[1]

(6) اس کام کے لیے لوگوں کے راستے، ان کی سایہ کی جگہوں میں، پانی کے گھاٹ اور پھل دار درختوں کے پاس نہ بیٹھے۔ فرمان نبوی ہے: «اِتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ: اَلْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَالظِّلِّ»

''تین لعنت کے کاموں سے بچو! گھاٹ کے قریب، درمیان راستہ اور سائے میں پاخانہ کرنے سے۔''[2]

اسی طرح ایک اور حدیث میں پھل دار درختوں کے نیچے قضائے حاجت کی ممانعت آئی ہے۔[3]

(7) قضائے حاجت کے وقت گفتگو نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا تَغَوَّطَ الرَّجُلَانِ فَلْيَتَوَارَا أَحَدُهُمَا عَنْ صَاحِبِهِ، وَلَا يَتَحَدَّثَانِ عَلٰى طَوْفِهِمَا فَإِنَّ اللّٰهَ يَمْقُتُ عَلَيْهِ»

''دو آدمی قضائے حاجت کے لیے جائیں تو ایک دوسرے سے چھپ کر بیٹھیں اور آپس میں باتیں نہ کریں۔ کیونکہ اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔''[4]

استنجا کرنے کے آداب (1) ہڈی یا لید سے صفائی نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا تَسْتَنْجُوا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ، فَإِنَّهُ زَادُ إِخْوَانِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ»

''لید اور ہڈی سے استنجا نہ کرو، کہ یہ تمھارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۔''[5]

اور ایسی چیز بھی استعمال نہ کرے جو اس مقصد کے لیے نہ ہو بلکہ اس میں کوئی اور فائدہ ہو، جیسے کپڑا یا لکھنے کے لیے کاغذ وغیرہ یا ایسی پاک چیز جسے گندگی کے ازالہ میں استعمال کرنا اس کے احترام کے خلاف ہے، جیسے کھانے کی اشیاء

1 صحيح البخاري، الصلاة، باب قبلة أهل المدينة......، حديث: 394، وصحيح مسلم، الطهارة، باب الاستطابة، حديث: 264 واللفظ له. 2 [ضعيف] المستدرك للحاكم: 167/1، وسنن أبي داود، الطهارة، باب المواضع التي نهي عن البول فيها، حديث: 26، اس کی سند ارسال کی وجہ سے ضعیف ہے دیکھیے سنن ابن ماجہ وغیرہ۔ البتہ سنن ابی داود میں دوسری صحیح حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «اِتَّقُوا اللَّاعِنَيْنِ قَالُوا: وَمَا اللَّاعِنَانِ يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: اَلَّذِي يَتَخَلّٰى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ ظِلِّهِمْ» ''دو لعنت کے سبب بننے والے کاموں سے بچو۔'' لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: جو لوگوں کے راستے اور ان کی سایہ کی جگہوں میں قضائے حاجت کرتا ہے۔'' سنن أبي داود، حديث: 25. اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ جگہ جس سے لوگوں کو کوئی واسطہ پڑتا ہو، خواہ وہ پانی کے گھاٹ ہوں یا کوئی اور جگہ وہاں قضائے حاجت سے پرہیز کرے۔ (ع۔و) 3 [إسناده ضعيف] المعجم الأوسط للطبراني: 30/2، حديث: 2392. 4 [حسن] تاريخ بغداد: 122/12، وسنن أبي داود، الطهارة، باب كراهية الكلام عند الخلاء حديث: 15، اس کی سند حسن ہے اسے امام ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی ؒ نے صحیح کہا ہے۔ 5 [صحيح] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في كراهية ما يستنجى به، حديث: 18، وصحيح مسلم، الصلاة، باب الجهر بالقراءة في الصبح......، حديث: 450

وغیرہ۔ اس لیے کہ منافع ضائع کرنا اور مصالح کو خراب کرنا شرعاً حرام ہے۔

(2) دائیں ہاتھ سے ڈھیلے استعمال کرنا، استنجا کرنا یا شرم گاہ کو چھونا حرام ہے۔

ارشاد نبوی ہے: «لَا يُمْسِكَنَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَهُوَ يَبُولُ، وَلَا يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلَاءِ بِيَمِينِهِ»

''تم میں سے کوئی پیشاب کرتے وقت اپنے ذکر (شرم گاہ) کو اپنے دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے۔''[1]

(3) طاق ڈھیلے استعمال کرے، اگر تین کے ساتھ صفائی نہ ہو تو پانچ استعمال کرے۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«نَهَانَا (رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ) أَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ»

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع کیا ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں یا تین ڈھیلوں سے کم سے استنجا کریں یا لید اور ہڈی سے استنجا کریں۔''[2]

(4) ڈھیلے اور پانی کے استعمال میں پہلے ڈھیلے اور بعد ازاں پانی سے استنجا کرے۔ اگر ایک پر کفایت کرنا چاہے تو بھی جائز ہے، البتہ پانی بہتر ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

«مُرْنَ أَزْوَاجَكُنَّ أَنْ يَّسْتَطِيبُوا بِالْمَاءِ فَإِنِّي أَسْتَحْيِيهِمْ، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَفْعَلُهُ»

''اپنے خاوندوں سے کہو کہ پانی کے ساتھ استنجا کیا کریں۔ مجھے ان سے (یہ بات کرتے) شرم آتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔''[3]

قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کے آداب بیت الخلاء (لیٹرین) سے نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں باہر رکھے۔ اور یہ دعا پڑھے: «غُفْرَانَكَ» ''(اے اللہ! میں) تیری مغفرت طلب کرتا ہوں۔''[4]

یا یہ دعا پڑھے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذٰى وَعَافَانِي»

''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے مجھ سے گندگی دور کر کے مجھے عافیت دی۔''[5]

1 صحيح البخاري، الوضوء، باب النهي عن الاستنجاء باليمين، حديث: 153، وصحيح مسلم، الطهارة، باب النهي عن الاستنجاء باليمين، حديث: 267 واللفظ له. 2 صحيح مسلم، الطهارة، باب الاستطابة، حديث: 262. 3 [صحيح] جامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في الاستنجاء بالماء، حديث: 19. 4 [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب ما يقول الرجل إذا خرج من الخلاء، حديث: 30، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ما يقول إذا خرج من الخلاء، حديث: 7 وقال حسن غريب. اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اسے امام ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 5 [ضعيف] سنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب ما يقول إذا خرج من الخلاء، حديث: 301، اس کی سند اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

باب:3

وضو کا بیان

وضو کی مشروعیت اور اس کی فضیلت (1) کتاب وسنت سے وضو کی مشروعیت ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں سمیت دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پاؤں ٹخنوں سمیت دھوؤ۔''[1] آپ کا ارشاد ہے: «لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ مَنْ أَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ»

''جب کوئی بے وضو ہو جائے تو بغیر وضو کیے اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔''[2]

(2) **وضو کی فضیلت:** رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان وضو کی بڑی فضیلت ثابت کرتا ہے:
«أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوا: بَلٰى يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ، وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ»

''کیا میں تمھیں گناہوں کے مٹانے اور درجات کو بلند کرنے والی چیزیں نہ بتاؤں؟'' حاضرین نے عرض کی کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! فرمایا: ''سختی اور تکلیف کے باوجود مکمل وضو کرنا اور مساجد کی طرف زیادہ چلنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، یہ دشمن کے مقابلے میں اپنے آپ کو تیار رکھنا ہے۔''[3]
نیز فرمایا: «إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ، فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِّنَ الذُّنُوبِ»

''مومن جب وضو کرتا ہے اور چہرہ دھوتا ہے تو پانی یا آخری قطرۂ پانی کے ساتھ اس کے چہرے سے سارے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں، جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو پانی یا آخری قطرۂ پانی کے ساتھ اس کے ہاتھوں کے گناہ گر جاتے ہیں، جنھیں اس کے ہاتھوں نے پکڑا تھا۔ اور جب پاؤں

[1] المآئدة 5:6. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب لاتقبل صلاة بغير طهور، حديث: 135. [3] صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل إسباغ الوضوء على المكاره، حديث: 251.

دھوتا ہے تو پانی یا آخری قطرۂ پانی کے ساتھ اس کے پاؤں کے گناہ گر جاتے ہیں جن کی طرف اس کے پاؤں چل کر گئے تھے حتیٰ کہ (وضو کے بعد) وہ گناہوں سے صاف ہو کر نکل جاتا ہے۔''[1]

وضو کے فرائض، سنتیں اور مکروہات ❁ **فرائض:** ① وضو کے فرائض میں سب سے پہلے دل کا ارادہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں وضو کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ''عملوں کا انحصار نیتوں پر ہے۔''[2]

② پیشانی کے اوپر کے حصوں سے ٹھوڑی کے اختتام تک اور ایک کان کی جڑ سے دوسرے کان کی جڑ تک چہرے کا دھونا بھی فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ''پس اپنے چہرے دھوؤ۔''[3]

③ تیسرا فرض وضو میں دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ ''اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک (دھوؤ)''[4]

④ چوتھا فرض پیشانی کے بالوں سے گدی تک سر کا مسح کرنا ہے۔ ارشاد حق تعالیٰ ہے:

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ ''اور اپنے سروں کا مسح کرو۔''[5]

⑤ پانچواں فرض دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ''اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں (دھوؤ)''[6]

⑥ اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح میں قرآن پاک میں مذکور ترتیب کو ملحوظ رکھنا بھی فرض ہے، یعنی پہلے چہرہ دھوئیں، پھر دونوں ہاتھ (کہنیوں سمیت،) پھر سر کا مسح کریں، پھر دونوں پاؤں (ٹخنوں سمیت) دھوئیں، اس لیے کہ اللہ کے کلام میں یہی ترتیب مذکور ہے۔ ❀

⑦ وضو ایک ہی وقت میں کیا جائے، اعضاء کے دھونے میں وقفہ ⊙ اور تاخیر نہ ہو، اس لیے کہ عبادت شروع کرنے کے بعد منقطع کرنا ممنوع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ''اور اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو۔''[7]

❀ اگر ترتیب ضروری نہ ہوتی تو مغسول (دھوئے جانے والے اعضاء) الگ بیان ہوتے اور ممسوح (مسح کیے جانے والے اعضاء) الگ، نیز کبھی رسول اللہ ﷺ نے اس ترتیب کو نہیں چھوڑا اور آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ ''ہم اسی سے ابتدا کرتے ہیں، جس سے اللہ نے ابتدا کی ہے۔'' (الاثری) ⊙ اگر وضو میں توالی (پے در پے) اور لگا تار، بلا توقف دھونا اور مسح کرنا ضروری نہ ہوتا تو بیان جواز کے لیے رسول اللہ ﷺ ایک بار ضرور توقف کر دیتے، حالانکہ یہ ثابت نہیں ہے۔ (الاثری)

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب خروج الخطايا مع ماء الوضوء، حديث: 244. [2] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ......، حديث: 1 وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ « إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ »......، حديث: 1907. [3] المآئدة 5:6. [4] المآئدة 5:6. [5] المآئدة 5:6. [6] المآئدة 5:6. [7] محمد 47:33.

ہاں معمولی تاخیر معاف ہے یا کسی عذر کی وجہ سے ایسا ہو جائے، مثلاً: پانی ختم ہو جائے، منقطع ہو جائے یا بہہ جائے۔ چاہے وقفہ طویل ہو، یہ بھی معاف ہے۔ اس لیے کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ ''اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔''[1]

تنبیہ: بعض لوگ اعضاء کے ملنے کو وضو کے فرائض میں شمار کرتے ہیں اور بعض اسے مسنون قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ اعضاء کو اچھی طرح دھونے میں ہی داخل ہے۔ اسے الگ نام نہیں دینا چاہیے۔

❁ سنن وضو: (1) وضو کی ابتدا میں بسم اللہ کہنا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ» ''جو اللہ کا نام نہیں ذکر کرتا اس کا وضو نہیں ہے۔''[2]

(2) جب نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو تین بار دھونا۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِّنْ نَّوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ»

''جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے، تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے حتیٰ کہ اسے تین بار دھولے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے؟''[3]

ہاں اگر نیند سے بیدار نہ ہوا ہو (اور ہاتھ پر نجاست بھی نہ ہو) تو پھر برتن میں ہاتھ ڈالنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس وقت ہاتھ سے پانی لے کر تین بار دونوں ہتھیلیاں دھونا مسنون ہے۔

(3) مسواک کرنا بھی سنت رسول (ﷺ) ہے۔ ارشاد عالی ہے:

«لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوءٍ»

''اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انھیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔''[4]

(4) کلی کرنا، یعنی منہ میں پانی ڈال کر صفائی کر کے باہر پھینک دینا بھی اسی قبیل سے ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا تَوَضَّأْتَ فَمَضْمِضْ» ''جب تو وضو کرے تو کلی کر۔''[5]

(1) البقرة 2:286. (2) [حسن] مسند أحمد: 41/3، وسنن أبي داود، الطهارة، باب في التسمية على الوضوء، حديث: 101. مسند احمد والی سند حسن ہے جیسا کہ میں نے سنن ابن ماجہ (حدیث: 397) کی تخریج میں ثابت کیا ہے۔ (3) صحيح مسلم، الطهارة، باب كراهة غمس المتوضي وغيره يده المشكوك في نجاستها...... حديث: 278. (4) السنن الكبرٰى للبيهقي: 35/1، یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی ''مَعَ كُلِّ وُضُوءٍ'' بجائے ''مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ'' کے الفاظ سے یہ روایت موجود ہے۔ (5) [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الاستنثار حديث: 144 (نیز دیکھیے: 106)۔ جبکہ بعض محققین صیغۂ امر کی وجہ سے اسے واجب کہتے ہیں۔ دیکھیے: تمام المنة، ص: 92، والسيل الجرار: 81/1.

(5) ناک میں پانی داخل کرنا اور اسے صاف کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا»

''ناک میں پانی لے جانے میں مبالغہ کر، الا یہ کہ تو روزہ دار ہو۔''[1]

(6) داڑھی کا خلال کرنا، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے وضو میں داڑھی کا خلال کیا تو اس پر حیرت کا اظہار کیا گیا۔ اس پر انھوں نے فرمایا: ''میں خلال کیوں نہ کروں، جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی داڑھی کا خلال کرتے دیکھا ہے۔''[2]

(7) ہر عضو تین تین بار دھونا مسنون ہے اور ایک بار دھونا فرض ہے۔

(8) کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کا مسح کرنا بھی رسول اللہ ﷺ کا فعل اور سنت ہے۔

(9) ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا بھی سنت ہے۔ ارشاد عالی ہے:

«إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ بَيْنَ أَصَابِعِ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ»

''جب تو وضو کرے تو اپنے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر۔''[3]

(10) ہاتھوں اور پاؤں کو دھونے میں دائیں طرف سے شروع کرنا۔ ❀

آپ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَؤُوا بِمَيَامِنِكُمْ» ''جب تم وضو کرو تو دائیں جانب سے شروع کرو۔''[4] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کو جوتے پہننے، کنگھی کرنے، وضو اور سب کاموں میں دائیں طرف (سے شروع کرنا) پسند تھا۔''[5]

(11) چہرے، ہاتھوں اور پاؤں کو خوب دھو کر اور پانی پہنچا کر قیامت کے دن کی نورانیت بڑھانا بھی مسنون ہے۔

❀ وضو میں ترتیب ضروری ہے، جیسا کہ مذکور ہے اور رسول اللہ ﷺ ہمیشہ وضو میں دایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں پہلے دھوتے رہے۔ جیسا کہ کتب احادیث میں واضح ہے، لہٰذا ترتیب کی فرضیت میں یہ بھی داخل ہے۔ (الاثری)

1 [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الاستنثار، حديث: 142، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في كراهية مبالغة الاستنشاق للصائم، حديث: 788، وقال هذا حديث حسن صحيح، اسے امام ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 2 [حسن] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في تخليل اللحية، حديث: 29 یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ 3 [حسن] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في تخليل الأصابع، حديث: 39، وقال حسن غريب، یہ روایت شواہد کی وجہ سے حسن ہے۔ 4 [ضعيف] سنن أبي داود، اللباس، باب في الانتعال، حديث: 4141، ومسند أحمد: 354/2. اس کی سند اعمش کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کا مفہوم متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ وضو دائیں اعضاء کی طرف سے شروع کرنا چاہیے۔ 5 صحيح البخاري، اللباس، باب الترجيل والتيمن فيه، حديث: 5926، وصحيح مسلم، الطهارة، باب، التيمن في الطهور وغيره، حديث: 268.

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مقدس ہے:

«إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ»

''قیامت کے دن میری امت کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں وضو کے آثار کی وجہ سے منور ہوں گے، تم میں جو اپنی چمک کو لمبا کرنا چاہے تو کر گزرے۔''[1]

⑫ سر کا مسح ❀ ماتھے کے بالوں سے شروع کرے اور گدی تک لے جائے، پھر پیشانی تک واپس لے آئے، رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول رہا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

«(إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ) مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ حَتّٰى ذَهَبَ بِهِمَا إِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ»

''رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کے اگلے حصہ سے مسح شروع کیا اور گدی تک لے گئے، پھر انھیں واپس اس جگہ تک لے آئے جہاں سے شروع کیا۔''[2]

⑬ وضو کے بعد یہ دعا پڑھے:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے اور پاک رہنے والوں میں سے بنا۔''[3]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ»

''جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا

❀ سر کے مسح کا فرض طریقہ یہی ہے جو حدیث سے ثابت ہے اسے مسنون امور میں شمار کرنا محل نظر ہے۔ (الاثری)

① صحيح البخاري، الوضوء، باب فضل الوضوء، والغر المحجلون من آثار الوضوء، حديث: 136، وصحيح مسلم، الطهارة، باب، استحباب إطالة الغرة...، حديث: 246. ② صحيح البخاري، الوضوء، باب مسح الرأس كله، حديث: 185، وصحيح مسلم، الطهارة، باب آخر في صفة الوضوء، حديث: 235. ③ صحيح مسلم، الطهارة، باب الذكر المستحب عقب الوضوء، حديث: 234، وجامع الترمذي، الطهارة، باب في مايقال بعد الوضوء، حديث: 55. صحیح مسلم کی روایت میں "عبده ورسوله" تک دعا مروی ہے جبکہ باقی اضافہ جامع ترمذی کی روایت میں ہے اور یہ ضعیف ہے۔

عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» دعا پڑھتا ہے، اس کے لیے بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جس سے چاہے گا داخل ہوگا۔''[1]

❋ **وضو میں ناپسندیدہ امور:** ① پلید جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ پلید چھینٹے وضو کرنے والے پر پڑ جائیں۔

② تین بار سے زیادہ دھونا۔ حدیث مبارک میں ہے:

«فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، فَقَالَ: مَنْ زَادَ فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ»

''رسول اللہ ﷺ نے تین تین بار وضو کیا (اعضائے وضو کو دھویا) پھر فرمایا: ''جو (اس سے) زیادہ کرتا ہے اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔''[2]

③ پانی ضائع کرنا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ''مُد'' (ایک مد کا وزن 525 گرام ہے) پانی کے ساتھ وضو کر لیتے تھے۔ خیال رہے کہ اسراف ہر چیز میں ممنوع ہے۔

④ وضو کے ایک یا زیادہ مسنون اعمال کو ترک کر دینا۔ اس لیے کہ اس سے متوقع ثواب فوت ہونے کا امکان ہے، جبکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

⑤ عورت کے وضو سے بچا ہوا پانی استعمال کرنا بھی ناپسندیدہ فعل ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔[3]

وضو کا طریقہ وضو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو پانی کا برتن دائیں طرف رکھے اور بسم اللہ پڑھ کر وضو شروع کرے، وضو کی نیت کے ساتھ پانی دونوں ہتھیلیوں پر ڈالے اور انھیں تین بار دھوئے، پھر تین بار کلی کرے، پھر تین بار ناک میں پانی چڑھائے اور اسے صاف کرے، پھر چہرہ سر کے بالوں سے شروع کر کے داڑھی کے اختتام تک لمبائی میں اور چوڑائی میں ایک کان سے دوسرے کان تک دھوئے، تین بار ایسا کرے، پھر دایاں ہاتھ کہنی سمیت تین بار دھوئے اور

1 صحيح مسلم، الطهارة، باب الذكر المستحب عقب الوضوء، حديث: 234، وجامع الترمذي، الطهارة، باب مايقال بعد الوضوء، حديث: 55. 2 [صحيح] سنن النسائي، الطهارة، باب الاعتداء في الوضوء، حديث: 140، و صحيح ابن خزيمة: 89/1، حديث: 174 واللفظ له 3 [صحيح] جامع الترمذي الطهارة، باب ماجاء في كراهية فضل طهور المرأة، حديث: 64، اسے امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے (دیکھیے: نيل المقصود، حديث: 82) جمہور بلا کراہت عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو جائز کہتے ہیں جبکہ بعض علماء اسے مکروہ کہتے ہیں، محققین کی ایک جماعت اس سے کراہت تنزیہی مراد لیتی ہے۔ اور اس حدیث کو نہی تنزیہی پر محمول کرتی ہے، اس لیے کہ احادیث صحیحہ سے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کا جواز ثابت ہے۔ (دیکھیے: تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي: 165/1)

انگلیوں کا خلال کرے، پھر اسی طرح بایاں ہاتھ۔ پھر ایک بار سر کا مسح کرے، وہ اس طرح کہ سر کے اگلے حصے سے شروع کر کے دونوں ہاتھ گدی تک لے جائے، پھر انھیں واپس لوٹائے اور مسح کرتا ہوا سر کے اگلے حصے تک واپس لے آئے، پھر دونوں کانوں کے اندر اور باہر کا مسح کرے، اس تری کے ساتھ جو سر کے مسح کے بعد ہاتھوں میں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اگر ہاتھ خشک ہو گئے ہیں تو نیا پانی لے لے۔ پھر دایاں پاؤں ٹخنے سمیت تین بار دھوئے اور پھر بایاں پاؤں بھی اسی طرح دھوئے، پھر یہ دعا مانگے:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔''[1]

وضو کے مذکورہ بالا طریقے کی دلیل یہ ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور دونوں ہتھیلیاں اچھی طرح دھوئیں، پھر تین بار کلی کی، پھر تین بار ناک میں پانی داخل کیا اور تین بار چہرہ دھویا اور دونوں ہاتھ تین بار دھوئے اور پھر ایک بار سر کا مسح کیا، پھر ٹخنوں تک دونوں پاؤں دھوئے......، پھر کہا: ''میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کے وضو کا طریقہ بتانا چاہ رہا ہوں۔''[2]

نواقض وضو ① پیشاب اور پاخانہ کے راستے سے نکلنے والی چیزیں، یعنی پیشاب، منی، مذی، ودی، پاخانہ اور ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کو حَدَث کہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں یہی مراد ہے:

«لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ»

''جب تم میں سے کوئی بے وضو ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا، یہاں تک کہ وہ نیا وضو کرے۔''[3]

② لیٹ کر گہری نیند بھی ناقض وضو ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: «اَلْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ، فَمَنْ نَّامَ فَلْيَتَوَضَّأْ»

''آنکھ، دبر (پیٹھ) کا بندھن ہے، جو سو جائے، اسے چاہیے کہ وضو کرے۔''[4]

③ بے ہوشی، نشہ یا جنون کی وجہ سے عقل کا ماؤف ہونا۔ اس لیے کہ اس حالت میں انسان کو یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ

① صحیح مسلم، الطهارة، باب الذكر المستحب عقب الوضوء، حديث: 234، وجامع الترمذي، الطهارة، باب فيما يقال بعد الوضوء، حديث: 55. صحیح مسلم میں دعا صرف «عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» تک مروی ہے «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ» کا اضافہ جامع ترمذی کی روایت میں ہے، جسے خود انھوں نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ ② [صحيح] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في وضوء النبي ﷺ كيف كان، حديث: 48. ③ صحيح البخاري، الحيل، باب في الصلاة، حديث: 6954. ④ [ضعيف] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الوضوء من النوم، حديث: 203، وسنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب الوضوء من النوم، حديث: 477 واللفظ له، اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ محققین کے نزدیک صفوان بن عسال (جامع الترمذي، حديث: 96) کی حدیث کی وجہ سے مطلق نوم (نیند) ناقض وضو ہے۔ دیکھیے: تمام المنة للألباني، ص: 100. (ع۔و)

ہوا خارج ہوئی ہے یا نہیں، اس لیے وضوٹو ٹنے ہی کا حکم لگایا جاتا ہے۔

④ ہاتھ کے ساتھ شرم گاہ کو چھونا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ مَّسَّ ذَكَرَهُ فَلَا يُصَلِّ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ» ''جو اپنی شرم گاہ کو ہاتھ لگائے، وہ (نیا) وضو کیے بغیر نماز نہ پڑھے۔''[1]

⑤ ''ارتداد'' بایں طور کہ کوئی کفریہ لفظ بول دے تو اس سے بھی وضوٹوٹ جائے گا اور تمام تعبدی (عبادت کے) اعمال باطل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ''اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے۔''[2]

⑥ اونٹ کا گوشت کھانے سے بھی وضوٹوٹ جاتا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: کیا ہم بھیڑ، بکری کے گوشت سے وضو کریں؟ آپ نے فرمایا: ''اگر تو چاہے تو وضو کر لے اگر چاہے تو نہ کر'' اس نے عرض کی: کیا ہم اونٹ کے گوشت سے وضو کریں؟ تو آپ نے فرمایا: ''ہاں۔''[3]

⑦ عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا۔ اس لیے کہ شہوت کا ارادہ شہوت کے حکم میں ہے اور ''ناقض وضو'' ہے، جیسا کہ شرم گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو کا حکم صادر ہوا ہے، اس لیے کہ شرم گاہ کو ہاتھ لگانا شہوت کو ابھارتا ہے اور موطأ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عورت کو بوسہ دینا اور اسے ہاتھ لگانا ''ملامست'' ہے، جو اپنی عورت کو بوسہ دے یا اسے ہاتھ لگائے اس پر وضو ہے۔[4]

سلس البول والا شخص اور مستحاضہ عورت کیا کرے؟ ① ''سلس البول'' میں مبتلا شخص، (جسے پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہیں) یا جس کی ہوا خارج ہوتی رہتی ہے، اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضو کرے، جیسا کہ استحاضہ والی عورت کے لیے حکم ہے۔

② استحاضہ والی عورت وہ ہے، جسے ایام عادت کے علاوہ خون آتا رہے، اس کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا:

«ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ» ''پھر تو ہر نماز کے لیے وضو کر۔''[5]

1 [صحیح] جامع الترمذي، الطهارة، باب الوضوء من مس الذكر، حديث: 82. 2 الزمر 39:65. 3 صحيح مسلم، الحيض، باب الوضوء من لحوم الإبل، حديث: 360. 4 الموطأ للإمام مالك، الطهارة، باب الوضوء من قبلة الرجل امرأته، حديث: 99. اس نظریے کے قائلین کا اصل استدلال آیت مبارکہ ﴿أَوْ لَٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ ہے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول میں بھی یہی اشارہ ہے، جبکہ صحیح تفسیر یہ ہے کہ یہاں ملامست سے مراد جماع ہی ہے، اس لیے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک بیوی کو بوسہ دیا تھا اور وضو نہیں کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ (الاثری) 5 [ضعیف] سنن أبي داود، الطهارة، باب من قال تغتسل من طهر إلى طهر، حديث: 298 واللفظ له، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء أن المستحاضة ◄◄

(3) میت کو غسل دینے والا یا جنازہ اٹھانے والا شخص بھی وضو کر لے تو بہتر ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں ہے:

«مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ»

''جو میت کو غسل دے وہ نہائے اور جو اٹھائے وہ وضو کرے۔''[1]

باب:4 غسل کا بیان

غسل کی مشروعیت اور اس کے موجبات

غسل کی مشروعیت: غسل کا مشروع ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ ''اور اگر تم جنبی ہو جاؤ تو غسل کر لو۔''[2]

اور فرمایا: ﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا﴾

''اور جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے قریب نہ جاؤ) حتی کہ تم غسل کر لو مگر یہ کہ راہ چلتے مسافر ہو۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ»

''جب (مرد کی) شرم گاہ (عورت کی) شرم گاہ میں تجاوز کرے تو غسل واجب ہو گیا۔''[4]

غسل کو واجب کرنے والے امور: (1) جنابت سے غسل واجب ہو جاتا ہے، یعنی جب مرد عورت سے جماع کرے (دخول کرے)، خواہ منی کا انزال ہو یا نہ ہو، غسل لازم ہو جاتا ہے اور اگر نیند میں ہے تو منی کے خارج ہونے سے ہی غسل ضروری ہو گا، محض خواب سے نہیں۔ مرد اور عورت اس حکم میں برابر ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ ''اور اگر تم جنبی ہو تو خوب پاک ہو جاؤ (غسل کر لو)۔''[5]

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ»

''جب دونوں شرم گاہیں آپس میں مل جائیں تو غسل واجب ہو گیا۔''[6]

---

[1] [حسن] صحیح ابن حبان: 3/435، 436، حدیث: 1161، وجامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في الغسل من غسل المیت، حدیث: 993، وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في غسل المیت، حدیث: 1463. ابوداود اور نسائی وغیرہ میں اس حدیث کے شواہد موجود ہیں جن کی بنا پر یہ روایت حسن ہے۔ لیکن قرینه صارفه من الوجوب إلى الاستحباب موجود ہے، اس لیے علماء نے اس غسل کو مستحب قرار دیا ہے۔ (دیکھیے: إرواء الغلیل) [2] المائدة 5:6. [3] النسآء 4:43. [4] [صحیح] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء إذا التقى الختانان وجب الغسل، حدیث: 108 صحیح مسلم میں اس کا ایک شاہد موجود ہے، حدیث: 349. [5] المآئدة 5:6. [6] [صحیح] سنن ابن ماجه، ← تتوضأ لکل صلاة، حدیث: 126، 127 اس روایت کی دونوں سندیں ضعیف ہیں۔

② ماہواری اور نفاس کا خون منقطع ہونے پر بھی غسل لازم ہے۔ حکم خداوندی ہے:

﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۚ﴾

’’حیض (کے دنوں) میں عورتوں سے الگ رہو اور پاک ہونے تک ان کے قریب نہ جاؤ۔ جب وہ خوب پاک ہو جائیں (غسل کرلیں) تو جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے، وہاں سے ان کے پاس آؤ۔‘‘[1]

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «اُمْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ ثُمَّ اغْتَسِلِي وَصَلِّي» ’’جتنے دن تجھے حیض آتا تھا، اتنے دن ٹھہری رہ، پھر غسل کر اور نماز پڑھ۔‘‘[2]

③ موت بھی غسل واجب کر دیتی ہے، اس لیے کہ مسلمان جب مر جاتا ہے تو اسے غسل دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی حکم ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی وفات پر آپ نے انھیں غسل دینے کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔[3]

④ جمعہ کے لیے بھی غسل کرنا واجب ہے: کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ» ’’جمعہ کے دن کا نہانا ہر بالغ شخص پر واجب ہے۔‘‘[4]

کن صورتوں میں نہانا مستحب ہے؟ ① اسلام قبول کرنے والے کو چاہیے کہ غسل کرلے کفار میں سے جو اسلام قبول کرے، اسے نہانا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب ثمامہ بن اثال کو آزاد کیا تو اس نے اسلام قبول کرنے کے لیے غسل کیا۔[5]

② احرام کے لیے: عمرہ یا حج کے احرام سے پہلے نہانا مسنون ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی نہائے تھے اور اس کا حکم بھی دیا تھا۔[6]

③ مکہ میں داخل ہونے[7] اور عرفات میں وقوف کے لیے[8]: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ ان مواقع پر نہائے تھے۔

» الطهارة وسننها، باب ماجاء في وجوب الغسل إذا التقى الختانان، حديث:608. [1] البقرة2:222. [2] صحيح مسلم، الحيض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، حديث:334. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب غسل الميت و وضوئه بالماء و السدر، حديث:1253. [4] صحيح البخاري، الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة......، حديث:879، وصحيح مسلم، الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال......، حديث:846. [5] صحيح البخاري، الصلاة، باب الاغتسال إذا أسلم......، حديث:462، وصحيح مسلم، الجهاد، باب ربط الأسير وحبسه و جواز المن عليه، حديث:1764. [6] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في الاغتسال عند الإحرام، حديث:830، وصحيح مسلم، الحج، باب صحة إحرام النفساء و استحباب اغتسالها للإحرام......، حديث:1209. [7] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في الاغتسال لدخول مكة، حديث:852. [8] الموطأ للإمام مالك، الحج، باب الغسل للإهلال، حديث:725، «

④ میت کوغسل دینے سے: جومیت کونہلائے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ غسل کر لے۔[1]

غسل کے فرائض، سنتیں اور مکروہات

✽ **غسل کے فرائض:** ① نیت کرنا: جنابت زائل کرنے کے لیے نہانے کا دل میں ارادہ ضروری ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِيءٍ مَّا نَوٰى»

''عملوں کا انحصار، نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جو وہ ارادہ کرے۔''[2]

② جسم کے ہر حصے تک پانی پہنچانا، جہاں تک ہاتھ پہنچ سکے، جسم کو خوب ملنا چاہیے اور پانی اس حد تک جسم پر بہایا جائے کہ یقین ہو جائے کہ کوئی جگہ خشک نہیں رہی۔

③ انگلیوں اور بالوں کا خلال کرنا اور جس جگہ امکان ہو کہ پانی نہیں پہنچے گا، جیسے ناف کا اندرونی حصہ، وہاں اہتمام کے ساتھ پانی پہنچانا اور خشک جگہ کو تر کرنا۔

✽ **غسل کی سنتیں:** ① بسم اللہ پڑھنا یاد رہے کہ ہر اچھے کام کی ابتدا اللہ کے نام سے ہونی چاہیے۔

② برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہتھیلیوں کو دھونا۔

③ پہلے پلیدی زائل کرنا۔

④ سارے جسم کو دھونے سے قبل وضو کے اعضاء سے پہل کرنا۔

⑤ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، کانوں کے سوراخوں، یعنی باطن کو دھونا۔

✽ **غسل کے مکروہات:** ① پانی زیادہ استعمال کرنا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع (دوکلو 100 گرام) پانی کے ساتھ غسل کیا تھا۔

② پلید جگہ میں بیٹھ کر نہانا، اس لیے کہ چھینٹیں پڑنے سے جسم پلید ہونے کا اندیشہ ہے۔

③ دیوار وغیرہ کا پردہ کیے بغیر کھلی جگہ میں نہانا۔ میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے لیے پانی رکھا اور آپ کے لیے پردہ کیا، پھر آپ نہائے۔ اگر پردہ کے بغیر نہانا ناپسند نہ ہوتا تو وہ پردہ نہ لگاتیں۔[3]

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «إِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ، فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ»

»» ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے ثابت ہے۔ [1] [صحيح] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في غسل الميت، حديث: 1463.
[2] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ......، حديث: 1، وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ......، حديث: 1907. [3] صحيح البخاري، الغسل، باب من أفرغ بيمينه......، حديث: 276,266.

”بے شک اللہ حیا والا اور بہت پردہ پوشی کرنے والا ہے، وہ حیا اور پردے کو پسند کرتا ہے، جب تم میں سے کوئی نہائے تو چھپ کر نہائے۔“[1]

(4) ٹھہرے ہوئے پانی میں نہانا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے:

«لَا يَغْتَسِلْ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ»

”تم میں سے کوئی جنبی حالت میں، کھڑے پانی میں غسل نہ کرے۔“[2]

فائدہ: عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا درست ہے، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک زوجہ محترمہ کے بچے ہوئے پانی سے نہانے لگے تو بی بی نے عرض کیا: ”میں جنبی تھی۔“ آپ نے فرمایا: ”پانی جنبی نہیں ہوتا۔“ اس لیے احتیاط کے ساتھ غسل کرنے والی عورت کے بچے ہوئے پانی سے نہانا بلا کراہت جائز ہے۔[3]

غسل کا طریقہ بسم اللہ کہہ کر اور اس نیت سے غسل شروع کرے کہ وہ حدث اکبر (جنابت) زائل کر رہا ہے، اپنی دونوں ہتھیلیاں تین بار دھوئے، پھر استنجا کرے اور شرم گاہ سے ہر طرح کی آلائش صاف کرے، پھر وضو کرے۔ البتہ پاؤں وضو کے ساتھ دھونا بھی جائز ہے اور غسل کے آخر میں دھوئے تو بھی جائز ہے۔ پھر دونوں ہتھیلیاں پانی سے تر کرے اور سر کے بالوں کی جڑوں میں انھیں داخل کرے[4] اور سر کو کانوں سمیت تین بار دھوئے پھر جسم کے دائیں پہلو پر پانی بہائے اور اوپر سے نیچے تک دھوئے، پھر اسی طرح بایاں پہلو دھوئے، نیز ناف کے اندر، بغلوں کے نیچے اور گھٹنوں کے نیچے اہتمام کے ساتھ پانی بہائے، اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: ”رسول اللہ ﷺ جب جنابت سے غسل کا ارادہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھوتے اور وضو کرتے، جس طرح نماز کے لیے وضو

1 [صحیح] سنن أبي داود، الحمام، باب النهي عن التعري، حديث: 4012، شیخ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا غسل کرتے وقت پردہ کرنا ضروری ہے، دوسروں کے سامنے ننگے ہو کر غسل کرنا جائز نہیں۔ 2 صحيح مسلم، الطهارة، باب النهي عن الاغتسال في الماء الراكد، حديث: 283. کھڑے پانی میں نہانا ”نہی“ کی وجہ سے ممنوع ہے اور یہ ”درجۂ کراہت“ سے زیادہ ہے، یعنی حرام ہے۔ (الاثری) 3 [صحیح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الماء لايجنب، حديث: 68، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الرخصة في ذلك، حديث: 65. 4 جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الغسل من الجنابة، حديث: 104، وصحيح مسلم، الحيض، باب: صفة غسل الجنابة، حديث: 316. غسل جنابت میں سر کے بالوں اور جڑوں کو تر کرنا مرد کے ساتھ خاص ہے، عورت بال کھولے بغیر تین لپ پانی ڈال کر سر کو دھوئے گی، دلیل: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میرے سر کے بال بہت گندھے ہوئے ہیں، کیا میں غسل جنابت کے لیے انھیں کھول دیا کروں۔ فرمایا: ”نہیں، تجھے یہی کافی ہے کہ تو اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لے۔“ (جامع الترمذي، باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل، حديث: 105)

ہوتا ہے، پھر بالوں کو پانی سے اچھی طرح تر کرتے، پھر تین بار سر پر پانی ڈالتے اور پھر سارے جسم پر پانی بہاتے۔''

جنابت کی وجہ سے کیا کچھ ممنوع ہوتا ہے (1) قرآن پاک پڑھنا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا تَقْرَإِ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ»

''حیض والی عورت اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں۔''[1] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ عَلَى كُلِّ حَالٍ مَّا لَمْ يَكُنْ جُنُبًا»

''رسول اللہ ﷺ ہمیں جنابت کے علاوہ ہر حالت میں قرآن پڑھاتے تھے۔''[2]

(2) مساجد میں داخل ہونا۔ اِلَّا یہ کہ راستہ کے طور پر اس میں سے (بغیر ٹھہرے) گزر جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ ''اور نہ جنبی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) مگر راستہ سے گزرتے ہوئے۔''[3]

(3) نماز پڑھنا۔ فرض ہو یا نفل۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ

''اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنبی حالت میں مگر راستہ میں گزرتے ہوئے یہاں تک کہ نہا لو۔''[4]

(4) قرآن کو ہاتھ لگانا: فرمان ربانی ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۙ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ

''یہ (بڑے) رتبے کا قرآن ہے، (جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے اسے صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔''[5]

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا تَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا وَأَنْتَ طَاهِرٌ» ''اور پاک حالت کے بغیر قرآن کو ہاتھ نہ لگا۔''[6]

(1) [ضعيف] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الجنب والحائض: أنهما لايقرآن القرآن، حديث: 131، اس کی سند اسماعیل بن عیاش کی وجہ سے ضعیف ہے، لہٰذا حائضہ اور نفاس والی عورت قرآن چھوئے بغیر زبانی یا کپڑے وغیرہ سے پکڑ کر تلاوت کر سکتی ہے اور منع کی کوئی دلیل ثابت نہیں ہے جبکہ جنبی شخص کے لیے قرآن کی تلاوت جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث آئی ہے اور دوسری وجہ یہ کہ جنابت اکثر صورتوں میں اختیاری ہے۔ نیز اس کا ازالہ بھی اختیاری ہے جبکہ حیض و نفاس اختیاری ہے نہ اس کا ازالہ اختیاری۔ (ع۔و)
(2) [حسن] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الرجل يقرأ القرآن على كل حال مالم يكن جنبا، حديث: 146، امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے البتہ ''تعوذ'' یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وغیرہ جنابت میں پڑھنا جائز ہے۔ (مترجم) (3) النسآء 4:43.
(4) النسآء 4:43. (5) الواقعة 56:77-79. (6) [ضعيف] سنن الدارقطني: 1/122، حديث: 434، والمستدرك للحاكم: 3/485. اس کی سند سوید ابوحاتم وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے إرواء الغليل میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

باب:5

تیمّم کا بیان

تیمّم کی مشروعیت اور اس کے احکام ''تیمّم'' کی مشروعیت قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ

''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلا سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو اور تم پانی نہ پاؤ تو پاک سطح زمین کا قصد کرو اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمّم) کرلو۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَلصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ»

''پاک مٹی مسلمان کے لیے وضو کا کام کرتی ہے، چاہے وہ دس سال پانی نہ پائے۔''[2]

جو شخص پانی تلاش کرتا ہے اور اسے نہیں ملتا یا پانی موجود ہے مگر بیماری کی وجہ سے استعمال کرنے پر قادر نہیں یا بیماری بڑھنے کا اندیشہ ہے یا وہ بیماری کی وجہ سے حرکت نہیں کر سکتا اور کوئی پانی دینے والا بھی نہیں ہے تو ان تمام صورتوں میں تیمّم کر سکتا ہے۔❀

اگر پانی قلیل مقدار میں ہو، جس سے بعض اعضاء دھو سکتا ہے تو ان اعضاء کے لیے پانی استعمال کر لے، باقی کے لیے تیمّم کرے کیونکہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ''اپنی استطاعت کے مطابق اللہ سے ڈرو۔''[3]

❀ اگر پانی ٹھنڈا ہے اور اسے گرم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور ''ظن غالب'' بھی یہ ہے کہ اس کے استعمال سے آدمی بیمار ہو جائے گا تو ایسی صورت میں ''تیمّم'' کر کے نماز پڑھ لے۔ جیسا کہ سنن ابی داود میں ''جید سند'' سے مروی ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ایسے ہی معاملہ میں رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار کی تھی۔ سنن أبي داود، الطهارة، باب إذا خاف الجنب البرد يتيمم، حديث: 334 اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ اور امام بخاری نے اسے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

[1] النسآء 4:43. [2] [صحيح] سنن النسائي، الطهارة، باب الصلوات بتيمم واحد، حديث: 323، وسنن أبي داود، الطهارة، باب الجنب يتيمم، حديث: 332، اسے امام ترمذی نے حسن، جبکہ ابن خزیمہ، ابن حبان، حاتم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔
[3] التغابن 64:16. یہ استدلال محلِ نظر ہے، اس لیے کہ یہ شخص وضو کی استطاعت نہیں رکھتا اور وضو قابل تجزی نہیں ہے ناقص وضو کو وضو نہیں کہتے، بنا بریں یہ شخص تیمّم ہی کرے گا، واللہ اعلم۔

تیمّم کے فرائض اور اس کی سنتیں ✽ تیمّم کے فرائض: ① نیت: حدیث میں ہے:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی»

''عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے اور انسان کے لیے وہی ہے، جو وہ نیت کرے۔''[1]

لہٰذا ''تیمّم'' کرتے وقت دل میں یہ ارادہ ضروری ہے کہ اس ذریعہ سے وہ نماز وغیرہ کی ادائیگی اپنے لیے جائز کر رہا ہے، جو کہ اس سے قبل ممنوع تھی۔

② سطح زمین کا پاک ہونا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ ''پھر پاک سطح زمین کا قصد کرو۔''[2]

③ ایک بار دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مارنا۔✽

④ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا پہنچوں تک مسح کرنا، ارشاد حق تعالیٰ ہے:

﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ﴾ ''اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔''[3]

✽ تیمّم کی سنتیں: ''بسم اللہ'' سے شروع کرنا۔ اس لیے کہ یہ ہر اچھے کام سے پہلے مشروع ہے۔

نواقض تیمّم اور جو کام تیمّم سے جائز و مباح ہو جاتے ہیں ✽ نواقض تیمّم: تیمّم دو وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔

① وہ سب امور جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ''تیمّم'' چونکہ وضو کا بدل ہے، لہٰذا ان سے وہ بھی ٹوٹ جائے گا۔

② نماز شروع کرنے سے پہلے پانی مل جائے یا نماز کے دوران ہی پانی حاصل ہو جائے تو بھی تیمّم ختم ہو جائے گا اور وضو کرنا ضروری ہوگا۔ اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد پانی حاصل ہوا تو اس صورت میں تیمّم کے ساتھ پڑھی گئی نماز درست ہوگی اور اس کا اعادہ ضروری نہیں۔⊙

✽ صحیح احادیث میں ''تیمّم'' کا طریقہ ایک بار مٹی پر ہاتھ مارنا ہے۔ دوسری مرتبہ کی روایت مرفوعاً ثابت نہیں ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''تیمّم'' میں زمین پر ایک بار دونوں ہاتھ مارے اور چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔ (الاثری) دیکھیے صحیح البخاري، التيمم، باب التيمم ضربة، حديث:347، وصحيح مسلم، الحيض، باب التيمم، حديث:368. ⊙ سنن ابوداود میں صحیح حدیث آئی ہے کہ حالت سفر میں پانی نہ ملنے کی وجہ سے دو آدمیوں نے تیمّم کے ساتھ نماز پڑھی، پھر نماز کا وقت گزرنے سے پہلے پہلے انھیں پانی مل گیا تو ان میں سے ایک شخص نے وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھی، جبکہ دوسرے نے نہیں پڑھی، پھر سفر سے واپسی پر انھوں نے یہ واقعہ نبی ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے اس شخص سے جس نے نماز دوبارہ نہیں پڑھی تھی فرمایا: «أَصَبْتَ السُّنَّةَ وَأَجْزَأَتْكَ صَلَاتُكَ» ''تو نے سنت پالی اور تیری نماز درست ہے۔'' اور جس نے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی تھی، اس سے فرمایا: «لَكَ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ» تیرے لیے دوہرا اجر ہے۔'' سنن أبي داود، حديث:338. (ع۔و)

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ...، حديث:1، وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»...، حديث:1907. [2] النسآء4:43. [3] النسآء4:43.

پانی نہ ملنے کی صورت میں ''تیمّم'' سے کون سے امور مباح ہو جاتے ہیں: نماز، طواف، قرآن کو ہاتھ لگانا، قراءت قرآن، مسجد میں ٹھہرنا اور وہ تمام امور جو پہلے بے وضو ہونے کی وجہ سے جائز نہیں تھے ''تیمّم'' سے جائز ہو جاتے ہیں۔

تیمّم کا طریقہ ''بسم اللہ'' کہے اور دل میں اس کام کے مباح ہونے کا ارادہ کرے، جس کے لیے وہ تیمّم کر رہا ہے اور دونوں ہتھیلیاں زمین پر مارے۔ مٹی ہو یا ریت، پتھر ہو یا شوریلی زمین، سب جگہ جائز ہے اور دونوں ہاتھوں سے گرد جھاڑ لے تو کوئی حرج نہیں ہے، پھر ایک ہی بار چہرے کا مسح کرے اور اگر چاہے تو دوبارہ زمین پر مارے اور ہتھیلی، کلائی اور کہنیوں تک کا مسح کرے، یہ جائز ہے اور اگر ہتھیلی کے مسح پر ہی اکتفا کرلے تو بھی جائز ہے۔

ایک سوال: اگر ''تیمّم'' نہیں ٹوٹا تو کیا ایک ''تیمّم'' سے کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

جواب: مسئلہ میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن حق یہی ہے کہ ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، اس لیے کہ نصوص سے تیمّم کا وضو کے قائم مقام ہونا ثابت ہے تو جب ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنا درست ہے تو تیمّم سے بھی درست ہے۔

باب:6 موزوں اور پٹیوں پر مسح

موزوں اور جرابوں پر مسح کی مشروعیت موزے اور جو چیزیں ان کی اسی افادی حیثیت میں مساوی ہیں، مثلاً: جرابیں، موق (باریک موزوں پر موٹے موزے) اور تساخین (موزے) ان پر مسح کرنا کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں وضو کی آیت مبارکہ ﴿وَأَرْجُلَكُمْ﴾ میں ایک قراءت جر کے ساتھ ہے، یہ اس وقت ہے جب اس کا عطف ﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ﴾ پر ہو، تب یہ موزوں اور جرابوں پر مسح کے جواز پر دلالت کرے گا اور ''جواز مسح'' سنت سے بھی ثابت ہے، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں:

«فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ» ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔''[1]

مسح کی شرائط موزوں پر مسح کی شرائط حسب ذیل ہیں:

(1) موزے یا جرابیں وغیرہ باوضو ہو کر پہنے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو جب انھوں نے وضو کے وقت آپ کے موزے اتارنے کی کوشش کی، فرمایا: «دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ»

1 صحيح البخاري، الوضوء، باب المسح على الخفين، حديث:203.

”انھیں رہنے دے، میں نے جب یہ پہنے تھے تو باوضو تھا۔“

اس کے بعد آپ نے ان پر مسح کیا۔[1]

(2) موزے پاؤں کے اس حصے کو ڈھانپتے ہوں، جس کا دھونا ضروری ہے۔

(3) اتنے موٹے ہوں کہ ان کے نیچے سے پاؤں کا چمڑا نظر نہ آتا ہو۔

(4) مقیم کے لیے ”مدت مسح“ ایک دن اور ایک رات ہے، اس سے زائد نہیں اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ»

”رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لیے (مسح کی مدت) تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی ہے۔“[2]

(5) مسح کے بعد انھیں اتارا نہ ہو، اگر موزے وغیرہ اتار لیے تو پاؤں کا دھونا ضروری ہو جائے گا، ورنہ وضو باطل قرار پائے گا۔

تنبیہ: ✤ سردی یا سفر میں ضرورت کی بنا پر پگڑی پر مسح کرنا جائز ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ»

”نبی ﷺ نے وضو کیا اور پیشانی کے بالوں (سر کے اگلے حصے) اور پگڑی پر مسح کیا۔“[3]

اس کی صورت یہ ہوگی کہ سر کے اگلے حصے (پیشانی کے بالوں) پر اور باقی پگڑی پر مسح کیا جائے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

✤ موزے، جرابوں اور سر ڈھانپنے والے کپڑے پر مسح کرنے میں مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح مردوں کے لیے ان اشیاء پر مسح کرنا جائز ہے، ایسے ہی عورتوں کے لیے بھی جائز ہے۔

مسح کرنے کا طریقہ موزے پر مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کو تر کر کے پاؤں کی انگلیوں کی طرف سے شروع کر کے پنڈلی کی جانب چھوتا ہوا لائے۔ اور یہ صرف اوپر کے حصے پر ہی کرنا ہوگا، نیچے کی طرف نہیں، جیسا کہ

1 صحيح البخاري، الوضوء، باب إذا أدخل رجليه وهما طاهرتان، حديث: 206، وصحيح مسلم، الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث: 274، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو کے دوران باتیں کرنا منع نہیں ہے۔ 2 صحيح مسلم، الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين، حديث: 276. 3 صحيح مسلم، الطهارة، باب المسح على الناصية والعمامة، قبل الحديث: 275.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ»
''اگر دین رائے کی بنیاد پر ہوتا تو موزے کے نچلے حصہ کا مسح اوپر کے مسح سے بہتر ہوتا۔''[1]

باب:7

حیض ونفاس کا بیان

حیض ونفاس کی تعریف اوران کے احکام ✤ حیض: حیض اس خون کو کہتے ہیں جو بالغہ عورت کے رحم سے بغیر بیماری کے معلوم اور محدود اوقات میں نکلتا ہے۔ اس کا کم سے کم وقت، ایک دن اور ایک رات ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن۔ اور عام طور پر یہ چھ یا سات دن آتا رہتا ہے۔[2]

طہر (حیض کے علاوہ باقی دنوں) کی کم از کم مدت، تیرہ یا پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ عام طور پر طہر تیئیس یا چوبیس دن رہتا ہے۔ اس بارے میں عورتوں کی تین اقسام ہیں:

پہلی بار حیض والی عورت۔ دوسری وہ عورت جس کے ہاں حیض کی ایک عادت معلوم ہے۔ تیسری استحاضہ والی عورت۔ ہر ایک کے الگ الگ احکام ہیں۔

جسے پہلی بار حیض آیا ہے وہ خون دیکھتے ہی نماز، روزہ اور جنسی ملاپ ترک کر دے اور ایام طہر (پاکیزگی کے دنوں) کا انتظار کرے۔ ایک دن رات کے بعد پاک ہو جائے یا پندرہ دن کے بعد تو اس کے بعد نہائے اور نماز پڑھے، اگر پندرہ دن کے بعد بھی خون جاری رہے تو وہ ''مستحاضہ'' سمجھی جائے گی اور ''استحاضہ'' کے احکام کی پابندی کرے گی۔

اگر پندرہ دنوں کے دوران اسے ایک دو دن خون آتا ہے اور پھر منقطع ہو جاتا ہے تو ''طہر'' کے دنوں میں نہا کر نماز پڑھے گی اور ''ایام حیض'' میں رک جائے گی۔

اور جس کے ہاں حیض کی ایک عادت معلوم ہے کہ ہر مہینہ میں مقررہ ایام میں اسے ماہواری آتی ہے تو وہ ایام عادت میں نماز، روزہ اور جنسی ملاپ ترک کر دے گی۔ ایام عادت کے بعد اگر خون کا پیلا یا گدلا رنگ دیکھے تو اس کی پروانہ کرے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا»

''ہم (آغاز طہر کے بعد) پیلے یا مٹیالے رنگ کی کچھ پروا نہیں کرتی تھیں''۔ (اسے حیض شمار نہیں کرتی تھیں)[3]

1 [صحیح] سنن أبي داود، الطھارۃ، باب کیف المسح، حدیث: 162. 2 حدیث میں چھ سات دن کا تذکرہ آتا ہے۔
3 صحیح البخاري، الحیض، باب الصفرۃ والکدرۃ في غیر أیام الحیض، حدیث: 326.

ہاں اگر ایام عادت میں ایسا رنگ دیکھے تو وہ حیض ہی شمار ہوگا۔ تب وہ غسل کر کے نماز روزہ شروع نہیں کر سکتی۔ ❀

''مستحاضہ'' وہ عورت ہے جس کا خون مسلسل جاری رہے، اگر اس سے پہلے اس کی کوئی ''عادت معروفہ'' ہو تو اس کے مطابق ہی حیض اور طہر کے دن شمار کر لے، یعنی جتنے دن پہلے اسے حیض آتا تھا، وہ دن حیض میں شمار کرے اور باقی ''طہر'' کے دن شمار ہوں گے۔ ان دنوں میں غسل کے بعد نماز، روزہ اور وطی سب جائز ہیں اور اگر پہلے سے کوئی ''عادت معروفہ'' اسے حاصل نہیں ہے یا عادت تھی مگر اسے اس کا نسیان ہو گیا ہے تو پھر غور کرے، اگر حیض کے خون کی تمیز سیاہ یا سرخ رنگ کے ذریعہ ہو سکتی ہے تو اس کے مطابق عمل کرے، اگر رنگ سے بھی امتیاز کرنا اس کے لیے ممکن نہیں ہے تو پھر ہر ماہ چھ یا سات دن حیض کے شمار کرے اور باقی ایام ''استحاضہ'' کے قرار دے، جن میں نماز اور روزہ کی ادائیگی کرے گی۔

''استحاضہ'' کے دنوں میں عورت ہر نماز کے لیے وضو کرے، پٹی باندھے اور نماز پڑھے، چاہے خون کثرت سے ہی جاری ہو۔ درج ذیل احادیث مستحاضہ عورت کے مذکورہ بالا احکام کی دلیل ہیں:

(1) ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جسے بہت خون آ رہا تھا تو آپ نے فرمایا: «لِتَنْظُرْ عِدَّةَ اللَّيَالِي وَالْأَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ أَنْ يُصِيبَهَا الَّذِي أَصَابَهَا، فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ، فَإِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ»

''استحاضہ کے آنے سے قبل مہینے میں جتنے دن اور راتیں وہ حیض میں گزارتی تھی، اس کے برابر انتظار کرے اور نماز ترک کر دے، جب وہ دن گزر جائیں تو نہائے اور کپڑے کی لنگوٹ باندھے اور نماز پڑھے۔''[1]

یہ حدیث، عادت والی مستحاضہ کے لیے دلیل ہے۔

(2) فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا استحاضہ کی بیماری میں مبتلا تھیں، انھیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي، فَإِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ»

''اگر حیض کا خون ہو وہ تو سیاہ ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے، اگر یہی ہے تو نماز سے رک جا اور اگر کوئی اور رنگ

❀ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ایام عادت کے بعد خون جاری رہنے کی صورت میں تین دن تک دیکھے، پھر نہا کر نماز پڑھے۔ اس صورت میں اگر خون پندرہ دن سے تجاوز کر گیا تو یہ ''مستحاضہ'' کے حکم میں ہوگی۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ ''ایام عادت'' کے بعد اگر خون جاری رہے تو نماز ترک نہ کرے۔ ہاں اگر دو یا تین بار ایسا ہو گیا تو پھر گویا وہی عادت قرار پائے گی۔ ظاہراً یہی رائے قوی ہے۔ (مؤلف) 1 [ضعيف] سنن أبي داود، الطهارة، باب في المرأة تستحاض ...، حديث: 274، وسنن النسائي، الطهارة، باب ذكر الاغتسال من الحيض، حديث: 209، اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانی کے نزدیک حدیث صحیح ہے۔

ہے تو وضو کر اور نماز پڑھ، اس لیے کہ یہ ایک رگ (استحاضہ) کا خون ہے۔"[1]

یہ حدیث غیر معتادہ (جو عادت والی نہ ہو یا جسے عادت بھول گئی ہو) کے مسئلہ کی وضاحت کرتی ہے۔

(3) حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

«كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَسْتَفْتِيهِ وَأُخْبِرُهُ..... فَقَالَ: إِنَّمَا هِيَ رَكْضَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ فِي عِلْمِ اللّٰهِ، ثُمَّ اغْتَسِلِي، فَإِذَا رَأَيْتِ أَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّي أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً أَوْ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَأَيَّامَهَا، وَصُومِي وَصَلِّي، فَإِنَّ ذٰلِكِ يُجْزِئُكِ، وَكَذٰلِكِ فَافْعَلِي كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ»

"میں سخت "استحاضہ" میں مبتلا تھی تو میں نبی ﷺ کے پاس آئی اور آپ سے اس بارے میں دریافت کیا کہ کیا کروں؟" آپ نے فرمایا: "یہ شیطان کی طرف سے دھکا ہے، چھ دن یا سات دن حیض کے شمار کر، پھر نہا لے، جب صاف ہو جائے تو چوبیس یا تیئیس دن نماز پڑھ اور روزے رکھ، یہی تجھے کافی ہے اور ہر ماہ اسی طرح کرتی رہ، جس طرح کہ عام عورتیں ایام ماہواری گزارتی ہیں۔"[2]

یہ حدیث ان عورتوں کے لیے ہے جن کی نہ کوئی عادت مقرر ہو اور نہ ہی وہ حیض اور غیر حیض کا امتیاز کر سکتی ہوں۔

❋ نفاس: نفاس وہ خون ہے جو بچے کی ولادت کے بعد عورت کی شرم گاہ سے خارج ہوتا ہے۔ اس کے کم سے کم کی کوئی حد نہیں، جب بھی عورت پاک صاف ہو جائے تو نہا کر نماز پڑھنی شروع کر دے۔ ہاں چالیس روز سے قبل اس سے وطی (جماع کرنا) مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے ایذا اور تکلیف لاحق ہونے کا اندیشہ ہے، نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے، اس لیے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «كَانَتِ النُّفَسَاءُ تَجْلِسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَرْبَعِينَ يَوْمًا»

"نبی کریم ﷺ کے دور میں نفاس والی عورتیں چالیس دن انتظار کرتی تھیں۔"[3]

وہ اس طرح کرے گی کہ چالیس دن گزرنے کے بعد نہائے، نماز پڑھے اور روزے رکھے، چاہے پاک صاف

1 [ضعيف] سنن أبي داود، الطهارة، باب إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة، حديث: 286، وسنن النسائي، الطهارة، باب الفرق بين دم الحيض والاستحاضة، حديث: 216، اس کی سند زہری کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ بنت ابی حبیش والی روایت کو صحیح اور حسن قرار دیتے ہیں۔ (ع۔و) 2 [حسن] جامع الترمذي، الطهارة، باب في المستحاضة...، حديث: 128، اس کی سند حسن ہے۔ 3 [حسن] جامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في كم تمكث النفساء، حديث: 139، وسنن أبي داود، الطهارة، باب ما جاء في وقت النفساء، حديث: 311، اس کی سند حسن ہے، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح، امام نووی نے حسن کہا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ نفاس والی عورت چالیس دن انتظار کرے، الا یہ کہ اس سے پہلے پاک صاف ہو جائے۔

ہوئی ہے یا خون آرہا ہے۔ ہاں اگر اسے خون آرہا ہے تو مستحاضہ کی طرح اس کے احکام ہوں گے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نفاس والی عورت پچاس دن یا ساٹھ دن انتظار کرے۔ مگر شرعی طور پر احتیاط اسی میں ہے کہ وہ چالیس دن ہی نفاس کے شمار کرے۔

طہر کی پہچان ''طہر'' کی پہچان دو طرح سے ہوسکتی ہے۔ اولاً: عورت کو خالص سفید پانی آنا شروع ہو جائے۔ ثانیاً: بالکل خشک ہو جائے۔ روئی کا ٹکڑا اندر لے جائے اور باہر نکالے، اگر بالکل خشک ہے تو ''طہر'' کی نشانی ہے، سونے سے پہلے اور بعد ازاں اسی طرح کرے تاکہ معلوم ہو وہ حیض ونفاس سے پاک وصاف ہے یا نہیں۔

دورانِ حیض ونفاس ممنوع اور جائز امور ✲ **حیض و نفاس کے ایام میں ممنوع اعمال:** ① حیض و نفاس والی عورت سے مجامعت کرنا منع ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ ''اور اُن کے پاک ہونے تک ان کے قریب نہ جاؤ۔''[1]

② نماز اور روزہ بھی ممنوع ہے، البتہ پاک ہونے کے بعد روزے کی قضا دے گی، جبکہ نماز کی قضا نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ (الْمَرْأَةُ) لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ»

''کیا ایسا نہیں کہ جب عورت حیض والی ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔''[2]

اور عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا نہیں۔''[3]

③ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ»

''میں مسجد کو حیض والی عورت اور جنبی کے لیے حلال نہیں کرتا۔''[4]

④ قرآن کی قراءت بھی نہ کرے۔ حدیث میں ہے: «لَا تَقْرَأِ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ»

''جنبی مرد اور حیض والی عورت قرآن پاک نہ پڑھیں۔''[5]

[1] البقرة 2:222. [2] صحيح البخاري، الحيض، باب ترك الحائض [illegible] حديث: 304. [3] [illegible] باب لاتقضي الحائض الصلاة، حديث [illegible] وصحيح مسلم، الحيض [illegible] الصلاة، حديث: 335. [4] [illegible] خزيمة: 284/2، حديث: 1327 [illegible] الطهارة، باب [illegible] حديث معلول ہے۔ [illegible] قرآن چھوئے بغیر تلاوت [illegible]

(5) حیض کی حالت میں عورت کو طلاق دینا جائز نہیں بلکہ طہر کا انتظار کیا جائے اور طہر بھی وہ جس میں جماع نہ کیا گیا ہو۔ حدیث میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''اسے ماہواری سے پاک ہونے تک اپنے پاس رکھ اور طہر میں جماع کرنے سے پہلے طلاق دے۔''[1]

✱ حیض ونفاس میں جائز کام: (1) مجامعت کے سوا عورت کے ساتھ ہر انداز میں اٹھنا بیٹھنا اور بوس وکنار کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ» ''جماع کے سوا سب کام کر سکتے ہو۔''[2]

(2) اللہ کا ذکر بھی کر سکتی ہے، اس لیے کہ اس کی شارع کی طرف سے کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی۔

(3) بیت اللہ کے طواف کے سوا حج اور عمرہ کے سب اعمال، مثلاً: احرام، وقوف عرفہ وغیرہ کرے گی۔ طہر اور غسل کے بعد بیت اللہ کا طواف بھی کرے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

«اِفْعَلِي كَمَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِي»

''وہ تمام افعال کر جو حاجی کرتے ہیں، البتہ پاک وصاف ہونے تک طواف نہ کرنا۔''[3]

(4) حیض ونفاس والی عورت کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں حیض کی حالت میں ہوتی اور پانی پیتی تو رسول اللہ ﷺ اسی جگہ منہ لگا کر پیتے جس جگہ میں نے منہ لگایا ہوتا۔''[4]

اور عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے حائضہ بیوی کے ساتھ مل کر کھانا کھانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔''[5]

باب:8

نماز کا بیان

نماز کا حکم، حکمت اور فضیلت ✱ نماز کا حکم: اللہ جل مجدہ کی طرف سے ہر مومن پر نماز فرض ہے۔ قرآن پاک

1 صحیح البخاري، الطلاق، باب وقول اللّٰہ تعالٰی: ﴿يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾، حديث: 5251، وصحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها......، حديث: 1471. 2 صحيح مسلم الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حديث: 302. 3 صحيح البخاري، الحج، باب تقضي الحائض المناسك كلها......، حديث: 1650، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......، حديث: 1211. 4 صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله و طهارة سؤرها......، حديث: 300. 5 [حسن] مسند أحمد: 342/4، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في مؤاكلة الجنب والحائض وسؤرهما، حديث: 133 وقال حسن غريب.

میں متعدد آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نماز قائم کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا﴾

''پس نماز قائم کرو، بے شک نماز ایمان والوں پر مقررہ وقت پر لازم ہے۔''[1]

نیز فرمایا: ﴿حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ ''سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی حفاظت کرو۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں دوسرا رکن قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کا اقرار کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''[3]

نماز کا تارک شرعاً واجب القتل ہے جسے حکومتِ وقت یہ سزا دے گی اور سستی کرنے والا قطعی طور پر فاسق ہے۔

❁ **حکمتِ نماز:** نفس انسانی کی تطہیر وتزکیہ اس کا بنیادی مقصد ہے اور اس کے ذریعے سے بندہ دنیا میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مناجات اور آخرت میں اس کے قرب کا اہل قرار پاتا ہے، نیز نماز بے حیائی اور منکرات سے انسان کو دور کرتی ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ ۖ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

''اور نماز قائم کر، بے شک نماز بے حیائی اور ناجائز کاموں سے روکتی ہے۔''[4]

❁ **فضیلتِ نماز:** نماز کی فضیلت واہمیت کے بارے میں احادیث مبارکہ کثیر تعداد میں وارد ہیں، نمونے کے طور پر ان میں سے چند ملاحظہ فرمائیے:

(1) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ»

''اصل دین اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی عظمت وبلندی (کا نشان) اللہ کے راستے میں جہاد ہے۔''[5]

(2) اور فرمایا: «بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»

''بندے کو شرک وکفر سے ملانے والی چیز نماز چھوڑ دینا ہے۔''[6]

[1] النسآء 4:103. [2] البقرة 2:238. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم.....، حديث: 8، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام.....، حديث: 16. [4] العنكبوت 29:45. [5] [حسن] جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في حرمة الصلاة، حديث: 2616، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن، صحیح قرار دیا ہے۔ [6] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، حديث: 82.

یعنی انسان جب نماز چھوڑ دیتا ہے تو کفر کی طرف چل پڑتا ہے۔

(3) نیز ارشاد فرمایا: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ»

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑائی کرتا رہوں، یہاں تک کہ وہ اس بات کا اقرار کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔ جب یہ کام کر لیں گے تو انھوں نے مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیے۔ ہاں اسلامی حقوق (کی ادائیگی میں ان کے خون اور اموال مستثنیٰ ہیں) اور ان (کے دل) کا حساب لینا اللہ پر ہے۔‘‘[1]

(4) نیز جب آپ سے افضل عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

«الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا» ’’بروقت نماز کی ادائیگی۔‘‘[2]

(5) نیز ارشاد ہے: «أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوا: لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ، قَالَ: فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا»

’’مجھے بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی ایک کے دروازے کے پاس سے نہر گزر رہی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو، تو تمھارا کیا خیال ہے کہ اس کے جسم پر کوئی میل باقی رہے گی؟‘‘ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ’’نہیں‘‘ فرمایا: ’’یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔‘‘[3]

(6) نیز فرمایا: «مَا مِنِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَا لَمْ يَأْتِ كَبِيرَةً، وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ»

’’[illegible] وضو، خشوع اور رکوع کا اہتمام [illegible] گناہ نہ کیا جائے اور یہ [illegible]

[illegible]

[1] [illegible] فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ [illegible] الإيمان، باب الأمر بقتال [illegible]
[2] [illegible] أفضل الأعمال، حديث: 85.
[3] [illegible] باب فضل الوضوء [illegible]
[illegible]

فرض، سنت اور نفل نمازیں ① **فرض نمازیں:** پانچ نمازیں فرض ہیں: فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَى الْعِبَادِ، مَنْ أَتٰى بِهِنَّ، لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ كَانَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ»

''پانچ نمازیں اللہ نے بندوں پر لکھ دی ہیں، جو ان کی پابندی کرتا ہے اور بے قدری کر کے انھیں ضائع نہیں کرتا، اللہ کا اس کے لیے وعدہ ہے کہ وہ اسے بہشت میں داخل کرے گا اور جو انھیں ادا نہیں کرتا، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وعدہ نہیں ہے، چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔''[1]

② **سنت نمازیں:** سنت نماز میں وتر، فجر کی دو رکعتیں، عیدین کی نماز، نماز کسوف اور نماز استسقاء داخل ہیں اور یہ سب سنت مؤکدہ ہیں۔ اور غیر مؤکدہ میں تحیۃ المسجد، فرائض کے ساتھ روزمرہ کی سنتیں وضو کے بعد دو رکعت، چاشت کی نماز، قیام رمضان اور قیام اللیل شامل ہیں۔❀

③ **نفل نماز:** نفل نماز میں دن، رات میں مذکورہ مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کے علاوہ پڑھی جانے والی نمازیں بھی داخل ہیں۔

شرائط نماز ✤ **شرائط فرضیت نماز:** ① اسلام: وجوب نماز کی شرطوں میں ایک اسلام ہے کیونکہ کافر پر نماز فرض نہیں ہے، اس لیے کہ نماز سے پہلے شہادتین کا اقرار ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ»

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑتا رہوں یہاں تک [illegible] معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم [illegible]''

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے [illegible]

❀ رسول اللہ ﷺ نے فرائض کے ساتھ [illegible] سنتیں ہیں۔ (الاثری)

[1] [صحیح] مسند أحمد: 5/315 [illegible]

الإيمان، باب: ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ [illegible] سَبِيلَهُمْ﴾ [illegible] حديث: 22.

«فَادْعُهُمْ إِلَى أَنْ يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ»

''ان کو دعوت دے کہ وہ اس بات کا اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ تیری یہ بات مان لیں تو انھیں بتا دے کہ اللہ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔''[1]

(2) عقل مند ہونا: اس لیے کہ پاگل پر نماز فرض نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ»

''تین انسان مرفوع القلم ہیں، سویا ہوا جاگنے تک، نابالغ بالغ ہونے تک اور پاگل عقل درست ہونے تک۔''[2]

(3) بالغ ہونا: اس لیے کہ نابالغ بچے پر نماز فرض نہیں ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ سے معلوم ہے، البتہ تعلیم وتربیت کے لیے بچے کو استحباباً سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ، وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»

''اپنی اولاد کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں، نماز کا حکم کرو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز کے لیے سرزنش کرو اور ان کے سونے کے بستر الگ کر دو۔''[3]

(4) وقت کا داخل ہونا: اس لیے کہ وقت سے پہلے نماز فرض نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ۝

''بے شک نماز ایمان والوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔''[4]

اور اس لیے بھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر نبی ﷺ کو اوقات نماز کی تعلیم دی اور فرمایا: ''(اے محمد!) اٹھیں اور (ظہر کی) نماز پڑھیں۔'' چنانچہ آپ نے سورج ڈھلنے پر ظہر کی نماز پڑھی، پھر عصر کے وقت آ کر فرمانے لگے: ''اٹھیں اور نماز پڑھیں'' چنانچہ آپ نے جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہوا، عصر کی نماز پڑھی، پھر مغرب کے وقت آ کر فرمانے

1 صحيح البخاري، الزكاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء...، حديث: 1496. 2 [صحيح] سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدًا، حديث: 4403، اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن ایک اور روایت صحیح سند سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ علی رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: «أما بلغك أن القلم قد وضع عن ثلاثة؟ عن المجنون حتى يفيق، وعن الصبي حتى يحتلم، وعن النائم حتى يستيقظ» (مسند علي بن الجعد، حديث: 741)، یہ قول حکماً مرفوع ہے۔ 3 [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، حديث: 495. 4 النسآء 4:103.

لگے: ''اٹھیں اور نماز پڑھیں'' چنانچہ آپ نے سورج غروب ہونے پر مغرب کی نماز پڑھی، پھر عشاء کے وقت آ کر کہنے لگے: ''اٹھیں اور نماز پڑھیں'' چنانچہ آپ نے سرخی کے غائب ہونے پر عشاء کی نماز پڑھی، پھر صبح صادق کے وقت آئے، پھر دوسرے دن ظہر کے وقت آ کر فرمانے لگے: ''اٹھیں اور نماز پڑھیں'' چنانچہ آپ نے جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہوا، ظہر کی نماز پڑھی، پھر عصر کے وقت آ کر کہنے لگے: ''اٹھیں اور نماز پڑھیں'' چنانچہ آپ نے جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہوا، عصر کی نماز پڑھی، پھر مغرب کے لیے پہلے دن کے وقت ہی میں آئے، پھر آدھی یا راوی کے بقول ایک تہائی رات ہونے پر عشاء کے لیے آئے اور نماز ادا کی، پھر اچھی طرح روشنی ہونے پر صبح کے لیے آئے اور نماز ادا کی اور پھر فرمایا: ''ان دو وقتوں کے درمیان (نمازوں کے) اوقات ہیں۔''[1]

(5) حیض ونفاس کے خون سے پاک ہونا: اس لیے کہ حیض اور نفاس والی عورت پر نماز فرض نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلَاةَ» ''جب تجھے ماہواری آ جائے تو نماز ترک کر دے۔''[2]

✽ **صحتِ نماز کی شرائط:** (1) طہارت: نماز کی صحت کے لیے شرط ہے کہ آدمی بے وضو نہ ہو، جنبی نہ ہو اور اس کے کپڑے، بدن اور جگہ پلید نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ» ''پاکیزگی کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔''[3]

(2) شرم گاہ کو چھپانا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ ''ہر مسجد (میں حاضری) کے وقت اپنے آپ کو مزین کر لیا کرو۔''[4]

لہٰذا ستر پوشی نہ ہو تو نماز صحیح نہیں ہوتی، اس لیے کہ کپڑوں کی زینت وہی ہے جس میں ستر ہو۔ مرد پر ناف سے لے کر دونوں گھٹنوں تک جسم کا ڈھانپنا ضروری ہے اور چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ عورت کے لیے سارا جسم ستر ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ» ''اللہ بالغ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا۔''[5]

نیز رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا عورت قمیص اور اوڑھنی میں بغیر تہبند کے نماز پڑھ سکتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا:

1 [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب في المواقيت، حديث: 393. اس کی سند حسن ہے، اسے ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ 2 صحيح البخاري، الوضوء، باب غسل الدم، حديث: 228، وصحيح مسلم، الحيض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، حديث: 333. 3 صحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، حديث: 224، و سنن أبي داود، الطهارة، باب فرض الوضوء، حديث: 59. 4 الأعراف 7:31. 5 [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب المرأة تصلي بغير خمار، حديث: 641- یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے اور امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔

«إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُورَ قَدَمَيْهَا»

''(ہاں جائز ہے) جب اس کی قمیص اتنی لمبی ہو کہ اس کے قدموں کے ظاہر کو ڈھانپ رہی ہو۔''[1]

③ قبلہ رخ ہونا: کیونکہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ''اور جہاں بھی ہو اسی (مسجد حرام) کی طرف منہ کرو۔''[2]

ہاں خوف یا بیماری یا اسی انداز کے کسی اور عذر کی بنا پر یہ شرط ساقط ہو جائے گی۔ جیسا کہ مسافر سواری کی پیٹھ پر بیٹھ کر نفل ادا کر سکتا ہے، خواہ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو یا کسی اور طرف، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا گیا کہ جب آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف آ رہے تھے تو آپ سواری پر نماز پڑھ رہے تھے، خواہ سواری کا رخ جدھر بھی ہوتا۔[3]

نماز کے فرائض، سنتیں، مکروہات ❊ فرائض نماز: ① صاحب طاقت پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا فرض ہے: اس لیے کہ کھڑا ہونے کی طاقت رکھنے والے کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ''اور اللہ کے لیے فرمانبردار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔''[4]

اور نبی ﷺ نے فرمایا: «صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ»

''کھڑے ہو کر نماز پڑھ، اگر طاقت نہیں تو بیٹھ کر، اگر پھر بھی طاقت نہیں تو پہلو پر لیٹ کر ہی نماز پڑھ۔''[5]

② نیت کرنا: یعنی دل میں ارادہ کرے کہ میں فلاں نماز ادا کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ''عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''[6]

③ تکبیر تحریمہ: یعنی ''اللہ اکبر'' کہنا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے

«مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ»

''نماز کی کنجی وضو ہے، اس کی تحریم تکبیر اور اس کی تحلیل سلام ہے۔''[7]

1 [illegible] 64 [illegible] 250/1، اس کی سند ضعیف ہے [illegible] جواز صلاۃ النافلۃ علی الدابۃ [illegible] فان لم تستطع فعلی جنب، حدیث: 1117 [illegible] 1، وصحیح مسلم، الإمارۃ [illegible] سے ثابت نہیں ہے۔
7 [illegible] یعنی نیت کے ساتھ تکبیر [illegible] سے حرام ہو گئے تھے حلال [illegible]

(4) قراءت سورۂ فاتحہ: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب"

''اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا۔''[1]

اور جو قرآن پاک میں ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو۔''[2]

اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان: "اذا قرأ فانصتوا"

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها في الحضر والسفر وما يجهر فيها وما يخافت، حديث: 756، یہ حدیث متواتر ہے۔ اکابر محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ سب نمازوں میں امام، مقتدی اور منفرد سب پر فاتحہ پڑھنا ضروری اور لازم ہے۔ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان کا مستدل ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ''التمهيد'' میں، کرمانی رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں اور قسطلانی نے بھی شرح بخاری میں، اس حدیث کا مفہوم یہی واضح کیا ہے کہ یہ حدیث منفرد، امام اور مقتدی سب کے لیے جہری اور سری نمازوں میں فاتحۃ الکتاب کو لازم قرار دیتی ہے۔ "قالوا: فهذا على عمومه في الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ لِأَنَّهُ لَمْ يَخُصَّ إِمَامًا مِنْ مَأْمُومٍ وَلَا مُنْفَرِدٍ قَالَهُ ابْنُ عبدالبر في التمهيد" (التمهيد لابن عبدالبر: 43/11) اور علامہ عبدالحی حنفی لکھنوی نے ''السعاية'' (ص: 303) میں لکھا ہے کہ قوی الاسناد حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ سے مقتدی کے لیے ''فاتحة الكتاب'' پڑھنا ثابت ہے، اس قول میں حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ سے وہ حدیث مراد ہے جس میں نماز صبح کی صراحت ہے، دیکھیے (جامع ترمذی) اور كتاب القراءة للبيهقي (ص: 47) میں صراحت ہے کہ "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب خلف الإمام" ''یعنی امام کے پیچھے جو فاتحۃ الکتاب نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہے۔'' جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في القراءة خلف الإمام، حديث: 311. (اگر زہری کے عنعنہ کو نظر انداز کیا جائے تو) اس کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث بھی مؤید ہے کہ حدیث صحیح بخاری مقتدی کو بھی شامل ہے، صحیح مسلم و موطأ امام مالک میں ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو نماز میں فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، پوری نہیں۔'' صحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب القراءة الفاتحة في كل ركعة ...، حديث: 395. ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ اگر میں امام کے پیچھے ہوں۔ تو فرمایا: ''آہستہ پڑھ'' پھر ایک حدیث سے استدلال کیا جس میں فاتحۃ الکتاب کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''نماز'' کہا ہے۔ اور یہ فاتحۃ الکتاب کے رکن نماز ہونے کی دلیل ہے۔ صحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، حديث: 395. متواتر احادیث مبارکہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے: كتاب القراءة للبيهقي، وجزء القراءة للبخاري، وتحقيق الكلام و توضيح الكلام وغيره. اور آیت قرآنی وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا ہجرت سے پہلے مکی دور میں نازل ہوئی ہے اور یہ مذکورہ حکم نزول آیت کے بعد مدینہ منورہ میں جاری ہوا۔ نیز فاتحۃ الکتاب آہستہ پڑھنا، استماع اور انصات کے منافی نہیں ہے اور حدیث "إذا قرأ فأنصتوا" صحيح مسلم، الصلاة، باب التشهد في الصلاة، حديث: 404. میں قراءت سے مراد حدیث مذکور کی بنا پر فاتحہ کے علاوہ کی قراءت ہے اور یہ ''انصات'' آہستہ پڑھنے کے منافی نہیں ہے، لہٰذا راجح مسلک یہی ہے کہ امام، مقتدی اور منفرد سب ام الکتاب کی قراءت کریں گے، جہری نماز ہو یا سری۔ والله اعلم بالصواب. (الاثری)

[2] الأعراف 7:204.

''جب وہ (امام) قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔''[1] سورت فاتحہ کے علاوہ قراءت کے بارے میں ہے۔

(5) رکوع کرنا اور رکوع سے سر اٹھانا: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جس نے نماز درست نہیں پڑھی تھی، فرمایا تھا: «ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا»

''رکوع اطمینان کے ساتھ کر، پھر سر اٹھا اور سیدھا کھڑا ہو جا۔''[2]

(6) سجدہ کرنا اور سجدے سے سر اٹھانا: اس لیے کہ رسول اللہ نے نماز درست نہ پڑھنے والے کو فرمایا تھا:

«ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا»

''پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر اور سر اٹھا اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جا۔''[3] اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱرْكَعُوا۟ وَٱسْجُدُوا۟ ''اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو۔''[4]

(7) رکوع، سجدہ، قیام اور جلسہ میں اطمینان کو ملحوظ رکھنا: جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ان مواقع پر «مسيءُ الصَّلاة» (درست نماز نہ پڑھنے والے) کے لیے «حَتّٰى تَطْمَئِنَّ» کا حکم ہے کہ اطمینان سے پڑھ۔ اطمینان کی حقیقت یہ ہے کہ رکوع، قیام، سجدہ اور جلسہ میں اعضاء کے استقرار کے بعد اتنی دیر ٹھہرے کہ کم از کم ایک بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ» کہہ لے۔ اس سے زائد ٹھہرنا مسنون ہے۔

(8) سلام اور سلام کے لیے بیٹھنا: اس لیے کہ نمازی سلام کہے بغیر نماز سے فارغ نہیں ہو سکتا، نیز سلام بیٹھے بیٹھے ہی کہے گا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ» ''اور نماز کی 'تحلیل' سلام ہے۔''[5]

(9) نماز کے ارکان میں ترتیب کو ملحوظ رکھنا: تکبیر تحریمہ سے پہلے نمازی سورۂ فاتحہ نہیں پڑھ سکتا اور نہ رکوع سے پہلے سجدہ کر سکتا ہے، اس لیے کہ نماز کی کیفیت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی کی تعلیم دی ہے، چنانچہ آپ کا فرمان ہے:

«صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي» ''اس طرح نماز پڑھو، جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔''[6]

لہٰذا نماز میں کوئی مقدم رکن، مؤخر نہیں کیا جا سکتا اور نہ مؤخر کو مقدم کرنا جائز ہے، ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

✻ **نماز کی سنتیں:** نماز میں سنتیں دو طرح کی ہیں، مؤکدہ جو واجب کے حکم میں ہیں اور غیر مؤکدہ جو مستحب کے درجہ میں ہیں۔

---

1 صحيح مسلم، الصلاة، باب التشهد في الصلاة، حديث:404. 2 صحيح البخاري، الأذان، باب أمر النبي ﷺ الذي لا يتم ركوعه بالإعادة، حديث:793. 3 صحيح البخاري، الأذان، باب أمر النبي ﷺ الذي لا يتم ركوعه بالإعادة، حديث: 793. 4 الحج 22:77. 5 [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب فرض الوضوء، حديث:61 اسے امام بغوی وغیرہ نے حسن کہا ہے۔ 6 صحيح البخاري، الأذان، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة...، حديث:631.

مؤکدہ سنتیں: (1) فجر کی نماز اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد کوئی مکمل سورت یا قرآن پاک کی ایک دو آیات تلاوت کرنا۔ چنانچہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحۃ الکتاب اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف ام الکتاب (سورۂ فاتحہ) اور کبھی کبھی کوئی آیت اونچی آواز سے پڑھ لیتے تھے۔[1]

(2) امام اور منفرد کا «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» اور مقتدی کا صرف «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» کہنا۔ اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے پیٹھ اٹھاتے ہوئے «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہتے، پھر کھڑے ہو کر «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» کہتے۔[2]

اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب امام «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے تو تم «اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» کہو۔''[3]

(3) رکوع میں تین بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ» اور سجدہ میں تین بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى» کہنا۔ اس لیے کہ جب آیت مبارکہ ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ ''اپنے رب عظیم کی تسبیح بیان کرو۔'' نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رکوع میں اس کی تعمیل کرو'' اور جب آیت مبارکہ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ ''اپنے اعلیٰ رب کی تسبیح بیان کرو'' نازل ہوئی تو فرمایا: ''سجدہ میں اس کے مطابق ذکر کرو۔''[4]

(4) سجدے کو جاتے وقت اور سجدے سے جلسہ یا قیام یا تشہد کی طرف منتقل ہوتے وقت تکبیر «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہنا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے ان مواقع میں یہ ثابت ہے۔[5]

(5) پہلا اور دوسرا تشہد اور ان کے لیے بیٹھنا بھی واجبات میں شمار ہے۔

(6) الفاظ تشہد پڑھنا جو کہ یہ ہیں: «اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» ''(میری) تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام، اللہ کی رحمت

1. صحيح البخاري، الأذان، باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب، حديث: 776، وصحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر، حديث: 451. 2. صحيح البخاري، الأذان، باب ما يقول الإمام ومن خلفه إذا رفع رأسه من الركوع، حديث: 795، وصحيح مسلم، الصلاة، باب إثبات التكبير في كل خفض ورفع في الصلاة......، حديث: 392 واللفظ له.
3. صحيح مسلم، الصلاة، باب التشهد في الصلاة، حديث: 404. مقتدی «سمع الله لمن حمده» بھی کہہ سکتا ہے۔ 4. [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب ما يقول الرجل في ركوعه وسجوده، حديث: 869، اسے امام ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔
5. صحيح البخاري، الأذان، باب يهوي بالتكبير حين يسجد، حديث: 803.

اور اس کی برکات ہوں، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر (بھی) سلامتی ہو، میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اقرار کرتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''[1]

(7) جہری نمازوں، یعنی مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں اور نماز فجر (کی دونوں رکعتوں) میں جہری قراءت کرنا اور باقی رکعات میں آہستہ تلاوت کرنا۔

(8) سری نمازوں میں آہستہ قراءت کرنا: یہ فرض نمازوں کے لیے حکم ہے۔ نوافل میں آہستہ قراءت کرنا، اگر وہ نوافل دن کے وقت پڑھ رہا ہو، سنت ہے۔ اگر رات کے وقت پڑھے تو جہری پڑھے گا، الّا یہ کہ اونچی آواز سے قراءت کرنے میں کسی کو تکلیف کا خطرہ ہے تو پھر آہستہ قراءت کرنا مسنون ہے۔

(9) آخری تشہد میں (التحیات) کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درج ذیل درود پڑھنا:

«اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ»

''اے اللہ! محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر رحم وکرم فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر رحمت فرمائی تھی یقیناً تو ستائش وشان والا ہے۔ اے اللہ! محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر برکت فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر برکت فرمائی تھی۔ یقیناً تو ستائش وشان والا ہے۔''[2]

❋ غیر مؤکدہ امور: (1) دعائے استفتاح:

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ»

''اے اللہ! تو پاک ہے (میں) تیری تعریف کرتا ہوں، تیرا نام برکت والا ہے، تیری عظمت بلند و بالا ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔''[3]

---

1 صحيح البخاري، الأذان، باب التشهد في الآخرة، حديث: 831، وصحيح مسلم، الصلاة، باب التشهد في الصلاة، حديث: 402. 2 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب، حديث: 3370. مؤلف کی اصطلاح میں یہ سنت مؤکدہ واجب کے حکم میں داخل ہے۔ (الاثری) 3 صحيح مسلم، الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة، حديث: 399، یہ دعا عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے۔ اس کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ سے اس موقع پر ادعیہ واذکار مبارکہ ثابت ہیں، مثلاً: «اَللّٰهُمَّ! بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰهُمَّ! نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ! اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ» ''اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان مشرق ومغرب جتنی دوری ڈال دے، اے اللہ! مجھے گناہوں سے ایسے صاف کر دے، جس طرح سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے، اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی،◄◄

(2) پہلی رکعت میں "تعوذ" اور ہر رکعت میں آہستہ بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝﴾

"جب تو قرآن پڑھے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ۔"[1]

(3) تکبیر تحریمہ، رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت، کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھانا (رفع الیدین کرنا) اور اسی طرح دوسری رکعت سے اٹھتے وقت بھی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَامَ لِلصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُونَا بِحَذْوِ مَنْكِبَيْهِ، ثُمَّ كَبَّرَ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ»

"نبی ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھا کر «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہتے، پھر جب رکوع کا ارادہ کرتے تو اسی طرح اٹھاتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو بھی اسی طرح رفع الیدین کرتے۔"[2]

«وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ»

"اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو رفع الیدین کرتے۔"[3]

پھر فرماتے: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ»

"اللہ نے اس کی (دعا) سن لی جس نے اس کی حمد کی، اے ہمارے رب! اور تیرے ہی لیے تعریف ہے۔"[4]

(4) قراءت "فاتحۃ الکتاب" کے بعد آمین کہنا۔ کیونکہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝﴾ پڑھتے تو اونچی آواز سے آمین کہتے۔[5]

اور اس لیے بھی کہ آپ کا فرمان ہے: «إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝﴾ فَقُولُوا: آمِينَ، فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

"جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝﴾ پڑھے تو تم آمین کہو، جس کی آواز فرشتوں کی آواز کے موافق ہوگئی، اس کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔"[6]

◄◄ اولوں اور برف کے ساتھ دھو دے۔" صحیح البخاري، الأذان، باب ما يقول بعد التكبير، حديث: 744، وصحيح مسلم، المساجد، باب مايقال بين تكبيرة الإحرام والقراءة، حديث: 598. (1) النحل 16:98. (2) صحيح البخاري، الأذان، باب رفع اليدين إذا كبر وإذا ركع وإذا رفع، حديث: 736، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب رفع اليدين..... حديث: 390، واللفظ له. (3) صحيح البخاري، الأذان، باب رفع اليدين إذا قام من الركعتين، حديث: 739. (4) صحيح البخاري، الأذان، باب رفع اليدين في التكبيرة الأولى مع الافتتاح سواءً، حديث: 735. (5) [صحيح] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في التأمين، حديث: 248، امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آمین بالجہر متواتر ہے، التمييز للإمام مسلم: 17/1. (6) صحيح البخاري، ◄◄

(5) صبح کی نماز میں لمبی، عصر و مغرب میں مختصر اور عشاء وظہر میں درمیانی قراءت کرنا۔ اس لیے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''صبح کی نماز میں طوال مفصل (سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک) اور ''ظہر'' میں اوساط مفصل (سورۂ بروج سے سورۂ بینہ تک) اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ﴾ سے آخر تک) پڑھو۔''[1]

(6) دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں یہ دعا پڑھنا: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَاجْبُرْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي»

''اے میرے اللہ! مجھے معاف کر دے، مجھ پر رحم فرما، میرے نقصان پورے کر دے، مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق عطا فرما۔''[2]

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے۔

(7) صبح کی آخری رکعت یا وتر کی رکعت میں قراءت کے بعد یا رکوع سے سر اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں: «اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّمَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، (وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ)، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ»

''اے اللہ! مجھے ہدایت کی راہ دکھا کر ان لوگوں میں شامل فرما، جنھیں تو نے ہدایت نصیب فرمائی ہے اور مجھے عافیت دے کر ان لوگوں میں شامل فرما، جنھیں تو نے عافیت سے نوازا ہے اور مجھے (اپنا) دوست بنا کر ان لوگوں میں شامل فرما، جنھیں تو نے (اپنا) دوست بنایا ہے اور جو تو نے مجھے عطا کر رکھا ہے اس میں مجھے برکت عطا فرما۔ اور جو تو نے (برا) فیصلہ کر رکھا ہے اس کے شر سے مجھے بچا لے۔ اس لیے کہ تو فیصلے فرماتا ہے تجھ پر فیصلہ لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ کہ جس سے تو دوستی لگا لے وہ کبھی رسوا نہیں ہوتا اور جسے تو دشمن بنا لے وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا۔ اے ہمارے رب! تو بابرکت اور بلند مقام والا ہے۔''[3]

اسی طرح یہ دعا بھی ثابت ہے: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ

◀◀ الأذان، باب جهر المأموم بالتأمين، حديث: 782، وصحيح مسلم، الصلاة، باب التسميع والتحميد والتأمين، حديث: 410. [1] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في القراءة في صلاة الصبح، حديث: 307,306. اس کی اسانید سنن ترمذی میں نہیں ہیں بلکہ نصب الرایہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ [2] [إسناده ضعيف] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما يقول بين السجدتين، حديث: 284، وقال غريب. اس کی سند حبیب بن ابی ثابت کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جبکہ حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے، شیخ البانی بھی اسے ثابت مانتے ہیں۔ امام مکحول تابعی اس مقام میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ المصنف لابن أبي شيبة: 534/2. صحیح یہ ہے کہ سجدوں کے درمیان «رَبِّ اغْفِرْلِي، رَبِّ اغْفِرْلِي» دعا پڑھنی چاہیے۔ سنن أبي داود، الصلاة، باب مايقول الرجل في ركوعه و سجوده، حديث: 874. [3] سنن أبي داود، الصلاة، باب القنوت في الوتر، حديث: 1425.

وَأَعُوذُبِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ»

''اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضا کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ اور تیری سزا سے تیری بخشش کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ تیری سزا سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں میں تجھ پر تیری حمد وثنا کو شمار نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔''[1]

(8) آپ جس انداز❀ پر بیٹھتے تھے، اسی طرح بیٹھنا، یعنی بیٹھنے کے جملہ مواقع میں بائیں پاؤں پر بیٹھنا اور دایاں پاؤں کھڑا رکھنا اور آخری تشہد کے موقع پر سرین پر بیٹھنا اور بایاں پاؤں دائیں پنڈلی کے نیچے سے نکالنا اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر انگلیاں پھیلا کر رکھنا اور دائیں ہاتھ کی ساری انگلیاں بند کرنا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ تشہد میں بیٹھتے تو دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور (دائیں ہاتھ کی) شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے، اس حالت میں نگاہ اشارہ سے آگے متجاوز نہ ہوتی تھی۔[2]

(9) سینے پر دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھنا۔ صحابی حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلَاةِ»

''لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ ⊙ بائیں کلائی پر رکھیں۔''[3]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِرَجُلٍ وَّهُوَ يُصَلِّي وَقَدْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلَى الْيُمْنٰى فَانْتَزَعَهَا وَوَضَعَ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى»

''رسول اللہ ﷺ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے، جو اپنا بایاں ہاتھ دائیں پر رکھ کر نماز پڑھ رہا تھا تو آپ نے اس کا ہاتھ کھینچ کر دایاں ہاتھ بائیں پر کر دیا۔''[4]

❀ بیٹھنے کی مذکورہ کیفیت میں بروایت ابوحمید رضی اللہ عنہ مروی ہے، کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں آگے کرتے اور دوسرا (دایاں) کھڑا کرتے اور سرین پر بیٹھ جاتے۔ یہ کیفیت ابوحمید رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے سامنے بیان کی تھی، جس کی انھوں نے تصدیق کی۔ (مؤلف) ⊙ قیام میں سیدھا کھڑا ہونا ضروری ہے، دایاں ہاتھ بائیں کلائی (ہتھیلی سے لے کر کہنی تک) پر رکھیں تو ہاتھ آسانی سے سینہ پر آتے ہیں، لہٰذا یہی مسنون ہے۔ اس کیفیت میں ہاتھ ناف کے نیچے تک نہیں جاتے۔ (الاثری)

(1) [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب القنوت في الوتر، حديث:1427، اسے امام ترمذی نے حسن اور امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے، صبح کی آخری رکعت میں قنوتِ نازلہ پڑھنا ثابت ہے اور وتر میں بھی۔ جامع ترمذی، سنن ابی داود اور سنن نسائی وغیرہ کتب احادیث میں اس حوالے سے حدیثیں موجود ہیں۔ صحيح البخاري، الوتر، باب القنوت قبل الركوع و بعده، حديث:1001. (مؤلف) (2) صحيح مسلم، الصلاة، باب صفة الجلوس في الصلاة...... حديث:580,579. (3) صحيح البخاري، الأذان، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة، حديث:740. (4) [حسن] مسند أحمد: 381/3، اس ◄◄

⑩ سجدے میں دعا کرنا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَلَا! وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا، وَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ، وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ، فَقَمِنٌ ـ حَقِيقٌ ـ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ»

''سنو! مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع یا سجدے میں قرآن کی قراءت کروں، رکوع میں رب تعالیٰ کی تعظیم بیان کرو اور سجدے میں دعا کی کوشش کرو، تمھارے لیے قبولیت کی پوری توقع ہے۔''[1]

⑪ آخری تشہد میں درود کے بعد ان کلمات مبارکہ کے ساتھ دعا کرنی چاہیے: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ»

''اے اللہ! میں عذاب جہنم، عذاب قبر، آزمائش حیات وممات اور فتنۂ مسیح دجال سے تیری حفاظت کا طلب گار ہوں۔''[2]

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جب تم میں سے کوئی ایک آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو (مندرجہ بالا) چار چیزوں سے اللہ کی پناہ کی درخواست کرے۔''[3]

⑫ دائیں اور بائیں طرف «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ» کہنا، اس لیے کہ نبی ﷺ دائیں اور بائیں طرف منہ کر کے سلام پھیرا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے رخسار کی سفیدی مقتدیوں کو نظر آتی تھی۔[4]

⑬ سلام کے بعد درج ذیل احادیث کے مطابق ذکر ودعا کرنا۔

ایک بار «اَللّٰهُ أَكْبَرُ»[5]

ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار «أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ» ''میں اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں'' کہتے۔ پھر فرماتے: «اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ»

''اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے، اے جلالت وعزت کے مالک! تو برکت والا ہے۔''[6]

◄◄ حدیث کے شواہد بھی ہیں، دیکھیے: سنن أبي داود، حديث: 755، وسنن النسائي، حديث: 889. [1] صحيح مسلم، الصلاة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود، حديث: 479. [2] صحيح مسلم، المساجد، باب ما يستعاذ منه في الصلاة، حديث: 588. [3] صحيح مسلم، المساجد، باب ما يستعاذ منه في الصلاة، حديث: 588. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب في السلام، حديث: 996. [5] صحيح البخاري، الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، حديث: 842,841. وصحيح مسلم، المساجد، باب الذكر بعد الصلاة، حديث: 583. [6] صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة......، حديث: 591.

معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

«يَا مُعَاذُ! إِنِّي لَأُحِبُّكَ .... أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ! لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ أَنْ تَقُولَ: اَللّٰهُمَّ! أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»

''اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے، میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ کسی نماز کے بعد یہ کلمات کہنا نہ چھوڑنا۔ اے اللہ! اپنے ذکر، شکر اور اچھی عبادت کے لیے میری مدد کر۔''[1]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ ذکر کرتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»

''ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے اور تعریف بھی اسی کے لیے ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جو تو دے، اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روک دے، اسے کوئی دے نہیں سکتا اور کسی بڑے کو اس کی بڑائی تیری گرفت سے نہیں بچا سکتی۔''[2]

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ہر نماز کے بعد ''آیۃ الکرسی'' پڑھتا ہے، مرنے کے بعد وہ بہشت میں داخل ہوگا۔''[3]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ہر نماز کے بعد 33 بار «سُبْحَانَ اللّٰهِ»، 33 بار «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» اور 33 بار «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہے اور ایک بار «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ» کہے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے، چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی ہوں۔''[4]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ»

[1] [صحيح] مسند أحمد: 245/5، و سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار، حديث: 1522، والمستدرك للحاكم: 273/1، اسے امام ابن حبان، ابن خزیمہ، امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ [2] صحيح البخاري، الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، حديث: 844. [3] [حسن] السنن الكبرٰى للنسائي: 30/6، حديث: 9928. [4] صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة......، حديث: 597.

''اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ پکڑتا ہوں اور بزدلی سے تیری پناہ پکڑتا ہوں اور یہ کہ میں رذیل عمر میں ڈال دیا جاؤں، اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں اور دنیا کی آزمائش اور عذاب قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔''[1]
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ دعا اپنے بچوں کو بھی سکھاتے تھے۔[2]

❁ **نماز میں ناپسندیدہ امور:** (1) **نماز میں سر کو ادھر ادھر پھیرنا یا آنکھ سے ادھر ادھر دیکھنا:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «هُوَ اخْتِلَاسٌ يَّخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ»
''یہ ایک جھپٹ ہے، جو شیطان بندے کی نماز پر مارتا ہے۔''[3]

(2) **آسمان کی طرف دیکھنا:** اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَّرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ، لَيَنْتَهِيَنَّ عَنْ ذٰلِكَ، أَوْلَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ»
''جو لوگ نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں، وہ اس کام سے رک جائیں یا پھر ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔''[4]

(3) **پہلو (کوکھ) پر ہاتھ رکھنا:** اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلوؤں پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔[5]

(4) **لٹکے ہوئے بالوں، آستین یا کپڑوں کو سمیٹنا اور درست کرنا:** کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَّلَا أَكُفَّ ثَوْبًا وَّلَا شَعْرًا»
''مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ میں کپڑے یا بالوں کو نہ سمیٹوں۔''[6]

(5) **انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کرنا اور انھیں چٹخانا:** اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اس طرح کرتے دیکھا تو فرمایا: «لَا تُفَقِّعْ أَصَابِعَكَ وَأَنْتَ فِي الصَّلَاةِ» ''نماز میں اپنی انگلیوں کو نہ چٹخا۔''[7]

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب التعوذ من البخل، حديث: 6370. [2] صحيح البخاري، الجهاد و السير، باب ما يتعوذ من الجبن، حديث: 2822. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب الالتفات في الصلاة، حديث: 751. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب رفع البصر إلى السماء في الصلاة، حديث: 750. [5] صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب الخصر في الصلاة، حديث: 1220,1219، و صحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الاختصار في الصلاة، حديث: 545. [6] صحيح البخاري، الأذان، باب: لايكف ثوبه في الصلاة، حديث: 816، وصحيح مسلم، الصلاة، باب أعضاء السجود......، حديث: 490 واللفظ له. [7] [ضعيف] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ما يكره في الصلاة، حديث: 965، اس کی سند حارث الاعور کی وجہ سے ضعیف ہے۔

⑥ سجدے کی جگہ پر ایک سے زیادہ بار کنکریوں پر ہاتھ پھیرنا: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:
«إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى، فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ»
''جب تم سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو کنکریوں کو نہ چھوئے، اس لیے کہ رحمت اس (نمازی) کے سامنے ہوتی ہے۔''[1]
نیز آپ کا فرمان ہے: «إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً» ''اگر تو نے ایسا کرنا ہی ہے تو ایک بار کر۔''[2]

⑦ کوئی ایسا بے فائدہ کام کرنا، جو نماز کے خشوع میں مخل ہو، مثلاً: لباس یا داڑھی کے بالوں کو ہاتھ لگاتے رہنا یا جائے نماز اور دیواروں کے رنگوں اور ڈیزائنوں کو دیکھتے رہنا وغیرہ۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ» ''نماز میں سکون اختیار کرو۔''[3]

⑧ رکوع یا سجدے میں تلاوت قرآن کرنا: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا»
''مجھے رکوع یا سجدے میں قراءت قرآن سے منع کیا گیا ہے۔''[4]

⑨ پاخانہ یا پیشاب کو روکے رکھنا:

⑩ اسی طرح کھانے کی موجودگی میں نماز شروع کر دینا: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:
«لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ»
''کھانے کی موجودگی اور پاخانہ و پیشاب کی حاجت میں نماز جائز نہیں ہے۔''[5]

⑪ تشہد میں ایڑیوں پر بیٹھنا اور سجدے میں بازو زمین پر بچھا دینا: اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:
«وَكَانَ (رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ) يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ، وَيَنْهٰى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ»
''رسول اللہ ﷺ شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا کرتے تھے (ایڑیوں پر بیٹھنے) اور اس سے بھی روکا کرتے تھے کہ انسان (سجدے) میں اپنے بازو درندے کی طرح زمین پر بچھا دے۔''[6]

① [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب مسح الحصا في الصلاة، حديث: 945، و جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في كراهية مسح الحصٰى في الصلاة، حديث: 379 واللفظ له. ② صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب مسح الحصٰى في الصلاة، حديث: 1207، وصحيح مسلم، المساجد، باب كراهة مسح الحصٰى ......، حديث: 546. ③ صحيح مسلم، الصلاة، باب الأمر بالسكون في الصلاة ......، حديث: 430. ④ صحيح مسلم، الصلاة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود، حديث: 479. ⑤ صحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام ......، حديث: 560. ⑥ صحيح مسلم، الصلاة، باب ما يجمع صفة الصلاة ......، حديث: 498.

✽ **نماز کو باطل کرنے والی چیزیں:** (1) نماز کا کوئی رکن چھوٹ جائے، بشرطیکہ نماز میں یا نماز کے فوراً بعد اس کا تدارک نہ کرے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جس نے آپ کے سامنے نماز پڑھی اور اطمینان واعتدال کو، جو کہ رکن نماز ہے، ترک کیا تو آپ نے فرمایا:

«اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» ''واپس جا، نماز پڑھ، اس لیے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔''[1]

(2) نماز میں کھانا یا پینا یا کسی سے کوئی بات کرنا: اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا» ''بے شک نماز میں (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) مصروفیت ہوتی ہے۔''[2]

(3) اصلاحِ نماز کے علاوہ کوئی اور بات کرنا: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝﴾ ''اور اللہ کے لیے فرماں بردار (خاموش) ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ»

''بے شک نماز میں لوگوں کی باتوں میں سے کوئی چیز جائز نہیں ہے۔''[4]

البتہ اصلاحِ نماز کے لیے حسب ضرورت اس انداز میں بولنا درست ہے، مثلاً: امام سلام کے بعد اگر مقتدیوں سے دریافت کرے کہ نماز پوری ہوگئی ہے تو اس کے بولنے سے نماز خراب نہیں ہوگی یا امام کو غلطی لگ رہی ہے تو مقتدی اسے قراءت کر کے بتا دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے دوران کلام فرمائی اور ذوالیدین رضی اللہ عنہ بھی بولے اور ان کی نماز باطل نہیں ہوئی تھی، ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز میں قصر (کمی) ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز میں کوئی کمی ہوئی ہے۔''[5]

(4) کھلکھلا کر ہنسنا: البتہ مسکرانے سے نماز باطل نہیں ہوگی، اس لیے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قہقہہ سے نماز باطل ہو جاتی ہے بلکہ بعض علماء تو اس سے وضو کے ٹوٹنے کے بھی قائل ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

«لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْكَشْرُ وَلٰكِنْ تَقْطَعُهَا الْقَهْقَهَةُ»

''مسکراہٹ نماز کو نہیں توڑتی، البتہ قہقہہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔''[6]

(1) صحيح البخاري، الأذان، باب أمر النبي ﷺ الذي لا يتم ركوعه بالإعادة، حديث: 793. (2) صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب ماينهى من الكلام في الصلاة، حديث: 1199، وصحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة......، حديث: 538. (3) البقرة 2:238. (4) صحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة......، حديث: 537. (5) صحيح البخاري، السهو، باب يكبر في سجدتي السهو، حديث: 1229، وصحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة......، حديث: 573. (6) [ضعيف] المعجم الصغير للطبراني: 185/2، حديث: 999، اس کی سند کئی وجہ سے ضعیف ہے۔

⑤ کسی کام میں زیادہ مشغولیت جو عبادت کے منافی ہونے اور دل واعضاء کے نماز کے علاوہ کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز کے باطل ہونے کا باعث ہو، ہاں معمولی کام، جیسا کہ پگڑی درست کرنا یا صف کو درست کرنے کے لیے آگے پیچھے ہونا یا ایک ہی بار کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھانا، اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کی امامت کراتے ہوئے امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو اٹھایا اور نیچے اتارا تھا۔[1]

❁ نماز میں نمازی کے لیے کون سی چیزیں جائز ہیں؟ ① کوئی معمولی ضروری عمل: اس لیے کہ صحیح حدیث میں اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے ہے۔[2]

② اضطراری حالت میں کھانسنا۔

③ صف بندی میں درستی کرنا، یعنی امام کی جہت میں دوسرے مقتدی کو کھینچنا یا آگے پیچھے کرنا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بائیں طرف سے دائیں طرف کر دیا تھا، جبکہ وہ آپ ﷺ کے پہلو میں رات کو نماز تہجد پڑھ رہے تھے۔[3]

④ جمائی لینا اور منہ پر ہاتھ رکھنا۔

⑤ امام قراءت بھول جائے تو اسے بتانا یا ''سہو'' کی صورت میں «سُبْحَانَ اللّٰهِ» کہنا۔ اس لیے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ نَّابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ: سُبْحَانَ اللّٰهِ»

''جس کو نماز میں کوئی عارضہ لاحق ہو جائے (بھول وغیرہ ہو جائے) تو وہ «سُبْحَانَ اللّٰهِ» کہے۔''[4]

⑥ آگے سے گزرنے والے کو ہٹانا، روکنا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى شَيْءٍ يَّسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَّجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ، فَإِنْ أَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ»

''تم میں سے کوئی جب ''سترہ'' کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی اس کے آگے سے گزرنا چاہے تو وہ

① صحيح البخاري، الصلاة، باب اذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، حديث: 516، وصحيح مسلم، المساجد، باب جواز حمل الصبيان......، حديث: 543. ② صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب مسح الحصٰى في الصلاة، حديث: 1207. ③ صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب استعانة اليد في الصلاة إذا كان من أمر الصلاة، حديث: 1198، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبيﷺ بالليل و دعائه بالليل، حديث: 763. ④ صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب رفع الأيادي في الصلاة لأمر ينزل به، حديث: 1218، وصحيح مسلم، الصلاة باب تقديم الجماعة......، حديث: 421، البتہ عورت سبحان اللہ نہیں کہے گی بلکہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے گی وضاحت صحیحین کی اسی حدیث میں دیکھیے۔ (ع،ر)

اسے روک دے، اگر انکار کرے تو وہ اس سے لڑائی کرے، اس لیے کہ وہ شیطان ہے۔‘‘[1]

⑦ دورانِ نماز اگر سانپ یا بچھو آ جائے تو اسے قتل کر دے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أُقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ، اَلْحَيَّةَ، وَالْعَقْرَبَ»

’’نماز میں دو سیاہ چیزوں، سانپ اور بچھو کو قتل کر دو۔‘‘[2]

⑧ اپنے ہاتھ کے ساتھ نمازی (حسب ضرورت) خارش کر سکتا ہے، اس لیے کہ یہ قابل معافی معمولی عمل ہے۔

⑨ اگر کوئی سلام کہے تو نمازی ہتھیلی سے اشارہ کر دے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کیا تھا۔[3]

سجدۂ سہو کا بیان نماز میں رکعت یا سجدہ یا کوئی اور رکن بھول کر زائد ہو جائے تو نمازی اس غلطی کو دور کرنے کے لیے نماز مکمل کر کے دو سجدے کرے اور پھر سلام پھیرے۔ اسی طرح اگر نماز کی سنن مؤکدہ میں سے کوئی چیز رہ جائے تو سلام سے پہلے ’’سجدۂ سہو‘‘ کرے، مثلاً: درمیان کا تشہد چھوٹ جائے اور بالکل یاد نہ آئے یا سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد نہ آئے تو تشہد کے لیے واپس نہ جائے بلکہ آخر میں سلام سے پہلے سجدہ کرے، اسی طرح اگر تشہد مکمل کرنے سے پہلے سلام پھیر دے اور پھر جلدی میں یاد آ جائے تو دوبارہ نماز کی تکمیل کرے اور سلام کے بعد سجدہ سہو کرے، ان احکام پر دلیل رسول اللہ ﷺ کا قول وفعل ہے۔

دو رکعت پر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا تھا تو آپ کو اطلاع دی گئی۔ آپ دوبارہ آئے نماز مکمل کی اور سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا۔[4]

ایک بار آپ تشہد کیے بغیر دوسری رکعت سے اٹھ گئے تو سلام سے پہلے ’’سجدۂ سہو‘‘ کیا[5] اور فرمایا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى؟ ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا؟ فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلّٰى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ، وَإِنْ كَانَ صَلّٰى إِتْمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ»

’’جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو شک سے قطع نظر کر کے یقین پر بنا

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب يرد المصلي من مرّ بين يديه، حديث: 509، وصحيح مسلم، الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، حديث: 505. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في قتل الأسودين في الصلاة، حديث: 390، وسنن أبي داود، الصلاة، باب العمل في الصلاة، حديث: 921 واللفظ له. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب ردالسلام في الصلاة، حديث: 925. [4] صحيح البخاري، السهو، باب يكبر في سجدتي السهو، حديث: 1229، وصحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة، حديث: 573. [5] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في سجدتي السهو قبل السلام، حديث: 391.

کرے اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے، اس صورت میں اگر اس نے واقعتاً پانچ رکعات پڑھی ہیں تو پانچویں رکعت اور دو سجدے (مل کر) اس کی نماز کو جفت بنا دیں گے۔ اگر پوری چار رکعتیں تھیں تو یہ سجدے شیطان کے لیے باعث تذلیل ہوں گے۔"[1]

امام کے پیچھے اگر مقتدی بھول جائے تو اکثر علماء کے نزدیک اس پر "سجدۂ سہو" نہیں ہے لیکن اگر امام بھول جائے تو مقتدی بھی اس کے ساتھ سجدہ کرے گا، اس لیے کہ امام کی متابعت ضروری ہے اور اس لیے بھی کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ مربوط ہے اور رسول اللہ ﷺ جب بھول گئے تو آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی "سجدۂ سہو" کیا تھا۔[2]

نماز کا طریقہ مسلمان باوضو ہو کر قبلہ رخ ہو اور اقامت کے بعد دل میں اس نماز کی نیت کر کے جو شروع کرنا چاہتا ہے، کندھوں یا کانوں کے برابر ہاتھ اٹھائے اور «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہہ کر نماز میں داخل ہو جائے۔ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھے، پھر دعائے استفتاح پڑھے۔ اس کے بعد آہستہ سے کہے: ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ اور ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اور پھر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرے ...... ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پڑھ کر آمین کہے اور پھر کوئی مکمل سورت یا جو آیات آسان ہوں، پڑھے اور پھر دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر تک اٹھائے اور «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہتا ہوا رکوع میں چلا جائے، دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ٹکائے اور پیٹھ سیدھی کرے، سر اونچا ہو نہ نیچا بلکہ کمر کے برابر ہو اور رکوع میں کم از کم تین بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيم» کہے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے ہوئے «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے اور سیدھا کھڑا ہو جائے اور یہ دعا پڑھے: «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ» اور پھر «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہتا ہوا سجدے کے لیے جائے اور سات اعضاء پر سجدہ کرے، یعنی چہرہ، دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔ ماتھا اور ناک زمین پر ٹکے ہوئے ضروری ہیں اور کم از کم تین بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى» کہے۔ اس کے علاوہ سجدے کی دیگر مسنون دعاؤں میں سے بھی کوئی دعا پڑھ سکتا ہے، پھر سجدے سے «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہتے ہوئے اٹھے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے، دائیں کو کھڑا رکھے اور کہے: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَاجْبُرْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي» یا «رَبِّ اغْفِرْلِي، رَبِّ اغْفِرْلِي» کہے، پھر پہلے سجدے کی طرح دوسرا سجدہ کرے، پھر دوسری رکعت کے لیے اٹھ جائے اور اسی طرح کرے جیسا کہ اس نے پہلی رکعت میں کیا اور پھر تشہد

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة، حديث: 571. [2] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في سجدتي السهو قبل السلام، حديث: 391، وصحيح البخاري، السهو، باب يكبر في سجدتي السهو، حديث: 1230، وصحيح مسلم، مساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، حديث: 570.

کے لیے بیٹھے، اگر نماز دو رکعت والی ہو، مثلاً: صبح کی نماز تو تشہد اور درود اور دعائیں پڑھے اور پھر دائیں اور بائیں طرف منہ کر کے «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ» کہے۔

اور اگر نماز دو رکعت سے زائد والی ہے تو تشہد پڑھ کر تکبیر کہتے ہوئے کھڑا ہو جائے اور دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھائے۔ اور اوپر ذکر کیے گئے طریقے کے مطابق نماز مکمل کرے۔ البتہ آخری دو رکعات میں قیام میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے۔❀ اور آخری تشہد میں سرین پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے۔

اس حال میں کہ پاؤں کی انگلیوں کے بطون (نچلے حصے) زمین پر ٹکے ہوئے ہوں اور پھر تشہد میں درود پڑھے، پھر عذاب جہنم، عذاب نار، عذاب قبر، زندگی و موت کی آزمائشوں اور مسیح دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ چاہے، پھر دائیں طرف رخ پھیر کر «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ» کہے اور اسی طرح بائیں طرف بھی، چاہے دونوں طرف کوئی (انسان) نہ ہو۔

نماز باجماعت، امامت اور دیر سے آنے والے مقتدی کے احکام ❀ نماز باجماعت کے احکام:

﴿1﴾ **نماز باجماعت کا حکم:** ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے، بشرطیکہ اسے کوئی شرعی عذر نہ ہو۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَّلَا بَدْوٍ لَّا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ، فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ، فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ»

”جس شہر یا دیہی آبادی میں تین شخص رہتے ہوں اور ان میں جماعت کا انتظام نہ ہو تو ان پر شیطان غالب آ جاتا ہے، لہٰذا نماز باجماعت قائم کرو کیونکہ بھیڑیا ریوڑ میں سے الگ رہنے والی بھیڑ (یا بکری) کو کھا جاتا ہے۔“[1]

اور فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ لِّيُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ (لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ) فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ»

”مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر میں نماز کا حکم دوں تو نماز کے لیے اذان کہی جائے، پھر ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز

❀ آخری دو رکعات میں بھی سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھی جا سکتی ہے، یہ بھی احادیث سے ثابت ہے۔

[1] [صحيح] مسند أحمد: 196/5، 446/6، وسنن أبي داود، الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، حديث: 547، وسنن النسائي، الإمامة، باب التشديد في ترك الجماعة، حديث: 848، والمستدرك للحاكم: 246/1 و 482/2، 483، اسے امام ابن خزیمہ: 371/2، حدیث: 1486، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

پڑھائے اور میں ان لوگوں کا رخ کروں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے، پس ان کے گھروں کو جلا دوں۔''[1]

ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے مسجد میں لانے والا کوئی نہیں ہے، کیا مجھے اجازت ہے کہ مسجد میں نہ آؤں؟ آپ نے اسے اجازت مرحمت فرمائی مگر جب وہ جانے لگے تو بلا لیا اور فرمایا: ''کیا اذان سنتے ہو؟'' عرض کی: ہاں، فرمایا: ''تو پھر ضرور آؤ۔''[2]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی جماعت سے پیچھے نہیں رہتا تھا، سوائے منافق کے اور بیمار کو بھی دو انسان چلا کر لاتے تھے اور صف میں کھڑا کر دیتے تھے۔[3]

(2) **باجماعت نماز کی فضیلت:** شریعت میں نماز باجماعت کی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس پر اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِينَ دَرَجَةً»

''جماعت کے ساتھ نماز، اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ (ثواب رکھتی) ہے۔''[4]

اور فرمایا: «صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَمَاعَةٍ تَزِيدُ عَلٰى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَصَلَاتِهِ فِي سُوقِهِ بِضْعًا وَّعِشْرِينَ دَرَجَةً، وَذٰلِكَ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ لَا يَنْهَزُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ فَلَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَّحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي الصَّلَاةِ مَا كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ، وَالْمَلَائِكَةُ يُصَلُّونَ عَلٰى أَحَدِكُمْ مَّا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلّٰى فِيهِ، يَقُولُونَ: اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْهُ، اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ! تُبْ عَلَيْهِ، مَالَمْ يُؤْذِ فِيهِ، مَالَمْ يُحْدِثْ فِيهِ»

''آدمی کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، گھر اور بازار میں نماز پڑھنے سے بیس سے زیادہ درجے فضیلت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ ایک انسان جب اچھا وضو کرتا ہے اور صرف نماز کے لیے مسجد کا رخ کرتا ہے تو ہر قدم کے عوض اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے اور گناہ مٹا دیتا ہے اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد وہ جتنی دیر نماز کا انتظار کرتا ہے، نماز ہی میں شمار ہوتا ہے اور فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں، جب تک کہ وہ نماز کی جگہ بیٹھا رہتا ہے اور اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم کر،

(1) صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة، حديث: 644، وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة......، حديث: 651. (2) صحيح مسلم، المساجد، باب يجب إتيان المسجد......، حديث: 653 (3) صحيح مسلم، المساجد، باب صلاة الجماعة من سنن الهدى، حديث: 654. (4) صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، حديث: 645، وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة......، حديث: 649.

جب تک وہ بے وضو نہ ہو جائے۔''[1]

(3) **کم از کم جماعت:** دو آدمی اکٹھے ہو جائیں تو ایک امام بن جائے دوسرا مقتدی، یہی جماعت ہے، البتہ جماعت میں کثرت تعداد اللہ کی محبت کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«صَلَاةُ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ، وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ، وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى»

''اکیلے کی نماز سے دوسرے آدمی کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے اور دو کے ساتھ نماز پڑھنا ایک کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ جماعت میں جتنی زیادہ تعداد ہوگی اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔''[2]

جس شخص کا گھر مسجد سے دور ہے لیکن اس کے باوجود وہ نماز باجماعت پڑھنے کے لیے مسجد میں آتا ہے، اس کا اجر بہت بڑا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ أَعْظَمَ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ أَبْعَدُهُمْ إِلَيْهَا مَمْشًى»

''بے شک زیادہ ثواب نماز کا ان لوگوں کو حاصل ہو گا جو دور سے چل کر مسجد میں آتے ہیں۔''[3]

(4) **جماعت میں عورتوں کی شمولیت:** عورتیں بھی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے آ سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ» ''عورتوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو۔''[4]

البتہ وہ سادہ انداز میں آئیں اور خوشبو استعمال نہ کریں۔ اس لیے کہ خوشبو استعمال کر کے مسجد میں آنا، ان کے لیے حلال نہیں ہے۔[5] اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بُخُورًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ»

''عورت خوشبو استعمال کر کے ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں نہ آئے۔''[6]

نیز عورت کی نماز اپنے گھر میں زیادہ افضل ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(1) صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، حديث: 647، وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل الصلاة المكتوبة في جماعة ......، حديث: 649 بعد حديث: 661 واللفظ له. (2) [صحيح] مسند أحمد: 140/5، وسنن أبي داود، الصلاة، باب في فضل صلاة الجماعة، حديث: 554، وسنن النسائي، الإمامة، باب الجماعة إذا كانوا اثنين، حديث: 844، وصحيح ابن حبان، حديث: 429، والمستدرك للحاكم: 247/1. (3) صحيح مسلم، المساجد، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، حديث: 662. (4) صحيح البخاري، الجمعة، باب، حديث: 900، وصحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد......، حديث: 442. (5) [حسن] مسند أحمد: 297/2 و444 و461، وسنن أبي داود، الترجل، باب في طيب المرأة للخروج، حديث: 4174. (6) صحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد......، حديث: 444.

«وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ» ''اوران کے گھر، ان کے لیے بہتر ہیں۔''[1]

(5) **نماز کے لیے نکلنا اور چلنا:** مسجد میں جانے کے لیے جو گھر سے نکلتا ہے، اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنا دایاں پاؤں آگے بڑھائے اور کہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ»

''اللہ کے نام سے، میں اللہ پر توکل کرتا ہوں، کسی نیک کام کرنے کی قوت اور کسی برے کام سے رک جانے کی دسترس، اللہ کے سوا کسی سے حاصل نہیں ہے، اے اللہ! میں تیری حفاظت چاہتا ہوں کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں، پھسل جاؤں یا پھسلا دیا جاؤں، ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، جاہلانہ کلام کروں یا مجھ پر جاہلانہ وار کیا جائے۔''[2]

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا، فَإِنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشَرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا رِيَاءً وَّلَا سُمْعَةً، وَخَرَجْتُ اتِّقَاءَ سُخْطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ، فَأَسْأَلُكَ أَنْ تُعِيذَنِي مِنَ النَّارِ وَأَنْ تَغْفِرَلِي ذُنُوبِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ» اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَّفِي لِسَانِي نُورًا وَّفِي سَمْعِي نُورًا وَّفِي بَصَرِي نُورًا وَّمِنْ فَوْقِي نُورًا وَّمِنْ تَحْتِي نُورًا وَّعَنْ يَمِينِي نُورًا وَّعَنْ شِمَالِي نُورًا وَّمِنْ بَيْنِ يَدَيَّ نُورًا وَّمِنْ خَلْفِي نُورًا وَاجْعَلْ فِي نَفْسِي نُورًا، وَأَعْظِمْ لِي نُورًا»

''اے اللہ! میں مانگنے والوں کے حق اور میرے اس چلنے کے حق کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں، میں بڑائی اور تکبر، ریا اور شہرت کے لیے نہیں نکلا بلکہ تیری ناراضی سے بچنے کے لیے اور تیری رضا حاصل کرنے کے لیے نکلا ہوں۔ میرا سوال یہ ہے کہ مجھے آتش جہنم سے بچا اور میرے سارے گناہ معاف کر دے کہ تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا۔''[3] ''اے اللہ! میرا دل، میری زبان، میرا کان اور آنکھ نور سے بھر دے اور مجھے میرے

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد، حديث: 567. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الدعوات، باب ماجاء ما يقول إذا خرج من بيته، حديث: 3427,3426، وسنن أبي داود، الأدب، باب مايقول إذا خرج من بيته، حديث: 5095,5094، امام ترمذی نے حدیث: 3426 کو حسن اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے، جبکہ اس کی سند ابن جریج کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسی طرح حدیث: 3427 کو امام ترمذی نے حسن صحیح اور امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے، جبکہ اس کی سند میں عامر شعبی، ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور ان کا ان سے سماع ثابت نہیں ہے جبکہ شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [3] سنن ابن ◄◄

دائیں، بائیں اور اوپر نیچے اور آگے اور پیچھے روشنی عطا کر اور میرے سارے بدن کو نور بنا دے۔ اے اللہ! میرے لیے نور کو بڑھا دے۔''[1]

پھر اطمینان کے ساتھ اور پروقار طریقہ سے چلے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا»

''جب تم نماز کے لیے آؤ تو اطمینان کے ساتھ چلو، جتنی رکعات مل جائیں ادا کرو اور جو فوت ہو جائیں انھیں (بعد میں) پورا کرلو۔''[2] مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں آگے کرے اور یہ دعا پڑھے:

«أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ»

''عظمت والے اللہ کے نام سے اس کے مبارک چہرے اور اس کی قدیم سلطنت کی شیطان مردود کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کی آل پر درود وسلام بھیج، اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''[3]

اور تحیۃ المسجد (مسجد میں داخل ہونے کے بعد) کی دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتّٰى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔''[4]

ہاں، اگر سورج طلوع ہو رہا ہے یا غروب ہو رہا ہے تو بیٹھ جائے اور نماز نہ پڑھے،اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔[5]

اور جب مسجد سے نکلے تو بایاں پاؤں آگے رکھے اور داخل ہونے کے وقت کی دعا ہی پڑھے، البتہ اس میں

◄◄ ماجه، المساجد والجماعات، باب المشي إلى الصلاة، حديث: 778. اس کی سند عطیہ عوفی وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔
[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب الدعاء إذا انتبه من الليل، حديث: 6316، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث: 763 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب قول الرجل: فاتتنا الصلاة، حديث: 635، وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار وسكينة......، حديث: 603. [3] [صحيح] سنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب الدعاء عند دخول المسجد، حديث: 771، وسنن أبي داود، الصلاة، باب ما يقول الرجل عند دخوله المسجد، حديث: 466,465۔ تعوذ کی صراحت صرف ابوداود کی روایت میں ہے۔ [4] صحيح البخاري، التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، حديث: 1163، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد بركعتين......، حديث: 714. [5] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، حديث: 583.

«وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ» کے بجائے «وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ» کہے۔ یعنی ''اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔''[1]

امامت کا بیان ① **مردوں کی امامت:** اس پر اتفاق ہے کہ مردوں کا امام مرد ہی بنے گا، عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی۔

② **امامت کا زیادہ حق دار کون ہے؟** جماعت کی امامت کا سب سے زیادہ حق دار وہ شخص ہے جسے کتاب اللہ (قرآن مجید) دوسروں سے زیادہ یاد ہو، پھر سنت کا زیادہ عالم ہو، پھر جس نے ہجرت پہلے کی ہو، پھر وہ شخص جو اسلام لانے میں متقدم ہو اگر ان امور میں برابری ہے تو پھر وہ شخص جو عمر میں زیادہ ہو۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا (أَيْ إِسْلَامًا) وَفِي رِوَايَةٍ: أَكْبَرُهُمْ سِنًّا»

''لوگوں کی امامت وہ کرائے جو اللہ کی کتاب کا زیادہ حافظ ہو، اگر وہ قراءت میں برابر ہوں تو سنت کو زیادہ جاننے والا، اگر سنت کے علم میں برابر ہوں تو ہجرت میں سبقت لے جانے والا، اگر ہجرت میں برابر ہوں تو اسلام میں سبقت لے جانے والا۔ ایک روایت میں ہے۔ پھر بڑی عمر والا۔''[2]

ہاں اگر حاکم وقت، امام مسجد یا صاحب خانہ ہو تو دوسروں سے زیادہ امامت کا مستحق وہی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي أَهْلِهِ وَلَا سُلْطَانِهِ، إِلَّا بِإِذْنِهِ»

''کوئی آدمی کسی صاحب خانہ اور حاکم کا اس کی اجازت کے بغیر امام نہ بنے۔''[3]

③ **بچے کی امامت:** نابالغ بچہ نفل نمازوں میں امام بن سکتا ہے، فرض کے لیے نہیں۔ اس لیے کہ فرض پڑھنے والا، نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا اور نابالغ کی نماز نفل ہے، لہٰذا فرض میں وہ امامت نہ کرائے۔ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے: «لَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ» ''اپنے امام سے اختلاف نہ کرو۔''[4]

اور یہ بھی مخالفت ہے کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے۔ ❀

❀ مؤلف کا یہ فرمان: ''فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے، یہ امام کی مخالفت ہے، جو ناجائز ہے'' محل نظر ہے۔

① جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء مايقول عندد خوله المسجد، حديث: 314، وسنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب الدعاء عند دخول المسجد، حديث: 771. ② صحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة، حديث: 673. ③ صحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة، حديث: 673. ④ صحيح البخاري، الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلاة، حديث: 722، و صحيح مسلم، الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام، حديث: 414.

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نابالغ لڑکا فرض نماز میں بھی امام بن سکتا ہے۔ ان کا استدلال عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن کا جو زیادہ قاری ہو وہی امام بنے۔ بنا بریں عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی امامت کراتے تھے، جبکہ یہ اس وقت سات سال کی عمر میں تھے۔[1]

④ عورت کی امامت: عورت عورتوں کی نماز میں امام بن سکتی ہے اور وہ صف میں ان کے درمیان ہی کھڑی ہوگی۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ اپنے محلّہ کی عورتوں کی امامت کرائے اور انھیں مؤذن مقرر کرنے کی بھی اجازت دی تھی۔[2]

⑤ نابینا آدمی کی امامت: نابینا نماز کا امام مقرر ہو سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دو بار مدینہ میں اپنے پیچھے امیر بنا کر چھوڑ گئے تھے۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، جبکہ وہ نابینا تھے۔[3]

⑥ مفضول کی امامت: افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت بھی جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ نے مختلف مواقع میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، جبکہ آپ ان دونوں بلکہ کل مخلوق سے افضل ہیں۔[4]

⑦ تیمّم والے کی امامت: جس نے تیمّم کیا ہو، وہ وضو کرنے والوں کا امام بن سکتا ہے، اس لیے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تیمّم کے ساتھ ایک فوجی دستے کو نماز پڑھائی تھی، جبکہ وہ سب وضو سے تھے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تھا تو آپ نے انکار نہیں فرمایا۔[5]

◄◄ کیونکہ معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرض نماز ادا کرتے تھے اور پھر اپنی قوم کی امامت کراتے تھے، جیسا کہ صحیح البخاري، الأذان، باب إذا صلّى ثم أمّ قوما، حديث: 711 میں ہے: «كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ» ''کہ معاذ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے پھر اپنی قوم کے پاس آتے اور انھیں نماز پڑھاتے۔'' معاذ کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرض ہوتی تھی ارشاد نبوی ہے: «إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ......» ''جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی۔'' صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن في إقامة الصلاة......، حديث: 710. اور افرادِ قوم ان کے پیچھے فرض پڑھتے تھے جبکہ یہ نفل پڑھ رہے ہوتے تھے۔ (الاثری)

1 صحيح البخاري، المغازي، باب: 54، حديث: 4302 2 المستدرك للحاكم: 203/1، وسنن أبي داود، الصلاة، باب إمامة النساء، حديث: 592,591. اس کی سند حسن ہے، اسے امام ابن خزیمہ اور ابن الجارود نے صحیح قرار دیا ہے۔ جبکہ بعض محققین نے اسے راوی کی جہالت کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ 3 [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب إمامة الأعمٰى، حديث: 595. 4 صحيح البخاري، الأذان، باب من دخل ليؤم الناس فجاء الإمام الأول......، حديث: 684، و صحيح مسلم، الصلاة، باب تقديم الجماعة، حديث: 421 بعد حديث: 274 صحیح بخاری میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور صحیح مسلم میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ 5 [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب إذا خاف الجنب البرد أيتيمم، حديث: 335,334.

(8) مسافر کی امامت: مسافر مقیم لوگوں کا نماز میں امام بن سکتا ہے۔ البتہ مقیم لوگ مسافر امام کی نماز کے بعد اٹھ کر نماز پوری پڑھیں گے، اس لیے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو نماز پڑھائی اور آپ مسافر تھے، جبکہ وہ مقیم تھے، پھر فرمایا:

«يَاأَهْلَ مَكَّةَ! أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ»

''اے اہل مکہ! اپنی نماز پوری کرلو، ہم مسافر لوگ ہیں۔''[1]

اگر مسافر مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کے ساتھ پوری نماز پڑھے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مقیم امام کے پیچھے پوری نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا: یہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔[2]

(9) مقتدی کا امام کے ساتھ کھڑا ہونا: اگر مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی عورت دوسری عورتوں کی امامت کرا رہی ہے تو وہ بھی ان کے درمیان کھڑی ہوگی اور اگر مقتدی دو یا زیادہ ہوں تو امام کے پیچھے مرد کھڑے ہوں گے اور پھر ان کے پیچھے عورتیں اور اگر ایک مرد اور ایک عورت مقتدی ہو تو مرد امام کے دائیں جانب اور عورت ان کے پیچھے کھڑی ہوگی۔ چاہے وہ مرد نابالغ لڑکا ہو۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»

''مردوں کی صفوں میں بہتر پہلی اور گھٹیا آخری ہے اور عورتوں کی صفوں میں آخری بہتر اور پہلی صف گھٹیا ہے۔''[3]

اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کے موقع پر جابر رضی اللہ عنہ کو جو بائیں طرف کھڑے تھے، اپنی دائیں طرف کر دیا تھا اور پھر جبار بن صخر رضی اللہ عنہ آئے اور بائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ آپ نے دونوں کو پیچھے دھکیل دیا اور وہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔[4]

اور اسی طرح انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے دائیں طرف کھڑا کیا اور میری ماں کو اپنے پیچھے۔[5] نیز انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اور ایک یتیم آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور عورت ہمارے پیچھے۔[6]

(10) امام کے سترے کا مقتدیوں کے لیے کافی ہونا: اگر امام نے ''سترہ'' بنا لیا ہو تو مقتدیوں کو الگ الگ ''سترہ'' بنانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آگے ایک نیزہ کھڑا کر لیا کرتے تھے، پھر کسی کو بھی اپنے پیچھے

(1) [صحيح] الموطأ للإمام مالك، قصر الصلاة في السفر، باب صلاة المسافر إذا كان إماما أو وراء إمام، حديث: 353، موقوفا عن عمر رضي الله عنه (ورجاله ثقات) وسنن أبي داود، صلاة السفر، باب متى يتم المسافر، حديث: 1229. (2) صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين و قصرها، حديث: 688، ومسند أحمد: 1/216 و226 و290 و369. (3) صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف....، حديث: 440. (4) صحيح مسلم، الزهد، باب حديث جابر الطويل....، حديث: 3010. (5) صحيح مسلم، المساجد، باب جواز الجماعة في النافلة....، حديث: 660. (6) صحيح البخاري، الأذان، باب المرأة وحدها تكون صفا، حديث: 727.

"سترہ" بنانے کا حکم نہیں کرتے تھے۔[1]

(11) امام کی اقتدا کا واجب ہونا: مقتدیوں پر لازم ہے کہ امام کی اتباع کریں اور کسی بھی حرکت میں امام سے پہل کرنا حرام ہے اور برابر رہنا بھی ناپسند ہے۔ اگر تکبیر تحریمہ امام سے پہلے کہہ لی ہے تو دوبارہ تکبیر تحریمہ کہے، ورنہ نماز باطل ہوگی۔ اسی طرح اگر سلام پہلے کہے تو بھی نماز باطل ہے۔ اگر رکوع یا سجدہ یا ان سے سر اٹھانے میں پہل کر لے تو امام کے بعد رکوع یا سجدہ کرنا دوبارہ لازم ہوگا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ»

"امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، سو اس پر اختلاف نہ کرو۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تب تم رکوع کرو اور جب وہ «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے تو تم «اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔"[2]

نیز آپ کا فرمان ہے: «أَمَا يَخْشٰى أَحَدُكُمْ - إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ - أَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ، أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ»

"جو امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے، کیا وہ ڈرتا نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا سر یا شکل وصورت گدھے کی طرح بنا دے۔"[3]

(12) کسی عذر کی بنا پر مقتدی کا امام کی جگہ لینا: دوران نماز امام بے وضو ہو جائے یا نکسیر پھوٹ پڑے یا کوئی اور عارضہ لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے وہ نماز جاری نہ رکھ سکے تو جائز ہے کہ مقتدیوں میں سے کسی کو آگے کر دے، جو نماز مکمل کرائے اور خود امام چلا جائے۔ عمر رضی اللہ عنہ جب زخمی کیے گئے تو انھوں نے عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔[4] اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی نکسیر کی وجہ سے اپنا نائب امام بنایا تھا۔[5]

(13) امام نماز باجماعت ہلکی پڑھائے: امام کے لیے مستحب ہے کہ قراءت میں تخفیف کر کے ہلکی نماز پڑھائے، نماز لمبی نہ کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

1 صحيح البخاري، الصلاة، باب سترة الإمام سترة من خلفه، حديث: 494،493، و صحيح مسلم، الصلاة، باب سترة المصلي......، حديث: 501. 2 صحيح البخاري، الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلاة، حديث: 722، وصحيح مسلم، الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام، حديث: 414 واللفظ لهٗ. 3 صحيح البخاري، الأذان، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام، حديث: 691، وصحيح مسلم، باب تحريم سبق الإمام بركوع......، حديث: 427. 4 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب قصة البيعة......، حديث: 3700. 5 السنن الكبرٰى للبيهقي: 114/3.

«إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ، وَإِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ»

''جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف کرے، اس لیے کہ ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، ہاں جب اکیلا پڑھے تو جتنی چاہے طویل کرے۔'' [1]

امام پہلی رکعت دوسری رکعت کی بہ نسبت طویل پڑھائے، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت دوسری رکعت کی بہ نسبت طویل پڑھتے تھے۔ [2]

⑭ مقتدیوں کے ہاں ناپسندیدہ شخص کی امامت مکروہ ہے: اگر لوگ کسی شخص کو ناپسند کرتے ہوں تو وہ شخص ان کی امامت نہ کرائے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«ثَلَاثَةٌ لَا تَرْتَفِعُ صَلَاتُهُمْ فَوْقَ رُؤُوسِهِمْ شِبْرًا: رَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ، وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ، وَأَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ»

''تین آدمیوں کی نماز ایک بالشت کے قدر بھی ان کے سروں کے اوپر (قبولیت کے لیے) نہیں اٹھتی، ایک وہ جو کسی قوم کی امامت کراتا ہے اور وہ اسے ناپسند کرتے ہیں اور وہ عورت جس پر اس کا خاوند ساری رات ناراض رہا اور وہ دو بھائی جو آپس میں قطع تعلق کر چکے ہیں۔'' [3]

⑮ امام کے قریب کون کھڑا ہوگا: یہ امر مستحب ہے کہ امام کے قریب معمر اور بزرگ اہل علم وفضل کھڑے ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى»

''تم میں صاحب عقل ودانش وفراست میرے قریب کھڑے ہوا کریں۔'' [4]

⑯ سلام کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرنا: یہ بھی مستحب ہے کہ امام سلام کے بعد دائیں (یا بائیں) طرف سے مڑے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اسی طرح تھا۔ حضرت ہلب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: «كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَؤُمُّنَا فَيَنْصَرِفُ عَلٰى جَانِبَيْهِ جَمِيعًا عَلٰى يَمِينِهِ وَعَلٰى شِمَالِهِ»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے امام ہوتے تھے اور کبھی دائیں طرف سے (ہماری طرف) پھرتے اور کبھی

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ما شاء، حديث: 703، وصحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: 467. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب يطول في الركعة الأولى، حديث: 779. ابوقتادہ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ خیال ہوا کہ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے کرتے ہیں کہ لوگ پہلی رکعت پا لیں۔ (سنن أبي داود، حديث: 718) [3] [صحيح] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب من أم قوما وهم له كارهون، حديث: 971، امام بوصیری نے اسے صحیح کہا ہے۔ [4] صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف......، حديث: 432.

بائیں طرف سے۔‘‘[1]

⑰ صفیں برابر کرنا: امام اور مقتدی صفوں کی درستی اور انھیں سیدھا رکھنے کا خصوصی اہتمام کریں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف توجہ کر کے فرمایا کرتے تھے:

«تَرَاصُّوا وَاعْتَدِلُوا» ’’ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اور سیدھے کھڑے ہوا کرو۔‘‘[2]

اور فرمایا: «سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ»

’’اپنی صفیں سیدھی کرو، صف کی درستی نماز کی تکمیل سے ہے۔‘‘[3]

اور ارشاد ہے: «لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ»

’’تم اپنی صفیں سیدھی کرو گے یا پھر اللہ تمھارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔‘‘[4]

مزید فرمایا: «مَا مِنْ خَطْوَةٍ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ خَطْوَةٍ يَمْشِيهَا يَصِلُ بِهَا صَفًّا»

’’صف میں خالی جگہ پر کرنے کے لیے آدمی جو قدم بڑھاتا ہے، اس سے بڑھ کر کوئی قدم اللہ کا پسندیدہ نہیں۔‘‘[5]

✽ **مسبوق کا حکم:** ⑴ مسبوق کسے کہتے ہیں؟ وہ شخص جسے جماعت کی پوری نماز نہ مل سکے بلکہ بعد میں آ کر نماز میں مل جائے، اسے مسبوق کہتے ہیں۔ مسبوق کا ہر صورت میں امام کے ساتھ مل جانا ضروری ہے: نماز پڑھنے والا جب مسجد میں آتا ہے اور امام کو رکوع، سجدہ، جلسہ یا قیام جس کسی بھی حالت میں پاتا ہے تو اس پر فوراً اس کے ساتھ شامل ہونا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «إِذَا أَتٰى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ»

’’جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے تو وہ امام کی پیروی کرے، خواہ امام جس حالت میں بھی ہو۔‘‘[6]

جمہور علماء کا اس پر عمل ہے کیونکہ دیگر روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔

⑵ کیا رکوع کے پالینے سے رکعت پوری ہوجاتی ہے؟ علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اگر مقتدی امام کو رکوع میں

1 [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الانصراف من الصلاة، حديث:1041، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في الانصراف......، حديث:301 واللفظ له، امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ 2 [صحيح] مسند أحمد:125/3۔ 3 صحيح البخاري، الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلاة، حديث: 723، وصحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف......، حديث: 433۔ 4 صحيح البخاري، الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها، حديث: 717، وصحيح مسلم، الصلاة، باب تسويه الصفوف......، حديث: 436۔ 5 [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب في الصلاة تقام......، حديث: 543۔ 6 [صحيح] جامع الترمذي، الجمعة، باب ماذكر في الرجل يدرك الإمام......، حديث:591، اس کی سند حجاج بن ارطاۃ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان، حديث:506، میں اس کا شاہد موجود ہے۔

پائے اور اس کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع کر لے تو مقتدی کی ایک رکعت پوری ہوگئی، اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا فرمان یہ ہے:

«إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُودٌ فَاسْجُدُوا وَلَا تَعُدُّوهَا شَيْئًا، وَمَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»

''جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو سجدہ کرو اور اسے شمار نہ کرو اور جو رکعت پالے اس نے نماز پالی۔''[1]

جبکہ علماء کی ایک دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں ہے مذکورہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح حدیث میں قراءت فاتحہ کو شرط قرار دیا گیا ہے، فرمایا: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»

''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔''[2]

③ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی کا فوت شدہ نماز کی قضا دینا: امام کے سلام کے بعد مقتدی فوت شدہ رکعات کو پورا کرے، چاہے تو فوت شدہ رکعات کو آخر نماز قرار دے، جیسا کہ اس حدیث سے مستفاد ہے:

«فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا» ''جتنی رکعات پاؤ پڑھ لو اور جو رہ جائیں انھیں پورا کرلو۔''[3]

مثلاً: مغرب کی ایک رکعت پالی ہے تو اٹھ کر دو رکعت پڑھے، پہلی میں فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھے اور دوسری میں صرف فاتحہ۔ پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے اور اسی کو بعض محققین اہل علم راجح قرار دیتے ہیں۔ ❀

❀ امام نووی شرح مسلم (220/1) میں لکھتے ہیں: ''اکثر روایات میں «مَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا» ہے، ایک روایت میں «وَاقْضِ مَا سَبَقَكَ» ہے، امام شافعی اور جمہور علماء سلف وخلف اسی کے قائل ہیں کہ مسبوق نے جو رکعتیں امام کے ساتھ پڑھی ہیں، وہ اس کی اول نماز ہے اور سلام کے بعد باقی کی تکمیل کرے گا۔ امام ابوحنیفہ اور ایک طائفہ اس کے برعکس قائل ہیں۔ امام مالک سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ اور «وَاقْضِ مَا سَبَقَكَ» میں قضا سے مراد فقہاء کا اصطلاحی مفہوم نہیں بلکہ لغوی معنی ہے، یعنی ادائیگی نماز، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے ◄◄

① [ضعیف] سنن أبي داود، الصلاة، باب الرجل يدرك الإمام ساجدا كيف يصنع، حديث: 893، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے لیکن اس کا ایک راوی یحییٰ ابن ابی سلیمان جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ اس حدیث سے استدلال تب ہوسکتا ہے کہ جب رکعت سے مراد رکوع لیا جائے۔ (مؤلف) اس سے رکوع مراد لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ ''رکعت'' کا حقیقی مفہوم یہاں زیادہ موزوں ہے، حدیث کا مقصد یہ ہے کہ انسان نماز باجماعت کا پالینے والا تب قرار پائے گا جب ایک رکعت پوری امام کے ساتھ پڑھے گا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رکوع میں مل جانے سے دو رکن نماز قیام اور قراءۃ فاتحہ رہ گئے ہیں، لہٰذا اسے پوری رکعت کا مدرک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (الاثری) ② صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة......، حديث: 756. ③ صحيح مسلم، المساجد، باب، استحباب إتيان الصلاة بوقار وسكينة......، حديث: 602، وصحيح البخاري، الجمعة، باب المشي إلى الجمعة، حديث: 908 وحديث: 636.

اور چاہے تو فوت شدہ کو اپنی نماز کی پہلی رکعات سمجھے اور سلام کے بعد ان کی قضا کرے، جیسا کہ دوسری روایت کے الفاظ: «وَاقْضِ مَا سَبَقَكَ» ''اور جو تم سے رہ جائے اس کی قضا کرو۔''[1] سے مستفاد ہے۔ بنا بریں مغرب کی ایک رکعت رہ جانے والے پر لازم ہے کہ اٹھے اور سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت جہراً پڑھے، پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے۔

(4) مقتدی کا سورۂ فاتحہ کے علاوہ امام کے پیچھے قراءت کرنا: جہری نماز میں مقتدی صرف سورۂ فاتحہ پڑھے مزید کچھ نہ پڑھے بلکہ خاموش رہے اور امام کی قراءت ہی اسے کافی ہوگی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ» ''جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔''[2]

نیز آپ کا فرمان ہے: «مَا لِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ» ''کیا بات ہے کہ قرآن کی قراءت مجھ پر گراں ہو رہی ہے۔''[3]

چنانچہ لوگ جہری نمازوں میں آپ کے ساتھ (سورۂ فاتحہ کے سوا باقی) قراءت کرنے سے رک گئے۔

اور فرمایا: «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» ''اور جب وہ قراءت کرے تو خاموش رہو۔''[4]

ہاں امام جن نمازوں میں ''جہر'' نہیں کر رہا تو مقتدی ان میں سورۂ فاتحہ بالاتفاق پڑھے گا۔ ❀

◂◂ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ (الجمعة 62:10) ''جب نماز ادا کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ......'' (الاثری)

❀ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے متعلق جمہور محدثین وفقہاء کی تحقیق یہ ہے کہ مقتدی بھی امام کے پیچھے آہستہ فاتحة الكتاب کی قراءت لازماً کریں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» یعنی ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جو فاتحۃ الکتاب نہ پڑھے۔'' صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم والصلوات كلها......، حديث: 756، اور حدیث «مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ» محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (تحفة الأحوذي) اور بعض اکابرین نے قراءت سے ماسوی الفاتحہ بھی مراد لی ہے۔ حدیث «مَا لِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ» میں مقتدی کی ایسی قراءت جو امام کی قراءت میں منازعت پیدا کرے، یعنی جہراً ہی مراد ہے، جیسا کہ «مَا لِي أُنَازَعُ» کا لفظ دال ہے اور اس لیے کہ سنن ابي داود، الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، حديث: 823 اور ترمذی میں صحیح حدیث: 311 ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ہاں، آپ نے فرمایا: ''نہ پڑھو سوا فاتحۃ الکتاب کے'' خطابی کہتے ہیں: اس کی سند جید ہے، اس میں کوئی طعن نہیں ہے اور روایت «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» میں جو انصات ہے، فاتحہ کا پڑھنا اس کے منافی نہیں ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ قراءت سے مراد ماسوی الفاتحہ کی قراءت ہے۔ (الاثری)

1 صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار......، حديث: 602. 2 [ضعيف] مسند أحمد: 3/339، وسنن ابن ماجه، اقامة الصلوات، باب إذا قرأ الإمام فانصتوا، حديث: 850، سنن ابن ماجہ کی سند میں جابر جعفی کذاب راوی ہے جو کہ مسند احمد کی سند سے گر گیا ہے اور دونوں کی سند میں ابوالزبیر مدلس ہے اور اس سند کا کوئی صحیح یا حسن شاہد نہیں ہے۔ 3 [حسن] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في ترك القراءة خلف الإمام اذا جهر الامام بالقراءة، حديث: 312. 4 صحيح مسلم، الصلاة، باب التشهد في الصلاة، حديث: 404.

(5) فرض نماز کے ہوتے ہوئے نفلی نماز ادا کرنا: فرض نماز کی تکبیر ہو جائے تو نفل* میں داخل ہونا ناجائز ہے اور اگر نفل پڑھ رہا ہے تو اسے فوراً منقطع کر دے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ»

''جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں ہے۔''[1]

(6) جو شخص نیند، سفر یا بھول جانے کی وجہ سے نماز ظہر ادا نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ جب وہ آیا تو نماز عصر کھڑی ہو چکی تھی تو اب یہ شخص کیا کرے.....؟ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ''ظہر'' کی نیت سے امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور سلام کے بعد عصر پڑھے، جبکہ دوسرے کہتے ہیں کہ عصر کی نیت کرے اور ساتھ شامل ہو جائے۔ امام کے فارغ ہونے کے بعد ظہر پڑھے۔

(7) نمازی صف کے پیچھے اکیلا نماز نہ پڑھے: مقتدی اگر صف میں شامل نہ ہو اور پیچھے کھڑا ہو جائے تو ناجائز ہے۔ اگر کسی مجبوری کے بغیر اکیلا پیچھے نماز پڑھے تو نماز نہیں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص نے اسی طرح نماز پڑھی تو آپ نے فرمایا: «اِسْتَقْبِلْ صَلَاتَكَ، لَا صَلَاةَ لِلَّذِي خَلْفَ الصَّفِّ»

''نماز دوبارہ پڑھو، جو اکیلا صف کے پیچھے نماز پڑھے، اس کی نماز نہیں ہے۔''[2]

اگر امام کے دائیں طرف کھڑا ہو جائے تو جائز ہے۔

(8) پہلی صف افضل ہے: امام کے دائیں طرف پہلی صف میں ملنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ، قَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! وَعَلَى الثَّانِي؟ قَالَ: وَعَلَى الثَّانِي»

''پہلی صف والوں کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ رحمت نازل کرتے ہیں اور فرشتے ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اور دوسری صف والوں کے لیے بھی۔ فرمایا: اور دوسری صف والوں کے لیے بھی۔''[3]

اور فرمایا: «خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»

''مردوں کی بہترین صف پہلی ہے اور کم تر آخری اور عورتوں کی بہترین صف پچھلی ہے اور کم تر پہلی۔''[4]

* سنن رواتب بھی شرعاً نفل میں داخل ہیں۔ (الاثری)

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب كراهة الشروع في نافلة...، حديث: 710. [2] [صحيح] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، حديث: 1003، امام بوصیری نے اسے صحیح کہا ہے۔ [3] مسند احمد: 262/5، والمعجم الكبير للطبراني: 174/8، اس کی سند فرج بن فضالہ کی وجہ سے ضعیف ہے، تاہم صف اول والی روایت کے صحیح شواہد سنن ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ [4] صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف...، حديث: 440.

نیز فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوفِ»

''اللہ تعالیٰ رحمت کرتے ہیں اور اس کے فرشتے ان لوگوں کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں، جو صفوں کے دائیں طرف نماز پڑھتے ہیں۔''[1]

اور فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الَّذِينَ يَصِلُونَ الصُّفُوفَ»

''اللہ رحمت کرتے ہیں اور اس کے فرشتے ان لوگوں کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں جو صفوں کو ملاتے ہیں۔''[2]

اور ارشاد ہے: «تَقَدَّمُوا فَأْتَمُّوا بِي وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَّنْ بَعْدَكُمْ، لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَّتَأَخَّرُونَ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ»

''آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو اور تمھارے پیچھے والے تمھاری اقتدا کریں گے اور کچھ لوگ ہمیشہ پیچھے ہوتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اللہ بھی انھیں پیچھے کر دیتا ہے۔''[3]

اذان واقامت کا بیان ① **اذان کی تعریف:** مخصوص الفاظ کے ساتھ نماز کے اوقات کی اطلاع دینے کا نام ''اذان'' ہے۔

② **اذان کا حکم:** شہر وقصبہ جات والوں پر نماز کی اذان کہنا فرض کفایہ ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَّكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ»

''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور تمھیں تمھارا بڑا امامت کرائے۔''[4]

جبکہ یہ مسافروں، جنگلوں اور صحراؤں میں رہنے والوں کے لیے مسنون ہے (فرض نہیں)، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ لِلصَّلَاةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا إِنْسٌ وَّلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جب تو بھیڑ بکریوں میں ہے یا دیہات میں تو اونچی آواز سے نماز کے لیے اذان کہہ، اس لیے کہ جنوں، انسانوں اور دیگر مخلوق میں سے جو بھی مؤذن کی آواز سنے گا، قیامت کے دن اس کے لیے گواہی دے گا۔''[5]

③ **اذان کے الفاظ:** رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کے یہ الفاظ سکھائے، شہادتین قدرے پست آواز سے ادا کیے جائیں:

[1] [صحیح] سنن أبي داود، الصلاة، باب من يستحب أن يلي الإمام في الصف......، حديث: 676. [2] صحيح ابن خزيمة: 23/3، حديث: 1550. [3] صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف......، حديث: 438. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب إذا استووا في القراءة فليؤمهم أكبرهم، حديث: 685، وصحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة، حديث: 674.
[5] صحيح البخاري، الأذان، باب رفع الصوت بالنداء، حديث: 609.

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ ......»

(شہادتین کے الفاظ بلند آواز سے دہرائے جائیں، اسی کو ترجیع کہتے ہیں)

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

اذان کا ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ نماز کے لیے آؤ، نماز کے لیے آؤ۔ کامیابی کی طرف آؤ، کامیابی کی طرف آؤ۔ اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں ہے۔"[1]

اگر صبح کی اذان ہو تو «حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ» کے بعد یہ اضافہ کرے۔

«اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ» "نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے۔"[2] ❀

اقامت (۱) اقامت کا حکم: پانچوں نمازوں کے لیے تکبیر (اقامت) کہنا سنت واجبہ ہے، خواہ وقتی نماز ہو یا فوت شدہ، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَّلَا بَدْوٍ لَّا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ، فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ، فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ»

❀ «اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ» کو اصطلاحاً تثویب بھی کہتے ہیں، یعنی دوبارہ نماز کی طرف بلانا۔ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان میں بھی اس کا حکم ہے اور بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز میں «اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ» کہنے کا حکم دیا تھا۔ سنن ابن ماجه، الأذان والسنة فيها، باب السنة في الأذان، حديث: 716,715، ومسند أحمد: 15,14/6، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التثويب في الفجر، حديث: 198. ان اسانید میں کلام ہے تاہم یہ مسئلہ دیگر روایات سے ثابت ہے۔ یاد رہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں ترجیع نہیں ہے (الاثری) بارش کی صورت میں «أَلَا! صَلُّوا فِي الرِّحَالِ» "گھروں میں نماز پڑھ لو" کہنا بھی مشروع ہے۔ (صحيح البخاري، الأذان، باب الأذان للمسافرين......، حديث: 632).

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان، حديث: 502، وصحيح مسلم، الصلاة، باب صفة الأذان، حديث: 379. [2] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان، حديث: 500.

''کسی شہر یا دیہات میں تین آدمی ہوں اور ان میں نماز کی اقامت نہ ہوتو ان پر شیطان غالب آ جاتا ہے، لہٰذا تم جماعت کو لازم پکڑو کیونکہ بھیڑیا بکریوں میں سے الگ رہنے والی بکری کو کھا جاتا ہے۔''[1]

اور انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اذان دہری کہیں اور اقامت اکہری۔[2]

② **اقامت کے الفاظ:** اذان کو خواب میں سننے والے صحابی عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق اقامت کے الفاظ یہ ہیں:❀

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْقَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْقَامَتِ الصَّلَاةُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»[3]

«اَلْمُؤَذِّنُ أَمْلَكُ بِالْأَذَانِ وَالْإِمَامُ أَمْلَكُ بِالْإِقَامَةِ»

''مؤذن اذان کا زیادہ اختیار رکھتا ہے اور امام تکبیر (کہلانے) کا۔''[4]

اس کی سند میں اگرچہ مجہول راوی ہے، تاہم فقہاء کا تعامل اسی پر ہے اور ایک شاہد جو علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے[5] وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ ہاں اذان کہنے میں مؤذن کو اختیار ہے، جب بھی وقت ہو جائے کسی کا انتظار کیے بغیر اذان کہہ دے۔

اذان وتکبیر میں مستحب امور ① اذان ٹھہر ٹھہر کر کہنا اور تکبیر (اقامت) میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا: «إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ فِي أَذَانِكَ، وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ»

''جب تو اذان کہے تو اپنی اذان میں ٹھہر ٹھہر کر (کلمات) کہہ اور جب اقامت کہے تو جلدی کر۔''[6]

② سننے والا وہی الفاظ آہستہ آہستہ دہرائے جو مؤذن یا تکبیر کہنے والا کہہ رہا ہے۔ البتہ «حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ،

❀ **تنبیہ:** اقامت (تکبیر) امام کی مرضی کے وقت کہی جانی چاہیے۔ امام کی موجودگی اور اجازت کے بغیر مؤذن تکبیر نہ کہے۔ امام ترمذی نے [illegible] اہل علم سے نقل کیا ہے۔

1 مسند أحمد: 196/5، 446/6، [illegible] في ترك الجماعة، حديث: 547 وزاد: قال السائب يعني بالجماعة الصلاة في الجماعة، [illegible] في ترك الجماعة، حديث: 848، والمستدرك [illegible] 246/1، 183/2، [illegible] ابن حبان (458/5، حديث: 2101)، حاکم اور امام ذہبی [illegible] 605، 606، و صحيح مسلم، [illegible] 994. [illegible] ضعيف | جامع الترمذي، [illegible] سند کے ساتھ مرفوعاً بھی روایت کیا ہے، [illegible] ضعيف | جامع الترمذي، [illegible]

«حَيَّ عَلَى الفَلَاحِ» کے جواب میں «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه» کہے اور «قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ» کے جواب میں بھی «قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ» ہی کہے اور جو روایت سنن ابوداود میں ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت میں «قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ» کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے «أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا» کہا۔ وہ ضعیف ہے، ثابت نہیں۔[1]

اور صحیح مسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا: مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ»

''جب تم اذان سنو تو مؤذن کی طرح کہو، پھر مجھ پر درود پڑھو، جو ایک بار مجھ پر درود پڑھتا ہے، اللہ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔ پھر میرے لیے ''وسیلہ'' کا سوال کرو، یہ جنت میں ایک مقام ہے، جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے ہی کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ میں ہی وہ بندہ ہوں، لہٰذا جو اللہ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرتا ہے اس کے لیے میری سفارش حلال ہوگئی۔''[2]

③ اذان اور اقامت کے درمیان دعائے خیر کرنی چاہیے، جامع ترمذی میں حسن سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: «اَلدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ» ''اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔''[3]

مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا بھی مروی ہے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ هٰذَا إِقْبَالُ لَيْلِكَ وَإِدْبَارُ نَهَارِكَ وَأَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْلِي»

''اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے، تیرے دن کے جانے اور تجھے پکارنے والوں کا وقت ہے، پس مجھے بخش دے۔''[4]

قصر، جمع، بیمار کی نماز اور نمازِ خوف کا بیان ① **نماز قصر کا معنی:** قصر کا معنی یہ ہے کہ چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھی جائے، جس میں سورۂ فاتحہ اور کسی دوسری سورت کی قراءت ہوگی۔ مغرب اور صبح کی نماز میں قصر نہیں ہے، اس لیے کہ مغرب کی تین رکعتیں ہیں اور صبح کی دو رکعتیں۔

[1] [ضعیف] سنن أبي داود، الصلاة، باب ما يقول إذا سمع الإقامة، حديث:528، اس کی سند دو علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے: ① محمد بن ثابت کا ضعیف ہونا ② اور اس کے شیخ کا مجہول ہونا۔ [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، حديث: 384. [3] [حسن] جامع الترمذي، الدعوات، باب في العفو والعافية، حديث: 3594، وسنن أبي داود، الصلاة، باب في الدعاء بين الأذان والإقامة، حديث:521. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب ما يقول عند أذان المغرب، حديث: 530، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

(2) قصر کا حکم: شریعت میں ''قصر'' کے بارے میں اللہ عزوجل کا یہ حکم وارد ہے:

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ

''اور جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ»

''یہ تم پر اللہ کی ایک خیرات ہے، تم اس کی خیرات قبول کرو۔''[2]

رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب بھی سفر کیا تو نماز میں قصر کیا، اس سے اس کا سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(3) مسافت کی مقدار جس میں قصر کرنا مسنون ہے: نبی ﷺ نے صراحت کے ساتھ قصر کی کوئی مسافت متعین نہیں کی۔ تاہم جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور ائمۂ کرام رحمہم اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس سفر کی مسافت کا اعتبار کیا ہے جس میں آپ نے قصر کی تھی۔ وہ تقریباً چار برد، یعنی اڑتالیس میل* بنتا ہے، اس لیے ان کے ہاں یہ ادنیٰ مسافت ''قصر'' قرار پائی ہے، یعنی اگر کوئی شخص اڑتالیس میل سفر اختیار کرتا ہے تو وہ چار رکعت والی نماز، مثلاً: ظہر، عصر اور عشاء کو دو رکعت ادا کرے۔

(4) آغاز اور انتہائے قصر: مسافر اپنے شہر کی رہائشی آبادی سے جدا ہوتے ہی قصر کر سکتا ہے اور اپنے شہر کی حدود میں آنے تک قصر کرتا رہے، الا یہ کہ کسی جگہ چار یا زیادہ دن رہنے کا پختہ ارادہ ہو جائے تو وہ پوری نماز ادا کرے گا، پھر قصر نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اقامت کے ارادے سے اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ اور سکون قلب حاصل ہو جائے گا اور جس غرض کے لیے ''قصر'' کی مشروعیت تھی وہ باقی نہیں رہی، یعنی مسافر کا سفری پریشانی میں مبتلا ہونا اور دل کا سفری ضرورتوں میں مشغول ہونا۔ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک میں بیس دن مقیم رہے اور اس دوران میں آپ نماز قصر ادا

* یہ موقف مرجوح ہے، ان روایات میں صرف یہ ذکر ہے کہ آپ نے اڑتالیس میل کے سفر پر قصر کی تھی، اس سے کم میں قصر کی نفی اس میں نہیں ہے، جبکہ صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ المسافرین و قصرھا، حدیث: 691 میں ہے: «كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ أَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ» یعنی ''رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا نو میل کے سفر پر نکلتے تو دو رکعت پڑھتے تھے۔'' یہ حدیث صریح ہے کہ نبی ﷺ تین یا نو میل کے سفر پر قصر کرتے تھے اور یہ اڑتالیس شرعی میل سے بہت کم ہے۔ راوی کو تین اور نو میں شک ہے، لہٰذا نو میل (22 کلو میٹر) یقینی ہے اور اسی کو حد قصر سفر قرار دیا جانا بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔ (الاثری)

[1] النسآء 4:101. [2] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ المسافرین وقصرھا، حدیث: 686.

کرتے رہے۔[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے وہاں اقامت کا ارادہ نہیں کیا تھا (حالت تردد میں تھے)۔

⑤ **سفر میں نوافل:** مسافر ''سنن راتبہ'' اور دیگر نوافل، ماسوائے صبح کی سنتوں اور وتر کے، کیونکہ ان دونوں کا چھوڑنا مستحسن نہیں ہے، ترک کرسکتا ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں اگر نوافل پڑھوں تو پھر ''قصر'' کی کیا ضرورت ہے، پھر نماز پوری پڑھتا۔''[2]

ہاں مسافر اگر نوافل پڑھنا چاہے تو بلا کراہت جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر کی حالت میں صلاۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) آٹھ رکعت پڑھی تھی[3] اور آپ جانور کی پیٹھ پر بھی سفری راستے میں نفل پڑھ لیتے تھے۔

⑥ **ہر مسلمان کے لیے قصر کرنا سنت ہے:** مسافر پیدل چل رہا ہے یا سواری پر، اونٹ پر سفر کر رہا ہے یا بس پر یا ہوائی جہاز پر، بہرصورت وہ قصر کرسکتا ہے۔

نمازوں کو جمع کرنا ① **نمازیں جمع کرنے کا حکم:** سفر میں دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرکے پڑھنا جائز ہے، ہاں عرفات میں نماز ظہر اور عصر کو جمع کرنا اور مزدلفہ میں نماز مغرب اور عشاء کو جمع کرنا لازم ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے ظہر اور عصر ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ عرفات میں ادا کی اور جب مزدلفہ آئے تو عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا فرمائی۔[4]

② **جمع کا طریقہ:** مسافر کے لیے جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں طرح جائز ہے۔ جمع تقدیم اس طرح کہ نماز ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں پڑھ لے اور جمع تاخیر یہ کہ نماز عصر کے وقت میں دونوں کو ادا کرے۔ اسی طرح مغرب وعشاء دونوں مغرب کے وقت میں پڑھے تو یہ جمع تقدیم ہے اور عشاء کے وقت میں پڑھے تو جمع تاخیر ہے۔

اس لیے کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں ایک دن رسول اللہ ﷺ نے تاخیر کرکے ظہر اور عصر اکٹھی پڑھیں اور مغرب و عشاء بھی اکٹھی ہی ادا کیں، جبکہ آپ لڑائی کے لیے تبوک میں ٹھہرے ہوئے تھے۔[5]

① [صحیح] مسند أحمد: 295/3، وسنن أبي داود، صلاۃ السفر، باب إذا أقام بأرض العدو يقصر، حدیث: 1235. اس میں راجح موقف یہی ہے کہ اگر کوئی مسافر کسی ملاقے میں متردد ٹھہرے کہ آج جاؤں گا یا کل تو نماز قصر کرتا رہے، خواہ کئی مہینے لگ جائیں، دیکھیے: المصنف لابن أبي شيبة: 210/2، حدیث: 8202. اور اگر کسی مقام پر 19 دن سے زیادہ قیام کا ارادہ ہو تو پھر نماز پوری پڑھے گا اور اگر 19 دن یا اس سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو قصر کرے گا۔ صحيح البخاري، التقصير، باب ما جاء في التقصير، حدیث: 1080. میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی فتویٰ ہے۔ ② صحيح مسلم، صلاۃ المسافرين، باب صلاۃ المسافرين وقصرها، حدیث: 689. ③ صحيح البخاري، التقصير، باب من تطوع في السفر في غير دبر الصلوات وقبلها، حدیث: 1103، والتقصير، باب الإيماء على الدابة، حدیث: 1096. ④ صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حدیث: 1218. ⑤ صحيح البخاري، التقصير، ◄◄

اسی طرح اہل بلد (شہر والے) بھی مسجد میں بارش یا سخت سردی یا تیز آندھی کی وجہ سے مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھ سکتے ہیں، بشرطیکہ عشاء کے لیے دوبارہ آنے میں مشقت کا خطرہ ہو۔

اگر شدت بیماری کی وجہ سے مریض کو نمازوں کی ادائیگی میں تکلیف ہو رہی ہے تو وہ بھی دو نمازیں جمع کر کے پڑھ سکتا ہے، اس لیے کہ دو نمازوں کو جمع کرنے کی علت، مشقت ہے اور حضر میں بھی شدید ضرورت پیش آ سکتی ہے، مثلاً: جان و مال اور عزت کا خوف ہو تو ایسی صورتوں میں ''ظہرین'' (ظہر اور عصر) ایک وقت میں اور عشائین (مغرب اور عشاء) ایک وقت میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار بارش کے بغیر بھی ایک ہی وقت میں دو نمازیں اکٹھی پڑھی تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ سَبْعًا وَّثَمَانِيًا، الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ»

''نبی ﷺ نے مدینہ میں ظہر اور عصر کی آٹھ رکعتیں اور مغرب اور عشاء کی سات رکعتیں ایک ساتھ پڑھی تھیں۔''[1]

بیمار کی نماز اگر مریض کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر نماز ادا کرے اور سجدہ، رکوع سے نیچا کرے اور اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے تو پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو پیٹھ پر سیدھا لیٹ جائے، ٹانگیں قبلہ کی طرف پھیلا دے اور اشارے سے ادائیگی کر لے، اس لیے کہ ترک نماز کسی بھی صورت جائز نہیں۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بواسیر کی تکلیف تھی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ فرمایا: «صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ»

''کھڑے ہو کر نماز پڑھا کر، اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو بیٹھ کر، اگر اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو پہلو پر لیٹ کر۔''[2]

نیز ارشاد ربانی ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ''اللہ کسی جان کو اس کی استطاعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔''[3]

نماز خوف (۱) **نماز خوف کی مشروعیت:** خوف کے وقت مخصوص انداز سے نماز کی ادائیگی اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ثابت ہے:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا

◄◄ باب الجمع في السفر بين المغرب والعشاء، حديث: 1108,1106، و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، حديث: 706، صحیح بخاری میں سفر میں مطلق جمع کا ذکر ہے تبوک کا ذکر نہیں ہے۔ 1 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب تأخير الظهر إلى العصر، حديث: 543، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، حديث: 705. 2 صحيح البخاري، التقصير، باب إذا لم يطق قاعدًا صلّى على جنب، حديث: 1117.
3 البقرة 2:286.

فَلْيَكُونُوا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۖ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ

''اور جب آپ ان میں ہوں اور ان کے لیے نماز قائم کریں تو ان کا ایک گروہ آپ کے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑا ہو، پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو یہ گروہ آپ کے پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ، جنھوں نے (آپ کے ساتھ) نماز نہیں پڑھی، وہ آجائے اور آپ کے ساتھ نماز ادا کرے اور وہ اپنا بچاؤ کریں اور اپنے ہتھیار ساتھ رکھیں۔''[1]

(2) **سفر میں نماز خوف کا طریقہ:** اس نماز کی ادائیگی کے مختلف طریقے احادیث میں وارد ہیں، جس کی وجہ خوف کا کم وبیش ہونا ہے۔ اگر لڑائی سفر میں ہے تو اس کی مشہور ترین کیفیت یہ ہے کہ فوج کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے۔ ایک جماعت دشمن کے مقابلے میں کھڑی ہو جائے اور دوسری امام کے پیچھے۔ امام انھیں ایک رکعت پڑھائے اور کھڑا رہے، اس اثنا میں یہ مقتدی اپنے طور پر ایک رکعت پڑھ لیں اور سلام پھیر دیں۔ یہ جماعت سلام کے بعد دشمن کے مقابلے میں جا کھڑی ہو اور دوسرا گروہ آجائے، امام انھیں بھی ایک رکعت پڑھائے اور تشہد میں بیٹھا رہے، یہ گروہ ایک رکعت اپنے طور پر پڑھ لے اور پھر امام کے ساتھ سلام پھیریں۔

نماز خوف کی یہ کیفیت حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ماخوذ ہے جو کہ صحیح مسلم میں مروی ہے۔[2]

(3) **حضر میں نماز خوف کا طریقہ:** اگر لڑائی ''حضر'' میں ہو رہی ہو، جہاں نماز قصر نہیں ہوتی تو پہلا گروہ دو رکعتیں امام کے ساتھ پڑھے اور دو رکعتیں اپنے طور پر اور امام کھڑا رہے پھر دوسرا گروہ آکر دو رکعتیں امام کے ساتھ ادا کرے اور امام بیٹھا رہے، اتنے میں وہ دو رکعتیں اپنے طور پر پڑھ لیں گے اور بعد ازاں امام ان کے ساتھ سلام پھیر دے گا۔

(4) **اگر لڑائی کی شدت کی وجہ سے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ناممکن ہو تو.....؟** اگر لڑائی شدت اختیار کر جائے اور فوج کو تقسیم کر کے انھیں نماز پڑھانا ممکن نہ ہو تو اکیلے اکیلے اشارے کے ساتھ نماز ادا کریں گے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ پیدل ہوں یا سوار، قبلہ رخ ہوں یا نہ کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾ ''اگر تمھیں خطرہ ہے تو پیدل یا سوار ہو کر (نماز ادا کرو)۔''[3]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيُصَلُّوا قِيَامًا وَّرُكْبَانًا»

''اور اگر وہ (دشمن) زیادہ ہوں تو مسلمان پیدل اور سوار ہو کر نماز پڑھ لیں۔''[4]

(5) **دشمن کا متلاشی یا دشمن سے بھاگنے والا:** جو شخص دشمن کی تلاش میں ہو اور اس کے نکل جانے کا اندیشہ ہو یا دشمن

(1) النسآء 4:102. (2) صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب صلاة الخوف، حدیث:841. (3) البقرة 2:239. (4) صحیح البخاري، صلاة الخوف، باب صلاة الخوف رجالًا و رکبانًا، حدیث:943

اس کے پیچھے پڑا ہوا ہو اور اسے پکڑے جانے کا خطرہ ہو یا کسی موذی جانور کی ایذا رسانی کا اندیشہ ہو تو جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھے، پیدل چلتے ہوئے یا دوڑتے ہوئے قبلہ رخ ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ "پس اگر تمھیں خطرہ ہو تو پیدل یا سوار ہو کر (نماز ادا کرو)۔"[1]

نیز عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے خالد بن سفیان ہذلی کی تلاش میں بھیجا۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے نماز کی تاخیر کا خوف ہوا تو میں نے چلتے چلتے اشارے کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔[2]

نماز جمعہ کا بیان (1) **نماز جمعہ کا حکم:** نماز جمعہ فرض ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾

"اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف جلدی آ جایا کرو اور تجارت چھوڑ دیا کرو۔"[3] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ»

"لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آ جائیں یا پھر اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔"[4]

نیز فرمایا: «اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَمْلُوكٌ، أَوِامْرَأَةٌ، أَوْ صَبِيٌّ، أَوْ مَرِيضٌ»

"جمعہ، جماعت کے ساتھ ہر مسلمان پر حق اور لازم ہے، البتہ چار قسم کے لوگوں پر (واجب نہیں ہے۔) مملوک غلام، عورت، بچہ اور بیمار۔"[5]

(2) **نماز جمعہ کی مشروعیت کی حکمت:** نماز جمعہ جن مقاصد کے لیے مشروع ہے، ان میں ایک یہ ہے کہ شہر یا دیہات کے ان ذمہ دار، بالغ اور مکلف افراد جو شہری ذمہ داریوں کو برداشت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، ایک جگہ اکٹھا کیا جائے تاکہ مسلمانوں کے امام یا خلیفہ، (یا ان کا نائب) اہل اسلام کے دین و دنیا سے متعلق اہم ترین بیانات اور قراردادوں کو سن سکیں۔ اور وہ (اہل اسلام) ترغیب وترہیب اور وعد و وعید پر مبنی ضروری باتیں ذہن نشین کر کے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور ان پر عمل وسعی کی کوشش کریں تو اس طرح وہ پورا ہفتہ جوش وخروش اور خوشی کے ساتھ

[1] البقرة 2:239. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب صلاة الطالب، حديث: 1249، امام ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ [3] الجمعة 62:9. [4] صحيح مسلم، الجمعة، باب التغليظ في ترك الجمعة، حديث: 865. [5] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الجمعة للمملوك والمرأة، حديث: 1067، امام نووی نے اسے صحیح کہا ہے۔

اسلامی احکام پر عمل پیرا ہوتے رہیں گے۔

جمعے کی شرائط وخصائص پر اگر ایک نظر ڈال لی جائے تو مذکورہ بالا حکمت کی نشاندہی واضح ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس کی شرائط میں جماعت ہے ❀ اور یہ کہ سب لوگ ایک ہی جگہ جمعہ ادا کریں اور خطبہ سربراہ حکومت یا اس کا نمائندہ ارشاد فرمائے اور دوران خطبہ گفتگو حرام ہے۔ غلام، عورت، نابالغ اور بیمار پر جمعہ میں حاضر ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ پورے مکلف نہیں ہیں اور منبر پر ارشاد کردہ ذمہ داریوں کے پورا کرنے کی قدرت و استطاعت نہیں رکھتے۔

(3) **یوم جمعہ کی فضیلت:** یوم جمعہ دنیا کے تمام ایام سے افضل اور عظیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے:

«خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ»

''بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، جمعے کا دن ہے، اس میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، وہ بہشت میں داخل کیے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعے کے دن ہی قائم ہوگی۔''[1]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دن کو عظمت دی ہے، لہٰذا اس میں کثرت سے نیکیاں کی جائیں اور گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔

(4) **جمعے کے آداب اور جمعے کے دن کے مسنون اعمال:** ❀ جمعے میں شریک ہونے والوں پر لازم ہے کہ وہ نہالیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ»

''جمعے کے دن ہر بالغ (مسلمان) پر غسل واجب ہے۔''[2]

❀ اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنیں اور خوشبو استعمال کریں: ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَلْبَسُ مِنْ صَالِحِ ثِيَابِهِ، وَإِنْ كَانَ لَهُ طِيبٌ مَسَّ مِنْهُ»

❀ رسول ﷺ کا ارشاد ہے: «جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا» صحيح البخاري، التيمم، باب، حديث: 335 ''میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے۔'' نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے تالابوں پر نماز جمعہ پڑھنا ثابت ہے بنابریں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد کی عمارت کے علاوہ مقامات میں بھی جمعہ جائز ہے۔ (الاثری)

1 صحيح مسلم، الجمعة، باب فضل يوم الجمعة، حديث: 854. 2 صحيح البخاري، الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة......، حديث: 879، وصحيح مسلم، الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ......، حديث: 846.

”تمام بالغ مسلمان جمعے کے دن غسل کریں اور اچھے کپڑے پہنیں اور اگر خوشبو ہے تو استعمال کریں۔“[1]

✽ نماز اور خطبہ کے وقت سے پہلے مسجد میں آنا نہایت فضیلت کا باعث ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْأُولٰى فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ»

”جو شخص جمعہ کے دن غسل جنابت کی طرح غسل کرے اور پہلے وقت میں ہی چل پڑے تو گویا اس نے اللہ کے تقرب میں اونٹ دیا اور جو دوسرے وقت میں جائے، گویا اس نے گائے تقرب کے لیے دی اور جو تیسرے وقت میں جائے تو گویا اس نے سینگ والا مینڈھا دیا اور جو چوتھے وقت میں جائے، وہ ایسا ہے جیسے اس نے مرغی کی قربانی دی اور جو پانچویں وقت میں جائے، گویا اس نے انڈہ قربانی میں دیا اور جب امام خطبہ کے لیے آتا ہے تو فرشتے ذکر سننے کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں۔“[2]

✽ مسجد میں داخل ہونے کے بعد جتنے نوافل آسانی سے پڑھ سکے، پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَّ يَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْيَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّي مَاكُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ، إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى»

”جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے اور استطاعت کے مطابق اچھی طرح وضو کرتا ہے اور تیل یا خوشبو لگاتا ہے اور پھر مسجد میں پہنچ جاتا ہے اور دو آدمیوں میں تفریق نہیں کرتا اور جو اس کے لیے مقدر ہے نماز پڑھتا ہے، پھر امام کے خطبہ میں خاموش رہتا ہے تو اگلے جمعہ تک کے اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، (بشرطیکہ بڑے گناہوں کا ارتکاب نہ کرے)۔“[3]

✽ امام کے خطبہ شروع کرنے پر گفتگو ترک کر دے اور کنکریوں وغیرہ سے مشغولیت منقطع کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد

[1] [حسن] مسند أحمد: 66,65/3، اس کی سند منقطع ہے لیکن یہ دوسری سندوں کے ساتھ بھی مروی ہے دیکھیں: سنن أبي داود، الطهارة، باب في الغسل للجمعة، حديث: 344، 347، وصحيح البخاري، الجمعة، باب الطيب للجمعة، حديث: 880 اور صحیح مسلم وغیرہ۔ [2] الموطأ للإمام مالك، الجمعة، باب العمل في غسل يوم الجمعة، حديث: 230، وصحيح البخاري، الجمعة، باب فضل الجمعة، حديث: 881، وصحيح مسلم، الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، حديث: 850.

[3] صحيح البخاري، الجمعة، باب الدهن للجمعة، حديث: 883.

ہے: «إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ: أَنْصِتْ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَقَدْ لَغَوْتَ»

''اگر جمعہ کے دن امام خطبہ دے رہا ہو اور تو اپنے ساتھی کو کہے: ''خاموش ہو جا'' تو تو نے (بھی) لغو کام کیا۔''[1]

نیز فرمایا: «مَنْ مَسَّ الْحَصٰى فَقَدْ لَغَا» ''جو کنکریوں کو ہاتھ لگائے، اس نے لغو کام کیا۔''[2]

❁ اگر کوئی شخص مسجد میں اس وقت آتا ہے، جب امام خطبہ دے رہا ہو تو پہلے تحیۃ المسجد کے طور پر دو ہلکی رکعتیں پڑھ لے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا»

''جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اس وقت آئے جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھ لے اور ان میں تخفیف سے کام لے۔''[3]

❁ مسجد میں بیٹھنے والوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور نہ ان کے درمیان تفریق کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو لوگوں کی گردنوں پر سے گزرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

«اِجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ» ''بیٹھ جا تو نے ایذا دی ہے۔''[4]

نیز فرمایا: «فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ» ''اور وہ (اکٹھے بیٹھنے والے) دو آدمیوں میں تفریق نہ کرے۔''[5]

❁ جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ﴾

''اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کی اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلد نکلو اور تجارت چھوڑ دو۔''[6]

❁ جمعہ کی رات یا دن میں سورۂ کہف کی تلاوت مستحب ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّورِ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ»

''جو شخص جمعہ کے دن ''سورۂ کہف'' پڑھتا ہے تو دو جمعوں کے درمیان اس کے لیے نور چمکتا رہتا ہے۔''[7]

❁ رسول اللہ ﷺ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود و سلام پڑھنا چاہیے۔ اس لیے کہ آپ کا ارشاد ہے:

«أَكْثِرُوا مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيَّ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةِ الْجُمُعَةِ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ كُنْتُ لَهُ شَهِيدًا

(1) صحيح مسلم، الجمعة، باب في الإنصات يوم الجمعة في الخطبة، حديث: 851. (2) صحيح مسلم، الجمعة، باب فضل من استمع وأنصت في الخطبة، حديث: 857. (3) صحيح مسلم، الجمعة، باب التحية والإمام يخطب، حديث: 875. (4) [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب تخطي رقاب الناس يوم الجمعة، حديث: 1118 اسے امام ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور امام ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ (5) صحيح البخاري، الجمعة، باب الدهن للجمعة، حديث: 883. (6) الجمعة 62:9.
(7) موقوفاً صحیح ہے، المستدرك للحاكم: 368/2 و تعقبه الذهبي اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے۔

وَّشَفِيعًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جمعہ کے دن اور رات کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو۔ جو اس کی تعمیل کرے گا میں قیامت کے دن اس کے لیے گواہ اور سفارشی ہوں گا۔''*

* جمعہ کے دن کثرت سے دعا کرنا بہتر ہے، اس لیے کہ اس دن میں ایک ساعت دعا کی قبولیت کی ہے، جو اس وقت میں دعا کرتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور جو مانگے دیتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَّا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ يَّسْأَلُ اللّٰهَ فِيهَا خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ»

''جمعہ کے دن میں ایک ایسا وقت ہے کہ جب کوئی مسلمان اللہ کا بندہ اس میں اللہ عزوجل سے اچھائی کا سوال کرے تو وہ یقیناً اسے دیتا ہے۔''[1]

بعض روایات میں ہے کہ یہ وقت امام کے خطبے کے لیے بیٹھنے سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک کے درمیان میں ہے۔[2] اور بعض کا قول یہ ہے کہ یہ عصر کے بعد ہے۔[3]

(5) **وجوب جمعہ کی شرائط:** * مرد ہونا کیونکہ عورت پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ * آزاد ہونا کیونکہ غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ * بالغ ہونا کیونکہ نابالغ پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ * تندرست ہونا کیونکہ بیمار جو بیماری کی وجہ سے جمعہ میں شریک نہیں ہوسکتا، اس پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ * مقیم ہونا کیونکہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَّمْلُوكٌ، أَوِ امْرَأَةٌ، أَوْ صَبِيٌّ، أَوْ مَرِيضٌ»

''جمعہ، چار کے سوا سب مسلمانوں پر واجب اور ثابت ہے (اور وہ چار یہ ہیں) غلام مملوک، عورت، نابالغ

* [ضعیف] امام سیوطی نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کو امام بیہقی کی ''شعب الایمان'' حدیث: 3033 کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کے حسن ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن امام مناوی نے ''فیض القدیر'' (شرح الجامع الصغیر) میں اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ امام سیوطی کی بات درست نہیں ہے کیونکہ بالخصوص اس سند میں درست بن زیاد ہے جسے امام ابوزرعہ وغیرہ نے ''واہٍ'' قرار دیا ہے، نیز اس میں یزید الرقاشی ہے جسے امام نسائی وغیرہ نے متروک قرار دیا ہے: (112/2، حدیث: 1405)، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

(1) صحيح مسلم، الجمعة، باب في الساعة التي في يوم الجمعة، حديث: 852. (2) صحيح مسلم، الجمعة، باب في الساعة التي في يوم الجمعة، حديث: 853، وسنن أبي داود، باب الإجابة أية ساعة هي في يوم الجمعة، حديث: 1049. (3) [صحيح] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ما جاء في الساعة التي ترجى في الجمعة، حديث: 1139، امام بوصیری فرماتے ہیں: اس کے راوی ثقہ اور سند صحیح ہے، نیز دیکھیے: مسند أحمد: 451/5.

لڑکا اور بیمار۔''[1]

اور فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا عَلٰى مَرِيضٍ أَوْمُسَافِرٍ أَوِ صَبِيٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ ...... »

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھنے والے ہر مومن پر جمعہ کے دن جمعہ واجب ہے مگر بیمار، مسافر، عورت، نابالغ اور غلام پر (واجب نہیں)۔''[2]

ہاں جس پر جمعہ واجب نہیں ہے، اگر وہ امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کر لیتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔ وہ اس کے بعد نماز ظہر نہیں پڑھے گا۔

⑥ **صحت جمعہ کی شرائط** ❋ آبادی (گاؤں، دیہات، شہر) ہو تو جمعہ صحیح ہے، صحرا یا سفر میں جمعہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں شہروں، بستیوں اور دیہات میں جمعہ ہوتا تھا جبکہ بادیہ نشینوں کو اس کا حکم آپ نے نہیں دیا تھا اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سفر میں اس کا اہتمام کیا ہو۔ ❀

❋ مسجد کی عمارت یا صحن ہی میں جمعہ درست ہے، اس کے علاوہ کھلے میدانوں میں بوقت ضرورت جمعہ درست ہے۔

❋ نماز سے پہلے خطبہ ضروری ہے۔ اس کے بغیر نماز جمعہ نہیں ہے، اس لیے کہ جمعہ کی مشروعیت خطبہ (جس میں وعظ و تذکیر ہوتا ہے) کے لیے ہی ہے۔

❋ بستی سے دور رہنے والے پر جمعہ واجب نہیں ہے: جس شہر (یا آبادی) میں جمعہ کی اقامت کا انتظام ہو، اس سے تین میل دور رہنے والے پر جمعہ واجب نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْجُمُعَةُ عَلٰى كُلِّ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ» ''جمعہ ہر اس شخص پر ہے جو اذان سن سکتا ہے۔''[3]

❀ حدیث نبوی ہے: ''ساری زمین میرے لیے مسجد بنا دی گئی ہے۔'' (صحیح البخاري، التیمم، باب:1، حدیث: 335) اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا: ''تم جہاں ہو جمعہ قائم کرو۔'' مصنف ابن أبي شیبة:1/440. میں بھی یہ اثر مروی ہے، عینی نے اسے صحیح کہا ہے۔ کذا في عون المعبود:3/280-283 اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کھلے میدان میں بھی درست ہے۔ (الاثری)

[1] [صحیح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الجمعة للمملوك والمرأة، حدیث: 1067، اسے امام نووی نے صحیح کہا ہے۔ مستدرک حاکم میں اس کی دوسری سند بھی موجود ہے۔ [2] [ضعیف] السنن الکبرٰی للبیهقي: 3/184، اس کی سند ابن لہیعہ وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن دیگر دلائل سے نفس مسئلہ ثابت ہے، نبی ﷺ مختلف اسفار میں گئے ہیں لیکن آپ نے نماز جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھی ہے۔ [3] [ضعیف] سنن أبي داود، الصلاة، باب من تجب علیه الجمعة، حدیث: 1056، وسنن الدارقطني: 2/6 اس کی سند ابو سلمہ بن نبیہ اور ابن ہارون کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اور عام طور پر تین میل سے زیادہ مؤذن کی اذان نہیں سنی جاسکتی۔ تین میل ✿ ساڑھے چار کلومیٹر ہوتا ہے۔

(7) **جمعہ کی ایک رکعت یا کم پانے والے شخص کا حکم:** مسبوق (بعد میں ملنے والا) جمعہ کی ایک رکعت جماعت کے ساتھ پڑھ لے تو اس کے ساتھ ایک اور ملالے، اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»

''جو شخص (کسی) نماز کی ایک رکعت پالے تو اس نے نماز پالی ہے۔''[1]

اور جو ایک رکعت سے کم پائے، مثلاً: سجدے میں شامل ہو تو وہ ظہر کی نماز چار رکعت پڑھے اور امام کے سلام کے بعد پوری کرے۔

(8) **ایک شہر میں متعدد جمعوں کا اہتمام:** اگر مسجد نمازیوں کی گنجائش سے تنگ ہے اور اس کی توسیع کا امکان بھی نہیں ہے تو شہر کی دوسری مسجد یا مساجد میں حسب ضرورت اس کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔

(9) **نماز جمعہ کی کیفیت اور طریقہ:** سورج کے زوال کے بعد امام آ کر موجود لوگوں کو سلام کہے اور منبر پر چڑھ جائے۔ جب بیٹھ جائے تو مؤذن ظہر کی اذان کی طرح اذان کہے، مؤذن جب اذان سے فارغ ہو جائے تو امام کھڑا ہو کر لوگوں کو خطبہ دے۔ ابتدا اللہ کی تعریف اور اس کی حمد وثنا سے کرے اور رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام کہے اور لوگوں کو اونچی آواز کے ساتھ وعظ ونصیحت کرے، اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے اوامر بتائے اور منہیات سے اجتناب کی تلقین کرے، ترغیب وترہیب کا انداز اپنائے اور وعد ووعید کے ذریعے لوگوں کو سمجھائے اور پھر تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جائے اور پھر کھڑا ہو کر دوبارہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا پر مشتمل خطبہ پڑھے، اس لہجہ اور اس آواز کے ساتھ کہ گویا وہ کسی دشمن فوج سے ڈرا رہا ہے۔ اس سے فارغ ہو جائے تو امام منبر سے نیچے اتر آئے پھر مؤذن نماز کی طرح اقامت کہے اور امام لوگوں کو دو رکعت پڑھائے جن میں اونچی آواز سے قراءت کرے، بہتر ⊙ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد

✿ اس کا اطلاق ایک وسیع علاقے کی آبادی پر نہیں ہوتا، بالعموم تین میل کے اثناء میں بستیاں اور آبادیاں موجود ہیں، لہٰذا ہر بستی میں جمعہ کا انتظام کرنا لازم ہے، البتہ بیابان صحرائی علاقے ہیں، وہاں موجود کسی اکیلے مرد پر جمعہ لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ مسافر کے حکم میں ہے۔ (الاثری)

⊙ صحیح مسلم، حدیث: 877 میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔ (مؤلف) اور موطا امام مالک میں ''سورۂ جمعہ'' پہلی رکعت میں اور ''سورۂ غاشیہ'' دوسری رکعت میں پڑھنا بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، لہٰذا ان سب پر وقتاً فوقتاً عمل کرنا چاہیے، یاد رہے کہ یہ سورتیں مکمل پڑھنی چاہئیں، بعض لوگ ان میں سے چند آیات پڑھ لیتے ہیں، یہ استحباب وسنت کے خلاف ہے۔ (الاثری)

[1] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب من أدرك من الصلاة ركعة، حديث: 580، وصحيح مسلم، المساجد، باب من أدرك ركعة من الصلاة، حديث: 607.

سورۂ ''الاعلیٰ'' اور دوسری میں ''الغاشیہ'' پڑھے۔

سنتِ وتر، سنتِ فجر، مؤکدہ سنتیں اور دیگر نوافل ❋ نماز وتر کا بیان

(1) نماز وتر کا حکم اور اس کی تعریف: وتر لازمی سنت ہے، جسے کسی حال میں بھی مسلمان ترک نہ کرے۔ عشاء کے بعد رات کے نوافل کے آخر میں ایک رکعت کو وتر کہتے ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً، تُوتِرُ لَهُ مَاقَدْ صَلّٰى»

''رات کی نماز دو دو رکعت ہے، جب تم میں سے کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہو جائے تو ایک رکعت پڑھے، اس طرح اس کی ساری پڑھی ہوئی نماز وتر (طاق) بن جائے گی۔''[1]

(2) وتر سے قبل سنت طریقہ کیا ہے: مسنون طریقہ یہ ہے کہ وتر سے پہلے کم از کم دو رکعت یا زیادہ سے زیادہ دس رکعات تک پڑھے، پھر وتر پڑھے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔

(3) وتر کا وقت: عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر طلوعِ فجر سے پہلے تک، وتر کا وقت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں اسے پڑھا جائے، اگرچہ ابتدائی حصے میں بھی جائز ہے، الّا یہ کہ بیدار نہ ہونے کا اندیشہ ہو (تو عشاء کے بعد سونے سے پہلے پڑھ لے) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ خَافَ أَنْ لَّا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَّقُومَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ، فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ وَّذٰلِكَ أَفْضَلُ»

''جس کا خیال یہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں بیدار نہیں ہو سکے گا تو وہ اول حصے میں وتر پڑھ لے اور جو گمان کرتا ہے کہ وہ آخری حصے میں بیدار ہو جائے گا، وہ رات کے آخری حصے میں ہی وتر پڑھے، اس لیے کہ رات کے آخری حصہ کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ افضل ہے۔''[2]

(4) جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے اور صبح ہو جائے: ایک مسلمان سویا رہا اور وتر نہ پڑھ سکا اور اسی طرح صبح ہو گئی تو وہ صبح کی نماز سے پہلے قضا کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِذَا أَصْبَحَ أَحَدُكُمْ وَلَمْ يُوتِرْ فَلْيُوتِرْ»

''اگر تم میں سے کوئی شخص صبح ہونے تک وتر نہ پڑھ سکے تو اسے چاہیے کہ وتر پڑھ لے۔''[3]

نیز ارشاد ہے: «مَنْ نَّامَ عَنْ وِّتْرِهِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّهِ إِذَا ذَكَرَهُ»

''جو سویا رہا یا بھول گیا اور وتر نہ پڑھ سکا تو جب یاد آئے وتر پڑھ لے۔''[4]

(1) صحيح البخاري، الوتر، باب ماجاء في الوتر، حديث: 990. (2) صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب من خاف أن لايقوم من آخر الليل فليوتر أوله، حديث: 755. (3) المستدرك للحاكم: 304,303/1 اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔
(4) [صحیح] سنن أبي داود، الوتر، باب في الدعاء بعد الوتر، حديث: 1431، اسے امام حاکم، ذہبی اور امام عراقی نے صحیح کہا ہے۔

(5) وتر میں کس طرح کی قراءت کرنی چاہیے: وتر سے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد ''سورۂ اعلیٰ'' اور ''سورۂ کافرون'' پڑھے اور وتر کی رکعت میں ''سورۂ اخلاص'' اور ''معوذتین'' کی تلاوت کرے۔[1]

(6) ایک رات میں کئی وتر پڑھنے کی کراہت: ایک ہی رات میں وتر کا تکرار ناجائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ» ''ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔''[2]

(7) جس شخص نے رات کے اول حصہ میں وتر پڑھا اور پھر آخری حصہ میں نفل پڑھنا چاہتا ہے تو وہ صرف نفل پڑھے، وتر کا اعادہ نہ کرے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ» ''ایک رات میں دو وتر نہیں۔''[3]

* **سنت فجر کا بیان:** (1) فجر کی سنتوں کا حکم: وتر کی طرح یہ دو رکعتیں بھی سنت مؤکدہ ہیں، اس لیے کہ یہ رکعتیں دن کی نماز کی ابتدا ہیں، جبکہ وتر رات کی نماز کا اختتام اور رسول اللہ ﷺ کے معمول سے ان کا مؤکدہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ آپ نے ہمیشہ ان کی پابندی کی ہے اور کبھی ترک نہیں کیں۔ اور اپنے اس فرمان عالی سے ترغیب بھی دلائی ہے:

«رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا» ''صبح کی دو رکعتیں دنیا وما فیہا سے بہتر ہیں۔''[4]

نیز ارشاد ہے: «لَا تَدَعُوا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، وَإِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ»

''صبح کی دو رکعتیں ترک نہ کرو، چاہے (دشمن کے) گھوڑے تمھارے مقابلہ میں ہوں۔''[5]

(2) صبح کی سنتوں کا وقت: صبح کی سنتوں کا وقت طلوع فجر اور صبح کی فرض نماز کے درمیان ہے۔ اگر ایک شخص سورج طلوع ہونے تک نہ جاگ سکا اور سویا رہا یا اسے نسیان ہو گیا تو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے یا جب یاد آئے پڑھ لے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ لَّمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُصَلِّهِمَا»

''جس نے صبح کی دو رکعتیں سورج طلوع ہونے تک نہیں پڑھیں، وہ طلوع کے بعد پڑھے۔''[6]

(1) [حسن] سنن أبي داود، الوتر، باب ما يقرأ في الوتر، حديث: 1423، و سنن النسائي، قيام الليل، باب نوع آخر من القراءة في الوتر، حديث: 1730، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ما جاء فيما يقرأ في الوتر، حديث: 1173، اسے امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ (2) [حسن] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء لا وتران في ليلة، حديث: 470 وقال حسن غريب، و سنن أبي داود، الوتر، باب في نقض الوتر، حديث: 1439، اس کی سند صحیح ہے، اسے امام ابن حزم اور ابن حبان نے بھی صحیح کہا ہے۔ (3) [حسن] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء لا وتران في ليلة، حديث 470 وقال حسن غريب، وسنن أبي داود، الوتر، باب في نقض الوتر، حديث: 1439، اس کی سند صحیح ہے، اسے امام ابن حزم اور ابن حبان نے بھی صحیح کہا ہے۔ (4) صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر...... حديث: 725. (5) [ضعيف] مسند أحمد: 405/2، وسنن أبي داود، الصلاة، باب في تخفيفهما، حديث: 1258، اس کی سند ابن سیلان کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (6) [ضعيف] السنن الكبرٰى للبيهقي: 484/2، اس کی سند قتادہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ایک جنگ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سورج چڑھے تک سوئے رہے، چنانچہ بیدار ہونے کے بعد اس جگہ سے ہٹ کر آگے بڑھے اور بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم دیا اور پہلے دو رکعتیں پڑھیں، پھر صبح کی نماز ادا کی۔[1]

(ii) سنتیں ادا کرنے کا طریقہ: دو خفیف (ہلکی) رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھے اگر صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرے تو بھی جائز ہے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کے فرضوں سے پہلے دو خفیف رکعتیں پڑھتے تھے، مجھے شک ہوتا کہ شاید آپ نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں۔[2]

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعتوں میں ﴿قُلْ يَاأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ﴾ پڑھتے تھے اور آہستہ پڑھتے تھے۔[3]

❁ سنن رواتب: فرائض سے پہلے یا بعد میں جو مؤکدہ سنتیں پڑھی جاتی ہیں، رواتب کہلاتی ہیں اور وہ یہ ہیں: ظہر سے پہلے چار یا دو اور بعد میں دو رکعتیں اور دو رکعتیں مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد دو اور دو رکعتیں نماز فجر سے پہلے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشْرَ رَكْعَاتٍ: رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ»

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے دس رکعتیں یاد کی ہیں، دو رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد اور دو مغرب کے بعد گھر میں، دو رکعتیں عشاء کے بعد گھر میں اور دو رکعتیں صبح کی نماز سے پہلے۔"[4]

اور عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ»

"رسول اللہ ﷺ نماز ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور صبح سے پہلے دو رکعتیں ترک نہیں کرتے تھے۔"[5]

نیز آپ کا ارشاد ہے:

«بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ» "ہر دو اذانوں (اذان اور اقامت) کے درمیان میں نماز ہے۔"[6]

نیز فرمایا: «رَحِمَ اللّٰهُ امْرَءًا صَلّٰى أَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ»

(1) صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت، حديث: 595، وصحيح مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة...، حديث: 681. (2) صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر...، حديث: 724. (3) صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر...، حديث: 726. (4) صحيح البخاري، التهجد، باب الركعتين قبل الظهر، حديث: 1180. (5) صحيح البخاري، التهجد، باب الركعتين قبل الظهر، حديث: 1182. (6) صحيح البخاري، الأذان، باب كم بين الأذان والإقامة...، حديث: 624، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب بين كل أذانين صلاة، حديث: 838.

”اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس شخص پر رحم کرے، جس نے عصر سے پہلے چار رکعات پڑھیں۔“(1)

نوافل: (1) **نوافل کی فضیلت:** نفل نماز کی بڑی فضیلت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِعَبْدٍ فِي شَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ يُصَلِّيهِمَا، وَإِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ عَلٰى رَأْسِ الْعَبْدِ مَادَامَ فِي صَلَاتِهِ»

”اللہ تعالیٰ نے بندے کو کسی ایسی چیز کی اجازت نہیں دی جو ان دو نوافل سے بہتر ہو، جنھیں وہ ادا کرتا ہے اور بندہ جب تک اپنی نماز میں رہتا ہے اس کے سر پر نیکی ڈالی جاتی ہے۔“(2)

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بہشت میں معیت کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

«فَأَعِنِّي عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ» ”کثرتِ سجود (کثرتِ نوافل) کے ساتھ میری معاونت کرو۔“(3)

(2) **نفل نماز کی حکمت:** فرض نمازوں میں کمی کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ النَّاسُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ أَعْمَالِهِمْ: اَلصَّلَاةُ، قَالَ، يَقُولُ رَبُّنَا عَزَّوَجَلَّ لِلْمَلَائِكَةِ ـ وَهُوَ أَعْلَمُ: ـ اُنْظُرُوا فِي صَلَاةِ عَبْدِي أَتَمَّهَا أَمْ نَقَصَهَا؟ فَإِنْ كَانَتْ تَامَّةً كُتِبَتْ لَهُ تَامَّةً، وَإِنْ كَانَ انْتَقَصَ مِنْهَا شَيْئًا، قَالَ: اُنْظُرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ؟ فَإِنْ كَانَ لَهُ تَطَوُّعٌ قَالَ: أَتِمُّوا لِعَبْدِي فَرِيضَتَهُ مِنْ تَطَوُّعِهِ، ثُمَّ تُؤْخَذُ الْأَعْمَالُ عَلٰى ذَاكُمْ»

”قیامت کے دن لوگوں کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے اور وہ خوب جانتا ہے۔ میرے بندے کی نماز دیکھو، اس نے اسے مکمل کیا ہے یا ناقص چھوڑا ہے۔ اگر پوری ہے تو لکھ دیا جائے گا کہ اس کی نماز مکمل ہے اور اگر کچھ کمی ہوئی تو حکم فرمائے گا کہ میرے بندے کی نفل نماز دیکھو اگر نوافل اس کی نماز میں ہوں گے تو اللہ فرمائے گا: میرے بندے کے فرائض کو اس کے نوافل سے پورا کر دو اور پھر باقی اعمال بھی اسی طرح دیکھے جائیں گے۔“(4)

(3) **نوافل کا وقت:** چار اوقات کے سوا دن اور رات کے سب اوقات میں نفل پڑھے جا سکتے ہیں۔ وہ چار اوقات یہ ہیں:

(1) [صحیح] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في الأربع قبل العصر، حديث: 430، وصحيح ابن خزيمة: 206/2، حديث: 1193 واللفظ له. (2) [ضعيف] جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ما تقرب العباد إلى الله بمثل ما خرج منه، حديث 2911 وقال غريب، اس کی سند لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (3) صحيح مسلم، الصلاة، باب فضل السجود والحث عليه، حديث: 489. (4) [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب قول النبي ﷺ: كل صلاة لا يتمها صاحبها تتم من تطوعه، حديث: 864، ومسند أحمد: 425/2، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

❁ فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک۔

❁ سورج نکلنے سے لے کر ایک نیزہ سورج کے اونچا ہونے تک۔

❁ سورج جب سر کے اوپر ہوتا ہے، زوال تک۔

❁ عصر کے بعد سے سورج کے غروب ہونے تک۔

اس لیے کہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

«صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَتّٰى تَرْتَفِعَ، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ، ثُمَّ صَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ (أَيْ يُوقَدُ عَلَيْهَا) فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ»

''صبح کی نماز پڑھ، پھر سورج کے طلوع اور اونچا ہونے تک نماز سے رک جا، اس لیے کہ یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں، پھر نماز پڑھ، یقیناً نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور سورج کے سیدھا سر پر ہونے (زوال) کے وقت نماز سے رک جا، اس لیے کہ اس وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے اور پھر زوال کے بعد نماز پڑھ، اس لیے کہ نماز کے لیے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، پھر نماز عصر پڑھ، پھر اس کے بعد غروب آفتاب تک ٹھہر جا، اس لیے کہ یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔''[1]

(۵) بیٹھ کر نفل ادا کرنا: بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے، البتہ کھڑے ہو کر پڑھنے کی نسبت بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملتا ہے۔❁ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلَاةِ» ''آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا نصف نماز کے برابر ہے۔''[2]

❁ فرائض ونوافل کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر ادا کیے جائیں تو پورا ثواب ملتا ہے اگر بلاعذر بیٹھا جائے اور اسے طریقہ نہ بنایا جائے تو نوافل ادا ہو جائیں گے اور نصف ثواب ملے گا جبکہ فرائض ادا نہیں ہوں گے کیونکہ قیام رکن ہے جس کے چھوٹنے سے عمل باطل ہو جاتا ہے واللہ اعلم (ع،ر)

(1) صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب إسلام عمرو بن عبسة، حديث: 832. (2) صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جواز النافلة قائما وقاعدا......، حديث: 735، وسنن أبي داود، الصلاة، باب في صلاة القاعد، حديث: 950، وسنن النسائي، قيام الليل، باب فضل صلاة القائم على صلاة القاعد، حديث: 1660.

❁ **نفلی نماز کی اقسام:** ⑴ **تحیۃ المسجد:** رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتّٰى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔''[1]

⑵ **نماز چاشت:** یہ چار سے آٹھ رکعات تک ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

«اِبْنَ آدَمَ! اِرْكَعْ لِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ»

''اے ابن آدم! دن کے اول حصے میں میرے لیے چار رکعات پڑھ، میں اس کے آخر میں تیرے لیے کفایت کروں گا۔''[2]

⑶ **تراویح رمضان:** اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جس نے ایمان اور طلب ثواب کے ساتھ رمضان کا قیام کیا تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''[3]

⑷ **وضو کے بعد کی دو رکعتیں:** اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ مُّسْلِمٌ فَيُحْسِنُ الْوُضُوءَ فَيُصَلِّي صَلَاةً إِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ الَّتِي تَلِيهَا»

''جو مسلمان اچھا وضو کرتا ہے، پھر نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلی نماز تک کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔''[4]

⑸ **سفر سے واپس آ کر بستی کی مسجد میں دو رکعتیں پڑھنا:** کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «كَانَ (النَّبِيُّ ﷺ) إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَرَكَعَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ»

''نبی ﷺ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعتیں پڑھتے تھے۔''[5]

⑴ صحيح البخاري، التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، حديث: 1163، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد......، حديث: 714. ⑵ [حسن] مسند أحمد: 153/4، وجامع الترمذي، الوتر، باب ما جاء في صلاة الضحى، حديث: 475، وقال حسن غريب، وسنن أبي داود، التطوع، باب صلاة الضحى، حديث: 1289. ⑶ صحيح البخاري، الإيمان، باب تطوع قيام رمضان من الإيمان، حديث: 37. اور صحيح البخاري، التهجد، باب قيام النبي ﷺ بالليل في رمضان وغيره، حديث: 1147 میں ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ گیارہ رکعات میں آٹھ رکعات قیام رمضان ہیں اور تین رکعتیں وتر۔ (الاثری) ⑷ صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء......، حديث: 227. ⑸ صحيح البخاري، المغازي، باب حديث كعب بن مالك رضي الله عنه، حديث: 4418، و صحيح مسلم، التوبة، باب حديث توبة كعب ......، حديث: 2769.

(6) توبہ کی دو رکعات: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُومُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّي (رَكْعَتَيْنِ) ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ إِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ»

''جو آدمی کوئی گناہ کرتا ہے، پھر وضو کرتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے بخشش کا طالب ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔''[1]

(7) مغرب سے پہلے دو رکعتیں: اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ» (ثُمَّ) قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «لِمَنْ شَاءَ»

''مغرب کی نماز سے پہلے نماز پڑھو'' اور تیسری مرتبہ فرمایا جو چاہے۔''[2]

(8) استخارہ کے لیے دو رکعتیں: اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّي فِي دِينِي وَ مَعَاشِي وَ عَاقِبَةِ أَمْرِي فَاقْدُرْهُ لِي وَ يَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْلِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ»

''جب تم میں کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعات نفل پڑھ کر یہ دعا (دعائے استخارہ) پڑھے، یعنی ''اے اللہ! میں تیرے علم کے ساتھ تجھ سے اچھائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ساتھ، قدرت کا طالب ہوں اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں تو قدرت رکھتا ہے، مجھے قدرت نہیں ہے تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو پوشیدہ امور کو خوب جانتا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین، میری معاش اور نتیجے کے طور پر میرے لیے درست ہے تو اسے میرے لیے مقدر کر اور آسان کر اور پھر مجھے اس میں برکت دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین، میری معاش اور نتیجہ کے اعتبار سے میرے لیے شر ہے تو اسے مجھ سے ہٹا دے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لیے اچھائی مقدر کر جہاں بھی ہے اور پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔''[3]

[1] [حسن] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في الصلاة عند التوبة، حديث: 406 وقال حسن. [2] صحيح البخاري، التهجد، باب الصلاة قبل المغرب، حديث: 1183. [3] صحيح البخاري، التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، حديث: 1162. فوٹ: «أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ» کی بجائے اپنی ضرورت کا نام لے۔ استخارہ مباح کاموں کے لیے کرنا چاہیے، امور واجبہ یا محرمہ میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو کام انسان پر واجب ہیں، ان میں خیر طلب کرنے کی ضرورت نہیں، وہ خیر ہی خیر ہیں اور جس کام کے چھوڑنے کا حکم ہے، اس میں خیر کا پہلو نہیں ہوتا، لہٰذا اس میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (مؤلف)

⑨ نماز حاجت: مسلمان جب کوئی کام کرنا چاہے تو وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورت کا سوال کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ تَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يُتِمُّهُمَا، أَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا سَأَلَ مُعَجَّلًا أَوْ مُؤَخَّرًا»

''جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر اچھے طریقے سے دو رکعتیں پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اس کا سوال پورا کر دیں گے۔''[1]

⑩ نماز تسبیح: یہ چار رکعات ہیں، ہر رکعت میں قراءت کے بعد پندرہ بار یہ ذکر کرے «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ» اور رکوع میں دس بار اور رکوع سے سر اٹھا کر دس بار، پھر سجدہ میں دس بار اور سجدہ سے اٹھ کر دس بار، پھر دوسرے سجدہ میں دس بار اور دو رکعتوں کے درمیان جلسۂ استراحت میں دس بار ✿ اس طرح ہر رکعت میں پچھتر تسبیحات ہوں گی۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر مندرجہ بالا طریقے سے صلاۃ تسبیح پڑھنے کا کہا اور فرمایا:

«إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِي عُمُرِكَ مَرَّةً»

''اگر تو روزانہ پڑھ سکے تو پڑھ، اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو ہفتہ میں ایک بار اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو سال میں ایک بار، اگر یہ بھی نہ کر سکے تو زندگی میں ایک بار ضرور پڑھ۔''[2]

⑪ سجدۂ شکر: مسلمان کو کوئی پسندیدہ نعمت حاصل ہو جائے یا کسی خوفناک چیز سے نجات مل جائے تو وہ اللہ کے لیے اس نعمت پر سجدۂ شکر بجا لائے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی خوش کن خبر آتی تو آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے سجدۂ شکر بجا لاتے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام ایک بار یہ پیغام لائے کہ ''جو شخص آپ پر ایک بار درود پڑھے گا، اللہ جل سجدہ اس کے لیے دس رحمتیں نازل فرمائیں گے۔'' تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔[3]

⑫ سجدۂ تلاوت: سجدۂ تلاوت بھی مشروع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي، يَقُولُ: يَاوَيْلَهُ! أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ»

✿ نمازی ہر رکعت کے بعد جلسۂ استراحت یا تشہد کے لیے بیٹھتا ہے گویا ہر رکعت کے بعد بیٹھ کر وہ دس بار یہ تسبیحات پڑھے گا۔ (ع، ر)

① [حسن] مسند أحمد: 443/6. ② [حسن] سنن أبي داود، التطوع باب صلاة التسبيح، حديث: 1297. ③ مسند أحمد: 191/1، والمستدرك للحاكم: 550/1.

''ابن آدم جب سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدے کرتا ہے تو شیطان الگ ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے افسوس! ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کر لیا، اس کے لیے بہشت ہے اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا تو میں نے نافرمانی کی، میرے لیے جہنم ہے۔''[1]

جب کوئی مسلمان ''آیت سجدہ'' پڑھے یا سنے تو وہ سجدہ کرے اور سجدے کو جاتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہے اور سجدے میں یہ دعا پڑھے:

«سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ»

''میرے چہرے نے اس (اللہ تعالیٰ کی) ذات کے لیے سجدہ کیا، جس نے اسے پیدا کیا اور اس کے کان اور آنکھیں بنائیں، پس اللہ احسن الخالقین برکت والا ہے۔''[2]

اس میں زیادہ ثواب ہے کہ سجدہ کرنے والا باوضو ہو اور قبلہ رخ ہو کر سجدہ کرے۔ قرآن پاک میں سجدے کے مقامات معلوم ہیں اور وہ پندرہ ہیں۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اسے قرآن پاک میں پندرہ آیات سجدہ پڑھائیں، جن میں سے تین مفصلات میں ہیں اور ''سورۂ حج'' میں دو سجدے ہیں۔[3]

نماز عیدین کا بیان

❊ نماز عیدین کا حکم اور ان کا وقت: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں واجب کی طرح مؤکدہ ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے درج ذیل فرمان میں ان کی ادائیگی کا حکم دیا ہے:

﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ۝﴾

''بے شک ہم نے تجھے کوثر دی ہے، پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''[4]

اور اس کے ساتھ مومن کی فلاح وکامیابی منسلک کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ۝ وَذَكَرَ ٱسْمَ رَبِّهِۦ فَصَلَّىٰ ۝﴾

''وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنا تزکیہ کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی۔''[5]

اور رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کی ادائیگی پر ہمیشگی کی ہے اور حکم بھی دیا ہے۔ حتیٰ کہ بچوں اور عورتوں کو بھی گھروں سے باہر آ کر اس میں شریک ہونے کا حکم فرمایا ہے۔[6] یہ اسلام کے شعائر میں سے ایک شعار اور اس کے مظاہر میں

1 صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، حديث: 81. 2 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ و دعائه بالليل، حديث: 771. یہ دعا عام سجدے کی ہے۔ 3 [ضعيف] سنن أبي داود، سجود القرآن، باب تفريع أبواب السجود......، حديث: 1401، اس کی سند حارث بن سعید کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن سورۂ حج میں دو سجدوں والی روایت، سنن أبي داود، حديث: 1402 میں ہے اور اسے شیخ البانی وغیرہ نے حسن کہا ہے۔ 4 الكوثر 108:1، 2. 5 الأعلى 87:14، 15. 6 صحيح البخاري، العيدين، باب خروج النساء والحيض إلى المصلى، حديث: 974.

ـے ایک مظہر ہے، جس سے ایمان اور تقویٰ کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی ادائیگی کا وقت سورج کے ایک نیزہ کے قدر اونچا ہونے سے شروع ہوتا ہے اور زوال تک باقی رہتا ہے۔ افضل یہی ہے کہ نمازِ عید الاضحیٰ کی ادائیگی اول وقت میں ہو تاکہ لوگ جلدی قربانی کر سکیں اور عید الفطر کی نماز میں تاخیر کی جائے تاکہ لوگ صدقۂ فطر کی پہلے ادائیگی کر سکیں[1] اور اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمیں نمازِ فطر اس وقت پڑھاتے تھے جب سورج دو نیزے پر ہوتا اور نمازِ اضحیٰ اس وقت پڑھاتے، جب سورج ایک نیزے پر ہوتا۔"[2]

✽ نمازِ عیدین کے آداب: ① اس کے لیے غسل کرنا چاہیے، خوشبو استعمال کی جائے اور خوبصورت لباس زیب تن کیا جائے، اس لیے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے عیدین کے موقع پر ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم عمدہ لباس پہنیں، عمدہ خوشبو لگائیں اور قیمتی قربانی ذبح کریں۔[3]

اور خود رسول اللہ ﷺ ہر عید کے موقع پر خوبصورت یمنی چادر پہنتے تھے۔[4]

② عید الفطر میں کچھ کھا کر جانا اور عید الاضحیٰ میں نماز سے فارغ ہو کر قربانی کا گوشت کھانا چاہیے، اس لیے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن صبح سویرے کھا لیتے تھے اور قربانی کے دن واپس آ کر قربانی کا گوشت کھاتے تھے۔ (امام ترمذی نے اسے ذکر کیا اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے)[5]

③ عیدین کی راتوں میں کثرت سے تکبیریں کہنی چاہئیں۔ عید الاضحیٰ میں ایام تشریق کے آخر تک اور عید الفطر میں امام کے نماز کے لیے نکلنے تک تکبیرات کہتے رہنا چاہیے۔[6]

تکبیرات عید کے الفاظ: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ»

عید گاہ کی طرف جاتے وقت اور "ایام تشریق" میں فرض نمازوں کے بعد تکبیرات کے ذکر کی تاکید آئی ہے۔[7] اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ "گنتی (قیام منیٰ) کے دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔"[8]

اور ارشاد ہے: ﴿وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ "اور اپنے رب کا نام یاد کیا اور نماز پڑھی۔"[9]

1 زاد المعاد لابن قيم: 442/1. 2 [موضوع] التلخيص الحبير: 172/2، حديث: 684، اس میں ایک راوی معلیٰ بن ہلال ہے جو کہ بالاجماع کذاب ہے، لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔ 3 [ضعيف] المستدرك للحاكم: 230/4، اس کی سند اسحاق بن بزرج کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 4 [ضعيف جدا] كتاب الأم للشافعي: 51/2، والسنن الكبرى للبيهقي: 280/3، ومجمع الزوائد: 431/2، حديث: 3208، (أبواب العيدين) میں اس کے صحیح شواہد موجود ہیں۔ 5 [صحيح] جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب ما جاء في الأكل يوم الفطر قبل الخروج، حديث: 542، اسے امام حاکم، ذہبی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ 6 [صحيح] السنن الكبرى للبيهقي: 279,278/3، والمصنف لابن أبي شيبة: 487/1، حديث: 5618. 7 المصنف لابن أبي شيبة: 490/1، حديث: 5649-5652. 8 البقرة 2: 203. 9 الأعلىٰ 87: 15.

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾

”اور تاکہ تم اس بات کے بدلے کہ اللہ نے تمھیں ہدایت دی ہے، اس کی بڑائی بیان کرو۔“[1]

④ ایک راستے سے عید گاہ کی طرف جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا بھی آداب عید میں سے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل یہی تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ نبی ﷺ عید کے دن راستہ بدل لیتے تھے۔[2]

⑤ عید کی نماز کھلے میدان میں پڑھنی چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ کھلے میدان میں نماز عید پڑھتے تھے۔[3] جیسا کہ صحیح احادیث میں مروی ہے۔

⑥ عید کی ایک دوسرے کو مبارک دینی چاہیے، وہ اس طرح کہ ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو کہے:

«تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ» ”اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہماری اور تمھاری (عبادت) قبول کرے۔“[4]

اس لیے بھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ عید کے دن جب وہ ایک دوسرے کو ملتے تو مذکورہ الفاظ کہتے۔[5]

⑦ عید الاضحیٰ کے دن کھانے پینے میں وسعت کرنا اور مباح کھیل کود میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّذِكْرِ اللّٰهِ»

”ایام تشریق (11، 12، 13 ذوالحجۃ) کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے دن ہیں۔“[6]

نیز انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو وہاں کے لوگ دو دن کھیل کود میں مشغول رہتے تھے تو آپ نے فرمایا: «قَدْ أَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا: يَوْمُ الْفِطْرِ وَيَوْمُ الْأَضْحٰى»

”اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان کے بدلے میں ان سے بہتر دن دیے ہیں (یعنی) فطر اور اضحیٰ کا دن۔“[7]

نیز عید کے دن دو بچیاں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شعر گا رہی تھیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹا تو آپ نے فرمایا:

«يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا، وَهٰذَا عِيدُنَا»

”اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہمارا عید کا دن ہے۔“[8]

❋ نماز عیدین کا طریقہ: لوگ تکبیریں کہتے ہوئے عید گاہ کی طرف جائیں۔ جب سورج چند میٹر اونچا ہو جائے تو

[1] الحج 22:37. [2] صحيح البخاري، العيدين، باب من خالف الطريق إذا رجع يوم العيد، حديث: 986. [3] صحيح البخاري، العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، حديث: 956. [4] [حسن] فتح الباري: 446/2 وقال: روينا في ”المحامليات“ بإسناد حسن. [5] قال ابن التركماني في الجوهر النقي: 320/3، وقال أحمد بن حنبل: إسناده إسناد جيد. [6] صحيح مسلم، الصيام، باب تحريم صوم أيام التشريق......، حديث: 1141. [7] [صحيح] سنن النسائي، صلاة العيدين، باب، حديث: 1557، اس کی سند صحیح ہے، دیکھیے: نيل المقصود، حديث: 134. [8] صحيح البخاري، العيدين، باب سنة العيدين لأهل الإسلام، حديث: 952، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه في أيام العيد، حديث: 892.

امام اذان وتکبیر کے بغیر دو رکعت نماز پڑھائے، پہلی رکعت میں سات بار اللہ اکبر کہے اور لوگ بھی اس کے ساتھ تکبیر کہتے رہیں، پھر سورۂ فاتحہ اور سورۂ اعلیٰ اونچی آواز سے پڑھے اور دوسری رکعت میں تکبیر قیام سمیت چھ تکبیریں کہے اور سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ غاشیہ یا والشمس وضحاھا پڑھے۔ پھر سلام کہنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کرے۔ افتتاح، اللہ کی حمد وثنا سے کرے۔ اگر عید الفطر ہے تو صدقہ کی ترغیب دلائے اور احکامِ شریعت سے آگاہ کرے۔ اگر عید الاضحیٰ ہے تو قربانی کرنے کی ترغیب دلائے اور قربانی کے مسائل لوگوں کو بیان کرے۔ فارغ ہو جائے تو لوگ بھی اس کے ساتھ واپس ہو جائیں، اس لیے کہ عیدین کی نمازوں سے پہلے یا بعد میں کوئی نماز مسنون نہیں ہے۔ الا یہ کہ نماز عید اگر کسی سے فوت ہو جائے تو وہ چار رکعت اپنے طور پر پڑھ سکتا ہے۔ اس لیے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص نماز عید میں شریک نہ ہو سکے وہ چار رکعات پڑھے اور جو امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے، چاہے تشہد میں ہی ہو تو وہ امام کے سلام کے بعد اٹھے اور دو رکعت پڑھ لے۔"[1]

نماز کسوف کا بیان (1) نماز کسوف کا حکم اور اس کا وقت: مردوں اور عورتوں کے حق میں "نماز کسوف" سنت مؤکدہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَافْزَعُوا لِلصَّلَاةِ»

"سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے، جب تم اسے دیکھو تو نماز پڑھو۔"[2]

(2) کسوف میں کیا کچھ مستحب ہے؟ سورج بے نور ہونے کی صورت میں کثرت سے ذکر، تکبیریں، استغفار، دعا، صدقہ، غلام آزاد کرنا، نیکی اور صلہ رحمی کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا»

"سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ کسی کے مرنے اور جینے پر بے نور نہیں ہوتے، جب تم یہ دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو، اس کی بڑائی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔"[3]

1 المصنف لابن أبي شيبة: 4/2، حديث: 5799,5798. 2 صحيح البخاري، الكسوف، باب الصدقة في الكسوف، حديث: 1044، وصحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث: 901 واللفظ له. 3 صحيح البخاري، الكسوف، باب الصدقة في الكسوف، حديث: 1044.

③ ''نمازِ کسوف'' کا طریقہ: لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں، اذان اور اقامت نہیں ہے۔ البتہ یہ آواز دینا مستحب ہے: «اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ» ''لوگو! نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔''[1]

امام دو رکعت نماز پڑھائے۔ ہر ایک رکعت میں دو دو رکوع اور دو دو قیام کرے اور قراءت، رکوع اور سجود میں طوالت اختیار کرے اور نماز کے دوران جب بے نوری ختم ہو جائے تو عام نفل کی طرح نماز مکمل کر لینا جائز ہے۔

''نمازِ کسوف'' میں امام نماز کے بعد خطبہ دے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرے، اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج بے نور ہو گیا تو آپ مسجد میں آئے اور کھڑے ہو کر تکبیر کہی۔ لوگوں نے آپ کے پیچھے صفیں بنالیں۔ آپ نے لمبی قراءت کی، پھر «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہہ کر لمبا رکوع کیا، پھر سر اٹھایا اور «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» کہا، پھر کھڑے ہو کر لمبی قراءت کی جو پہلی قراءت سے کچھ کم تھی، پھر دوسرا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» کہا اور پھر سجدہ کیا اور پھر دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھائی۔ اس طرح آپ نے چار رکوع اور چار سجدے کیے اور آپ کے نماز ختم کرنے سے پہلے سورج روشن ہو گیا، پھر آپ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطبہ دیا، اللہ کی تعریف کی اور فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے۔ جب تم انھیں اس حالت میں دیکھو تو جلدی نماز کے لیے آ جاؤ۔''[2]

④ نمازِ خسوف (خسوفِ قمر): چاند بے نور ہونے کے وقت بھی اسی طرح نماز پڑھی جائے جس طرح سورج گرہن کے وقت پڑھی جاتی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ» ''جب تم انھیں (گرہن) دیکھو تو نماز کی طرف جلدی آؤ۔''[3]

البتہ بعض علماء کا خیال ہے کہ چاند گرہن کے وقت اکیلے اکیلے گھروں اور مساجد میں نماز پڑھ لی جائے، اس کے لیے جماعت کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے خسوفِ قمر (چاند گرہن) کے وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے، جبکہ کسوفِ شمس (سورج گرہن) کے وقت آپ نے نماز باجماعت پڑھی تھی مگر اس بارے میں وسعت ہے، جماعت کا اہتمام کر لیں تو بھی درست ہے اور اکیلے پڑھیں تو بھی جائز۔ اصل مقصد نماز اور دعا میں

1 صحيح البخاري، الكسوف، باب النداء ب (الصلاة جامعة) في الكسوف، حديث: 1045، وصحيح مسلم، الكسوف، باب ذكر النداء بصلاة الكسوف (الصلاة جامعة)، حديث: 910. 2 صحيح البخاري، الكسوف، باب الصدقة في الكسوف، حديث: 1044، و 1046، و صحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث: 901. 3 صحيح البخاري، الكسوف، باب خطبة الإمام في الكسوف، حديث: 1046، و صحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث: 901.

مشغول ہونا ہے، یہاں تک کہ یہ کیفیت دور ہو جائے۔

نماز استسقا کا بیان ① **نماز استسقا کا حکم:** یہ نماز بھی سنت مؤکدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اس پر عمل رہا ہے آپ لوگوں میں اعلان کر کے کھلے میدان میں اس نماز کے لیے نکلے تھے۔ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی ﷺ بارش کی دعا کے لیے نکلے، قبلے کی طرف منہ کیا اور کندھے پر چادر کی تحویل کی (چادر کو الٹایا) پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں اونچی آواز سے قراءت کی۔[1]

② **استسقا کا معنی:** قحط سالی ہو جائے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے نماز، دعا اور استغفار کے ذریعے سے بارش طلب کرنا استسقا ہے۔

③ **نماز استسقا کا وقت:** اس نماز کا وقت نماز عید کے مطابق ہے۔ اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ بَدَأَ حَاجِبُ الشَّمْسِ»

''رسول اللہ ﷺ نماز استسقا کے لیے اس وقت نکلے جب سورج کا کنارہ ظاہر ہوا۔''[2]

البتہ مکروہ اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، ان کے علاوہ ہر وقت بارش کے لیے نماز پڑھنا جائز ہے۔

④ **نماز استسقا سے قبل چند مستحب امور؟** وقت مقررہ سے پہلے امام اس نماز کا اعلان کر دے اور لوگوں کو تلقین کرے کہ گناہوں سے توبہ کریں، ظلم کے کام چھوڑ دیں، روزے اور خیراتوں کا اہتمام کریں اور ایک دوسرے کے خلاف بغض وعداوت ترک کر دیں، اس لیے کہ قحط سالی کا باعث یہی نافرمانیاں ہوتی ہیں۔ جبکہ اللہ کی فرماں برداری موجب خیر وبرکات ہے۔❀

⑤ **نماز استسقا کا طریقہ:** بارش طلب کرنے کے لیے نماز کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ کھلے میدان میں پہنچ جائیں، امام انھیں دو رکعت پڑھائے جس طرح عام دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں یا بعض کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور

❀ قحط سالی اور بارش کی قلت کے اسباب گناہ اور نافرمانیوں کی کثرت ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک فرمان میں ہے کہ ''جو قوم اجناس کے ماپنے اور موزون چیزوں کے وزن میں کمی کرتی ہے، انھیں قحط سالی، قلت خوراک اور بادشاہی جور وستم میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور جو اپنے اموال کی زکاۃ ادا نہیں کرتے ان سے بارش روک دی جاتی ہے۔ اگر جانور نہ ہوتے تو ان کے لیے بارش نہ ہوتی۔'' [حسن] سنن ابن ماجه، الفتن، باب العقوبات، حديث: 4019.

1 صحيح البخاري، الاستسقاء، باب الجهر بالقراءة في الاستسقاء، حديث: 1024، و صحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب: كتاب صلاة الاستسقاء، حديث: 894. 2 [صحيح] سنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، باب رفع اليدين في الاستسقاء، حديث: 1173، و المستدرك للحاكم: 328/1، اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

دوسری میں پانچ تکبیریں نماز عید کی طرح کہہ سکتا ہے، نیز پہلی رکعت میں فاتحۃ الکتاب کے بعد ''سورۂ اعلیٰ'' اور دوسری میں ''سورۂ غاشیہ'' کی جہراً تلاوت کرے، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو اور خطبہ پڑھے، جس میں کثرت سے استغفار کرے، اور پھر دعا مانگے۔ لوگ آمین کہیں، پھر قبلہ رخ ہو کر تحویلِ چادر اس طرح کرے کہ کندھے پر موجود، چادر کی دائیں طرف کو بائیں کندھے پر اور بائیں طرف کو دائیں کندھے پر ڈال لے۔ عام لوگ بھی اسی طرح چادر کی تحویل کریں اور کچھ دیر دعا کرتے رہیں اور پھر واپس چلے جائیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ طلب بارش کی دعا کے لیے باہر نکلے اور اذان اور اقامت کے بغیر ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں، پھر خطبہ پڑھا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کی اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے قبلے کی طرف منہ کیا اور چادر کندھے پر اس طرح الٹی۔ دائیں طرف بائیں کندھے اور بائیں طرف دائیں کندھے پر تبدیل کر لی۔''[1]

⑥ **نماز استسقا کی دعائیں:** رسول اللہ ﷺ سے استسقا کے لیے درج ذیل ادعیہ مبارکہ مروی ہیں:

«اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مَّرِيعًا مَّرِيئًا طَبَقًا عَاجِلًا غَيْرَ رَائِثٍ نَّافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ»

''اے اللہ! ہمیں موافق آنے والی، زیادہ خوش حالی والی، ابھی جلدی نہ کہ لیٹ، مفید اور نقصان نہ دینے والی بارش عطا کر۔''[2]

«اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيثًا مَرِيئًا مَّرِيعًا طَبَقًا غَدَقًا عَاجِلًا غَيْرَ رَائِثٍ»

''اے اللہ! ہمیں مفید، اچھے انجام والی اور خوشحالی والی، زیادہ اور موسلا دھار بارش جلدی دے، تاخیر نہ فرما۔''[3]

«اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِينَ»

''اے اللہ! ہمیں بارش دے اور ناامید ہونے والوں میں نہ بنا۔''[4]

«اَللّٰهُمَّ! بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ وَالْبَهَائِمِ وَالْخَلْقِ مِنَ اللَّأْوَاءِ وَالْجَهْدِ وَالضَّنْكِ مَالَا نَشْكُوهُ إِلَّا إِلَيْكَ»

''اے اللہ! تیرے بندوں، شہروں، جانوروں اور مخلوق کو وہ شدت ومشقت اور تنگی ہے جس کی شکایت ہم تیرے سوا کسی کے پاس نہیں کر سکتے۔''[5]

① [صحيح] مسند أحمد: 326/2، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ما جاء في صلاة الاستسقاء، حديث: 1268 وقال البوصيري: إسناده صحيح. ② [حسن] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ما جاء في الدعاء في الاستسقاء، حديث: 1269، شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ ③ [ضعيف] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في الدعاء في الاستسقاء، حديث: 1270. اس کی سند میں حبیب بن ابی ثابت کا عنعنہ ہے۔ ④ كتاب الأذكار للنووي، ص: 160. ⑤ نماذج من الأحاديث المتعارضة باللفظ: 24/20.

«اَللّٰهُمَّ! أَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ، وَأَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ، وَاسْقِنَا مِنْ بَرَكَاتِ السَّمَاءِ، وَأَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ»

''اے اللہ! ہمارے لیے کھیت اگا اور دودھ کی فراوانی کر اور ہمیں آسمان کی برکتوں سے پلا اور زمینی برکات سے ہمارے لیے رزق پیدا کر۔''[1]

«اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجَهْدَ وَالْجُوعَ وَالْعُرْیٰ، وَاكْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَالَا يَكْشِفُهُ غَيْرُكَ»

''اے اللہ! ہم سے مشقت، بھوک اور بے لباسی دور کر اور مصیبتیں ہٹا دے، جنھیں تیرے سوا کوئی نہیں کھول (دور کر) سکتا۔''[2]

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ إِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا فَأَرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْنَا مِدْرَارًا»

''اے اللہ! ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں، بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔ ہمارے لیے بہت بارش عطا کر۔''[3]

«اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ»

''اے اللہ! اپنے بندوں اور جانوروں کو پانی دے اور اپنی رحمت پھیلا دے اور اپنے ویران شہر آباد فرما۔''[4]

نیز یہ بھی مروی ہے کہ بارش کے وقت رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرماتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! سُقْيَا رَحْمَةٍ وَّلَا سُقْيَا عَذَابٍ وَّلَا بَلَاءٍ وَّلَا هَدْمٍ وَّلَا غَرَقٍ»

''اے اللہ! ہمیں رحمت کی بارش دے، عذاب، مصیبت، دیواریں گرانے اور غرق کرنے والی بارش نہ دے۔''[5]

ج) بارش کے روکنے کی دعا: «اَللّٰهُمَّ! عَلَى الظِّرَابِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ»

''اے اللہ! ٹیلوں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر بارش برسا۔''[6]

«اَللّٰهُمَّ! حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا» ''اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش دے، ہمارے اوپر نہیں۔''[7]

1 كتاب الأذكار للنووي، ص: 160. 2 كتاب الأذكار للنووي، ص: 160. 3 كتاب الأذكار للنووي، ص: 160. 4 [حسن] سنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، باب رفع اليدين في الاستسقاء، حديث: 1176. 5 [ضعيف] السنن الكبرٰى للبيهقي: 356/3، اس کی سند بہت ضعیف ہے۔ 6 كتاب الأذكار للنووي، ص: 159، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 356/3. 7 صحيح البخاري، الاستسقاء، باب الاستسقاء في خطبة الجمعة غير مستقبل القبلة، حديث: 1014، وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب الدعاء في الاستسقاء، حديث: 897. صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا اُس وقت فرمائی جب پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی تو ایک صحابی نے درخواست کی کہ اے اللہ کے نبی بارش تھمنے کی دعا فرمائیں، لہٰذا اگر بارش زیادہ ہو رہی ہو اور فائدے کی بجائے نقصان کا اندیشہ ہو تو مذکورہ دعا کرنی چاہیے۔

باب:9

جنازے کے احکام

بیماری سے لے کر وفات تک کے مسائل (1) صبر کرنا ضروری ہے: مسلمان کو نازل شدہ تکلیف پر صبر کرنا چاہیے، ناراضی کا اظہار نہ کرے اور نہ ہی جزع وفزع کرے، اس لیے کہ اللہ جل مجدہ اور رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک اور احادیث میں صبر کا حکم دیا ہے، ہاں بیمار سے اگر پوچھا جائے! کیا حال ہے۔تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں بیمار ہوں یا مجھے تکلیف ہے، بہرحال حمد وتعریف اللہ کے لیے ہے۔

(2) علاج معالجہ مستحب ہے: مسلمان بیمار کے لیے مستحب ہے کہ وہ مباح اور حلال ادویہ کے ساتھ علاج کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُنْزِلْ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً»

''اللہ نے جتنی بیماریاں اتاری ہیں، ان کا علاج بھی اتارا ہے۔پس علاج کرو۔''[1]

حرام اشیاء کے ساتھ علاج کرنا ناجائز ہے، جیسا کہ شراب اور خنزیر وغیرہ، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ كُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ»

''جو چیزیں اللہ نے تم پر حرام کی ہیں، ان میں اس نے تمھارے لیے شفا نہیں رکھی۔''[2]

(3) دم کرنا جائز ہے: مسلمان کے لیے آیات قرآنی، مسنون دعاؤں اور اچھے کلام کے ساتھ دم کرنا یا کرانا جائز ہے، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَالَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ»

''دم میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ اس میں شرک اور شرکیہ الفاظ نہ ہوں۔''[3]

(4) تعویذ گنڈہ کی تحریم: منکے اور تعویذ استعمال کرنا حرام ہیں۔کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ تعویذ یا منکے گلے

[1] [صحیح] سنن ابن ماجه، الطب، باب ماأنزل الله داء إلا أنزل له شفاء، حديث:3436، و المستدرك للحاكم:399/4، ومسند أحمد :278/4 واللفظ له، اسے امام بوصیری نے صحیح کہا ہے۔ [2] [حسن] المعجم الكبير للطبراني:327/23، حديث: 749 وصحيح ابن حبان:233/4، حديث:1391، اسے امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ [3] صحيح مسلم، السلام، باب لا بأس بالرقي ما لم يكن فيه شرك، حديث:2200.

میں ڈالے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ» ''جس نے ''تمیمہ'' (منکا وغیرہ) گلے میں ڈالا، اس نے شرک کیا۔''[1]

نیز ارشاد ہے: «مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهُ، وَمَنْ عَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهُ»

''جو منکے گلے میں ڈالے، اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو کوئی کوڈ یا سیپیاں گلے میں ڈالے، اسے اللہ آرام نہ دے۔''[2]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پیتل کا کڑا ہاتھ میں ڈالے ہوئے ہے۔ آپ نے فرمایا: ''افسوس یہ کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''کمزوری دور کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔'' آپ نے فرمایا:

«اِنْزِعْهَا فَإِنَّهَا لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا، وَإِنَّكَ لَوْ مِتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا»

''اسے اتار دے، یہ تیری کمزوری اور زیادہ کرے گا۔ اگر تو اس حال میں مر گیا تو کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔''[3]

⑤ **وہ چیزیں جن کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے شفا طلب فرمائی:** رسول اللہ ﷺ اپنا بابرکت ہاتھ مریض پر رکھ کر کہتے:

«اَللّٰهُمَّ! رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ الْبَأْسَ، وَاشْفِهِ، وَأَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا»

''اے اللہ! انسانوں کے پالنے والے، تکلیف دور فرما، شفا دے تو ہی شافی ہے، تیرے سوا کسی کے پاس شفا نہیں ہے۔ ایسی شفا دے جو بیماری کو نہ چھوڑے۔''[4]

ایک شخص نے آپ کے سامنے درد کی شکایت کی تو آپ فرمایا: ''جسم میں درد والی جگہ پر ہاتھ رکھ اور تین بار بسم اللہ کہہ اور سات بار یہ دعا پڑھ:

«أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ»

1 [صحيح] مسند أحمد: 156/4، والمستدرك للحاكم: 219/4. ''تمیمہ'' کی جمع ''تمائم'' ہے، یعنی وہ منکے جنھیں عرب، بچوں کے گلے میں نظر بد یا بد روحوں سے حفاظت کے لیے باندھتے تھے، اسی طرح ودعہ وہ (کوڈیا سیپی) ہے جو نظر بد سے حفاظت یا زینت کے طور پر گلے میں ڈالتے تھے۔ (الاثری) 2 [حسن] مسند أحمد: 154/4، والمستدرك للحاكم: 216/4، امام حاکم اور امام ذہبی نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ 3 [ضعيف] مسند أحمد: 445/4، وسنن ابن ماجه، الطب، باب تعليق التمائم، حديث: 3531 وحسنه البوصيري اس کی سند انقطاع وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 4 صحيح البخاري، الطب، باب رقية النبي ﷺ، حديث: 5743.

"میں اللہ کی بڑائی اور اس کی قدرت کی پناہ لیتا ہوں، اس شر سے جو میں محسوس کر رہا ہوں اور جس کا مجھے اندیشہ ہے۔"[1]

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ پر یہ دم پڑھا:

«بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيكَ، بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ»

"میں اللہ کے نام سے تجھے دم کرتا ہوں، ہر اس بیماری سے جو تجھے ایذا دے رہی ہے، ہر نفس کے شر اور حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے، اللہ تجھے شفا دے۔ اللہ کے نام سے تجھ پر دم کرتا ہوں۔"[2]

⑤ **کافر اور خاتون معالج سے علاج کروانے کا جواز:** مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کافر اگر مسلمان کے لیے امین ہو تو اس سے علاج کرانا جائز ہے اور ضرورت کے وقت عورت بھی مرد کا علاج کر سکتی ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ نے بعض کاموں میں مشرکین سے خدمت لی ہے[3] اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں صحابیات رضی اللہ عنہن جہاد میں زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔[4]

⑥ **متعدی اور خطرناک مریضوں کو مخصوص وارڈ میں رکھنے کا جواز:** متعدی امراض کے علاج کے لیے ہسپتال میں الگ وارڈ بنانا بہتر ہے اور ان سے تندرستوں کو دور رکھنا ضروری ہے۔ معالجین کے علاوہ کوئی ان سے ملاقات نہ کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے مالکوں کو حکم دیا تھا کہ "بیمار اونٹوں کو تندرست اونٹوں میں شامل نہ کیا جائے۔"[5]

جب جانوروں میں اتنی احتیاط کی جا سکتی ہے تو انسانوں کے لیے بطریق اولیٰ احتیاط کی ضرورت ہے اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ کا طاعون کے بارے میں ارشاد ہے:

① صحيح مسلم، السلام، باب استحباب وضع يده على موضع الألم......، حديث:2202. ② صحيح مسلم، السلام، باب الطب والمرض والرقى، حديث: 2186. ③ صحيح البخاري، الإجارة، باب استئجار المشركين عند الضرورة......، حديث: 2263. صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت مدینہ کے وقت ایک غیر مسلم کو راستہ بتانے کے لیے مزدور بنایا تھا۔ ④ صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب رد النساء الجرحى والقتلى، حديث: 2883. اسی طرح ربیع بنت معاذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوات میں جاتی تھیں، مجاہدین کو پانی پلاتیں، ان کی خدمت کرتیں، مقتولین اور زخمیوں کو مدینہ منورہ میں منتقل کرتیں۔ (مؤلف) ⑤ صحيح البخاري، الطب، باب لا هامة، حديث: 5771، وصحيح مسلم، السلام، باب لا عدوى ولا طيرة......، حديث: 2221.

«فَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَهْبِطُوا عَلَيْهَا»

''جب کسی علاقے میں طاعون کی وبا پھیل جائے اور تم اس میں ہو تو اس سے نہ نکلو اور اگر تم اس علاقے میں نہیں ہو تو وہاں نہ جاؤ۔''[1]

ہاں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان، جس میں مرض کے متعدی ہونے کی نفی کی گئی ہے، کا مقصد یہ ہے کہ بیماری بالذات اللہ کے ارادہ اور قانون کے بغیر متعدی نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے ملک کی ہر چیز اس کے ارادہ سے ہی واقع ہوتی ہے، لہٰذا اس اعتقاد کے ساتھ کہ بیماریوں سے بچانے والا صرف ایک اللہ ہے اور اگر وہ نہ بچائے تو بندہ کسی صورت نہیں بچ سکتا، احتیاط و پرہیز کیا جائے تو اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ خارش والے اونٹ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: ''تو پہلے (اونٹ) کو کس نے بیماری لگائی تھی۔''[2]

اس میں آپ نے واضح کر دیا کہ مؤثر ایک اللہ ہی کی ذات ہے، وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

(8) **بیمار کی بیمار پرسی واجب ہے:** مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے بیمار مسلمان بھائی کی عیادت کرے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ، وَفُكُّوا الْعَانِيَ»

''بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔''[3]

اور بہتر یہ ہے کہ طبع پرسی کے لیے جب جائے تو اس کے لیے دعائے شفا کرے اور صبر کی تلقین کرے اور ایسی باتیں کہے جس سے اس کا دل خوش ہو جائے اور وہاں زیادہ دیر تک بیٹھا نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے:

«لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی»

''کوئی حرج نہیں، اللہ کی مشیت سے (بیماری، گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔''[4]

لہٰذا ایک دوسرے کی عیادت کے وقت اسی پر عمل ہونا چاہیے۔

1 [صحيح] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية الفرار من الطاعون، حديث: 1065، وصحيح البخاري، الطب، باب مايذكر في الطاعون، حديث: 5728، وصحيح مسلم، السلام، باب الطاعون و الطيرة والكهانة ونحوها، حديث: 2218. 2 صحيح البخاري، الطب، باب الصفر، حديث: 5717، صحيح مسلم، السلام، باب لا عدوٰى ولا طيرة......، حديث: 2220. 3 صحيح البخاري، المرضٰى، باب وجوب عيادة المريض، حديث: 5649. 4 صحيح البخاري، المرضٰى، باب عيادة الأعراب، حديث: 5656.

⑨ **اللہ تعالیٰ کے بارے میں نیک گمان رکھنا واجب ہے:** بیمار اور قریب المرگ ہونے کی صورت میں مسلمان کا اللہ کے بارے میں اچھا گمان ہونا چاہیے کہ وہ رحم کرے گا اور عذاب نہیں دے گا یا مغفرت فرمائے گا اور مؤاخذہ نہیں کرے گا اور یہ کہ اس کی مغفرت وسیع ہے اور اس کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ»

''تمھارے ایک کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو۔''[1]

⑩ **قریب المرگ شخص کو «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» کی تلقین کرنا:** جب ایک مسلمان محسوس کرے کہ اس کے بھائی کی موت کا وقت قریب ہے تو اسے کلمۂ اخلاص کی تلقین کرے، یعنی اسے «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» کہنے کا حکم دیں، اسے تلقین کرے، اسی طرح اس کا ورد اس کے سامنے شروع کر دے تاکہ اسے یاد آ جائے اور وہ بھی یہ کلمۂ مبارکہ کہہ لے جب وہ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» اپنی زبان سے کہے تو پھر تلقین سے رک جائے۔ ہاں، اگر اس کے بعد اس نے کوئی اور بات کہہ دی تو پھر تلقین شروع کرے، کوشش یہ ہو کہ آخری لفظ اس کی زبان پر یہی کلمہ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» ہو تاکہ وہ جنت میں داخل ہو جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی ہے:

«لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» ''اپنے مرنے والوں کو «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» کی تلقین کرو۔''[2]

نیز فرمایا: «مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ»

''جس کی آخری کلام «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» ہوئی وہ بہشت میں داخل ہوگا۔''[3]

⑪ **قریب المرگ کو قبلہ رخ کرنا:** جس پر موت کی علامات نمایاں ہو جائیں، اسے دائیں پہلو پر لٹانا اور منہ قبلے کی طرف کرنا چاہیے، اگر دائیں پہلو پر نہ لیٹ سکے تو پیٹھ پر لٹا دیں اور پاؤں قبلے کی طرف کر دیں (اس طرح اس کا منہ قبلے کی طرف ہو جائے گا)

⑫ **مرنے کے بعد اس کی آنکھیں بند کرنا اور اسے ڈھانپنا:** مسلمان کی جب روح نکل جائے تو اس کی آنکھیں بند کرنا اور کپڑے سے ڈھانپنا ضروری ہے اور اس کے لیے اچھے کلمات کہنے چاہئیں، مثلاً:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ ـ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ» ''اے اللہ! اس کی بخشش فرما۔ اے اللہ! اس پر رحم کر۔''

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[1] صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب الأمر بحسن الظن بالله تعالٰى عند الموت، حديث: 2877. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب تلقين الموتٰى: «لا إله إلا الله»، حديث: 916. [3] [صحيح] مسند أحمد: 233/5، وسنن أبي داود، الجنائز، باب في التلقين، حديث: 3116.

«إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيضَ أَوِ الْمَيِّتَ فَقُولُوا خَيْرًا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلٰى مَا تَقُولُونَ»

''جب تم بیمار یا میت کے پاس جاؤ تو اچھی بات کہو، اس لیے کہ فرشتے اس بات پر آمین کہتے ہیں جو تم کہتے ہو۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر گئے تو ان کی آنکھیں کھلی تھیں، آپ نے انھیں بند کیا، پھر فرمایا:

«إِنَّ الرُّوحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ» فَضَجَّ نَاسٌ مِّنْ أَهْلِهِ فَقَالَ: «لَا تَدْعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلٰى مَا تَقُولُونَ»

''روح جب قبض ہو جاتی ہے تو نظر اس کا پیچھا کرتی ہے، پھر اس کے گھر کے افراد رونے لگے تو آپ نے فرمایا: ''اپنے نفسوں کے لیے صرف اچھائی کی دعا کرو، تم جو کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔''[2]

وفات سے لے کر دفن تک کے جملہ مسائل ① **وفات کا اعلان کرنا:** مسلمان کی وفات کا اعلان اس کے قرابت داروں، دوستوں اور نیک لوگوں میں کرنا مستحب ہے کہ وہ اس کے جنازے میں شریک ہو جائیں۔ نبی ﷺ نے نجاشی کے فوت ہونے کی لوگوں کو اطلاع دی تھی، اسی طرح جب زید رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے تو آپ نے ان کی وفات کا اعلان کیا۔ جس اعلان سے منع کیا گیا ہے وہ ایسا اعلان ہے جو گلیوں اور مساجد کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اونچی آواز سے چیخ چیخ کر کیا جائے، اس طرح کا اعلان شرعاً ممنوع ہے۔

② **نوحہ کی حرمت اور رونے کا جواز:** بین کرنا اور آواز کے ساتھ رونا حرام ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ» ''زندوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔''[3]

نیز فرمایا: «مَنْ نِّيحَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُعَذَّبُ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جس پر بین کیا جائے، قیامت کے دن اس بین کی وجہ سے اسے عذاب ہوگا۔''[4]

ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں کی بیعت میں یہ اقرار بھی لیتے تھے کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی۔[5]

نیز ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ «إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَرِيءٌ مِّنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ»

1 صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند المريض والميت، حديث: 919. 2 صحيح مسلم، الجنائز، باب في إغماض الميت والدعاء له......، حديث: 920. 3 صحيح البخاري، باب قول النبيﷺ: يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه......، حديث: 1290. ظاہراً یہ روایت آیت مبارکہ ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ کے خلاف ہے مگر اس سے وہ فوت شدہ شخص مراد ہے جو بین یا رونے پر راضی تھا یا اس کی وصیت کر گیا تھا۔ اسی لیے بعض روایات حدیث میں «ببعض بكاء أهله» وارد ہوا ہے۔ (سنن النسائي، الجنائز، باب النياحة علَى الميت، حديث: 1858)، لہٰذا یہ عذاب اس کے اپنے جرم کی بنیاد پر ہے۔ واللہ اعلم (الاثری) 4 صحيح مسلم، الجنائز، باب الميت يعذب ببكاء أهله عليه، حديث: 933. 5 صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ﴾، حديث: 4892.

''رسول اللہ ﷺ نے آواز اونچی کرنے والی، سر کے بال نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی سے براءت کا اظہار فرمایا۔''[1]

آنکھوں سے آنسو بہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر فرمایا:

«إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ، وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ! لَمَحْزُونُونَ»

''آنکھ بہہ رہی ہے، دل غمگین ہے اور ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کو راضی کرے اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر (بہت) غمگین ہیں۔''[2]

اپنے ایک نواسے (حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹے) کی وفات پر آپ روئے تو کہا گیا: آپ بھی روتے ہیں۔آپ نے تو رونے سے منع کیا ہے۔تو اس پر آپ نے فرمایا:

«هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ»

''یہ رحمت ہے، جو اللہ نے بندوں کے دلوں میں پیدا کی ہے اور اللہ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر ہی رحم کرتا ہے۔''[3]

③ **تین دن سے زائد سوگ منانا حرام ہے:** کوئی مسلمان عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کر سکتی۔سوائے اپنے خاوند کے کہ اس پر چار ماہ دس دن سوگ کرنا لازم ہے، اس لیے کہ آپ کا ارشاد ہے:

«لَا تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا»

''عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، ہاں خاوند پر وہ چار ماہ دس دن (تک) سوگ کرے گی۔''[4]

④ **میت کے قرض کی ادائیگی:** اگر میت مقروض ہے تو اس کے قرضہ جات کی ادائیگی جلدی کرنی چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ مقروض میت کے قرض کی ادائیگی تک اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے، آپ نے فرمایا:

«نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ»

''مومن کی روح قرض کی ادائیگی تک قرض کے ساتھ معلق رہتی ہے۔''[5]

1 صحيح البخاري، باب ما ينهٰى من الحلق عند المصيبة، حديث: 1296، و صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم ضرب الخدود......، حديث: 104. 2 صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: «إنا بك لمحزونون» حديث: 1303. 3 صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: «يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه» إذا كان النوح من سنته، حديث: 1284. 4 صحيح البخاري، الجنائز، باب إحداد المرأة على غير زوجها، حديث: 1280، وصحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة......، حديث: 938 بعد حديث: 1491 واللفظ له. 5 [حسن] جامع الترمذي، الجنائز، باب ◄◄

(5) بوقت وفات إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھنا، دعا اور صبر کرنا: میت والوں کو اس غم کے موقع پر صبر کا دامن پکڑنا چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى»

''صدمہ کے ابتدائی وقت میں ہی تو صبر ہوتا ہے۔''[1]

اور کثرت سے دعا اور إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہنا چاہیے، اس لیے کہ آقا ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مِنْ عَبْدٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ فَيَقُولُ: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَجَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي مُصِيبَتِهِ وَأَخْلَفَ لَهُ خَيْرًا مِّنْهَا»

''جس بندے کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ پڑھے إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ''ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔'' اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت پر اجر عطا فرما اور اس سے بہتر اس کا عوض دے تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت میں اسے اجر عطا کرتا ہے اور اس کا بہتر عوض اسے دیتا ہے۔''[2]

نیز فرمایا: «يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةُ»

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے نزدیک میرے اس مومن بندے کا بدلہ صرف اور صرف جنت ہے کہ اہل دنیا میں سے جس کی میں پسندیدہ چیز (کوئی قرابت دار) چھین لوں اور وہ اس پر ثواب طلب کرے۔''[3]

(6) میت کو غسل دینا واجب ہے: مسلمان نابالغ ہو یا بڑا، جب فوت ہو جائے تو اسے غسل دینا ضروری ہے، چاہے اس کا پورا جسم محفوظ ہے یا جسم کا کچھ حصہ، البتہ میدان جنگ میں شہید ہونے والے مسلمان کو غسل نہیں دیا جاتا، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے: «لَا تُغَسِّلُوهُمْ، فَإِنَّ كُلَّ جُرْحٍ أَوْ كُلَّ دَمٍ يَفُوحُ مِسْكًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''انھیں غسل نہ دو، اس لیے کہ ہر زخم یا ہر خون قیامت کے دن کستوری کی طرح مہکے گا۔''[4]

(7) میت کو غسل دینے کا طریقہ: اگر جسم کے تمام حصوں پر پانی ڈال دیا جائے اور پانی سارے جسم کو تر کر دے تو بھی کافی ہے مگر مستحب اور مکمل طریقۂ غسل یہ ہے کہ میت کو کسی تختے پر لٹایا جائے جو سطح زمین سے اونچا رکھا گیا ہو اور پھر نیک اور قابل اعتماد آدمی غسل دے۔

»ماجاء أن نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يُقضٰى عنه، حديث:1079,1078. 1 صحيح البخاري، الجنائز، باب الصبر عند الصدمة الأولى، حديث:1302. 2 صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عندالمصيبة، حديث: 918. 3 صحيح البخاري، الرقاق، باب العمل الذي يبتغى به وجه اللّٰه تعالى، حديث:6424. 4 [ضعيف] مسند أحمد:3/299، اس میں زہری کے سماع کی تصریح نہیں ملی۔ جبکہ مسند احمد کے محققین شیخ شعیب وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

نیز آہستہ آہستہ میت کے پیٹ کو دبائے تاکہ کوئی آلائش وغیرہ ہو تو نکل جائے، پھر اپنے ہاتھ پر کپڑے کا لفافہ باندھ لے، غسل کی نیت کرے اور اس کی شرم گاہ دھوئے، نجاست ہو تو صاف کرے، پھر ہاتھ پر سے لفافہ اتار کر اسے نماز کے وضو کی طرح وضو کرائے، پھر جسم پر پانی ڈالے، اوپر سے شروع کرے اور نیچے کو لے جائے، تین بار ایسا کرے۔ اگر اس سے جسم کی صفائی نہیں ہوئی تو پانچ بار غسل دے اور آخری غسل میں صابن وغیرہ استعمال کرے۔

اگر میت مسلمان عورت ہے تو غسل دینے والی اس کے بالوں کی لٹیں کھول کر غسل دے گی، بعدازاں دوبارہ بالوں کی لٹیں بنا دے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کے بالوں کے بارے میں یہی حکم دیا تھا، پھر حنوط یا کوئی اور خوشبو لگائی جائے۔[1]

⑧ **میت کو غسل دینا ممکن نہ ہو تو اسے تیمّم کرانا:** میت کو غسل دینے کے لیے پانی نہ ہو یا مرد فوت ہوا اور غسل دینے والا کوئی مرد موجود نہیں صرف عورتیں موجود ہیں یا عورت فوت ہوگئی ہے اور مردوں کے علاوہ کوئی عورت نہیں ہے تو ایسی صورت میں تیمّم کرایا جائے اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے، اس لیے کہ ضرورت کے وقت تیمّم غسل کے قائم مقام ہوتا ہے، جیسا کہ جنبی اگر کسی عذر کی وجہ سے غسل نہ کر سکے تو تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

⑨ **میاں بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینا:** مرد اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور عورت اپنے خاوند کو نہلا سکتی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا: «لَوْ مِتِّ قَبْلِي فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ»

''اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوگئی تو میں تجھے غسل دوں گا اور کفن دوں گا۔''[2]

اور اس لیے بھی کہ علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔[3]

اسی طرح عورت چھ سال یا اس سے کم عمر کے لڑکے کو نہلا سکتی ہے۔ مگر مرد نابالغ بچی کو غسل نہیں دے سکتا۔ علماء نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

⑩ **کفن پہنانا ضروری ہے:** نہلانے کے بعد مسلمان میت کو کفن دینا ضروری ہے، جس سے اس کا سارا جسم ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ ''شہدائے احد'' میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ایک چھوٹی چادر میں کفن دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کے سر اور جسم کو اس چادر سے ڈھانپ دیں اور پاؤں پر ''اذخر'' جو ایک قسم کی گھاس ہے،

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب نقض شعر المرأة، حديث: 1260 بلفظ آخر. [2] [حسن] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في غسل الرجل امرأته وغسل المرأة زوجها، حديث: 1465، ومسندأحمد: 228/6، والسنن الكبرٰى للنسائي: 253/4، حديث: 7080. [3] [حسن] السنن الكبرٰى للبيهقي: 396/3، والمستدرك للحاكم: 164,163/3 وحسنه ابن حجر في التلخيص: 226/2. ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے، کما في بلوغ المرام (الاثری)

ڈال دیں۔''[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سارے جسم کو ڈھانپنا ضروری ہے۔

⑪ **سفید اور صاف ستھرے کفن کا انتخاب کرنا مستحب ہے:** بہتر یہ ہے کہ کفن سفید اور صاف ہو، نیا کپڑا ہو یا پرانا جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِلْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ»

''سفید لباس پہنو، یہ تمھارے بہترین لباس میں سے ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔''[2]

اور کفن کو عود (خوشبودار لکڑی) کی دھونی دینا مستحب ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَجْمَرْتُمُ الْمَيِّتَ فَأَجْمِرُوهُ ثَلَاثًا» ''جب تم میت کو دھونی دو تو تین بار دو۔''[3]

مرد اور عورت کے لیے تین چادریں ہوں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو تین سفید سحول کے بنے ہوئے نئے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا اور ان میں قمیص اور پگڑی نہیں تھی۔[4] البتہ محرم کو اس کے احرام ہی میں کفنایا جائے۔ ایک کو تہبند اور دوسری کو بڑی چادر بنالیا جائے۔ اسے خوشبو نہ لگائی جائے اور سر نہ ڈھانپا جائے تاکہ وہ اپنے احرام میں باقی رہے، اس لیے کہ عرفات کے دن جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سے گر کر فوت ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ وَلَا تُحَنِّطُوهُ وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا»

''اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو اور اسے اس کے دو کپڑوں میں کفناؤ۔ نہ خوشبو لگاؤ اور نہ ہی اس کا سر ڈھانپو، اس لیے کہ یہ قیامت کے دن تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔''[5]

⑫ **ریشمی کفن کا حکم:** مسلمان مرد کو ریشمی کپڑے میں کفن دینا حرام ہے، اس لیے کہ مردوں کے لیے ریشمی لباس استعمال کرنا حرام ہے۔ عورتوں کے لیے اگرچہ ریشم پہننا حلال ہے مگر انھیں اس میں کفنانا درست نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اسراف اور غلو ہے، جس سے شارع علیہ السلام نے منع کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

«لَا تُغَالُوا فِي الْكَفَنِ فَإِنَّهُ يُسْلَبُهُ سَلْبًا» ''کفن میں غلو (فضول خرچی) نہ کرو، یہ جلدی چھین لیا جاتا ہے۔''[6]

1 صحيح البخاري، الجنائز، باب إذا لم يجد كفناً إلا ما يواري رأسه أو قدميه غطى به رأسه، حديث: 1276.
2 [صحيح] سنن أبي داود، اللباس، باب في البياض، حديث: 4061، وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في لبس البياض، حديث: 2810. 3 [ضعيف] مسند أحمد: 331/3، والمستدرك للحاكم: 355/1 صححه الحاكم ووافقه الذهبي وصححه ابن حبان، موارد: 752. اعمش کے سماع کی تصریح نہیں ملی۔ 4 صحيح البخاري، الجنائز، باب الثياب البيض للكفن، حديث: 1264. 5 صحيح البخاري، الجنائز، باب الحنوط للميت، حديث: 1266، وصحيح مسلم، الحج، باب ما يفعل بالمحرم إذا مات، حديث: 1206 واللفظ له. 6 [ضعيف] سنن أبي داود، الجنائز، باب كراهية المغالاة في الكفن، حديث: 3154، یہ روایت ابومالک عمرو بن ہاشم الجنبی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نئے کپڑے کی زندہ کو میت سے زیادہ ضرورت ہے، یہ تو میت کی پیپ اور لہو کے حوالہ ہو جاتا ہے۔[1]

⑬ نماز جنازہ کا بیان: غسل، کفن اور دفن کی طرح مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا بھی فرض کفایہ ہے، جب کچھ مسلمان یہ فریضہ ادا کرلیں تو باقیوں سے یہ حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسلمان مرنے والوں پر جنازہ پڑھتے تھے اور ابتدا میں آپ مقروض (جس نے ادائیگی کے لیے مال نہ چھوڑا ہوتا) کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیتے اور فرماتے: ''تم خود اس پر نماز پڑھ لو۔'' مگر بعد ازاں آپ نے مقروض ایمانداروں کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری خود قبول فرمائی تھی۔[2]

⑭ نماز جنازہ کی شرائط: جو کچھ عام نماز کے لیے شرط ہے، وہی نماز جنازہ کے لیے شرط ہے، مثلاً: باوضو اور نجاست سے پاک ہونا، شرم گاہ کا مستور ہونا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ''صلاۃ'' (نماز) کا نام دیا ہے۔ ارشاد ہے: «صَلُّوا عَلٰی صَاحِبِكُمْ» ''تم اپنے ساتھی پر (خود ہی) نماز پڑھ لو۔''[3]
لہٰذا جو شرطیں نماز میں ہیں، وہی نماز جنازہ میں ہوں گی۔

⑮ نماز جنازہ کے فرائض: ✽ جسے قدرت ہے، وہ کھڑا ہو کر نماز جنازہ پڑھے۔

✽ نماز جنازہ کی نیت کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:
«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ''اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔''[4]

✽ اللہ اکبر کہہ کر ثناء پڑھے اور سورۂ فاتحہ کی قراءت کرے۔

✽ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے۔

✽ میت کے لیے دعا کرے اور سلام پھیر دے۔

✽ نمازِ جنازہ میں کل چار تکبیرات کہے۔

⑯ نماز جنازہ کا طریقہ: جنازہ ایک ہو یا زیادہ قبلے کی طرف رکھا جائے۔ اگر میت مرد ہے تو امام اس کے سامنے کھڑا ہو جائے اور اگر عورت ہے تو وسط میں سامنے کھڑا ہو جائے اور عام لوگ تین یا زیادہ صفوں میں اس کے پیچھے کھڑے ہوں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوفٍ فَقَدْ أَوْجَبَ»

1 صحيح البخاري، الجنائز، باب موت يوم الاثنين، حديث: 1387. 2 صحيح البخاري، الكفالة، باب الدين، حديث: 2298، وصحيح مسلم، الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته، حديث: 1619. 3 صحيح البخاري، الكفالة، باب الدين، حديث: 2298، وصحيح مسلم، الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته، حديث: 1619. 4 صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ......، حديث: 1، وصحيح مسلم، الإمارة، باب، قوله ﷺ: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ...... حديث: 1907.

''جس میت پر تین صفوں نے نماز جنازہ پڑھی، انھوں نے (اس کے لیے جنت کو) واجب کر لیا۔''[1]

امام ایک میت یا زیادہ میتوں پر نماز جنازہ کی نیت سے ہاتھ اٹھائے اور «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہے، پھر حمد وثنا کرے اور سورۂ فاتحہ پڑھے، پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہے یا ہاتھ نہ اٹھائے بلکہ دایاں ہاتھ بائیں سے پکڑ کر سینے پر رکھے۔ دونوں طرح درست ہے۔ اور درود ابراہیمی پڑھے، پھر «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہے اور میت کے لیے دعا کرے، پھر «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہے، چاہے تو دعا کر لے اور چاہے تو سلام کہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

«اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ أَنْ يُكَبِّرَ الْإِمَامُ ثُمَّ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الْأُولٰى سِرًّا فِي نَفْسِهِ ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَيُخْلِصَ الدُّعَاءَ لِلْمَيِّتِ فِي التَّكْبِيرَاتِ، لَا يَقْرَأُ فِي شَيْءٍ مِّنْهُنَّ، ثُمَّ يُسَلِّمَ سِرًّا فِي نَفْسِهِ»

''نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے اور آہستہ، دل میں فاتحۃ الکتاب پڑھے، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور تکبیرات کے دوران میں میت کے لیے خلوص سے دعا کرے اور قراءت نہ کرے، پھر آہستہ سے سلام کہے۔''[2]

(17) **نماز جنازہ سے پیچھے رہ جانے والے شخص کا حکم:** اگر کوئی شخص بعض تکبیرات میں شامل نہ ہو سکا ہو تو اگر وہ چاہے تو امام کے سلام کے بعد باقی تکبیرات پوری کرے اور چاہے تو امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دے، اس لیے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا: اگر بعض تکبیرات میں سن نہ سکوں تو کیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا سَمِعْتِ فَكَبِّرِي، وَمَا فَاتَكِ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْكِ»

''جو سن لے تکبیر کہہ اور جو نہ سن سکے، اس کی تیرے اوپر قضا نہیں ہے۔''[3]

اس روایت سے صاحب ''المغنی'' نے استدلال کیا ہے مگر اس کے ماخذ کا مجھے پتہ نہیں چل سکا۔

1 [ضعيف] جامع الترمذي، الجنائز، باب كيف الصلاة على الميت والشفاعة له، حديث: 1028، اس کی سند ابن اسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے دیکھیے: نيل المقصود، حديث: 3166. 2 [صحيح] كتاب الأم: 141/2، حديث: 589، اس کی سند شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عام لوگ اس طریق میں امام کی اقتدا کریں اور اسی کے مطابق کریں۔ (معرفة السنن والآثار: 300/5) ادعیہ میں امام جہر کرے اور باقی لوگ صرف آمین کہتے رہیں، یہ طریق سلف صالحین سے منقول نہیں ہے بلکہ عام لوگوں کو بھی میت کے لیے خاص مغفرت وعفو کی دعائیں پڑھنی چاہئیں، جیسا کہ درج ذیل حدیث کے ظاہر سے بھی مستفاد ہے «إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ» (سنن أبي داود، الجنائز، باب الدعاء للميت، حديث: 3199، وصححه ابن حبان) ''جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھو تو خلوص سے اس کے لیے دعا کرو۔'' (الاثری) 3 المغني لابن قدامة: 373/2، مسئلة: 1573 مجھے بھی اس کے ماخذ کا پتہ نہیں چل سکا۔

⑱ **تدفین کے بعد قبر پر جنازہ:** تدفین کے بعد قبر پر بھی نماز جنازہ پڑھنا درست ہے، خواہ تدفین سے پہلے جنازہ پڑھا گیا ہو یا نہ پڑھا گیا ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے دفن کے بعد ایک عورت کا جنازہ پڑھا تھا، جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی اور آپ کے اصحاب نے بھی آپ کے پیچھے جنازہ پڑھا۔[1]

اسی طرح غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھنا جائز ہے، چاہے درمیان میں طویل مسافت ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا تھا اور وہ حبشہ میں تھے اور رسول اللہ ﷺ وصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں تھے۔

⑲ **نماز جنازہ کی دعائیں:** اس سلسلے میں نبی ﷺ سے بہت سی دعائیں مروی ہیں، ان میں سے جو بھی پڑھ لیں درست ہے۔ چند ایک یہ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِي ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ، فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ، وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ، اَللّٰهُمَّ! فَاغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ»

''اے اللہ! فلاں کا بیٹا فلاں تیری حفاظت اور تیری ہمسائیگی میں ہے، پس اسے قبر کی آزمائش اور جہنم کے عذاب سے بچا تو وفا اور حق والا ہے، اے اللہ! اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم کر، یقیناً تو ہی بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''[2]

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَ صَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، اَللّٰهُمَّ! مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ، [اَللّٰهُمَّ! لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ]»

''اے اللہ! ہمارے زندہ، ہماری میت، ہمارے حاضر وغائب، ہمارے چھوٹے، بڑے اور ہمارے مردوں اور عورتوں کی مغفرت کر۔ اے اللہ! جسے تو ہم میں سے زندہ رکھے، اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے تو ہم میں سے وفات دے اسے ایمان پر وفات دے۔ اے اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کر۔''[3]

اگر میت نابالغ بچہ ہو تو یہ کہے: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لِوَالِدَيْهِ سَلَفًا وَّذُخْرًا وَّفَرَطًا وَّثَقِّلْ بِهِ مَوَازِينَهُمْ، وَأَعْظِمْ بِهِ أُجُورَهُمْ، وَلَا تَحْرِمْنَا وَإِيَّاهُمْ أَجْرَهُ، وَلَا تَفْتِنَّا وَإِيَّاهُمْ بَعْدَهُ، اَللّٰهُمَّ! أَلْحِقْهُ بِصَالِحِ

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب الصلاة على القبر بعد مايدفن، حديث: 1337، وصحيح مسلم، الجنائز، باب الصلاة على القبر، حديث: 954و956. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الدعاء للميت، حديث: 3202، صرح وليد بن مسلم في المعجم الكبير للطبراني: 89/22، حديث: 214. [3] [صحيح] جامع الترمذي، الجنائز، باب ما يقول في الصلاة على الميت، حديث: 1024، وقال حسن صحيح والزيادة من سنن أبي داود، الجنائز، باب الدعاء للميت، حديث: 3201.

سَلَفِ الْمُؤْمِنِينَ فِي كَفَالَةِ إِبْرَاهِيمَ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِّنْ أَهْلِهِ، وَعَافِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ»

''اے اللہ! اسے اس کے والدین کے لیے پیش رو، ذخیرہ اور آگے جانے والا بنا اور اس کے ذریعے سے ان کا ترازو بھاری کر اور انھیں اجر عظیم عطا کر، ہمیں اور انھیں اس کے اجر سے محروم نہ کر اور نہ ہی ہمیں اور انھیں اس کے بعد آزمائش میں ڈال۔ اے اللہ! اسے پہلے جانے والے صالح ایمان داروں کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں ملا دے[1] اسے اس کے گھر سے بہتر گھر دے اور اسے اس کے اہل سے بہتر اہل دے اور اسے آزمائش قبر اور عذاب جہنم سے عافیت عطا فرما۔''[2]

(20) **جنازے کے ساتھ چلنے کی فضیلت:** جنازے کے ساتھ جانا مسنون ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «عُودُوا الْمَرِيضَ وَامْشُوا مَعَ الْجَنَازَةِ تُذَكِّرْكُمُ الْآخِرَةَ»

''بیمار کی عیادت کرو اور جنازے کے ساتھ چلو، یہ عمل تمھیں آخرت یاد کرائے گا۔''[3]

جنازہ جلدی اٹھانا چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ، فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُونَهَا إِلَيْهِ، وَإِنْ تَكُ سِوَى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِّقَابِكُمْ»

''جنازے میں جلدی کرو، اگر نیک ہے تو تم اچھائی کی طرف اسے لے جا رہے ہو اور اگر ایسا نہیں تو ''شر'' ہے، جسے تم جلدی اپنی گردنوں سے اتار لو گے۔''[3]

جنازے کے آگے چلنا بہتر ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ جنازے کے آگے چلتے تھے۔[5]

جنازے کے ساتھ چلنے کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا، وَكَانَ مَعَهُ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِّثْلُ أُحُدٍ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ»

1 مسند أحمد: 326/2، میں ہے کہ وفات کے بعد مسلمانوں کے بچے جنت میں جاتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی کفالت کرتے ہیں۔ واللّٰہ أعلم. 2 لم أجده وبعض ألفاظه موجودة في الأذكار للنووي، ص: 144 باختلاف کثیر بلا سند، مجھے یہ روایت کہیں نہیں ملی۔ 3 [صحیح] مسند أحمد: 23/3. 4 صحیح البخاري، الجنائز، باب السرعة بالجنائز، حدیث: 1315، و صحیح مسلم، الجنائز، باب الإسراع بالجنازة، حدیث: 944. 5 [صحیح] سنن أبي داود، الجنائز، باب المشي أمام الجنازة، حدیث: 3179، وسنن النسائي، الجنائز، باب مکان الماشي من الجنازة، حدیث: 1947 وقال هذا خطاء والصواب مرسل اس کی سند صحیح ہے، دیکھیے نیل المقصود. جمہور ائمہ رحمہم اللہ جنازے کے آگے چلنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ (مؤلف) پیچھے چلنا بہتر ہے جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ (زبیر علیزئی)

''جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ چلا، پھر نماز جنازہ اور دفن تک اس کے ساتھ رہا تو وہ دو قیراط ثواب کے ساتھ واپس آیا (جبکہ) ایک قیراط احد پہاڑ کے مثل ہے، جو شخص اس کی نماز جنازہ پڑھ کر دفن سے قبل ہی لوٹ آیا تو وہ ایک قیراط ثواب کے ساتھ واپس آیا۔'' [1]

(21) **میت کے ساتھ چلتے وقت کیا کچھ مکروہ ہے:** جنازے کے ساتھ عورتوں کا جانا ناجائز ہے۔ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا»

''ہمیں جنازے کے ساتھ جانے سے منع کیا جاتا تھا مگر اسے ہم پر لازم اور ضروری قرار نہیں دیا گیا۔'' [2]

اسی طرح جنازہ کے پاس اونچی آواز سے ذکر وقراءت کرنا یا اسی طرح کا کوئی اور کام کرنا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اس لیے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تین اوقات میں آوازیں اونچی کرنا پسند نہیں کرتے تھے: جنازے کے ساتھ، ذکر کے لیے اور لڑائی کے وقت۔ یہ حدیث ابن منذر نے قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ذکر کی ہے۔

اسی طرح جنازہ نیچے رکھنے سے پہلے بیٹھ جانا بھی ناپسندیدہ فعل ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«إِذَا اتَّبَعْتُمْ جَنَازَةً فَلَا تَجْلِسُوا حَتّٰى تُوضَعَ»

''جب تم جنازے کے ساتھ جاؤ تو اسے زمین پر رکھنے سے پہلے نہ بیٹھو۔'' [3]

(22) **میت کو دفن کرنے کا حکم:** جسم کو مٹی میں دفنانا فرض ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ﴾ ''پھر اسے موت دی اور قبر میں دفن کرایا۔'' [4]

دفنانے کے چند احکام حسب ذیل ہیں: ❁ قبر گہری کھودی جائے تاکہ درندے اور پرندے میت تک رسائی حاصل نہ کر سکیں اور دفن کرتے وقت اچھی طرح قبر بند کی جائے تاکہ ہوا باہر نہ آسکے اور دوسروں کے لیے ایذا کا باعث نہ بن جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«اِحْفِرُوا وَأَعْمِقُوا وَأَحْسِنُوا وَادْفِنُوا الْاِثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي قَبْرٍ وَّاحِدٍ»

''قبر گہری کھودو، اچھی بناؤ اور ایک قبر میں دو دو تین تین دفن کرو۔'' [5]

(1) صحيح البخاري، الإيمان، باب اتباع الجنائز من الإيمان، حديث: 47. (2) صحيح البخاري، الجنائز، باب اتباع النساء الجنازة، حديث: 1278، و صحيح مسلم، الجنائز، باب نهي النساء عن اتباع الجنائز، حديث: 938. (3) صحيح مسلم، الجنائز، باب القيام للجنازة، حديث: 959. (4) عبس 80:21. (5) [صحيح] سنن النسائي، الجنائز، باب مايستحب من إعماق القبر، حديث: 2012، وسنن أبي داود، الجنائز، باب في تعميق القبر، حديث: 3215، وجامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في دفن الشهداء، حديث: 1713 وقال حسن صحيح، وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في حفر القبر، حديث: 1560.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی پہلے کس کو قبر میں اتاریں۔ تو آپ نے فرمایا:

«قَدِّمُوا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا» ''جسے قرآن زیادہ آتا ہے، اسے آگے کرو۔''[1]

* ''شق'' کے انداز کی قبر بھی (ضرورت کے وقت) جائز ہے مگر افضل ''لحد'' ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے: «اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا» ''لحد ہمارے لیے ہے اور شق ہمارے غیروں کے لیے۔''[2]

''لحد'' قبر کے گڑھے میں نیچے دائیں طرف کھودنا اور ''شق'' گڑھے کے درمیان میں کھودنا ہوتا ہے۔

* دفن میں شریک ہونے والوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے تین بار مٹی قبر کے سرہانے کی طرف سے ڈالیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا تھا، جیسا کہ سنن ابن ماجہ کی روایت سے ثابت ہے۔[3]

* میت کو قبر کی پائنتی کی طرف سے داخل کیا جائے، بشرطیکہ آسانی سے ایسا ہو سکے اور قبر میں میت کو دائیں پہلو پر قبلہ رخ کر کے لٹایا جائے اور کفن کے بندھن کے جوڑ کھول دیے جائیں اور یہ دعا پڑھی جائے:

«بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ»

''اللہ کے نام سے اور رسول اللہ ﷺ کی ملت پر (ہم اسے رکھ رہے ہیں۔)''[4]

* عورت کو قبر میں رکھتے وقت پردہ کر لیا جائے، اس لیے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ کا عورت کے لیے یہی معمول تھا، مرد کے لیے نہیں۔

دفن کے بعد کے جملہ مسائل (۱) **میت کے لیے مغفرت کی دعا کرنا:** دفن میں شریک ہونے والوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ میت کے لیے استغفار کریں اور اس کے لیے سوال میں ثابت قدمی کی دعا کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت ہے: «اِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَسَلُوا اللّٰهَ لَهُ التَّثْبِيتَ، فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ»

''اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو اور اس کے لیے اللہ سے ثابت قدمی کا سوال کرو، اس لیے کہ اب اس

1 جامع الترمذي، الجهاد، باب ما جاء في دفن الشهداء، حديث: 1713، وسنن النسائي، الجنائز، باب ما يستحب من إعماق القبر، حديث: 2012. بحری سفر کے دوران کسی کے فوت ہونے کی صورت میں اگر جسم کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو تاخیر جائز ہے ورنہ غسل دے کر جنازہ پڑھا جائے اور جسم کے ساتھ کوئی بھاری چیز باندھ کر سمندر کے حوالے کر دیا جائے یہ جائز ہے۔ یہی علماء کا فتویٰ ہے۔ (مؤلف) 2 [ضعيف] مسند أحمد: 357/4، وسنن أبي داود، الجنائز، باب في اللحد، حديث: 3208، وجامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في قول النبي ﷺ «اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا»، حديث: 1045، اس کی سند عبدالاعلیٰ ثعلبی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 3 سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في حثو التراب في القبر، حديث: 1565. 4 [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في الدعاء للميت إذا وضع في قبره، حديث: 3213، والمستدرك للحاكم: 366/1 واللفظ له، امام حاکم، ذہبی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے، نيل المقصود.

سے پوچھا جائے گا۔''[1]

آپ دفن سے فارغ ہو کر یہ حکم فرمایا کرتے تھے اور بعض سلف صالحین رحمہم اللہ یہ دعا بھی پڑھتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذَا عَبْدُكَ نَزَلَ بِكَ وَأَنْتَ خَيْرُ مَنْزُولٍ بِهِ فَاغْفِرْ لَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ»

''اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے، تیرے پاس آ گیا ہے اور تیرے پاس اچھا مقام نزول ہے، پس اس کی مغفرت کر اور اس کے داخل ہونے کی جگہ وسیع بنا۔''[2]

﴿2﴾ **قبر کو زمین کے برابر کیا جائے یا کیسا رکھا جائے:** مناسب یہی ہے کہ قبر کو زمین کے برابر کر دیا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو زمین کے ساتھ ہموار کرنے کا حکم دیا ہے، ہاں اگر ایک بالشت کے قدر اونٹ کی کوہان کی طرح اونچی کر لی جائے تو جائز ہے اور جمہور علماء نے اسی کو مستحب قرار دیا ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ کی قبر مبارک بھی اسی طرح کوہان نما ہے۔[3]

قبر پر نشان کے طور پر پتھر وغیرہ رکھ دینا جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو ایک پتھر رکھ کر ممیز کر کے فرمایا تھا: «أَتَعَلَّمُ بِهَا قَبْرَ أَخِي، وَأَدْفِنُ إِلَيْهِ مَنْ مَّاتَ مِنْ أَهْلِي»

''میں اس علامت سے اپنے بھائی کی قبر پہچان لوں گا اور میرے اہل میں سے جو فوت ہوا میں اسے اس کے پاس دفن کروں گا۔''[4]

﴿3﴾ **قبر کو پکا اور چونا گچ کرنے کی حرمت:** قبر کو چونے سے پختہ کرنا اور اس پر عمارت بنانا حرام ہے، اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: «نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ»

''نبی ﷺ نے منع کیا ہے کہ قبر کو چونے سے پختہ کیا جائے، اس پہ بیٹھا جائے یا اس پر کوئی عمارت بنائی جائے۔''[5]

﴿4﴾ **قبر پر بیٹھنے کی کراہت:** مسلمان کے لیے ناجائز ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر بیٹھے یا اپنے پاؤں سے اسے روندے، اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا»

1 [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت...... حديث:3221، والمستدرك للحاكم:370/1، امام حاکم اور ان کی موافقت میں امام ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ 2 لم أجده وبعضه موجود في الأذكار للنووي باختلاف كثير، ص:146. 3 صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، حديث:968، وصحيح البخاري، الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي ﷺ، وأبي بكر و عمر رضي الله عنهما، حديث:1390. 4 [حسن] سنن أبي داود، الجنائز، باب في جمع الموتى في قبر والقبر يعلم، حديث:3206. 5 صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر...... حديث:970.

”قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔“ [1]

نیز فرمایا: «لَأَنْ يَّجْلِسَ أَحَدُكُمْ عَلٰى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهُ فَتَخْلُصَ إِلٰى جِلْدِهِ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ»

”تم میں سے کوئی آدمی انگارے پر بیٹھے اور انگارہ کپڑے جلا کر اس کے چمڑے تک پہنچ جائے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر بیٹھے۔“ [2]

⑤ **قبر پر مساجد بنانے کی حرمت:** قبروں پر مسجدیں بنانا اور قبرستان میں چراغ جلانا بھی حرام ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ»

”اللہ نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں اور ان پر مسجدیں بنانے اور چراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے۔“ [3]

نیز فرمایا: «لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَاءِهِمْ مَّسَاجِدَ»

”اللہ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی ہے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا تھا۔“ [4]

⑥ **قبر کھول کر ہڈیاں نکالنا اور انھیں دوسری جگہ منتقل کرنا حرام ہے:** قبروں کو اکھیڑنا اور ہڈیوں کو دوسری جگہ منتقل کرنا یا قبر میں مدفون کو نکالنا حرام ہے، الا یہ کہ کوئی شدید ضرورت لاحق ہو جائے، مثلاً: غسل کے بغیر دفنا دیا گیا ہو، اسی طرح ایک شہر سے میت کو دوسرے شہر میں منتقل کرنا بھی درست نہیں ہے، الا یہ کہ حرمین شریفین (مکہ و مدینہ) یا بیت المقدس میں منتقل کیا جائے تو جائز ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِدْفِنُوا الْقَتْلٰى فِي مَصَارِعِهِمْ»

”مقتولوں کو ان کے گرنے کی جگہ میں ہی دفن کرو۔“ [5]

1 صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، حديث: 972. حدیث کے عموم میں قبروں پر مجاور کے طور پر بیٹھنا بھی داخل ہے اور ممنوع ہے۔ (الاثری) 2 صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر......، حديث: 971. 3 [ضعيف] جامع الترمذي، الصلاة، باب كراهية أن يتخذ على القبر مسجدا، حديث: 320 وقال ”حسن“، والمستدرك للحاكم: 374/1 ولم يصححه اس کی سند ابوصالح باذام کی وجہ سے ضعیف ہے، نیز اس باب میں ایک حسن روایت «لَعَنَ اللّٰهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُورِ» موجود ہے جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية زيارة القبور للنساء، حديث: 1056، وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في النهي عن زيارة النساء القبور، حديث: 1576، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 78/4، وصححه الترمذي و ابن حبان، موارد، حديث: 788. نذر و نیاز وصول کرنے کے لیے قبر پر بیٹھنا بھی بہت بڑا گناہ ہے، اس پر بھی یہ وعید درست ہے۔ (الاثری) 4 صحيح البخاري، الجنائز، باب ما جاء في قبر النبي ﷺ، حديث: 1390، وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور......، حديث: 529. 5 [حسن] سنن أبي داود، الجنائز، باب في الميت يحمل من أرض إلٰى أرض و كراهة ذالك، حديث: 3165، وسنن النسائي، الجنائز، باب أين يدفن الشهيد، حديث: 2007 واللفظ له.

⑦ **تعزیت کرنا مستحب ہے:** اہل میت کے ہاں، خواہ مرد ہوں یا عورتیں، تین دن تک تعزیت کرنا بہتر ہے۔اور تعزیت دفن سے پہلے اور بعدازاں بھی جائز ہے۔الا یہ کہ کوئی فرد غائب ہو تو تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ يُّعَزِّي أَخَاهُ بِمُصِيبَةٍ إِلَّا كَسَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جو مومن مصیبت میں اپنے بھائی کو تسلی دلائے، اللہ عزوجل اسے قیامت کے دن عزت کا لباس پہنائے گا۔''[1]

⑧ **کسی کی وفات پر اس کے عزیز واقارب کو تسلی دینا مستحب ہے:** صبر کی تلقین کرنا اور میت کے افراد خانہ کو تسلی دلانا اور ایسی باتیں کہنا جن سے ان کی مصیبت میں کمی کا احساس ہو اور شدت غم میں کمی واقع ہو جائے، شرعاً تعزیت کہلاتا ہے، اس کے لیے کوئی خاص لفظ مقرر نہیں ہے۔آپ کی بیٹی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہونے کے قریب ہے، آپ تشریف لائیں تو آپ نے اسے سلام کے ساتھ یہ پیغام بھجوایا:

«إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى ، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى ، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ»

''بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو اس نے لے لیا اور جو اس نے دیا ہے وہ بھی اسی کا ہے اور ہر چیز کے لیے اس کے ہاں وقت مقرر ہے، پس چاہیے کہ وہ صبر کرے اور اجر وثواب طلب کرے۔''[2]

سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو اس کے بیٹے کی تعزیت میں لکھا: ''فلاں سے فلاں کی طرف، السلام علیکم، میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔امابعد: اللہ تجھے اجر عظیم عطا کرے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمھیں شکر ادا کرنے کی ہمت دے، اس لیے کہ ہماری جانیں، ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال سب اللہ کے بابرکت عطیات ہیں اور اسی کی امانتیں ہیں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ تجھے ان کی بابت خوشی اور رشک کا فائدہ دے اور انھیں اجر کبیر کے ساتھ وصول کرے، یعنی نماز، رحمت اور ہدایت کے ساتھ۔اگر تو نے ثواب طلب کیا ہے تو صبر کر، کہیں تیری بے صبری تیرے اجر کو ضائع نہ کر دے، پھر تو نادم ہوگا۔یاد رکھ! جزع فزع مرنے والے کو واپس نہیں لاتا اور نہ غم کو دور کرتا ہے، جو مصیبت نازل ہوتی ہے، وہ نازل ہو کر ہی رہتی ہے۔والسلام علیکم۔''

اور تعزیت میں اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ ''اللہ تجھے اجر عظیم دے، صبر کی توفیق سے نوازے اور میت کی مغفرت فرمائے۔'' اور جس سے تعزیت کی جارہی ہے، وہ جواب میں کہے: آمین! اللہ آپ کو بدلہ دے اور تجھے کسی ناپسندیدہ

1 [ضعيف] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في ثواب من عزى مصاباً، حديث: 1601، اس کی سند ضعیف ہے، دیکھیے تخریج سنن ابن ماجہ از زبیر علیزئی جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ اسے حسن کہتے ہیں۔ 2 صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: «يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه» إذا كان النوح من سنته، حديث: 1284.

چیز کا سامنا نہ ہو۔

⑨ **سوگ کی بدعات:** لوگوں نے جہالت عام ہونے کی وجہ سے تعزیت کے لیے گھروں میں اکٹھے ہو کر بیٹھنے، کھانے کے انتظامات کرنے اور فخر ومباہات کے طور پر اموال خرچ کرنے کا وطیرہ بنا لیا ہے، اسے ترک کرنا اور اس سے دور رہنا ضروری ہے، اس لیے کہ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم گھروں میں جمع نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ قبرستان میں ایک دوسرے کو تسلی دلاتے یا جب ملاقات ہوتی تو تعزیت کرتے تھے۔ ہاں اگر قبرستان میں نہ مل سکے اور راستہ میں بھی سامنا نہ ہو سکا ہو تو گھر میں انفرادی طور پر جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے لیے عمداً مخصوص انداز میں اجتماع کرنا اور اس کے لیے خصوصی اہتمام بدعت ہے۔

⑩ **ورثائے میت کے لیے کھانا پکانا:** اہل میت کے لیے کھانے کا انتظام کرنا مستحب ہے اور یہ انتظام رشتہ دار یا قریبی ہمسائے وفات کے دن کریں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا، فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يُشْغِلُهُمْ»

''آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو، اس لیے کہ وہ اندوہناک خبر کی وجہ سے مشغول ہو گئے ہیں۔''[1]

اہل میت دوسروں کے لیے طعام کا انتظام کریں، یہ ایک بری بات اور غیر مناسب فعل ہے، اس لیے کہ یہ تو ان پر مصیبت کا اضافہ کرنا ہے، اگر ان کے ہاں کوئی مسافر مہمان آ جائے تو اہل میت کے بجائے ہمسائے اور رشتہ دار اس کی ضیافت کا اہتمام کریں۔

⑪ **میت کی طرف سے صدقہ کرنا:** میت کے لیے خیرات کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور مال چھوڑ گیا ہے، کوئی وصیت بھی نہیں کی، اگر میں اس کی طرف سے خیرات کروں تو کیا یہ اس کی کوتاہیوں کا کفارہ بنے گا۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں''۔[2] اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہو گئیں تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ماں فوت ہو گئی ہے، کیا میں اس کی طرف سے خیرات کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' تو انھوں نے کہا کہ پھر میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا مخراف باغ میری ماں کی طرف سے صدقہ ہے۔''[3]

⑫ **میت کے لیے قرآن پڑھنا:** اگر کوئی شخص مسجد یا گھر میں بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور تلاوت سے

1 [حسن] مسند أحمد: 205/1، وجامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في الطعام يصنع لأهل الميت، حديث: 998 وقال ''حسن صحيح'' والمستدرك للحاكم: 372/1 وصححه ووافقه الذهبي بتحقيقي اس کی سند حسن ہے، دیکھیے: سنن أبي داود، الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، حديث: 3132. 2 صحيح مسلم، الوصية، باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت، حديث: 1630. 3 صحيح البخاري، الوصايا، باب إذا قال: أرضي أو بستاني صدقة......، حديث: 2756.

فارغ ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے میت کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتا ہے اور اس تلاوت قرآن پاک کو (قبولیت دعا کا) وسیلہ بناتا ہے تو جائز ہے۔ لیکن پڑھنے والوں کا میت کے گھر میں جمع ہونا اور قراءت کرنا اور قراءت کا ثواب میت کو ہدیہ کرنا اور پڑھنے والوں کو اجرت ومزدوری دینا، یہ طریقہ بدعت ہے، جس کا ترک کرنا ضروری ہے اور مسلمان بھائیوں کو اس سے اجتناب اور دور رہنے کی تلقین کرنا لازم ہے۔ اس امت کے سلف صالحین رحمہم اللہ میں یہ طریقہ رائج نہیں تھا اور نہ امت کے اچھے زمانوں میں اس پر عمل رہا ہے اور جو کام امت کے اولین طبقہ میں نہیں ہوا، وہ بعد کے لوگوں کے لیے شریعت اور دین نہیں بن سکتا۔

⑬ **زیارت قبور کا حکم:** قبرستان جانا مستحب ہے کیونکہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے اور میت کو دعا اور استغفار سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا»

''میں تمھیں زیارت قبور سے منع کیا کرتا تھا، سو اب تم زیارت قبور کر لیا کرو۔''[1]

اِلّا یہ کہ قبرستان یا میت بہت دور کی مسافت پر ہے اور جانے کے لیے سامان باندھنے اور سفر کے لیے خصوصی اہتمام کی ضرورت پڑتی ہے تو پھر یہ سفر مشروع نہیں ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِي هٰذَا وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى»

''تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کے لیے (ثواب وبرکت کی نسبت سے) رخت سفر نہ باندھا جائے (وہ تین مساجد یہ ہیں) میری یہ مسجد (مسجد نبوی) مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔''[2]

⑭ **قبروں کی زیارت کرنے والا کون سے الفاظ استعمال کرے:** رسول اللہ ﷺ بقیع غرقد کے قبرستان میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، أَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَّنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ، أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ لَنَا وَلَكُمْ»

''اے قبرستان کے مسلمانو اور مومنو! تم پر سلام ہو، بے شک ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ تم پہلے چلے گئے، ہم تمھارے بعد میں آئیں گے۔ ہم اللہ سے اپنے لیے اور تمھارے لیے عافیت طلب کرتے ہیں۔''[3]

1 صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبيﷺ ربه عز وجل في زيارة قبر أمه، حديث: 977. 2 صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، حديث: 1189، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، حديث: 1397 واللفظ له. ان سے وہ سفر مستثنیٰ ہیں جن کی مشروعیت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ (ع، ر)

3 صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، حديث: 975، وسنن النسائي، الجنائز، باب الأمر بالاستغفار للمؤمنين، حديث: 2042 وإسناده صحيح.

⑮ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کا حکم: علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کا بار بار قبرستان جانا حرام ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَعَنَ اللّٰهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُورِ»

''اللہ نے قبروں کی زیارت کے لیے کثرت سے جانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔''[1]

مذکورہ حدیث کی بنا پر بعض علماء نے عورتوں کے قبرستان جانے کو مطلقاً ناپسند کیا ہے، البتہ بعض دیگر علماء نے کبھی کبھار جانے کی رخصت دی ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی قبر پر گئی تھیں۔ جب ان سے پوچھا گیا تو فرمایا: ہاں پہلے قبروں کی زیارت ممنوع تھی، بعد ازاں اس کی اجازت دے دی گئی تھی۔[2]

البتہ جو علماء جواز کے قائل ہیں، وہ یہ شرط ضرور لگاتے ہیں کہ وہ وہاں جا کر کوئی خلاف شرع کام نہ کرے، قبر کے پاس نوحہ نہ کرے، اونچی آواز نہ نکالے، زیب و زینت کر کے نہ جائے، میت کو امداد کے لیے نہ پکارے اور نہ اس سے اپنی حاجات کا سوال کرے اور اسی طرح کے دیگر کام جو دینی امور سے ناواقف عورتیں کرتی ہیں، نہ کرے۔

باب:10

زکاۃ کا بیان

زکاۃ کا حکم، اس کی حکمت اور زکاۃ نہ دینے والے کا حکم ✤ زکاۃ کا حکم: زکاۃ ہر اس مسلمان پر اللہ کی طرف سے فرض ہے جو کسی مال کے نصاب کا مالک ہو، قرآن پاک میں آیات ذیل اسے فرض قرار دیتی ہیں:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا

''ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر کے انھیں پاک بنائیے اور ان کا تزکیہ کیجیے۔''[3]

اور فرمان الٰہی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

''اے ایمان والو! اس پاک مال میں سے جو تم کماتے ہو اور جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا، خرچ کرو۔''[4]

نیز ارشاد ہوا: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ''اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو۔''[5]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا

1 [حسن] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية زيارة القبور للنساء، حديث: 1056، وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في النهي عن زيارة النساء القبور، حديث: 1576، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 78/4. اسے امام ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ 2 [صحيح] المستدرك للحاكم: 376/1، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 78/4، امام ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔
3 التوبة 103:9. 4 البقرة 267:2 5 البقرة 43:2.

رَّسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' [1]

اور فرمایا: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ»

''مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔ جب یہ کام سرانجام دیں گے تو وہ مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیں گے، سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہوگا۔'' [2]

اور جب آپ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا: «إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ، فَادْعُهُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ [عَزَّوَجَلَّ] افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَاءِ هِمْ وَتُرَدُّ فِي فُقَرَاءِ هِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ»

''تو اہل کتاب کے پاس جا رہا ہے، انھیں اس شہادت کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اگر وہ لوگ اسے تسلیم کر لیں تو پھر انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اسے بھی تسلیم کر لیں تو انھیں خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے وصول کر کے انھی کے فقراء میں تقسیم کیا جائے گا، اگر وہ یہ بھی تسلیم کر لیں تو ان کے قیمتی اموال سے خود کو بچانا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرنا، اس لیے کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔'' [3]

❁ زکاۃ کی حکمت: زکاۃ کی مشروعیت میں درج ذیل حکمتیں پنہاں ہیں:

① بخل اور کنجوسی سے انسانی مزاج کا صاف و پاک ہونا۔

1 صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم......، حديث: 8، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام و دعائمه العظام، حديث: 16. 2 صحيح البخاري، الإيمان، باب ﴿فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ﴾، حديث: 25، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس......، حديث: 22. 3 صحيح البخاري، الزكاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء......، حديث: 1496، وسنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1584 واللفظ له.

(2) فقراء کے ساتھ ہمدردی اور تنگ دستوں، فقراء اور ناداروں کی حاجت براری۔

(3) مصالح عامہ، جن پر امت کی زندگی اور سعادت موقوف ہے، کا پورا کرنا۔

(4) دولت مندوں کی دولت وثروت میں حد بندی تاکہ وہ دولت کسی ایک طبقہ میں بند ہو کر نہ رہ جائے۔

✽ **زکاۃ نہ دینے والوں کا حکم:** زکاۃ نہ دینا اگر انکار فرضیت کی وجہ سے ہے تو کفر ہے اور اگر کنجوسی اور بخل کی وجہ سے ہے تو گناہ ہے۔ ایسے شخص سے زکاۃ زبردستی وصول کی جائے گی اور وہ سزا کا مستحق ہوگا، اگر لڑائی پر اتر آئے تو اس سے اللہ کے حکم کی پابندی اور زکاۃ کی ادائیگی تک جنگ کی جائے گی، اس لیے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

فَإِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ط

''اگر وہ توبہ کریں، نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ»

''مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔ جب وہ یہ کر لیں گے تو وہ مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیں گے۔ سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہوگا۔''[2]

اور جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکاۃ کا انکار کرنے والوں سے جنگ کی اور فرمایا: اگر یہ لوگ ایک بکری کا بچہ جو رسول اللہ ﷺ کو زکاۃ میں دیتے تھے، مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔[3]

اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس مسئلہ میں ان سے متفق تھے تو گویا یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماعی فیصلہ تھا۔

زکاۃ اور غیر زکاۃ والے اموال واجناس کا بیان ✽ **سونا اور چاندی:** سونا، چاندی اور وہ سامان تجارت جس کی قیمت سونے اور چاندی سے متعین ہوتی ہے، اسی طرح کانوں سے حاصل شدہ اموال اور جاہلی دور میں مدفون خزانہ بھی سونے چاندی کے ساتھ ملحق ہے اور اس کے علاوہ دیگر مالی کرنسی جو سونے اور چاندی کے قائم مقام ہے، ان

1 التوبة 11:9. 2 صحيح البخاري، الإيمان، باب: فَإِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ ، حديث: 25، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتّٰى يقولو لا إله إلا الله محمد رسول الله ......، حديث: 22. 3 صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7284، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتّٰى يقولوا لا إله إلا الله......، حديث: 20.

سب میں زکاۃ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ ﴾

''اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا لیتے ہیں اور اسے اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے، انھیں دردناک عذاب کی نوید سنا دیں۔''[1] اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ» ''پانچ اوقیہ سے کم میں زکاۃ نہیں ہے۔''[2]

نیز فرمایا: «اَلعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ»

''جانور کسی کو زخمی کر دے تو وہ ہدر (اس میں قصاص وغیرہ نہیں) ہے، کنویں میں کام کرتے ہوئے کسی کا نقصان ہو جائے تو ہدر ہے اور کان میں نقصان ہو جائے تو ضائع (ہدر) ہے اور جاہلی مدفون خزانہ میں (بیت المال کے لیے) پانچواں حصہ ہے۔''[3]

✤ چوپائے: اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں میں زکاۃ ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾

''اے ایمان والو! اس پاک مال میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو۔''[4]

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: «وَيْحَكَ! إِنَّ شَأْنَهَا شَدِيدٌ، فَهَلْ لَّكَ مِنْ إِبِلٍ تُؤَدِّي صَدَقَتَهَا؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَاعْمَلْ مِنْ وَّرَاءِ الْبِحَارِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَنْ يَّتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا»

''تجھ پر افسوس! اس کا معاملہ تو بہت سخت ہے، کیا تیرے پاس اونٹ ہیں جن کی تو زکاۃ ادا کرتا ہے۔'' کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: ''پھر تو سمندر پار عمل کر، اللہ تیرے عمل میں ہرگز کمی نہیں کرے گا۔''[5]

اور فرمایا: «وَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ! مَامِنْ رَّجُلٍ تَكُونُ لَهُ إِبِلٌ أَوْ بَقَرٌ أَوْغَنَمٌ لَّا يُؤَدِّي حَقَّهَا إِلَّا أُتِيَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْظَمَ مَا تَكُونُ وَأَسْمَنَهُ، تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا، كُلَّمَا جَازَتْ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ»

1 التوبة9:34. 2 صحيح البخاري، الزكاة، باب ما أدّي زكاته فليس بكنز، حديث: 1405، وصحيح مسلم، الزكاة، باب: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، حديث: 979. 3 صحيح البخاري، الديات، باب المعدن جبار والبئر جبار، حديث: 6912. 4 البقرة2:267. 5 صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة الإبل، حديث: 1452. یعنی اگر تو دینی فرائض وواجبات ادا کرتا ہے تو پھر تو جہاں کہیں بھی زندگی گزارے اللہ تیرے اعمال کے ثواب میں کمی نہیں کرے گا۔ (ع، ر)

''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے! جس آدمی کے پاس اونٹ یا گائے یا بھیڑ بکریاں ہوں اور وہ ان کی زکاۃ ادا نہیں کرتا تو انھیں قیامت کے دن لایا جائے گا۔ تو وہ بڑی بڑی ہوں گی اور موٹی موٹی، اسے اپنے پاؤں کے نیچے روندیں گی اور سینگوں سے ماریں گی۔ جب (مارتے ہوئے) سب گزر جائیں گی تو پہلی کو پھر لوٹایا جائے گا۔ لوگوں کے فیصلے ہونے تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔''[1]

✽ **پھل اور غلہ جات:** غلے سے مراد وہ اشیاء ہیں جو خوراک میں استعمال ہوتی ہیں اور ان کا ذخیرہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً: گندم اور جو۔ پھلوں میں کھجور، زیتون اور کشمش ہے جن میں زکاۃ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

''اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی سے خرچ کرو اور اس سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے۔''[2]

اور ارشاد عالی ہے: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ''اور اجناس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ»

''پانچ وسق سے کم میں زکاۃ نہیں ہے۔''[4]

اور فرمایا: «فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْكَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ»

''بارش، چشمے اور نیچے سے پانی حاصل کرنے والی اجناس اور پھلوں وغیرہ میں دسواں حصہ ہے اور اگر انھیں پانی کھینچ کر پلایا جائے تو بیسواں حصہ ہے۔''[5]

وہ اموال جن کی زکاۃ ادا نہیں کی جاتی ① غلاموں، گھوڑوں، خچروں اور گدھوں میں زکاۃ نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ وَغُلَامِهِ صَدَقَةٌ»

''مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام میں زکاۃ نہیں ہے۔''[6]

اور اس لیے بھی کہ خچروں اور گدھوں کی زکاۃ لینا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

② جو مال نصاب سے کم ہو، اس میں بھی زکاۃ نہیں ہے، الّا یہ کہ مالک اپنی خوشی سے دے دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِّنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ

1 صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة البقر، حديث: 1460. 2 البقرة 2:267. 3 الأنعام 6:141. 4 صحيح البخاري، الزكاة، باب ماأدي زكاته فليس بكنز، حديث: 1405، و صحيح مسلم، الزكاة، باب: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، حديث: 979. 5 صحيح البخاري، الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء......، حديث: 1483. 6 صحيح البخاري، الزكاة، باب ليس على المسلم في فرسه صدقة، حديث: 1463.

صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِّنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ»

''کھجوروں کے پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور چاندی میں پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور پانچ عدد اونٹ سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔''[1]

③ تازہ استعمال ہونے والے پھلوں اور سبزیوں میں رسول اللہ ﷺ سے زکاۃ ثابت نہیں ہے۔البتہ فقراء اور ہمسایوں کو اس میں سے دے دینا مستحب ہے، اس لیے کہ اللہ رب العزت کا یہ فرمان عام ہے:

اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَـكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ

''جو تم پاک مال کماتے ہو اور جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے، اس میں سے خرچ کرو۔''[2]

④ بعض علماء کے نزدیک عورتوں کے زیورات پر زکاۃ نہیں لیکن راجح قول کے مطابق ان پر زکاۃ ہے، اس لیے کہ احادیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔[3]

⑤ قیمتی جواہرات جیسا کہ زمرد یاقوت، موتی اور دیگر جواہرات پر زکاۃ نہیں لیکن جب تجارت کی غرض سے حاصل شدہ ہیں تو ان میں سامان تجارت کی طرح زکاۃ لازم ہوگی۔

⑥ گھریلو سامان، مکانات، کارخانے، گاڑیاں اور گھوڑے میں بھی زکاۃ نہیں ہے، اس لیے کہ شارع سے ان میں زکاۃ کا حکم نہیں آیا ہے۔

نصابِ زکاۃ اور اس کی شرائط ① **سونا:** سونے میں زکاۃ ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ اگر بیس دینار ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس میں چالیسواں حصہ واجب ہے، یعنی بیس دینار میں سے نصف دینار، اس سے زائد کا اسی حساب سے ادا کرنا لازم ہے۔

② **چاندی:** چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے اور اس میں سال گزرنے پر پانچ درہم (چالیسواں حصہ) ہے۔

فائدہ: اگر ایک شخص کے پاس نہ تو سونے کا پورا نصاب ہے اور نہ ہی چاندی کا، البتہ اگر دونوں کو اکٹھا کر لیا جائے تو نصاب بن جاتا ہے تو اس صورت میں دونوں کو اکٹھا کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، لہٰذا ان میں زکاۃ نہیں ہے۔

③ **سامانِ تجارت:** سال گزرنے پر اس کی نقد قیمت بنالی جائے، اگر نصاب پورا ہو جائے تو اڑھائی روپے فی صد

①صحيح البخاري، الزكاة، باب ليس فيمادون خمس ذود صدقة، حديث:1459، وصحيح مسلم، الزكاة، باب ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، حديث: 979. ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع تقریباً دو کلو 100 گرام کا، لہٰذا پانچ وسق 630 کلو، یعنی 15 من 30 کلو کا ہوا۔اور ایک اوقیہ چالیس درہم اور پانچ اوقیہ دو سو درہم جو کہ باون تولہ کے برابر ہے، جبکہ محقق قول کے مطابق 51 تولہ کے برابر ہے۔اسی طرح بعض محققین نے پانچ وسق کا وزن 15 من بتایا ہے۔(ع۔و) 2 البقرة2:267. 3 دیکھیے: سنن أبي داود، حديث:1565,1563.

کے حساب سے زکاۃ ادا کر دی جائے۔لیکن اگر نصاب پورا نہ ہو اور اس کے علاوہ نقد رقم اس کے پاس موجود ہے تو وہ اس کے ساتھ شامل کر کے نصاب پورا کر لیا جائے۔[1]

④ قرضہ جات: اگر کسی نے قرض لینا ہے اور جب چاہے اس کے ملنے کی توقع ہے تو اسے سال گزرنے پر اپنے پاس موجود نقدی میں شامل کر کے زکاۃ ادا کرے اور اگر قرض والی رقم کے علاوہ نقدی نہیں ہے اور مال قرض سے نصاب پورا ہو گیا ہے تو بھی زکاۃ دے لیکن اگر قرض کسی تنگ دست سے لینا ہے جس سے مرضی کے مطابق وصولی کی امید نہیں ہے تو جب وصولی ہو گی ایک سال کی زکاۃ ادا کرے، چاہے اس پر کئی سال گزر چکے ہوں۔

⑤ جاہلی دفینے: اگر کسی کو زمین یا گھر میں اہل جاہلیت کا مدفون خزانہ مل جائے تو اس کا پانچواں حصہ فقراء و مساکین اور خیراتی مہمات میں خرچ کر دے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ» ''جاہلی دفینے میں پانچواں حصہ (خمس) ہے۔''[2]

⑥ کانیں: اگر سونے یا چاندی کی کان سے برآمدگی، نصاب تک ہو گئی ہے تو زکاۃ ادا کر دے، درج ذیل حدیث اس پر دلیل ہے:«لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ» ''پانچ اوقیہ سے کم میں زکاۃ نہیں ہے۔''[3]

اس لیے کہ ''اوقیہ'' کا لفظ سونے اور چاندی کی کان کو بھی شامل ہے۔مگر اللہ کے فضل سے اس معاملہ میں وسعت ہے۔ اگر کان میں سے لوہا، تانبا، بارود وغیرہ حاصل ہو تو اس پر زکاۃ نہیں ہے، اس لیے کہ کسی صریح نص میں ان اشیاء میں زکاۃ کا وجوب ثابت نہیں ہے اور نہ ہی یہ سونے، چاندی میں داخل ہیں کہ ان کی زکاۃ فرض ہو۔

⑦ درمیان سال میں حاصل شدہ مال: اگر وہ مال سامان تجارت کے منافع کی صورت میں ہے یا جانوروں کی نسل کی بڑھوتری کی صورت میں تو اصل کے ساتھ دوران سال میں حاصل شدہ مال کی زکاۃ ادا کرے گا، خواہ اس پر سال گزرے یا نہ گزرے اور اگر پہلے سے موجود سامان تجارت کا منافع یا جانوروں کی نسل نہیں بلکہ الگ سے مال حاصل ہو گیا ہو تو اس کے لیے پورا سال اس کی ملکیت میں رہنا زکاۃ کی فرضیت کے لیے لازم ہے، لہٰذا ہبہ، عطیہ یا وراثت میں آمدہ مال پر اس وقت زکاۃ ہو گی جب اس پر پورا سال گزر جائے گا۔

1 اس مسئلے کی بنیاد وہ حدیث ہے جس میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم سامان تجارت کی زکاۃ ادا کیا کریں۔[ضعيف] سنن أبي داود، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها زكاة، حديث:1562، اس پر ابو داود اور منذری کا سکوت ہے۔ابن عبدالبر نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ 2 صحيح البخاري، الديات، باب: المعدن جبار والبئر جبار، حديث: 6912. 3 صحيح البخاري، الزكاة، باب ما أدي زكاته فليس بكنز، حديث: 1405، وصحيح مسلم، الزكاة، باب ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، حديث: 979.

چوپائے ✽ اونٹ: اونٹوں میں زکاۃ فرض ہونے کی شرط یہ ہے کہ نصاب (پانچ اونٹ) ملکیت میں آ جائیں اور ان پر پورا سال گزر جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ» ''پانچ عدد اونٹ سے کم میں زکاۃ نہیں ہے۔''[1]

پانچ اونٹ ہوں تو ایک سالہ بکری یا بھیڑ کا ایک سالہ بچہ ادا کرنا ہے اور دس میں دو بکریاں یا بھیڑیں اور پندرہ میں تین اور بیس میں چار اور پچیس اونٹوں میں ایک بنت مخاض (وہ اونٹنی جس کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہو) اگر یہ نہ ہو تو ابن لبون (دو سالہ اونٹ تیسرا سال شروع ہوا ہو) اور اسی طرح چھتیس اونٹوں میں ایک بنت لبون (دو سالہ اونٹنی تیسرا سال شروع ہوا ہو) اور چھیالیس میں ایک حقہ (تین سالہ اونٹنی چوتھا سال شروع ہوا ہو) اور اکسٹھ میں جزعہ (چار سالہ مادہ اونٹنی پانچواں شروع ہو چکا ہو) اور چھہتر اونٹوں میں دو بنت لبون اور اکانوے میں دو حقے اور اگر ایک سو بیس ہو جائیں تو ہر چالیس میں بنت لبون اور ہر پچاس میں حقہ۔

تنبیہ: اگر اونٹوں میں متعین عمر سے کم عمر کا جانور موجود ہو تو وہ زکاۃ میں دے دیا جائے اور کمی کو دو بکریوں یا بیس درہم ساتھ ملا کر پورا کیا جائے۔ اگر متعین عمر سے بڑی عمر کا جانور ہے تو وصول کرنے والا دو بکریاں یا ان کی قیمت بیس درہم مالک کو واپس کرے گا۔ ہاں ابن لبون، بنت مخاض کی جگہ زکاۃ میں بغیر زیادتی کے کفایت کر جاتا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

✽ گائے: اس کی زکاۃ میں بھی نصاب اور پورا سال گزرنے کی شرط ہے اور نصاب تیس عدد گائیں ہیں، اس سے کم میں زکاۃ نہیں ہے اور تیس میں ایک سال کا بچھڑا واجب ہے، چالیس ہو جائیں تو دو سالہ مادہ اور اگر اس سے زائد ہوں تو ہر چالیس میں دو سالہ مسنہ (دو دانت والا) اور ہر تیس میں ایک سالہ بچھڑا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَفِي الْبَقَرِ فِي كُلِّ ثَلَاثِينَ تَبِيعٌ، وَفِي (كُلِّ) الْأَرْبَعِينَ مُسِنَّةٌ»

''ہر تیس گایوں میں ایک سالہ اور ہر چالیس میں دو سالہ بچھڑا ہے۔''[2]

✽ **بھیڑ اور بکری کا نصابِ زکاۃ**: ان کا نصاب چالیس کی تعداد ہے، چالیس بھیڑ بکریوں میں ایک بھیڑ یا بکری ہے اور ایک سو اکیس میں دو، جب دو سو ایک یا زائد ہو جائیں تو ان میں تین بکریاں یا بھیڑیں ہیں، البتہ اگر تین سو سے

[1] صحيح البخاري، الزكاة، ماأدي زكاته فليس بكنز، حديث: 1405، وصحيح مسلم، الزكاة، باب ليس فيما خمسة أوسق صدقة، حديث: 979. [2] [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1572، وجامع الترمذي، الزكاة، باب ماجاء في زكاة البقر، حديث: 623 باختلاف السند والمتن اس کی سند ابو اسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن صحیح ابن خزیمة: 4/19 وغیرہ میں اس کے شواہد موجود ہیں جن کی وجہ سے یہ حسن ہے۔

زائد ہو جائیں تو ہر ایک سو میں ایک بکری یا ایک بھیڑ ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فَإِذَا زَادَتْ فَفِي كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ»

''جب (تین سو سے) زائد ہو جائیں تو ہر سو میں ایک (بھیڑ یا) بکری ہے۔''[1]

تنبیہات (1) جمہور فقہاء جانوروں کی زکاۃ میں یہ شرط قرار دیتے ہیں کہ وہ سال کا اکثر حصہ جنگل وغیرہ میں گھاس چرتے ہوں۔ تاہم امام مالک رحمہ اللہ یہ شرط نہیں لگاتے، وہ بہرصورت زکاۃ کے قائل ہیں اور فقہائے مدینہ کا عمل بھی اسی پر ہے۔ جمہور کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«وَفِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ، إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ فَفِيهَا شَاةٌ إِلٰى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ»

''اور جنگل میں چرنے والی بھیڑ بکریاں چالیس ہو جائیں تو ان میں ایک (جانور) ہے، ایک سو بیس تک۔''[2]

جمہور نے بکریوں میں صراحت اور گائے اور اونٹ[3] میں اس پر قیاس کر کے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ سال کا اکثر حصہ باہر چرتے ہوں۔ ان کے نزدیک اگر مالک انھیں گھر میں گھاس مہیا کرتا ہے تو اس میں مشقت ومحنت کی وجہ سے زکاۃ معاف ہو جاتی ہے۔

(2) جانوروں کے درمیانی نصاب میں زکاۃ نہیں ہے، مثلاً: جس کے پاس چالیس بکریاں ہیں وہ ایک دے گا اور ایک سو بیس تک درمیانی تعداد ہے تو بھی ایک ہی بکری ادا کرے گا، جب ایک سو بیس سے ایک بڑھ جائے گی تو پھر دو بکریاں اس پر واجب ہوں گی۔ چالیس اور ایک سو بیس کی درمیانی تعداد کو ''وقص'' کہتے ہیں۔ اسی طرح اونٹوں اور گائے کے ''وقص'' میں بھی زکاۃ نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث کا انداز یہ ہے: «إِذَا بَلَغَتْ كَذَا فَفِيهَا كَذَا»

''جب اتنی تعداد ہو جائے تو اس میں اتنی زکاۃ ہے۔''[4]

اس سے معلوم ہوا کہ درمیانی تعداد پر زکاۃ نہیں ہے۔

(3) بھیڑ اور بکریوں کو زکاۃ میں ایک جنس قرار دیا گیا ہے اور بھینس اور گائے کو ایک جنس، اسی طرح بختی (وسط ایشیا میں پایا جانے والا دو کوہانوں والا) اور عربی اونٹ (زکاۃ کی مد میں) ایک ہی جنس شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ حدیث میں وارد شدہ الفاظ: الغنم، البقر، الإبل ان دونوں اقسام کو شامل ہیں۔

1 [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1568، وسنن النسائي، الزكاة، باب زكاة الإبل، حديث: 2449 واللفظ له. 2 [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب في الزكاة السائمة، حديث: 1567. 3 اونٹوں کے سائمہ ہونے کے بارے میں بھی حدیث میں صراحت آتی ہے، دیکھیے: سنن أبي داود، حديث: 1575. «فِي كُلِّ سَائِمَةِ إِبِلٍ فِي أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ» ''خود چرنے والے چالیس اونٹوں میں ایک بنت لبون لازم ہے۔'' (ع۔و) 4 [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1568 و 1572.

(4) دو آدمیوں کے جانور ایک ہی گلے میں اکٹھے ہیں، جبکہ ان کا چرواہا ایک ہے تو دونوں کے جانوروں کی اکٹھی زکاۃ لی جائے گی، پھر وہ آپس میں حساب کر لیں گے، مثلاً: ایک کی چالیس بکریاں ہیں اور دوسرے کی اسی۔ اگر صدقہ وصول کرنے والا چالیس کے مالک کی بکریوں میں سے ایک بکری لے جائے تو وہ دوسرے سے دو تہائی بکری کی قیمت وصول کرے گا۔

یاد رہے کہ زکاۃ سے فرار کی نیت سے دو ریوڑوں کی بکریوں کو اکٹھا کرنا اور ایک ریوڑ کی بکریوں کو الگ الگ کرنا ناجائز ہے، اس لیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکتوب گرامی میں لکھا ہے:

«وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَّلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ، وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ»

''اور صدقہ کے ڈر سے متفرق کو اکٹھا اور مجتمع (اکٹھے) کو جدا نہ کیا جائے۔ اور جو مال دو شریکوں کا ہو وہ دونوں (زکاۃ کی ادائیگی کے بعد) آپس میں برابر برابر حساب کر لیں۔''[1]

(5) زکاۃ میں جانوروں کے چھوٹے بچے نصاب میں شمار تو ہوتے ہیں مگر وہ زکاۃ میں نہیں دیے جائیں گے، اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کو حکم دیا تھا: «تَعُدُّ عَلَيْهِمْ بِالسَّخْلَةِ ـ وَلَا تَأْخُذْهَا»

''بھیڑ کا بچہ شمار کر مگر اس کو زکاۃ میں نہ لینا۔''[2]

(6) زکاۃ میں بوڑھا اور عیب دار جانور نہ لیا جائے، اس لیے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

«لَا تُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَّلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَّلَا تَيْسٌ»

''صدقہ میں بوڑھی، بھینگی اور ریوڑ کا بکرا (جس سے نسل کشی کا کام لیا جائے) نہ لیا جائے۔''[3]

اسی طرح لوگوں کا قیمتی مال بھی نہ لیا جائے، جیسا کہ حاملہ بکری جس کے بچے کی ولادت قریب ہے اور گلے کا وہ نر اور مادہ جو خوراک کے لیے تیار کی جا رہی ہے اور اسی طرح دودھ والی بکری بھی، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ» ''لوگوں کے قیمتی اموال سے اپنے آپ کو دور رکھنا۔''[4]

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب لايجمع بين مفترق......، حديث: 1450 والشركة، باب ماكان من خليطين......، حديث: 2487. [2] الموطأ للإمام مالك، الزكاة، باب ماجاء فيما يعتد به من السخل في الصدقة، حديث: 611. [3] المجموع للنووي: 387/5، والمصنف لابن أبي شيبة بحواله فقه أبي بكر رضي الله عنه: 157 وبمثله قاله عمر رضي الله عنه وسنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1570 وغيره عن رسول الله ﷺ وحسنه الترمذي وصححه الحاكم. [4] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث أبي موسىٰ و معاذ إلى اليمن قبل حجة الوداع، حديث: 4347، و صحيح مسلم، الايمان، باب الدعاء إلى الشهادتين و شرائع الإسلام، حديث: 19.

نیز عمر رضی اللہ عنہ نے صدقہ وصول کرنے والے کو أَكُولَه، الرُّبیَّ مَاخِضْ اور فَحلُ الْغَنم لینے سے منع کر دیا تھا۔[1]

✤ پھلوں اور غلہ جات کی زکاۃ: غلہ اور پھلوں میں شرط یہ ہے کہ پھل اور دانہ پختگی کو پہنچ جائیں، یعنی پھل زرد یا سرخ ہو جائے اور دانہ نکالا جا سکے۔ اسی طرح انگور اور زیتون بھی جب عمدہ اور قابل استعمال ہو جائیں، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ ''اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق دے دو۔''[2]

اس کا نصاب پانچ وسق ہے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع چار مد کا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ» ''پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔''[3]

اگر کھیت یا باغ کو چشمے یا دریا اور نہر کا پانی سیراب کرتا ہو تو اس میں دسواں حصہ زکاۃ ہے، یعنی پانچ وسق میں نصف وسق۔ لیکن اگر پانی لگانے میں مشقت ہے یا خرچ آتا ہے، یعنی کنویں سے پلایا گیا ہے یا جانوروں کے ذریعے تو اس میں بیسواں حصہ ہے، یعنی پانچ وسق میں چوتھائی وسق۔ اگر پیداوار کم و بیش ہے تو اسی حساب سے ادائیگی کی جائے، خواہ کم ہو یا زیادہ، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْكَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ»

''بارش اور چشمے سے سیراب شدہ اور عثری (ایسا پودا یا درخت جو جڑ کے ذریعے نیچے سے پانی حاصل کرے) میں دسواں حصہ ہے۔ اور جسے کھینچ کر پانی دیا گیا ہو اس میں بیسواں حصہ ہے۔''[4]

تنبیہات ① ایک شخص نے ایک مرتبہ آلات کے ذریعے سے پانی دیا اور دوسری مرتبہ اس کے بغیر (بارش یا دریا سے) تو اس میں دسواں حصہ کے تین ربع (تین چوتھائی) ہیں۔ علماء یوں ہی کہتے ہیں اور علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ہمیں اس میں کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے۔

② کھجور کی تمام اقسام اکٹھی کر کے نصاب پورا ہو جائے تو اوسط قسم سے زکاۃ دے دی جائے۔ نہ زیادہ عمدہ سے ادائیگی کی جائے اور نہ ہی ردی سے۔

③ گندم، جو اور سلت (یہ جو کی ایک قسم ہے جس پر چھلکا نہیں ہوتا) کو زکاۃ میں ایک نصاب بنایا جائے۔ ان کا مجموعہ نصاب زکاۃ تک پہنچ جائے تو جو زیادہ ہے اس میں سے زکاۃ نکالی جائے۔

1 الموطأ للإمام مالك، الزكاة، باب ماجاء فيما يعتد به من السخل في الصدقة، حديث:611. ''أكوله'' جو کھانے کے لیے پالی جا رہی ہے، ''الربی'' جو دودھ کے لیے گھر میں پالی جا رہی ہے، ''ماخض'' حاملہ بکری اور ''فحل الغنم'' بکریوں کے ریوڑ کا نر بکرا۔ (الاثری) 2 الأنعام 141:6. 3 صحيح البخاري، الزكاة، باب ما أدي زكاته فليس بكنز، حديث: 1405، وصحيح مسلم، باب: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، حديث: 979. 4 صحيح البخاري، الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء ...، حديث: 1483 اور صحيح مسلم، الزكاة، باب مافيه العشر أو نصف العشر، حديث: 981 میں اس کا ایک شاہد ہے۔

④ دالوں کی جملہ اقسام لوبیا، چنا، مسور، مٹر اور ترمس ❀ کو ایک نصاب میں شمار کیا جائے، اگر نصاب پورا ہو جائے تو جو دال زیادہ ہو اس میں سے ادائیگی کر دی جائے۔

⑤ زیتون، مولی بیج اور تل (یا کشنیز) اگر نصاب کو پہنچ جائیں تو ان کے تیل سے ان کی زکاۃ نکالی جائے۔

⑥ انگور کی جملہ اقسام ایک نصاب میں شمار کی جائیں اور زکاۃ دی جائے۔ کشمش بنانے سے پہلے اگر انھیں فروخت کر دیا گیا ہو تو نوع سیراب کے مطابق اس کی قیمت سے دسواں یا بیسواں حصہ زکاۃ میں دیا جائے۔

⑦ چاول، مکئی اور کنگنی (باجرے کے مشابہ ایک غلہ ہوتا ہے جس کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے) ہر ایک الگ الگ نوع ہے، انھیں ایک نہ بنایا جائے۔ اگر ہر ایک نوع میں نصاب پورا نہیں ہوتا تو ان میں زکاۃ نہیں ہوگی۔

⑧ ایک شخص نے ٹھیکے پر رقبہ لیا اور اسے نصاب کے قدر غلہ حاصل ہو گیا تو وہ اپنے حصے کی زکاۃ ادا کرے گا۔

⑨ ایک شخص پھل دار درخت یا کسی کھیت کا ہبہ، خرید یا وراثت کے ذریعے سے مالک بن گیا، اگر وہ پھل یا غلہ کے مکمل اپنی حالت پر آنے سے پہلے مالک بنا ہے تو زکاۃ وہی دے گا، ورنہ اس کا فروخت کرنے والا یا ہبہ کرنے والا ہی زکاۃ ادا کرے گا۔

⑩ جس پر اتنا قرض ہے جو اس کے تمام مال کو محیط ہے یا اسے نصاب سے کم کر دیتا ہے تو اس پر زکاۃ نہیں ہے۔[1]

زکاۃ کے مصارف کا بیان زکاۃ کے آٹھ مصرف ہیں، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں ذکر کیے ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝﴾

''صدقات، فقراء، مساکین، اس پر کام کرنے والے، جن کے دلوں کی تالیف مطلوب ہو، قیدی آزاد کرانے میں، مقروض لوگوں کے لیے، اللہ کے راستہ میں اور مسافروں کے لیے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''[2]

❀ **زکاۃ کے مصارف کی وضاحت:** ① **فقراء:** اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس اتنا مال نہیں

❀ بضم تاء، ایک قسم کی نبات ہے جس کا بیج کڑوا ہوتا ہے اور پانی میں بھگو کر استعمال کیا جاتا ہے۔ (المنجد، اردو)

[1] یہ بات زمینی پیداوار کے مالک کے متعلق نہیں ہے، اس لیے کہ زکاۃ (عشر) اس کی زمینی پیداوار پر ہے، چاہے وہ مقروض ہے یا نہیں وہ زکاۃ ادا کرے گا، حدیث مبارک میں ہے: «فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْكَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ» صحيح البخاري، الزكاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء والماء الجاري، حديث: 1483، وصحيح مسلم الزكاة باب مافيه العشر أونصف العشر، حديث: 981. (الاثری) [2] التوبة 9:60.

ہوتا کہ وہ اپنے عیال کی ضروریات: خوراک، پانی، لباس اور رہائش پوری کرسکیں، چاہے وہ کسی نصاب کے مالک ہی ہوں۔ ❀

(2) مسکین: یہ احتیاج میں کبھی فقیر سے کم تر ہوتا ہے اور کبھی زیادہ مگر ہر معاملہ میں ان کے احکام ایک ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بعض احادیث میں مسکین کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

«لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلٰكِنِ الْمِسْكِينُ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ، وَلَا يَقُومُ فَيَسْأَلَ النَّاسَ»

''مسکین وہ نہیں ہے جو ایک دو لقموں یا ایک دو کھجور کی خاطر لوگوں کے پاس چکر لگاتا پھرے بلکہ مسکین وہ ہے جس کی ضروریات پوری نہیں ہو رہیں، گمنامی میں رہتا ہے کہ اسے خیرات نہیں دی جا رہی اور نہ ہی وہ کھڑا ہو کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔''[1]

(3) عامل علی الزکاۃ: اس سے مراد زکاۃ وصول کرنے والا یا زکاۃ اکٹھی کرنے والا یا زکاۃ کا نگران ومنتظم اور تحریر کرنے والا (سیکرٹری) ہے، انھیں زکاۃ کی مد سے تنخواہ ادا کی جا سکتی ہے، چاہے وہ غنی ہی ہوں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، أَوْغَارِمٍ، أَوْ غَازٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ مِسْكِينٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ مِنْهَا فَأَهْدٰى مِنْهَا لِغَنِيٍّ»

''غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے مگر پانچ کے لیے، صدقہ میں کام کرنے والا، جو اپنے مال سے اسے خرید لے، مقروض انسان، اللہ کے راستہ میں لڑنے والا اور مسکین جسے صدقہ کا مال دیا گیا اور وہ اس میں سے کسی غنی کو ہدیہ دے دے۔''[2]

(4) جن کے ''دلوں کی تالیف'' مطلوب ہو: اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی اسلامی حالت تو کمزور ہو، البتہ برادری میں اس کا اثر ورسوخ ہو۔ ایسے شخص کی دلجوئی کے لیے زکاۃ دی جائے تاکہ وہ اسلام میں پختہ ہو جائے اور لوگوں کے لیے مفید ثابت ہو یا وہ اس کے شر سے بچ سکیں۔ اسی طرح اس سے مراد وہ کافر بھی ہے جو ایمان اور اسلام کی طلب وطمع

❀ ایسے شخص کی دو حیثیتیں ہیں، صاحبِ نصاب ہونے کی بنا پر غنی ہے، لہٰذا وہ اپنے مال کی زکاۃ ادا کرے گا اور موجودہ مال کا اہل وعیال کے لیے کافی نہ ہونے کی وجہ سے فقیر بھی ہے، سو وہ زکاۃ کا مستحق بھی ہے تو اسے زکاۃ دینا درست ہے۔ (ع۔و)

1. صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله عزوجل: ﴿لَا يَسْـَٔلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾، حديث: 1479. (2) [صحيح] مسند أحمد: 56/3، وسنن أبي داود، الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، حديث: 1635، وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب من تحل له الصدقة، حديث: 1841، والمستدرك للحاكم: 1/407,408.

میں ہے، اسے اور اس کی قوم کو اسلام کی ترغیب کے لیے زکاۃ دینی چاہیے۔

اسی طرح یہ حصہ مصلحت کی خاطر ہر اس شخص کے لیے استعمال ہو سکتا ہے جو کسی بھی صورت میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے، جیسا کہ بعض صحافت سے تعلق رکھنے والے اصحاب قلم وغیرہ۔

(5) گردن آزاد کرانے میں: اس مصرف سے مراد مسلمان غلام ہے کہ زکاۃ کے مال سے اسے خرید کر آزاد کیا جائے یا غلام ''مکاتب'' ❀ ہے تو زکاۃ سے اس کی کتابت کی اقساط (اس کے مالک کو) ادا کی جائیں تاکہ وہ آزاد ہو جائے۔

(6) مقروض: اس سے مراد ایسا صاحب قرض ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی میں مقروض نہیں ہوا اور اس کی ادائیگی بہت مشکل ہو تو اسے زکاۃ سے اس قدر دیا جائے کہ قرض کی ادائیگی اس کے لیے آسان ہو جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ: لِذِي فَقْرٍ مُّدْقِعٍ، أَوْلِذِي غُرْمٍ مُّفْظِعٍ، أَوْ لِذِي دَمٍ مُّوجِعٍ»

''سوال صرف تین قسم کے لوگوں کے لیے جائز ہے، فقیر کے لیے جو بہت شدت میں ہے۔ مقروض (غارم) کے لیے جسے قرض کی وجہ سے بہت پریشانی ہے اور خون کی دیت کی ذمہ داری دینے والا، جو اس کے لیے دکھ کا باعث بن گئی ہے۔'' [1]

(7) اللہ کے راستہ میں: اس سے مراد اسلامی جہاد ہے جو اللہ کے دین کی عظمت اور اعلاء کے لیے کیا جا رہا ہے، بنابریں غازی کو زکاۃ دی جا سکتی ہے، چاہے وہ غنی ہے۔ اس کے علاوہ اس مد میں حج اور عمرہ کرنے والے بھی شامل ہیں، ان لوگوں کو ضرورت کی بنا پر زکاۃ دی جا سکتی ہے۔ ❀

(8) ابن سبیل: اس سے مراد وہ مسافر ہے جو اپنے شہر سے دور ہو، سفر میں ضروریات پوری کرنے کے لیے اس کو زکاۃ دی جا سکتی ہے، چاہے وہ اپنے علاقے میں غنی ہی ہو، اس لیے کہ اگر سفر میں اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مال

❀ مکاتب: وہ غلام جس نے اپنے مالک سے مخصوص رقم کے عوض آزادی حاصل کرنے کا تحریری معاہدہ کر رکھا ہو۔ واللہ اعلم (ع، ر)

❀ مصارف زکاۃ میں سے ایک مصرف ''في سبيل الله'' ہے، اس سے مراد اللہ کے راستے میں لڑنے والا غازی اور حج یا عمرے کو جانے والا شخص ہے۔ متاخرین میں سے بعض نے فی سبیل اللہ کے مفہوم کو وسعت دیتے ہوئے مساجد، شفاخانوں، مدارس اور یتیم خانوں کی تعمیر اور دیگر رفاہی کام وغیرہ، مثلاً: پل اور سڑکوں وغیرہ کی تعمیر کو بھی اس میں شامل کیا ہے لیکن یہ موقف محل نظر ہے، سلف میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ تاہم مدارس کے مسافر یا نادار طلبہ، نادار یتیموں پر مال زکاۃ خرچ کرنا درست ہے، نیز اس سے نادار مریضوں کا علاج کرنا بھی صحیح ہے جبکہ بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد مجاہدین فی سبیل اللہ ہی ہیں لیکن جہاد کا مقصد چونکہ اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اس لیے اس کے مفہوم میں ہر وہ عمل شامل ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کیا جائے، چنانچہ تعلیم و تعلم، مدارس دینیہ اور دینی کتابوں کی نشر و اشاعت وغیرہ اسی قبیل سے ہیں، لہٰذا ان پر زکاۃ خرچ کی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: أبحاث هيئة كبار العلماء: 95/1، وتمام المنة للإمام الألباني، ص: 382، والموسوعة الفقهية لحسين بن عودة: 120/3، وفقه الزكاة للقرضاوي. (عبدالولی)

(1) [حسن] جامع الترمذي، الزكاة، باب ماجاء من ...... حديث: 653، وسنن أبي داود، الزكاة، باب ما يجوز ...... حديث: 1641 واللفظ له.

نہیں ہے تو وہ محتاج ہے، البتہ اسے اگر قرض مل سکتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ قرض حاصل کرے اور اس وقت تک اس کو زکاۃ نہ دی جائے جب تک وہ اپنے علاقے میں غنی ہے۔

تنبیہات (1) اگر کوئی مسلمان اپنی زکاۃ مذکورہ مصارف میں سے کسی ایک مد میں دے دے تو جائز ہے، البتہ یہ ہے کہ ان مصارف میں اہم اور زیادہ ضروریات والے کو مقدم قرار دے، ہاں اگر زکاۃ کا مال بہت زیادہ ہے اور آٹھ مصارف میں سے ہر نوع پر وہ تقسیم کرے تو زیادہ بہتر ہے۔

(2) جن افراد کا خرچہ کسی کے ذمہ ہے، وہ انھیں اپنی زکاۃ نہیں دے سکتا، جیسا کہ والدین، اولاد اور بیوی، اس لیے کہ اگر یہ محتاج ہوں تو ان کا خرچ ادا کرنا اس پر لازم اور فرض ہے۔

(3) نبی ﷺ کی آل کو ان کے خصوصی شرف و مقام کی وجہ سے زکاۃ نہیں دی جاسکتی اور ان سے مراد بنو ہاشم، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ (ﷺ) إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ»

''صدقہ آل محمد ﷺ کے لیے جائز نہیں کیونکہ یہ لوگوں (کے مالوں) کی میل ہے۔''[1]

(4) مسلمان اپنی زکاۃ مسلمان سربراہ حکومت کو دے دے تو کافی ہے، چاہے وہ ظالم ہو، اس سے ادائیگی کرنے والے کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے زکاۃ کے بارے میں فرمایا:

«إِذَا أَدَّيْتَهَا إِلٰى رَسُولِي فَقَدْ بَرِئْتَ مِنْهَا، فَلَكَ أَجْرُهَا، وَإِثْمُهَا عَلٰى مَنْ بَدَّلَهَا»

''جب تو اسے میرے قاصد کو ادا کر دے تو تو بری ہو گیا اور گناہ گار وہ ہے جو اس میں تبدیلی کرے گا۔''[2]

(5) کافر اور فاسق کو زکاۃ نہ دی جائے، مثلاً: نماز کا تارک اور احکام اسلام کا مذاق اڑانے والا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَاءِ هِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِهِمْ»

''زکاۃ مسلمان اغنیاء سے لی جائے اور مسلمان فقراء کو دی جائے۔''[3]

اسی طرح دولت مند اور کمانے والے تندرست آدمی کو بھی زکاۃ نہ دی جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَاحَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ وَّلَا لِقَوِيٍّ مُّكْتَسِبٍ» ''اس میں غنی اور کمانے والے طاقت ور کا کوئی حصہ نہیں ہے۔''[4]

اس سے مراد وہ کمانے والا ہے جس کی کمائی اس کی ضرورت کے لیے پوری ہو جائے۔

1 صحيح مسلم، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبي ﷺ على الصدقة، حديث: 1072. 2 [ضعيف] مسند أحمد: 136/3. اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 3 صحيح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، حديث: 1395، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين و شرائع الإسلام، حديث: 19. 4 [صحيح] مسند أحمد: 362/5. اس کی سند صحیح ہے ◄◄

⑥ ایک شہر کی زکاۃ دوسرے شہر میں جو نماز قصر کرنے کی مسافت پر ہے، منتقل نہ کی جائے یا اس سے بھی بعید، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے «تُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِ هِمْ» کہا ہے، جس کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ اسی شہر کے فقراء میں زکاۃ تقسیم کی جائے، البتہ علماء نے اس سے یہ صورت مستثنیٰ قرار دی ہے کہ اغنیاء کے شہر میں اگر فقراء نہ ہوں یا دوسرے شہر میں ضرورت زیادہ ہو تو ایک شہر سے دوسرے شہر میں زکاۃ منتقل کی جا سکتی ہے۔ بہر صورت ذمہ دار افراد اس پر غور کریں گے۔

⑦ ایک شخص نے مستحق زکاۃ سے قرض لینا ہے، اگر اسے قرض کی ادائیگی کی توقع ہے کہ جب ہی میں قرض طلب کروں گا، وہ کوشش کر کے اس کی ادائیگی کر دے گا تو وہ زکاۃ میں اسے رکھ سکتا ہے لیکن اگر اسے اس فقیر سے قرض کی وصولی کی امید نہیں ہے یا اس نیت سے زکاۃ دیتا ہے کہ فقیر یہی رقم مجھے واپس قرض میں دے دے گا تو اس طرح ادائیگی زکاۃ ناجائز ہوگی۔

⑧ زکاۃ کی ادائیگی نیت کے بغیر نہیں ہوگی، اگر نیت کے بغیر کسی کو دے دی تو زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»

''اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لیے وہ ہے جو وہ نیت کرے۔''[1]

لہٰذا دینے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال کی فرض زکاۃ ادا کرنے کی نیت کرے اور ارادہ محض اللہ کی رضا جوئی ہو، اس لیے کہ ہر عبادت میں اخلاص شرط ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ﴾

''اور انھیں یہی حکم ملا ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔''[2]

صدقۂ فطر کا بیان ⑴ **صدقۂ فطر کا حکم:** مسلمانوں پر فطرانہ دینا واجب ولازم ہے، اس لیے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

«فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ، صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْصَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ، عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

''رسول اللہ ﷺ نے غلام اور آزاد، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے سب مسلمانوں پر صدقۂ فطر کھجور یا جو کا ایک صاع فرض کیا ہے۔''[3]

◄ دیکھیے، نیل المقصود: 1633. [1] صحیح البخاري، بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلى رسول اللهﷺ ......، حدیث :1، وصحیح مسلم، الإمارة، باب قولهﷺ «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ......، حدیث: 1907. [2] البینة 98:5. [3] صحیح البخاري، الزکاة، باب فرض صدقة الفطر، حدیث :1503، وصحیح مسلم، الزکاة، باب زکاة الفطر ......، حدیث :984.

② **صدقۂ فطر کی حکمت:** لغو ورفث کے آثار سے روزے دار کو یہ خیرات صاف و پاک کر دے گی، جبکہ عید کے دن فقراء ومساکین کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بھی بے نیاز ہو جائیں گے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِينِ»

''رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کو لغو ورفث سے پاک کرنے اور مساکین کی خوراک کے لیے صدقۂ فطر فرض کیا ہے۔''[1]

اور فرمایا: «أَغْنُوهُمْ عَنْ طَوَافِ هٰذَا الْيَوْمِ» ''اس دن ان (مساکین) کو سوال سے بے نیاز کر دو۔''[2]

③ **صدقۂ فطر کی مقدار اور جن چیزوں سے یہ ادا کیا جائے گا:** صدقۂ فطر کی مقدار ایک صاع ہے اور ایک صاع، چار مد (دو کلو 100 گرام) کا ہوتا ہے اور شہر میں جو خوراک گندم، جو، کھجور، چاول، کشمش اور پنیر میں سے زیادہ استعمال ہوتی ہو، اسی میں سے یہ صدقہ ادا کیا جائے گا، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چھوٹے بڑے، آزاد و غلام کی طرف سے ایک صاع طعام یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش کا نکالتے تھے۔[3]

④ **فطرانہ کی ادائیگی، نقدی سے یا غلہ سے:** لازم یہی ہے کہ صدقۂ فطر میں خوراک کی انواع میں سے کوئی جنس دی جائے، اس کے بجائے بلا ضرورت نقد رقم نہیں دینی چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے طعام کے بدلے نقد روپے کی ادائیگی کی ہو بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہے، البتہ صرف ضرورت کے وقت نقدی دی جا سکتی ہے۔

⑤ **صدقۂ فطر کے وجوب اور ادائیگی کا وقت:** صدقۂ فطر شوال کی پہلی تاریخ، یعنی عید کی رات کی ابتدا سے واجب ہو جاتا ہے اور عید کی نماز سے پہلے ادائیگی ضروری ہے، ہاں ایک دو دن پہلے بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صدقۂ فطر ادا کرنا ثابت ہے، جس سے جواز نکلتا ہے اور افضل وقت یہ ہے کہ عید کی صبح صادق کے بعد اور نماز عید سے پہلے ادا ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ نماز کی طرف جانے سے پہلے زکاۃ فطر ادا کر لی جائے،[4] اور

1 [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب زكاة الفطر، حديث: 1609، وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب صدقة الفطر، حديث: 1827، والمستدرك للحاكم: 409/1 علی شرط البخاري، ووافقه الذهبي اس کی سند حسن ہے، نيل المقصود: 1609.
2 [ضعيف] السنن الكبرٰى للبيهقي: 175/4، اس کی سند ابو معشر السندی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 3 صحيح البخاري، الزكاة، باب صدقة الفطر......، حديث: 1506، وصحيح مسلم، الزكاة، باب زكاة الفطر على المسلمين من التمر والشعير، حديث: 985. 4 الموطأ للإمام مالك، الزكاة، باب وقت إرسال زكاة الفطر، حديث: 642، وسنن أبي داود، الزكاة، باب متى تؤدى، حديث: 1610.

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

«فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِينِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَّقْبُولَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ»

''رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کو لغو ورفث سے پاک کرنے اور مساکین کو خوراک مہیا کرنے کے لیے صدقۂ فطر فرض قرار دیا ہے، چنانچہ جو نماز سے پہلے ادا کرے گا، وہ زکاۃ ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے گا اور جو نماز کے بعد ادا کرے گا تو یہ عام خیرات ہے۔''[1]

⑥ **صدقۂ فطر کا مصرف:** اس کے مصارف بھی عام مالی زکاۃ کی طرح ہیں، البتہ باقی مصارف کے بجائے بہتر یہ ہے کہ فقراء اور مساکین کو یہ خیرات دی جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَغْنُوهُمْ عَنْ طَوَافِ هٰذَا الْيَوْمِ» ''اس دن ان (مساکین) کو سوال سے بے نیاز کر دو۔''[2]

غیر فقراء کو اس صورت میں دیا جاسکتا ہے، جب فقراء نہ ہوں یا ان کی ضرورت معمولی ہو یا فقیر کے علاوہ دوسرے حقداروں کی ضرورت بہت زیادہ ہو۔

تنبیہات ① دولت مند عورت اپنے فقیر خاوند کو صدقۂ فطر دے سکتی ہے، جبکہ خاوند اپنی بیوی کو زکاۃ نہیں دے سکتا، اس لیے کہ بیوی کا خرچ خاوند پر لازم ہے اور خاوند کا خرچ بیوی پر نہیں ہے۔

② اس شخص سے صدقۂ فطر ساقط ہو جائے گا جو ایک دن کی خوراک کا بھی مالک نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلّف نہیں کرتا۔

③ ایک دن کی خوراک سے زیادہ کا مالک جب صدقۂ فطر کسی کو دے گا تو یہ اس کے لیے کفایت کرے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ''اللہ سے اتنا ڈرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو۔''[3]

④ ایک شخص کا صدقۂ فطر کئی افراد کو دیا جاسکتا ہے اور کئی افراد کا صدقہ ایک فرد کو بھی دیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس معاملہ میں کسی قسم کی حد بندی اور تعیین وارد نہیں۔

⑤ مسلمان پر زکاۃ فطر اسی شہر میں واجب ہے جس میں وہ مقیم ہے۔

⑥ ایک شہر سے دوسرے شہر میں زکاۃ فطر منتقل نہ کی جائے، اِلّا یہ کہ کوئی ضرورت درپیش ہو، نیز اس معاملہ میں

---

1 سنن أبي داود، الزكاة، باب زكاة الفطر، حديث: 1609، وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب صدقة الفطر، حديث: 1827، والمستدرك للحاكم: 409/1، على شرط البخاري ووافقه الذهبي۔ 2 [ضعيف] السنن الكبرى للبيهقي: 175/4، اس کی سند ابو معشر السندی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 3 التغابن 16:64.

اس کا حکم زکاۃ والا ہے۔

باب:11

روزے کے احکام

صوم (روزے) کی تعریف اور تاریخ فرضیت ① روزے کی تعریف: "صیام" لغت عرب میں مطلق رک جانے کو کہتے ہیں۔ شرعاً اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت کے ارادے سے کھانے، پینے اور عورتوں سے مجامعت اور دیگر روزہ توڑ دینے والی چیزوں سے صبح صادق کے طلوع ہونے سے سورج کے غروب ہونے تک اجتناب کرنا۔

② روزے کی تاریخ فرضیت: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پہلی امتوں کی طرح امت محمدیہ ﷺ پر بھی اپنے درج ذیل فرمان میں روزہ فرض قرار دیا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔"[1]

یہ آیت مبارکہ بروز سوموار شعبان المعظم 2ھ کو نازل ہوئی۔

③ روزے کی فضیلت: درج ذیل احادیث مبارکہ روزے کی فضیلت واہمیت کو ثابت کرتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِّنَ الْقِتَالِ»

"روزہ جہنم سے ڈھال ہے، جس طرح تمھارے ایک کی لڑائی سے بچانے والی ڈھال ہوتی ہے۔"[2]

اور فرمایا: «مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بَعَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا»

"جو شخص اللہ عزوجل کے راستہ میں ایک دن روزہ رکھتا ہے، اللہ اس کا چہرہ جہنم سے ستر سال دور کر دے گا۔"[3]

نیز ارشاد فرمایا: «إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ لَدَعْوَةً مَّا تُرَدُّ»

"افطار کے وقت روزے دار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔"[4]

نیز ارشاد ہے: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُّقَالُ لَهُ: الرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ

1 البقرة 183:2. 2 [صحيح] مسند أحمد: 22/4، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ماجاء في فضل الصيام، حديث: 1639.
3 صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل الصوم في سبيل الله، حديث: 2840، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام......، حديث: 1153. 4 [حسن] سنن ابن ماجه، الصيام، باب في الصائم لا ترد دعوته، حديث: 1753، والمستدرك للحاكم: 422/1 ولم أجد تصحيحه وصححه البوصيري وحسنه العسقلاني.

أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ: أَيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُومُونَ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ، فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ»

''جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ''ریان'' کہا جاتا ہے، قیامت کے دن اس سے روزے دار داخل ہوں گے۔ان کے علاوہ اس میں سے کوئی اندر نہیں جا سکے گا۔پکارا جائے گا روزے دار کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہو جائیں گے، ان کے سوا کوئی اور اس (دروازے) سے داخل نہیں ہوگا۔ جب یہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا، پھر بعد میں کوئی بھی اس میں داخل نہ ہوگا۔''[1]

(4) **روزے کے فوائد:** روزے کے کئی روحانی، اجتماعی اور طبی فائدے ہیں۔روزے کے روحانی فوائد میں ''صفت صبر'' کا حصول اور اسے قوی بنانا ہے، یہ اپنے آپ پر کنٹرول کرنا سکھاتا ہے اور اس میں معاون بنتا ہے، اسی طرح نفس وروح میں تقویٰ کا ملکہ پیدا کرتا اور اسے بڑھاتا ہے۔اور یہ علت تقویٰ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان سے واضح ہوتی ہے۔ارشاد ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''[2]

روزے کے اجتماعی فوائد میں سے یہ ہے کہ اس سے امت میں نظم ونسق اور اتحاد کی عادت پیدا ہوتی ہے، عدل و مساوات سے محبت بڑھتی ہے اور ایمانداروں میں جذبۂ ترحم اور ایک دوسرے پر احسان کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح روزہ معاشرے کو مفاسد اور خرابیوں سے بچاتا ہے۔اور روزے کے طبی فوائد میں سے یہ ہے کہ اس سے آنتیں درست ہوتی ہیں، معدے کی اصلاح ہو جاتی ہے، یہ جسم کو فضلات اور بےکار اجزاء سے پاک وصاف کرتا ہے اور اسی طرح موٹاپے اور پیٹ کی چربی کے بوجھ میں کمی کا موجب بنتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں ہے:

«صُومُوا تَصِحُّوا» ''روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔''[3]

❁ **مستحب روزے:** درج ذیل ایام میں روزہ رکھنا مستحب ہے:

(1) نو ذوالحجہ کو روزہ رکھنا مستحب ہے: سوائے مُحرِم (جس نے احرام حج باندھا ہے) کے، وہ روزہ نہ رکھے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ، وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَصِيَامُ يَوْمِ

(1) صحيح البخاري، الصوم، باب الريان للصائمين، حديث: 1896، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: 1152.

(2) البقرة2:183. (3) [ضعیف] امام عراقی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، فيض القدير للمناوي: 3753/7، حديث: 5060.

عَاشُورَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ»

''عرفہ کے دن کا روزہ، گذشتہ اور آنے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہے اور دس محرم کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔''[1]

(2) عاشورہ کا روزہ: یعنی محرم کے نویں اور دسویں دن کا روزہ بھی مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود دس محرم کا روزہ رکھا اور اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا: «فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ ـ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ـ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ»

''ان شاء اللہ ہم اگلے سال نو محرم کا (بھی) روزہ رکھیں گے۔''[2]

(3) شوال کے چھ روزے بھی مستحب ہیں: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ»

''جس نے رمضان کے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے سارا سال روزے رکھے۔''[3]

(4) ماہ شعبان کے پہلے پندرہ دنوں میں روزے رکھنا مستحب ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلَّا رَمَضَانَ، وَمَا رَأَيْتُهُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِي شَعْبَانَ»

''رمضان المبارک کے علاوہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو پورا مہینہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور شعبان کے ایام سے زیادہ کسی اور مہینہ میں روزے رکھتے بھی میں نے آپ کو نہیں دیکھا۔''[4]

(5) ذوالحجہ کے پہلے عشرے کے روزے رکھنا مستحب ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا الْعَمَلُ فِي أَيَّامٍ أَفْضَلُ مِنْهَا فِي هٰذِهِ، قَالُوا: وَلَا الْجِهَادُ؟ قَالَ: وَلَا الْجِهَادُ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ»

''ذوالحجہ کے دس دنوں سے بڑھ کر کوئی دن نہیں جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہو۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔ فرمایا: ''جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، الا یہ کہ کوئی شخص اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں چلا جائے اور پھر (ان دونوں میں سے) کچھ واپس نہ لائے۔ (شہید ہو جائے)''[5]

(1) صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة وعاشوراء والاثنين والخميس، حديث: 1162. (2) صحيح مسلم، الصيام، باب أي يوم يصام في عاشوراء، حديث: 1134. (3) صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صوم ستة أيام من شوال......، حديث: 1164. (4) صحيح البخاري، الصوم، باب صوم شعبان، حديث: 1969، وصحيح مسلم، الصيام، باب صيام النبي ﷺ في غير رمضان......، حديث: 1156. (5) صحيح البخاري، العيدين، باب فضل العمل في أيام التشريق، حديث: 969.

⑥ محرم کے مہینے میں روزے بھی اسی قبیل سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ رمضان المبارک کے بعد کون سا روزہ افضل ہے تو آپ نے فرمایا: «شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ» ''اللہ کے مہینے محرم کا۔''[1]

⑦ ایام بیض، یعنی ہر ماہ کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ مستحب ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَّصُومَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامِ الْبِيضِ: ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ»

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ایام بیض، یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے رکھیں۔''[2]

⑧ سوموار اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام طور پر ان دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔ اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا:

«إِنَّ الْأَعْمَالَ تُعْرَضُ كُلَّ اثْنَيْنِ وَخَمِيسٍ - فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ أَوْ لِكُلِّ مُؤْمِنٍ إِلَّا الْمُتَهَاجِرَيْنِ فَيَقُولُ: أَخِّرْهُمَا»

''ہر سوموار اور جمعرات کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں، سب مسلمانوں یا ایمان والوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ معاف کر دیتا ہے، سوائے آپس میں ترکِ گفتگو کرنے والوں کے۔ ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ ان کا معاملہ مؤخر کر دو۔''[3]

⑨ ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ کا قول ہے:

«أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللّٰهِ صَلَاةُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللّٰهِ صِيَامُ دَاوُدَ، وَكَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَيَصُومُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا»

''اللہ کو نمازوں میں داود علیہ السلام کی نماز زیادہ پسند ہے۔ روزوں میں بھی داود علیہ السلام کے روزے زیادہ پسند ہیں، وہ نصف رات سوتے اور ایک تہائی قیام کرتے اور پھر چھٹا حصہ سوتے اور اسی طرح ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔''[4]

① صحيح مسلم، الصيام، باب فضل صوم المحرم، حديث : 1163. ② [ضعيف] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على موسى بن طلحة في الخبر في صيام ثلاثة أيام من الشهر، حديث: 2424، وسنن أبي داود، الصيام، باب في صوم الثلاث من كل شهر، حديث: 2449، اس کی سند عبدالملک کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن مسئلہ درست ہے۔ ③ [حسن] مسند أحمد: 329/2، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في صوم يوم الاثنين و الخميس، حديث، 747 وقال حسن غريب، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب صيام يوم الاثنين والخميس، حديث: 1740، وصححه البوصيري وأصله في صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن الشحناء، حديث: 2565. ④ صحيح البخاري، التهجد، باب من نام عند السحر، حديث: 1131، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرر به......، حديث: 1159.

(10) غیر شادی شدہ نوجوان جو نکاح کی طاقت (سامان وغیرہ) نہیں رکھتا، اس کے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»

''جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کر لے، یہ نگاہ کو بہت نیچا کرتا ہے اور شرم گاہ کو بہت بچاتا ہے اور جو طاقت نہیں رکھتا، وہ روزہ رکھے، یہ اس کے لیے (شہوت کی تیزی) ختم کرنے والا ہے۔''[1]

❁ **مکروہ روزے:** (1) میدان عرفات میں وقوف کرنے والے حجاج کے لیے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا ناجائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ والوں کے لیے یہ روزہ ممنوع قرار دیا ہے۔[2]

(2) صرف جمعے کے دن کا روزہ رکھنا بھی درست نہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عِيدُكُمْ فَلَا تَصُومُوهُ إِلَّا أَنْ تَصُومُوا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ»

''جمعے کا دن تمھارے لیے عید ہے، اس دن کا روزہ نہ رکھو، اِلا یہ کہ ایک دن پہلے یا بعد کا اس کے ساتھ روزہ رکھو۔''[3]

(3) صرف ہفتے کے دن روزہ رکھنا بھی درست نہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَصُومُوا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيمَا افْتُرِضَ عَلَيْكُمْ، وَإِنْ لَّمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبَةٍ أَوْعُودَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضَغْهُ»

''ہفتے کے دن فرض روزے کے علاوہ کوئی روزہ نہ رکھو، اگر اس دن کھانے کو کچھ نہ ملے تو انگور کا چھلکا یا پودے کی لکڑی ہی چبالو۔''[4]

(4) شعبان کے آخری ایام میں بھی روزہ مکروہ ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُومُوا» ''جب شعبان کا نصف ہو جائے تو روزے نہ رکھو۔''[5]

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، حديث: 5066 و 1905، وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه......، حديث: 1400. [2] سنن أبي داود، الصيام، باب في صوم يوم عرفة بعرفة، حديث: 2440. [3] [حسن] كشف الأستار: 499/1، حديث: 1069 وفي سنده وهم فبيح، والمستدرك للحاكم: 437/1، وصحيح ابن خزيمة: 316/3، وصححه الحاكم وتعقبه الذهبي بأن فيه أبا بشر وهو مجهول یہ روایت اپنے شاہد کے ساتھ حسن ہے وحسنه الهيثمي. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب النهي أن يخص يوم السبت بصوم، حديث: 2421، و سنن ابن ماجه، الصيام، باب ماجاء في صيام يوم السبت، حديث: 1726، و جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في صوم يوم السبت، حديث: 744، اسے ابن خزیمہ: 317/3 اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ [5] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب «

تنبیہ: مذکورہ بالا ایام میں روزے رکھنا مکروہ تنزیہی ہے، جبکہ درج ذیل ایام میں روزے رکھنا مکروہ تحریمی، یعنی حرام ہے:

(1) وصال کے روزے: یعنی دو یا زیادہ دن افطار کیے بغیر تسلسل سے روزے رکھنا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے: «لَا تُوَاصِلُوا» "وصال نہ کرو (بغیر افطار کیے لگاتار روزے نہ رکھو)۔"[1]

نیز فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ» "اپنے آپ کو وصال (بلا افطار روزے رکھنے) سے بچاؤ۔"[2]

(2) شعبان کی تیس تاریخ کو شک کا روزہ رکھنا بھی ناجائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ صَامَ يَوْمَ الشَّكِّ فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ»

"جو شک کے دن کا روزہ رکھے، اس نے ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔"[3]

(3) سارے سال کے روزے: یعنی کسی بھی دن چھوڑے بغیر پورا سال روزے رکھنا بھی اسی قبیل سے ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ» "جس نے ہمیشہ روزہ رکھا، اس نے کوئی روزہ نہ رکھا۔"[4]

نیز فرمایا: «مَنْ صَامَ الْأَبَدَ فَلَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ»

"جس نے ہمیشہ روزہ رکھا، اس نے نہ تو روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔"[5]

(4) خاوند کی موجودگی میں بیوی کا خاوند کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھنا بھی حرام ہے۔ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:

«لَا تَصُمِ الْمَرْأَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ»

"کوئی عورت خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے۔"[6]

✿ **حرام روزے**: (1) عید الفطر و عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا، عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دو دنوں میں روزہ رکھنے سے

» في كراهية ذالك، حديث: 2337، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في كراهية الصوم في النصف الثاني من شعبان لحال رمضان، حديث: 738 وقال حسن صحيح. (1) صحيح البخاري، الصوم، باب الوصال، حديث: 1963. (2) صحيح البخاري، الصوم، باب التنكيل لمن أكثر الوصال، حديث: 1966، و صحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث: 1103. (3) [حسن] صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ: «إذا رأيتم الهلال فصوموا و إذا رأيتموه فأفطروا»، قبل حديث: 1906، وسنن أبي داود، الصيام، باب كراهية صوم يوم الشك، حديث: 2334 وصححه الترمذي وابن خزيمة وابن حبان والحاكم و الذهبي والدارقطني وغيرهم وللحديث شواهد كثيرة جدا. (4) صحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر...، حديث: 1159. (5) [صحيح] مسند أحمد: 198/2، وسنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على عطاء في الخبر فيه، حديث: 2376، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ماجاء في صيام الدهر، حديث: 1705، وصحيح ابن حبان: 347/8، حديث: 3581، والمستدرك للحاكم: 435/1، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ (6) صحيح البخاري، النكاح، باب صوم المرأة بإذن زوجها تطوعا، حديث: 5192، و صحيح مسلم، الزكاة، باب ما أنفق العبد من مال مولاه، حديث: 1026 واللفظ له.

رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا ہے، ایک عید الفطر کا دن اور دوسرا قربانی کا دن۔'' [1]

② ایام تشریق، یعنی 13,12,11 ذی الحجہ کے روزے رکھنا: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے منٰی میں ایک اعلان کرنے والے کو بھیجا جو اونچی آواز سے اعلان کر رہا تھا کہ ان ایام میں روزے نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے، پینے اور ذکر کے ایام ہیں۔ [2]

③ ماہواری اور نفاس کے دنوں میں روزے رکھنا، اس لیے کہ امت کا اجماع ہے کہ حیض و نفاس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا»

''کیا ایسے نہیں کہ جب عورت کو حیض آتا ہے، نہ وہ نماز پڑھتی ہے اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے۔ یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔'' [3]

④ ایسے بیمار آدمی کا روزہ رکھنا کہ جسے روزہ رکھنے سے ہلاکت کا اندیشہ ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ ﴾

''اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تمھارے ساتھ مہربان ہے۔'' [4]

❁ **رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت:** کتاب وسنت اور اجماع امت سے ماہِ رمضان کے روزوں کا فرض ہونا ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾

''ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے، پس جو تم میں سے رمضان کو پالے وہ اس کے روزے رکھے۔'' [5]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' [6]

① صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم الفطر، حديث: 1990، و صحيح مسلم، الصيام، باب تحريم صوم يومي العيدين، حديث: 1137. ② الموطأ للإمام مالك، الحج، باب ماجاء في صيام أيام منٰى، حديث: 862. ③ صحيح البخاري، الصوم، باب الحائض تترك الصوم والصلاة، حديث: 1951. ④ النسآء 4:29. ⑤ البقرة 2:185. ⑥ صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم...، حديث: 8، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام......، حديث: 16.

اورفرمایا: «عُرَى الْإِسْلَامِ وَقَوَاعِدُ الدِّينِ ثَلَاثَةٌ، عَلَيْهِنَّ أُسِّسَ الْإِسْلَامُ مَنْ تَرَكَ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ فَهُوَ بِهَا كَافِرٌ حَلَالُ الدَّمِ: شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَالصَّلَاةُ الْمَكْتُوبَةُ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ»

''اسلام کے قواعد وبنیادیں تین ہیں جن پر اسلام کی عمارت تعمیر کی گئی ہے، جو کسی ایک کو چھوڑ دیتا ہے وہ کافر ہے اور اس کا خون حلال ہے۔ اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، فرض نماز اور رمضان کے روزے۔''(1)

❁ **رمضان المبارک کی فضیلت:** رمضان المبارک کی بڑی فضیلت ہے اور اسے دوسرے مہینوں پر بہت ساری باتوں میں برتری حاصل ہے، جیسا کہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَّا بَيْنَهُنَّ، إِذَا اجْتُنِبَ الْكَبَائِرُ»

''پانچ نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک، اگر بڑے گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو (یہ تینوں) درمیانی عرصہ کے گناہوں کو ختم کر دیتے ہیں۔''(2)

اورفرمایا: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کے لیے رمضان کے روزے رکھتا ہے، اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''(3)

اور فرمایا: «وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِّنْ أُمَّتِي يَلْهَثُ عَطَشًا، كُلَّمَا وَرَدَ حَوْضًا مُّنِعَ مِنْهُ، فَجَاءَهُ صِيَامُهُ فَسَقَاهُ وَأَرْوَاهُ»

''میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو (خواب میں) دیکھا کہ وہ پیاس سے ہانپ رہا تھا، جب بھی وہ حوض پر وارد ہوتا، اسے روک دیا جاتا، پس اس کے پاس اس کا روزہ آیا تو اس نے اسے پانی پلایا اور سیراب کر دیا۔''(4)

اورفرمایا: «إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النِّيرَانِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ، وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ، وَيُنَادِي مُنَادٍ: يَابَاغِيَ

(1) [ضعيف] مسند أبي يعلى الموصلي: 236/4، حديث: 2349، بسند حسن قاله الهيثمي في مجمع الزوائد: 48,47/1. یہ روایت عمرو بن مالک النکری کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (2) صحيح مسلم، الطهارة، باب الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة......، حديث: 233. (3) صحيح البخاري، الصوم، باب من صام رمضان......، حديث: 1901، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 760. (4) تفسير ابن كثير: 1528/2.

الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَابَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ»

''رمضان کی پہلی رات شیاطین اور سرکش جنات باندھ دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی دروازہ نہیں کھلتا اور بہشت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا اور اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے: ''اے اچھائی کے متلاشی! آگے بڑھ اور اے شر کے متلاشی! رک جا اور (بہت سے لوگوں کو) اللہ جہنم سے آزاد کرتا ہے اور یہ ہر رات ہوتا ہے۔''[1]

رمضان میں نیکی اور احسان کرنے کی فضیلت رمضان المبارک کی فضیلت کی وجہ سے اس میں نیکی، خیرات اور احسان کے کاموں کی بہت فضیلت ہے۔ ذیل میں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

(1) **صدقہ وخیرات:** رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی خیرات افضل ہے تو آپ نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ فِي رَمَضَانَ» ''رمضان میں خیرات افضل (خیرات) ہے۔''[2]

اور فرمایا: «مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا»

''جو شخص کسی روزے دار کو افطار کراتا ہے تو وہ روزے دار کا ثواب کم کیے بغیر اس کے برابر ثواب کا مستحق ہوگا۔''[3]

اور فرمایا: «مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى طَعَامٍ وَّشَرَابٍ مِّنْ حَلَالٍ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ فِي سَاعَاتِ شَهْرِ رَمَضَانَ، وَصَلّٰى عَلَيْهِ جِبرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ»

''جو شخص کھانے پینے کی کسی حلال چیز کے ساتھ کسی روزے دار کا روزہ افطار کراتا ہے تو سارا رمضان فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام لیلۃ القدر میں اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔''[4]

اور رسول اللہ ﷺ خیرات کرنے میں سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں جب جبرائیل علیہ السلام آپ کو ملتے تو آپ بہت ہی سخاوت کرتے۔[5]

(2) **رات کا قیام:** رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

(1) [حسن] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في فضل شهر رمضان، حديث: 682، والمستدرك للحاكم على شرط الشيخين: 421/1، اس کی سند اعمش کے عنعنہ اور ابوبکر بن عیاش کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على معمر فيه، حديث: 2110 اس کا معنوی شاہد ہے، لہٰذا حدیث حسن ہے۔ (2) [ضعيف] جامع الترمذي، الزكاة، باب ماجاء في فضل الصدقة، حديث: 663. (3) مسند أحمد: 192/5، وجامع الترمذي، الصوم، باب ما جاء في فضل من فطر صائما، حديث: 807 واللفظ لهٗ. (4) [ضعيف جدا] المعجم الكبير للطبراني: 262/6، حديث: 6162. اس کی سند الحسن بن ابی جعفر اور علی بن زید کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (5) صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم، حديث: 3220.

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

’’جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کے لیے رمضان کا قیام کرتا ہے، اس کے پہلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔‘‘[1]

اور رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کی راتوں میں جاگتے تھے اور آخری دس راتوں میں اپنے اہل اور ہر چھوٹے بڑے کو جو نماز پڑھ سکتا تھا، بیدار کرتے تھے۔[2]

(3) **تلاوتِ قرآن کریم:** رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں کثرت سے تلاوت کرتے تھے اور جبرائیل علیہ السلام بھی رمضان المبارک میں آپ کے ساتھ قرآن پاک کا دور کرتے تھے۔[3]

رسول اللہ ﷺ قیام رمضان میں قراءت دوسرے ایام کے مقابلہ میں لمبی کرتے تھے۔ ایک رات حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ قیام کیا تو آپ نے سورۂ بقرہ پڑھی، پھر آل عمران اور پھر سورۂ نساء۔ جب آپ آیتِ تخویف پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور سوال (دعا) کرتے ابھی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں کہ بلال رضی اللہ عنہ آ گئے اور صبح کی نماز کی اطلاع دی۔[4]

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ»

’’روزہ اور قرآن بندے کے لیے قیامت کے دن سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: ’’اے رب! میں نے اسے دن میں کھانے اور پینے سے روکا تھا‘‘ اور قرآن کہے گا: ’’میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکا تھا تو اس کے حق میں ہماری سفارش قبول فرما‘‘ آپ نے فرمایا: ’’ان کی سفارش قبول کی جائے گی۔‘‘[5]

(4) **اعتکاف:** اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کے لیے برائے عبادت مسجد میں رہنا اعتکاف کہلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اعتکاف بیٹھتے تھے اور وفات تک ہر سال رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں مسجد میں اعتکاف آپ کا معمول رہا۔[6] جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آپ نے فرمایا:

(1) صحيح البخاري، الإيمان، باب تطوع قيام رمضان من الإيمان، حديث: 37، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 759. (2) صحيح مسلم، الاعتكاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان، حديث: 1175,1174. (3) صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ......، حديث: 6. (4) صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تطويل القراءة في صلاة الليل، حديث: 772، وسنن أبي داود، الصلاة، باب مايقول الرجل في ركوعه و سجوده، حديث: 873. (5) [حسن] مسند أحمد: 174/2، اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن اس کے متعدد شواہد ہیں دیکھیے، الترغيب والترهيب: 84/2. (6) صحيح البخاري، الاعتكاف، باب الاعتكاف في العشر الأواخر، حديث: 2026، وصحيح مسلم، الاعتكاف، باب اعتكاف العشر الأواخر من رمضان، حديث: 1171.

«اَلْمَسْجِدُ بَيْتُ كُلِّ تَقِيٍّ، وَتَكَفَّلَ اللّٰهُ لِمَنْ كَانَ الْمَسْجِدُ بَيْتَهُ بِالرَّوْحِ وَالرَّحْمَةِ وَالْجَوَازِ عَلَى الصِّرَاطِ إِلٰى رِضْوَانِ اللّٰهِ إِلَى الْجَنَّةِ»

''مسجد ہر متقی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے جس کا گھر مسجد ہے خوشی، رحمت اور پل صراط سے گزر کر اپنی رضا، یعنی بہشت کی ضمانت دی ہے۔''[1]

(5) **عمرہ کرنا:** رمضان المبارک میں اللہ کے گھر کی زیارت، طواف اور صفا ومروہ کی سعی کرنا عمرہ کہلاتا ہے، رمضان کے عمرہ کے بارے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً مَّعِي»

''رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے (ثواب کے) برابر ہے۔''[2]

اور فرمایا: «اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا»

''ایک کے بعد دوسرا عمرہ درمیانے گناہوں کے لیے کفارہ ہے۔''[3]

(6) **رمضان المبارک کی آمد کے ثبوت کا ذریعہ:** رمضان المبارک کی آمد کا ثبوت (صحیح علم) یا تو اس طرح ہوگا کہ اس سے پہلے مہینے شعبان کے تیس دن مکمل ہو چکے ہوں، اکتیسواں دن رمضان کی پہلی تاریخ ہوگی یا پھر چاند دیکھنے سے اس کی آمد کا فیصلہ ہوگا، یعنی شعبان کی تیسویں رات کو اگر چاند نظر آجائے تو رمضان المبارک شروع ہو جائے گا اور اس صورت میں اگلے دن کا روزہ رکھنا فرض ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ ''تم میں سے جو رمضان کا مہینہ پالے، وہ اس کے روزے رکھے۔''[4]

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُومُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَصُومُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا»

''جب تم چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب (شوال کا) چاند دیکھ لو تو افطار کرو، اگر بادل (وغیرہ) ہوں تو تیس دن روزے رکھو۔''[5]

رمضان المبارک کے چاند کے لیے ایک یا دو عادل گواہوں کی گواہی کافی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے

(1) [حسن] المعجم الكبير للطبراني: 255,254/6، حديث: 6143، ومجمع الزوائد: 22/2 واللفظ له، الشهاب للقضاعي میں اس کا ایک شاہد موجود ہے، اسے امام ہیثمی نے حسن قرار دیا ہے۔ (2) صحيح البخاري، العمرة، باب عمرة في رمضان، حديث: 1782، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل العمرة في رمضان، حديث: 1256، وجامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في عمرة رمضان، حديث: 939. (3) صحيح البخاري، العمرة، باب وجوب العمرة و فضلها، حديث: 1773، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حديث: 1349. (4) البقرة 2:185. (5) صحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال......، حديث: 1081.

رمضان کے چاند کی رؤیت کے لیے ایک گواہ کی گواہی کو کافی قرار دیا ہے۔[1]

البتہ افطار کے لیے شوال کے چاند کا اثبات (کم از کم) دو عادل گواہوں سے ہوگا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے افطار کے لیے ایک گواہ کی گواہی کو نافذ نہیں کیا ہے۔[2]

تنبیہ: جو شخص رمضان کا چاند دیکھ لیتا ہے اور (کسی وجہ سے) اس کی گواہی مسترد ہو جاتی ہے تو وہ خود روزہ رکھے گا[3] لیکن اگر افطار کا چاند دیکھ لیتا ہے اور اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی تو وہ افطار نہیں کرے گا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ، وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُونَ، وَالْأَضْحٰى يَوْمَ تُضَحُّونَ»

''روزہ اس دن ہے جب تم روزہ رکھو اور افطار اس دن ہے جب تم افطار کرو اور قربانی اس دن ہے جس دن تم قربانی کرو۔''[4]

روزے کی شرائط اور مسافر، مریض، بوڑھے، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے روزے کا حکم

✿ **روزے کی شرائط:** مسلمان پر روزہ تب فرض ہوتا ہے جب وہ عاقل اور بالغ ہو۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ»

''تین آدمی مرفوع القلم ہیں: سونے والا بیدار ہونے تک، نابالغ بالغ ہونے تک اور مجنون سمجھنے تک۔''[5]

اور مسلمان عورت کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ حیض ونفاس سے پاک ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کے دینی نقصان میں فرمایا: «أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟»

''کیا ایسے نہیں کہ جب وہ حیض سے ہوتی ہے، نہ نماز پڑھتی ہے، نہ روزہ رکھتی ہے۔''[6]

① [صحیح] سنن أبي داود، الصيام، باب في شهادة الواحد علٰى رؤية هلال رمضان، حديث:2342. ② سنن الدارقطني: 155/2، حديث: 2129. ③ مگر محولہ حدیث مبارک کے الفاظ «اَلصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ» کا تقاضا ہے کہ وہ روزہ بھی نہ رکھے۔ (الاثری) اور یہی حق ہے، دیکھیے: الموسوعة الفقهية:209/3. (ع۔و) ④ [حسن] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء أن الصوم يوم تصومون......، حديث: 697 وقال: غريب حسن. ⑤ سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدًا، حديث:4403، اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن علی رضی اللہ عنہ سے موقوفا بسند صحیح ثابت ہے جو کہ حکما مرفوع ہے (مسند علي بن الجعد، حديث:741). ⑥ صحيح البخاري، الصوم، باب الحائض تترك الصوم والصلاة، حديث:1951.

✽ **مسافر کا روزہ:** مسلمان جب اڑتالیس میل (مسافت قصر) کے سفر کا ارادہ کرے تو شارع نے اسے اجازت دی ہے کہ روزہ نہ رکھے اور جب گھر واپس آئے تو پھر قضا ادا کر لے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾

''سو جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔''[1]

ہاں اگر سفر میں روزہ رکھنے میں مسافر کو مشقت نہیں ہوتی اور وہ روزہ رکھ لے تو اچھا ہے اور اگر روزہ میں دوران سفر تکلیف ہو تو روزہ چھوڑنا بہتر ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ کے لیے جاتے تھے، رمضان المبارک میں ہم میں سے بعض روزہ رکھتے اور بعض نہ رکھتے، کوئی کسی پر معترض نہیں ہوتا تھا۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہتی تھی کہ جو روزہ آسانی سے رکھ سکتا ہے وہ روزہ رکھے اور جو کمزور ہے وہ روزہ چھوڑ دے، یہ بہتر ہے۔''[2]

✽ **بیمار کا روزہ:** رمضان المبارک میں مسلمان بیمار ہو جائے تو وہ شدید مشقت برداشت کیے بغیر اگر روزہ رکھ سکتا ہے تو روزہ رکھے، ورنہ چھوڑ دے، پھر اگر اسے بیماری سے تندرست ہونے کی توقع ہے تو ان ایام کے روزوں کی قضا ادا کرے اور اگر تندرست ہونے کی امید نہیں ہے کہ مرض دائمی ہے تو ہر روز ایک مد طعام کسی مستحق کو کھلائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾

''اور اس کی (مشقت کے ساتھ) طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کا کھانا دیں۔''[3]

✽ **بوڑھے کے روزے کا حکم:** مسلمان مرد یا عورت اگر بڑھاپے کی اس حد کو پہنچ جائیں کہ روزہ نہ رکھ سکیں تو ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بہت بوڑھے کے لیے اجازت ہے کہ وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور اس پر قضا نہیں ہے۔[4]

✽ **حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے روزے کا حکم:** مسلمان عورت اگر حاملہ ہے اور روزہ رکھنے کی صورت میں اسے یا حمل کے لیے کوئی خطرہ ہے تو افطار کرے اور عذر زائل ہونے کے بعد قضا ادا کرے۔ اگر یہ عورت دولت مند ہے تو روزانہ ایک مد گندم بھی خیرات کرے تاکہ اس کے لیے زیادہ ثواب کا باعث بنے اور اسے فضیلت حاصل ہو۔

یہی حکم دودھ پلانے والی عورت کا ہے کہ اگر اسے یا اس کی اولاد کو خطرہ ہے تو وہ روزہ نہ رکھے، جبکہ اسے اور کوئی عورت دودھ پلانے کے لیے نہیں ملتی۔ یہ حکم قرآن پاک کی اس آیت سے استنباط کیا گیا ہے:

[1] البقرة 184:2. مسافت سفر کے بارے میں راجح قول کے لیے دیکھیے نماز قصر کی بحث۔ [2] صحيح مسلم، الصيام، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان......، حديث: 1116. [3] البقرة 184:2. [4] سنن الدار قطني: 204/2، حديث: 2355، والمستدرك للحاكم: 440/1، انھوں نے اسے صحیح کہا ہے۔

﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾

''اور اس کی (مشقت کے ساتھ) طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کا کھانا دیں۔''[1]

﴿ يُطِيقُوْنَهٗ ﴾ کا اصل لغت میں مفہوم یہ ہے کہ وہ روزہ رکھنے میں شدید مشقت پائیں۔ اگر ایسے لوگ افطار کریں تو قضا کریں گے یا ایک مسکین کو طعام دیں گے۔

تنبیہات: اگر کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اس پر (نذر کے) روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ»

''جو فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔''[2]

آپ نے اس شخص کے لیے فرمایا، جس نے یہ کہا تھا:

«إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ، أَفَأَقْضِيهِ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَدَيْنُ اللّٰهِ أَحَقُّ أَنْ يُّقْضٰى»

''میری ماں فوت ہوگئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے باقی تھے، کیا میں اس کی طرف سے قضا ادا کروں۔ تو آپ نے فرمایا: ''ہاں، اللہ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔''[3]

روزے کے ارکان، سنن اور مکروہات ❁ **روزے کے ارکان:** (1) **نیت کرنا:** یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے دل میں روزہ رکھنے کا پختہ عزم کرنا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ''عملوں کا انحصار نیتوں پر ہے۔''[4]

اگر روزہ فرض ہو تو صبح صادق سے پہلے رات کو ہی اس کی نیت و ارادہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ لَّمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَلَا صِيَامَ لَهُ» ''جو رات کو روزہ کی نیت نہ کرے، اس کا روزہ نہیں ہے۔''[5]

اور اگر روزہ نفل ہو تو طلوع فجر کے بعد بھی نیت کر سکتا ہے بلکہ اگر کچھ کھایا پیا نہیں ہے تو سورج طلوع ہونے کے

(1) البقرة 2:184. (2) صحيح البخاري، الصوم، باب من مات وعليه صوم، حديث: 1952، وصحيح مسلم، الصيام، باب قضاء الصيام عن الميت، حديث: 1147. تفصیل کے دیکھیے الموسوعة الفقهية: 3/329. (3) صحيح البخاري، الصوم، باب من مات وعليه صوم، حديث: 1953، وصحيح مسلم، الصيام، باب قضاء الصيام عن الميت، حديث: 1148. (4) صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ......، حديث: 1، وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ......، حديث: 1907. (5) [ضعيف] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء لا صيام لمن لم يعزم من الليل، حديث: 730، وسنن أبي داود، الصيام، باب النية في الصوم، حديث: 2454، وسنن النسائي، الصيام، باب ذكر اختلاف الناقلين لخبر حفصة في ذلك، حديث: 2336 واللفظ له اسے امام ابن خزیمہ اور حاکم نے صحیح کہا مگر اس کی سند زہری کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے جبکہ شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور یہی راجح ہے۔

بعد بھی نیت ہو سکتی ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، فَقَالَ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ فَقُلْنَا: لَا، قَالَ: فَإِنِّي إِذَنْ صَائِمٌ»

''ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور فرمایا: ''کیا تمھارے پاس کوئی چیز ہے۔'' ہم نے کہا: نہیں آپ نے فرمایا: ''تو پھر میں روزے دار ہوں۔''[1]

(2) امساک: یعنی کھانے پینے اور مجامعت سے رکنا۔

(3) وقت: اس سے مراد پورا دن ہے، یعنی صبح صادق کے طلوع سے غروب آفتاب تک کا وقت روزے کا وقت ہے۔ اگر کوئی شخص رات کا روزہ رکھے اور دن میں افطار کرے تو یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ ﴾ ''اور رات (کی ابتدا) تک روزہ پورا کرو۔''[2]

✿ **روزے میں مسنون امور:** (1) افطار جلدی کرنا مسنون ہے، بایں طور کہ سورج غروب ہونے کے فوراً بعد افطار کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ»

''جب تک لوگ جلدی افطار کریں گے، اچھائی میں رہیں گے۔''[3]

(2) تازہ یا خشک کھجور یا پانی سے روزہ افطار کرنا سنت ہے اور یہ کہ یہ افطار نماز مغرب سے پہلے ہو۔ اور ان میں اول الذکر سے افطار افضل ہے اور آخری، یعنی پانی سے افطار ادنیٰ درجہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ کھجور کے تین یا پانچ یا سات دانوں سے افطار کیا جائے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ عَلٰى رُطَبَاتٍ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ رُّطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَاحَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ»

''رسول اللہ ﷺ تازہ کھجوروں کے ساتھ نماز سے پہلے افطار کرتے تھے، اگر تازہ نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں کے ساتھ، اگر یہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ بھر لیتے۔''[4]

(3) افطار کے وقت دعا پڑھنا بھی مسنون ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

«ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''پیاس ختم ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور اجر ان شاء اللہ ثابت ہوگیا۔''[5] اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے:

[1] صحيح مسلم، الصيام، باب جواز صوم النافلة بنية من النهار قبل الزوال......، حديث: 1154. [2] البقرة 2:187. [3] صحيح البخاري، الصوم، باب تعجيل الإفطار، حديث: 1957، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور......، حديث: 1098. [4] [حسن] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء ما يستحب عليه الإفطار، حديث: 696، وقال: حسن غريب، وسنن أبي داود، الصيام، باب ما يفطر عليه، حديث: 2356، اسے دارقطنی، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ [5] [حسن] سنن أبي داود، الصوم، باب ◄◄

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَلِي ذُنُوبِي»

''اے اللہ! میں تجھ سے تیری رحمت جو ہر چیز پر وسیع ہے، (کے وسیلے) سے سوال کرتا ہوں کہ میرے گناہوں کی مغفرت فرما۔''[1]

④ سحری کھانا لازم ہے، یعنی رات کے آخری حصے میں روزے کی نیت سے کھانا اور پینا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحَرِ»

''ہمارے اور اہل کتاب کے روزہ میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے۔''[2]

اور فرمایا: «تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السُّحُورِ بَرَكَةً» ''سحری کھاؤ اس لیے کہ سحری میں برکت ہے۔''[3]

⑤ سحری رات کے آخری اوقات تک مؤخر کرنا بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَّا أَخَّرُوا السُّحُورَ وَعَجَّلُوا الْفِطْرَ»

''میری امت اس وقت تک بھلائی میں رہے گی جب تک وہ افطار جلدی اور سحری مؤخر کرے گی۔''[4]

سحری کا وقت رات کے آخری نصف سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق سے چند منٹ قبل تک باقی رہتا ہے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«تَسَحَّرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَقُلْتُ: كَمْ كَانَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالسُّحُورِ؟ قَالَ: قَدْرُ خَمْسِينَ آيَةً»

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر آپ نماز کے لیے اٹھے، میں نے دریافت کیا اذان اور سحری میں کتنا وقفہ تھا۔ کہا: ''پچاس آیات کریمہ کا اندازہ۔''[5]

تنبیہ: صبح صادق ہونے میں شک ہو تو کھا پی سکتے ہیں لیکن جب صبح کا یقین ہو جائے تو رک جانا ضروری ہے۔

◄◄ القول عند الإفطار، حديث: 2357، اسے امام ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ جبکہ «اَللّٰهُمَّ! لَكَ صُمْتُ، وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ» ''اے اللہ! میں نے تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کر رہا ہوں۔'' والی روایت سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ سنن أبي داود، الصيام، باب القول عند الإفطار، حديث: 2358. ① [حسن] سنن ابن ماجه، الصيام، باب في الصائم لاترد دعوته، حديث: 1753، والمستدرك للحاكم: 422/1. ② صحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور......، حديث: 1096. ③ صحيح البخاري، الصوم، باب بركة السحور......، حديث: 1923، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور......، حديث: 1095. ④ [حسن] مسند أحمد: 172/5، یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ ⑤ صحيح البخاري، الصوم، باب قدركم بين السحور......، حديث: 1921، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور و تأكيد استحبابه......، حديث: 1097.

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿ كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾

''اور رات کے سیاہ دھاگے سے صبح کا سفید دھاگہ واضح ہو جانے تک کھاؤ اور پیو۔''(1)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا: میں سحری کھا رہا ہوں جب صبح کا شک ہو جائے تو آیا کھانا بند کر دوں۔ فرمایا:

''جب تک شک ہے کھاتا رہ اور جب صبح کا یقین ہو جائے تو پھر رک جا۔''(2)

جمہور فقہاء کا مذہب یہی ہے کہ صبح صادق واضح ہونے تک کھانا پینا جائز ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''طلوع صبح کے شک کے وقت کھانے پر روزہ قضا کرے۔ اور یہ محض احتیاط کی بنیاد پر ہے۔''

روزے کے مکروہات بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر وہ روزے کے لیے ناپسندیدہ ہیں اور فساد روزہ کا موجب بن سکتی ہیں، مثلاً:

(1) وضو کے وقت کلی کرنے اور ناک میں پانی داخل کرنے میں مبالغہ کرنا، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا»

''ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کر الّا یہ کہ تو روزے سے ہو۔''(3)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناک میں مبالغہ سے پانی ڈالنا اسی خطرہ کی وجہ سے ناپسند کیا ہے کہ کہیں پانی اندر نہ چلا جائے اور روزہ خراب نہ ہو جائے۔

(2) جوان آدمی کا اپنی بیوی کو بوسہ دینا اس کے جسم سے جسم لگانا، اس لیے کہ بوسہ دینے سے شہوت برانگیختہ ہو سکتی ہے اور بات مجامعت تک پہنچ سکتی ہے جس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

(3) بیوی کی طرف شہوت سے دیکھتے ہی رہنا۔

(4) مجامعت کے بارے میں لگاتار سوچ بچار۔

(5) کوئی چیز منہ میں ڈال کر چبانا، اس لیے کہ ہو سکتا ہے اس کے بعض اجزاء حلق سے نیچے چلے جائیں۔

(6) وضو کے علاوہ بلاضرورت کلی کرنا۔

(7) سینگی کے ذریعہ یا ''فصد'' کھول کر خون نکالنا، اس لیے کہ اس سے کمزوری ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ معاملہ افطار

(1) البقرة 2:187. (2) المصنف لابن أبي شيبة: 2/288، حديث: 9057. (3) [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الاستنثار، حديث: 142 و 2366، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في كراهية مبالغة الاستنشاق للصائم، حديث: 788 وقال حسن صحيح، وسنن النسائي، الطهارة، باب المبالغة في الاستنشاق، حديث:87، وسنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب المبالغة...، حديث:407، وصحيح ابن خزيمة:1/78، حديث: 150و168، اسے حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

پر منتج ہو جائے۔

روزہ توڑنے والی چیزیں، جائز اور قابل معافی امور ❁ **روزے کو باطل کرنے والی چیزیں:** (1) کوئی چیز کھائے، پیے یا جماع کرے یا کوئی مائع چیز، ناک کے ذریعے سے یا دبر وقبل کے راستہ سے معدہ میں پہنچ جائے۔

(2) وضو وغیرہ میں کلی یا ناک میں پانی داخل کرتے ہوئے پانی حلق سے اندر داخل کر دے۔

(3) جان بوجھ کر قے کرنا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَإِنِ اسْتَقَاءَ فَلْيَقْضِ» ''جو عمداً قے کرتا ہے وہ قضا کرے۔''[1]

البتہ بلا اختیار قے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(4) جبر کی صورت میں کھانا، پینا اور جماع کرنا۔

(5) یہ سمجھ کر کھانا پینا کہ ابھی رات ہے مگر صبح ہو چکی تھی۔

(6) بھول کر کھانے، پینے کے بعد یہ سمجھ کر کھا پی لینا کہ اب روزہ ٹوٹ گیا ہے۔

(7) کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کا منہ کے ذریعے سے پیٹ میں چلے جانا، جیسا کہ موتی یا دھاگہ نگل لینا، اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''روزے کا تعلق اندر جانے والی چیز کے ساتھ ہے نہ کہ باہر نکلنے والی چیز کے ساتھ۔''[2]

اس قول میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصد یہ ہے کہ پیٹ میں کوئی چیز چلی جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن کسی چیز کے (از خود) خارج ہونے سے نہیں، جیسا کہ خون یا قے وغیرہ۔

(8) بلا تاویل روزے کی نیت ختم کرنے سے، چاہے کوئی چیز نہ کھائے اور نہ پیے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ہاں اگر نیت توڑنا کسی تاویل کی بنیاد پر ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(9) اسلام سے ارتداد اور پھر دوبارہ اسلام میں آجانے سے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾

''اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔''[3]

مذکورہ بالا امور سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس دن کی قضا لازم ہوگی جس میں روزہ فاسد ہوا تھا مگر ان میں

---

(1) [ضعیف] سنن أبي داود، الصیام، باب الصائم یستقيء عامداً، حدیث: 2380، اسے امام ترمذی نے حسن، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے لیکن اس کی سند ہشام بن حسان کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔

(2) السنن الکبرٰی للبیہقي: 216/1، وصحیح البخاري، الصوم، باب الحجامة والقيء للصائم، قبل حدیث: 1938، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے تعلیقاً بیان کیا ہے۔ اس کے رجال بھی ثقہ ہیں۔ (3) الزمر 65:39.

کفارہ نہیں ہے۔

✽ **روزے کا کفارہ کب واجب ہوتا ہے:** (1) جبر کے بغیر عمداً مجامعت کرنا، اس لیے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہو گیا! آپ نے فرمایا: ''کس چیز نے تجھے ہلاک کر دیا؟'' اس نے کہا: رمضان المبارک میں میں نے اپنی عورت سے جماع کر لیا ہے۔ فرمایا: ''کیا ایک غلام موجود ہے جسے آزاد کر سکو؟'' اس شخص نے کہا: نہیں فرمایا: ''دو ماہ لگاتار روزے رکھ سکتے ہو؟'' اس نے کہا: نہیں آپ نے فرمایا: ''کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟'' عرض کی: نہیں، پھر وہ بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس کھجوروں کی ایک زنبیل لائی گئی تو آپ نے فرمایا: ''یہ لے جاؤ اور اسے خیرات کر دو۔'' وہ شخص کہنے لگا: کس کو خیرات کر دوں، اللہ کی قسم! اس علاقہ میں میرے اہل بیت سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہنسے اور فرمایا:

«اِذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ» ''اسے لے جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔''[1]

(2) بلا عذر کھانا یا پینا، یہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کفارے کا موجب ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے رمضان میں افطار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کفارے کا حکم دیا۔[2]

اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا میں نے جان بوجھ کر اپنی بیوی سے جماع کر کے روزہ افطار کیا ہے۔ آپ نے اسے غلام آزاد کرنے یا دو ماہ لگاتار روزے رکھنے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا۔''[3]

✽ **روزہ دار کے لیے مباح امور:** (1) روزہ دار دن میں جب چاہے مسواک کر سکتا ہے۔

(2) گرمی کی شدت میں ٹھنڈا پانی استعمال کرنا، چاہے جسم پر ڈالے یا اس میں غوطہ لگائے، کوئی حرج نہیں۔

(3) رات کے وقت صبح صادق سے پہلے کھانا، پینا اور جماع کرنا۔

(4) کسی جائز ضرورت کے لیے سفر کرنا، چاہے اس کے نتیجہ میں روزہ افطار کرنا پڑے۔

(5) حلال ادویہ استعمال کرنا، جبکہ معدہ تک نہ پہنچیں، ٹیکہ اگر غذا کے لیے نہ ہو تو وہ بھی اسی قبیل میں داخل ہے۔

(6) چھوٹا بچہ جو کھانا نہیں چبا سکتا اور اسے اس کی ضرورت ہے، اگر کوئی روزہ دار کھانا چبا کر اس کے منہ میں ڈالے تو

(1) صحيح البخاري، الهبة وفضلها......، باب: إذا وهب هبة......، حديث: 2600، و صحيح مسلم، الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع في نهار......، حديث: 1111. (2) موطأ للإمام مالك، الصيام، باب كفارة من أفطر في رمضان، حديث: 673. لیکن راجح بات یہی ہے کہ کفارہ جماع کرنے سے لازم ہوتا ہے۔ (ع۔و) (3) صحيح مسلم، الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع في نهار رمضان على الصائم......، حديث: 1111، والمؤطأ للإمام مالك، الصيام، باب كفارة من أفطر في رمضان، حديث: 673.

مباح ہے مگر شرط یہ ہے کہ چبانے والے روزہ دار کے معدہ میں کوئی چیز نہ چلی جائے۔

(7) خوشبو لگانا یا خوشبودار دھواں لینا بھی مباح ہے، اس لیے کہ شارع سے اس بارہ میں کوئی ممانعت وارد نہیں ہے۔

✿ **روزے دار کو کیا کچھ معاف ہے:** (1) تھوک پھینکنے کی بجائے نگل لینا، چاہے زیادہ ہو، اس سے مراد روزہ دار کا اپنا تھوک ہے کسی اور کا نہیں۔

(2) قے یا طعام کی الٹی، بشرطیکہ زبان کی نوک تک آ کر واپس معدہ میں نہ چلی جائے۔

(3) بلا اختیار مکھی وغیرہ کا اندر چلے جانا۔

(4) راستے اور کارخانے کا گرد وغبار یا لکڑیوں کے دھوئیں کا اندر چلے جانا۔ ان کے علاوہ ہر طرح کے بخارات جن سے احتراز ممکن نہیں، اسی میں داخل ہیں۔

(5) جنبی حالت میں صبح ہو جانا، پھر نماز فجر غسل کر کے پڑھ لے۔

(6) روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانا، اس لیے کہ حدیث میں ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ»

''تین طرح کے لوگ مرفوع القلم ہیں: سونے والا بیدار ہونے تک، نابالغ بالغ ہونے تک اور مجنون سمجھنے تک۔''[1]

(7) غلطی سے یا بھول کر کھا پی لینا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ نَّسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ»

''جو روزہ دار بھول کر کھا یا پی لے وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔''[2]

اور فرمایا: «مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ نَاسِيًا فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَلَا كَفَّارَةَ»

''رمضان المبارک میں جو شخص بھول کر افطار کر لے، اس پر قضا نہیں ہے اور نہ ہی کفارہ۔''[3]

روزے کا کفارہ اور اس کی حکمت کا بیان

✿ **روزے کا کفارہ:** شریعت کی مخالفت میں کیے ہوئے کسی گناہ

(1) سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدًا، حديث: 4403، اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن صحیح سند سے ثابت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: «أَمَا بَلَغَكَ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ وَضَعَ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يُفِيقَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ» مسند علي بن الجعد، حديث: 741، یہ قول حکمًا مرفوع ہے۔ (2) صحيح البخاري، الصوم، باب الصائم إذا أكل أو شرب ناسيا، حديث: 1933، وصحيح مسلم، الصيام، باب أكل الناسي وشربه......، حديث: 1155 واللفظ له. (3) [صحيح] سنن الدارقطني: 177/2، اسے امام ابن خزیمہ: (239/3، حديث: 1990) اور ابن حبان (الموارد، حديث: 906) نے صحیح قرار دیا ہے۔

کی تلافی کے لیے جو کام کیا جائے وہ کفارہ کہلاتا ہے۔ اگر ایک شخص نے رمضان المبارک کے دن میں جماع کر لیا یا عمدًا کھانا کھایا یا کوئی چیز پی لی تو ایک بار کے اس جرم کی پاداش میں تین کاموں میں سے ایک کا کرنا اس پر لازم ہے: مومن غلام آزاد کرے یا دو ماہ لگاتار روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، گندم یا جو یا کھجور کا ایک مد ہر مسکین کو دے، یعنی جس چیز کی اسے استطاعت ہو، جیسا کہ روزے کے کفارے کے وجوب میں مذکورہ حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے اور اگر مخالفت بار بار ہو رہی ہے تو کفارہ بھی متعدد بار ادا کرنا پڑے گا۔ اگر ایک شخص ایک دن جماع کرتا ہے اور دوسرے دن پھر جماع کر لیتا ہے تو اسے دو کفارے دینے پڑیں گے۔

❁ **کفارہ کی حکمت:** کفارہ اس لیے ہوتا ہے کہ شریعت کو بازیچۂ اطفال ہونے سے بچایا جائے اور اس کی حرمت کا تحفظ کیا جائے، جب مسلمان کا نفس گناہ و مخالفت میں آلودہ ہو جائے تو کفارہ اس کے لیے تطہیر کا باعث ہوتا ہے۔

بنا بریں کفارہ کمیت وکیفیت میں اسی انداز پر ہونا ضروری ہے، جیسا کہ مشروع ہوا تاکہ صحیح طور پر گناہ کا ازالہ اور نفس پر سے اس کے اثرات کو زائل کر سکے۔ کفارہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اصل ہے:

﴿ إِنَّ الْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ﴾ ''بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»

''تو جہاں بھی ہے، اللہ سے ڈر اور برائی ہو جائے تو نیکی کر، وہ اسے ختم کر دے گی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کر۔''[2]

باب: 12 حج اور عمرے کا بیان

حج اور عمرے کا حکم اور ان کی حکمت | ❁ **حج اور عمرے کا حکم:** حج ہر اس مسلمان مرد اور عورت پر اللہ کی طرف سے فرض ہے، جو اس کی طرف راستہ کی طاقت رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾

''اور لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج ہے جو اس کی طرف راستہ کی استطاعت رکھتا ہے۔''[3]

[1] هود 114:11. [2] [ضعيف] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في معاشرة الناس، حديث: 1987 وقال حسن صحيح، والمستدرك للحاكم: 54/1 وصححه على شرط الشيخين و وافقه الذهبي. اس کی سند انقطاع وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [3] آل عمران 97:3.

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، حج بیت اللہ اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔''[1]

حج زندگی میں ایک بار فرض ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «اَلْحَجُّ مَرَّةً، فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ»

''حج ایک بار فرض ہے جو اس سے زائد کرے گا تو یہ نفل ہے۔''[2]

البتہ ہر پانچ سال بعد تکرار مستحب ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل سے روایت کرتے ہیں: «إِنَّ عَبْدًا صَحَّحْتُ لَهُ جِسْمَهُ وَوَسَّعْتُ عَلَيْهِ فِي الْمَعِيشَةِ تَمْضِي عَلَيْهِ خَمْسَةُ أَعْوَامٍ لَا يَفِدُ إِلَيَّ لَمَحْرُومٌ»

''جس بندے کو میں نے جسمانی صحت اور روزی میں وسعت دی ہے اور وہ پانچ سال گزرنے کے بعد بھی میرے پاس نہیں آتا تو وہ محروم ہے۔''[3] عمرہ سنت واجبہ ہے، اس لیے کہ فرمان حق تعالیٰ ہے:

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ﴾ ''اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے مکمل کرو۔''[4]

اور رسول اللہ ﷺ سے جب ایک شخص نے عرض کیا کہ میرا باپ بوڑھا ہے، حج وعمرہ کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی سفر کر سکتا ہے تو فرمایا: «حُجَّ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ» ''تو اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کر۔''[5]

❁ **حج اور عمرے کی حکمت:** حج وعمرہ کے نتیجے میں انسان کا نفس گناہوں کے اثرات سے پاک ہو جاتا ہے اور دارِ آخرت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اعزازات حاصل کرنے کا اہل اور مستحق بن جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»

''جس شخص نے اس گھر کا حج کیا اور جنسی باتوں میں انہماک اور نافرمانی سے اجتناب کیا وہ اپنے گناہوں سے

(1) صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم...، حديث: 8، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام...، حديث: 16. (2) [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب فرض الحج، حديث: 1721، ومسند أحمد: 291/1، والمستدرك للحاكم: 293/2، امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ (3) [حسن] السنن الكبرى للبيهقي: 262/5، وصحيح ابن حبان، الحج، باب ذكر الأخبار عن إثبات الحرمان...، حديث: 3695، امام منذری نے اس کے حسن ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، الترغيب والترهيب: 212/2. (4) البقرة 2:196. (5) [صحيح] سنن النسائي، مناسك الحج، باب العمرة عن الرجل الذي لا يستطيع، حديث: 2638، وسنن أبي داود، المناسك، باب الرجل يحج عن غيره، حديث: 1810، وسنن ابن ماجه، المناسك، باب الحج عن الحي إذا لم يستطع، حديث: 2906، وجامع الترمذي، الحج، باب منه، حديث: 930، وصحيح ابن حبان، حديث: 961 وصحيح ابن خزيمة، حديث: 3035، 3040، والمستدرك للحاكم: 481/1، وصححه الحاكم و وافقه الذهبي.

اس طرح پاک صاف ہو گیا جیسا کہ وہ اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔''[1]

❁ **حج اور عمرے کے واجب ہونے کی شرائط:** مسلمان پر حج وعمرہ کے لازم ہونے کی شرطیں درج ذیل ہیں:

(1) **اسلام:** غیر مسلم سے حج، عمرہ اور دیگر عبادات کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، اس لیے کہ اعمال کی صحت وقبولیت کے لیے ایمان شرط ہے۔

(2) **عقل:** اس لیے کہ پاگل شرعاً مکلّف نہیں۔

(3) **بالغ ہونا:** اس لیے کہ نابالغ جب تک بالغ نہ ہو جائے، مکلّف نہیں ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ»

''تین شخص مرفوع القلم ہیں: سویا ہوا بیدار ہونے تک، نابالغ بالغ ہونے تک اور مجنوں سمجھنے تک۔''[2]

(4) **استطاعت:** یعنی سفر خرچ اور سواری کا انتظام، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ ''جو اس تک (پہنچنے کی) استطاعت رکھتا ہے۔''[3]

بنابریں جس کے پاس مال نہیں، جسے سفر میں خود خرچ کر سکے اور اہل وعیال ہونے کی صورت میں ان کی کفالت بھی کر سکے تو ایسے شخص پر نہ حج فرض ہے اور نہ عمرہ۔ اسی طرح ایک شخص کے پاس اپنا اور اپنے عیال کا خرچ تو ہے مگر سواری کا انتظام نہیں ہے اور وہ پیدل بھی نہیں چل سکتا یا سفر کا تو انتظام ہے مگر راستہ محفوظ نہیں ہے، یعنی اس کے جان ومال کو خطرہ ہے تو اس صورت میں بھی استطاعت کے فقدان کی وجہ سے اس پر نہ حج فرض ہے اور نہ عمرہ۔

❁ **حج وعمرہ کرنے کی ترغیب اور انھیں چھوڑنے پر وعید:** شارع علیہ السلام نے ان دونوں عبادتوں کی ترغیب دلائی ہے، ان کی ادائیگی کا شوق دلایا ہے اور اس مقصد کے لیے متنوع اسالیب اور اظہار کی مختلف صورتیں اپنائی ہیں۔

جیسا کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ افضل عمل کون سا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِيمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ»، قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: «اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ حَجٌّ مَبْرُورٌ»

''(اعمال میں افضل عمل) اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا ہے۔'' پوچھا گیا کہ پھر کون سا؟ آپ نے

[1] صحيح البخاري، المحصر، باب قول الله عزوجل: ﴿فَلَا رَفَثَ﴾، حديث: 1819و1521، وصحيح مسلم، الحج، باب في فضل الحج والعمرة، حديث: 1350. [2] سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا، حديث: 4403، اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن صحیح سند کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے جو کہ حکماً مرفوع ہے، دیکھیے مسند علي بن الجعد، حديث: 741. [3] آل عمرٰن 3:97.

فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔'' پوچھا گیا کہ پھر کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''پھر گناہوں کی آلودگی سے پاک اور اچھائیوں سے بھرپور حج کا درجہ ہے۔''[1]

اور فرمایا: «مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»

''جس شخص نے اس گھر کا حج کیا اور جنسی باتوں میں انہماک اور نافرمانی سے اجتناب کیا، وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو گیا، جس دن اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا۔''[2]

اور ارشاد فرمایا: «اَلْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ»

''گناہوں کی آلودگی سے پاک اور اچھائیوں سے بھرپور حج کی جزا بہشت ہی ہے۔''[3]

نیز فرمایا: «جِهَادُ الْكَبِيرِ وَالضَّعِيفِ وَالْمَرْأَةِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ»

''بوڑھے، کمزور اور عورت کا جہاد ''حج اور عمرہ'' ہے۔''[4]

مزید فرمایا: «اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ»

''ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ درمیانی کوتاہیوں کے لیے کفارہ ہے اور ''حج مبرور'' (مقبول حج) کی جزا صرف بہشت ہے۔''[5]

رسول اللہ ﷺ نے حج اور عمرہ نہ کرنے اور اس بارے میں سستی روا رکھنے سے ڈرایا بھی ہے، فرمایا: «مَنْ لَّمْ يَحْبِسْهُ مَرَضٌ أَوْ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ، أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ، وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا»

''جو شخص حج نہیں کرتا اور اسے ضروری کام، بیماری یا ظالم حکومت کی رکاوٹ بھی نہیں، وہ چاہے تو یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔''[6]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'': جس شخص کے پاس بیت اللہ تک جانے کا زاد راہ اور سواری ہے اور وہ حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی[7] اور اس لیے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

(1) صحيح البخاري، الحج، باب فضل الحج المبرور، حديث: 1519، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، حديث: 83. (2) صحيح البخاري، المحصر، باب قول الله عزوجل: ﴿فَلَا رَفَثَ﴾، حديث: 1819 و 1521، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حديث: 1350. (3) صحيح البخاري، العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها، حديث: 1773، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حديث: 1349. (4) [صحيح] سنن النسائي، مناسك الحج، باب فضل الحج، حديث: 2627. (5) صحيح البخاري، الحج، باب وجوب العمرة وفضلها، حديث: 1773، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حديث: 1349. (6) السنن الكبرى للبيهقي: 334/4. اس کی سند لیث بن ابی سلیم وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن اس کا مفہوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے۔ (7) [ضعيف] جامع الترمذي، الحج، باب ما جاء من التغليظ في ترك الحج، حديث: 812، ترمذی شریف میں یہ حدیث مرفوع ہے جبکہ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ «

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾

''اور اللہ کے لیے لوگوں پر حج کرنا (فرض) ہے، جو اس کے لیے راستہ کی استطاعت رکھتا ہے اور جو انکار کرے تو (جان لینا چاہیے کہ) اللہ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔''[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے ارادہ کیا ہے کہ شہروں میں اپنے آدمی بھیجوں کہ وہ ان لوگوں کو دیکھیں جن کے پاس وسعت ہے مگر انھوں نے حج نہیں کیا تاکہ ان پر جزیہ لاگو کر دیں، اس لیے کہ یہ مسلمان نہیں، مسلمان نہیں۔''[2]

❁ **حج وعمرہ کے ارکان:** حج کے چار رکن ہیں: احرام، طواف، صفا و مروہ کی سعی اور وقوف عرفہ۔ ان میں سے کوئی ایک رکن بھی ساقط ہو جائے تو حج باطل ہو جائے گا۔

اور اسی طرح عمرہ کے تین رکن ہیں: احرام، طواف اور صفا و مروہ کی سعی۔ ان کے بغیر عمرہ پورا نہیں ہوتا۔ ان ارکان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حج اور عمرہ کے ارکان میں پہلا رکن احرام ہے، جس کا مقصد ان دو عبادتوں میں سے کسی ایک عبادت میں داخل ہونے کی نیت کرنا ہے، جس میں عام لباس کی جگہ احرام باندھنا اور تلبیہ پکارنا ہے۔ اس میں واجبات، سنتیں اور ممنوعات ہیں۔

❁ **واجبات احرام:** ان واجبات سے وہ اعمال مراد ہیں جن کے چھوڑنے سے دم (جانور ذبح کرنا) لازم آتا ہے یا پھر اگر دم ادا نہ کر سکے تو دس دن کے روزے ہیں، واجبات احرام تین ہیں:

(1) **میقات سے احرام باندھنا:** ''میقات'' سے مراد وہ جگہ ہے جس سے حج یا عمرہ کرنے والا احرام کے بغیر تجاوز نہیں کر سکتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«وَقَّتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، قَالَ: فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُونَهُنَّ فَمُهَلُّهُ مِنْ أَهْلِهِ، وَكَذَاكَ وَكَذَاكَ حَتّٰى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا»

''رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے ''ذوالحلیفہ'' مقرر کیا ہے اور شام والوں کے لیے ''جحفہ'' اور اہل نجد کے لیے ''قرن المنازل'' اور یمن والوں کے لیے ''یلملم'' اور یہ ان کے اور ان راستوں سے حج اور عمرہ کی غرض سے دوسرے مقامات سے آنے والوں کے مواقیت ہیں اور جو (ان کی حدود کے) اندر بستے ہیں، وہ اپنے گھر سے احرام باندھیں گے حتی کہ مکہ والے مکہ ہی سے احرام باندھیں گے۔''[3]

سے موقوفاً ثابت ہے۔ [illegible] 453/2، حدیث: 957۔ [3] صحیح البخاري، الحج، باب مهل أهل الشام، حديث: [illegible]

(2) سلے ہوئے کپڑے اتارنا: اس لیے کہ محرم قمیص، کوٹ اور اس طرح کا سلا ہوا لباس نہیں پہن سکتا ہے، نہ ہی پگڑی باندھ سکتا ہے اور نہ اپنے سر کو کسی چیز سے ڈھانپ سکتا ہے اور نہ ہی موزے اور جرابیں پہن سکتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ الْقَمِيصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا السَّرَاوِيلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَّلَا وَرْسٌ وَّلَا الْخُفَّيْنِ إِلَّا لِمَنْ لَّمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يَجِدْهُمَا فَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ»

''محرم قمیص، پگڑی، شلوار، ٹوپی، زعفران یا ورس لگا ہوا کپڑا اور موزے نہ پہنے، الا یہ کہ جوتے نہ ہوں تو موزے ٹخنے کے نیچے سے کاٹ کر پہن لے۔''[1]

عورت نقاب نہ اوڑھے اور دستانے استعمال نہ کرے،[2] اس لیے کہ حدیث میں ان چیزوں کی ممانعت مروی ہے۔

(3) تلبیہ پڑھنا: اس کے الفاظ یہ ہیں:

«لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ! لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ»

''اے اللہ! میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، تیرے پاس حاضر ہوں، بے شک تعریف، نعمت اور ملک تیرا ہی ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔''[3]

احرام شروع کرتے وقت محرم ''میقات'' سے ہی یہ تلبیہ کہنا شروع کردے، بار بار اور اونچی آواز سے کہنا مستحب ہے اور سواری سے اترتے وقت اور چڑھتے وقت، نماز کی اقامت یا نماز سے فارغ ہوتے وقت اور رات اور دن کے ملتے وقت بھی یہ تلبیہ کہنا چاہیے۔[4]

❁ **احرام کی سنتیں:** سنتوں سے مراد وہ افعال ہیں جن کے ترک سے دم لازم نہیں آتا، البتہ انسان بہت بڑے اجر سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

(1) احرام کے وقت غسل کرنا، نفاس اور حیض والی کے لیے بھی غسل کرنا مسنون ہے، اس لیے کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نفاس سے تھیں، انھیں رسول اللہ ﷺ نے نہانے کا حکم دیا تھا۔[5]

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب العمائم، حديث: 5806. [2] سنن أبي داود، المناسك، باب ما يلبس المحرم، حديث: 1827، وجامع الترمذي، الحج، باب ما جاء فيما لا يجوز للمحرم لبسه، حديث: 833. عورت کا چہرہ ہی اس کا احرام ہوتا ہے اور اصل یہی ہے کہ وہ نقاب نہیں اوڑھے گی۔ واللہ اعلم۔ (م ر) [3] صحيح البخاري، الحج، باب التلبية، حديث: 1549، وصحيح مسلم، الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، حديث: 1184. [4] صحيح البخاري، الحج، باب رفع الصوت بالإهلال، حديث: 1548. [5] صحيح مسلم، الحج، باب إحرام النفساء واستحباب اغتسالها للإحرام...، حديث: 1209.

(2) احرام کا صاف، پاک، سفید اور دو چادروں میں ہونا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔[1]

(3) احرام نفل نماز یا فرض نماز سے فارغ ہو کر باندھنا۔

(4) احرام سے پہلے ناخن کاٹنا، مونچھیں صاف کرنا، بغل کے بال اکھیڑنا اور زیر ناف بال صاف کرنا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا اسی پر عمل تھا۔

(5) حالت بدلنے کے وقت تلبیہ کا تکرار اور تجدید، جیسا کہ محرم سوار ہوتا ہے، اترتا ہے یا نماز پڑھتا ہے وغیرہ۔

(6) ''تلبیہ'' کے بعد دعا اور رسول اللہ ﷺ کے لیے درود پڑھنا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ جب ''تلبیہ'' سے فارغ ہوتے تو اپنے رب سے جنت کا سوال کرتے اور جہنم سے پناہ مانگتے۔''[2]

❁ **ممنوعات احرام:** ان سے وہ اعمال مراد ہیں جن سے شارع نے منع کیا ہے اور ان میں سے بعض کے کرنے پر فدیہ (دم یا روزہ یا طعام) لازم ہو جاتا ہے اور بعض کے کرنے پر گناہ، وہ یہ ہیں:

(1) سر کو کسی چیز سے ڈھانپ لینا۔

(2) بال مونڈنا، چاہے قلیل مقدار میں ہوں، برابر ہے کہ سر کے بال ہوں یا جسم کے کسی اور حصہ کے۔

(3) ناخن کاٹنا چاہے ہاتھوں کے ہوں یا پاؤں کے۔

(4) خوشبو لگانا۔

(5) سلا ہوا کپڑا پہننا۔

(6) خشکی کا شکار کرنا، اس لیے کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ ''اے ایمان والو! احرام کی حالت میں تم شکار نہ کرو۔''[3]

(7) جماع تک پہنچا دینے والا بوسہ وغیرہ، اس لیے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ ''حج میں شہوت کی بات، گناہ اور جھگڑا نہیں ہے۔''[4]

''رفث'' سے مراد وہ امور ہیں، جو مرد اور عورت کے جنسی ملاپ کا باعث بن جائیں۔

(8) نکاح کرنا یا پیغام نکاح دینا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ»

''محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ کسی کا نکاح کرے اور نہ ہی وہ پیغام نکاح دے۔''[5]

1 صحيح البخاري، الحج، باب مايلبس المحرم من الثياب والأردية والأزر، حديث: 1545. 2 كتاب الأم للشافعي: 536/2، والمناسك، حديث: 579، والسنن الكبرى للبيهقي: 46/5. 3 المائدة 95:5. 4 البقرة 197:2. 5 صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته، حديث: 1409.

⑨ جماع کرنا، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾ ”حج میں رفث، گناہ اور جھگڑا نہیں ہے۔“[1]

❁ ممنوعات احرام کا حکم: مندرجہ بالا ممنوعات میں سے سر مونڈھنے پر فدیہ لازم ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو ایک مد فی مسکین کے حساب سے کھانا دے یا ایک بکری ذبح کرے، اس لیے کہ فرمان حق تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ﴾

”جو شخص تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ روزے کا فدیہ یا خیرات یا قربانی دے۔“[2]

شکار قتل کرنے کی صورت میں اس کی مثل کی جزا ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ﴾

”(محرم نے) جو شکار قتل کیا، اس کے مثل چوپایہ جانوروں میں سے اس کی جزا دینا ہے۔“[3]

مجامعت اگر تحلل اول (دس ذوالحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی، یعنی کنکریاں مارنے) سے پہلے ہو تو اس سے حج باطل ہو جاتا ہے مگر اس حج کی تکمیل ضروری ہے اور اس پر ایک اونٹ کا فدیہ ہے۔ اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو دس دن کے روزے رکھے گا اور اگلے سال حج کی قضا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ موطا امام مالک میں ہے کہ عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی حج کے احرام میں جماع کر لیتا ہے۔ تو تینوں نے جواب دیا کہ یہ دونوں حج پورا کریں، پھر اگلے سال دونوں حج کریں گے اور قربانی دیں گے۔[4]

اگر محرم نکاح کرتا ہے یا پیغام نکاح دیتا ہے یا کسی گناہ وغلطی کا مرتکب ہوتا ہے، جیسا کہ چغلی، حسد وغیرہ جو فسوق کے دائرہ میں آتے ہیں تو اس میں توبہ واستغفار ہے، اس لیے کہ ایسی صورتوں میں شارع سے توبہ اور استغفار کے سوا اور کوئی متعین سزا مروی نہیں ہے

طواف کا بیان

طواف ”کعبۃ اللہ“ کے ارد گرد سات چکر لگانے کو کہتے ہیں۔ اس کی بھی شرطیں، سنن اور آداب ہیں، جن سے یہ مکمل ہوتا ہے۔

❁ طواف کی شرائط: ① طواف شروع کرتے وقت نیت کرنا: اس لیے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، لہٰذا

① البقرة 2:197. ② البقرة 2:196. ③ المآئدة 5:95. ④ ضعيف الموطأ للإمام مالك، حديث: 886. اس کی سند بلاغ کی وجہ سے مشکوک ہے البتہ المستدرك للحاكم 2/65 اور السنن الكبرى للبيهقي 5/167 میں ابن عمر، ابن عمرو اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے صحیح سند کے ساتھ یہی فتویٰ منقول ہے دیکھیے إرواء الغليل 4/233. اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بیوی کو مجبور کیا ہے تو صرف مرد پر فدیہ ہے اور عورت پر نہیں اور عورت کا حج بھی درست ہے ورنہ دونوں پر ہے اور اگر وطی تحلل اول کے بعد اور تحلل ثانی سے پہلے ہے تو حج صحیح ہے مگر دم لازم ہے۔ (ع۔ و)

طواف کرنے والے کے لیے یہ دلی عزم اور پختہ ارادہ ضروری ہے کہ اس طواف سے فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت اوراس کی بجا آوری مطلوب ہے۔

(2) باوضو ہو اور جسم ولباس پر پلیدی نہ ہو، اس لیے حدیث میں ہے:

«اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ» ”بیت اللہ کے اردگرد طواف نماز کی طرح ہے۔“[1]

(3) شرم گاہ مستور ہو، اس لیے کہ طواف نماز کی طرح (کامل) ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ إِلَّا أَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُونَ فِيهِ، فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيهِ فَلَا يَتَكَلَّمْ إِلَّا بِخَيْرٍ»

”بیت اللہ کے اردگرد طواف نماز کی طرح ہے مگر تم اس میں کلام کرتے ہو تو جو شخص گفتگو کرنا چاہے وہ اچھی گفتگو کرے۔“[2]

اگر نیت کے بغیر طواف کیا یا بے وضو ہو کر طواف کیا یا جسم ولباس پلید ہے یا شرم گاہ مستور نہیں تو ایسا طواف باطل ہے جس کا اعادہ ضروری ہے۔

(4) طواف مسجد حرام کے اندر ہونا چاہیے، چاہے بیت اللہ سے دور ہی کیوں نہ ہو۔

(5) بیت اللہ طواف کرنے والے کے بائیں طرف رہے۔[3]

(6) طواف سات چکر ہونا چاہیے، جس کی ابتدا حجر اسود سے ہو اور انتہا بھی اسی پر، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہی تھا، جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔[4]

(7) لگا تار طواف کرے اور بغیر ضرورت طواف کے چکروں میں فاصلہ نہ کرے، اگر بلا ضرورت موالاۃ (تسلسل) ترک کرکے درمیان میں فاصلہ کر لیتا ہے تو اس طرح طواف باطل ہو جائے گا اور اس کا اعادہ ضروری ہوگا۔

✽ **طواف کی سنتیں:** (1) رمل کرنا: یہ مردوں کے لیے مسنون ہے، عورتوں کے لیے نہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ طواف کرنے والا مرد تیز چلے اور قدم قریب قریب رکھے اور یہ طواف قدوم (پہلے طواف) کے صرف پہلے تین چکروں میں مستحب ہے۔[5]

(1) [صحیح] جامع الترمذي، الحج، باب ما جاء في الكلام في الطواف، حديث: 960. یہ روایت عطاء بن السائب کے اختلاط سے پہلے کی ہے۔ اسے ابن حبان وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ (2) [صحیح] جامع الترمذي، باب ماجاء في الكلام في الطواف، حديث: 960. یہ روایت عطاء بن سائب کے اختلاط سے پہلے کی ہے، اسے ابن حبان وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ (3) جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء كيف الطواف: 856. (4) صحيح مسلم، الحج، باب استحباب الرمل في الطواف في العمرة……، حديث: 1263,1262. (5) ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے تین چکروں میں حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا اور چار میں عام انداز سے چلے۔ صحيح مسلم، الحج، باب استحباب الرمل في الطواف في العمرة……، حديث: 1262.

② اضطباع: یہ دائیں کندھے کے ننگا رکھنے کو کہتے ہیں، یہ طواف قدوم میں مسنون ہے اور یہ بھی صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں، لہٰذا مرد سات چکروں میں دایاں کندھا ننگا رکھے گا۔[1]

③ اگر ممکن ہو تو طواف شروع کرتے وقت حجر اسود کو بوسہ دیا جائے، اگر ایسا کرنا مشکل ہو تو ہاتھ لگا لینا یا اشارہ کرنا ہی کافی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔[2]

④ دوران طواف دعا کرنا۔ نبی ﷺ سے درج ذیل دعا کا پڑھنا ثابت ہے:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ﴾

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی دے اور آخرت میں بھی اچھائی دے اور ہمیں عذاب جہنم سے بچا۔''[3]

⑤ طواف کے دوران ہر دفعہ رکن یمانی کو ہاتھ لگانا اور حجر اسود کو بوسہ دینا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل اسی طرح تھا۔[4]

⑥ طواف سے فارغ ہونے کے بعد ''ملتزم'' کے پاس دعا کرنا۔ ''ملتزم'' بیت اللہ کے دروازے اور حجر اسود کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس پر عمل تھا۔

⑦ طواف سے فارغ ہونے کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نفل پڑھنا، جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کی تلاوت کرنا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ ﴾ ''اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔''[5]

⑧ دو رکعت سے فارغ ہو کر خوب سیر ہو کر آب زمزم پینا۔

تنبیہ: مذکورہ بالا سنن کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل ہے جو حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ سے ثابت ہے۔[6]

• طواف کے آداب: ① طواف کرنے والا خشوع وخضوع اور حضور قلب کی کیفیت سے سرشار ہو، اللہ عزوجل کی عظمت اور اس سے خوف و ڈر کا شعور اپنائے ہوئے ہو اور یہ کہ اسے اللہ کے ہاں کی عزت وتکریم حاصل کرنے کی

[1] نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جعرانہ سے عمرہ کیا تو اپنی چادریں دائیں بغلوں کے نیچے سے لا کر بائیں کندھوں پر ڈالیں۔ مسند أحمد: 306/1، وسنن أبي داود، المناسك، باب الاضطباع في الطواف، حديث: 1884. [2] صحيح البخاري، الحج، باب استلام الحجر الأسود......، حديث: 1603 و1607و1612، 1613. [3] البقرة 2:201، وسنن أبي دواد، المناسك، باب الدعاء في الطواف، حديث: 1892. بعض لمبی لمبی دعائیں مانگتے ہیں، بعض کورس کی شکل میں پڑھتے ہیں۔ ان سب کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ (ع۔و) [4] صحيح البخاري، الحج، باب استلام الركن بالمحجن و باب من لم يستلم إلا...... و باب تقبيل الحجر، حديث: 1607-1611. [5] البقرة 2:125. [6] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218.

رغبت اور شوق دامن گیر ہو۔

② طواف کرنے والا بغیر ضرورت کلام نہ کرے اور اگر بولے تو ''کلمۂ خیر'' ہی کہے، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيهِ فَلَا يَتَكَلَّمْ إِلَّا بِخَيْرٍ»

''طواف کرنے والا طواف میں ''کلمۂ خیر'' کے علاوہ کچھ نہ کہے۔''[1]

③ طواف کرنے والا کسی کو اپنے قول وفعل سے ایذا نہ دے، اس لیے کہ ایذا رسانی حرام ہے، بالخصوص اللہ کے گھر میں۔

④ دوران طواف اللہ عزوجل کا ذکر، دعائیں اور رسول اللہ ﷺ پر درود کی کثرت ہونی چاہیے۔

سعی کا بیان عبادت کی نیت سے ''صفا ومروہ'' کے درمیان آنا اور جانا سعی کہلاتا ہے، یہ حج اور عمرہ دونوں کا رکن ہے، اس لیے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ﴾ ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اِسْعَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ»

''سعی'' کرو، بے شک اللہ عزوجل نے تم پر سعی فرض کر دی ہے۔''[3]

سعی کی شرطیں، سنن اور آداب درج ذیل ہیں:

سعی کی شرائط: ① صفا ومروہ کے درمیان سعی سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کا ارادہ کرے کہ یہ اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کے تحت ''سعی'' ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ''عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''[4]

② طواف وسعی میں ترتیب ہونی چاہیے، وہ یہ کہ طواف پہلے کرے اور پھر صفا ومروہ کی سعی۔

③ لگاتار سعی کرے، البتہ ضرورت کے تحت معمولی وقفہ درمیان میں کیا جا سکتا ہے۔

④ صفا ومروہ کے درمیان سات چکر دوڑے، اگر ایک چکر یا اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تو ''سعی'' نہیں ہوگی، اس لیے کہ مکمل سات چکروں کا نام ہی سعی ہے۔

⑤ طواف کے بعد ہی سعی ہونی چاہیے، چاہے طواف قدوم کے بعد ہو جو واجب ہے (اور مکہ میں پہلی آمد کے بعد کیا

① [صحيح] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في الكلام في الطواف، حديث: 960، یہ روایت عطاء بن السائب کے اختلاط سے پہلے کی ہے، اسے امام ابن حبان وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ ② البقرة 2:158. ③ [حسن] مسند أحمد: 421/6. ④ صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ......، حديث:1، وصحيح مسلم، الإمارة، باب: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ......، حديث: 1907.

جاتا ہے،) یا طواف افاضہ کے بعد جو حج کا رکن ہے (اور 10 ذی الحجہ کو کیا جاتا ہے)۔

● **سعی کی سنتیں:** ① سبز نشان کے درمیان جو قدیم وادی کے دونوں اطراف پر لگائے گئے ہیں، دوڑنا، اس لیے کہ ان کے مابین اسماعیل کی والدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا دوڑی تھیں۔البتہ یہ سنت صرف ان مردوں کے لیے ہے جو دوڑ سکتے ہیں، کمزوروں اور عورتوں کے لیے نہیں ہے۔[1]

② صفا اور مروہ پر ٹھہرنا اور دعا کرنا۔

③ ہر چکر میں صفا ومروہ دونوں پر ٹھہر کر دعائیں کرنا۔

④ ''صفا ومروہ'' کی طرف چڑھائی کے وقت تین بار اللہ اکبر کہنا اور پھر یہ دعا پڑھنا:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔بادشاہی اسی کی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے، ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور اپنے بندے کی مدد کی، اس اکیلے نے سب گروہوں کو شکست دے دی۔''[2]

⑤ طواف اور سعی میں وقفہ نہ ہو، اِلّا یہ کہ کوئی شرعی عذر حائل ہو جائے۔

● **سعی کے آداب:** ① آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے ہوئے باب الصفا سے کوہ صفا کی طرف جانا۔وہ آیت مبارکہ یہ ہے:

﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝ ﴾

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرتا ہے، اس پر ان کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں اور جو خوشی سے نیکی کرتا ہے تو اللہ قدر دان (اور) جاننے والا ہے۔''[3]

② سعی کرنے والا باوضو ہو۔

③ مشقت کے بغیر اگر پیدل چل سکتا ہے تو پیدل چلے۔

① امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انھوں نے دوڑ لگانے والی عورتوں سے کہا: تم آرام سے چلو، تمھارے لیے دوڑنا نہیں ہے۔ كتاب الأم للشافعي، الحج، باب ليس على النساء سعي: 20/3، والسنن الكبرٰى للبيهقي، الحج، باب لارمل على النساء: 84/5. (مؤلف) ② صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. ③ البقرة 158:2.

(4) دوران سعی کثرت سے ذکر ودعا[1] میں مشغول رہے اور دوسری باتوں سے احتراز کرے۔[2]

(5) اجنبی عورتوں پر نظر ڈالنے سے بچے اور اپنی زبان کو ناجائز باتوں سے محفوظ رکھے۔

(6) اپنے قول وفعل سے کسی سعی کرنے والوں یا دوسروں کو ایذا نہ دے۔

(7) اپنے دل کو سمجھانے، تزکیۂ نفس اور اپنی اصلاح کے لیے اپنی کمزوری، فقر اور اللہ کے آگے اپنے محتاج ہونے کا اعتراف واحساس کرے۔

✿ **عرفہ کا قیام:** حج کے ارکان میں ''عرفہ'' میں ٹھہرنا چوتھا رکن ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ» ''حج وقوف عرفہ ہے۔''[3]

اس کا مقصد ''عرفات'' نامی جگہ میں نو ذوالحجہ کو نماز ظہر کے بعد سے دس ذوالحجہ کی صبح تک ایک لحظہ یا زیادہ دیر کے لیے حاضر ہونا ہے۔ وقوف عرفہ کے بھی فرائض، سنن اور آداب ہیں جن سے یہ مکمل ہوتا ہے۔

✿ **وقوف عرفہ اور دیگر واجبات:** (1) نو ذوالحجہ کو زوال سے سورج غروب ہونے تک میدان عرفات میں حاضر رہنا۔[4]

(2) نو اور دس ذوالحجہ کی درمیانی رات ''عرفات'' سے واپسی کے بعد مزدلفہ میں گزارنا۔[5]

(3) دس ذوالحجہ کی تاریخ کو (منیٰ پہنچ کر) ''جمرۂ عقبہ'' کو کنکر مارنا۔

(4) ''جمرۂ عقبہ'' کو کنکر مارنے کے بعد دس تاریخ کو ہی بال مونڈنا یا کاٹنا۔

(5) ذوالحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ کی تین راتیں منیٰ میں گزارنا، اگر کسی کو جلدی ہو تو گیارہ اور بارہ کی دو راتیں ضرور منیٰ میں رہے۔[6]

(6) مذکورہ ایام تشریق یا دو دنوں میں روزانہ زوال کے بعد تینوں جمرات کو کنکر مارنا۔[7]

تنبیہ: مذکورہ بالا واجبات کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے۔ جبکہ آپ کا یہ فرمان مقدس بھی ہے:

«لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ» ''تم مجھ سے اپنے حج کے احکام سیکھ لو۔''[8]

(1) امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جمرات کو کنکر مارنا اور صفا ومروہ کے مابین دوڑنا، اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لیے ہے۔'' (2) [صحيح] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء كيف ترمى الجمار، حديث: 902، وقال حسن صحيح. (3) [صحيح] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء فيمن أدرك الإمام بجمع فقد أدرك الحج، حديث: 889، و سنن أبي داود، المناسك، باب من لم يدرك عرفة، حديث: 1949، وصححه ابن خزيمة والحاكم والذهبي. (4) صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. (5) صحيح البخاري، الحج، باب النزول بين عرفة وجمع، حديث: 1669. (6) السنن الكبرٰى للبيهقي: 152/5. (7) صحيح البخاري، الحج، باب رمي الجمار، حديث: 1746، و سنن أبي داود، المناسك، باب في رمي الجمار، حديث: 1973. (8) صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة يوم النحر راكبا......، حديث: 1297.

اور فرمایا: «قِفُوا عَلٰى مَشَاعِرِكُمْ فَإِنَّكُمْ عَلٰى إِرْثٍ مِّنْ إِرْثِ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ»

''تم اپنے مقامات عظمت پر ٹھہرو، اس لیے کہ تم اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کے وارث ہو۔'' [1]

مقامات مذکورہ کی سنتیں: ① آٹھ ذوالحجہ کو (ظہر سے پہلے پہلے) منیٰ جانا اور نویں ذوالحجہ کی رات منیٰ میں رہنا اور سورج نکلنے کے بعد وہاں سے (عرفات کی طرف) روانہ ہونا اور اس طرح پانچ نمازیں منیٰ میں ادا کرنا۔

② نو ذوالحجہ کے زوال کے بعد وادیٔ نمرہ (جو کہ میدان عرفات میں ہے) میں موجود ہونا اور ظہر وعصر کی نمازیں امام کے ساتھ قصر پڑھنا۔

③ امام کے ساتھ ظہر اور عصر کی ادائیگی کے بعد موقف (عرفات) میں سورج غروب ہونے تک ٹھہرنا اور سارا وقت ذکر و دعا میں گزارنا۔

④ نماز مغرب مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ جمع کر کے مزدلفہ میں (قصر کر کے) پڑھنا۔

⑤ (مزدلفہ میں) مشعر حرام (جبل قزح) کے پاس قبلہ رخ ہو کر ذکر و دعا میں دن کی واضح روشنی تک مشغول رہنا۔

⑥ دس ذوالحجہ کے احکام میں بالترتیب جمرۂ عقبہ کو کنکر مارنا، قربانی کرنا، بال اتروانا اور طواف زیارت (افاضہ) کرنا شامل ہے۔

⑦ دس ذوالحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے طواف زیارت کر لینا، پھر واپس منیٰ پہنچ کر رات گزارنا۔

دیگر آداب: ① نو ذوالحجہ کو صبح کے بعد منیٰ سے ''ضب'' کے راستے سے ''وادیٔ نمرہ'' کی طرف جانا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اسی راستے سے اور اسی وقت روانہ ہوئے تھے۔

② زوال کے بعد ''وقوف عرفہ'' کے لیے غسل کرنا، حیض اور نفاس والی کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

③ عرفات کے درمیان میں واقع ''جبل رحمت'' کے نیچے بڑی چٹان کے پاس وقوف کرنا، اس لیے کہ یہی رسول اللہ ﷺ کا ''مقام وقوف'' تھا۔ [2]

④ ''موقف'' میں غروب آفتاب تک کثرت سے دعا و ذکر میں مشغول رہنا۔

① [حسن] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في الوقوف بعرفات والدعاء فيها، حديث: 883 وقال «حسن» و سنن أبي داود، المناسك، باب موضع الوقوف بعرفة، حديث: 1919 واللفظ له، اسے امام ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

② ''وقوف عرفہ'' کے لیے غسل کرنا یا بہر صورت ''جبل رحمت'' تک پہنچنا واجب نہیں ہے کیونکہ آپ نے سارے عرفہ کو ٹھہرنے کا مقام قرار دیا ہے واللہ اعلم (ع،ر) صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، ماجاء أنّ عرفة كلها موقف، حديث: 1218، وسنن أبي داود، المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، حديث: 1905 و 1907.

5۔ میدان عرفات سے واپسی ''مازمین'' کے راستے سے ہونی چاہیے نہ کہ مقام ''ضب'' کے راستے سے کہ جس سے گئے تھے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ ایک راستے سے جاتے تھے اور دوسرے سے واپس آتے تھے۔[1]

6۔ آرام سے چلنا اور جلدی نہ کرنا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! عَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ، فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ فِي إِيضَاعِ الْإِبِلِ»

''اے لوگو! سکون واطمینان سے چلو، اونٹ دوڑانے میں نیکی نہیں ہے۔''[2]

7۔ عرفات، مزدلفہ اور منیٰ کے ان مقامات پر آنے جانے میں ''جمرہ عقبہ'' کو کنکر مارنے تک کثرت سے تلبیہ کہنا۔

8۔ ''مزدلفہ'' سے ہی سات کنکر چن لینا۔

9۔ ''مزدلفہ'' سے سورج نکلنے سے پہلے اور صبح کی واضح روشنی کے وقت روانہ ہو جانا۔

10۔ ''بطن محسر'' کی وادی میں ایک پتھر پھینکے جانے کے فاصلہ تک تیز چلنا، جانور کو متحرک کرنا اور گاڑی ہے تو اسے معمول سے قدرے زیادہ تیزی سے لے جانا، یہ اس صورت میں ہے کہ کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

11۔ سورج نکلنے سے زوال تک ''جمرہ عقبہ'' کو کنکر مارنا۔

12۔ کنکر مارتے وقت ہر کنکر کے ساتھ اللہ اکبر کہنا۔

13۔ قربانی خود ذبح کرنا یا ذبح ہوتے وقت موجود رہنا اور «بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ» کے بعد یہ کہنا:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذَا مِنْكَ وَإِلَيْكَ، اَللّٰهُمَّ! تَقَبَّلْ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِكَ»

''اے اللہ! یہ تیری طرف سے ہے اور تیرے لیے ہے۔ اے اللہ! میری طرف سے قبول فرما، جس طرح تو نے اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کی قربانی قبول کی تھی۔''[3]

یاد رہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھنا ضروری ہیں۔

14۔ قربانی کے گوشت میں سے کھانا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ اپنی قربانی یا ہدی کا گوشت تناول فرماتے تھے۔[4]

15۔ تشریق کے تین ایام میں ''جمرات'' کی طرف پیدل چل کر جانا۔

16۔ ہر کنکر مارتے وقت «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہنا اور یہ دعا مانگنا:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُورًا وَّذَنْبًا مَّغْفُورًا وَّسَعْيًا مَّشْكُورًا»

[1] زاد المعاد لابن القيم:2/246. [2] صحيح البخاري، الحج، باب أمر النبي ﷺ بالسكينة عند الإفاضة......، حديث:1671، وسنن النسائي، مناسك الحج، باب فرض الوقوف بعرفة، حديث:3021. [3] لم أجده. [4] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218، وسنن أبي داود، المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، حديث:1905.

''اے اللہ! اسے پاک (اور مقبول) حج اور گناہ کو معاف کیا ہوا اور قابل قدر عمل بنا دے۔''[1]

⑰ پہلے اور دوسرے جمرہ کو کنکر مارنے کے بعد قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا کرنا، تیسرے کے بعد نہیں کیونکہ اس کے بعد دعا مستحب نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ تیسرے کو کنکر مارنے کے بعد واپس لوٹ جاتے تھے۔[2]

⑱ ''جمرۂ عقبہ'' کو وادی کے درمیان میں کھڑے ہو کر اس کی طرف منہ کر کے کنکر مارنا، اس وقت بیت اللہ اس کے بائیں طرف اور منیٰ دائیں طرف ہو۔

⑲ مکہ مکرمہ سے (طواف افاضہ کے بعد منیٰ کی طرف) واپسی پر یہ ذکر کرے:

«آئِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''ہم واپس ہو رہے ہیں، کوتاہیوں سے رجوع کرنے والے اور اپنے رب کی عبادت اور حمد (تعریف) کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے نے سب لشکروں کو شکست دی۔'' اس لیے کہ واپسی پر رسول اللہ ﷺ یہ کلمات مبارکہ فرمایا کرتے تھے۔[3]

● **مکہ میں داخلے یا عرفہ میں وقوف سے کوئی امر مانع ہو تو کیا کیا جائے؟** جو شخص مکہ مکرمہ میں یا ''موقف عرفات'' میں بوجہ دشمن یا بیماری یا کسی شدید رکاوٹ کے داخل ہونے سے قاصر ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ ایک بکری یا اونٹ یا گائے رکاوٹ کی جگہ ذبح کرے اور اگر ممکن ہو تو جانور کو حرم مکی کی طرف بھیجے اور احرام اتار دے۔

﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ''اگر تم روک لیے گئے تو جو جانور آسانی سے میسر ہو دو۔''[4] ❀

● **طواف وداع کا بیان:** یہ طواف حج کے تین طوافوں میں سے ایک ہے اور سنت واجبہ ہے، جو شخص اسے بغیر عذر ترک کر دے تو وہ گناہگار ہے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے چھوڑا تو ''دم'' نہیں ہے، حج اور عمرہ سے فارغ ہو کر واپس گھر آنے والے ہر فرد پر یہ طواف واجب ہے اور روانگی کے آخری وقت میں یہ طواف کرنا چاہیے۔ اس طرح کہ طواف کے بعد کسی اور کام میں مشغول نہ ہو بلکہ فوراً مکہ مکرمہ سے روانگی شروع کر دے، اگر طواف کے بعد کسی غیر ضروری کام اور خرید و فروخت میں مشغول ہو جائے تو دوبارہ طواف کر کے روانہ ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتّٰى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ»

❀ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر جانور ذبح کرنے سے عاجز ہے تو دس دن کے روزے رکھے، جیسا کہ ترک واجب پر دم کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں دس روزے رکھے جاتے ہیں۔ (مؤلف)

① [ضعيف] السنن الكبرى للبيهقي: 84/5. ② سنن النسائي، مناسك الحج، باب الدعاء بعد رمي الجمار، حديث: 3085. ③ صحيح مسلم، الحج، باب مايقول إذا رجع من سفر الحج وغيره، حديث: 1344، وجامع الترمذي، الحج، باب ماجاء مايقول عندالقفول من الحج و العمرة، حديث: 950. ④ البقرة 196:2.

’’اللہ کے گھر سے آخری ملاقات کے بغیر تم میں سے کوئی شخص واپسی اختیار نہ کرے۔‘‘[1]

❁ **حج اور عمرے کا طریقہ:** مذکورہ دو عبادتوں میں سے کسی ایک کی ادائیگی کا ارادہ کرنے والا ناخن کاٹے، مونچھیں صاف کرے، زیر ناف بال اتارے اور بغل کے بال اکھیڑے، پھر غسل کرے، صاف اور سفید تہہ بند باندھے، چادر اوڑھے اور دو جوتے پہنے، میقات پر پہنچ کر فرض یا نفل نماز ادا کرے اور یہ کہتے ہوئے عبادتِ حج کی نیت کرے:

«لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ! لَبَّيْكَ حَجًّا»

’’اے اللہ! میں حاضر ہوں، اے اللہ حج کے لیے حاضر ہوں۔‘‘

اور اگر عمرہ کا ارادہ ہے تو ’’حَجًّا‘‘ کی بجائے ’’عُمْرَةً‘‘ کہے اور اگر دونوں کا ارادہ ہے تو «حَجًّا وَّ عُمْرَةً» کہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اپنے رب کے ساتھ شرط کر لے اور یوں کہے «إِنَّ مَحِلِّي حَيْثُ تَحْبِسُنِي» ’’اے اللہ! جہاں تو مجھے روک لے گا وہی جگہ میرے احرام سے حلال ہونے کی جگہ ہوگی۔‘‘ چنانچہ اگر حج یا عمرہ کے دوران بیماری وغیرہ کی وجہ سے احرام ختم کرنا پڑے تو اس پر کوئی چیز نہیں ہوگی۔ پھر لگاتار اونچی آواز کے ساتھ ’’تلبیہ‘‘ کہتا رہے مگر اتنا بھی نہیں کہ اسے تھکا دے، البتہ عورت بہت اونچی آواز نہ کرے صرف اتنی آواز سے کہہ سکتی ہے کہ اس کی ساتھی عورت سن لے۔

تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد دعا مانگنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا مستحب ہے۔[2] اسی طرح جب وہ کسی سواری پر سوار ہو یا اترے یا نماز سے فارغ ہو یا ساتھیوں کو ملے تو ’’تلبیہ‘‘ کہے اور اللہ کے ذکر کے علاوہ کوئی بات زبان سے نہ نکالے اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں پر نظر نہ ڈالے اور تمام راستہ نیکی اور اچھے کام کرتا رہے تاکہ اس کا حج مبرور ہو جائے۔ بنابریں محتاج لوگوں کے ساتھ احسان کرے، ساتھیوں کے ساتھ ہشاش بشاش رہے، ان کے ساتھ باتیں نرم انداز سے کرے اور سلام وطعام کی ان کے لیے فراوانی کردے۔ اور جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ جائے تو داخل ہونے کے لیے غسل کرے[3] اور باوضو ہو کر مکہ کی عالی (بلند) طرف سے داخل ہو۔[4] مسجد حرام میں باب بنی شیبہ (باب السلام) سے اندر جائے اور یہ دعا پڑھے:

«بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ»

’’اللہ کے نام سے اور سلام اللہ کے رسول پر اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔‘‘[5]

[1] صحیح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع......، حدیث: 1327. [2] کتاب الأم للشافعي:2/536، والسنن الکبرٰی للبیهقي:5/46. [3] صحیح البخاري، الحج، باب الاغتسال عند دخول مکة، حدیث: 1573. [4] صحیح البخاري، الحج، باب من أین یدخل مکة، حدیث: 1575. [5] سنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب الدعاء عند دخول المسجد،

بیت اللہ کو دیکھے تو ہاتھ اٹھا کر یہ پڑھے: «اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ، اَللّٰهُمَّ! زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيفًا وَّتَعْظِيمًا وَّتَكْرِيمًا وَّمَهَابَةً وَّبِرًّا، وَزِدْ مَنْ شَرَّفَهُ وَكَرَّمَهُ مِمَّنْ حَجَّهُ أَوِ اعْتَمَرَهُ تَشْرِيفًا وَّتَعْظِيمًا وَّتَكْرِيمًا وَّمَهَابَةً وَّبِرًّا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ كَثِيرًا كَمَا هُوَ أَهْلُهُ، وَكَمَا يَنْبَغِي لِكَرَمِ وَجْهِهِ وَعِزِّ جَلَالِهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بَلَّغَنِي بَيْتَهُ وَرَآنِي لِذٰلِكَ أَهْلًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ دَعَوْتَ إِلٰى حَجِّ بَيْتِكَ الْحَرَامِ وَقَدْ جِئْتُكَ لِذٰلِكَ، اَللّٰهُمَّ! تَقَبَّلْ مِنِّي وَاعْفُ عَنِّي وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ»

''اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تیری طرف سے ہی سلامتی ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔ اے اللہ! اس گھر کے شرف، عظمت، عزت، ہیبت اور بھلائیوں میں اضافہ فرما اور حج وعمرہ کرنے والوں میں جو اس کے شرف وعزت کو ملحوظ رکھتا ہے، اس کے شرف، عزت، کرم، ہیبت اور نیکی میں اضافہ فرما، سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جیسا کہ وہ ان کا مستحق ہے اور جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ اس اللہ کی تعریف جس نے مجھے اپنے گھر تک پہنچایا اور مجھے اس کا اہل قرار دیا، ہر حال میں اللہ ہی کی تعریف ہے۔ اے اللہ! تو نے مجھے اپنے عزت والے گھر کی طرف آنے کا پیغام دیا، اس لیے میں تیرے پاس حاضر ہوا ہوں، اے اللہ! مجھ سے قبول فرما اور مجھے معاف کر اور میرے تمام حالات درست کر دے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔''[1]

پھر مطاف (طواف کی جگہ) کی طرف بڑھے اور چادر، اضطباع (دایاں کندھا ننگا کرنے) کے انداز میں لے کر حجر اسود کو بوسہ دے یا استلام کرے (ہاتھ لگائے۔) اگر بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا ممکن نہیں ہے تو اشارہ ہی کر لے، پھر حجر اسود کی طرف منہ کرے، سیدھا کھڑا ہو جائے اور طواف کی نیت کے ساتھ طواف شروع کرے۔

پھر بیت اللہ کو بائیں سمت کر کے رمل (چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ تیز چلنا) کے انداز میں چلے، بشرطیکہ طواف قدوم ہو اور طواف کے دوران دعا کرے، ذکر واذکار میں مشغول رہے اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے، بطور خاص طواف کے دوران یہ دعا پڑھے: ﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ﴾

◄ حدیث: 771، مسجد حرام میں داخل ہونے اور نکلنے کے لیے بھی وہی دعا ہے جو عام مساجد کے لیے ہے، اس کے لیے کوئی الگ دعا ثابت نہیں ہے، لہٰذا مسجد حرام میں داخل ہونے کے لیے بھی یہی دعا پڑھنی چاہیے۔ (واللہ اعلم) ز[1] [ضعیف] السنن الکبرٰی للبیهقي: 73/5، مؤلف نے اس جگہ تین دعاؤں کو اکٹھا کر کے ایک بنا دیا ہے۔ یہ تینوں دعائیں صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں، لہٰذا بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانا اور یہ دعا پڑھنا صحیح نہیں ہے اس سے احتراز کرنا چاہیے، واللہ اعلم، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے التلخیص الحبیر: 491,490/2 میں اس کی سند پر بحث کی ہے۔

’’اے ہمارے رب! ہمیں دنیا کی اچھائی اور آخرت کی اچھائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔‘‘[1]

پھر اس طرح دوسرا اور تیسرا چکر لگائے۔ چوتھے چکر میں رمل ترک کر دے اور (معمول کے مطابق) آہستہ آہستہ چلے اور باقی چار چکر پورے کرے، فارغ ہو کر ’’ملتزم‘‘ (بیت اللہ کے دروازہ) کے پاس آئے اور خشوع خضوع کے ساتھ روتے ہوئے دعا کرے، پھر ’’مقام ابراہیم‘‘ کے قریب آ کر اس کے پیچھے دو رکعت پڑھے (اور اگر ازدحام ہو تو حرم میں جہاں جگہ ملے پڑھ لے)، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے، پھر زمزم کے چشمہ پر جائے اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے خوب سیر ہو کر پانی پیئے اور جو چاہے دعا کرے، درج ذیل دعا بھی مستحسن ہے: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ»

’’اے اللہ! میں تجھ سے مفید علم، وسیع روزی اور ہر بیماری سے شفا مانگتا ہوں۔‘‘[2]

پھر ’’حجر اسود‘‘ کے پاس آئے اور اسے بوسہ دے یا ہاتھ لگائے اور بعد ازاں ’’باب صفا‘‘ سے یہ پڑھتے ہوئے ’’مقام سعی‘‘ کی طرف بڑھے:

﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۗ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝ ﴾

’’بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جو کوئی حج یا عمرہ کے لیے آئے، وہ ان دونوں کا طواف بھی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو اچھائی کمائے گا تو اللہ بڑا قدر دان اور جاننے والا ہے۔‘‘[3]

پھر ’’صفا‘‘ پہاڑی پر چڑھ جائے اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے تین بار اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہے اور یہ ورد کرے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

’’ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے اور تعریف بھی اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے نے سب فوجوں کو شکست دے دی۔‘‘[4]

پھر دنیا و آخرت کی بھلائی کا سوال کرے اور ’’کوہ مروہ‘‘ کی طرف چلنے کے ارادے سے نیچے اترے، دوران ’’سعی‘‘ ذکر و دعا میں مشغول رہے، وادی کے درمیان آئے جسے سبز ستون کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے تو وہاں سے دوسرے سبز

[1] البقرة 2:201، وسنن أبي داود، المناسك، باب الدعاء في الطواف، حديث: 1892. [2] [ضعيف] المستدرك للحاكم: 473/1، والترغيب والترهيب: 167/2. [3] البقرة 2:158. [4] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218، وسنن أبي داود، المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، حديث: 1905.

ستون تک تیز تیز دوڑے۔ پھر آہستہ چلے اور ذکر ودعا اور رسول اللہ ﷺ پر درود میں منہمک رہے اور جب مروہ پر چڑھ جائے تو (ایک چکر مکمل ہو گیا) «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہے، «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» کا ورد کرے اور دعا مانگے، جس طرح کہ ''صفا'' پر کیا تھا اور پھر نیچے اترے، آہستہ چلے درمیان میں آئے تو تیز دوڑے، پھر آہستہ چلے اور ''صفا'' پر چڑھ جائے، (دوسرا چکر مکمل) پھر تکبیر وتہلیل کہے اور دعا کرے۔ پھر ''مروہ'' کی طرف روانہ ہو جائے اور اسی طرح سات چکر پورے کرے، جس میں آٹھ وقفے ہوں گے۔ چار ''صفا'' اور چار ''مروہ'' (ابتداء صفا سے ہوگی اور انتہا مروہ پر) پھر اگر عمرے کا احرام ہے تو بال اتروائے اور احرام کھول دے، اس طرح اس کا عمرہ پورا ہو گیا۔ اور اسی طرح اگر ''حج تمتع'' ❀ کا ارادہ ہے تو بھی احرام کھول دے اور اگر صرف حج کا احرام ہے یا عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھے احرام ہے تو ''وقوف عرفات'' اور ''جمرۂ عقبہ'' کو کنکر مارنے کے بعد دس ذوالحجہ کو احرام کھولے گا۔ اگر عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دے اور حج فسخ کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور آٹھ ذوالحجہ کو حج ✪ کی نیت سے احرام باندھے، اگر عمرہ مکمل کر کے احرام کھول چکا ہے، جبکہ مفرد ■ اور قارن ❖ اپنے احرام پر قائم ہیں اور مذکورہ تاریخ (آٹھ ذوالحجہ) کی صبح کو تلبیہ کہتے ہوئے منیٰ کی طرف روانہ ہو۔ منیٰ میں دن رات رہے اور پانچ نمازیں پڑھے، پھر نو ذوالحجہ کا سورج نکلنے کے بعد منیٰ سے تلبیہ کہتے ہوئے براستہ ''ضب'' وادیٔ نمرہ کی طرف روانہ ہو اور زوال تک وہاں رہے، پھر غسل کرے اور مسجد میں آئے اور امام کے ساتھ ظہر اور عصر کی نمازیں قصر اور جمع کر کے پڑھے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد موقف کی طرف چلے اور عرفات کے میدان میں جہاں بھی چاہے ٹھہر جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «وَقَفْتُ هٰهُنَا، وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ»

''میں نے یہاں وقوف کیا ہے، جبکہ پورا عرفات (کا میدان) جائے وقوف ہے۔''[1]

اور اگر ''جبل رحمت'' کے دامن میں چٹانوں کے پاس وقوف کرے تو بہتر ہے، اس لیے کہ یہی رسول اللہ ﷺ کے وقوف کا مقام ہے۔ اسے اختیار ہے کہ سوار ہو کر وہاں رہے یا پیدل چلتا ہوا یا بیٹھا رہے اور اس دوران اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کرے اور دعائیں مانگے۔ پھر سورج غروب ہونے اور کچھ رات آنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو اور ''مازمین'' کے

❀ حج تمتع: حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کر کے احرام کھول دینا اور پھر حج کے ایام میں حج کا نئے سرے سے احرام باندھنا حج تمتع کہلاتا ہے۔ حج کے مہینوں سے مراد شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں جبکہ حج کے دنوں سے مراد 8 ذوالحجہ سے 13 ذوالحجہ تک کے ایام ہیں۔ (ع، ر)

✪ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ان لوگوں کو جو ہدی (قربانی) نہیں لائے تھے، حج فسخ کرنے اور (عمرہ کر کے) احرام کھول دینے کی اجازت دی تھی۔ ■ مفرد سے مراد وہ حاجی ہے جو صرف حج کا احرام باندھے۔

❖ قارن سے مراد وہ شخص ہے جو میقات سے عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھا احرام باندھے۔ (ع، ر)

[1] صحيح مسلم، الحج، باب ما جاء أن عرفة كلها موقف، حديث: 2952(1218).

راستہ سے تلبیہ کہتا ہوا سکون کے ساتھ مزدلفہ کی طرف چلے اور مزدلفہ میں نزول کے بعد پہلے نماز مغرب ادا کرے اور پھر سواری پر سے سامان اتار کر عشاء کی نماز پڑھے اور رات وہیں گزارے، صبح صادق ہونے کے بعد نماز فجر ادا کرے اور مشعر کی طرف چلے اور وہاں تکبیر، تہلیل اور دعا میں مشغول ہو جائے۔تاہم مزدلفہ میں جہاں بھی چاہے وقوف کر سکتا ہے۔اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «وَقَفْتُ هٰهُنَا، وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ»

''میں نے اس جگہ وقوف کیا ہے، جبکہ پورا ''مزدلفہ'' جائے وقوف ہے۔''[1]

10 ویں ذوالحجہ کو طلوع آفتاب سے پہلے جب صبح اچھی طرح روشن ہو جائے تو سات کنکر ''جمرۂ عقبہ'' کو مارنے کے لیے چن لے اور تلبیہ کہتا ہوا منیٰ کی طرف چل پڑے۔''وادئ محسر'' میں پہنچ جائے تو اپنی سواری کو حرکت دے اور پتھر پھینکنے کے اندازے کے برابر فاصلے تک تیز چلے۔منیٰ پہنچتے ہی جمرۂ عقبہ کو سات کنکر مارے، مارتے وقت دایاں ہاتھ اٹھائے اور ''اللہ اکبر'' کہے اور اگر یہ دعا بھی کر لے تو بہتر ہے: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُورًا وَّذَنْبًا مَّغْفُورًا وَّسَعْيًا مَّشْكُورًا»

''اے اللہ! اسے حج مبرور اور گناہ کو معاف کیا ہوا اور قابل قدر عمل بنا دے۔''[2]

اگر اس کے پاس قربانی ہے تو اسے خود ذبح کرے، اگر خود ذبح نہیں کر سکتا تو کسی اور کو مقرر کرے اور منیٰ میں جہاں چاہے قربانی کا جانور ذبح کر سکتا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «نَحَرْتُ هٰهُنَا، وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ»

''میں نے اس جگہ قربانی کی ہے، جبکہ سارا منیٰ قربان گاہ ہے۔''[3]

پھر بال مونڈے یا کاٹے، البتہ مونڈنا افضل ہے۔اس وقت عورتوں کے ساتھ مباشرت و جماع کے سوا وہ سب کام اس کے لیے جائز ہو گئے ہیں، جو احرام کی وجہ سے اس پر حرام ہوئے تھے،اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا رَمٰى أَحَدُكُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ»

''جب تم میں سے کوئی جمرۂ عقبہ کو کنکر مارے تو اس کے لیے عورتوں کے سوا ہر چیز حلال ہو گئی ہے۔''[4]

اب سر کو کپڑے سے ڈھانپ اور سلا ہوا لباس پہن سکتا ہے۔اگر ممکن ہو تو ''طواف افاضہ'' کے لیے مکہ کی طرف چل پڑے، جو کہ حج کے چار ارکان میں سے ایک رکن ہے، باوضو ہو کر مسجد حرام میں داخل ہو اور طواف قدوم کی طرح طواف کرے، البتہ اس طواف میں اضطباع اور رمل[5] نہ کرے، سات چکر مکمل کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو

[1] صحیح مسلم، الحج، باب :ما جاء أن عرفة كلها موقف، حديث: 149(1218). [2] [ضعيف] السنن الكبرٰى للبيهقي: 84/5. [3] صحیح مسلم، الحج، باب ماجاء أن عرفة كلها موقف، حديث: 149(1218). اگر حکومت نے قربانی کے لیے کوئی خاص جگہ مقرر کی ہو تو اس کا احترام ضروری ہے تاکہ صفائی کے مسائل پیدا نہ ہوں۔(الاثری) [4] [ضعيف] سنن أبي داود، المناسك، باب في رمي الجمار، حديث: 1978 وقال هذا حديث ضعيف. مسئلہ یہی ہے جو متن میں بیان ہوا ہے۔ [5] پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ''اضطباع'' دائیں کندھے کو ننگا کرنے اور ''رمل'' قریب قریب قدم رکھ کر تیز چلنے کو کہتے ہیں۔یاد رہے طواف قدوم میں پہلے تین چکروں »

رکعت پڑھے۔ اگر صرف حج کا احرام تھا یا حج اور عمرہ دونوں کا اور پہلے طواف قدوم کے بعد صفا و مروہ کی سعی کر چکا ہے تو وہی کافی ہے اور اگر حج تمتع کیا ہے تو دو رکعت پڑھنے کے بعد ''مقام سعی'' کی طرف بڑھے اور صفا و مروہ کے مابین اسی طرح سعی کرے، جیسا کہ پہلے مفصلاً بیان ہوا ہے۔ سعی سے فارغ ہونے کے بعد اس کا احرام پورے طور پر ختم ہے اور جو کام احرام کی وجہ سے اس کے لیے ناجائز ہوئے تھے، سب جائز ہو گئے۔

پھر اسی دن منیٰ واپس آ جائے اور رات وہیں گزارے (مزید برآں) ایام تشریق کے پہلے دن (11 ذوالحجہ) سورج ڈھلنے کے بعد پہلے ''جمرۂ اولیٰ'' کو سات کنکر مارے جو کہ مسجد خیف کے قریب ہے، ہر کنکر الگ الگ مارے اور ہر ایک کے ساتھ «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہے۔ کنکر مارنے کے بعد تھوڑا سا آگے بڑھے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ کی توفیق کے مطابق جو چاہے دعائیں کرے اور پھر درمیانی جمرہ کی طرف چلے، اسے بھی اسی طرح سات کنکر مارے اور تھوڑا سا ہٹ کر قبلہ رخ ہو کر دعا کرے اور پھر ''جمرۂ عقبہ'' جو کہ آخری ہے، کی طرف بڑھے اسے بھی سات کنکر مارے، ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہے لیکن اس کے بعد دعا کے لیے کھڑا نہ ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے پاس دعا نہیں کی تھی۔ دوسرے دن بھی زوال آفتاب کے بعد آئے اور تینوں جمرات کو اسی طرح کنکر مارے۔

اگر اسے جلدی ہے تو غروب آفتاب سے پہلے مکہ چلا جائے اور اگر جلدی نہیں ہے تو رات منیٰ میں رہے اور تیسرے دن زوال آفتاب کے بعد تینوں جمرات کو کنکر مارے اور پھر مکہ مکرمہ آئے اور جب گھر جانے کا ارادہ ہو تو آخری، یعنی طواف وداع کرے، اس کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھے اور یہ ذکر کرتے ہوئے گھر کے لیے روانہ ہو جائے:

«آئِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ»

''ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، ملک اسی کا ہے اور تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم واپس ہو رہے ہیں، رجوع کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب ہی کی تعریف کرنے والے، ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے نے فوجوں کو شکست دے دی۔''[1]

» میں رمل کا حکم ہے اس کے علاوہ طوافوں میں رمل اور اضطباع نہیں ہے۔ (الاثری) [1] صحیح مسلم، الحج، باب مایقول إذا رجع من سفر الحج وغیرہ، حدیث: 1344، وجامع الترمذي، الحج، باب ماجاء مایقول عند القفول من الحج والعمرة، حدیث: 950.

باب:13

مسجد نبوی کی زیارت کا حکم

مدینہ، اہل مدینہ اور مسجد نبوی کی فضیلت ٭ **مدینہ منورہ کی فضیلت:** مدینہ کو حرم نبوی ﷺ، دار الہجرت اور مقام نزول وحی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے حرم قرار دیا، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا تھا، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَمًا وَّإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ، حَرَامًا مَّا بَيْنَ مَأْزِمَيْهَا»

''اے اللہ! ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرام قرار دے کر اسے حرم بنایا اور میں اس شہر کے دو پتھریلی اطراف کے مابین (علاقے) کو حرم قرار دے رہا ہوں۔''[1] اور فرمایا:

«اَلْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَّا بَيْنَ عَيْرٍ إِلٰى ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوٰى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا»

''عیر'' سے ''ثور'' تک مدینہ حرم ہے، جو کوئی اس میں نیا کام (بدعت) نکالے یا نئے کام نکالنے والے کو جگہ دے، اس پر اللہ، فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہے، قیامت کے دن اللہ اس کی نفل اور فرض عبادات قبول نہیں فرمائے گا۔''[2]

عدی بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: «حَمٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كُلَّ نَاحِيَةٍ مِّنَ الْمَدِينَةِ بَرِيدًا بَرِيدًا، لَا يُخْبَطُ شَجَرَةٌ وَّلَا يُعْضَدُ إِلَّا مَا يُسَاقُ بِهِ الْجَمَلُ»

''مدینہ منورہ کے چاروں سمت رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک برید تک کا علاقہ محفوظ قرار دیا ہے، نہ اس میں درخت کے پتے جھاڑے جائیں اور نہ ہی اسے کاٹا جائے، البتہ اونٹ کو چلانے کے لیے چھڑی کاٹی جا سکتی ہے۔''[3]

اور نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِينَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلٰى جُحْرِهَا»

''ایمان مدینہ میں اس طرح پناہ لے گا، جس طرح سانپ اپنے بل میں پناہ لیتا ہے۔''[4]

[1] صحيح مسلم، الحج، باب الترغيب في سكنى المدينة......، حديث: 1374. [2] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب و السنة، باب مايكره من التعمق و التنازع في العلم والغلو في الدين والبدع، حديث: 7300، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث: 1370. [3] [حسن] سنن أبي داود، المناسك، باب في تحريم المدينة، حديث: 2036.
[4] صحيح البخاري، فضائل المدينة، باب الإيمان يأرز إلى المدينة، حديث: 1876.

نیز فرمایا: «وَلَا يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلٰى لَأْوَائِهَا وَجَهْدِهَا إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا أَوْ شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جو کوئی اس کی شدتوں اور مصائب پر صبر کرے گا، میں قیامت کے دن اس کے لیے سفارشی یا گواہ بنوں گا۔''[1]

اور فرمایا: «مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَّمُوتَ بِالْمَدِينَةِ فَلْيَفْعَلْ، فَإِنِّي أَشْهَدُ لِمَنْ مَّاتَ بِهَا»

''تم میں سے جو کوئی مدینہ میں فوت ہونے کی استطاعت رکھتا ہے تو وہ یہ کرے، اس لیے کہ میں اس شہر میں مرنے والوں کے لیے گواہی دوں گا۔''[2]

نیز فرمایا: «إِنَّمَا الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طَيِّبُهَا»

''مدینہ بھٹی کی طرح ہے یہ اپنے (باسیوں کی) میل کھوٹ کو دور کرتا ہے اور اس کے اچھے (لوگ اور زیادہ) خالص ہو جاتے ہیں۔''[3]

مزید فرمایا: «اَلْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ، لَا يَدَعُهَا أَحَدٌ رَّغْبَةً عَنْهَا إِلَّا أَبْدَلَ اللّٰهُ فِيهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ، وَلَا يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلٰى لَأْوَاءِ هَا وَجَهْدِهَا إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا أَوْشَهِيدًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ»

''مدینہ ان (لوگوں) کے لیے بہتر ہے، کاش کہ وہ جانتے ہوں، جو کوئی اس سے بے نیازی کر کے چلا جائے گا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس میں اس سے بہتر کسی اور کو آباد کرے گا اور جو کوئی اس کی شدتوں اور مصائب پر ثابت قدم رہے گا، میں اس کے لیے قیامت کے دن سفارش کرنے والا اور گواہ ہوں گا۔''[4]

✿ اہلِ مدینہ کی فضیلت: مدینہ کے رہنے والے رسول اللہ ﷺ کے ہمسائے، آپ کی مسجد کو آباد کرنے والے، آپ کے شہر میں رہنے والے، آپ کے حرم میں ثابت قدم اور آپ کی مقرر کردہ حمی (چراگاہ) کے محافظ ہیں۔ جب یہ لوگ استقامت اور نیکی کے حامل ہیں تو عزت وشان میں سب سے اونچے اور مقام ومرتبہ میں سب سے فائق ہیں، ان کا احترام اور عزت وتوقیر ضروری ہے اور ان کی محبت اور دوستی لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ایذا رسانی سے ڈراتے ہوئے فرمایا: «لَا يَكِيدُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ إِلَّا انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ»

''اہل مدینہ کے ساتھ جو کوئی مکر وفریب کرے گا، وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسا کہ پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔''[5] اور فرمایا:

① صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة، حديث: 1363. ② [حسن] جامع الترمذي، المناقب، باب ماجاء في فضل المدينة، حديث: 3917 وقال ''حسن صحيح غريب'' وسنن ابن ماجه، المناسك، باب فضل المدينة، حديث: 3112. اسے امام ابن حبان نے صحیح :الموارد: 1032,1031 جبکہ امام بغوی نے حسن کہا ہے، دیکھیے: شرح السنة: 324/7. ③ صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ماذكر النبي ﷺ وحض على اتفاق أهل العلم......، حديث: 7322. ④ صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث: 1363. ⑤ صحيح البخاري، فضائل المدينة، باب إثم من كاد أهلَ المدينة، حديث: 1877.

«وَلَا يُرِيدُ أَحَدٌ أَهْلَ الْمَدِينَةِ بِسُوءٍ إِلَّا أَذَابَهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ ذَوْبَ الرَّصَاصِ، أَوْذَوْبَ الْمِلْحِ فِي الْمَاءِ»
''جو کوئی مدینہ والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا، اللہ اسے جہنم میں قلعی کی طرح پگھلا دے گا یا جس طرح پانی میں نمک مل جاتا ہے۔''[1]

نیز رسول اللہ ﷺ نے محبت وتکریم کی وجہ سے اہل مدینہ کی روزی میں برکت کی دعا کرتے ہوئے فرمایا:
«اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ وَبَارِكْ لَهُمْ فِي صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ»
''اے اللہ! ان کے لیے ان کے تول کے پیمانوں میں برکت فرما اور ان کے صاع اور مد کو بابرکت بنا۔''[2]

✽ **مسجد نبوی کی فضیلت:** مسجد نبوی ان تین مساجد میں سے ایک ہے، جن کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ﴾
''پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی، جس کے ارد گرد اللہ نے برکت دی ہے۔''[3]

''اقصیٰ'' اسم تفضیل ہے جس میں معنی کا تفاضل بمقابل دوسری چیز کے ہوتا ہے، یعنی مسجد حرام سے ایک مسجد تک سیر کرائی اور وہ مسجد ایک اور مسجد سے زیادہ دور واقع ہے۔ اس طرح دونوں مساجد کے ضمن میں مسجد نبوی ﷺ کا تذکرہ ہوگیا کہ یہ مسجد مکہ مکرمہ سے بعید ہے اور منتہائے اسراء والی مسجد اس سے اقصیٰ (زیادہ دور) ہے اور اگرچہ مسجد نبوی نزول آیت کے وقت موجود نہ تھی، تاہم بعد میں وجود میں داخل ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ نے صراحت سے اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: «صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ»
''میری اس مسجد میں ایک نماز ادا کرنا، مسجد حرام کے سوا کسی بھی مسجد میں ہزار نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔''[4]
«وَالصَّلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ»
''اور مسجد حرام میں ایک نماز ادا کرنا، ایک لاکھ نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔''[5]

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کو ان تین مساجد میں سے دوسری گردانا ہے جن کی طرف تقرب کے ارادہ سے سفر کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد ہے:

«لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي هٰذَا، وَالْمَسْجِدِالْأَقْصٰى»

[1] صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة ....، حديث: 1363. [2] صحيح البخاري، البيوع، باب بركة صاع النبي ﷺ ومده، حديث: 2130، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث: 1368. [3] بنيّ إسرآء يل 17:1. [4] صحيح مسلم، الحج، باب فضل الصلاة بمسجدي مكة والمدينة، حديث: 1394، وصحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة و المدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة و المدينة، حديث: 1190. [5] [صحيح] مسند أحمد: 343/3 و سنن ◄◄

''تین مساجد کے علاوہ کسی اور کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں (وہ یہ ہیں) مسجد حرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔''①

اور رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک ایسی خصوصیت سے بھی نوازا ہے جو کسی اور مسجد کو حاصل نہیں ہے، یعنی مسجد کے ایک حصہ میں ریاض الجنۃ کا موجود ہونا جس کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ»

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان (کی جگہ) بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''②

اور یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: «مَنْ صَلَّى فِي مَسْجِدِي أَرْبَعِينَ صَلَاةً لَّا يَفُوتُهُ صَلَاةٌ كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَنَجَاةٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَبَرِيءَ مِنَ النِّفَاقِ»

''جو شخص میری اس مسجد میں چالیس نمازیں پڑھتا ہے، ایک نماز بھی اس سے فوت نہیں ہوتی تو اس کے لیے جہنم سے براءت اور عذاب سے نجات لکھ دی جاتی ہے اور وہ نفاق سے بھی پاک ہو جاتا ہے۔''③

اسی لیے اس مسجد کی زیارت ان عبادات میں سے ایک ہے، جنھیں مسلمان اپنے رب تعالیٰ کے تقرب اور اس کی رضاجوئی کا ذریعہ بناتے ہیں۔

● **مسجد نبوی کی زیارت، نبیٔ اکرم ﷺ اور آپ کے صاحبین رضی اللہ عنہما پر سلام:** مسجد نبوی کی زیارت چونکہ عبادت ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی دیگر عبادات کی طرح نیت کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ بنابریں مسجد نبوی ﷺ کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے میں اللہ جل شانہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت کرنا

◄ ابن ماجه، الصلاة، باب ماجاء في فضل الصلاة ......، حديث: 1406. ① صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة و المدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة و المدينة، حديث: 1189، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، حديث: 1397. ② صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل مابين القبر والمنبر، حديث: 1195، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل مابين قبره ﷺ و منبره و فضل موضع منبره، حديث: 1390. ③[ضعيف] مسند أحمد: 155/3، والمعجم الأوسط للطبراني: 211/6، حديث: 5440، و مجمع الزوائد: 8/4. اس روایت میں نبیط راوی مجہول ہے، علامہ البانی فرماتے ہیں: منذری کا ترغیب: 136/2 میں یہ کہنا کہ اس کے رواۃ ''الصحیح'' کے رواۃ ہیں، وہم ہے، اس لیے کہ نبیط نہ صرف یہ کہ ''الصحیح'' کے رواۃ میں سے نہیں بلکہ بقیہ ستہ کے رواۃ میں سے بھی نہیں ہے، اس کی وجہ سے یہ سند ضعیف ہے۔ (السلسلة الضعيفة: 540/1) محولہ روایت میں یہ ہے کہ جو شخص چالیس دن باجماعت پہلی تکبیر کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، اس کے لیے جہنم اور نفاق کی دو براءت ثابت ہیں۔ (الاثری) جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ حسن قرار دیا ہے: «مَنْ صَلَّى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولٰى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ: بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ» السلسلة الصحيحة، حديث: 1979. ترجمہ تقریباً وہی ہے، صرف اس میں مسجد نبوی کی تخصیص نہیں ہے۔ (ع۔و)

مسلمان پر لازم ہے اور یہ کہ اس کا باعث اللہ کی فرماں برداری اور اس کی محبت کا جذبہ ہے۔ چنانچہ جب آدمی باوضو ہو کر مسجد پہنچ جائے تو دایاں قدم آگے بڑھائے، جیسا کہ دیگر مساجد میں داخل ہوتے وقت مسنون ہے اور یہ کہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ»

''اللہ کے نام سے اور سلام اس کے رسول ﷺ پر۔اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''[1]

پھر حجرہ شریف کا رخ کرے اور نبی ﷺ پر سلام عرض کرے اور مواجہہ (رخ انور) کے سامنے کھڑا ہو کر کہے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ»

''اے (اللہ کے) نبی! آپ پر سلامتی اور اللہ کی رحمت و برکات ہوں۔''[2]

«اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ»

''اے اللہ! محمد (ﷺ) پر رحمتیں نازل فرما اور آل محمد پر جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں نازل فرمائیں یقیناً تو انتہائی قابل تعریف نہایت بزرگی والا ہے۔اے اللہ! محمد (ﷺ) پر برکتیں نازل فرما اور آل محمد پر جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائیں یقیناً تو انتہائی قابل تعریف، نہایت بزرگی والا ہے۔''[3]

پھر تھوڑا سا دائیں طرف ہٹے اور یہ کہتا ہوا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کرے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَابَكْرٍ» ''اے ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) آپ پر سلامتی ہو۔''

پھر تھوڑا سا اور دائیں طرف ہٹے اور عمر رضی اللہ عنہ کے لیے سلام بایں الفاظ عرض کرے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرُ!» ''اے عمر فاروق (رضی اللہ عنہ!) آپ پر سلام ہو۔''[4]

یہاں پر بھی دعا مانگتے وقت قبر کی طرف رخ نہ کیا جائے بلکہ قبلہ کی طرف منہ کر کے جو چاہے دعا کرے اور

[1] سنن ابن ماجه، المساجد، باب الدعاء عند دخول المسجد، حديث: 771، پھر آسانی سے جگہ مل جائے تو «رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ» والے حصہ میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے یا جہاں بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے پڑھ سکے، پڑھے۔ [2] صحيح البخاري، الأذان، باب التشهد في الآخرة، حديث: 831. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: 10، حديث: 3370. [4] سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر ان الفاظ سے سلام بھیجنا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے ثابت ہے، دیکھیے (فضل الصلاة على النبي ﷺ للمحدث الإمام إسماعيل بن إسحاق الجهضمي، ص: 82.

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل طلب کرے۔

اس طرح زیارت مسجد نبوی کی تکمیل ہو چکی۔اس کے بعد چاہے تو مدینہ میں رہے یا واپس چلا جائے، البتہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر نمازیں ادا کرنے کے لیے مقیم رہنا افضل ہے، جبکہ مسجد نبوی شریف میں چالیس نماز پڑھنے کی فضیلت بھی وارد ہے۔[1]

✿ **مدینہ منورہ کے مقامات فضیلت کی زیارت:** اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب ایک مسلمان کو مسجد نبوی میں نماز پڑھنے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر کھڑا رہنے کی سعادت سے مشرف کیا ہے اور اس عظیم شہر طیبہ میں داخل کر کے عزت وتکریم دی ہے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ نماز کے لیے مسجد قبا جائے، اس لیے کہ نبی ﷺ اس مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے تھے۔اسی طرح صحابۂ کرام کا بھی یہی معمول تھا۔اور آپ کا فرمان ہے:

«مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ أَتٰى مَسْجِدَ قُبَاءَ فَصَلّٰى فِيهِ صَلَاةً كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ»

''جو اپنے گھر سے اچھی طرح وضو کر کے مسجد قبا کی طرف نماز کے لیے جاتا ہے، اسے ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل چل کر ''مسجد قبا'' جاتے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔[3]

اسی طرح وہ شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کے لیے بھی جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے اور سلام کہتے تھے۔[4]

شہدائے احد کی اس زیارت کے ساتھ ''جبل احد'' کا مشاہدہ بھی ہو جائے گا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ» ''احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''[5]

ایک بار آپ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد پر کھڑے تھے کہ احد پہاڑ کانپنے لگا تو آپ نے احد پہاڑ پر پاؤں مار کر فرمایا: «أُسْكُنْ أُحُدُ! فَلَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ وَّصِدِّيقٌ وَّشَهِيدَانِ»

''احد! سکون اختیار کر کہ تجھ پر (اللہ کا) نبی، ایک صدیق اور دو شہید (کھڑے) ہیں۔''[6]

اسی طرح زائر کو بقیع کے قبرستان کی زیارت بھی کرنی چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اس قبرستان میں جاتے اور

① یہ روایت ضعیف ہے۔اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔(الاثری) ② [صحيح] مسند أحمد: 487/3، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ما جاء في الصلاة في مسجد قباء، حديث: 1412، و المستدرك للحاكم: 12/3. ③ صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب إتيان مسجد قباء ماشيا و راكبا، حديث: 1194، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل مسجد قباء......، حديث: 1399. ④ سنن أبي داود، الجنائز، باب الصلاة على القبر بعد حين، حديث: 3223. ⑤ صحيح البخاري، الزكاة، باب خرص التمر، حديث: 1482و4084، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث: 1365. ⑥ صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حديث: 3699.

اہل بقیع کو سلام کہتے تھے۔[1]

اور اس لیے بھی کہ اس میں ہزاروں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور اللہ کے نیک بندے رحمہم اللہ مدفون ہیں۔ وہاں جا کر انھیں بایں الفاظ سلام کہے:

«اَلسَّلَامُ عَلٰی أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا حِقُونَ، أَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»

''اے مومنین، مسلمین، اہل دیار! تم پر سلامتی ہو، ہم سے آگے جانے والوں اور پیچھے رہنے والوں پر اللہ رحم فرمائے، اور ہم (بھی) ان شاء اللہ تم سے آملیں گے۔ میں اللہ سے اپنے اور تمھارے لیے عافیت کا سوال کرتا ہوں۔''[2]

باب: 14 قربانی اور عقیقہ کے احکام و مسائل

قربانی کے احکام و مسائل ✽ **قربانی کی تعریف:** قربانی سے مراد وہ جانور ہے جو عید کے دن اور قربانی کے دیگر دنوں میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جائے۔

✽ **قربانی کا حکم:** ہر مسلمان گھرانہ پر جو جانور ذبح کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اس کے لیے قربانی کرنا سنت واجبہ ہے، اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝﴾ ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ»

''جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا، وہ دوبارہ قربانی کرے۔''[4]

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک انسان اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے بکری ذبح کرتا تھا۔''[5]

✽ **قربانی کی فضیلت:** سنت قربانی کی فضیلت پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد شاہد ہے:

«مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ يَوْمَ النَّحْرِ عَمَلًا أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ هِرَاقَةِ دَمٍ، وَإِنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور......، حديث: 974. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، حديث: 975,974. [3] الكوثر 108:2. [4] صحيح البخاري، الأضاحي، باب ما يشتهى من اللحم يوم النحر، حديث: 5549، وصحيح مسلم، الأضاحي، باب وقتها، حديث: 1960. [5] جامع الترمذي، الأضاحي، باب ماجاء أن الشاة الواحدة تجزئ عن أهل البيت، حديث: 1505، وسنن ابن ماجه، الأضاحي، باب من ضحى بشاة عن أهله، حديث: 3147.

الْقِيَامَةِ بِقُرُونِهَا وَأَظْلَافِهَا وَأَشْعَارِهَا، وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ، فَطِيبُوا بِهَا نَفْسًا»

''دس ذوالحجہ کو خون بہانے سے بڑھ کر ابن آدم اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بہتر عمل نہیں کرتا، یہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئیں گے اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں اس کا ایک مقام ہوتا ہے سوتم یہ قربانی خوش دلی سے دیا کرو۔''[1]

● **قربانی کی حکمت:** (1) اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ اللہ کا حکم ہے:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ ''پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ○ لَا شَرِيكَ لَهُ ﴾

''کہہ دو کہ بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت اللہ کے لیے ہے، جو جہانوں کا پالنے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔''[3]

آیت میں ''نُسُك'' سے مراد اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانور ذبح کرنا ہے۔

(2) قربانی امام الموحدین ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت کا احیا ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں وحی کی کہ اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کریں، پھر اس کے فدیہ میں مینڈھا عطا کیا اور خلیل اللہ نے اپنے فرزند کے بدلے اسے ذبح کیا۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ○ ﴾ ''اور ہم نے انھیں فدیہ میں ذبح عظیم (بڑی بابرکت قربانی) دی۔''[4]

(3) عید کے دن کنبہ اور خاندان پر وسعت کی جاتی ہے اور فقرا و مساکین میں اللہ کی رحمت عام ہوتی ہے۔

(4) چوپائے جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے، قربانی اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ ﴾

''سو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور قناعت کرنے والوں اور مانگنے والوں کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے انھیں تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ اللہ کو ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے لیکن اسے تمھارا تقویٰ (دلی خلوص) پہنچتا ہے۔''[5]

[1] [ضعیف] سنن ابن ماجه، الأضاحي، باب ثواب الأضحية، حديث: 3126، وجامع الترمذي، الأضاحي، باب ما جاء في فضل الأضحية، حديث: 1493، اس کی سند ابوالمثنیٰ سلیمان بن یزید کی وجہ سے ضعیف ہے، اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

[2] الكوثر 108:2. [3] الأنعام 6:162,163. [4] الصّٰفّٰت 37:107. [5] الحج 22:36,37.

قربانی کے احکام: (1) بھیڑ کی قربانی ''جذع'' سے کم عمر کی نہیں ہوتی۔ ''جذع'' بھیڑ کا وہ بچہ جو ایک سال کا ہو یا اس کے قریب قریب ہو۔ بھیڑ کے علاوہ بکری، گائے اور اونٹ میں ''مسنہ'' یا ''ثنی'' (دو دانتا) ہونا ضروری ہے۔ بکریوں میں وہ ہے جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں داخل ہو۔ گائے میں وہ جو دو سال کی عمر سے تجاوز کر کے تیسرے سال میں داخل ہو اور اونٹوں میں وہ جو چار سال سے تجاوز کر کے پانچویں سال میں داخل ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوا جَذْعَةً مِّنَ الضَّأْنِ»

''مسنہ ہی ذبح کرو، الا یہ کہ تم پر تنگی ہو تو بھیڑ کا ''جذع'' ذبح کر سکتے ہو'' (جانوروں میں مسنہ دانت توڑنے والے کو کہتے ہیں۔)[1]

(2) قربانی میں کسی بھی قسم کا عیب دار جانور ذبح نہیں کرنا چاہیے، کانا، لنگڑا، بیمار اور بہت کمزور جس کی ہڈی میں چربی اور ہڈی کا گودا تک ختم ہو گیا ہو، قربانی کے لیے جائز نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَرْبَعٌ لَّا تَجُوزُ فِي الْأَضَاحِي: اَلْعَوْرَاءُ بَيِّنٌ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيضَةُ بَيِّنٌ مَّرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ بَيِّنٌ ظَلْعُهَا، وَالْكَسِيرُ الَّتِي لَا تُنْقِي»

''چار جانور قربانی میں جائز نہیں ہیں۔ واضح طور پر آنکھ کا کانا۔ واضح بیمار، لنگڑا جس کا لنگڑا پن نمایاں ہو اور کمزور جس میں گودا نہ ہو۔''[2]

سینگ ٹوٹے اور کان کٹے جانور کی قربانی سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔

(3) سینگ والا مینڈھا جس کا رنگ سفید، آنکھوں کا حلقہ سیاہ اور ٹانگیں بھی سیاہ ہوں، افضل ہے، اس لیے کہ ان صفات کا حامل مینڈھا رسول اللہ ﷺ نے قربانی میں ذبح کیا تھا۔

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ يَطَأُ فِي سَوَادٍ وَّيَبْرُكُ فِي سَوَادٍ وَّيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ»

''رسول اللہ ﷺ نے سینگ والا مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا، جس کا پیٹ سیاہ تھا۔ ٹانگوں کا نچلا حصہ سیاہ تھا اور آنکھوں کا ارد گرد سیاہ تھا۔''[3]

(4) قربانی، نماز عید کے بعد ذبح کرنی چاہیے، اگر نماز سے پہلے ذبح ہو جائے تو شرعاً کفایت نہیں کرتی، اس لیے کہ

(1) صحيح مسلم، الأضاحي، باب سن الأضحية، حديث: 1963۔ فتح الباری میں ہے کہ ''«مُسِنَّة» وہ ''ثنی'' ہے جس کے دودھ والے دانت گر چکے ہوں۔ اور صحاح میں بھی اس کی یہی تعریف ذکر ہے۔'' بکری دوسرے سال میں مُسِنّہ بنتی ہے اور گائے تیسرے سال میں اور اونٹ پانچویں سال میں۔ بنا بریں کتاب میں ثنی کی تفسیر اسی طرح کی گئی ہے۔ (الاثری) (2) [صحيح] سنن أبي داود، الضحايا، باب ما يكره من الضحايا، حديث: 2802. (3) صحيح مسلم، الأضاحي، باب استحباب استحسان الضحية......، حديث: 1967 ملخصًا.

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهِ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ»

''جس نے نماز سے پہلے (قربانی) ذبح کی، اس نے اپنے لیے ذبح کی ہے اور جو نماز (عید) کے بعد ذبح کرتا ہے اس کی عبادت پوری ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کا طریقہ اپنایا۔''[1]

چوتھے دن تک قربانی ذبح کرنا جائز ہے۔ حدیث میں ہے: «كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ»

''تمام ایام تشریق (13،12،11) میں ذبح ہے۔''[2]

⑤ ذبح کرتے وقت جانور کو قبلہ رخ کر لینا اور یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

«إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ»

''میں نے (سب سے تعلق ختم کر کے) اپنا چہرہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت، اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان (فرمانبردار) ہوں۔''[3]

پھر جب ذبح کرنے لگے تو یہ پڑھے: «بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ! (هٰذَا) مِنْكَ وَلَكَ»

① صحيح البخاري، الأضاحي، باب قول النبي ﷺ لأبي بردة......، حديث: 5556. ② [ضعيف] مسند أحمد : 82/4 وصححه ابن حبان، حديث: 1008، اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اس کی کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ امام نووی شرح مسلم (153/2) میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی دس، گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ تک ہو سکتی ہے۔ علی، جبیر بن مطعم، ابن عباس رضی اللہ عنہم، عطاء، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، سلیمان بن موسیٰ الاسدی، مکحول اور داود ظاہری رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ دس، گیارہ اور بارہ ذوالحجہ تک قربانی ہے۔ عمر بن خطاب، علی اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی یہ روایت کی گئی ہے۔'' امام شافعی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا حدیث «كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ» سے استدلال کیا ہے۔ شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار (216/5) میں لکھتے ہیں: ''صاحب الھدیٰ نے کہا ہے کہ یہ حدیث دو مختلف سندوں سے مروی ہے، جو ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں، نیز یہ حدیث جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے مگر منقطع ہے۔ شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابن حبان نے حدیث جبیر کو موصول روایت کیا ہے اور اسے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔ (الاثری) ③ [صحيح] سنن أبي داود، الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، حديث: 2795، وسنن ابن ماجه، الأضاحي، باب أضاحي رسول الله ﷺ، حديث: 3121.

''اللہ کے نام سے، اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ تیری طرف سے ہے اور تیرے لیے ہے۔''[1]

⑥ مستحب تو یہی ہے کہ ذبح خود کرے، اگر ذبح کرنے کے لیے دوسرے کو اپنا نائب بنا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی اس بارے میں علماء میں کوئی اختلاف ہے۔

⑦ قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اسے تین حصوں میں تقسیم کر لیا جائے: ایک حصہ قربانی کرنے والے خود کھائیں اور ایک حصہ خیرات کر دیں اور باقی اپنے دوست احباب کے لیے تحفے کے طور پر بھیج دیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «فَكُلُوا وَادَّخِرُوا وَتَصَدَّقُوا» ''کھاؤ، ذخیرہ بناؤ اور خیرات کرو۔''[2]

یہ بھی جائز ہے کہ سارا گوشت خیرات کر دیں اور اگر کسی کو تحفہ میں بھیجیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

⑧ ذبح کرنے والے قصاب کی مزدوری قربانی کے گوشت میں سے دینی جائز نہیں ہے۔ علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَقُومَ عَلٰى بُدْنِهِ، وَأَنْ أَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُودِهَا وَأَجِلَّتِهَا وَأَنْ لَّا أُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا ـ قَالَ: نَحْنُ نُعْطِيهِ مِنْ عِنْدِنَا»

''مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں آپ کے اونٹوں کی قربانی کی نگرانی کروں اور گوشت، چمڑے اور جھولیں خیرات کر دوں اور قصاب کو ان میں سے کچھ نہ دوں اور فرمایا: ہم اسے اپنی طرف سے مزدوری دیں گے۔''[3]

⑨ ایک بکری تمام گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے، چاہے اس کنبہ میں بہت زیادہ افراد رہتے ہوں، اس لیے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: «كَانَ الرَّجُلُ يُضَحِّي بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ»

''ایک آدمی اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربانی کرتا تھا۔''[4]

⑩ جو قربانی کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کے ذبح ہونے تک بال اور ناخن نہ کٹوائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ [حَتّٰى يُضَحِّيَ]»

''جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے بال اور ناخن قربانی ذبح

① [صحيح] مسند أحمد: 3/375، وسنن أبي داود، الضحايا، باب مايستحب من الضحايا، حديث: 2795. ② صحيح مسلم، الأضاحي، باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي......، حديث: 1971. ③ صحيح البخاري، الحج، باب لايعطي الجزار من الهدي شيئًا، حديث: 1716، وصحيح مسلم، الحج، باب في الصدقة بلحوم الهدايا......، حديث: 1317 واللفظ له. ④ [صحيح] جامع الترمذي، الأضاحي، باب ما جاء أن الشاة الواحدة تجزئ عن أهل البيت، حديث: 1505 وقال: حسن صحيح.

کرنے تک نہ کاٹے۔"[1]

جو شخص قربانی کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے اس بنیاد پر قربانی کا ثواب ملے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام امت کی طرف سے قربانی کر دی تھی، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مینڈھا ذبح کرتے وقت فرمایا: «هٰذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي»

''یہ میری اور میری امت کے ان افراد کی طرف سے ہے، جنھوں نے (عدم استطاعت کی بنیاد پر) قربانی نہیں کی۔''[2]

عقیقہ کا بیان ● **عقیقہ کی تعریف:** عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جو بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے۔

● **عقیقہ کا حکم:** جسے قدرت ہو، اس پر اپنے بچے کی ولادت سے ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت مؤکدہ ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «كُلُّ غُلَامٍ رَّهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُحْلَقُ، وَيُسَمّٰى»

''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے (جانور) ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال تراشے جائیں۔''[3]

● **عقیقہ کی حکمت:** اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتِ اولاد کا شکر ادا کرنا اور بچے کی حفاظت و نگہبانی کے لیے اللہ عزوجل کی جناب میں وسیلہ بنانا ہے۔

● **عقیقہ کے احکام:** (1) جانور عیب سے پاک ہو لیکن اس میں عمر کی وہ قید لازم نہیں جو قربانی کے لیے ضروری ہے بلکہ اس میں بھیڑ، بکری، چھترا، بکرا دنبہ اگرچہ کھیرا ہو کفایت کر جاتا ہے۔

(2) اس کی تقسیم اس طریقے پر ہونی چاہیے جو قربانی میں ملحوظ ہوتا ہے کہ گھر والے بھی کھائیں گے، خیرات بھی کریں گے اور تحفے میں بھی دیں گے۔

(3) لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کیے جائیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو، دو مینڈھے ذبح کیے تھے۔[4]

[1] صحيح مسلم، الأضاحي، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة......، حديث: 1977. [2] [حسن] مسند أحمد: 8/3، و سنن أبي داود، الضحايا، باب في الشاة يضحي بها عن جماعة، حديث: 2810، وجامع الترمذي، الأضاحي، باب مايقول إذا ذبح، حديث: 1521، وقال غريب. شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [3] [صحيح] سنن أبي داود، الضحايا، باب في العقيقة، حديث: 2838، وسنن النسائي العقيقة، باب متى يعق، حديث: 4225، جامع الترمذي، الأضاحي، باب من العقيقة، حديث: 1522 وقال «حسن صحيح» و سنن ابن ماجه، الذبائح، باب العقيقة، حديث: 3165، حاکم، ذہبی اور ابن الجارود وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [4] سنن النسائي، العقيقة، باب كم يعق عن الجارية، حديث: 4224.

یہ بھی مستحب ہے کہ ساتویں دن بچے کا نام رکھا جائے اور اچھا سا نام تجویز کیا جائے۔ اسی دن سر مونڈا جائے اور بالوں کے ہم وزن سونا یا چاندی خیرات کر دی جائے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّ غُلَامٍ رَّهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ»

''ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن (گروی) ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے (جانور) ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور سر مونڈا جائے۔''[1]

(4) نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہنا علماء کے نزدیک مستحب ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آتا ہے: «أَذَّنَ فِي أُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ -حِينَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ- بِالصَّلَاةِ»

''جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو جنم دیا تو نبی ﷺ نے اس کے کان میں نماز والی اذان کہی۔''[2]

(5) اگر ساتواں دن گزر جائے اور جانور ذبح نہ ہو سکے تو چودھویں دن یا اکیسویں دن بھی ذبح کرنا درست ہے،[3] اگر بچہ سات دن سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے۔

(1) [صحيح] سنن أبي داود، الضحايا، باب في العقيقة، حديث: 2838، وسنن النسائي، العقيقة، باب متى يعق، حديث: 4225، و جامع الترمذي، الأضاحي، باب من العقيقة، حديث: 1522 وقال حسن صحيح، وسنن ابن ماجه، الذبائح، باب العقيقة، حديث: 3165، اسے امام حاکم، ذہبی اور ابن جارود نے صحیح کہا ہے۔ (2) جامع الترمذي، الأضاحي، باب الأذان في أذن المولود، حديث: 1514. امام ترمذی نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔ جبکہ بعض لوگ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (3) جامع الترمذي، الأضاحي، باب من العقيقة، تحت حديث: 1522.

معاملات

باب: 1

جہاد کا بیان

جہاد کا حکم، اقسام اور حکمت

● **جہاد کا حکم:** مخصوص جہاد یعنی حربی کافروں کے ساتھ جنگ فرض کفایہ ہے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ اگر یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہوں تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴾

''اور یہ مناسب نہیں کہ سارے مسلمان نکل پڑیں، پس کیوں نہیں نکلتا ہر قوم میں سے ایک گروہ تا کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب اپنی قوم میں آئیں تو ان کو ڈرائیں تا کہ وہ (برے کاموں سے) بچ سکیں۔''[1]

البتہ جن افراد کو امام متعین کر کے جہاد کا حکم دے، ان کے حق میں جہاد فرض عین ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا» ''اور جب تمھیں جہاد کے لیے نکلنے کا کہا جائے تو نکلو۔''[2]

اسی طرح اگر دشمن شہر پر حملہ آور ہو جائے تو عورتوں سمیت اس شہر کے سب باشندوں پر دفاع اور لڑائی فرض ہو جاتی ہے۔

● **جہاد کی اقسام:** (1) حربی کفار سے جہاد کرنا اور یہ ہاتھ، مال، زبان اور دل کے ساتھ ہوتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ»

''مشرکین سے اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔''[3]

(2) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نافرمانوں (فاسقوں) سے جہاد کرنا اور یہ بھی ہاتھ، زبان اور دل کے ساتھ ہوتا

① التوبة 122:9. ② صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل الجهاد والسير، حديث: 2783، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها......، حديث: 1353. ③ [حسن] مسند أحمد: 125,124/3، وسنن أبي داود، الجهاد، باب كراهية ترك الغزو، حديث: 2504، اور سنن النسائي، الجهاد، باب وجوب الجهاد، حديث: 3098، اس میں «أَنْفُسِكُمْ» کے بجائے «أَيْدِيكُمْ» کے الفاظ ہیں۔ اسے امام ابن حبان، حاکم، ذہبی اور نووی ؒ نے صحیح کہا ہے۔

ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ رَّأَى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»

''تم میں سے جو کوئی برا کام دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدلے، اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے بدلے اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو دل سے ہی برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔''[1]

(3) شیطان سے جہاد کرنا، یعنی انسان اس کے ڈالے ہوئے شبہات و وسواس کو اپنے دل سے نکال دے اور اس کی مزین کردہ شہوات کو ترک کر دے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝﴾ ''اور شیطان اللہ کے بارے میں تمھیں ہرگز دھوکا نہ دے سکے۔''[2]

اور فرمایا: ﴿ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ﴾ ''بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے، سو تم اسے اپنا دشمن سمجھو۔''[3]

(4) نفس سے جہاد کرنا، یعنی انسان اپنے نفس کو دینی امور کی تعلیم کی طرف مائل کرے اور ان پر عمل کے لیے اسے آمادہ کرے، نفسانی خواہشات سے دور رہنے اور نفس کی رعونتوں سے بچنے کی سعی کرے۔ ❀

● **جہاد کی حکمت:** جہاد کی تمام اقسام میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور ظلم و تعدی اور شر کو مٹایا جائے، جانوں اور مالوں کا تحفظ کیا جائے، حق و عدل کا بول بالا ہو اور خیرات و فضیلت کے کام عام ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ﴾

''اور ان سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ اور فساد نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔''[4]

جہاد کی فضیلت جہاد اور اللہ کی راہ میں شہادت کے فضائل میں بہت سی واضح آیات اور صحیح احادیث وارد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ اور افضل عبادت ہے۔ چند ایک بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝﴾

❀ بعض لوگ نفس سے جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہتے ہیں، حالانکہ اس بارے میں کوئی صحیح دلیل موجود نہیں اور جو بیہقی نے کتاب الزہد اور خطیب نے تاریخ بغداد میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ ایک غزوہ سے واپس آئے تو فرمایا: ''تم جہاد اصغر کر کے آئے ہو، اب جہاد اکبر کرو'' (اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو،) اس روایت کی سند سخت ضعیف ہے۔ (مؤلف)

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون النهي عن المنکر من الإیمان...، حدیث: 49. [2] فاطر 5:35. [3] فاطر 6:35.
[4] الأنفال 39:8.

’’بے شک اللہ نے جنت کے بدلے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ اللہ کا یہ سچا وعدہ تورات، انجیل اور قرآن میں ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔ سوتم اس اپنی بیع (تجارت) پر جو تم نے کی ہے، خوش ہو جاؤ، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘[1]

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾

’’یقیناً اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے، جو اس کی راہ میں صفیں بنا کر لڑتے ہیں، گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔‘‘[2] اور فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ۙ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾

’’اے ایمان والو! کیا میں تمھیں ایک ایسی تجارت کی نشاندہی کروں جو تمھیں دردناک عذاب سے نجات دے گی (وہ یہ کہ) تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو، اگر تم جانتے ہو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ وہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ہمیشگی کے باغوں میں اچھی رہائش گاہیں دے گا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘[3]

اور شہید ہونے والے مجاہدین کی فضیلت میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ۙ فَرِحِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾

’’اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں انھیں تم مردے ہرگز نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس روزی دیے جاتے ہیں۔ اللہ نے انھیں جو اپنا فضل دیا ہے، وہ اس پر خوش ہیں۔‘‘[4]

رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ انسانوں میں سے افضل کون ہے؟ تو فرمایا: «مُؤْمِنٌ يُّجَاهِدُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، ثُمَّ مُؤْمِنٌ فِي شِعْبٍ مِّنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ اللّٰهَ رَبَّهُ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ»

’’وہ مومن افضل ہے جو اپنی جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرے، پھر وہ مومن جو کسی پہاڑ کی گھاٹی

[1] التوبة 9:111. [2] الصف 61:4. [3] الصف 61:10-12. [4] آل عمران 3:169،170.

میں اللہ کی عبادت کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔''[1]

نیز ارشاد فرمایا: «مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُّجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ ۔ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ، وَتَوَكَّلَ اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِهِ بِأَنْ يَّتَوَفَّاهُ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يُرْجِعَهُ سَالِمًا مَّعَ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ»

''اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ (دن کو) روزہ رکھنے والا اور (رات کو) قیام کرنے والا اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کی راہ میں جہاد کر رہا ہے۔''مجاہد فی سبیل اللہ''اللہ کی کفالت (ذمہ) میں ہے کہ اگر اسے فوت (یا شہید) کرے گا تو اسے بہشت میں داخل کرے گا یا سلامتی ثواب اور غنیمت کے ساتھ (واپس گھر کی طرف) لوٹا دے گا۔''[2]

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: مجھے ایسا عمل بتائیں جو میرے لیے جہاد کے اجر کے برابر ہو۔آپ نے فرمایا:''میری دریافت میں ایسا عمل نہیں۔''

اور مزید ارشاد فرمایا: «هَلْ تَسْتَطِيعُ إِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَكَ فَتَقُومَ وَلَا تَفْتُرَ وَتَصُومَ وَلَا تُفْطِرَ، قَالَ: وَمَنْ يَّسْتَطِيعُ ذٰلِكَ؟»

''کیا تو اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ جب مجاہد جہاد کے لیے جائے تو تو اپنی مسجد میں داخل ہو کر قیام میں لگا رہے اور انقطاع نہ کرے اور روزہ رکھے اور افطار نہ کرے۔ اس نے کہا: اس کی کس کو طاقت ہے؟''[3]

نیز فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُّكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ ۔ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ»

''مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو کوئی اللہ کے راستے میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوا ہے۔ وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس (کے خون) کا رنگ (شہادت کے) خون کی طرح ہوگا اور مہک کستوری کی سی ہوگی۔''[4]

مزید فرمایا: «مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِغَزْوٍ، مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ»

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب أفضل الناس مؤمن مجاهد بنفسه وماله في سبيل الله، حديث: 2786، وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الجهاد والرباط، حديث: 123,122(1888) واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الجهاد، باب أفضل الناس مؤمن مجاهد بنفسه وماله في سبيل الله، حديث: 2787. [3] صحيح البخاري، الجهاد، باب فضل الجهاد والسير، حديث: 2785. [4] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من يجرح في سبيل الله، حديث: 2803، وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الجهاد والخروج في سبيل الله، حديث: 1876.

”جو کوئی اس حال میں مرا کہ کفار سے غزوہ نہیں کیا اور نہ اپنے دل سے غزوہ کرنے کی بات کی، وہ نفاق کے ایک شعبے پر مرا۔“[1]

نیز ارشاد ہوا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَطِيبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَّتَخَلَّفُوا عَنِّي، وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ، مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ»

”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ایسا نہ ہو کہ مومن مجھ سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتے اور میں بھی انھیں (سفر جہاد کے لیے) سواری دینے کی طاقت نہیں پاتا (اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں) تو میں اللہ کی راہ میں لڑنے والے کسی بھی فوجی دستے سے پیچھے نہ رہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔“[2]

نیز فرمایا: «مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ»

”جس بندے کے قدم اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہوں اس کو جہنم کی آگ نہیں لگے گی۔“[3] فرمان نبوی ہے:

«مَا أَحَدٌ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، وَلَهُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ يَتَمَنّٰى أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ، لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ»

”بہشت میں داخل ہونے والے کو زمین پر جو کچھ ہے اگر دے دیا جائے تو پھر بھی وہ واپس دنیا میں آنا نہیں چاہے گا، سوائے شہید کے کہ وہ اس اعزاز کی بنا پر جو اسے ملا، تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار قتل ہو جائے۔“[4]

جہاد میں رباط: تعریف، حکم اور فضیلت

❁ **رباط کی تعریف:** اسلامی لشکر کا پوری طرح مسلح ہو کر خطرے کی جگہوں اور سرحدوں پر، جہاں امکان ہے کہ دشمن اندر آ سکتا ہے یا مسلمانوں کی آبادی پر حملہ آور ہو سکتا ہے، ٹھہرنا ”رباط“ کہلاتا ہے۔

❁ **رباط کا حکم:** جہاد کی طرح یہ بھی فرض کفایہ ہے، جب بعض افراد یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہوں تو باقی لوگوں

[1] صحيح مسلم، الإمارة، باب ذم من مات ولم يغز......، حديث: 1910، وسنن أبي داود، الجهاد، باب كراهية ترك الغزو، حديث: 2502. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب تمني الشهادة، حديث: 2797. [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من اغبرت قدماه في سبيل الله، حديث: 2811. [4] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب تمني المجاهد أن يرجع إلى الدنيا، حديث: 2817، وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الشهادة في سبيل الله تعالى، حديث: 1877.

سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے مقابلہ میں اس کا حکم یوں دیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

''اے ایمان والو! صبر کرو، ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور (دشمن کے مقابلہ میں) جمے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''[1]

رباط کی فضیلت: دشمن اسلام کے مقابلہ میں ڈٹ جانا، افضل عمل اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: «رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا»

''اللہ کے راستہ میں ایک دن کی نگہبانی کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔''[2] اور فرمایا:

«كُلُّ الْمَيِّتِ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهِ إِلَّا الْمُرَابِطَ، فَإِنَّهُ يَنْمُو لَهُ عَمَلُهُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيُؤَمَّنُ مِنْ فَتَّانِ الْقَبْرِ»

''ہر فوت شدہ کا عمل ختم ہو جاتا ہے، البتہ اسلامی سرحدوں کی نگرانی کرنے والے کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور وہ قبر میں منکر نکیر کی آزمائش سے محفوظ رہے گا۔''[3]

نیز فرمایا: «حُرِّمَتِ النَّارُ عَلٰى عَيْنٍ سَهِرَتْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''اس آنکھ پر جہنم کی آگ حرام کر دی گئی ہے، جو اللہ کے راستہ میں بیدار رہی۔''[4]

آپ ﷺ نے انس بن ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہما کو ایک رات فوج کے پہرے کا حکم دیا، صبح ہونے پر وہ آئے تو آپ نے پوچھا: ''تو آج رات نیچے اترا ہے؟'' انس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نماز اور قضائے حاجت کے سوا نہیں اترا۔

تو فرمایا: «قَدْ أَوْجَبْتَ، فَلَا عَلَيْكَ أَنْ لَّا تَعْمَلَ بَعْدَهَا»

''تو نے جنت واجب کر لی ہے، آج کے بعد تو کوئی بھی (نفل) عمل نہ کرے تو تجھ پر کوئی حرج نہیں۔''[5]

جہاد کے لیے تیاری کا وجوب اسباب و آلات اور ہمہ قسم کے جنگی ہتھیار مہیا کرنا بھی جہاد کی طرح فرض ہے، اس لیے کہ اس کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾

[1] آل عمرٰن 3:200. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل رباط يوم في سبيل الله، حديث:2892. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الجهاد، باب في فضل الرباط، حديث: 2500، وجامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في فضل من مات مرابطًا، حديث: 1621، اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔ [4] [حسن] المعجم الأوسط للطبراني: 339,338/9، حديث: 8736، والترغيب والترهيب: 251/2، ومسند أحمد: 135/4، وسنن النسائي، الجهاد، ثواب عين سهرت في سبيل الله، حديث: 3119، والمستدرك للحاكم: 83/2 وصححه. [5] [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في فضل الحرس في سبيل الله عزوجل، حديث: 2501، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح اور حافظ ابن حجر نے حسن کہا ہے۔

''اور جہاں تک ہو سکے ان کے (مقابلے کے) لیے طاقت تیار کرو اور گھوڑے بھی تیار رکھو اس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمن کو ڈرا سکو گے۔''[1]

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ «أَلَا! إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا! إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا! إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ»

''اور ان کے لیے جو قوت مہیا کر سکتے ہو، تیار رکھو۔ سنو! بے شک قوت تو رمی (پھینکنا) ہے، بے شک قوت تو رمی ہے، بے شک قوت تو رمی (پھینکنا) ہے۔''[2] اور فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ الثَّلَاثَةَ الْجَنَّةَ: صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِي صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ، وَالرَّامِيَ بِهِ، وَالْمُمِدَّ بِهِ وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اِرْمُوا وَارْكَبُوا، وَأَنْ تَرْمُوا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُوا، وَكُلُّ مَا يَلْهُو بِهِ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ، إِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِهِ، وَتَأْدِيبَهُ فَرَسَهُ، وَمُلَاعَبَتَهُ امْرَأَتَهُ، فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ»

''بے شک اللہ ایک تیر کی وجہ سے تین انسانوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ ثواب کے حصول کے لیے اسے بنانے والا، اسے پھینکنے والا اور پھینکنے کے لیے دینے والا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیر اندازی اور سواری سیکھو اور سواری سیکھنے سے تیر اندازی مجھے زیادہ پسند ہے۔ مسلمان آدمی کا ہر کھیل بے فائدہ ہے لیکن تین کھیل بے فائدہ شمار نہیں ہوتے۔ اپنی کمان میں مہارت حاصل کرنا، اپنے گھوڑے کو جنگی چالیں سکھانا، اپنی بیوی کے ساتھ خوش گپی کرنا کیونکہ یہ چیزیں حق ہیں۔''[3]

اس وجہ سے تمام مسلمانوں پر، خواہ وہ ایک حکومت قائم کر چکے ہوں، یا (بدقسمتی سے) مختلف حکومتوں کی صورت میں رہ رہے ہوں، لازم ہے کہ ہتھیار تیار رکھیں اور جنگی سامان مہیا کریں اور مردوں کو حرب و قتال کی تربیت دیں، جس سے وہ نہ صرف دشمن کے حملے کو روک سکیں بلکہ اللہ کے دین کی عظمت اور زمین میں عدل و خیر اور امن و سلامتی کے لیے انھیں اللہ کے راستہ میں آگے بڑھ کر بھی حملہ کرنا پڑے تو کر سکیں۔

مسلمانوں پر یہ بھی لازم ہے کہ فوجی ٹریننگ کا جبری انتظام کریں۔ جو نوجوان اٹھارہ سال کی عمر کا ہو جائے تو ڈیڑھ سال کے لیے لازمی عسکری خدمت کے لیے اسے طلب کر لیا جائے۔ اس مدت میں وہ جنگ و قتال کے فنون کی تربیت

① الأنفال 8:60. ② صحیح مسلم، الإمارة، باب فضل الرمي والحث علیه وذم من علمه ثم نسیه، حدیث: 1917. ''رمی'' کا اصل معنی پھینکنا ہے اور اس میں وہ تمام جدید اسلحہ آ جاتا ہے جسے ہدف پر پھینکا جاتا ہے۔ (ع،ر) ③ [حسن] سنن ابن ماجه، الجهاد، باب الرمي في سبیل اللّٰه، حدیث: 2811.

حاصل کرے اور پھر اس کا نام مسلمان فوج میں رجسٹر کر لیا جائے۔ اس طرح جیسے ہی اس کو طلب کیا جائے گا، وہ جہاد کے لیے تیار ہو گا۔ اگر اس کی نیت درست ہے تو اس رجسٹریشن کی وجہ سے ان شاء اللہ مجاہد فی سبیل اللہ کے مرتبے پر ہے۔

یہ بھی مسلمانوں پر لازم ہے کہ جنگی سامان تیار کرنے والی فیکٹریاں لگائیں اور دنیا میں جس انداز کا سامان جنگ تیار ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے، خود تیار کریں۔ چاہے اس کے لیے انھیں غیر ضروری خورونوش، لباس اور رہائش کے اخراجات ترک کرنے پڑیں۔ یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جس سے فریضۂ جہاد مکمل اور بہترین طریقے سے سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ ورنہ وہ مجرم ہوں گے اور دنیا و آخرت میں اللہ کے عذاب سے دوچار ہوں گے۔

ارکان جہاد شرعی جہاد (جس کے نتیجے میں فتح یا شہادت حاصل ہو) کے چند ارکان مندرجہ ذیل ہیں:

① نیت کا درست ہونا۔ اس لیے کہ عملوں کا انحصار نیتوں پر ہے۔

جہاد میں صرف اللہ کے حکم کی بلندی مقصود ہونی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص حمیت کی بنیاد پر لڑائی کرتا ہے اور دوسرا ریا کے لیے، ان میں سے اللہ کے رستے میں (لڑنے والا) کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا:

«مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''جو صرف اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا دین بلند ہو، وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔''[1]

② جہاد کسی مسلمان امام (حکمران یا اس کے نائب) کی زیر قیادت، اس کے جھنڈے کے تحت اور اس کی اجازت سے ہو۔ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ امام کے بغیر زندگی بسر کریں، چاہے ان کی تعداد تھوڑی ہی کیوں نہ ہو اور اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ وہ امام اور حکمران کی قیادت اور اجازت کے بغیر لڑائی کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے حکومت والوں کی بھی اطاعت کرو۔''[2]

اس لیے مسلمانوں کے ہر اس گروہ پر لازم ہے جس کا کوئی شرعی امام نہیں اور وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے کہ اپنے میں سے ایک ایسے مرد کو اپنے لیے امام چن کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرے، جس میں امامت کی زیادہ سے زیادہ شرطیں، مثلاً: علم، تقویٰ اور کفایت و اہلیت وغیرہ پائی جائیں، پھر اپنی صفیں منظم کریں اور اپنے اندر اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا کریں اور زبان، مال اور ہاتھ سے جہاد شروع کریں، پھر اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا۔

① صحيح البخاري، العلم،باب من سأل وهو قائمٌ عالمًا جالسًا،حديث: 123، وصحيح مسلم، الإمارة،باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله،حديث:1904. ② النسآء4:59.

③ پوری قوت صرف کر کے ممکنہ حد تک سامان جنگ اور ہتھیاروں سے لیس ایک لشکر جرار تیار رکھنا، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ ''اور جہاں تک ہو سکے ان کے لیے قوت تیار رکھو۔''[1]

④ ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک زندہ ہے تو ان کی رضا حاصل کرنی چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مرد آیا اور جہاد کی اجازت طلب کی تو آپ نے پوچھا: ''کیا تیرے والدین زندہ ہیں۔'' اس نے کہا: ''ہاں، فرمایا: ''ان کی خدمت کا جہاد ادا کر۔''[2]

الا یہ کہ دشمن اس کی اپنی مسلم آبادی پر حملہ آور ہو جائے یا امام کسی کو متعین کر کے جہاد کا حکم صادر کر دے تو ماں باپ سے اجازت لینا ساقط ہو جاتا ہے۔

⑤ امام کی فرمانبرداری اور اطاعت، اس لیے کہ جو امام کی نافرمانی میں مرا وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يَخْرُجُ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا فَمَاتَ عَلَيْهِ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»

''جو اپنے امیر کی کوئی چیز ناپسند کرتا ہے تو اس پر صبر کرے، اس لیے کہ جو کوئی اپنے امیر کی اطاعت سے ایک بالشت خارج ہوا اور مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''[3]

لڑائی کے لیے کن باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے مجاہد پر لازم ہے کہ معرکہ میں داخل ہوتے وقت درج ذیل امور کو پیش نظر رکھے:

① جنگ میں ثابت قدم رہنا اور اپنی جان کی بازی لگا دینا، اس لیے کہ میدان جنگ سے فرار اور شکست کو اللہ عزوجل نے حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴾

''اے ایمان والو! جب تم کافروں کو جنگ میں ملو تو انھیں پیٹھ دے کر نہ بھاگو۔''[4]

تاہم یہ اس صورت میں ہے کہ جب کفار دو گنے سے زیادہ نہ ہوں، اگر زائد ہوں، مثلاً: ایک مسلمان کے مقابلے میں

① الأنفال 60:8. ② صحيح البخاري،الجهاد والسير،باب الجهاد بإذن الأبوين، حديث: 3004، وصحيح مسلم، البر والصلة،باب بر الوالدين وأيهما أحق به، حديث: 2549. ③ صحيح البخاري، الفتن،باب قول النبي ﷺ: «سترون بعدي أمورًا تنكرونها»، حديث: 7053، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين......، حديث: 1849 واللفظ له. ④ الأنفال 15:8.

تین یا زیادہ کافر ہوں تو میدان جنگ چھوڑ دینا یا مسلم فوج سے تعاون حاصل کرنے کے لیے پیچھے ہٹنا،شکست وفرار میں شمار نہیں ہوتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ
''مگر جنگی تدبیر یا جماعت میں ملنے کے لیے (میدان جنگ سے) ہٹنا (اس سے مستثنیٰ ہے۔)''[1]

② اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوت حاصل کرنے کے لیے اللہ رب العزت کے وعدے،وعید اور نیک بندوں کے لیے اس کی دوستی ونصرت کو ذہن نشین کرے اور دل وزبان سے اس کا ذکر کرے۔اس طرح اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مزید قوت ملے گی اور دل میں اطمینان اور مضبوطی پیدا ہو گی۔

③ احکام میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اور کسی معاملے میں بھی ان کی ہدایات کی خلاف ورزی نہ کرے اور نہ ہی منہیات (گناہوں) کا ارتکاب کرے۔

④ آپس کے جھگڑے اور باہمی نزاع ختم کر دے، اس لیے کہ میدان جنگ میں متحد ہو کر داخل ہونا لازم ہے،مجاہدین کے دل اور جسم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مضبوط ہونے چاہئیں۔

⑤ صبر وتلقین کا مظاہرہ کریں اور دشمن کو میدان سے بھگانے تک مجاہدین جان کی بازی لگا دیں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

''اے ایمان والو! جب (دشمن کی کسی) جماعت سے تمھاری لڑائی ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا بہت ذکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''[2]

جہاد کے آداب جہاد کے چند آداب ہیں،نصرت وامداد کے عوامل ہونے کی بنا پر جنھیں ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے اور یہ حسب ذیل ہیں:

① فوجی راز اور جنگی چالوں کو افشا نہ کرنا،جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ آپ اگر کسی ایک طرف لڑائی کا ارادہ کرتے تو اشارہ (توریہ) کسی دوسری طرف کا کر دیتے۔[3]

② افراد لشکر،رموز واشارات اور خصوصی علامات استعمال کریں تا کہ دشمن کے ساتھ اختلاط یا قرب مکانی کے وقت

① الأنفال 16:8. ② الأنفال 46,45:8. ③ صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من أراد غزوة فورّى بغيرها......، حديث:2947.

ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر سمجھایا کہ اگر تم پر دشمن اچانک حملہ کر دے تو تمھاری باہمی نشانی «حٰمٓ لَا یُنْصَرُونَ» ہے۔[1]

اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں ایک فوجی دستے کی علامت وشعار «أَمِتْ أَمِتْ» (مار، مار) کا لفظ تھا۔[2]

③ جنگ شروع ہو جائے تو خاموشی اختیار کرو، اس لیے کہ شور وشغب سے قوی میں انتشار اور فکری پراگندگی پیدا ہو گی جو شکست کا موجب بن جائے گی۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم لڑائی کے وقت چیخ و پکار کو پسند نہیں کرتے تھے۔

④ جنگ کے لیے مناسب جگہ کی تلاش اور لڑنے والوں کی بہترین تربیت اور دشمن پر وار کرنے کے لیے مناسب وقت کا انتخاب بہت ضروری ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی جنگی چالوں میں جگہ اور وقت کے انتخاب کو اہمیت دی جاتی تھی۔[3]

⑤ اعلان جنگ سے پہلے کافروں کو اسلام یا صلح کی دعوت دی جائے، اگر دونوں باتوں سے انکار کر دیں تو پھر لڑائی کا اعلان کر دیا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو "امیر لشکر" مقرر کر کے روانہ کرتے تو اسے اس کی ذات اور مسلمانوں کے بارے میں اچھی وصیتیں فرماتے تھے، مثلاً:

«إِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ، فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ: ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ. وَ ذَكَرَ الْحَدِيثَ۔ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَ كُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَقَاتِلْهُمْ»

"جب مشرک دشمنوں سے تیرا سامنا ہو تو انھیں تین باتوں میں سے ایک کی دعوت دے، وہ ان باتوں میں سے تیری جونسی بات مان لیں وہ ان سے قبول کر اور ان سے جنگ ترک کر دے (سب سے پہلے) ان کو اسلام کا پیغام دے، مان جائیں تو قبول کر اور جنگ موقوف کر دے لیکن اگر انکار کر دیں تو ان سے جزیہ مانگ، اگر مان جائیں تو قبول کر اور لڑائی بند کر دے اور اگر (جزیہ دینے) سے بھی انکار کر دیں تو پھر اللہ کی مدد طلب کر اور ان سے جنگ کر۔"[4]

⑥ غنیمت کے مال میں سے چوری نہ کریں اور عورتوں، نابالغ بچوں، بوڑھوں اور راہبوں کو قتل نہ کریں، بشرطیکہ یہ لڑائی کرنے میں شریک نہ ہوں اور اگر لڑائی میں حصہ لے رہے ہوں تو ان کا قتل کرنا جائز ہے، نابالغ بچوں کے قتل سے بھی احتراز کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے امراء کو یہ حکم جاری کیا تھا:

1 [صحیح] ، سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرجل ينادي بالشعار، حديث: 2597، وجامع الترمذي، الجهاد، باب ما جاء في الشعار، حديث: 1682 وصححه الحاكم والذهبي. 2 [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرجل ينادي بالشعار، حديث: 2596، وصححه الحاكم والذهبي. 3 [ضعيف] جامع الترمذي، الجهاد، باب ما جاء في الصف والتعبية عند القتال، حديث: 1677. 4 صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث ...، حديث: 1731.

«انْطَلِقُوا بِاسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ، وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَّلَا طِفْلًا وَّلَا صَغِيرًا وَّلَا امْرَأَةً، وَلَا تَغُلُّوا، وَضُمُّوا غَنَائِمَكُمْ وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ»

''اللہ کے نام اور اس کی مدد سے اور رسول اللہ ﷺ کی ملت پر قائم رہتے ہوئے چلو اور ضعیف بوڑھے، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرو، نیز غنیمت میں خیانت نہ کرو اور اموال غنیمت اکٹھا کرلو۔ اصلاح کی کوشش کرو اور احسان کرو۔ بے شک اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''[1]

(7) اگر کسی مسلمان نے کسی کافر کو اس کی جان کی امان دے دی ہے تو اس کا احترام کیا جائے اور عہد کی خلاف ورزی نہ کی جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا تَغْدِرُوا» ''عہد کی خلاف ورزی نہ کرو۔''[2]

نیز فرمایا: «إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ»

''عہد کی خلاف ورزی کرنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی غداری (عہد کی خلاف ورزی) ہے۔''[3]

(8) دشمن کو آگ میں نہ جلائیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنْ وَّجَدْتُّمْ فُلَانًا فَاقْتُلُوهُ وَلَا تُحَرِّقُوهُ، فَإِنَّهُ لَا يُعَذِّبُ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ»

''اگر تم فلاں کو پکڑ لو تو اسے قتل کر دینا، آگ سے نہ جلانا، اس لیے کہ آگ کا عذاب، آگ کا مالک (اللہ تعالیٰ) ہی دیتا ہے۔''[4]

(9) دشمن مقتولوں کا مثلہ (اعضاء وغیرہ کاٹنا) نہیں کرنا چاہیے۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمیں خیرات کرنے کی ترغیب دلاتے اور مثلہ کرنے سے منع کرتے تھے۔ نیز فرمایا:

«أَعَفُّ النَّاسِ قِتْلَةً أَهْلُ الْإِيمَانِ» ''ایمان والے قتل کرنے میں سب سے بہتر طریقہ اپناتے ہیں۔''[5]

(10) دشمنان اسلام کے خلاف اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مدد کی دعا کی جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ میدان معرکہ میں یہ دعا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ»

(1) [ضعيف] سنن أبي داود، الجهاد، باب في دعاء المشركين، حديث: 2614 اس کی سند خالد بن الفزر کی وجہ سے ضعیف ہے، ولكن معناه في صحيح مسلم، الجهاد، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث......، حديث: 1731. (2) صحيح مسلم، الجهاد، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث......، حديث: 1731. (3) صحيح البخاري، الأدب، باب ما يدعى الناس بآبائهم، حديث: 6178، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب تحريم الغدر، حديث: 1735. (4) [صحيح] سنن أبي داود، الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، حديث: 2673، اسے حافظ ابن حجر نے الفتح میں صحیح کہا ہے۔ (5) [ضعيف] سنن أبي داود، الجهاد، باب في النهي عن المثلة، حديث: 2666، اس کی سند مغیرہ اور ابراہیم نخعی کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

''اے اللہ! کتاب اتارنے والے، بادل جاری کرنے والے اور (دشمن) جماعتوں کو شکست دینے والے! ان کو شکست دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔''[1] نیز فرمایا:

«ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ أَوْ قَلَّمَا تُرَدَّانِ: الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ، وَعِنْدَ الْبَأْسِ حِينَ يُلْحِمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا»

''دو دعائیں رد نہیں ہوتیں، یا بہت کم رد ہوتی ہیں۔ نماز کی اذان کے وقت اور لڑائی کے وقت جب وہ (مسلمان و کفار) ایک دوسرے کو کاٹ رہے ہوتے ہیں۔''[2]

ذمیوں کے احکام ✽ **عقد ذمہ:** کفار میں سے جو کوئی جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائے اور حدود، مثلاً: قتل، چوری اور پامالیٔ عزت میں اسلامی احکام کی پابندی قبول کر لے، اسے امان و تحفظ مہیا کرنا ''عقد ذمہ'' ہے۔

✽ **ذمیوں سے معاہدہ کرنے کا کون مجاز ہے؟** امام یا اس کا نائب، یعنی امیر لشکر ہی ''عقد ذمہ'' کی منظوری دے سکتا ہے اور یہ معاملہ طے کر سکتا ہے، کوئی اور اس معاملے میں کوئی استحقاق نہیں رکھتا۔ البتہ عام مسلمان مرد اور عورت کسی بھی کافر کو پناہ یا امان دے سکتے ہیں، جیسا کہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے دن ایک مشرک کو پناہ دی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو برقرار رکھتے ہوئے فرمایا:

«قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِىءٍ» ''ام ہانی! جسے تو نے پناہ دی ہے، ہم اسے تحفظ دیتے ہیں۔''[3]

✽ **ذمیوں اور مسلمانوں میں تمیز:** لباس وغیرہ میں مسلمانوں اور ذمیوں کے مابین امتیاز ضروری ہے تاکہ ان کی پہچان رہے اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے اور انھیں جگہ دینے کے لیے اٹھنا بھی نہیں چاہیے اور نہ ہی ان کے لیے سلام میں پہل کی جائے اور نہ ہی کسی مجلس میں صدر کے مقام پر انھیں بٹھایا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَبْدَؤُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ، فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلٰى أَضْيَقِهِ»

''یہود و نصاریٰ کو سلام کہنے میں پہل نہ کرو، جب تم ان میں سے کسی ایک کو راستے میں ملو تو انھیں تنگ راستے کی طرف مجبور کر دو۔''[4]

1 صحیح البخاري، الجهاد والسير، باب كان النبيﷺ إذا لم يقاتل أول النهار أخر القتال حتى تزول الشمس، حديث: 2966، وصحيح مسلم، الجهاد، باب كراهة تمني لقاء العدو......، حديث: 1742. 2 [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب الدعاء عند اللقاء، حديث: 2540. امام ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے۔ 3 صحیح البخاري، الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفًا به، حديث: 357. 4 صحيح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام وكيف يرد عليهم؟ حديث: 2167.

❁ **ذمیوں کو کن چیزوں سے روکا جائے گا:** (1) نئے گرجوں اور مذہبی عبادت گاہوں کی تعمیر اور منہدم شدہ عبادت گاہوں کی جدید تعمیر سے ان کو منع کر دیا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تُبْنٰی كَنِيسَةٌ فِي الْإِسْلَامِ، وَلَا يُجَدَّدُ مَا خَرِبَ مِنْهَا»

''اسلام میں نہ (کسی نئے) کلیسا کی تعمیر کی جائے اور نہ ہی کسی بوسیدہ اور خراب کی تجدید کی جائے۔''[1]

(2) ''ذمی'' کافر کا گھر کسی مسلمان کے گھر کے اوپر نہ بنایا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْإِسْلَامُ يَعْلُو وَلَا يُعْلٰی عَلَيْهِ» ''اسلام بلند ہوتا ہے اور اس پر اور کوئی اونچا نہیں ہوتا۔''[2]

(3) وہ مسلمانوں کے سامنے علانیہ شراب نوشی اور خنزیر کا گوشت نہیں کھا سکتے اور سرعام رمضان میں خور ونوش بھی نہیں کر سکتے بلکہ یہ لوگ ایسی چیزیں، جو مسلمانوں کے لیے حرام ہیں، چھپ کر استعمال کر سکتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے لیے فتنے کا باعث نہ بن جائیں۔

❁ **کن چیزوں سے عقد ذمہ ٹوٹ سکتا ہے؟** درج ذیل امور سے عقد ذمہ ٹوٹ جائے گا:

❁ جزیہ ادا کرنے سے انکار کر دیں۔

❁ معاہدے میں جن اسلامی احکام کی پابندی قبول کی تھی، ان کے عدم التزام سے۔

❁ قتل، ڈاکہ، جاسوسی، دشمن جاسوس کو تحفظ مہیا کرنے اور مسلمان عورت سے زنا، ایسے گھناؤنے جرائم میں ملوث ہونے کی وجہ سے۔

❁ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب (قرآن) کی گستاخی کرنے سے۔

❁ **ذمیوں کے حقوق:** مسلمانوں پر لازم ہے کہ ذمیوں کی جان، مال اور عزت کا تحفظ کریں اور انھیں کسی بھی انداز میں تکلیف نہ دیں، جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں اور اسے نہ توڑیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَّمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ»

''جس نے کسی معاہد (ذمی) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔''[3]

اگر یہ لوگ عہد توڑ دیں اور ایسے کام کریں جن سے عہد ٹوٹ جاتا ہے تو ان کے خون اور مال حلال ہیں اور حاکم کو

[1] الفردوس بمأثور الخطاب: 5/217، حديث: 8001. یہ روایت کسی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ (الاثری) [2] [صحيح] السنن الكبرى للبيهقي: 6/205، و سنن الدارقطني: 3/251، و صحيح البخاري، الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات هل يصلى عليه ...؟ تعليقا قبل الحديث: 1354، ضیاء المقدسی نے المختارہ میں اسے ذکر کر کے اس کی تصحیح کی ہے۔ [3] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب إثم من قتل معاهدًا بغير جرم، حديث: 3166.

انھیں قتل کرنے، فدیہ لے کر چھوڑنے اور معاف کر دینے کا اختیار ہے مگر عورتیں اور ان کی اولادیں اس صورت میں بھی حلال نہیں ہیں، اس لیے کہ مجرم کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دی جاتی۔

سمجھوتہ، معاہدہ اور صلح کا بیان ✽ **سمجھوتہ:** اگر یقینی طور پر مسلمانوں کے مفاد میں ہو تو حربیوں کے ساتھ کسی بات پر صلح کرنا جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعدد بار لڑائیوں میں حربیوں کے ساتھ صلح کی ہے، جیسا کہ یہود مدینہ کے ساتھ آپ کا ایک معاہدہ ہوا تھا، جسے انھوں نے توڑ دیا تھا اور آپ کے ساتھ دھوکا کیا تھا، جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے ان کے ساتھ لڑائی کی اور انھیں جلا وطن کر دیا۔[1]

✽ **معاہدہ:** مسلمانوں اور ان کے مخالفوں کے درمیان ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرنے اور اچھے ہمسایوں کی طرح رہنے کا معاہدہ کرنا جائز ہے، اگر اس میں یقیناً مسلمانوں کے لیے مصلحت ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی معاہدے کیے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: «نَفِي لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَنَسْتَعِينُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ»

''ہم ان کا عہد پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد کے خواستگار رہیں گے۔''[2]

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝﴾

''مگر جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا ہے تو جب تک وہ تمھارے ساتھ سیدھے ہیں، تم ان کے ساتھ سیدھے رہو، بے شک اللہ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے ''معاہد''✽ کے قتل کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

«مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ»

''جو کوئی ''معاہد'' کو قتل کر دیتا ہے، وہ بہشت کی ہوا نہیں پائے گا۔''[4] اور فرمایا:

✽ ذمی اور معاہد دونوں کافر ہوتے ہیں، دونوں سے مسلمانوں کا معاہدہ ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ ذمی اسلامی حکومت کے علاقے میں رہ کر جزیہ دیتا اور جرم کی صورت میں اپنے اوپر اسلامی سزاؤں کے نفاذ کو قبول کرتا ہے جبکہ معاہد وہ کافر ہے جو خود اسی سے یا اس کے ملک سے اسلامی حکومت کا معاہدۂ صلح ہو جائے۔ اور حربی سے مراد وہ کافر ہے جو نہ تو ذمی ہے اور نہ معاہد، یعنی نہ اس سے کوئی معاہدۂ صلح ہے اور نہ اس کے ملک سے۔ (ع۔و)

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب حديث بني النضير ومخرج رسول الله ﷺ إليهم في دية الرجلين ......، حديث: 4028. [2] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب الوفاء بالعهد، حديث: 1787. [3] التوبة 9:7. [4] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب إثم من قتل معاهدا بغير جرم، حديث: 3166.

«إِنِّي لَا أَخِيسُ بِالْعَهْدِ وَلَا أَحْبِسُ الْبُرُدَ» ''بلاشبہ میں معاہدہ نہیں توڑتا اور قاصدوں کو قید نہیں کرتا۔''[1]

✽ **صلح:** مسلمان حکمران اگر مناسب سمجھے تو اپنے دشمنوں کے ساتھ صلح کر سکتے ہیں، جبکہ صلح کے ساتھ ان کے ایسے مفاد وابستہ ہوں جو صلح کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''حدیبیہ'' میں اہل مکہ کے ساتھ صلح کی تھی[2] اور اہل نجران کے ساتھ اموال کی ادائیگی پر صلح ہوئی[3] اسی طرح اہل بحرین نے متعین جزیہ دے کر صلح کی تھی[4] اور اسی طرح اکیدر دومہ نے بھی صلح کی تھی اور آپ نے اس کا خون معاف کر دیا تھا۔[5]

غنائم، فے، خراج، جزیہ اور نفل کی تقسیم ✽ **غنائم کی تقسیم:** ''غنیمت'' اس مال کو کہتے ہیں جس پر مسلمانوں نے کفار سے لڑائی کرتے ہوئے بزور قبضہ کیا ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے پانچواں حصہ امام کو دیا جائے، وہ مسلمانوں کی اصلاح کے کاموں پر اسے خرچ کرے گا اور باقی چار حصے ان فوجیوں پر تقسیم کر دیے جائیں جو جنگ میں شریک ہوئے تھے، چاہے ان میں سے بعض نے بالفعل لڑائی کی ہو یا نہیں، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے۔

«اَلْغَنِيمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوَقْعَةَ» ''غنیمت اس شخص کے لیے ہے جو جنگ میں حاضر ہوا۔''[6]

نیز ان میں سے گھوڑ سوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ ﴾

''اور جان لو کہ جو چیز تم نے غنیمت میں حاصل کی ہے، اس میں سے پانچواں حصہ اللہ، (اس کے) رسول، (آپ کے) رشتہ داروں، یتیموں، مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فرقان کے دن اتارا تھا۔''[7]

تنبیہ: جنگ کے لیے لشکر کے نکلنے کے بعد لشکر میں سے کسی دستے نے کوئی مہم سر کی ہے اور کوئی غنیمت حاصل کی ہے تو پوری فوج اس میں حصہ دار ہوگی۔ وہ مال غنیمت صرف اسی فوجی دستے میں تقسیم نہیں ہوگا جو اسے لائے تھے۔

✽ **مال فے:** ''فے'' سے کفار کے وہ اموال مراد ہیں جو لڑائی کے بغیر ہی کفار سے حاصل کیے جائیں اور مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام اس میں کسی خاص یا عام مصلحت کے تحت جہاں چاہے خرچ کر سکتا

(1) [صحيح] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الإمام يستجن به في العهود، حديث: 2758، والسنن الكبرى للنسائي: 205/5، حديث: 8674، وموارد الظمآن: 221,220/5. (2) صحيح البخاري، الصلح، باب الصلح مع المشركين، حديث: 2700. (3) زاد المعاد: 634/3. (4) صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب، حديث: 3158. (5) الطبقات الكبرى لابن سعد: 166/2. (6) صحيح البخاري، فرض الخمس، باب الغنيمة لمن شهد الوقعة، بعد الحديث: 3124 اور اس سلسلے میں انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک فتوے کے عموم سے استدلال کیا ہے۔ (7) الأنفال 41:8.

ہے جس طرح مالِ غنیمت کے پانچویں حصے میں امام اپنی صوابدیدی نظر استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ

''بستیوں والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ بغیر لڑے بھڑے اپنے رسول کو عطا کر دے، وہ اللہ، رسول (ﷺ) (آپ کے) قرابت داروں، (دیگر) یتیموں، مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ یہ محض تمھارے اغنیاء میں دولت بن کر نہ رہ جائے۔''[1]

✽ خراج: جن زمینوں پر مسلمانوں نے جنگ کر کے زبردستی قبضہ کیا ہو اور ان پر سالانہ ٹیکس لاگو کر دیا ہو، اسے ''خراج'' کہتے ہیں۔ ایسی زمینوں کے بارے میں امام کو اختیار ہے کہ لڑائی کرنے والوں میں تقسیم کر دے یا مسلمانوں کے لیے وقف قرار دے دے یا جس مسلمان یا ذمی کے قبضے میں یہ زمین ہو، اس پر ہمیشہ کے لیے سالانہ ٹیکس لاگو کر دے اور اسے مسلمانوں کے مصالح عامہ میں خرچ کرے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے شام، عراق اور مصر کی مفتوحہ اراضی میں کیا تھا۔[2]

تنبیہ: اگر امام نے دشمن کے ساتھ ایک معین محصول پر صلح کی ہو، پھر اس علاقے کے سب لوگ اسلام قبول کر لیں تو اسلام کی وجہ سے ''خراج'' ان سے ساقط ہو جائے گا، البتہ جنگ میں زبردستی قبضے میں لی ہوئی زمینوں کا یہ حکم نہیں ہے، ان کے باشندے بعدازاں مسلمان بھی ہو جائیں تو بھی ان سے ''خراج'' ساقط نہیں ہو گا۔

✽ جزیہ: یہ ایک ''مالی ٹیکس'' ہے جو ذمیوں سے سالانہ وصول کیا جاتا ہے۔ جن ذمیوں کے شہروں پر مسلمانوں نے بالجبر قبضہ کیا ہو، ان سے سالانہ جزیہ چار دینار سونا یا چالیس درہم چاندی فی بالغ مرد کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے۔ بچوں اور عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا اور تنگ دست فقیر اور بوڑھا یا بیمار جو کمانے سے عاجز ہیں، وہ بھی جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ البتہ وہ آدمی جن کے علاقے صلح کے ذریعے سے قبضے میں آ چکے ہوں تو ان سے وہی مقدار جزیہ لیا جائے گا جس پر صلح ہوئی ہے۔ یاد رہے کہ ان کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں جزیہ ان سے ساقط ہو جائے گا۔ جزیہ بھی مصالح عامہ کے کاموں میں خرچ کیا جاتا ہے اور ان احکام کی بنیاد یہ فرمان ربانی ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

''اہل کتاب کے ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور آخرت کے دن کو نہیں مانتے اور نہ اس چیز کو جسے اللہ اور اس کے

[1] الحشر 7:59. [2] تاریخ الطبري: 217/4.

رسول (ﷺ) نے حرام کیا ہے، حرام جانتے ہیں اور نہ ہی وہ سچے دین کے تابع ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کریں۔''[1]

نفل: ''نفل'' اسے کہتے ہیں جو امام اس شخص کے لیے طے کرتا ہے جس سے کسی خاص جنگی مہم انجام دینے کا کہا جاتا ہے۔ اس کے انجام دینے پر حصۂ غنیمت کے علاوہ مزید حصۂ غنیمت میں سے خمس (پانچویں حصہ) کے اخراج کے بعد بطور خصوصی انعام اسے دیا جاتا ہے مگر یہ حاصل شدہ غنیمت کے چوتھائی سے زائد نہیں ہونا چاہیے اگر دشمن کے علاقے میں داخل ہونے کے وقت یہ اعلان کیا گیا ہو۔ جبکہ دشمن کے علاقے سے واپسی پر مہم سر کرنے کی صورت میں تہائی سے زائد نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«شَهِدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَفَّلَ الرُّبُعَ فِي الْبَدْأَةِ وَالثُّلُثَ فِي الرَّجْعَةِ»

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ابتدا میں چوتھائی اور واپسی پر تہائی بطور ''نفل'' دیتے تھے۔''[2]

جنگی قیدیوں کے احکام مسلمان علماء میں اختلاف ہے کہ کافر جنگی قیدیوں کو قتل کر دینا ہی ضروری ہے، یا ان سے فدیہ (معاوضہ) وصول کر کے چھوڑ دیا جائے، یا ان پر احسان کر کے چھوڑ دیا جائے یا ان کو غلام بنا لیا جائے۔ اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس بارے میں دو آیتیں آئی ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ڎ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً ﴾

''ان کی گردنیں اڑاؤ، جب تم انھیں خوب قتل کر لو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے باندھ لو، پھر یا احسان کر کے چھوڑ دینا یا معاوضہ لے کر۔''[3]

اس آیت کریمہ میں امام کو اختیار دیا گیا ہے کہ قیدیوں پر احسان کر کے چھوڑ دے یا مال، ہتھیار اور اپنے قیدیوں کے عوض میں تبادلہ کرے۔ اسی طرح اللہ جل مجدہ کا فرمان ہے:

﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ ''مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔''[4]

اس آیت کریمہ میں قید کیے بغیر قتل کرنے کا حکم ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ امام کو قتل کرنے، فدیہ لینے، احسان کرنے اور غلام بنانے کا پورا اختیار ہے اور وہ مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق فیصلہ کر لے، اس لیے کہ ''صحیح بخاری'' میں رسول اللہ ﷺ سے بعض قیدیوں کو قتل کرنا ثابت

[1] التوبة 29:9. [2] [صحیح] مسند أحمد: 160,159/4، وسنن أبي داود، الجهاد، باب فيمن قال الخمس قبل النفل، حديث: 2750، والمستدرك للحاكم: 133/2، حديث: 2598، اسے امام حاکم اور ذہبی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ [3] محمد 4:47.
[4] التوبة 5:9.

ہے [1] اور معاوضہ لے کر چھوڑ دینا بھی [2] اور بغیر کسی عوض کے احسان کرنا بھی ثابت ہے۔ [3]

باب:2 گھوڑ دوڑ، تیر اندازی اور بدنی و عقلی ورزشیں

ورزشوں کے اغراض و مقاصد ابتدائے اسلام میں جملہ ورزشوں، جو ''الفروسیۃ'' کے نام سے معروف تھیں، کا بنیادی مقصد حق ثابت کرنا، حق کی مدد اور حق کا دفاع تھا۔ ان کا مقصد مال و دولت کی کثرت اور شہرت حاصل کرنا نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کے نتیجے میں ذہن میں فساد و تکبر پیدا نہیں ہوتا تھا، جیسا کہ آج کل اس قسم کے مقابلوں میں حصہ لینے والوں کا اصل مطمحِ نظر یہی چیزیں ہوتی ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام مشقوں اور ورزشوں میں اصل غرض نیکی، تقویٰ اور اللہ کی راہ میں جہادی قوت کی استعداد حاصل کرنا ہے۔ اسلام میں ورزشوں کے جواز کا صرف یہی مقصد ہے اور جو اسے کسی اور انداز پر سمجھ رہا ہے، وہ اسے اچھے مقصد سے ہٹا کر برے مقصد، مثلاً: بے فائدہ کھیل اور جوئے وغیرہ میں لا رہا ہے جو کہ حرام ہے۔ اسلامی ورزشوں کی مشروعیت کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾

''اور جہاں تک تم سے ہو سکے ان (دشمنوں) کے لیے قوت تیار کرو۔'' [4]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ»

''طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے۔'' [5]

اسلام میں قوت سے مراد، شمشیر زنی، نیزہ بازی، دلیل اور برہان ہے۔

کن مشقوں میں انعام مقرر کیا جا سکتا ہے؟ گھوڑوں اور اونٹوں کی دوڑ کے مقابلے اور تیر اندازی میں شرط لگانا اور وصول کرنا، علمائے اسلام کے نزدیک جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا سَبَقَ إِلَّا فِي خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ أَوْ نَصْلٍ»

''انعام صرف اونٹ، گھوڑے اور تیر اندازی میں ہے۔'' [6]

(1) صحيح البخاري، المغازي، باب حديث بني النضير......، حديث:4028، وصحيح مسلم، الجهاد، باب جواز قتال من نقض العهد......، حديث: 1768. (2) صحيح مسلم، الجهاد، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر وإباحة الغنائم، حديث: 1763. (3) صحيح البخاري، الصلاة، باب الاغتسال إذا أسلم و ربط الأسير أيضًا في المسجد، حديث:462، وصحيح مسلم، باب ربط الأسير وحبسه وجواز المنّ عليه، حديث: 1764. (4) الأنفال 8:60. (5) صحيح مسلم، القدر، باب الإيمان بالقدر والإذعان له، حديث:2664. (6) [صحيح] سنن أبي داود، الجهاد، باب في السبق، حديث:2574، اسے ترمذی نے حسن اور ابن حبان حدیث (4671) نے صحیح کہا ہے۔

''سبق''اس شرط کردہ انعام کو کہتے ہیں جو مقابلے میں حصہ لینے والے ایک دوسرے کے لیے طے کرتے ہیں اور پھر ان میں سے فائز اور کامیاب کو دیا جاتا ہے۔

مذکورہ مشقوں کے علاوہ کشتی، تیراکی، دوڑ، سائیکل دوڑ، گاڑی دوڑ اور بوجھ اٹھانے کا مقابلہ اسی طرح خچروں اور گدھوں کا دوڑانا یا سمندری کشتیوں کے مقابلے اور اسی طرح علمی مسائل کے حل اور اظہار معلومات کے مقابلے، یہ سب اگرچہ جائز مقابلے ہیں مگر ان میں شرط لگانا اور جیتنے والے کا اسے وصول کرنا، صحیح قول کے مطابق درست نہیں ہے۔[1]

اس بات کے جواز میں رکانہ بن زید رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انعام دینا، جب آپ نے اس کو مقابلۂ کشتی میں پچھاڑ دیا تھا، بطور دلیل پیش کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انعام اسے واپس کر دیا تھا۔ اسی طرح رومیوں کے غالب آنے کی پیش گوئی کے مقابلے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قریش سے انعام وصول کرنے کو بھی اس کا جواز نہیں بنایا جا سکتا، اس لیے کہ یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے، جبکہ ابھی تشریعی احکام کا نزول نہیں ہوا تھا۔ حدیث میں مذکورہ بالا تین مقابلوں میں انعام مقرر کرنے اور وصول کرنے کے جواز میں حکمت یہ ہے کہ ان تینوں امور کا تعلق جہاد سے ہے لیکن ان کے علاوہ ریاضات (ورزشوں) کا تعلق جہاد سے نہیں ہے، اس لیے کہ جہاد میں گھوڑے، اونٹ اور تیراندازی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ ہاں اس دور کے ٹینک اور ہوائی جہاز کو اگر اونٹ اور گھوڑے پر قیاس کر لیا جائے تو ان کے مقابلے بھی درست ہیں اور انعام لینا بھی جائز ہے، اس لیے کہ اس دور میں ان کا جہادی مہمات میں بہت بڑا کردار ہے، جو بدنی ریاضت میں اصل مقصود ہے۔

ان کے علاوہ دیگر مقابلوں میں شارع اگر انعام لینے کی اجازت دے دے تو پھر بعض لوگ ان مقابلوں کو ہی ذریعہ معاش بنا لیں گے اور یہ روزی کمانے کا ایک واسطہ بن کر رہ جائیں گے۔

اس طرح ایک اچھی غرض جس کے لیے یہ مقابلے مشروع تھے، یعنی جہادی قوت و استعداد حاصل کرنا ختم ہو کر رہ جائے گی، حالانکہ ان سے اصل مقصد ایک اللہ کی عبادت اور اس کی شریعت پر قائم رہنا ہے تاکہ لوگ دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر سکیں اور بدبختی و شقاوت سے بچیں۔

دوڑ اور تیر اندازی کے مقابلوں میں انعام لگانا جہادی مقابلوں میں بہتر یہ ہے کہ خود حکومت انعام مقرر کرے یا کوئی خیراتی ادارہ یا نیکی کا شوق رکھنے والے مقابلے سے باہر کے بعض افراد۔ اس طرح اس میں کسی انداز (مثلاً: جوئے وغیرہ) کا شبہ باقی نہیں رہے گا اور اس میں مدنظر محض جرأت و بہادری کا اظہار ہوگا جو جہادی تیاری کے لیے ہی ہوگی۔ ہاں، اگر مقابلہ کرنے والوں میں سے کوئی ایک فرد یا فریق انعام کی شرط صرف اپنی طرف سے لگا دے اور دوسرے کی

① اس لیے کہ یہ قمار (جوئے) کے زمرے میں شامل ہیں جبکہ مذکورہ تین چیزوں کا جواز حدیث سے ثابت ہے۔ (ع، و)

طرف سے کچھ بھی طے نہ ہو، مثلاً: ایک ساتھی دوسرے کو کہتا ہے کہ اس مقابلے میں اگر تو مجھ پر غالب آ گیا تو میں تجھے دس یا 20 دینار دوں گا اور اگر میں غالب آ گیا تو تیرے ذمہ کچھ لازم نہیں تو یہ جائز ہے، اگر دونوں فریق انعام کی شرط لگاتے ہیں تو جمہور علماء اس کے جواز کے لیے یہ شرط لگاتے ہیں کہ پھر ان کے ساتھ ایک تیسرا فرد یا فریق بھی مقابلہ میں آئے، جبکہ وہ انعام دینے والوں میں شامل نہ ہو، البتہ اگر غالب آ جائے تو انعام کا مستحق ہو۔ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی رائے یہی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے پسند نہیں کیا، جبکہ دوسرے اس کو درست قرار دیتے ہیں۔

دوڑ اور تیر اندازی کا طریقہ دوڑ میں درج ذیل امور کو ملحوظ رکھنا چاہیے:

- گھوڑا یا اونٹ یا ٹینک یا ہوائی جہاز متعین ہو۔
- جن چیزوں کے ذریعے سے مقابلہ کیا جا رہا ہے وہ ایک ہی جنس کے ہوں، اسی وجہ سے ہی اونٹ اور گھوڑے کا مقابلہ درست نہیں ہوگا۔
- مسافت، جہاں تک دوڑنا ہے، محدود اور متعین ہو۔
- اگر مقابلہ شرطیہ انعامی ہے تو انعام کا تعین ہو۔

مقابلے میں شریک سواروں کے گھوڑے ایک صف میں کھڑے ہو جائیں، اس طرح کہ ان کے پاؤں ایک دوسرے کے برابر ہوں، پہلے منصف انھیں تیار ہونے کی آواز لگائے اور پھر تین بار اللہ اکبر کہے اور تیسری تکبیر پر دوڑ پڑیں اور مسافت کے اختتام پر دو منصف موجود ہونے چاہئیں اور وہ دیکھیں کہ کس گھوڑے کا ''سم'' مقررہ لکیر پر پہلے ٹکا ہے تو اس کو کامیاب قرار دیں۔ اگر بڑے چھوٹے کئی انعامات مقرر کیے گئے ہیں تو پہلا انعام ''مجلی'' کو دیا جائے، دوسرا انعام ''مصلی'' کو، پھر ''تالی'' کو، پھر ''بارع'' کو، پھر ''مرتاح'' کو، پھر ''خطی''، پھر ''عاطف'' کو، پھر ''مؤمل'' کو، پھر ''لطیم'' کو، پھر ''سکیت'' کو، پھر ''غسکل'' کو۔ اس کے بعد کے گھوڑے انعام کے مستحق نہیں ہیں۔*

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ» ''اسلام میں جلب، جنب اور شغار جائز نہیں ہیں۔''[1]

- جلب: مقابلہ میں شریک شخص اپنے کسی ساتھی کو کہے کہ راستہ میں میرے گھوڑے کو آواز لگا دینا، جس سے یہ اور تیز دوڑے گا۔ یا مقابلہ کے وقت اپنے گھوڑے کو ڈانٹنا، زور زور سے آوازیں نکال کر اسے مزید تیز دوڑنے پر مجبور کرنا۔[2]

* مجلی، مصلی وغیرہ درجہ بندی کے لحاظ سے گھوڑوں کے نام ہیں، یعنی سب سے اول آنے والے گھوڑے کو مجلی دوسرے نمبر پر آنے والے کو مصلی، تا آخر کہتے ہیں۔ (ع، و)

1 [صحیح] جامع الترمذي، النکاح باب ماجاء في النهي عن نكاح الشغار، حديث: 1123، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ 2 النهاية في غريب الحديث والأثر.

✽ جنب: مقابلے میں شریک آدمی اپنے گھوڑے کے پہلو میں دوسرا گھوڑا رکھے، جب مرکوب گھوڑا تھک جائے تو یہ اس دوسرے خالی گھوڑے پر سوار ہو جائے۔[1]

گھوڑ دوڑ سے ''مناضلہ'' افضل ہے، یعنی تیر اندازی یا جدید آلات سے گولی پھینکنے کے مقابلے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اِرْمُوا وَارْكَبُوا، وَأَنْ تَرْمُوا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُوا»

''تیر اندازی اور سواری کرو، اور تیر پھینکنا مجھے سواری سے زیادہ پسند ہے۔''[2]

اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد میں تیر اندازی سواری سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

تیر اندازی میں درج ذیل امور کو ملحوظ رکھنا مناسب ہے:

✽ مقابلہ ان لوگوں کے درمیان ہو جو اس تیر اندازی کے فن کو خوب جانتے ہوں۔

✽ ''ہدف'' کو لگانا شمار کیا جائے گا کہ اگر اتنی بار ''ہدف'' کو لگا تو وہ کامیاب ہے۔

✽ رمایہ (تیر اندازی) میں تعین ہو جائے کہ وہ ''مبادرہ'' کے انداز کی ہے یا ''مفاضلہ'' کے انداز کی۔ ''مبادرہ'' یہ ہے کہ بیس دفعہ تیر چلانے میں پانچ بار کون پہلے ہدف کو صحیح نشانہ لگاتا ہے، جبکہ ''مفاضلہ'' یہ ہے کہ بیس میں سے پانچ نشانے زیادہ صحیح کس کے ہیں؟

✽ ''ہدف'' جس کو تیر مارنا ہے متعین ہو اور قربت یا دوری میں مناسب مسافت پر ہو۔

اندازِ رمایہ پر اتفاق کے بعد کوئی ایک فرد تیر پھینکے، اگر جھگڑا ہو جائے اور ہر فرد کہے: میں پہلے پھینکتا ہوں تو قرعہ اندازی کر لی جائے۔ جس کے نام کا قرعہ نکلے وہی پہلے تیر چلائے۔ اس مقابلے میں آخر تک کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہونی چاہیے اور جو جیت گیا وہی انعام وصول کرے گا۔

تنبیہ: گھوڑے اور اونٹ دوڑانا اور تیر اندازی کرنا، صرف جائز ہیں، فرض اور لازم نہیں ہیں۔ لہٰذا مقابلہ شروع ہونے سے پہلے مقابلے میں شریک ہر فریق جب چاہے اس معاہدے کو منسوخ کر سکتا ہے۔

انعامی اور غیر انعامی، ناجائز مقابلے نرد وشطرنج اور ہمارے دور کے اسی انداز کے دیگر کھیل جائز نہیں ہیں، مثلاً: کیرم، تاش، ڈیمنو، بلیئرڈ گیم اور ٹیبل ٹینس وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں، البتہ فٹ بال میں اس نیت سے مشارکت کی جائے کہ وہ بدنی قوت کی حفاظت میں مدد ومعاون بنتی ہے، بشرطیکہ رانیں ننگی نہ ہونے پائیں اور کھیل میں مصروفیت نماز میں تاخیر کا باعث نہ بن جائے اور بے ہودہ گوئی، ایک دوسرے پر آوازیں کسنا، گالی گلوچ اور اسی طرح کی فحش باتوں

[1] النهاية في غريب الحديث والأثر. [2] [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرمي، حديث: 2513، وسنن النسائي، الخيل والسبق والرمي، باب تأديب الرجل فرسه، حديث: 3608، اس کی سند حسن ہے، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

سے بھی اجتناب کیا جائے۔ ❀

تنبیہ: نیک ارادے سے اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ جو کوئی اللہ کی کتاب کے اتنے پارے یا رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں سے اتنی احادیث حفظ کر لے یا اتنے مسائل میراث یا حساب کے حل کر لے تو اسے اتنے روپے یا فلاں سامان انعام میں دیا جائے گا جس سے اس کا مقصد اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ کے حفظ کی ترغیب اور مسائل علم سے آگہی و دریافت تھی تو شرعاً یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مقابلے میں حصہ لینے والا جو شخص فائز و کامیاب قرار دیا گیا، اس کے لیے انعام لینا اور نہ لینا دونوں طرح جائز ہے، البتہ مقرر کرنے والا حسب وعدہ انعام اس کے سپرد کر دے۔

باب:3

بیع وتجارت کا بیان

بیع کا حکم، حکمت اور اجزاء

❀ **بیع وتجارت کا حکم**: کتاب عزیز سے بیع (خرید و فروخت) کا مشروع ہونا ثابت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ ''اللہ نے ''بیع'' کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔''[1]

اسی طرح سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی قولاً و عملاً ''بیع'' کی مشروعیت ثابت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے خرید و فروخت کی ہے۔اور فرمایا: «لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِّبَادٍ» ''شہری دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے۔''[2]

نیز فرمایا: «اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا»

''خرید و فروخت کرنے والے دونوں کو جب تک جدا نہ ہوں (سودا منسوخ کرنے کا) اختیار ہے۔''[3]

❀ **بیع وتجارت کی حکمت**: بیع کی مشروعیت میں یہ حکمت مدنظر ہے کہ انسانوں کی ضروریاتِ زندگی کسی کو نقصان پہنچائے بغیر پوری ہوتی رہیں۔

❀ نرد اور شطرنج کی ممانعت تو احادیث سے ثابت ہے۔(صحیح مسلم، الشعر، باب تحریم اللعب بالنرد شیر، حدیث:2260، وسنن أبي داود، الأدب، باب في النهي عن اللعب بالنرد، حدیث:4939,4938) تاہم دوسرے کھیل جن کا تذکرہ فاضل مصنف نے مذکورہ سطور میں کیا ہے، ان میں اگر جوا بازی کا عنصر شامل ہوگا یا نماز یا دیگر فرائض سے ادائیگی میں مانع ہوں گے تو یقیناً یہ بھی ناجائز قرار پائیں گے، بصورت دیگر بطور لغویات کے ان سے اعراض مستحب ہوگا لیکن بالکل حرام و ناجائز کہنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہوگی۔(حافظ صلاح الدین یوسف) 1 البقرة 2:275. 2 صحیح البخاري، البیوع، باب النهي للبائع أن لا یحفل الإبل......، حدیث: 2150، وصحیح مسلم، النکاح، باب تحریم الخطبة علی خطبة......، حدیث: 1413. 3 صحیح البخاري، البیوع، باب: البیعان بالخیار مالم یتفرقا، حدیث: 2110، وصحیح مسلم، البیوع، باب الصدق في البیع والبیان، حدیث: 1532.

* **بیع وتجارت کے ارکان:** ① بائع:(بیچنے والا)اس کے لیے لازم ہے کہ جو چیز بیچ رہا ہے یہ اس کا مالک ہو، یا اسے اس کے بیچنے کی اجازت حاصل ہو، نیز معاملہ فہم ہو، کم عقل نہ ہو۔

② مشتری: (خریدنے والا)خریدار کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ کم عقل اور نابالغ نہ ہو بلکہ عقد وتصرف کرنے کی استعداد رکھتا ہو۔

③ مبیع: جو چیز بیچی جارہی ہے اور جس کی قیمت طے ہورہی ہے وہ مباح اور پاک ہو "بیچنے والا" اس کی ادائیگی پر قادر ہو، وہ "خریدار" کے لیے معلوم ہو، چاہے اس کے اوصاف ہی سے معلوم کرے۔

④ الفاظ عقد: "ایجاب وقبول" مثلاً: ایک شخص کہے کہ مجھے فلاں چیز بیچ دے اور "بائع" کہے کہ میں نے (وہ چیز) تیرے پاس بیچ دی ہے۔ بعض اوقات کلام کے بغیر بالفعل بھی عقد ہو جاتا ہے جسے بیع بالتعاطی کہتے ہیں، مثلاً: مشتری بائع کو 100 دے اور بائع اسے وہ کپڑا دے دے اور زبان سے کچھ نہ بولیں۔

⑤ باہمی رضامندی: فریقین کی باہمی رضا کے بغیر کوئی بیع صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الْبَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ» "بیع رضامندی کی بنیاد پر ہی درست ہے۔"[1]

بیع میں جائز اور ناجائز شرائط * **صحیح اور جائز شرطیں:** "بیع" میں کسی صفت کی شرط لگانا درست ہے، اگر وہ صفت اس چیز میں پائی گئی تو بیع صحیح ہوگی ورنہ باطل، مثلاً: ایک شخص کتاب خریدتا ہے اور کہتا ہے میں تو صرف زرد کاغذ والی کتاب لوں گا یا مکان خریدتے وقت کہتا ہے کہ اس کے دروازے لوہے کے ہوں، وغیرہ۔ اسی طرح کسی خاص منفعت کی شرط بھی جائز ہے، مثلاً: جانور بیچنے والا کہتا ہے: میں فلاں جگہ تک اس پر سواری کروں گا، پھر آپ کے حوالے کردوں گا یا مکان فروخت کرنے والا شرط لگاتا ہے کہ ایک ماہ میں اس میں سکونت اختیار کروں گا، پھر خالی کروں گا یا کپڑے کا "خریدار" شرط لگاتا ہے کہ اسے سلا کر دے یا لکڑی خریدنے والا کہتا ہے اسے کاٹ کر دے وغیرہ، اس لیے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ پر سوار ہونے کی شرط لگائی تھی جس کو رسول اللہ ﷺ نے ان سے خریدا تھا۔[2]

* **غیر صحیح اور ناجائز شرطیں:** ① ایک "بیع" میں دو شرطیں لگانا، مثلاً: لکڑی خریدنے والا شرط لگائے کہ اسے کاٹ کر اور اٹھا کر فلاں جگہ پہنچا (تب خریدوں گا۔) اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَّبَيْعٌ، وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ»

"قرض اور بیع (کو ایک دوسرے سے منسلک کرنا، یعنی یہ کہنا: پہلے قرض دو، پھر سودا کروں گا) حلال نہیں اور نہ ہی

1 [صحيح] سنن ابن ماجه، التجارات، باب بيع الخيار، حديث: 2185، وصحيح ابن حبان: 340/11، حديث: 4967 اور بوصیری نے اسے صحیح کہا ہے۔ 2 صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب استئذان الرَّجل الإمام، حديث: 2967.

ایک بیع میں دو شرطیں (لگانا حلال ہے۔)“[1]

(2) ایسی شرط لگانا جس سے ”بیع“ کا مقصد فوت ہو جائے، مثلاً: جانور بیچنے والا کہے ”مشتری“ اسے آگے فروخت نہیں کر سکے گا یا زید کو ہبہ نہیں کرے گا یا عمر کو ہی ہبہ کرے گا یا یہ شرط لگاتا ہے کہ مجھے قرض دے یا فلاں چیز مجھے فروخت کر، تب میں یہ تجھے بیچتا ہوں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَّبَيْعٌ، وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ، وَلَا رِبْحُ مَالَمْ يُضْمَنْ، وَلَا بَيْعُ مَالَيْسَ عِنْدَكَ»

”قرض اور بیع اور ایک بیع میں دو شرطیں حلال نہیں اور نہ ہی اس چیز کا نفع درست ہے جس کے نقصان کی ذمہ داری اپنے اوپر نہ لی گئی ہو اور نہ ہی اس چیز کی بیع (حلال ہے) جو تیرے پاس نہیں ہے۔“[2]

(3) ایسی شرط لگانا جو باطل اور لغو ہو، پھر بھی بیع (از روئے شریعت) صحیح قرار پائے (ایسی شرط کا اعتبار نہیں کیا جائے گا)، مثلاً: بائع یہ شرط لگاتا ہے کہ اسے ”مشتری“ کو (سودا) بیچتے وقت خسارہ نہیں ہوگا یا غلام بیچنے والا کہے: اس کی ولاء میرے لیے ہے ❀ تو یہ دونوں شرطیں باطل ہیں، جبکہ ”بیع“ صحیح ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَّيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ»

”جو ایسی شرط لگائے جو اللہ کی کتاب میں نہیں، وہ باطل ہے، چاہے سو شرطیں ہوں۔“[3]

بیع خیار کا حکم بیع کے چند مسائل میں اختیار حاصل ہوتا ہے:

(1) ”بائع“ اور ”مشتری“ جب تک ”مجلس بیع“ میں ہیں اور جدا نہیں ہوئے دونوں کو اختیار حاصل ہے کہ بیع کو پختہ کریں یا فسخ (منسوخ) کر دیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا»

”خرید و فروخت کرنے والے دونوں کو جدا ہونے سے پہلے تک (سودا فسخ کرنے کا) اختیار ہے، اگر وہ سچ کہیں

❀ حالانکہ غلام کی ولاء اس خریدار کو ملتی ہے جو اسے خرید کر آزاد کرتا ہے۔ یاد رہے کہ ولاء ایک ایسا تعلق ہے جس کی بنیاد پر آزاد کردہ غلام کی میراث، اس کی وفات کے بعد اس کے دیگر وارثوں کے نہ ہونے کی صورت میں آزاد کرنے والے مالک کو ملتی ہے۔ (ع، ر)

1 [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، حديث: 3504، وجامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية......، حديث: 1234 وقال حسن صحيح. اسے امام ابن جارود، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 2 [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ماليس عنده، حديث: 3504، وجامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية......، حديث: 1234 وقال حسن صحيح، اسے امام ابن جارود، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 3 صحيح البخاري، البيوع، باب الشراء والبيع مع النساء، حديث: 2155، وصحيح مسلم، العتق، باب بيان أن الولاء لمن أعتق، حديث: 1504.

گے اور (نقوص وعیوب) بیان کریں گے تو ان کی ''بیع'' میں برکت ہوگی اور اگر چھپائیں گے اور جھوٹ بولیں گے تو ان کی ''بیع'' میں برکت ختم ہو جائے گی۔''[1]

(2) ''بائع'' یا ''مشتری'' میں سے کوئی ایک، اپنے لیے ایک مدت تک اختیار کی شرط عائد کر لیتا ہے تو مدت گزرنے تک دونوں اس کے پابند ہوں گے۔ مدت گزرنے کے بعد ''بیع'' پختہ ہو جائے گی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْمُسْلِمُونَ عَلٰی شُرُوطِهِمْ» ''مسلمان طے شدہ شرطوں کی پابندی کریں گے۔''[2]

(3) ایک شخص دوسرے کو ''بیع'' میں تہائی یا زیادہ کا دھوکا دیتا ہے، مثلاً: دس روپے کی چیز پندرہ یا بیس روپے میں فروخت کر دیتا ہے تو خریدار کو اختیار ہے، خواہ ''بیع'' فسخ کر دے، یا اسے نافذ رکھے۔ کسی شخص کو بیع کرتے وقت دھوکا ہو جاتا ہو تو اسے چاہیے کہ بیع کرتے وقت لَاخِلَابَةَ (کوئی دھوکا قبول نہیں) کہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو جسے خرید و فروخت میں عقل کمزور ہونے کی وجہ سے دھوکا ہو جاتا تھا، فرمایا:

«مَنْ بَايَعْتَ فَقُلْ: لَا خِلَابَةَ» ''جس سے تو خرید و فروخت کرے تو یہ شرط لگا کہ دھوکا نہیں ہوگا۔''[3]

(4) اگر ''بائع'' مبیع (سودے) کی خوبیاں ظاہر کرے اور اس کے نقائص کو چھپائے یا اس میں سے اچھی چیز دکھا دے اور جو خراب ہے اسے چھپا لے یا بکری کا دودھ روک کر بکری بیچے تو ایسی صورتوں میں ''مشتری'' کو سودا منسوخ یا نافذ و جاری رکھنے کا اختیار ❀ حاصل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَاتُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَّحْتَلِبَهَا، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعَ تَمْرٍ»

''اونٹ اور بکری کا دودھ نہ روکو، اگر کوئی اس (روکے ہوئے دودھ والے جانور) کو (اس کے بھرے بھرے تھن دیکھ کر) خرید لیتا ہے تو اسے دودھ دوہنے کے بعد اختیار ہے، چاہے تو اسے اپنے پاس رکھے اور چاہے تو بیچنے

❀ مسلم کی روایت میں ہے کہ یہ اختیار تین دن تک ہے باقی ایک صاع کھجور، دو یا تین دن دودھ دوہنے کا عوضانہ نہیں ہے بلکہ دودھ کے عوض تو اس نے چارہ بھی ڈالا ہوگا یہ ایک صاع کھجور از راہ احسان یا تالیف قلب ہے اور ضروری نہیں کہ یہ ایک صاع کھجور ہی ہو بلکہ ہر دور میں اپنے اپنے ملکی رواج کے مطابق ایک صاع کھجور کی قیمت کے برابر خوردنی غلہ یا نقد رقم بھی دی جا سکتی ہے۔ (تجارت اور لین دین کے مسائل واحکام: از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ)

[1] صحیح البخاري، البیوع، باب، البیعان بالخیار مالم یتفرقا، حدیث: 2110، وصحیح مسلم، البیوع، باب الصدق في البیع والبیان، حدیث: 1532. [2] [حسن] وعلقه البخاري، الإجارة، باب أجر السَّمسرة، قبل الحدیث: 2274، وسنن أبي دود، القضاء، باب في الصلح، حدیث: 3594. [3] اس لیے کہ اگر بعد میں کسی نقصان کا پتہ چلا تو ''بیع'' فسخ کر دے گا یا ادا شدہ زائد (رقم) اس کو واپس مل جائے گی۔ صحیح البخاري، البیوع، باب ما یکره من الخداع في البیع، حدیث: 2117، وصحیح مسلم، البیوع، باب من یخدع في البیع، حدیث: 1533 واللفظ له.

والے کو واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع (تقریباً دو کلو) کھجور بھی دے۔''[1]

⑤ مبیع (سودے) میں اگر عیب ہے جس سے اس کی قیمت کم بنتی ہے اور ''مشتری'' کو اس عیب کا علم نہیں تھا تو اسے ''بیع'' (سودا) نافذ (جاری) رکھنے یا فسخ کرنے کا اختیار ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ أَخِيهِ بَيْعًا فِيهِ عَيْبٌ إِلَّا بَيَّنَهُ لَهُ»

''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ عیب دار چیز اپنے بھائی کو فروخت کرے، الا یہ کہ اسے بتا دے۔''[2]

نیز فرمایا: «مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا» ''جس نے ہمیں دھوکا دیا، وہ ہم سے نہیں ہے۔''[3]

⑥ اگر ''بائع'' اور ''مشتری'' قیمت یا سامان کے اوصاف کے بارے میں اختلاف کریں تو ہر ایک قسم کھائے، پھر دونوں کو اختیار ہے کہ ''بیع'' نافذ رکھیں یا فسخ کریں، اس لیے کہ مروی ہے:

«إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ، وَلَا بَيِّنَةَ لِأَحَدِهِمَا تَحَالَفَا»

''بائع اور مشتری جب اختلاف کریں اور سامان موجود ہو اور گواہ کسی کے پاس نہ ہوں تو دونوں قسم کھائیں گے۔''[4]

ممنوع تجارتوں کی اقسام رسول اللہ ﷺ نے کئی قسم کی بیوع (سودوں) سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان میں یا تو فریب اور دھوکا ہوتا ہے جس سے لوگوں کا مال باطل ذریعے سے کھانا لازم آتا ہے یا خیانت ہوتی ہے جو مسلمانوں میں دشمنی، کینہ اور جھگڑے پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ چند ایک کی تفصیل یہ ہے:

① **قبضے میں لانے سے پہلے ہی فروخت کر دینا:** کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ سامان خرید کر اسے اپنے قبضے میں لینے سے پہلے فروخت کر دے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا اشْتَرَيْتَ بَيْعًا فَلَا تَبِعْهُ حَتَّى تَقْبِضَهُ» ''جب تو کسی چیز کو خریدے تو اسے قبضے میں لینے سے پہلے نہ بیچ۔''[5]

اور فرمایا: «مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ»

''جو طعام خریدتا ہے، اسے مکمل وصولی سے پہلے فروخت نہ کرے۔''[6]

1 صحيح البخاري، البيوع، باب النهي للبائع أن لايحفل......، حديث: 2148، وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على......، حديث: 1515. 2 [صحيح] سنن ابن ماجه، التجارات، باب من باع عيبا فليبينه، حديث: 2246.
3 صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: من غشنا فليس منا، حديث: 101، وسنن أبي داود، البيوع، باب في النهي عن الغش، حديث: 3452. 4 [ضعيف] السنن الكبرى للبيهقي: 333/5 وإسناده منقطع وله شاهد عند النسائي وغيره، التلخيص الحبير: 75/3، حديث: 1227. 5 [ضعيف] مسند أحمد: 402/3، اس کی سند رجال کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 6 صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الطعام قبل أن يقبض، حديث: 2136.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ''طعام کے علاوہ بھی ہر چیز کا یہی حکم ہے۔''[1]

(2) **ایک مسلمان کی بیع پر دوسرے مسلمان کی بیع:** ایک مسلمان نے ایک چیز پانچ روپے میں خریدی ہے، دوسرا اسے کہے تو یہ چیز واپس کر دے، میں تجھے یہ چیز چار روپے میں دیتا ہوں یا ''بائع'' کو کہے کہ یہ بیع فسخ کر دے، میں یہ چیز تجھ سے چھ روپے میں خریدتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ» ''تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے۔''[2]

(3) **بیع نجش:** جس میں ایک شخص خود سامان خریدنا نہیں چاہتا لیکن (اپنے آپ کو خریدار ظاہر کرتے ہوئے بائع کا طرف دار بن کر بولی کے دوران میں) قیمت بڑھاتا ہے تا کہ دوسرے لوگ (اصل قیمت سے) زیادہ قیمت دیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النَّجْشِ» ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع نجش سے منع کیا ہے۔''[3]

اسی طرح آپ نے فرمایا: «لَا تَنَاجَشُوا»

''بیع میں تناجش نہ کرو (بلا ارادۂ خرید ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی نہ دو)۔''[4]

(4) **حرام اور ناپاک چیزوں کی تجارت:** مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ حرام اور پلید چیز فروخت کرے اور اسی طرح وہ چیز جو حرام تک پہنچا دے، بیچنی بھی ناجائز ہے۔ اسی وجہ سے شراب، خنزیر، تصویر، مردار، اور بت فروخت کرنا جائز نہیں، اسی طرح اس شخص کے ہاتھ انگور فروخت کرنا جس سے وہ شراب بناتا ہے، جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ»

''بے شک اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی ''بیع'' حرام قرار دی ہے۔''[5]

اور فرمایا: «وَلَعَنَ الْمُصَوِّرَ» ''اللہ تعالیٰ نے تصویر بنانے والے پر لعنت کی ہے۔''[6]

(5) **جہالت والی بیع:** جس میں جہالت ہے، وہ ''بیع'' ناجائز ہے۔ اسی لیے پانی میں موجود مچھلی، بھیڑ کی پیٹھ پر اون، جانور کے پیٹ میں بچہ، تھن میں موجود دودھ، پکنے سے پہلے پھل، سخت ہونے سے پہلے دانہ اور حاضر سامان دیکھے

(1) صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الطعام قبل أن يقبض......، حديث: 2135. (2) صحيح البخاري، البيوع، باب النهي للبائع أن لا يحفل......، حديث: 2150، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم الخطبة على خطبة أخيه......، حديث: 1412. (3) صحيح البخاري، البيوع، باب النجش......، حديث: 2142، وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه......، حديث: 1516. (4) صحيح البخاري، البيوع، باب لا يبيع على بيع أخيه ......، حديث: 2150,2140، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم الخطبة على خطبة أخيه......، حديث: 1413. (5) صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، حديث: 2236، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر......، حديث: 1581. (6) صحيح البخاري، البيوع، باب موكل الربا......، حديث: 2086.

اور الٹے پلٹے بغیر نہیں بیچنا چاہیے اور اسی طرح غائب سامان کی صفت، نوعیت اور مقدار معین کا معلوم ہونا جواز بیع کے لیے ضروری ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا تَشْتَرُوا السَّمَكَ فِي الْمَاءِ، فَإِنَّهُ غَرَرٌ»

''پانی میں موجود مچھلی نہ خریدو کیونکہ اس میں جہالت ہے۔''[1] ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

«نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ تُبَاعَ ثَمَرَةٌ حَتّٰى يُطْعَمَ، أَوْصُوفٌ عَلٰى ظَهْرٍ، أَوْلَبَنٌ فِي ضَرْعٍ أَوْ سَمَنٌ فِي لَبَنٍ»

''کھانے کے قابل ہونے سے پہلے پھل بیچنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اسی طرح پیٹھ پر اون، تھن میں دودھ یا دودھ میں گھی کی بیع (بھی ممنوع ہے۔'')[2] نیز انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتّٰى تُزْهِيَ، قَالُوا: وَمَا تُزْهِيَ؟ قَالَ: تَحْمَرُّ»

''رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کے پکنے سے پہلے ان کی بیع سے منع فرمایا (صحابہ نے) پوچھا: پکنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''اس کا سرخ ہونا (اور زرد ہونا)۔''[3]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ»

''رسول اللہ ﷺ نے بیع ملامسہ اور منابذہ سے منع کیا ہے۔''[4]

''ملامسہ'' یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے کپڑے کو ہاتھ لگا دے، اسے الٹ پلٹ کر نہ دیکھے (اور سودا پکا ہو جائے) اور ''منابذہ'' یہ ہے کہ ایک شخص اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینکتا ہے اور دوسرا اس کی طرف، اور یہی ان کے مابین بیع قرار پائے، جبکہ دونوں صورتوں میں چیز کو غور سے نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی پوری جانچ پڑتال کی گئی ہے۔

(6) **ایک بیع میں دو بیع:** مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ ایک ''بیع'' میں دو بیع (دوہرا سودا) کرے بلکہ ہر سودا الگ الگ ہونا چاہیے، اس لیے کہ اس میں ابہام ہوتا ہے، جو ایذا کا سبب بنتا ہے اور پھر اس میں دوسرے کا ناحق مال کھایا جاتا ہے۔ ایک سودے میں دو سودوں کی کئی صورتیں بن سکتی ہیں، مثلاً:

* ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ یہ چیز نقد میں لے تو دس روپے میں اور اگر ادھار لے تو پندرہ روپے میں اور پھر اسی پر بات ختم ہو جائے اور یہ تعین نہ کیا جائے کہ کون سی ''بیع'' پختہ ہوئی ہے، نقد یا ادھار پر۔

1 [ضعیف] مسند أحمد: 388/1، اس کی سند انقطاع اور یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں ہے۔

2 سنن الدارقطني، البيوع: 14,13/3، حديث: 2813. 3 صحيح البخاري، البيوع، باب بيع المخاضرة، حديث: 2208، و صحيح مسلم، المساقاة، باب وضع الجوائح، حديث: 1555. 4 صحيح البخاري، اللباس، باب اشتمال الصماء، حديث: 5819، وصحيح مسلم، البيوع، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة، حديث: 1511.

✤ ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ میں تجھے یہ مکان فروخت کرتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تو مجھے فلاں فلاں چیز فروخت کرے۔

✤ ایک دینار کے عوض دو مختلف چیزوں میں سے ایک فروخت کرتا ہے، جبکہ اس کا تعین نہ کیا جائے کہ ''مشتری'' نے ان میں سے کون سی چیز خریدی ہے، اس لیے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ»

''آپ نے ایک ''بیع'' میں دو بیوع (ڈبل سودے) سے منع کیا ہے۔''[1]

(7) **بیع العربون:** کسی بھی حال میں مسلمان کے لیے عربون والی بیع کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع عربون سے منع فرمایا ہے۔[2] امام مالک رحمہ اللہ نے ''بیع العربون'' کی توضیح میں لکھا ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خریدتا ہے یا جانور کرایہ پر لیتا ہے اور ایک دینار پیشگی دے کر کہتا ہے کہ اگر میں نے بقیہ رقم ادا کر کے سامان نہ لیا یا جانور کرایہ پر حاصل نہ کیا تو یہ دینار تیرا ہو جائے گا۔❀

(8) **جو ملکیت میں نہیں ان چیزوں کی بیع:** مسلمان کے لیے وہی چیز بیچنا جائز ہے جو اس کے پاس ہے، اس کی ملکیت میں ہے، کسی چیز کی عدم موجودگی اور ملکیت میں آنے سے پہلے فروخت کرنے میں دونوں کو تکلیف دہ صورت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، یعنی جب وہ چیز دستیاب نہ ہو سکے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ» ''وہ چیز نہ بیچ جو تیرے پاس نہیں ہے، (تیری ملکیت نہیں ہے)۔''[3]

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: «نَهٰى عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ فَهُوَ الطَّعَامُ أَنْ يُبَاعَ حَتّٰى يُقْبَضَ»

''نبی ﷺ نے قبضہ میں لینے سے پہلے طعام (کھانے پینے کی چیزوں) کی ''بیع'' سے منع کیا ہے۔''[4]

❀ بیع العربون کی تعریف یہ کی گئی ہے: مایدفعه المشتري للبائع على أنه إن أخذ السلعة احتسب به من الثمن و إن لم يأخذها كان للبائع ''وہ رقم جو مشتری بائع کو اس شرط پر دیتا ہے کہ اگر اس نے مبیعہ (فروخت شدہ چیز) لے لی تو یہ رقم اس کی قیمت میں حساب ہوگئی اور اگر مبیعہ نہیں لیا تو ادا شدہ رقم بائع کی ہوگی۔ معجم لغة الفقهاء (ع،و)

(1) [صحيح] مسند أحمد: 175,174/2، وجامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة، حديث: 1231. 2 [حسن] الموطأ للإمام مالك، البيوع، باب ماجاء في بيع العربان، حديث: 1330، وسنن ابي داود، البيوع، باب في العربان، حديث: 3502 وغيرهما. 3 [حسن] سنن أبي داود البيوع، باب في الرجل يبيع ماليس عنده، حديث: 3503، وجامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية...... حديث: 1232، وسنن النسائي، البيوع، باب بيع ماليس عند البائع، حديث: 4617، وسنن ابن ماجه، التجارات، باب النهي عن بيع ماليس...... حديث: 2187. اسے امام ترمذی نے حسن اور ابن حزم نے صحیح کہا ہے۔ 4 صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الطعام قبل أن يقبض... حديث: 2135.

(9) **قرض کے بدلے قرض کی بیع:** مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ ایسی ''بیع'' کرے جس میں ''سامان'' اور اس کی قیمت دونوں ادھار ہوں کیونکہ یہ معدوم چیز کی ''بیع'' معدوم کے ساتھ ہے اور اسلام اسے ناجائز قرار دیتا ہے، اس کی ایک مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے ایک کلو ''گندم'' ادھار لینی ہے اور لینے سے پہلے ہی اس ''گندم'' کو کسی دوسرے آدمی کے پاس ایک سو روپے میں ادھار پر فروخت کر دے۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ مثلاً: ایک شخص نے ایک آدمی سے بکری لینی ہے اور ادائیگی کا وقت آنے پر وہ بکری نہیں دے سکا تو کہتا ہے وہی بکری ادھار پر مجھے فروخت کر دے۔ یہ ادھار چیز کو ادھار پر بیچنا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْكَالِىءِ بِالْكَالِىءِ»

''بے شک نبی ﷺ نے قرض کے ساتھ قرض کی بیع کو ممنوع قرار دیا ہے۔''[1]

(10) **بیع العینہ:** کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ایک چیز ادھار پر بیچ کر، پھر ''مشتری'' سے نقدی میں کم قیمت پر خرید لے، مثلاً: گاڑی دس لاکھ روپے میں ادھار بیچ کر مشتری سے سات لاکھ روپے نقد میں خرید لے، یہ ادھار والا سودا سود ہے، جو اللہ کی کتاب، سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت کی رو سے حرام ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا يَعْنِي ضَنَّ النَّاسُ بِالدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَتَبَايَعُوا بِالْعِينِ وَاتَّبَعُوا أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَتَرَكُوا الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهِمْ بَلَاءً فَلَمْ يَرْفَعْهُ عَنْهُمْ حَتّٰى يُرَاجِعُوا دِينَهُمْ»

''جب لوگ دینار و درہم کے معاملہ میں کنجوس ہو جائیں گے، ''بیع عینہ'' کرنے لگ جائیں گے، بیلوں کی دموں کے پیچھے لگ جائیں گے اور جہاد چھوڑ دیں گے تو اللہ ان پر مصیبتیں ڈال دے گا اور اس وقت تک انھیں دور نہیں کرے گا، جب تک کہ وہ اپنے دین میں واپس نہ آ جائیں۔''[2]

ایک عورت نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں نے ایک غلام، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس آٹھ سو درہم میں ادھار پر فروخت کر دیا اور چھ سو درہم نقد میں خرید لیا ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''تیری یہ خرید و فروخت بہت بری ہے، جبکہ زید رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کیا ہوا جہاد باطل ہے، الّا یہ کہ وہ توبہ کرے۔''[3]

(11) **شہری کا صحرا سے آنے والے کے سامان کو فروخت کرنا:** صحرا (بادیہ)، یعنی شہر سے دور کسی بادیہ میں رہنے

---

1 [ضعیف] المستدرك للحاكم: 57/2. اس کی سند موسیٰ بن عبیدہ کی وجہ سے ضعیف ہے جس روایت میں موسیٰ بن عقبہ کا ذکر ہے وہ وہم ہے صحیح موسیٰ بن عبیدہ ہی ہے۔ سنن الدارقطني: 71/3، حديث:3041. 2 [ضعیف] مسند أحمد: 28/2، وسنن أبي داود، البيوع، باب في النهي عن العينة، حديث:3462. بسند آخر. یہ روایت ضعیف ہے۔ 3 [ضعیف] سنن الدارقطني: 51/3، حديث:2983.

والا بازار میں سامان لائے تو شہری کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے لیے فروخت کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِّبَادٍ، دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ»

''شہری صحرائی کے لیے نہ بیچے، لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ ان کو ایک دوسرے کے ذریعے سے روزی دیتا ہے۔''[1]

⑫ **تجارتی قافلوں کے منڈی پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں ان سے مال خرید لینا:** جب ایک شخص سنتا ہے کہ ایک قافلہ سامان لے کر شہر آ رہا ہے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ قافلے والوں سے راستے میں مل کر شہر سے باہر ہی وہ سامان ان سے خرید لے، پھر شہر میں لا کر اپنی مرضی کے مطابق بیچے، اس لیے کہ اس میں قافلے کے تاجروں کو نقصان اور گھاٹے کا اندیشہ ہے اور ساتھ ہی شہر کے تاجروں اور صارفین کا بھی نقصان ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِّبَادٍ»

''تجارتی قافلے کو (مارکیٹ سے باہر) نہ ملو اور کوئی شہری دیہاتی (صحرائی) کے لیے (کوئی مال) فروخت نہ کرے۔''[2]

⑬ **دودھ روکے ہوئے جانوروں کی تجارت:** کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ بکری، گائے یا اونٹنی کا دودھ چند دن تک ان کے تھنوں میں اس مقصد کے لیے روکے رکھے کہ وہ دودھ سے بھرے ہوئے معلوم ہوں اور خریدار ان کی زیادہ قیمت دے، اس لیے کہ یہ دھوکا دہی کا ایک انداز ہے (کیونکہ وہ اسے زیادہ دودھ والی سمجھے گا، حالانکہ درحقیقت وہ ایسی نہیں ہوگی) اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا، فَإِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا، إِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ»

''اونٹنی اور بکری کا دودھ نہ روکو، اگر کوئی ایسا جانور خرید لیتا ہے تو دودھ دوہنے کے بعد اسے اختیار ہے کہ اپنے پاس رکھے اور اگر چاہے تو واپس کر دے اور ایک صاع کھجور (یا غلہ) بھی اس کے ساتھ دے۔''[3]

⑭ **جمعۃ المبارک کی دوسری اذان کے بعد تجارت کرنا:** مسلمان جمعے کی اذان (اذان محمدی جس کے بعد امام منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ دیتا ہے) کے بعد خرید و فروخت نہیں کر سکتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ

(1) صحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الحاضر للبادي، حديث: 1522. 2 صحيح البخاري، البيوع، باب هل يبيع حاضر......، حديث: 2158، وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الحاضر للبادي، حديث: 1521. 3 صحيح البخاري، البيوع، باب النهي للبائع أن لايحفل الإبل......، حديث: 2148، وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع......، حديث: 1515 واللفظ له.

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کے لیے جلدی کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔'' [1]

﴿15﴾ **درختوں پر پھلوں یا کھڑی فصل کی تجارت:** کوئی شخص بیل پر لگے انگوروں کے وزن کا اندازہ کر کے انھیں کشمش (کی معین مقدار) کے عوض فروخت نہیں کر سکتا اور نہ ہی کھڑے کھیت کی متوقع آمدن کا اندازہ لگا کر اسے متعین کردہ غلے کے عوض فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی درخت پر لگی کھجور کو اتری ہوئی خشک کھجور کے عوض اندازے سے فروخت کر سکتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُزَابَنَةِ: أَنْ يَّبِيعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ، إِنْ كَانَ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا، وَإِنْ كَانَ كَرْمًا أَنْ يَّبِيعَهُ بِزَبِيبٍ كَيْلًا، وَإِنْ كَانَ زَرْعًا أَنْ يَّبِيعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ، وَنَهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ»

''رسول اللہ ﷺ نے ''مزابنہ'' یعنی باغ کا پھل فروخت کرنا، اگر کھجور ہے تو (اتری ہوئی) خشک کھجور کے ماپ کے حساب سے، اگر انگور ہے تو کشمش کے ماپ کے حساب سے اور اگر کھیت ہے تو غلے کے وزن کے حساب سے، آپ نے ان تمام صورتوں سے منع کیا ہے۔'' [2]

البتہ اس میں سے ایک صورت مستثنیٰ ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے رخصت دی ہے کہ ایک شخص نے کسی کو اپنے باغ میں سے کھجور کا ایک یا زیادہ درخت ہبہ کر دیے ان کی متوقع آمدنی پانچ وسق (تقریباً چھ سو 30 کلو) خشک کھجور سے زائد نہیں ہے، اب جسے درخت ہبہ کیے گئے ہیں وہ ان سے تازہ کھجور حاصل کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً آتا ہے، اس کے بار بار آنے سے ہبہ کرنے والے کے لیے کسی قسم کی تنگی پیدا ہوتی ہے، چنانچہ وہ اس تنگی سے بچنے کے لیے اس آدمی کو اس بات پر آمادہ کر لیتا ہے کہ وہ ہبہ شدہ درختوں کی متوقع آمدن کا اندازہ لگا کر اس کے برابر اتری ہوئی خشک کھجور لے لے تو یہ ''بیع عریہ'' ہے اور جائز ہے۔ [3]

﴿16﴾ **بیع استثنا:** مسلمان اس انداز کی ''بیع'' بھی نہیں کر سکتے کہ ایک چیز بیچ دیں اور اس میں سے کچھ مجہول چیز مستثنیٰ کر لیں۔ ہاں، اگر مستثنیٰ کی ہوئی چیز معلوم و متعین ہو تو استثنا جائز ہے، مثلاً: ایک شخص باغ فروخت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس باغ میں سے ایک یا دو درخت مستثنیٰ کرتا ہوں، یعنی انھیں چھوڑ کر باقی درخت فروخت کرتا ہوں، اب اگر مستثنیٰ کیے ہوئے درخت متعین ہوں تو بیع صحیح ہے ورنہ نہیں، اس لیے کہ اس میں جہالت ہے جو کہ جائز نہیں اور جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالثُّنْيَا إِلَّا أَنْ تُعْلَمَ»

1 الجمعة 62:9. 2 صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الزرع بالطعام كيلا، حديث: 2205. 3 صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الثمر على رؤوس النخل ...... حديث: 2191,2190، و باب تفسير العرايا، حديث: 2192.

''رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور استثنا سے منع کیا ہے، الا یہ کہ معلوم ہو۔''[1]

پھل دار درختوں کی بیع ایک شخص کھجور یا کوئی اور درخت فروخت کرے اور کھجور کی تابیر* ہو چکی ہے اور درخت کا پھل ظاہر بھی ہو گیا ہے تو اس سال کا پھل ''بائع'' کے لیے ہے، الا یہ کہ ''مشتری'' بیع میں شرط لگا لے کہ پھل وہی لے گا اور اگر ''تابیر'' نہیں ہوئی اور پھل بھی ظاہر نہیں ہوا تو پھل ''مشتری'' کا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ»

''جو شخص کھجور کا درخت فروخت کرتا ہے اور اس کی تابیر ہو چکی ہے تو پھل ''بائع'' کا ہے، الا یہ کہ ''مشتری'' شرط کرے۔''[2]

سودی کاروبار اور تبادلۂ نقدیات کا بیان ✽ **تعریف سود:** چند مخصوص اموال میں زیادتی کا نام سود ہے، اس کی دو انواع ہیں۔ ایک ''سود زیادت'' دوسرا ''سودِ ادھار'' سود زیادت: اصول ربویات ⊙ میں سے ایک جنس کا تبادلہ اسی جنس کے ساتھ کمی بیشی میں کرنا، مثلاً: ایک من گندم کی بیع سوا من گندم کے ساتھ یا ایک صاع کھجور کی بیع ڈیڑھ صاع کھجور کے ساتھ یا ایک اوقیہ چاندی کی بیع ایک اوقیہ اور ایک درہم چاندی کے ساتھ وغیرہ (اس سود کو ربا الفضل کہا جاتا ہے۔)

سود ادھار: اس کی دو قسمیں ہیں جاہلی دور کا سود جس کی تحریم درج ذیل آیت مبارکہ میں نازل ہوئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ''اے ایمان والو! کئی گنا کر کے سود نہ کھاؤ۔''[3]

جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص میعادی ادھار لے لیتا تھا، جب ادائیگی کی میعاد ختم ہو جاتی تو قرض خواہ مقروض سے کہتا کہ رقم ادا کرو ورنہ مزید میعاد کے عوض رقم میں اضافہ کرتا ہوں۔ اگر مقروض اس وقت بھی ادا نہ کرتا تو ایک مدت کے لیے مزید مہلت دے کر مال اس پر بڑھا دیتا اور اسی طرح کرتا رہتا، یہاں تک کہ کچھ مدت بعد وہ رقم کئی گنا اس پر قرض قرار پاتی۔

جاہلی دور کے سود میں ایک صورت یہ بھی تھی کہ کوئی شخص ایک مدت کے لیے دس دینار دیتا اور کہتا میں پندرہ دینار

* نر کھجور کا بور مادہ کے سپے میں ڈالنا تابیر کہلاتا ہے۔ (الاثری) ⊙ اصول ربویات چھ ہیں: سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (الاثری) یعنی یہ چھ سودی اجناس ہیں، ان کے علاوہ ہر اس جنس پر بھی سود کے احکام نافذ ہوں گے جو ①خوراک کا کام دیتی ہو۔ ②ماپی یا وزن کی جا سکتی ہو۔ ③یا نقدین (سونا چاندی) کے حکم میں ہو۔ واللہ اعلم دیکھیے: تعليق الألباني على الروضة: 394/2، والاختيارات لابن تيمية رحمه الله (ع، و)

[1] [صحيح] جامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في النهي عن الثنيا، حديث: 1290، وسنن أبي داود، البيوع، باب في المخابرة، حديث: 3405,3404، وسنن النسائي، البيوع، باب النهي عن بيع الثنيا حتى تعلم، حديث: 4637. [2] صحيح البخاري، البيوع، باب من باع نخلا قد أبرت......، حديث: 2204. [3] آل عمرٰن 3:130.

وصول کروں گا۔ «رِبَاالنَّسِیئَةِ»یعنی سود ادھار کی دوسری صورت یہ ہے کہ ’’اصول ربویات‘‘میں سے کوئی چیز اپنی جنس کے ساتھ ادھار پر فروخت کرے، مثلاً: سونا، سونے کے ساتھ ادھار پر یا چاندی چاندی کے ساتھ، کھجور، کھجور کے ساتھ اور گندم گندم کے ساتھ، چاہے دونوں برابر ہوں مگر ایک طرف سے ادھار ہو تو یہ ’’سودِ ادھار‘‘ ہے۔ ❀

سود کا حکم سود کی ہمہ اقسام حرام ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ’’اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔‘‘[1] نیز فرمان الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ’’اے ایمان والو! کئی گنا کر کے سود نہ کھاؤ۔‘‘[2]

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ»

’’رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، گواہوں اور لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔‘‘[3]

اور فرمایا: «دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ، أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَّثَلَاثِينَ زَنْيَةً»

’’سود کا ایک درہم جو مرد جان بوجھ کر کھالے، وہ چھتیس بار زنا سے زیادہ (بھاری) ہے۔‘‘[4] نیز ارشاد فرمایا:

«اَلرِّبَا ثَلَاثَةٌ وَّسَبْعُونَ بَابًا، أَيْسَرُهَا مِثْلُ أَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ، وَإِنَّ أَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ»

’’سود کے تہتر درجے ہیں، ان کا معمولی یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے نکاح (زنا) کرے اور سب سے بڑا سود مسلمان کی عزت تباہ کرنا ہے۔‘‘[5]

مزید فرمایا: «اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ» ’’سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔‘‘

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: «اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ»

’’اللہ کے ساتھ شرک، جادو، ایسی جان کو قتل کرنا جسے (بے عزت کرنا، لوٹنا یا قتل کرنا) اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر

❀ ایک ہی جنس (مثلاً: آٹے کے بدلے آٹے) کا تبادلہ جبکہ ایک طرف ادھار ہو، اگر بیع کے طور پر ہے تو یہ ممنوع ہے اور اگر قرض حسنہ کے طور پر ہے تو پھر مستحب ہے کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ سے اسی طرح ثابت ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ بیع میں دوسرے پر احسان کرنے کی بجائے اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے جبکہ قرض حسنہ میں قرض لینے والا محض ضرورت کی بنا پر قرض لیتا ہے اور دینے والا از راہ ہمدردی (سود کے بغیر) قرض دیتا ہے۔ واللہ اعلم (محمد عبدالجبار)

1 البقرة2:275. 2 آل عمرٰن3:130. 3 صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، حديث:1598. 4 [ضعيف] مسند أحمد:5/225. اس کی سند میں جریر بن حازم مدلس ہے اور اس کے تمام شواہد ضعیف ہیں۔ 5 [ضعيف] المستدرك للحاكم: 2/37، حديث:2259، وسنن ابن ماجه، التجارات، باب التغليظ في الربا، حديث:2275,2274.

حق کے ساتھ اور سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے دن بھاگ جانا اور پاک دامن، مومن، غافل عورتوں پر زنا کا الزام لگانا۔"[1]

❁ **سود کی حرمت کی حکمت:** شرعی احکام میں بندے کا امتحان مقصود ہے کہ وہ شریعت کے مطابق کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی پابندی قبول کرتا ہے یا نہیں، اس کے ساتھ ساتھ سود کی حرمت میں مزید حکمتیں بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(1) مسلمان کے مال کی حفاظت مقصود ہے کہ کوئی اسے باطل طریقے سے نہ کھا سکے۔

(2) مال کمانے میں مسلمان کو اچھی کمائی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جس میں حیلہ اور دھوکا نہ ہو اور مسلمانوں میں باہمی مخالفت و بغض نہ بڑھنے پائے، مثلاً: زراعت، صنعت اور صاف ستھری تجارت۔

(3) ان تمام راستوں کو بند کیا گیا ہے جن کے ذریعے سے مسلمان بھائیوں میں مخالفت و عناد اور بغض و کراہت پیدا ہو۔

(4) مسلمان کو ان تمام کاموں سے بچانا مقصود ہے جو اس کی ہلاکت و بربادی کا باعث بنیں، اس لیے کہ سود کھانے والا باغی اور ظالم ہے اور بغاوت وظلم کا نتیجہ تباہی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَى أَنفُسِكُم﴾ "اے لوگو! تمھاری سرکشی کا وبال تمھاری جانوں پر ہے۔"[2]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اِتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَ هُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ»

"ظلم سے بچو، ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا باعث ہوگا اور کنجوسی سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے (یعنی) ان کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے خون بہائیں اور محرمات کو حلال جانیں۔"[3]

(5) مسلمان کے سامنے نیکی کے راستے کھولنا تاکہ اسے آخرت کے لیے ذخیرہ بنائے اور اپنے بھائی کو بے غرض ہو کر قرض دے، اور اگر تنگ دست ہے تو مہلت دے، آسانی مہیا کرے اور اللہ کی رضا کے لیے اس پر رحم کرے۔ اس طرح مسلمانوں میں باہمی محبت و مودت عام ہوگی اور اخوت و خلوص کا پرچار ہوگا۔

❁ **سود کے احکام:** اصول ربویات: جن چیزوں میں سود وقوع پذیر ہوتا ہے وہ بنیادی طور پر چھ ہیں۔ سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ

1 صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ...﴾، حديث: 2766، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 89. 2 يونس 10:23. 3 صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: 2578.

بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»

''سونا سونے کے ساتھ، چاندی چاندی کے ساتھ، گندم گندم کے ساتھ، جو جو کے ساتھ، کھجور کھجور کے ساتھ اور نمک نمک کے ساتھ تبادلہ میں نقد و نقد اور برابر ہونے چاہئیں اور اگر یہ اجناس مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو، بیع کرو، بشرطیکہ اس ہاتھ دو اور اس ہاتھ لو والا معاملہ ہو۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور ائمۂ کرام رحمہم اللہ نے ان چھ چیزوں پر ان اشیاء کو بھی قیاس کیا ہے جو ان کے ساتھ معنی اور علت میں یکساں ہیں، یعنی ماپی جانے والی اور وزن کی جانے والی، کھائی جانے والی اور ذخیرہ رکھی جانے والی چیزیں، مثلاً: غلہ کی ہمہ اقسام، تیل کی ہمہ اقسام، شہد اور گوشت وغیرہ۔

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو اشیاء پیمانے سے ماپی جاتی ہیں یا انھیں تولا جاتا ہے، جن کا تعلق کھانے پینے سے ہے ان میں سود ہوتا ہے۔[2]

تمام ربویات (جن میں سود ممکن ہے) میں تین وجوہات کی بنا پر سود ہوتا ہے (1) جنس کو جنس کے ساتھ کم و بیش کر کے فروخت کیا جائے، جیسا کہ سونا سونے کے ساتھ تبادلے میں اور گندم گندم کے ساتھ اور کھجور کھجور کے ساتھ کم و بیش کی صورت میں۔ امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برنی کھجور لائے تو آپ نے فرمایا: ''بلال! یہ کھجور کہاں سے لائے ہو؟'' بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ہمارے پاس ردی کھجور تھی، اس کے دو صاع دے کر ایک صاع لایا ہوں تاکہ آپ اسے کھائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوَّهْ! عَيْنُ الرِّبَا، عَيْنُ الرِّبَا، لَا تَفْعَلْ، وَلٰكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ»

''اوہو! اوہو! یہ تو عین سود ہے، یہ تو عین سود ہے، ایسے نہ کر، اگر تیرا ارادہ اچھی کھجور خریدنے کا ہو تو گھٹیا بیچ دے اور پھر (اس قیمت سے) اچھی کھجور الگ خرید لے۔''❀

[1] صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، حديث: 1587. [2] السنن الكبرى للبيهقي: 286/5.

❀ صحيح البخاري، الوكالة، باب: إذا باع الوكيل شيئا فاسدا.....، حديث: 2312، وصحيح مسلم، المساقاة، باب بيع الطعام مثلا بمثل، حديث: 1594. یہاں چند امور قابل غور ہیں:

● اگر ایک ہی جنس کے لین دین میں ادھار اور کمی بیشی دونوں باتوں کو جائز قرار دیا جائے تو لین دین کی بیسیوں شکلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اور ان سب میں کسی نہ کسی طرح سود کا عنصر شامل ہوگا، لہٰذا آپ نے ایک نہایت جامع قسم کا ارشاد فرمایا اس میں سواء بسواء کے الفاظ ربا الفضل کی نہی کے لیے ہیں اور یدا بید کے الفاظ ربا النسیئہ کی نہی کے لیے آئے ہیں۔ (''تجارت اور لین ◄◄

(2) دو مختلف چیزوں کی ''بیع'': مثلاً: سونا چاندی کے ساتھ اور گندم کھجور کے ساتھ، جبکہ ایک حاضر اور دوسری ادھار ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ»

''ان میں سے غائب کو حاضر کے بدلے نہ بیچو۔''[1] اور فرمایا: «اَلْوَرِقُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ»

''چاندی سونے کے عوض فروخت کرنا سود ہے مگر یہ کہ لین دین اسی وقت ہو۔''[2]

(3) ایک چیز کا تبادلہ اپنی جنس کے ساتھ ہے اور مقدار میں دونوں برابر ہیں مگر ان میں سے ایک حاضر اور دوسری ادھار ہے، مثلاً: سونے کی بیع سونے کے ساتھ برابر ہے یا کھجور کی بیع کھجور کے ساتھ برابر برابر ہے۔ مگر ایک کا سونا یا کھجور ادھار ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «اَلْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ»

''گندم گندم کے ساتھ سود ہے مگر یہ کہ لین دین اسی وقت ہو جائے۔''[3]

نقد ادائیگی اور اجناس کے مختلف ہونے کی صورت میں سود نہیں ہوتا یعنی ایک ایسی بیع جس میں قیمت اور جس کی قیمت لگائی گئی ہے دونوں مختلف اجناس ہیں تو اس میں سود نہیں ہے، الّا یہ کہ اس میں ادھار ہو۔ بنا بریں سونے کی بیع چاندی کے ساتھ کم وبیش جائز ہے، اسی طرح گندم کی بیع کھجور کے ساتھ اور نمک کی بیع جو کے ساتھ کم وبیش جائز ہے، جبکہ ان میں کوئی ایک ادھار نہ ہو۔❀ اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«إِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»

''جب ان (اشیاء) کی اجناس مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو بیچو، جبکہ لین دین دست بدست ہو جائے۔''[4]

» دین کے مسائل واحکام'' از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ)

❀ اگر ایک ہی جنس، مثلاً: کھجور کے تبادلے میں کمتر کھجور کے عوض اعلیٰ کھجور حاصل کرنا مقصود ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ردی کھجور بیچی جائے اور اس کی قیمت سے اعلیٰ کھجور خریدی جائے۔ یہی اصول دیگر سودی اجناس میں بھی چلے گا۔ واللہ اعلم (ع،ر)

❀ اور اگر دونوں طرف کی کھجور ہر لحاظ سے ایک ہی نوعیت اور معیار کی ہے تو پھر ان کے تبادلے کے لیے دو شرطیں ہیں: ① مقدار میں دونوں برابر ہوں۔ ② دونوں فریق موقع پر ہی ایک دوسرے سے کھجور وصول کریں تاکہ وہ شریعت کی مخالفت اور سود کے شائبوں سے بچ جائے واللہ اعلم۔ (عبدالسلام کیلانی)

❀ بعض ناسمجھ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اگر ادھار ہو بھی جائے تو کیا حرج ہے۔ حالانکہ سب سے بڑا حرج یہی ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی لازم آتی ہے۔ (ع،ر)

(1) صحيح البخاري،البيوع،باب بيع الفضة بالفضة، حديث: 2177، وصحيح مسلم، المساقاة،باب الربا، حديث: 1584. (2) صحيح مسلم،المساقاة،باب الصرف و بيع الذهب بالورق نقدا، حديث: 1586. 3 صحيح البخاري، البيوع، باب بيع التمر بالتمر،حديث: 2170، وصحيح مسلم، المساقاة،باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، حديث: 1586. 4 صحيح مسلم،المساقاة،باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، حديث: 1587.

اسی طرح ''مبیع''یعنی بیچی جانے والی چیز موجود ہو اور قیمت ادھار تو یہ جائز ہے،جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدا تھا اور قیمت ادھار تھی،اسی طرح قیمت حاضر ہو اور ''مبیع''یعنی جو چیز خریدنی ہو وہ ادھار ہو تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ ''بیع سلم'' کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ سَلَفَ فِي تَمْرٍ، فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ، إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ»

''جو شخص کھجوروں کی پیشگی خریداری کرتا ہے تو وہ معین ناپ اور مقررہ وزن میں ایک معین مدت تک کے لیے کرے۔''[1]

اس ''بیع سلم'' میں پوری رقم پیشگی ادا کر دی جاتی ہے اور جنس کی ادائیگی فصل پکنے پر ہوتی ہے لیکن مذکورہ شروط کے ساتھ۔[2]

سودی چیزوں کی اجناس کا بیان جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ سونا ایک جنس ہے اور چاندی الگ جنس۔ گندم الگ جنس ہے، جو الگ جنس اور کھجور کی تمام انواع ایک جنس ہیں،دالیں مختلف اجناس ہیں،مثلاً: لوبیا ایک جنس ہے،چنا اس سے الگ جنس اور چاول ایک اور جنس۔ اسی طرح مکئی جنس ہے اور تیل کی تمام اقسام ایک ہی جنس شمار ہوتی ہیں۔ اسی طرح شہد الگ جنس ہے اور گوشت کی کئی اجناس ہیں۔ اونٹ کا گوشت ایک جنس ہے تو گائے کا گوشت الگ جنس اور اسی طرح بھیڑ کا گوشت ایک جنس اور پرندوں کا گوشت ایک جنس اور اسی طرح مختلف مچھلیوں کا گوشت بھی ایک جنس کہلاتا ہے۔

کھانے کی جن چیزوں میں سود نہیں ہوتا پھلوں اور سبزیوں میں سود نہیں ہے،اس لیے کہ ان کا ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا اور پہلے زمانے میں ان کی مقدار کی دریافت کیل اور وزن کے ذریعے سے نہیں تھی، نیز یہ بنیادی طور پر غذا میں داخل نہیں ہیں،جس انداز میں دانے اور گوشت ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے صریح نصوص وارد ہیں۔

تنبیہات ✽ **سودی بینک:** اس دور میں اسلامی ممالک میں بھی بالعموم بنکوں میں سودی کاروبار کیا جاتا ہے،ان کے ساتھ غیر سودی لین دین بھی شدید ضرورت کے وقت تو جائز ہے، جبکہ عام حالات میں نہیں، جیسے کسی کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں تحویل رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بنا پر مخلص مسلمان بھائیوں پر لازم ہے کہ وہ جدید اسلامی بنکوں کا اجرا کریں جو سودی معاملات سے پاک ہوں۔

✽ **متوقع اسلامی بینکوں کی صورت:** ہم اس اسلامی بینک کی ایک مختصر تصویر پیش کرتے ہیں،وہ یہ کہ کسی شہر میں

1 صحيح البخاري، السلم،باب السلم في وزن معلوم،حديث:2240، وصحيح مسلم، المساقاة،باب السلم،حديث: 1604 واللفظ له. 2 اس بیع کا مفصل بیان آگے آ رہا ہے۔(ع،ر)

مسلمان بھائی باہم مل بیٹھیں اور ایک ادارہ قائم کریں جس کا نام خزانة الجماعة ہوسکتا ہے،ایک شخص کو محافظ مقرر کریں جو اس کے چلانے کی ذمہ داری قبول کر لے اور اس خزانے (بینک) کے مقاصد درج ذیل ہوں:

(1) امانتیں وصول کرنا،یعنی احباب کی رقموں کی مفت حفاظت۔

(2) مسلمان بھائیوں کے لیے قرضہ جات کا اجرا۔

(3) مشارکت،یعنی کاشتکاری،تجارت،تعمیر اور صنعت کے ان میدانوں میں سرمایہ لگانا جہاں ادارے کو منافع حاصل ہونے کی توقع ہو۔

(4) ایک شہر سے دوسرے شہر میں رقم منتقل کرنے کے مفت انتظامات،بشرطیکہ اس شہر میں اس بینک کی شاخ موجود ہو۔

(5) سال گزرنے پر خزانے (بینک) کے حسابات صاف کر لیے جائیں اور منافع حصہ داروں میں حصہ رسد کے مطابق بانٹ دیا جائے۔

✽ بیمہ پالیسی: اگر کچھ لوگ ایک مشترکہ سرمایہ (فنڈ) قائم کریں جس میں ماہانہ یا جس مدت پر اتفاق ہو جائے ایک مخصوص شرح سے رقم جمع کریں اور جس میں بنیادی غرض یہ ہو کہ اگر مشارکت کے کاروبار میں اتفاقیہ کوئی حادثہ ہو جائے،مثلاً: آگ لگنا،جہاز کا ڈوبنا،گاڑیوں کا ٹکرانا وغیرہ تو پالیسی میں شریک شخص اتنی رقم لے سکے جس سے وہ اپنا نقصان پورا کر لے (اگر اپنی جمع کردہ دولت سے زیادہ لے رہا ہے تو زائد حصہ قرض ہوگا جس کی ادائیگی اس کے ذمے ہوگی) البتہ اس میں درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

(1) حصہ داری میں اصل غرض اللہ کی رضا ہونی چاہیے تاکہ اس پر اسے اجر وثواب ملے۔

(2) مصیبت زدہ حصہ داروں کو ان کے حصے کے مطابق مساویانہ انداز پر رقوم دی جائیں گی،جس کا تعین اس پالیسی میں کر دیا جائے جس پر یہ متفق ہوئے تھے۔

(3) حصہ داروں کی جمع شدہ دولت کو تجارت میں مضاربت ❀ کی شکل میں تعمیرات اور صنعت کے اداروں میں منافع حاصل کرنے کے لیے لگانا جائز ہے اور اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

✽ صرف،یعنی سونا چاندی اور ان کے حکم میں شامل کرنسی کا باہمی تبادلہ: صرف کی تعریف: سونے چاندی کی باہم بیع،جیسے سونے کے دینار کی ''بیع'' چاندی کے درہم کے ساتھ کرنا ''صرف'' کہلاتی ہے جسے تبادلہ نقدیات کہہ سکتے ہیں۔

✽ نقدی (سونا چاندی) کے باہمی تبادلے کا حکم: یہ تبادلہ جائز ہے،اس لیے کہ یہ بھی ایک بیع ہی ہے جو کتاب و

❀ مضاربت کا بیان آگے آرہا ہے۔ (ع،ر)

سنت کی رو سے جائز اور مشروع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ﴾ ''اور اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے۔''[1] اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: «بِيعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْتُمْ»

''سونے کو چاندی کے ساتھ اور چاندی کو سونے کے ساتھ جس طرح چاہو فروخت کرو۔''[2]

❁ **نقدی کے باہمی تبادلے کی حکمت:** ضرورت کے وقت مسلمان اپنی رقم سے فائدہ اٹھا سکے (اگر ایک سکے کا تبادلہ دوسرے سکے میں نہ ہو سکتا ہوتا تو اسے بہت تنگی پیش آتی)

❁ **نقدی کے باہمی تبادلے کی شرطیں:** تبادلہ اس صورت میں جائز ہوگا جب اسی مجلس میں فریقین دست بدست اپنی اپنی رقم لے لیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ دَيْنًا»

''رسول اللہ ﷺ نے چاندی کو سونے کے بدلے ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔''[3]

طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے مالک بن اوس کو دینار دیے تاکہ وہ ان کے عوض میں انھیں درہم دے۔ مالک بن اوس رحمہ اللہ نے کہا: میرا خازن جنگل سے آجائے تو پھر دراہم کی ادائیگی کروں گا، اس پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''طلحہ! دراہم لیے بغیر اس سے جدا نہ ہونا'' اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَلْوَرِقُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ»

''سونے کا تبادلہ چاندی کے ساتھ سود ہے، الا یہ کہ لین دین اسی وقت ہو جائے۔''[4]

❁ **نقدی کے باہمی تبادلے کے احکام:** (1) سونے کا سونے کے ساتھ اور چاندی کا چاندی کے ساتھ تبادلہ اس صورت میں جائز ہے کہ دونوں کا وزن ایک ہو، اس لیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ»

''سونے کے عوض سونا نہ بیچو مگر یہ کہ برابر برابر ہو، اور ایک کو دوسرے سے کم یا زیادہ کر کے نہ بیچو اور چاندی کے عوض چاندی نہ بیچو مگر یہ کہ برابر ہو اور ایک کو دوسرے سے کم یا زیادہ کر کے نہ بیچو اور غائب کو حاضر (ادھار کو نقد) کے بدلے نہ بیچو (دونوں طرف نقد ادائیگی ہونی چاہیے۔'')[5]

(2) اگر جنس مختلف ہو تو کمی وبیشی جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ تبادلہ اسی مجلس میں ہو جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ، وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ»

1. البقرة2:275. 2. صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الذهب بالذهب، حديث: 2175، وصحيح مسلم، المساقاة، باب النهي عن بيع الورق بالذهب دينا، حديث: 1590. 3. صحيح مسلم، المساقاة، باب النهي عن بيع الورق بالذهب دينا، حديث: 1589. 4. صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف و بيع الذهب بالورق نقدا، حديث: 1586. 5. صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الفضة بالفضة، حديث: 2177، وصحيح مسلم، المساقاة، باب الربا، حديث: 1584.

’’سونے کے بدلے سونا مت بیچو مگر یہ کہ برابر برابر ہو، اور چاندی کے بدلے چاندی مت بیچو مگر یہ کہ برابر برابر ہو۔‘‘[1]

اس ’’بیع‘‘ میں دوسری شرط یہ ہے کہ اسی ’’مجلس بیع‘‘ میں تبادلہ ہو جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»

’’جب یہ اجناس (چیزیں) مختلف ہوں تو جس طرح مرضی آئے فروخت کرو، جبکہ تبادلہ اسی وقت ہو جائے۔‘‘[2]

(3) نقدی کا تبادلہ کرنے والے تقابض (ایک دوسرے سے نقدی وصول کرنے) سے پہلے جدا ہو جائیں تو تبادلہ کالعدم ہو جائے گا،* اس لیے کہ آپ ﷺ کے فرمان: یدًا بیدٍ اور إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ کا تقاضا یہی ہے۔

بیع سلم (سلف) ✿ **بیع سلم کی تعریف:** اسے ’’بیع سلف‘‘ بھی کہا جاتا ہے جس میں ایک شخص سامان خریدتا ہے، جس کی صفت معلوم اور متعین کر دی جاتی ہے، بائع سے سامان وصول کرنے کا وقت بھی معلوم اور طے ہو جاتا ہے اور وہ سودا طے ہوتے ہی ’’بائع‘‘ کو پوری رقم پیشگی دے دیتا ہے اور معین میعاد آنے پر اس سے سامان وصول کر لیتا ہے۔

✿ **بیع سلم کا حکم:** اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے، اس لیے کہ یہ بھی بیع (خرید و فروخت) ہے اور یہاں عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَسْلَفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ إِلٰى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ»

’’جو شخص کھجوروں میں بیع سلم (کر کے رقم پیشگی ادا) کرتا ہے تو وہ معین ناپ (یا) مقررہ وزن میں ایک معین مدت تک کے لیے سودا کرے۔‘‘[3]

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سال دو سال کی میعاد پر ’’بیع سلم‘‘ کرتے تھے۔[4]

✿ **بیع سلم کی شرائط:** (1) قیمت نقد ہو، مثلاً: سونا یا چاندی یا نوٹ۔ اس طرح سودی چیز اپنی مثل کے ساتھ ادھار پر فروخت نہ ہو سکے گی۔

(2) ’’مبیع‘‘ کا تعین صفت کے ساتھ اس طرح ہو کہ اس کی جنس، نوع اور مقدار معلوم ہو جائے تاکہ بعد میں فریقین کے مابین کسی قسم کا جھگڑا اور نزاع وقوع پذیر نہ ہو کہ جس سے ان کے مابین عداوت و دشمنی واقع ہو جائے۔

* اگر ایک فریق نے ادائیگی کر دی تھی تو وہ دوسرے فریق سے اپنی کرنسی واپس لے لے اور جب دونوں کے پاس کرنسی (سونا چاندی اور جو ان کے حکم میں ہے) موجود ہوگی تو اس وقت وہ نئے سرے سے دست بہ دست تبادلہ کریں گے۔ (ع، ر)

(1) صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الذهب بالذهب، حديث: 2175. (2) صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف و بيع الذهب بالورق نقدا، حديث: 1587. (3) صحيح البخاري، السلم، باب السلم في وزن معلوم، حديث: 2240، وصحيح مسلم، المساقاة، باب السلم، حديث: 1604. (4) صحيح مسلم، المساقاة، باب السلم، حديث: 1604.

(3) وقتِ ادائیگی معلوم ہو اور واضح طور پر اس کا تعین کر دیا جائے، مثلاً: ایک ماہ یا دو ماہ۔ ❀

(4) قیمت اسی مجلس میں ''بائع'' وصول کر لے تاکہ ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ نہ ہو جائے جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔

ان شرطوں کی دلیل یہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

«مَنْ أَسْلَفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ إِلٰى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ»

''جو شخص کھجوروں میں بیع سلم (کر کے رقم پیشگی ادا) کرتا ہے تو وہ معین ناپ اور مقررہ وزن میں ایک معین وقت تک کے لیے ایسا کرے۔''[1]

✽ **بیع سلم کے احکام:** (1) میعادِ ادائیگی اتنی ہو کہ اس مدت میں قیمت کا اتار چڑھاؤ ہو سکتا ہو، مثلاً: ایک ماہ یا دو ماہ، اس لیے کہ دو چار دن کی مدت کا حکم عام ''بیع'' والا ہے جبکہ اس عام ''بیع'' میں یہ شرط ہے کہ مبیع کو اچھی طرح دیکھ لے اور اس کی معرفت حاصل کر لے (بیع سلم میں مبیع کو نہیں دیکھا جاتا، اس کے اوصاف ذکر کیے جاتے ہیں۔)

(2) وقتِ ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ اس وقت مطلوبہ جنس کا پایا جانا ممکن ہو، لہٰذا بہار کے موسم کو تازہ کھجور کی ادائیگی کا وقت یا سردیوں میں انگور کی ادائیگی کا وقت مقرر نہ کیا جائے، اس لیے کہ اس صورت میں مسلمانوں میں اختلاف واقع ہوگا۔

(3) اگر ''معاہدۂ بیع'' میں ادائیگی کی جگہ کا تعین نہیں کیا گیا تو ''مقام معاہدہ'' ہی ادائیگی کی جگہ طے پائے گا، اگر جگہ کا تعین کیا گیا ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اس بارے میں جس جگہ ادائیگی پر دونوں متفق ہوں، اس کے مطابق عمل کیا جائے، اس لیے کہ مسلمان معاملات میں جو شرطیں طے کر لیں ان کی پابندی ضروری ہے۔

✽ **عام بیع کا تحریری نمونہ:** بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھے: 'فلاں نے اپنے لیے فلاں سے بقائمی صحت اور ہوش و حواس اپنے اختیار سے ایک مکان جو فلاں شہر یا فلاں بستی میں واقع ہے اس کا رقبہ، عمارت اوپر نیچے سمیت خریدا ہے، مکان اس پوزیشن میں ہے جو مشاہدہ کے مطابق ہے اور مکان کے بارے میں صفات مذکورہ پر دونوں کا اتفاق ہے۔ جس کے مشرق میں مکان مملوکہ فلاں ہے اور مغرب و شمال اور جنوب میں فلاں فلاں چیزیں ہیں۔

مکان کے اندر جو چیزیں ہیں، مثلاً: دروازے، چوکھٹیں، لکڑیاں، اینٹیں، وغیرہ، سب اس ''بیع'' میں داخل ہیں۔ مکان کی جملہ منفعتیں، راستے، اوپر نیچے کے حصے اور اندرون و بیرون منافع شرعی طریقہ سے فروخت ہو رہے ہیں، جن میں

❀ بیع سلم کے سودے میں چار چیزوں کا تعین ضروری ہے جنس، قیمت، مقدار اور مدت اور اس کی یہ بھی شرط ہے کہ مشتری جب تک بائع سے مطلوبہ جنس خود وصول نہ کر لے یہ سودا کسی دوسرے خریدار کی طرف منتقل نہیں کر سکتا۔ (عبدالرحمٰن کیلانی)

(1) صحيح البخاري، السلم، باب السلم في وزن معلوم، حديث: 2240، وصحيح مسلم، المساقاة، باب السلم، حديث: 1604.

سے کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اور شرط ہے جس سے بیع فاسد اور باطل ہو جائے۔ مکان کی قیمت اتنی طے ہوئی ہے کہ جو "مشتری" نے "بائع" کے سپرد کر دی ہے اور اس پر قبضہ کر لیا ہے، مزید یہ کہ "بائع" نے مکان مذکورہ مکمل طور پر مع مشمولات جن کا تذکرہ اوپر تحریر ہے اور جس کا حدود اربعہ اوپر بیان ہوا ہے "مشتری" کے سپرد کر دیا ہے اور اس نے اس پر قبضہ بھی کر لیا ہے۔ خرید و فروخت کرنے والے دونوں افراد نے ایک دوسرے کو اس بیع میں اختیار دیا تھا جسے دونوں نے اپنا اپنا اختیار و مرضی استعمال کرتے ہوئے رد کر کے "عقد" کو پختہ کر لیا ہے۔

پھر دونوں کے جاننے والے گواہوں کے دستخط اور تصدیق کے بعد "بائع" و "مشتری" ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں۔ "مشتری" فلاں، "بائع" فلاں اور تحریر مؤرخہ فلاں۔

❁ **بیع سلم کا تحریری نمونہ:** اللہ کی تعریف وحمد کے بعد لکھے: میں فلاں اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ میں نے فلاں شخص سے اتنی رقم وصول کر لی ہے اور اس کے عوض میں فلاں شہر کے ماپ سے فلاں قسم کی گندم کی اتنی مقدار پورے دو ماہ بعد بمقام فلاں ادا کر دوں گا۔ میں اس ادائیگی کی قدرت کا اعتراف کرتا ہوں اور "مجلس عقد" میں شرعی طریقے کے مطابق میں نے رقم وصول کر لی ہے جو کہ اتنی ہے۔ یہ معاہدہ مورخہ .... کو طے پایا۔

نام، دستخط اور تاریخ

شفعہ کا بیان ❁ **شفعہ کی تعریف:** ایک شخص نے مشترکہ جائیداد میں سے اپنا حصہ اپنے شریک کے بجائے کسی اور کو فروخت کر دیا تو دوسرے شریک کا اس حصے کو خریدنے کا استحقاق "حق شفعہ" کہلاتا ہے۔

❁ **شفعہ کے احکام:** (1) اس کا شرعی ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شفعے کا فیصلہ کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے غیر منقسم چیز میں "شفعے" کا فیصلہ دیا ہے اور جب تقسیم ہو کر الگ الگ حد بندی ہو جائے اور راستے مختلف ہو جائیں تو اس وقت "شفعہ" نہیں ہے۔"[1]

(2) اور ان چیزوں میں "شفعہ" نہیں ہے جو تقسیم ہو چکی ہیں اور ان کی حد بندی کر دی گئی ہے اور آنے جانے کے راستے الگ الگ ہو چکے ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ»

"پس جب حد بندی ہو جائے اور راستے مختلف ہو جائیں تو "شفعہ" نہیں ہے۔"[2]

اور اس لیے بھی کہ تقسیم کے بعد وہ ایک دوسرے کے صرف ہمسائے ہیں، شریک نہیں اور صحیح مذہب یہی ہے کہ محض

(1) صحيح البخاري، الشفعة، باب الشفعة فيمالم يقسم ......، حديث: 2257. (2) صحيح البخاري، الشفعة، باب الشفعة فيمالم يقسم......، حديث: 2257.

ہمسایہ کے لیے ''شفعہ'' نہیں ہوتا۔ ۞

(3) اگر ایک شریک اپنا حصہ کسی تیسرے آدمی کو فروخت کرتا ہے اور اس کا دوسرا شریک اس معاہدۂ بیع میں حاضر ہے یا اسے بیع کا علم ہے اور وہ شفعہ کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ چھوڑ دیتا ہے تو اس کا ''حق شفعہ'' ساقط ہو جاتا ہے۔

ہاں، صاحب حق اگر غائب ہے تو آنے کے بعد شفعہ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

(4) اگر ''مشتری'' نے ایک حصے دار سے اس کا حصہ خرید کر اسے وقف یا ہبہ یا خیرات کر دیا ہے تو ''شفعہ'' ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ ''شفعہ'' بحال رہنے سے نیکی کے یہ کام باطل ہو جائیں گے اور نیکی کے کام کو بحال رکھنا ''شفعہ'' کو بحال کرنے سے بہتر ہے جس میں محض ایک موہوم نقصان کا ازالہ مطلوب ہوتا ہے۔

(5) خرید کردہ چیز کی بڑھوتری اگر اس سے علیحدہ ہے تو بڑھوتری ''مشتری'' لے گا۔ اگر سفید رقبہ پر عمارت بنالی یا باغ لگالیا تو قیمت ادا کر کے اسے ''شفیع'' لے سکتا ہے لیکن اگر رقبہ سے اسے صاف کرنا چاہتا ہے تو نقصان کی ذمہ داری اسی شفیع پر ہے، اس لیے کہ نہ اس کا نقصان ہو اور نہ یہ نقصان دے۔ ❀

(6) ''شفیع'' کے لیے ذمہ داری ''مشتری'' پر ہے، اور مشتری کے لیے ضامن ''بائع'' ہے ⊙ اگر اس چیز میں کسی طرح کا کوئی معاملہ ہے تو مذکورہ طریق سے اس کا حل ہو گا۔

(7) ''حق شفعہ'' نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ ■ لہٰذا جس کے لیے ''حق شفعہ'' ثابت ہے، وہ اسے بیچ سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے، اس لیے کہ اس کی ''بیع یا ہبہ'' اس غرض کے منافی ہے جس کی وجہ سے یہ مشروع ہے، یعنی

۞ اگر مشترکہ جائیداد ہو اور ایک حصہ دار اپنا حصہ اپنے شریک کے بجائے کسی تیسرے آدمی کو فروخت کر دے تو اس میں اس کے شریک کو دو نقصان ہوتے ہیں: ① اسے اپنے پڑوس میں مزید جائیداد کی ضرورت تھی اور وہ قوت خرید بھی رکھتا تھا مگر وہ جائیداد کسی اور کو فروخت کر دی گئی اب یہ بے چارہ کہیں دور سے ضرورت کی باقی جائیداد خریدے گا۔ ② نیا خریدار اگر پسندیدہ آدمی نہ ہوا تو اسے برا ساتھی بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ واللہ اعلم (محمد سلیم کیلانی)

❀ اگر کسی شخص نے ایک حصہ دار سے اس کے حصے کی زمین خرید لی اور اس میں کوئی چیز کاشت کر لی، باغ لگالیا یا کوئی عمارت بنالی بعد میں ایک شخص آ کر شفعہ کا دعویٰ کر دیتا ہے تو اس کا دعویٰ صرف زمین کے متعلق ہو گا، اس کی پیداوار یا عمارت کے متعلق نہیں کیونکہ یہ مشتری کی محنت ہے اور اس پر اسی کا حق ہے اگر شفعہ کا دعویدار اس کی قیمت مشتری کو دے دے تو وہ یہ بڑھوتری لے سکتا ہے اور اگر بنی بنائی عمارت کو گرانا چاہتا ہے تو بھی نقصان حق شفعہ والا برداشت کرے گا۔ واللہ اعلم (محمد سلیم کیلانی)

⊙ اگر شفعہ کرنے والے حصہ دار کو کوئی اعتراض ہے تو وہ مشتری کے پاس جائے گا اور مشتری بائع (پہلے حصہ دار) کی طرف، واللہ اعلم۔ (ع، ر)

■ مثلاً: جائیداد میں امجد اور اکرم دونوں شریک ہیں امجد، اکرم کو بتائے بغیر اپنا حصہ فروخت کر دیتا ہے اور اکرم خود شفعہ کا دعویٰ کرنے کے بجائے اپنا حقِ شفعہ جاوید کو بیچتا یا ہبہ کر دیتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تم شفعہ کا دعویٰ کر دو۔ واللہ اعلم۔ (ع، ر)

شریک سے نقصان کا ازالہ۔

اقالہ کا بیان ❁ **اقالہ کی تعریف:** اگر "مشتری" یا "بائع" یا دونوں بیع پر نادم ہوں تو قیمت اور خریدی ہوئی چیز ایک دوسرے کو واپس کر کے سودا منسوخ کرنا "اقالہ" کہلاتا ہے۔

❁ **اقالہ کا حکم:** اگر ایک فریق "اقالہ" کا مطالبہ کرے تو "بیع" واپس کرنا مستحب اور قابل اجر ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا بَيْعَتَهُ، أَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

"جو مسلمان کی "بیع" اس کے مطالبے پر واپس کر دے، اللہ قیامت کے دن اس کی لغزشیں معاف کر دے گا۔"[1]

❁ **اقالہ کے احکام:** (1) کیا "اقالہ" پہلی بیع کو فسخ کرنا ہے یا یہ جدید بیع شمار ہوتی ہے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام احمد، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک "اقالہ" سے پہلی بیع منسوخ ہوتی ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اسے ایک نیا سودا قرار دیتے ہیں۔

(2) اگر فروخت شدہ چیز کا کچھ حصہ تلف ہو جائے تو باقی چیز میں "اقالہ" جائز ہے۔

(3) "اقالہ" کے وقت قیمت میں کمی بیشی نہیں ہوگی، ورنہ "اقالہ" نہیں رہے گا بلکہ یہ نئی "بیع" ہو جائے گی اور اس پر جدید "بیع" کے احکام جاری ہوں گے، یعنی بیع اگر مشترکہ جائیداد تھی تو دوسرے شریک کے لیے "شفعہ" ثابت ہو جائے گا، اور اگر بیع طعام تھا تو دونوں طرف سے قبضہ ضروری ہوگا اور "بیع" کے الفاظ وغیرہ کی پابندی کی جائے گی۔

باب:4 جملہ عقود و معاہدات

شراکت کے احکام ❁ **شراکت کی دلیل:** اللہ کے اس فرمان کی رو سے کسی چیز میں اشتراک کرنا ثابت ہے۔

﴿ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ ﴾ "تو وہ تہائی میں شریک ہیں۔"[2]

اور فرمایا: ﴿ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ﴾

"اور یقیناً بہت سے حصہ دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔"[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَقُولُ اللّٰهُ: أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَالَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ»

(1) [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في فضل الإقالة، حديث: 3460، وسنن ابن ماجه، التجارات، باب الإقالة، حديث: 2199. والمستدرك للحاكم: 45/2، حديث: 2291، والترغيب والترهيب: 555/2، حديث: 2618. (2) النسآء 12:4. (3) ص 24:38.

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں دو حصہ داروں میں تیسرا ہوں (میری مدد ان کے شامل حال ہوتی ہے)، جب تک ان میں سے ایک، دوسرے کی خیانت نہ کرے۔''[1]

❁ شراکت کی تعریف: دو یا زیادہ اشخاص کسی مال میں حصہ دار بن جائیں جو وراثت یا کسی اور (جائز) طریقے سے انھیں حاصل ہوا یا اقساط میں انھوں نے اسے اکٹھا کیا اور پھر مشترکہ طور پر اسے صنعت اور زراعت میں لگائیں۔ اس کو عرف میں شراکت کا نام دیا جاتا ہے اور اس کی درج ذیل اقسام ہیں:

❁ شرکۃ العنان: دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ مال میں منافع حاصل کرنے کے لیے کاروبار کرتے ہیں، اس طریقے پر کہ ہر ایک کو اس کے اصل حصے کی نسبت سے منافع ملے گا اور اگر خسارہ ہوا تو وہ بھی اسی نسبت سے حصہ داروں پر تقسیم ہوگا اور ہر ایک کو اس مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے، اپنی طرف سے بذات خود بھی اور اپنے شرکاء کی طرف سے نمائندہ ہونے کی صورت میں بھی۔ اسی طرح خرید وفروخت، اور لین دین میں بھی سب مجاز ہوں گے اور ہر ایک اسی مشترکہ مال کے قرضہ جات کا مطالبہ کر سکے گا۔ مال میں اگر کوئی عیب پایا گیا تو ہر ایک اسے رد کرنے کا مجاز ہوگا۔ مختصر یہ کہ کمپنی کے فائدے میں جو بھی معاملہ ہوگا، ہر شریک اسے سرانجام دے سکے گا۔

❁ شرکۃ العنان کی شرائطِ صحت: (1) مذکورہ اشتراک صرف مسلمانوں کے درمیان ہو، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ کافر سودی کاروبار کرے یا اس میں حرام مال شامل کر دے ہاں، اگر کمپنی کے اموال میں خرید وفروخت کی ذمہ داری مسلمان کے ہاتھ میں ہے تو غیر مسلم کے حصہ دار ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ اس صورت میں حرام مال کے شامل ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔

(2) اصل مال معلوم ہو اور اسی طرح حصہ داروں کے اموال کے حصے بھی معلوم ہوں، اس لیے کہ نفع ونقصان کی تقسیم اسی بنیاد پر ہوگی۔ اگر اصل مال یا حصہ داروں کے حصص کا تعین نہ ہو تو اس طرح ایک دوسرے کے اموال حرام ذرائع سے کھانے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے، جبکہ یہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ﴾ ''اپنے مال آپس میں باطل ذریعے سے نہ کھاؤ۔''[2]

(3) منافع کی تقسیم معروف (اور حصص کے) انداز پر ہو، اس طرح نہ ہو کہ بھیڑ کے کاروبار کا منافع فلاں کا اور اون کا منافع دوسرے کا، اس لیے کہ اس میں غرر (جہالت اور مخاطرہ) ہے جو کہ حرام ہے۔

(4) اصل مال نقدی کی صورت میں جمع ہوگا، اگر کسی کے پاس سامان ہے اور وہ اشتراک کرنا چاہتا ہے تو سامان بیچ کر

(1) [صحیح] سنن أبي داود، البیوع، باب في الشرکة، حدیث: 3383، والمستدرك للحاكم: 52/2 واللفظ له، اسے حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ (2) البقرة 2:188.

نقدی کی صورت میں مال جمع کروا کے کمپنی میں حصہ دار بنے، اس لیے کہ سامان کی قیمت مجہول ہے (معلوم نہیں ہے) اور معاملات میں جہل شرعاً ممنوع ہے، اس لیے کہ اس میں حقوق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اور باطل ذریعے سے مال کھانے کا امکان بھی۔

⑤ ہر حصہ دار اپنے حصے کے تناسب سے کام کرے، جس کا 1/4 (چوتھائی) حصہ ہو، وہ چار دنوں میں ایک دن کام کرے اور اگر کام کرنے کے لیے مزدور رکھنے ہوں تو اس کی مزدوری حصہ داروں کے حصص کی نسبت سے دی جائے گی۔

⑥ اگر کوئی حصہ دار فوت ہو جائے یا پاگل ہو جائے تو شرکت ختم ہو جاتی ہے، اس کے بعد ''اولیائے میت'' اور ''اولیائے مجنون'' کو اختیار ہے، چاہیں تو سابق شرطوں پر اشتراک بحال رکھیں یا ختم کر دیں۔

❀ شرکۃ الابدان: اس میں دو یا زیادہ اشخاص باہمی سمجھوتہ کرتے ہیں کہ کسی کام کرنے میں، مثلاً: سلائی کرنے یا کپڑے وغیرہ دھونے میں ہر ایک جو بھی مزدوری کرے گا، سب اس میں برابر کے حصہ دار ہوں گے یا جس نسبت سے طے کریں۔ اس کے جواز کی دلیل یہ حدیث ہے کہ عبداللہ، سعد اور عمار رضی اللہ عنہم نے بدر کے دن سمجھوتہ کیا کہ آج جو ہمیں مال غنیمت حاصل ہوگا، اس میں سب برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ چنانچہ عمار اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کوئی چیز نہ لائے اور سعد رضی اللہ عنہ دو قیدی لے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشارکت کو بحال رکھا۔[1]

❀ شرکۃ الابدان کے احکام: ① کسی ٹھیکیدار یا صاحب اجرت سے اجرت طلب کرنے اور لینے کا دونوں حصہ داروں کو اختیار ہے۔

② اگر ایک بیمار ہو جائے یا کسی عذر کی بنا پر کام پر نہ آ سکے تو جو ایک کمائے گا، اس میں دونوں حصہ دار ہوں گے۔

③ اگر غیر حاضری کی مدت یا بیماری طویل ہو جائے تو تندرست حصہ دار اس کے بجائے ایک مزدور رکھ لے جس کی مزدوری وہ بیمار یا غائب کے حصے میں سے دے گا۔

④ اگر ان میں سے ایک حصہ دار کام کے لیے آنے سے معذرت کر لے تو دوسرے کو اس کی شرکت فسخ کر دینے کا اختیار ہوگا۔

❀ شرکۃ الوجوہ: دو یا زیادہ اشخاص ایک چیز اکٹھے خریدتے ہیں اور پھر اسے فروخت کر دیتے ہیں، اس میں جو منافع ہوگا، وہ دونوں برابر برابر لیں گے، اگر نقصان ہوا تو وہ بھی اسی طرح۔

❀ شرکۃ المفاوضہ: یہ ''شرکت عنان'' ''وجوہ'' اور ''ابدان'' کے علاوہ ''مضاربت'' کو بھی شامل ہے۔ اس میں ہر حصہ دار اپنے ساتھی کو مالی اور بدنی اشتراک کے جملہ اختیارات تفویض (سپرد) کر دیتا ہے بلکہ ہر شریک خرید وفروخت اور

[1] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في الشركة على غير رأس مال، حديث: 3388.

مضاربت کے اختیارات کا حامل ہوتا ہے، اسی طرح ایک دوسرے سے ''وکالت'' ''اس کی طرف سے خصومت'' اور ''رہن رکھنے'' میں بھی دونوں حصہ دار کلی اختیار کے مالک ہوتے ہیں۔ نفع و نقصان کی جو شرح وہ باہم طے کر لیں گے، اسی کے مطابق اس کا نفاذ ہوگا۔

مضاربت کا بیان ❁ **مضاربت کی تعریف:** ''مضاربت'' کو ''قراض'' بھی کہتے ہیں، یعنی مال ایک شخص فراہم کرے اور دوسرا اس میں کاروبار کرے اور منافع جس طرح وہ طے کر لیں، تقسیم ہو۔ خسارہ اگر اصل مال میں ہوا ہے تو وہ مال کے مالک کے ذمے ہے، اس لیے کہ عامل (کارکن) کو اس کی محنت کا خسارہ ہی کافی ہے (اس کی محنت بیکار گئی)، مزید اسے خسارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

❁ **مضاربت کی مشروعیت:** صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمۂ عظام رحمہم اللہ کا ''مضاربت'' کے جواز پر اجماع ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس کا رواج تھا اور آپ نے اسے بحال رکھا۔[1]

❁ **مضاربت❀ کے احکام:** ① یہ معاملہ ان مسلمانوں کے مابین ہونا چاہیے، جنھیں تصرف کرنے کا اختیار ہو، ہاں اگر اصل مال کافر کا ہے اور کام مسلمان نے کرنا ہے تو مسلمان اور کافر کے مابین بھی ''عقد مضاربت'' درست ہے، اس لیے کہ مسلمان سے سود کا خطرہ نہیں ہے اور نہ یہ کہ وہ اس میں کوئی حرام مال شامل کر دے گا۔

② رأس المال (اصل سرمایہ) معلوم ہونا چاہیے۔

③ منافع میں سے ''عامل'' کا حصہ متعین ہونا چاہیے۔ اگر انھوں نے معاہدے کے وقت تعین نہیں کیا ہے تو عامل کو صرف مزدوری ملے گی اور سارا منافع مال کا مالک لے جائے گا۔ اگر طے یہ ہوا کہ منافع ہمارے مابین ہوگا تو اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ منافع دونوں میں برابر برابر ہے۔

④ اگر منافع کے بارے میں اختلاف ہو جائے کہ 1/4 (چوتھائی) طے ہوا تھا یا 1/2 (نصف) حصہ تو اس صورت میں مال کے مالک کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔⊙

⑤ عامل ''مضاربت'' پر لیا ہوا مال آگے کسی اور کو ''مضاربت'' پر نہیں دے سکتا، اس لیے کہ اس میں پہلے کے مال میں نقصان کا خطرہ ہے اور مسلمان کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔ ہاں، اگر مالک نے اس کی اجازت دی ہے تو

❀ مضاربت: نفع میں شریک بنا کر کسی کو تجارت کے لیے مال دینا اور اس کا اسے چلانا۔ (الاثری)

⊙ اگر مالک کہے کہ مجھے اتنا منافع ہر صورت چاہیے تجھے کچھ بچے یا نہ بچے تو یہ جائز نہیں ہے، اس کے بجائے یہ طے ہونا چاہیے کہ حاصل شدہ منافع (کم ہو یا زیادہ) کا اتنا حصہ عامل کا باقی مالک کا ہوگا۔ (ع، ر)

[1] سنن النسائي، المزارعة، باب ذكر اختلاف الألفاظ المأثورة في المزارعة، حديث: 3960.

"مضاربت" پر دینا درست ہے۔

(6) جب تک "عقد مضاربت" کی مدت ختم نہ ہو منافع تقسیم نہ کیا جائے الاّ یہ کہ دونوں تقسیم پر متفقہ طور پر راضی ہو جائیں۔

(7) اگر دوران تجارت اچانک خسارے کی وجہ سے اصل سرمائے میں کمی واقع ہو جائے تو اسے منافع سے پورا کیا جائے۔ جب تک اصل مال پورا نہیں ہوتا عامل منافع کا مستحق نہیں ہے، بشرطیکہ منافع ابھی تک تقسیم نہ ہوا ہو، مثلاً: اگر دونوں نے بکریوں کی تجارت کی ہے اور ہر ایک نے اپنے حصے کا نفع وصول کر لیا اور پھر وہ دوبارہ تجارت کرتے ہیں اور نقصان ہو جاتا ہے تو اب پہلے منافع میں سے اصل مال پورا نہیں کیا جائے گا بلکہ خسارہ اصل مال میں سے کاٹنا ہوگا۔ ❀

(8) "مضاربت" اگر فسخ ہو جائے اور سامان میں سے کچھ باقی ہے، (اصل مال اور کچھ منافع موجود ہے) یا کسی کے پاس قرض ہے جو ابھی لینا ہے اور مال کا مالک اسے بھی بانٹنا چاہتا ہے تو اس صورت میں عامل پر لازم ہے کہ وہ اسے بھی تقسیم کرے اور جتنا منافع مالک کے حصے میں آتا ہے اسے اصل سرمائے سمیت مالک کو واپس کرے۔

(9) مال کی تباہی یا نقصان کی صورت میں عامل کی بات تسلیم کی جائے گی، بشرطیکہ اس کے جھوٹ پر کوئی واضح ثبوت نہ ہو۔ اگر عامل مال تباہ ہونے کا دعویٰ کرے اور اس پر گواہ بھی پیش کر دے تو اس کے حلفیہ دعوے کو تسلیم کیا جائے گا۔

مساقات اور مزارعت ❀ **مساقات کی تعریف:** کسی کام کرنے والے کو باغ وغیرہ کا قبضہ دینا اور کہنا کہ اس کی دیکھ بھال کر اور پانی لگا، اس کی آمدنی میں سے اتنا حصہ تیرا ہوگا "مساقات" کہلاتا ہے۔

❀ **مساقات کا حکم:** معاہدہ مذکور شرعاً جائز ہے اور اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تعامل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَامَلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْزَرْعٍ»

"نبی کریم ﷺ نے اہل خیبر سے طے کیا تھا کہ جو کچھ ان کے باغات یا کھیتوں سے حاصل ہوگا، نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔" [1]

❀ **مساقات کے احکام:** (1) "عقد" پختہ کرتے وقت کھجور یا درخت معلوم ہونے چاہئیں، یہی وجہ ہے کہ مجہول درختوں میں (جن کی نشاندہی نہ کی گئی ہو) "مساقات" جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں غرر (خطر اور جہالت) ہے جو کہ حرام ہے۔

(2) عامل کو پیداوار کا جو حصہ دیا جائے وہ بھی متعین اور معلوم ہو بلکہ تمام درختوں میں سے مشاعاً حصے کا تعین کیا

❀ اصل سرمائے کا خسارہ مالک کو برداشت کرنا پڑے گا اور عامل کی محنت رائیگاں جائے گی۔ (ع،ر)

[1] صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، باب المزارعة بالشطر و نحوه، حديث: 2328.

جائے۔ کیونکہ اگر ایک کھجور یا درخت کا تعین کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ اس سال وہ پھل نہ دے اور عامل سے غرر (مخاطرہ اور دھوکا) ہو جائے جو کہ اسلام میں حرام ہے۔

③ عامل کے ذمے وہ سب کام ہیں جو عرف عام میں کھجوروں اور دیگر درختوں کی درستی و آبادی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔

④ اگر اس رقبہ پر کوئی سرکاری خراج یا ٹیکس لاگو ہے تو اس کی ادائیگی رقبے کا مالک کرے گا، اس لیے کہ خراج اور ٹیکس اصل رقبے سے متعلق ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اگر عامل اس رقبے کو آباد نہ کرے تو بھی اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ البتہ زکاۃ ہر ایک اپنے حصے کی ادا کرے گا، اگر اس کا حصہ اسے نصاب کے برابر حاصل ہوا، اس لیے کہ زکاۃ کا تعلق پھل کی پیداوار کے ساتھ ہے۔

⑤ ایک شخص کسی کو زمین دیتا ہے کہ اس میں باغ اور درخت لگا، اسے پانی دے اور دیکھ بھال کر یہاں تک کہ پھل آور ہو جائے تو اس میں سے 1/3 یا 1/4 حصہ تجھے دے دوں گا۔ تو یہ ''مساقات'' بھی جائز ہے، بشرطیکہ معاہدہ پھل دینے کی مدت تک کا ہو (معاہدے کی مدت اس سے پہلے ختم نہ ہوتی ہو) اور عامل اپنا حصہ پھل اور درخت دونوں میں سے حاصل کرے گا۔

⑥ اگر عامل کام کرنے سے عاجز ہو گیا ہو اور اپنی جگہ کسی اور کو یہ کام سپرد کر دے تو یہ جائز ہے اور ''عقد'' کے مطابق یہ کام کرنے والا (نیا کارکن) پھل کے اسی حصے کا مستحق ہے جو عقد میں طے ہوا ہے۔

⑦ اگر عامل فوت ہو جائے تو ورثاء اس کی جگہ کام کرنے کے لیے کسی کو مقرر کریں اور اگر دونوں ''عقد'' فسخ کرنا چاہیں تو انھیں یہ بھی اختیار ہے۔

❁ **مزارعت کی تعریف:** ایک شخص اپنا ''رقبہ زمین'' دوسرے کو دیتا ہے کہ وہ اس میں کاشت کرے اور وہ آمدنی میں سے اتنے معین (مُشاعاً) حصے کا مستحق ہوگا۔

❁ **مزارعت کا حکم:** جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ اسے جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض ناجائز کہتے ہیں۔ جواز کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر والوں سے نصف حصہ بٹائی پر معاملہ طے کیا تھا۔❁ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَامَلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ، فَكَانَ يُعْطِي أَزْوَاجَهُ مِائَةَ وَسْقٍ»

''رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ طے کیا کہ جو کچھ پھلوں اور کھیتی کی آمدنی میں سے حاصل ہوگا، وہ اس

❁ خیبر کی کچھ زمین بطور ''فے'' اسلامی حکومت کی تحویل میں آئی تھی جس کے متعلق یہ طے ہوا کہ اہل خیبر کاشتکاری کریں گے اور حاصل شدہ پیداوار کا نصف حصہ انھیں دیا جائے گا اور باقی نصف حکومت لے گی۔ (عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ)

کا نصف (نبی ﷺ کو) ادا کریں گے اور آپ اس آمدنی سے اپنی بیویوں کو ایک سو وسق دیتے تھے۔"[1]

"مزارعت" کی ممانعت میں جو احادیث مروی ہیں انھیں علماء اس صورت پر محمول کرتے ہیں کہ مالک زمین کاشتکار سے کہے کہ فلاں حصہ زمین کی پیداوار میری اور اس کے علاوہ تمھارے لیے ہوگی۔ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس توجیہ کی تائید کرتی ہے:

«كُنَّا أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ حَقْلًا، فَكُنَّا نُكْرِي الْأَرْضَ (عَلٰى أَنَّ لَنَا هٰذِهِ وَلَهُمْ هٰذِهِ) فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ هٰذِهِ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهْ، فَنُهِينَا عَنْ ذٰلِكَ»

"انصار میں سے ہمارے کھیت زیادہ تھے اور ہم زمین کرائے پر دیتے تھے۔ اس طرح کہ ہم اس قطعے کی آمدنی لیں گے اور کاشتکار فلاں قطعے کی، پھر بسا اوقات اس قطعے میں تو آمدنی ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس سے منع کر دیا۔"[2]

جمہور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے آپ نے محض کراہت (تنزیہی) کے طور پر منع کیا ہو (حرمت مراد نہ ہو،) جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ، وَلٰكِنْ قَالَ: أَنْ يَّمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّأْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَّعْلُومًا»

"نبی کریم ﷺ نے "عقدِ مزارعت" سے منع نہیں کیا، البتہ یہ فرمایا ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنے (کاشتکار) بھائی کو (ضرورت سے زائد) رقبہ (کاشتکاری کے لیے) دے دے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے پیداوار کا معلوم حصہ وصول کرے۔"[3]

❁ مزارعت کے احکام: ① مزارعت کی مدت معلوم اور متعین ہو جیسا کہ ایک سال یا دو سال۔

② جس حصے پر اتفاق ہوا ہے، اس کی مقدار معلوم ہو، مثلاً: آدھا یا تیسرا یا چوتھائی حصہ وغیرہ اور وہ حصہ حاصل شدہ کل آمدنی میں سے نکالا جائے گا۔ اگر یہ کہا گیا کہ صرف فلاں قطعے کی آمدنی تیری ہے تو یہ درست نہیں ہے۔

③ بیج زمین کا مالک دے گا۔ اگر بیج عامل مہیا کرے تو بھی درست ہے۔❁

(1) قرآن پاک نے مال فے میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ بھی رکھا ہے۔ صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، باب المزارعة بالشطر ونحوه، حديث: 2328. (2) صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المزارعة، حديث: 2722، وصحيح مسلم، البيوع، باب كراء الأرض بالذهب والورق، حديث: 1547. (3) صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، باب، حديث: 2330.
❁ فتح الباری میں ہے کہ "مخابرہ" میں بیج عامل کے ذمہ ہوتا ہے اور "مزارعہ" میں بیج مالک زمین دیتا ہے۔ (مؤلف) اور دونوں صورتیں بلاشبہ جائز ہیں۔ دیکھیے: حاشية الروض المربع: 289,288/5 (عبدالولی)

④ مزارعت (بٹائی پر رقبہ دینا) سے زمین نقد کرایے (اجارے) پر دینا بہتر ہے۔ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «أَمَّا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَلَا بَأْسَ بِهِ» ''سونے یا چاندی کے ساتھ کرایے پر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''⊙

⑤ اور اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ جس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ ''رقبہ زمین'' ہے تو وہ اپنے بھائی مسلمان کو عطیے کے طور پر دے دے، ■ تاکہ وہ اس کی آمدنی سے فائدہ اٹھائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ»

''جس کے پاس زمین ہے وہ اسے خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو (خواہ صرف فائدہ حاصل کرنے کے لیے) دے دے۔''[1]

اور فرمایا: «أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَّعْلُومًا»

''اپنے بھائی کو (فائدہ حاصل کرنے کے لیے) دے دے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اس پر پیداوار کا متعین حصہ وصول کرے۔''[2]

⑥ جمہور کے نزدیک غلے کے عوض زمین کرایے پر دینا منع ہے (جیسا کہ تین من گندم فی بیگھہ وغیرہ) اس لیے کہ اس میں غلے کو غلے کے ساتھ ادھار اور کمی وبیشی میں فروخت کرنا لازم آتا ہے، جو کہ ممنوع ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے اس کا جواز مروی ہے مگر اس سے مراد ''مزارعت'' ہے، نہ کہ متعین گندم وغیرہ کے بدلے میں زمین اجرت پر دینا۔

اجارہ کا بیان

❀ **اجارہ کی تعریف:** معلوم مدت کے لیے کام کرنے اور اس کی نقد رقم کی صورت میں اجرت ادا کرنے کے معاہدے کا نام ''اجارہ'' ہے۔❀

⊙صحیح مسلم، البیوع، باب كراء الأرض بالذهب والورق، حدیث: 115-1547. حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثلث ربع وغیرہ پر مزارعت کرنا اجارے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ صورت ظلم وغرر اور مخاطرے سے خالی ہوتی ہے۔ اگر فائدہ ہوتا ہے تو دونوں کو ہوتا ہے۔ اور اگر نقصان ہوتا ہے تو دونوں کو ہوتا ہے۔ جبکہ اجارہ میں ایک جانب، یعنی مالکِ زمین کو لازماً اور ہر صورت میں فائدہ ہوتا ہے۔ دیکھیے حاشیہ الروض المربع: 287/5 (ع، و) ■ اس صورت میں زمین کی ملکیت تبدیل نہیں ہوتی، یعنی زمین مالک ہی کی ہوتی ہے۔ (الاثری) اور اگر زمین کی ملکیت ہی اسے ہبہ کر دے تو یہ سب سے بہتر صورت ہے۔ (ع، ر) ❀ عربی زبان کا لفظ ''اجارہ'' بڑے وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً: زمین کو ٹھیکے پر دینا بھی اجارہ ہے، کسی چیز کو کرایے پر لینا یا دینا بھی اجارہ ہے ریلوں، بسوں اور ٹرانسپورٹ کا کرایہ دینا بھی اجارہ ہے اور کسی کو ایک معین مدت کے لیے مزدور رکھنا بھی اجارہ ہے۔ (عبدالرحمٰن کیلانی)

[1] صحیح البخاري، الحرث والمزارعة، باب ما كان من أصحاب النبي ﷺ يواسي...... حدیث: 2341. [2] صحیح البخاري، الحرث والمزارعة، باب، حدیث: 2330.

✿ **اجارہ کا حکم:** یہ جائز ہے،اس لیے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَوْشِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝﴾ ''اگر تو چاہتا تو اس کام پر مزدوری لے لیتا۔''[1]

اور فرمایا:﴿ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝﴾

''بلاشبہ بہترین شخص، جسے آپ اجرت پر رکھیں، وہی ہوسکتا ہے جو طاقتور اور امین ہو۔''[2]

مزید ارشادِ ربانی ہے:﴿ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ﴾ ''اس شرط پر کہ تو میرے پاس آٹھ سال مزدور رہے گا۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:«قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطٰى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ»

''اللہ عزوجل فرماتا ہے:''میں قیامت کے دن تین اشخاص کے خلاف مدعی بنوں گا''ایک شخص جو میرے نام سے ''عہد'' کرتا ہے اور پھر دھوکا دیتا ہے،ایک وہ شخص جو آزاد کو بیچ کر اس کے پیسے کھا جاتا ہے اور ایک وہ شخص جو مزدور سے پوری مزدوری کرائے مگر پھر اسے اجرت نہ دے۔''[4]

اور رسول اللہ ﷺ و ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے موقع پر بنو دیل کے ایک ماہر شخص کو مزدور بنایا تھا جو انھیں مدینہ منورہ کے راستے بتاتا تھا۔[5]

✿ **اجارہ کی شرائط:** (1) منافع (کرایہ دینے والا شخص جو نفع اٹھائے گا وہ) متعین و معروف ہونا چاہیے، مثلاً: مکان میں رہائش اختیار کرنا ہے، کپڑا سینا ہے وغیرہ،اس لیے کہ یہ ''بیع'' کی طرح ہے اور بیع میں ''مبیع'' کا متعین و معروف ہونا ضروری ہے۔

(2) نفع کا جائز ہونا بھی ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ لونڈی زنا کے لیے اجرت پر دینا یا عورت کو گانے یا نوحہ کے لیے اجرت پر رکھنا،اسی طرح کفار اور یہود و نصاریٰ کے ''معبد'' (عبادت گاہ) کی تعمیر کے لیے زمین کرایے پر دینا یا شراب خانے کے لیے دکان کرایہ پر دینا سب ناجائز ہیں۔

(3) اجرت متعین ہو،اس لیے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ اسْتِئْجَارِ الْأَجِيرِ حَتّٰى يُبَيَّنَ لَهُ أَجْرُهُ»

''رسول اللہ ﷺ نے مزدور کی مزدوری متعین کیے بغیر مزدور رکھنے سے منع فرمایا ہے۔''[6]

(1) الكهف 18:77. (2) القصص 28:26. (3) القصص 28:27. (4) صحيح البخاري، الإجارة،باب إثم من منع أجر الأجير، حديث: 2270. (5) صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ وأصحابه إلى المدينة،حديث: 3905.
(6) [ضعيف] مسند أحمد: 3/59و68و71، والمراسيل لأبي داود، ص: 168,167، حديث: 181. ابراہیم نخعی نے ابوسعید سے کچھ بھی نہیں سنا، دیکھیے تحفة الأشراف: 3/326،لہٰذا یہ سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے، نیز السنن الكبرى للبيهقي: 6/120. والی ◄◄

❁ **اجارہ کے احکام:** ① علم یا ہنر سکھانے کے لیے استاد کو تنخواہ دینا جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے بعض قیدیوں کو مدینہ کے بچوں کو لکھنا سکھانے کے عوض چھوڑا تھا۔

② یہ بھی جائز ہے کہ کوئی شخص کھانے اور کپڑے کے عوض کام کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مُوسٰى آجَرَ نَفْسَهُ ثَمَانِيَ سِنِينَ أَوْعَشْرًا عَلٰى عِفَّةِ فَرْجِهِ وَطَعَامِ بَطْنِهِ»

''موسیٰ (علیہ السلام) نے آٹھ یا دس سال کے لیے اپنی شرم گاہ کی عفت (نکاح کرنے) اور اپنے پیٹ کے کھانے پر مزدوری کی ہے۔''[1]

③ متعین مدت کے لیے (مثلاً: 10 سال، 20 سال) کوئی مکان کرایے پر لینا درست ہے، جبکہ ظن غالب یہ ہو کہ مکان اس مدت تک باقی رہے گا۔

④ ایک شخص نے کوئی چیز کرایے پر دے دی مگر لینے والے کو اس کے استفادے سے روک دیا ہے تو جتنی مدت رکاوٹ رہے گی، اس کا کرایہ ساقط ہو جائے گا اور اگر مستاجر (کرایے پر لینے والا) خود ہی اس سے فائدہ نہیں حاصل کر رہا تو اس کو پورا کرایہ دینا پڑے گا۔

⑤ کرایے پر دی ہوئی چیز تلف ہو جائے تو ''عقدِ اجارہ'' فسخ ہو جائے گا، مثلاً: مکان منہدم ہو جائے یا جانور مر جائے، وغیرہ۔ البتہ جتنی مدت اجرت پر لینے والے نے اس سے فائدہ حاصل کیا ہے، اس کا کرایہ اس کو دینا پڑے گا۔

⑥ اجرت پر دی ہوئی چیز میں اگر عیب کا پتہ لگے تو ''عقد'' فسخ ہو جائے گا الّا یہ کہ وہ عیب مستاجر کو پہلے سے معلوم ہو اور اس کے باوجود اس نے اسے اجرت پر لینا قبول کیا ہو تو ''عقد'' درست ہے اور اگر اس نے کچھ مدت اس عیب والی چیز سے فائدہ حاصل کر لیا ہے تو اتنی مدت کا کرایہ دینا ہوگا۔

⑦ ''اجیر مشترک''❀ درزی، لوہار وغیرہ کے فعل اور تفریط سے اگر کوئی چیز ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن ہوگا اور اگر اس کی دکان سے کوئی چیز ضائع ہو جائے تو یہ (کاریگر) ضامن نہیں ہے، اس لیے کہ سامان ودیعت (امانت) کے حکم میں ہے (کاریگر کے پاس سامان مالک کی امانت ہے۔)

اور ''ودیعت'' ضائع ہو جائے تو ضمان نہیں ہے، الّا یہ کہ 'صاحب ودیعت' (کاریگر) کی کوتاہی کا اس کے ضائع ہونے میں کوئی دخل ہو اور اسی طرح ''اجیر خاص'' سے جسے کسی نے خاص اپنے کام کے لیے مزدور رکھا ہے، اگر اس

❀ وہ کاریگر جو مختلف لوگوں کے آرڈرز کی تعمیل کرتا ہے، مثلاً: درزی یا لوہار وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ (ع، ر)

» موقوف روایت بھی انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [1] [ضعيف] سنن ابن ماجه، الرهون، باب إجارة الأجير على طعام بطنه، حديث: 2444، اس کی سند مسلمہ بن علی اور تدلیس بقیہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

سے کوئی چیز ضائع ہو جائے تو یہ ضامن نہیں ہے، الا یہ کہ ثابت ہو جائے کہ اس نے کوتاہی کی ہے یا اس سلسلے میں زیادتی کا مرتکب ہوا ہے۔

⑧ اجرت تو معاہدہ ہوتے ہی لازم ہو جاتی ہے، البتہ ادائیگی اس وقت لازم ہو گی جب اجرت پر مزدور رکھنے والا شخص اس سے مطلوبہ فائدہ حاصل کرے یا اس کا کام مکمل ہو جائے الا یہ کہ ادائیگی عقد کے ساتھ ہی مشروط ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: «لٰكِنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا يُوَفّٰى أَجْرَهُ إِذَا قَضٰى عَمَلَهُ»

''لیکن کام کرنے والے کاریگر کو اس کی مزدوری کام پورا کرنے پر پوری دے دی جائے۔''[1]

⑨ مستاجر (کاریگر) مزدوری وصول کرنے کے لیے آجر (مالک) کی چیز روک سکتا ہے، اگر اس چیز میں اس نے کام کیا ہے، مثلاً: اس نے کپڑے کی سلائی کی ہے اور اگر اس چیز میں اس کے کام اور عمل کی تاثیر نہیں ہے، مثلاً: اس نے اجرت پر کسی کا سامان وغیرہ اٹھایا ہے تو وہ مالک کا سامان نہیں روک سکتا بلکہ طے شدہ جگہ پر سامان پہنچا کر اجرت طلب کرے گا۔

⑩ ایک شخص جو طب کا ماہر نہیں ہے، کسی کا اجرت پر علاج کرتا ہے یا دوا دیتا ہے اور نقصان کر دیتا ہے تو وہ ضامن ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ تَطَبَّبَ وَلَا يُعْلَمُ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ»

''جو علاج کرتا ہے اور طب میں وہ معروف نہیں ہے تو وہ ضامن ہے۔''[2]

امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا: ہمیں معلوم نہیں کہ یہ صحیح ہے یا نہیں۔ ❀

جعالہ کا بیان

❀ **جعالہ کی تعریف:** لغت میں ''جعالہ'' اس معلوم و متعین عوض کو کہتے ہیں جو کسی کو ایک معین کام (اگرچہ مجہول الوصف ہو) کرنے پر دیا جائے فاعل کوئی بھی ہو، مثلاً: ایک شخص کہتا ہے: جو مجھے یہ دیوار بنا کر دے گا، میں اس کو اتنی رقم دوں گا۔ اب جو شخص بھی یہ دیوار تعمیر کر دے گا، اس مال کا مستحق ہو جائے گا، وہ مال جتنا بھی ہو۔

❀ **جعالہ کا حکم:** شرعاً انعام دینا جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے:

﴿وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ﴾

''اور جو 'پیالہ' لا دے گا، اس کو ایک اونٹ کا اٹھایا ہوا غلہ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔''[3]

❀ طبیب وہ ہے جو اسباب مرض اور ادویہ کی معرفت رکھتا ہو اور اساتذہ فن طب میں اس کی مہارت کی شہادت دیتے ہوں اور انھوں نے اسے پیشۂ طب اختیار کرنے کی اجازت دی ہو تو اسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ طب میں معروف ہے۔ (مؤلف)

① [ضعيف] مسند أحمد: 292/2. ② [ضعيف] سنن أبي داود، الديات، باب فيمن تطبب ولا يعلم منه طب فأعنت، حديث: 4586، وسنن النسائي، القسامة، باب صفة شبه العمد......، حديث: 4834، وسنن ابن ماجه، الطب، باب من تطبب ولم يعلم منه طب، حديث: 3466، اسے امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح کہا ہے لیکن اس کی سند ابن جریج کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ ③ یوسف 72:12.

اسی طرح جب صحابۂ کرام میں سے ایک گروہ نے سانپ ڈسے ہوئے شخص کے ذمہ بکریوں کا ایک ریوڑ طے کیا، بعض کو اس کے جائز ہونے میں شک ہوا تو پوچھنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خُذُوهَا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ» ''انھیں لے لو اور میرا بھی ان میں اپنے ساتھ حصہ رکھو۔''[1]

صحابۂ کرام کا اس شخص سے طے کرنا جعالہ کی ایک شکل ہی ہے۔

✿ **جعالہ کے احکام:** (1) انعام کی پیشکش ایک جائز ''عقد'' ہے، دونوں فریق اس کو فسخ کر سکتے ہیں۔ اگر کام سے پہلے معاہدہ فسخ ہو گیا تو عامل کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر کام کے درمیان میں مالک کی طرف سے فسخ ہوا تو کام کی نوعیت کے مطابق اس کو اجرت ملے گی۔

(2) اس میں کام کی مدت متعین نہیں ہوتی۔ بنا بریں اگر ایک شخص کہتا ہے کہ جو کوئی میرا گم شدہ یا بھاگ جانے والا جانور لا کر دے گا، میں اسے ایک دینار انعام دوں گا تو وہ جانور لانے پر دینار کا مستحق ہو جائے گا، چاہے ایک ماہ بعد لائے یا سال بعد۔

(3) اگر ایک جماعت انعام مقرر کردہ کام کرنے لگ جائے تو انعام ان میں برابر تقسیم ہو جائے گا۔

(4) حرام کام پر انعام مقرر کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً: یہ کہنا کہ ''جو گانا گائے یا ساز بجائے یا فلاں کو مار آئے یا گالی دے اس کے لیے اتنا انعام ہو گا'' ناجائز ہے۔

(5) جو شخص کوئی گم شدہ چیز یا گم شدہ جانور واپس کرتا ہے یا کام کرنے لگ جاتا ہے اور اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ اس پر انعام مقرر ہو چکا ہے تو یہ انعام کا مستحق نہیں ہے، اس لیے کہ اس نے کام کی ابتدا نفلی طور پر اور اپنی خوشی سے کی تھی، لہٰذا یہ مستحق انعام نہیں ہے۔[2] البتہ بھاگے ہوئے غلام کو پکڑنے یا ڈوبتے کو بچانے پر اسے انعام سے نوازا جا سکتا ہے کہ یہ اس کی جرأت و بہادری کا صلہ ہے۔

(6) کسی حلال چیز کے بارے میں یہ کہنا کہ جو اسے کھا لے یا پی لے تو اس کے لیے اتنا انعام ہے تو یہ صحیح ہے۔ ہاں، اگر یوں کہے جو اسے کھائے اور اس میں سے کچھ چھوڑ دے تو اس پر اتنی چٹی ہو گی تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ شرط بن جاتی ہے۔

(7) اگر مالک اور عامل دونوں انعام کی مقدار میں اختلاف کریں تو مالک کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہو گی اور اگر انعام کے ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے تو بات عامل کی تسلیم ہو گی مگر قسم کے ساتھ۔

[1] صحيح البخاري، الطب، باب الرقى بفاتحة الكتاب، حديث: 5736، وصحيح مسلم، السلام، باب جواز أخذ الأجرة.....، حديث: 2201. [2] الا یہ کہ مالک اپنی خوشی سے اسے انعام دے دے، تاہم عامل کو بلاشبہ نیت و عمل کی بنیاد پر ثواب ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (ع،ر)

حوالہ کا بیان ❁ **حوالہ کی تعریف:** ایک شخص کے ذمے سے قرض تبدیل کر کے دوسرے کے ذمے کر دینا، مثلاً: ایک شخص نے قرض دینا ہے اور اسی نے کسی اور سے قرض لینا بھی ہے تو قرض خواہ قرض کا مطالبہ کرتا ہے تو مقروض کہتا ہے: میں نے فلاں سے قرض لینا ہے تو اس سے وصول کر لے، اگر قرض خواہ تسلیم کر لے تو مقروض بریٔ الذمہ ہو جائے گا۔

❁ **حوالہ کا حکم:** ''حوالہ'' جائز ہے، البتہ اگر مقروض، قرض خواہ کو کسی مالدار کا حوالہ دے رہا ہے تو قرض خواہ پر یہ حوالہ قبول کرنا لازم ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ»

''غنی کا قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی (کے قرض) کو غنی کے حوالے کیا جائے تو وہ اسے قبول کر لے۔''[1]

اور فرمایا: «مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَإِذَا أُحِلْتَ عَلٰى مَلِيٍّ فَاتْبَعْهُ»

''غنی کی قرض کی ادا میں تاخیر ظلم ہے اور جب تو غنی کے حوالہ کیا جائے تو اسے قبول کر۔''[2]

❁ **حوالہ کی شرائط:** (1) جس کے ذمے قرض حوالہ کیا جا رہا ہے وہ قرض کو تسلیم کرتا ہو اور اس کے ذمہ قرض یقیناً ثابت شدہ ہو۔

(2) دونوں قرضے جنس، تعداد، مقدار، صفت اور ادائیگی کی میعاد میں برابر ہوں۔

(3) حوالہ کرنے والا اور جس کے حوالے کیا جا رہا ہے، دونوں اس پر راضی ہوں، اس لیے کہ حوالہ کرنے والے نے اگرچہ قرض دینا ہے مگر اس پر یہ لازم نہیں کہ بذریعہ حوالہ ہی ادا کرے، اسی طرح جس کے حوالے کیا جا رہا ہے، وہ بھی پابند نہیں ہے کہ اسے ضروری قبول کرے۔ ''عقد حوالہ'' مسلمانوں میں آسانی پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

❁ **حوالہ کے احکام:** (1) قرض جس کے حوالہ کیا جا رہا ہے، وہ ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ»

''جب تم میں سے کسی (کے قرض) کو غنی کے حوالہ کیا جائے تو وہ'' قبول کر لے۔''[3]

[1] صحيح البخاري، الحوالات، باب الحوالة، وهل يرجع في الحوالة؟ حديث: 2287، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم مطل الغني ...، حديث: 1564. [2] [صحيح] سنن ابن ماجه، الصدقات، باب الحوالة، حديث: 2404، ومسند أحمد: 71/2، اس کی سند میں انقطاع ہے لیکن شواہد کے ساتھ یہ صحیح ہے۔ [3] صحيح البخاري، الحوالات، باب الحوالة، وهل يرجع في الحوالة؟ حديث: 2287، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم مطل الغني ...، حديث: 1564.

﴿2﴾ اگر قرض ایک شخص کے حوالے ہو گیا ہے، بعدازاں پتہ چلا کہ وہ مفلس ہے یا مر چکا ہے یا بہت دور چلا گیا ہے تو قرض خواہ اپنا حق حوالہ کرنے والے (پہلے مقروض) سے طلب کر سکتا ہے۔

﴿3﴾ اگر ایک شخص نے اپنا قرض کسی کے حوالے کر دیا اور اس نے پھر آگے کسی اور کے حوالے کر دیا تو جائز ہے، اس لیے کہ اگر شرطیں پوری کر لی گئی ہیں تو ''تکرارِ حوالہ'' میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ضمانت، کفالت، رہن، وکالت اور صلح کا بیان

ضمانت کی تعریف: کسی دوسرے پر ثابت شدہ حق کی ذمہ داری قبول کرنا، مثلاً: ایک شخص کا کسی پر حق ہے، اس نے مطالبہ کیا تو ایک اور شخص جو بااختیار ہے، کہتا ہے یہ میرے ذمے ہے، میں تجھے دے دوں گا۔ اس لفظ سے وہ ''ضامن'' ہوگا۔ صاحب حق اس سے اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر یہ نہ دے تو پھر اصل مقروض سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔

ضمانت کا حکم: اس طرح کی ذمہ داری لینا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝﴾

''اور جو اس (پیالے) کو لائے گا اس کے لیے (حکومت کی طرف سے) ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ہے اور میں اس کا ضامن ہوں۔''[1]

جب کوئی مقروض شخص فوت ہو جاتا اور قرض کی ادائیگی کے لیے اس کے متروکہ مال میں کچھ نہ ہوتا، آپ اس کا جنازہ پڑھنے سے رک جاتے اور فرماتے: «صَلُّوا عَلٰى صَاحِبِكُمْ» ''اپنے ساتھی پر جنازہ پڑھو۔'' لیکن اس کے بعد جب آپ پر فراخی ہو گئی، آپ ﷺ فوت شدہ شخص کا قرض اپنے ذمے لے کر اس کی نماز جنازہ پڑھاتے تھے۔[2]

ضمانت کے احکام: ﴿1﴾ ''ضمانت'' میں ضامن کا راضی ہونا معتبر ہے ''مضمون'' (جس شخص کی ضمانت دی جا رہی ہے) کی رضا کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿2﴾ جس کی ذمہ داری دی جا رہی ہے وہ اس وقت بری قرار پائے گا، جب ضامن ذمہ داری پوری کرے گا اور ''جس کی ذمہ داری دی جا رہی ہے'' اگر بری ہو گیا تو ضامن بھی ضمانت سے بری ہو جائے گا۔

﴿3﴾ ''ضمانت'' میں ''مضمون'' (جس کی ضمانت دی جا رہی ہے) کی معرفت ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ضامن جس کو بالکل ہی نہیں جانتا ہے اس کی ضمانت بھی دے سکتا ہے۔ اس لیے کہ ''ضمان'' نیکی اور احسان کا کام ہے۔

﴿4﴾ ''ضمانت'' اسی حق میں دی جا سکتی ہے جو کسی کے ذمہ ثابت شدہ ہو یا آئندہ ثابت ہونے والا ہو، جیسا کہ

[1] يوسف 12:72. [2] صحيح البخاري، الكفالة، باب الدين، حديث: 2298.

انعام وغیرہ میں ہوتا ہے۔

(5) ایک ہی چیز میں متعدد ضامن ہو سکتے ہیں، جبکہ ضامن پر ضامن ہو (ضامن کا بھی کوئی ضامن بن جائے) تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

● **ضمانت کا تحریری نمونہ:** بسم اللہ اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد، میرے پاس ❀ اس ''ضمان'' کے گواہ فلاں تاریخ کو آئے اور گواہی دی کہ یہ شخص فلاں کے ذمے اتنی مقدار کے واجبات کا ضامن ہے (اس موقع پر لکھنے یا لکھانے والا واضح کرے کہ قرض کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہے یا قسطیں ہیں یا کہ مؤجل ہے) اور یہ ''ضمان'' شرعی اصولوں کے مطابق ہے، ضامن نے اقرار کیا ہے کہ وہ مذکورہ واجبات کی ادائیگی پر قادر ہے اور ضمان کے عرفی و شرعی مفہوم سے واقف ہے، جبکہ ''جس کی ضمانت دی جارہی ہے اس'' نے بھی اس کی ''ضمان'' کو تسلیم کیا ہے۔ آج مؤرخہ ...... کو یہ تحریر ہوئی۔

● **کفالت کی تعریف:** ایک بااختیار شخص اپنے اوپر یہ لازم کر لے کہ اگر فلاں پر کسی حق کو ادا کرنا ثابت ہو گیا تو میں دوں گا یا وہ (بااختیار شخص) کسی کو عدالت میں حاضر کرنے کی ذمہ داری قبول کرے۔[1]

● **کفالت کا حکم:** مذکورہ ''کفالت'' شرعاً جائز ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَن يُحَاطَ بِكُمْ﴾

''میں اسے تمھارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا، الا یہ کہ تم مجھ سے اللہ کی طرف سے پختہ عہد کرو کہ اسے ضرور میرے پاس واپس لاؤ گے، الا یہ کہ تمھارا گھیراؤ کر لیا جائے۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا كَفَالَةَ فِي حَدٍّ» ''حدوں میں کفالت نہیں ہے۔''[3]

اور فرمایا: «اَلزَّعِيمُ غَارِمٌ» ''کفیل (نے جو حق اپنے ذمے لیا ہے وہ اسے) ادا کرے گا۔''[4]

❀ یہ مطلب نہیں کہ بعینہ یہی الفاظ لکھے جائیں بلکہ بطور نمونہ یہ اظہار مقصود ہے کہ ضمانت نامہ میں کسی طرح فریقین، عقد اور گواہوں کا تذکرہ ہو جائے اور یہ تحریر قاضی محکمہ کی طرف سے ہو گی۔ (مؤلف)

[1] حاشية الروض المربع (108/5) میں کفالت کی یہ تعریف لکھی گئی ہے: اِلْتِزَامُ رَشِيدٍ بِرِضَاهُ وَلَو مُفْلِسًا أَوْقِنًا أَوْمُكَاتَبًا بِإِذْنِ سَيِّدٍ. إِحْضَارُ مَنْ تَعَلَّقَ بِهِ حَقٌّ مَالِيٌّ مِنْ دَيْنٍ أَوْعَارِيَةٍ أَوْنَحْوِهَا لِرَبِّ الْحَقِّ. برضا و رغبت بالغ سمجھدار کا یہ ذمہ داری اٹھانا کہ فلاں شخص کو جس پر مالی حق قرضہ یا رعایت متعلق ہوا ہے، حقدار کے پاس حاضر کرے گا۔ مقصود یہ کہ کفالت کا تعلق مالی حقوق کے حوالے سے مکفول (جس کی ذمہ داری اٹھائی گئی ہے) کی ذات کے ساتھ ہے۔ (ع، و) [2] یوسف 66:12. [3] [ضعیف ومنکر] السنن الكبرى للبيهقي: 77/6 من طريق ابن عدي، اس کی سند سخت ضعیف اور منکر ہے۔ [4] [حسن] سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: 3565، اسے ابن جارود نے صحیح کہا ہے، تاہم اس کی سند حسن ہے۔

کفالت کے احکام: (1) کفالت میں ''مکفول'' (جس کی کفالت کی جائے) کی پہچان ضروری ہے، بالخصوص عدالت میں حاضر کرنے کی کفالت میں۔

(2) کفالت میں ''کفیل'' کی رضا ضروری ہے۔

(3) مالی کفالت میں اگر ''مکفول'' فوت ہو جائے تو کفیل مال کا ضامن ہے اور اگر کسی کو حاضر کرنے کی کفالت میں ''مکفول'' مر جائے تو کفیل پر کچھ نہیں ہے۔

(4) کفیل، مکفول کو عدالت میں قاضی کے پاس پیش کر دے تو کفیل کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

(5) کفالت ان حقوق میں ہی ہوتی ہے جو کسی کے ذمے ہوں اور ان میں شرعاً نیابت جائز ہو، مثلاً: مالی امور وغیرہ اور جن امور میں ایک انسان دوسرے کا نائب نہیں بن سکتا، جیسے: حدود و قصاص وغیرہ تو ان میں ''کفالت'' بھی نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا كَفَالَةَ فِي حَدٍّ» ''حدود میں کفالت نہیں ہے۔''[1]

رہن کی تعریف: مقروض قرض کے تحفظ کے لیے کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس رکھتا ہے تاکہ وہ عدم ادائیگی کی صورت میں یہ چیز یا اس کی قیمت سے قرض منہا کر لے (کاٹ کر وصول کر لے)، مثلاً: ایک شخص نے کسی سے قرض طلب کیا، قرض دینے والا مطالبہ کرتا ہے کہ قرض کے تحفظ (دوسرے لفظوں میں میری تسلی) کے لیے تو میرے پاس (اپنی کوئی چیز) جانور یا زمین وغیرہ گروی رکھ، جب ''ادائیگی قرض'' کا وقت آئے گا اور مقروض قرض ادا کر سکے گا تو قرض دینے والا (یا تو قرض وصول کر کے گروی چیز مقروض کو واپس کر دے گا یا اسی) گروی چیز میں سے اپنا قرض وصول کر لے گا۔ اس معاملے میں قرض دینے والے کو ''مرتہن''، مقروض کو ''راہن'' اور گروی رکھی ہوئی چیز کو ''رہن'' یا ''مرہون'' کہتے ہیں۔

رہن کا حکم: قرض میں کوئی بھی چیز گروی رکھنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ ۖ﴾

''اگر تم سفر میں ہو اور (قرضے کی دستاویز) لکھنے والا نہ پاؤ تو گروی چیز قبضہ میں کر لی جائے۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «لَا يُغْلَقُ الرَّهْنُ (مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِي رَهَنَهُ) لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ»

''رہن اس کے مالک ''راہن'' سے نہ روکی جائے۔ اس کی بڑھوتری اس کی ہے اور اسی پر اس کا تاوان ہے۔''[3]

---

[1] [ضعيف و منكر] السنن الكبرٰى للبيهقي: 77/6 من طريق ابن عدي. [2] البقرة 283:2، اس آیت میں دلیل ہے کہ گروی رکھنا جائز ہے سفر ہو یا حضر۔ اور سفر کی قید واقعی اور غالبی ہے کیونکہ سفر میں یہ صورت زیادہ پیش آ سکتی ہے کہ کوئی گواہ اور کاتب نہ ملے لہٰذا یہ قید احترازی نہیں۔ (مؤلف) [3] [حسن لغيره] كتاب الأم للشافعي: 60/4 مرسلا، وسنن الدارقطني: 33,32/3، وسنن ابن ماجه، الرهون، باب لا يغلق الرهن، حديث: 2441. والزيادة من الشافعي یہ روایت حسن لغیرہ ہے۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «رَهَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ دِرْعًا لَّهُ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِالْمَدِينَةِ فَأَخَذَ مِنْهُ شَعِيرًا لِّأَهْلِهِ»
''رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ ''رہن'' رکھی اور اس سے اپنے گھر کے لیے جَو (بطورِ قرض) حاصل کیے۔''[1]

● **رہن کے احکام:** ① ''مرتہن'' کا ''گروی رکھی گئی چیز'' پر قبضہ کرتے ہی عقد رہن منعقد ہو کر راہن پر لازم ہے کہ اسے مرتہن کے پاس رہنے دے، بنا بریں ''راہن'' اگر واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا مگر ''مرتہن'' اسے واپس کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اس لیے کہ رہن سے اس کا حق وابستہ ہے۔

② جو چیزیں فروخت کرنا درست نہیں ان کا ''رہن'' رکھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ البتہ کھیتی اور پھل جو ابھی پکے نہیں ہیں ان کی ''بیع'' درست نہیں مگر گروی رکھے جا سکتے ہیں، اس لیے کہ اس میں مرتہن کو کوئی غرر، خطرہ اور دھوکا نہیں لگے گا۔ جبکہ کھیتی یا پھل تباہ بھی ہو جائے تو قرض ''راہن'' کے ذمے ثابت ہے۔

③ ''رہن'' کی میعاد ختم ہونے پر ''مرتہن'' قرض کا مطالبہ کرے۔ اگر ''راہن'' ادائیگی کر دے تو ''رہن'' واپس کر دے، ورنہ اس میں سے اپنا حق وصول کر لے۔ اگر کاروبار کی وجہ سے ''گروی'' میں آمدنی اور اضافہ حاصل ہوا ہے تو اسے فروخت کر کے اپنا حق رکھ لے اور زائد واپس کر دے۔ لیکن اگر ''رہن'' کی فروخت سے پورے حق کی ادائیگی نہیں ہوتی تو بقیہ قرض ''راہن'' کے ذمے ہے۔

④ ''رہن'' ''مرتہن'' کے ہاتھ میں امانت ہے، اگر اس کی کوتاہی یا زیادتی سے تلف ہو جائے تو وہ ''ضامن'' ہوگا، ورنہ ''ضامن'' نہیں ہے اور قرض ''راہن'' کے ذمے باقی رہے گا۔

⑤ ''رہن'' کو ''مرتہن'' کے علاوہ کسی امین شخص کے پاس بھی رکھا جا سکتا ہے، اس لیے کہ ''رہن'' کا اصل مقصد قرض کا تحفظ ہے اور امین شخص کے پاس اس کو رکھنے سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

⑥ اگر ''راہن'' یہ شرط لگائے کہ قرض کی ادائیگی کی میعاد آنے پر رہن کو فروخت نہیں کیا جا سکے گا تو ''رہن'' باطل ہے۔ اسی طرح اگر ''مرتہن'' یہ شرط لگائے کہ میعاد آنے پر قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں ''رہن'' کا مالک ''مرتہن'' ہوگا تو اس سے بھی ''رہن'' باطل ہو جائے گا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يُغْلَقُ الرَّهْنُ وَالرَّهْنُ لِمَنْ رَّهَنَهُ، لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ»
''گروی رکھی گئی چیز کو روکا نہ جائے، یہ ''رہن'' رکھنے والے کی ملکیت ہے اور اسی کے لیے اس کا نفع ہے اور

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب شراء النبي ﷺ بالنسيئة، حديث: 2069، ومسند أحمد: 133/3.

اسی پر اس کا تاوان ہے۔"[1]

⑦ قرض کی مقدار میں اگر "راہن" اور "مرتہن" کے مابین اختلاف ہو جائے تو حلف کے ساتھ "راہن" کی بات معتبر ہوگی، الّا یہ کہ "مرتہن" اس کے خلاف ثبوت پیش کر دے اور اگر "رہن" میں اختلاف ہو جائے، مثلاً "راہن" کہتا ہے کہ میں نے تیرے پاس جانور اور اس کا بچہ گروی رکھا تھا اور "مرتہن" کہتا ہے صرف جانور تھا تو حلف کے ساتھ "مرتہن" کی بات معتبر ہوگی۔ الّا یہ کہ "راہن" اس کے خلاف ثبوت پیش کر دے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ»

"ثبوت مدعی پیش کرے اور قسم اس مدعیٰ علیہ پر ہے (جو انکار کرے۔)"[2]

⑧ اگر "مرتہن" دعویٰ کرے کہ میں نے "مرہون" چیز واپس کر دی ہے اور "راہن" انکار کرے تو راہن کی حلفیہ بات تسلیم کی جائے گی، الّا یہ کہ "مرتہن" اپنے دعوے میں ثبوت پیش کر دے۔

⑨ "مرتہن" اخراجات (چارہ وغیرہ) کے بدلے میں گروی رکھی ہوئی سواری پر سوار ہو سکتا ہے اور اس کا دودھ پی سکتا ہے۔ اس بارے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا، وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا، وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ»

"مرہون جانور پر خرچ کے عوض سواری کی جا سکتی ہے اور اس کا دودھ پیا جا سکتا ہے اور جو سوار ہوگا اور دودھ پیے گا، وہ (جانور کی ضروریات کے لیے) خرچ ادا کرے گا۔"[3]

⑩ گروی چیز کی آمدنی، اجرت، محصول، نسل وغیرہ سب "راہن" کی ملکیت ہے اور اسی کے ذمے ان تمام چیزوں کے اخراجات ہیں جن سے گروی چیز کی بقا ہے، مثلاً: باغ کو پانی پلانا وغیرہ، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلرَّهْنُ لِمَنْ رَهَنَهُ، لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ»

"مرہون چیز "راہن" کی ملکیت ہے، وہی اس کے نفع کا مالک ہے اور اسی پر اس کا تاوان ہے۔"[4]

① [حسن لغيره] كتاب الأم للشافعي: 60/4 مرسلاً، وسنن الدارقطني: 33,32/3، وسنن ابن ماجه، الرهون، باب لا يغلق الرهن، حديث: 2441. یہ روایت حسن لغیرہ ہے۔ ② السنن الكبرى للبيهقي: 252/10، یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے، اس کی اصل صحیحین میں موجود ہے۔ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿الَّذِينَ يَشْتَرُونَ ...... ﴾، حديث: 4552، وصحيح مسلم، الأقضية، باب اليمين على المدعى عليه، حديث: 1711. ③ صحيح البخاري، في الرهن في الحضر، باب الرهن مركوب و محلوب، حديث: 2512. ④ [حسن لغيره] كتاب الأم للشافعي: 60/4 مرسلاً، و سنن الدار قطني: 33,32/3، وسنن ابن ماجه، والرهون، باب لا يغلق الرهن، حديث: 2441.

⑪ اگر ''مرتہن'' نے ''راہن'' کی اجازت کے بغیر حیوان وغیرہ پر خرچ کر دیا ہے تو وہ ''راہن'' سے مطالبہ نہیں کر سکتا، ہاں اگر اس کے لیے دور کی مسافت کی وجہ سے فوری طور پر اجازت لینا ممکن نہیں ہے تو پھر وہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس نے ''راہن'' سے وصول کرنے کی نیت سے خرچ کیا ہو، ورنہ نہیں، اس لیے کہ جس نے نیکی سمجھ کر خرچ کیا ہے وہ وصول نہیں کر سکتا۔

⑫ شکستہ اور ویران مکان کو اگر ''مرتہن'' نے ''راہن'' کی اجازت کے بغیر مرمت اور آباد کر دیا ہے تو وہ ''راہن'' سے کچھ نہیں لے سکتا۔ ہاں، لکڑی، پتھر وغیرہ، جن کا اتارنا انتہائی مشکل ہوتا ہے، کا حساب ''راہن'' سے لے سکتا ہے۔

⑬ ''راہن'' کے فوت یا مفلس ہونے کی صورت میں ''مرتہن'' کا استحقاق دوسرے قرض خواہوں سے زیادہ ہے۔ چنانچہ ''میعاد ادائیگی'' آنے پر وہی رہن فروخت کر کے اپنا قرض وصول کرے گا اور جو زائد ہے اسے واپس کرے گا اور اگر اس کی فروخت سے قرض پورا نہیں ہوا تو وہ باقی قرض میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہے۔

❁ **تحریری نمونہ:** اللہ کی حمد وثنا کے بعد:

(رو برو مسمی بہ............قاضی عدالت/راوتھ کمشنر............)۔فلاں .... نے اقرار کیا کہ اس کے ذمے فلاں .... کا .... قرض ہے۔ اور اس قرض کی مدت .... ہے۔ تو بطور توثیق مذکور بالا مقروض نے قرض خواہ مذکور بالا کے ہاتھ میں اپنا گھر واقع .... (کہ جس کا رقبہ .... اور محل وقوع .... اور مالیت .... ہے) جو کہ اقرار کرنے والے کی ذاتی ملکیت ہے، مذکور بالا قرض کے عوض رہن رکھا ہے۔ یا فلاں چیز ساری کی ساری .... اس حالت میں کہ یہ رہن مرتہن (قرض خواہ) کے اختیار میں شرعاً تسلیم شدہ بالکل صحیح حالت میں ہو گا، لہٰذا مرتہن مذکور بالا (قرض خواہ) نے مذکور رہن کو شرعاً قبول کر لیا ہے۔

تاریخ تحریر .... المُقر ....

المرتہن .... القاضی ....

❁ **وکالت کی تعریف:** کسی ایسے معاملے میں جس میں شرعاً نیابت ہو سکتی ہے، کسی شخص کا دوسرے کی جگہ مقرر ہونا، جیسے خریداری، بیع اور مخاصمت وغیرہ میں۔

❁ **وکالت کی شرائط:** ''وکیل'' اور ''مؤکل'' (کسی کو اپنا وکیل بنانے والا) دونوں میں شرط یہ ہے کہ ان میں ''مکلّف'' ہونے کی صفات پائی جائیں، یعنی عاقل بالغ اور صاحب اختیار ہوں۔

❁ **وکالت کا حکم:** کتاب وسنت سے وکالت کا جواز ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا ﴾ ''صدقات وصول کرنے والوں کے لیے۔''[1]

جو کہ زکاۃ جمع کرنے میں امام وقت کے وکیل ہوتے ہیں۔

اور فرمایا: ﴿ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ ﴾

''تم اپنے میں سے ایک کو یہ چاندی دے کر شہر بھیجو، وہ اچھا طعام دیکھے اور اس میں سے تمھارے پاس کھانا لائے۔''[2]

یعنی اصحاب کہف نے اپنے میں سے ایک کو طعام خریدنے کے لیے وکیل بنایا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے انیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: «اُغْدُ یَا أُنَیْسُ! إِلٰی امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»

''انیس! اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ، اگر اعتراف کرلے تو اس کو رجم کر دو۔''[3]

اس واقعے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابی انیس رضی اللہ عنہ کو دعوے کی تحقیق اور حد قائم کرنے میں اپنا وکیل مقرر کیا۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: «وَكَّلَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ»

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے رمضان المبارک کی زکاۃ (فطرانے) کی حفاظت کے لیے وکیل بنایا۔''[4]

اور آپ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کو کہا:

«إِذَا أَتَیْتَ وَكِیلِي فَخُذْ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسْقًا، فَإِنِ ابْتَغٰی مِنْكَ آیَةً فَضَعْ یَدَكَ عَلٰی تَرْقُوَتِهِ»

''جب تو میرے وکیل کے پاس جائے تو اس سے پندرہ وسق لے لینا، اگر وہ تجھ سے کوئی نشانی طلب کرے تو اپنا ہاتھ اس کی ہنسلی پر رکھ دینا۔''[5]

اور آپ نے اپنے غلام رافع اور ایک انصاری رضی اللہ عنہما کو بھیجا تو انھوں نے آپ کا نکاح میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا۔ تو اس طرح ان دونوں کو عقد نکاح کے لیے وکیل بنایا۔[6]

❁ **وکالت کے احکام:** (1) جس لفظ سے کسی کام کے کرنے کی اجازت معلوم ہو، اس سے ''وکالت'' کا اثبات ہو جاتا ہے، بنابریں اس کے لیے کسی مخصوص لفظ کی ضرورت نہیں ہے۔

(2) شخصی حقوق میں کسی بھی ''عقد'' کے لیے وکالت صحیح ہے، مثلاً: خرید وفروخت، نکاح، طلاق، رجوع (بیوی کو رجوع کی اطلاع بھیجنا) اور خلع وغیرہ، اسی طرح حقوق اللہ میں بھی جن میں نیابت ہوسکتی ہے، وکالت درست ہے، جیسا کہ

[1] التوبة 9:60. [2] الكهف 18:19. [3] صحيح البخاري، الحدود، باب الاعتراف بالزنا، حديث: 6827، وصحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنا، حديث: 1697. [4] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، حديث: 3275 وغيره. [5] [ضعيف] سنن أبي داود، القضاء، باب في الوكالة، حديث: 3632، اس کی سند ابن اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [6] جامع الترمذي، الحج، باب ما جاء في كراهية تزويج المحرم، حديث: 841 وقال حسن.

زکاۃ تقسیم کرنا، میت یا عاجز کی طرف سے حج اور عمرے کی ادائیگی کرنا۔

③ حدود ثابت کرنے (جرم کی تحقیق کرنے) اور حدود کے نفاذ میں بھی وکالت صحیح ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے انیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: «أُغْدُ يَا أُنَيْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»

''انیس! اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف جرم کر لے تو اسے سنگسار کر دینا۔''①

④ جن عبادتوں میں ایک آدمی دوسرے کا نائب نہیں بن سکتا، جیسا کہ نماز اور روزہ، ان میں کوئی شخص اپنا وکیل مقرر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح لعان، ظہار، امان، نذریں اور شہادات وغیرہ ان میں بھی وکالت نہیں ہے اور اسی طرح حرام اور ناجائز کاموں میں بھی کوئی دوسرے کا وکیل نہیں بن سکتا۔

⑤ وکیل اور مؤکل میں سے جو بھی ''وکالت'' فسخ کرنا چاہے، کر سکتا ہے اور دونوں میں سے ایک کی موت اور جنون سے بھی وکالت ختم ہو جاتی ہے اور اسی طرح ''مؤکل'' کے (وکیل کو) معزول کرنے سے بھی۔

⑥ خرید و فروخت کا وکیل درج ذیل افراد سے خرید و فروخت نہیں کر سکتا: اپنے آپ سے، اپنی اولاد سے، اپنی بیوی سے اور ان قرابت داروں سے جن کی شہادت اس کے حق میں معتبر نہیں ہے، اس لیے کہ ایسا کرنے میں اس پر قرابت داروں کو نوازنے کا الزام ہو سکتا ہے اور وقتی حصہ دار، صاحب وصیت (جسے قریب المرگ نے وصیت کی،) مستقل شریک، قاضی اور ناظم اوقاف اس بات میں وکیل ہی کی طرح ہیں۔

⑦ وکیل سے اگر کوئی نقصان ہو جائے اور اس نے کوتاہی نہیں کی تھی تو وہ ''ضامن'' نہیں ہے لیکن اگر نقصان میں اس کی کوتاہی یا زیادتی کا دخل ہو تو وہ ضامن ہوگا۔

⑧ علی الاطلاق وکیل مقرر کرنا بھی ممکن ہے جس میں مؤکل اپنے تمام حقوق میں کسی کو وکیل بناتا ہے، اور طلاق جیسے امور، جن میں ارادے اور عزم کو دخل ہوتا ہے، کے علاوہ دیگر شخصی حقوق میں یہ وکیل مؤکل کے لیے تصرف کر سکتا ہے۔

⑨ اگر مؤکل نے وکیل کو ایک متعین چیز خریدنے کا کہا ہے تو وہ اس کے بجائے کوئی دوسری چیز نہیں خرید سکتا، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو مؤکل کو اختیار ہے کہ اسے قبول کرے یا رد کر دے۔

⑩ وکیل اجرت بھی لے سکتا ہے، البتہ کام اور اجرت کا تعین ضروری ہے۔

وکالت کا تحریری نمونہ: نمونہ شرعی وکالت نامہ:

اللہ کی حمد و ثنا کے بعد:

(روبرو مسمّی بہ .... قاضی عدالت ....) فلاں .... بن فلاں .... نے

① صحيح البخاري، حديث: 6827، وصحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنا، حديث: 1697.

فلاں .... بن فلاں .... کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے۔ اس حالت میں کہ دونوں بقائمی ہوش وحواس اپنے معاملے کو سمجھنے والے ہیں۔ یہ کہ وکیل مذکور مؤکل مذکور کے فلاں کام .... کو سرانجام دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ چنانچہ وکیل مذکور نے روبرو گواہان درج ذیل اس وکالت نامے کو قبول کیا ہے اور اس کا اقرار بھی کیا ہے۔

تاریخ تحریر .... / .... / ....

المؤکل .... الوکیل .... القاضی ....

صلح کا بیان

❁ **صلح کیا ہے؟** دو جھگڑنے والے افراد کے مابین اختلافات ختم کرنے کی تجویز عقد صلح ہے، مثلاً: ایک شخص نے دوسرے پر اپنے ایک حق کا دعویٰ کیا، ''مدعیٰ علیہ'' جھگڑا ختم کرنے کے لیے یا اسے دعویٰ کی صحت سے انکار ہے تو حلف سے بچنے کے لیے دعوے کے کچھ حصہ پر مصالحت کر لیتا ہے۔

❁ **صلح کا حکم:** صلح جائز ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾

''ان پر باہمی صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور صلح بہتر ہے۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صُلْحًا أَحَلَّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا»

''مسلمانوں میں صلح جائز ہے، سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام بنا دے۔''[2]

❁ **صلح کی اقسام:** (1) اقرار پر مبنی صلح: ایک شخص نے دوسرے پر اپنے حق کا دعویٰ کیا، دوسرا شخص (مدعیٰ علیہ) اقرار کر لے تو ''مدعی'' اس کے عدم انکار (اقرار) کے صلے میں اپنے دعوے میں سے اگر قرض کا تھا تو کچھ وضع (کمی) کر دے، سامان کا تھا تو کچھ ہبہ کر دے یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز دے کر اس سے صلح کر لے، مثلاً: دعویٰ مکان کا تھا اور ''مدعی'' اسے کچھ نقد رقم دے دے یا جانور کا دعویٰ تھا تو اسے کپڑا دے دے وغیرہ۔

(2) انکار پر مبنی صلح: ایک شخص نے اپنے حق کا دعویٰ کیا اور ''مدعیٰ علیہ'' اس کے تسلیم کرنے سے انکاری ہے مگر بعدازاں کچھ دے دیتا ہے تاکہ ''مدعی'' دعویٰ ترک کر دے اور ''مدعیٰ علیہ'' خصومت اور حلف سے بچ جائے، جو انکار کی وجہ سے اس پر لازم آتی تھی۔

(3) سکوت پر مبنی صلح: اس طرح کہ ایک شخص دوسرے پر ایک حق کا دعویٰ کرتا ہے اور ''مدعیٰ علیہ'' خاموش رہتا ہے،

[1] النسآء 4:128. [2] [صحیح] سنن أبي داود، القضاء، باب في الصلح، حدیث:3594، اسے ابن حبان وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔

اقرار کرتا ہے نہ انکار مگر ''مدعی'' کو کچھ دے کر دعویٰ ساقط کراتا ہے اور خصومت ختم کرتا ہے۔

صلح کے احکام: ① صلح میں جو چیز دی جاتی ہے، اس کے احکام جواز اور عدم جواز میں ''بیع'' کی طرح ہیں، اس میں اگر عیب ہے تو رد ہو سکتی ہے، بڑے غبن کی صورت میں (مدعی کو) اختیار حاصل ہے (کہ اسے قبول یا رد کرے) اور اگر غیر منقسم حصہ ہے تو مدعیٰ علیہ کے دوسرے ''شرکاء'' شفعہ کر سکیں گے، مثلاً: ایک شخص نے دوسرے پر مکان کا دعویٰ کیا، وہ اسے کپڑا دے کر صلح کر لیتا ہے اور شرط لگاتا ہے کہ وہ کپڑا فلاں شخص کو نہ دینا تو یہ صلح صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ''بیع'' میں اگر ایسی شرط ہو جائے تو بیع درست نہیں رہتی۔ اسی طرح ایک شخص نقد دیناروں کا دعویٰ کرتا ہے لیکن دوسرا اسے ادھار دراہم پر صلح کے لیے کہتا ہے تو ''صلح'' صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ کرنسی کی 'بیع' میں مجلس میں قبضہ ضروری ہے۔ اسی طرح ایک شخص دوسرے پر باغ کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ اس سے نصف مکان پر صلح کرتا ہے تو مکان کے شریک کے لیے حق شفعہ ہوگا اور اگر جانور دے کر صلح کرتا ہے اور وہ جانور عیب دار ثابت ہوا تو رد و قبول کا اختیار دوسرے فریق کو حاصل ہے اور اسی طرح دعویٰ کے برعکس کسی جنس پر، صلح کی جملہ صورتوں میں ''بیع'' کے احکام نافذ ہوں گے۔

② اگر ایک فریق (مدعی) جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے تو اس کے حق میں ''صلح'' باطل ہے اور جو کچھ ''صلح'' کے طور پر لے رہا ہے، اس کے لیے حرام ہے۔

③ ایک شخص دوسرے کے لیے حق کا اعتراف کرتا ہے مگر کہتا ہے کہ میں کچھ لے کر ہی اس کی ادائیگی کروں گا تو یہ اس کے لیے حلال نہیں ہے، مثلاً: اقرار کرتا ہے کہ میں نے فلاں کے ایک ہزار دینار دینے ہیں مگر اس کی ادائیگی تب ہوگی جب اس میں سے نصف یا کم وبیش چھوڑ دے۔ ہاں، اگر وہ چھوڑنے کی شرط نہیں لگاتا اور مدعی اپنے طور پر نیکی کرتے ہوئے یا کسی کی سفارش کی وجہ سے کچھ چھوڑ دیتا ہے تو اقرار کرنے والا اسے لے سکتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کے قرض خواہوں سے بات کی تھی کہ وہ قرض میں سے کچھ حصہ چھوڑ دیں۔[1]

اسی طرح ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے قرض کا مطالبہ کیا اور اس نزاع میں ان کی آوازیں اونچی ہوگئیں، رسول اللہ ﷺ نے سنا تو باہر تشریف لائے اور کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر اشارہ فرمایا کہ آدھا قرض معاف کر دے، انھوں نے آپ کے فرمان کی تعمیل کی تو نبی اکرم ﷺ نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اٹھو! بقیہ کی ادائیگی کر دو۔''[2]

④ اگر ایک شخص شریکِ دیوار کو کچھ دے کر روشن دان یا دروازہ لگانے کے لیے صلح کرتا ہے تو صلح درست ہے، اس

---

[1] صحیح البخاري، الاستقراض، باب الشفاعة في وضع الدین، حدیث: 2405. [2] صحیح البخاري، الصلاة، باب التقاضي والملازمة في المسجد، حدیث: 457، و صحیح مسلم، المساقاة، باب استحباب الوضع من الدین، حدیث: 1558.

لیے کہ یہ ''بیع'' کے حکم میں ہے۔

❁ **صلح نامہ کا تحریری نمونہ:** بسم اللہ، اللہ کی حمد وثنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود لکھنے کے بعد تحریر کریں:

''فلاں اور فلاں نے اپنے متنازعہ مکان کے بارے میں صلح کر لی ہے، جس کا حدود اربعہ یہ ہے جو ''مدعیٰ علیہ'' کے زیر قبضہ تھا، اس کا مالک فلاں ہے۔ اس دعویٰ میں دونوں متنازع تھے، مصالحت کنندہ اعتراف کرتا ہے کہ مصالحت شرعیہ کے عوض اتنی رقم (روپیہ) یا فلاں چیز دوسرے فریق کو ادا کرے گا اور دونوں اس پر متفق ہیں اور مصالحت کنندہ نے دوسرے کو مکمل طور پر اس کی ادائیگی کر دی ہے اور دوسرے نے اس پر قبضہ کر لیا ہے اور دوسرا فریق بھی اقرار کرتا ہے کہ اس مکان میں صلح کا عوضانہ لینے کے بعد اس کا کوئی استحقاق نہیں ہے اور نہ کوئی دعویٰ اور مطالبہ باقی ہے اور اس میں اس کی ملک، نفع اور کسی بھی انداز میں استحقاق نفع کم نہیں ہے۔ پھر دونوں اس پر شرعی طریق پر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔

ویران اراضی کی آبادی، فاضل پانی، الاٹمنٹ اور چراگاہ کا بیان

❁ **غیر آباد زمین کو آباد کرنا:** ویران زمین آباد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان ایسی زمینوں کو جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہیں، درخت لگا کر یا مکان تعمیر کر کے یا کنواں کھود کر آباد کرے اور اس طرح وہ اس کا مستحق اور مالک بن جائے۔

❁ **غیر آباد زمین کو آباد کرنے کا حکم:** اس کا حکم جواز اور اباحت کا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَّيْتَةً فَهِيَ لَهُ» ''جو ویران زمین کو آباد کرتا ہے، وہ اسی کی ہے۔''[1]

❁ **غیر آباد زمین آباد کرنے کے احکام:** (1) ویران زمین کی آبادی سے آباد کار کی ملکیت کا اثبات دو شرطوں پر مبنی ہے، اولاً یہ کہ اس نے واقعتاً اس کو آباد کیا ہے، درخت لگائے ہیں یا مکانات تعمیر کیے ہیں یا پانی کے لیے کنویں کھودے ہیں، اس کی آبادی صرف کھیت کاشت کرنے، ظاہری علامات لگانے اور خاردار باڑھ لگانے سے ثابت نہیں ہوگی، البتہ اس سے اس کا حق دوسروں سے فائق ضرور ہوگا۔ ثانیاً وہ زمین کسی اور کی ملکیت میں نہ ہو، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَّيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ»

''جو شخص ایسی زمین آباد کرتا ہے، جو کسی کی نہیں ہے، وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔''[2]

(2) اگر زمین آبادی کے قریب یا اندر ہے تو حاکم کی اجازت کے بغیر اس کو آباد نہ کیا جائے، اس لیے کہ وہ مسلمانوں

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الخراج، باب في إحياء الموات، حديث: 3073، وجامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر في إحياء أرض الموات، حديث: 1378 وقال ''حسن غريب''، وذكره البخاري في صحيحه موقوفًا علٰى عمر، قبل الحديث: 2335. [2] صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، باب من أحيا أرضا مواتا، حديث: 2335.

کی منفعت عامہ کے لیے مختص ہو سکتی ہے، جبکہ شخصی ملکیت کی وجہ سے عام لوگوں کا نقصان ہو سکتا ہے۔

③ آباد کرنے سے کان (معدن) کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی، چاہے نمک کی کان ہے یا تیل وغیرہ کی، اس لیے کہ ان سے عام مسلمانوں کا مفاد وابستہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے نمک کی کان ایک شخص کو دے دی تھی مگر اسے واپس لے لیا گیا تھا۔ ①

④ اگر کسی کی آباد کردہ زمین میں پانی کا جاری چشمہ نکل آیا تو وہی اس کا مستحق ہے، پہلے اپنی زمین سیراب کرے گا اور پھر فاضل پانی دوسرے مسلمانوں کے لیے ہوگا، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«اَلْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ: فِي الْمَاءِ وَالْكَلَأِ وَالنَّارِ»

''سب مسلمان تین چیزوں میں حصہ دار ہیں۔ پانی، گھاس اور آگ میں۔'' ②

❁ **چند ضروری باتیں:** اگر قدیم کنویں کی نئی کھدائی کی جا رہی ہے تو اس کے اردگرد ضروریات عامہ کے لیے پچاس ہاتھ جگہ مختص کریں اور اگر کنواں نیا کھودا جا رہا ہے تو اس کے اردگرد پچیس ہاتھ جگہ مختص کر دیں۔ اس پیمائش کا مالک کنویں والا ہوگا۔ بعض سلف ؒ سے یہ معمول ثابت ہے اور ایک روایت میں ہے: «حَرِيمُ الْبِئْرِ مَدُّ رِشَائِهَا»

''کنویں کا محفوظ حصہ اس کے رسے کی لمبائی کے برابر ہے۔'' ③

درخت یا کھجور کا ''حریم'' (محفوظ حصہ) اس کی شاخوں یا ٹہنیوں کی لمبائی کے مطابق ہوگا۔ بنابریں ویران زمین میں اگر کوئی شخص درخت کا مالک بن گیا تو اس کی ٹہنیوں کے بقدر زمین کا وہ مالک قرار پائے گا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «حَرِيمُ النَّخْلَةِ مَدُّ جَرِيدِهَا» ''کھجور کا محفوظ حصہ، اس کی چھڑیوں کی لمبائی کے برابر ہے۔'' ④

مکان کا حریم (محفوظ حصہ) اتنی جگہ ہونی چاہیے جس میں کوڑا ڈالا جا سکے یا اونٹ بیٹھ سکیں یا گاڑی پارک کی جا سکے۔ بنابریں جو شخص ویران علاقے میں مکان بناتا ہے، اس کے اردگرد عرف کے مطابق مذکورہ ضروریات کے لیے جگہ مختص کی جائے گی۔

ضرورت سے زائد پانی

❁ **زائد پانی کی تعریف:** اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مسلمان کے پاس کنواں ہے یا نہر ہے اور اس کا پانی اس کی اپنی ضروریات، کھیت اور درختوں کو سیراب کرنے سے زائد ہے۔

❁ **زائد پانی کا حکم:** اس کا حکم یہ ہے کہ ضرورت مند مسلمانوں کو معاوضہ وصول کیے بغیر وہ پانی مہیا کیا جائے، اس

① سنن الدارقطني: 220/4. ② [صحيح] مسند أحمد: 364/5، وسنن أبي داود، البيوع، باب في منع الماء، حديث: 3477. ③ [ضعيف] سنن ابن ماجه، الرهون، باب حريم البئر، حديث: 2487، اس کی سند منصور بن صقیر کی وجہ سے ضعیف ہے۔
④ [ضعيف] سنن ابن ماجه، الرهون، باب حريم الشجر، حديث: 2489، اس کی سند منصور بن صقیر کی وجہ سے ضعیف ہے۔

لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُبَاعَ بِهِ الْكَلَأُ»

''زائد پانی کو فروخت نہ کیا جائے تا کہ اس کے ذریعے سے (آس پاس کی) گھاس فروخت کی جائے۔''[1]

اور فرمایا: «لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ»

''ضرورت سے زائد پانی کو نہ روکا جائے تا کہ اس کے ذریعے (جانوروں کا) چارہ روکا جائے۔''[2]

ضرورت سے زائد پانی کے احکام: (1) ضرورت سے زائد پانی کسی دوسرے کو دینا اسی وقت متعین ہوگا جب پانی کا مالک اس سے مستغنی ہو، یعنی اس کی ضرورت سے زائد ہو۔

(2) اور جسے دیا جارہا ہے وہ ضرورت مند ہے۔

(3) اور اس کے مالک کو کسی بھی انداز میں نقصان نہیں ہو رہا۔

زمین کی الاٹمنٹ زمین کی الاٹمنٹ کا مطلب یہ ہے کہ غیر مملوکہ زمین میں سے حاکم وقت کسی کو کھیت کاشت کرنے یا باغ لگانے یا عمارت بنانے یا آمدنی حاصل کرنے یا اسے اس کا مالک بنا کر قطعۂ زمین دے۔

زمین کی الاٹمنٹ کا حکم: کسی کو رقبہ الاٹ کرنا صرف بادشاہ وقت کا کام ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے اور اسی طرح ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کے بعد جاگیر کے طور پر رقبے دیے تھے۔

زمین کی الاٹمنٹ کے احکام : (1) امام کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں دے سکتا، اس لیے کہ یہ املاک عامہ ہیں، لہٰذا اس کے علاوہ دوسرا کوئی بھی تصرف نہیں کر سکتا۔

(2) اور اتنا رقبہ دینا چاہیے جتنا وہ آباد کر سکے اور تعمیر کر سکے۔

(3) امام نے کسی کو آبادکاری کے لیے رقبہ دیا مگر وہ اسے آباد نہیں کر سکا تو مصلحت عامہ کے مفاد میں امام اسے واپس لے لے۔

[1] صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع فضل الماء الذي يكون......، حديث: 1566. [2] صحيح البخاري، المساقاة، باب من قال: إن صاحب الماء أحق......، حديث: 2353، و صحيح مسلم، المساقاة،باب تحريم بيع فضل الماء الذي يكون......، حديث: 1566. مثلاً: ایک آدمی کا کسی جنگل وغیرہ میں کنواں ہو جس کا پانی اس کی ضرورت سے زائد ہے اور اس کے اردگرد کافی گھاس اگی ہوئی ہے جہاں لوگوں کے مویشی چرتے اور اس کے کنویں سے سیراب ہوتے ہیں مگر وہ گھاس اپنے لیے مخصوص کرنا چاہتا ہے جس کا طریقہ اس نے یہ نکالا کہ چرواہوں سے پانی کی قیمت وصول کرنا شروع کر دی تا کہ چرواہے خود ہی اپنے مویشی کہیں اور لے جا کر چرائیں، ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ بالواسطہ طور پر گھاس فروخت کرنے کا ایک حیلہ ہے، حالانکہ گھاس کنویں کے مالک کی نہیں ہے۔ (محمد عبدالجبار)

④ امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ بازار، کھلے میدان اور وسیع راستوں میں کسی کو فائدہ حاصل کرنے کے لیے کوئی جگہ مختص کر دے اگر عام لوگوں کا اس سے نقصان نہ ہوتا ہو، اس طرح وہ شخص فائدہ حاصل کرنے میں دوسروں سے فائق ہوگا مگر مالک نہیں قرار پائے گا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ سَبَقَ إِلٰى مَا لَمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهُ»

''جو شخص کسی ایسی جگہ پہلے پہنچے، جہاں کوئی دوسرا مسلمان نہیں پہنچا تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔''①

⑤ امام نے جس کو کوئی جگہ دی ہے یا امام کے دیے بغیر وہ اس پر قابض ہو گیا ہے تو وہ کسی کو نقصان نہ پہنچائے، یعنی دوسروں کے لیے بھی رکاوٹ نہ پیدا کرے، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے: «لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الْإِسْلَامِ»

''اسلام میں نقصان کرنا یا کرانا درست نہیں ہے۔''②

تنبیہ: وادی کا پانی بہہ کر آ جائے تو پہلے اوپر والا فائدہ حاصل کرے، پھر اس کے بعد والا۔ کھیتوں کے اختتام تک اسی پر عمل کیا جائے، الا یہ کہ پانی پہلے ختم ہو جائے۔

اگر سیلاب کے پہلے ریلے کے قریب قریب کھیت ہیں تو کھیتوں کے بڑے چھوٹے کے حساب سے پانی تقسیم کر لیا جائے۔ اگر اس طرح سمجھوتہ نہ ہو سکے تو قرعہ اندازی کر لی جائے، اس لیے کہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَضٰى فِي شُرْبِ النَّخْلِ مِنَ السَّيْلِ أَنَّ الْأَعْلٰى فَالْأَعْلٰى يَشْرَبُ قَبْلَ الْأَسْفَلِ، وَيُتْرَكُ الْمَاءُ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ يُرْسَلُ الْمَاءُ إِلَى الْأَسْفَلِ الَّذِي يَلِيهِ، وَكَذٰلِكَ حَتّٰى تَنْقَضِيَ الْحَوَائِطُ أَوْ يَفْنَى الْمَاءُ»

''نبی کریم ﷺ نے سیلاب کے پانی سے کھجوروں کی سیرابی کے بارے میں فیصلہ کیا کہ اوپر والا نیچے والے سے پہلے پانی پلائے اور ٹخنوں تک پانی بھرے، پھر نیچے کی طرف پانی چھوڑ دے، یہاں تک کہ باغ مکمل (سیراب) ہو جائیں یا پانی ختم ہو جائے۔''③

① [حسن] سنن أبي داود، الخراج، باب في إقطاع الأرضين، حديث: 3071، وحسنه الحافظ في الإصابة: 220/1، یہ حدیث حسن ہے۔ ② [ضعيف] سنن ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، حديث: 2341,2340، والمعجم الأوسط للطبراني: 55/4، حديث: 5193. یہ روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ مل کر بھی ضعیف ہے جبکہ شیخ البانی وغیرہ کی تحقیق کے مطابق حدیث صحیح ہے۔ ③ [ضعيف] سنن ابن ماجه، الرهون، باب الشرب من الأودية......، حديث: 2483، اس کی سند ضعیف ہے۔ لیکن صحیح بخاری والی روایت میں یہی معنی بیان کیے گئے ہیں۔

اور فرمایا: «اِسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ» ''زبیر پانی پلاؤ، پھر اپنے ہمسایے کی طرف چھوڑ دینا۔''①

چراہ گاہ کا بیان

● **چراگاہ کی تعریف:** اس ویران ''قطعۂ اراضی'' کو کہتے ہیں جس کو مخصوص جانوروں کے چرنے کے لیے مخصوص کیا جائے اور عام لوگوں کو اس میں چرانے سے روکا جائے۔

● **چراگاہ کا حکم:** مسلمانوں کی عام زمینوں میں سے ایک ہاتھ بھی کوئی شخص اپنے لیے چراگاہ کے طور پر محفوظ نہیں کر سکتا، البتہ مسلمانوں کی مصلحت کے لیے صرف امام ایسا کر سکتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا حِمٰى إِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ» ''حمی (چراگاہ) صرف اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لیے ہو سکتا ہے۔''②

اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ اور ان کا خلیفہ ہی کسی جگہ کو حمی (چراگاہ) کے طور پر مقرر کر سکتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام بھی مصلحت عامہ کے خلاف نہیں کر سکتا، اس لیے کہ جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے قرار دیا گیا ہو، وہ ہمیشہ مصالح عامہ میں صرف ہوتی ہے، جیسا کہ غنیمتوں کا پانچواں حصہ، فَے (کا سارا مال) اور رکاز (مدفون خزانے) کا پانچواں حصہ وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ نے ''نقیع'' کا علاقہ اونٹوں اور جہاد کے گھوڑوں کے لیے مخصوص کر دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک قطعۂ زمین کو اس مقصد کے لیے متعین کیا تھا۔③ اور اس بارے میں جب ان سے کہا گیا تو فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْلَا الْمَالُ الَّذِي أَحْمِلُ عَلَيْهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا حَمَيْتُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بِلَادِهِمْ شِبْرًا»

''اللہ کی قسم! اگر میرے پاس ایسے جانور نہ ہوں جن پر میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو سوار کرتا ہوں تو میں زمین کا ایک بالشت حصہ بھی چراگاہ نہ بناتا۔''④

● **چراگاہ کے احکام:** ① ''چراگاہ'' کا تعین اہل اسلام کا خلیفۂ وقت یا امام ہی کر سکتا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا حِمٰى إِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ» ''چراگاہ (بنانے کا حق) صرف اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لیے ہے۔''⑤

② صرف ویران اراضی کو جس کا کوئی مالک نہ ہو، چراگاہ بنایا جائے گا۔

① صحيح البخاري، المساقاة، باب سكر الأنهار، حديث: 2360,2359، و صحيح مسلم، الفضائل، باب وجوب اتباعه ﷺ، حديث: 2357. ② صحيح البخاري، المساقاة، باب لاحمى إلا الله ولرسوله ﷺ، حديث: 2370. ③ صحيح البخاري، المساقاة، باب، حديث: 2370. ④ صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب إذا أسلم قوم في دارالحرب......، حديث: 3059، وفتح الباري: 6/177. ⑤ صحيح البخاري، المساقاة، باب لاحمى إلا لله و لرسوله ﷺ، حديث: 2370.

③ ''خلیفۂ اہل اسلام'' اپنے ذاتی مقاصد کے لیے چراگاہ نہ بنائے بلکہ عام مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے ایسا کرے۔

④ مذکورہ بالا پر قیاس کر کے ان پہاڑوں کو بھی اس میں داخل کیا جا سکتا ہے جنھیں حکومت درختوں کی افزائش کے لیے مختص کر لیتی ہے۔ اگر یہ مسلمانوں کی عمومی مصلحت کے تحت ہے تو اس کو بحال رکھا جائے اور اگر اس سے عام لوگوں کا نقصان ہو رہا ہے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا تو اس فیصلے کو تبدیل کر دیا جائے، اس لیے کہ چراگاہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہی ہوتی ہے۔

باب:5 قرض، وصیت اور چند دیگر احکام

قرض کا بیان ✽ **قرض کی تعریف:** ''قرض'' کا لغوی معنی کاٹنا ہے اور شرعاً کسی کو فائدہ حاصل کرنے کے لیے مال دینا، مثلاً: ایک ضرورت مند کہتا ہے: مجھے اتنا مال یا سامان یا جانور اتنی مدت کے لیے بطور ''قرض'' دے، پھر میں اس کا بدل (عوض) دے دوں گا اور وہ اسے دے دے۔

✽ **قرض کا حکم:** قرض دینے والے پر قرض دینا مستحب ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۟

''کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے اور اللہ اس کے لیے اسے (ثواب میں) بڑھائے اور اس کے لیے اچھا اجر ہو۔''[1]

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ نَفَّسَ عَنْ أَخِيهِ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''جو شخص اپنے بھائی سے دنیا کا غم و تکلیف دور کرتا ہے، اللہ قیامت کے روز اس کے غم اور تکلیف کو دور کرے گا۔''[2]

اور ''قرض'' لینے والے کے لیے ''قرض'' لینا جائز اور مباح ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹ ''قرض'' کے طور پر لیا تھا اور اس سے بہتر کی ادائیگی کی تھی۔ اور فرمایا:

«إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً» ''تم میں سے سب سے اچھا انسان وہ ہے جو بہتر طریقے پر ادائیگی کرے۔''[3]

[1] الحديد 11:57. [2] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، حديث: 2699، وجامع الترمذي، القراءات، باب ما قعد قوم في مسجد......، حديث: 2945. [3] صحيح البخاري، الوكالة، باب وكالة الشاهد والغائب جائزة، حديث: 2305، وصحيح مسلم، المساقاة، باب، جواز اقتراض الحيوان......، حديث: 1601.

✽ قرض کی شرائط: (1) ماپ یا وزن یا تعداد میں "قرض" کی مقدار، معلوم ومعروف ہو۔

(2) اس کی صفت اور اگر جانور ہو تو اس کی عمر معلوم ہو۔

(3) "قرض" وہ شخص دے، جو دینے کا مجاز ہو، بنا بریں جو مالک نہیں ہے وہ قرض نہ دے اور اسی طرح وہ شخص جو عقلمند نہیں، وہ بھی قرض نہیں دے سکتا۔

✽ قرض کے احکام: (1) جب "مقروض" قرض وصول کر لے گا تو وہ اس کا مالک متصور ہو گا اور اس کا ذمہ دار ہو گا۔

(2) قرض کی ادائیگی کی میعاد مقرر ہو تو بھی صحیح ہے، اگر میعاد متعین نہ ہو تو بہتر ہے، اس لیے کہ اس میں مقروض کے لیے آسانی ہے۔

(3) اگر "ادائیگی قرض" کے وقت وہ چیز اصل صورت میں موجود ہو تو وہی واپس کی جائے اور اگر اس میں کمی بیشی ہو چکی ہو اور اس کی مثل موجود ہو تو مثل ادا کی جائے اور اگر مثل نہ ہو تو اس کی قیمت ادا کر دی جائے۔

(4) اگر "قرض" کے اٹھانے میں کوئی خرچ نہ آتا ہو تو "قرض خواہ" جہاں چاہے گا مقروض اسے قرض ادا کرے گا، ورنہ "مقروض" پر کسی دوسری جگہ "قرض" پہنچانا ضروری نہیں ہے۔

(5) قرض خواہ کا "مقروض" سے اس قرض میں کسی بھی انداز کا نفع لینا حرام ہے، وہ قرض کی بڑھوتری کی صورت میں ہو یا قرض سے بہتر چیز کی ادائیگی کی شرط لگا کر یا قرض دے کر کوئی خارجی فائدہ اٹھایا جائے جو شرط واتفاق کے طور پر دونوں کے مابین طے پا گیا ہو۔

اگر "مقروض" کسی طے شدہ شرط کے بغیر محض جذبۂ احسان وتشکر کے طور پر زیادہ دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کی ادائیگی اچھے اور عمر میں اس سے بڑے اونٹ کی شکل میں کی تھی۔ اور فرمایا:

«إِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً» "سب سے اچھا وہ انسان ہے، جو ادائیگی اچھی کرے۔"[1]

ودیعت وامانت کا بیان ✽ ودیعت (امانت) کی تعریف: اس مال کو "ودیعت" کہتے ہیں جو کسی کے پاس حفاظت کے لیے رکھا جائے تا کہ امانت رکھنے والا جب چاہے اسے لے سکے۔

✽ ودیعت وامانت کا حکم: "امانت" کے طور پر مال رکھنا شریعت سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ﴾ "جسے امانت دی گئی ہے، اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے۔"[2]

اور فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾

1 صحيح البخاري، الوكالة، باب وكالة الشاهد والغائب جائزة، حديث:2305، و صحيح مسلم، المساقاة، باب جواز اقتراض الحيوان......، حديث:1600. 2 البقرة2:283.

"بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کر دو۔"[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَّنْ خَانَكَ»

"جس نے تجھے امین جانا اس کو امانت ادا کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر۔"[2]

"ودیعت" امانت کے قبیل سے ہے اور ودیعت کا حکم مختلف حالتوں میں مختلف ہوتا ہے۔ کبھی اسے قبول کرنا واجب اور لازم ہوتا ہے، جب ایک مسلمان کے مال کا تحفظ کسی اور ذریعے سے ممکن نہ ہو اور کبھی مستحب، جب مالک خود بھی مال کی حفاظت کر سکتا ہو، اس لیے کہ یہ نیکی کے کام میں تعاون ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾ "اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔"[3]

اور کبھی امانت کا قبول کرنا ناجائز ہوتا ہے، جب وہ مال کی حفاظت کرنے سے قاصر ہو۔

✽ **ودیعت کے احکام:** ① امانت رکھنے والا مالک اور اسے قبول کرنے والا امین دونوں عقل و خرد اور سوجھ بوجھ کے مالک ہوں، بنا بریں نابالغ لڑکا اور مجنون نہ امانت رکھیں اور نہ ان کے پاس امانت رکھی جائے۔

② امانت کے ضائع ہونے کی صورت میں مُودَع (جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے) "ضامن" نہیں ہے، بشرطیکہ اس نے ظلم یا کوتاہی نہیں کی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا ضَمَانَ عَلٰى مُؤْتَمَنٍ»

"جس کو امین بنایا گیا ہے، اس پر ضمان (چٹی) نہیں ہے۔"[4]

③ دونوں کو اختیار ہے، جب چاہیں ودیعت واپس کر سکتے ہیں۔

④ "امین" کسی بھی انداز میں "امانت" سے منفعت حاصل نہیں کر سکتا الا یہ کہ مالک نے اس کو اجازت دی ہو۔

⑤ "ودیعت" کی واپسی میں اختلاف ہو جائے تو جس کے پاس امانت رکھی گئی تھی اس کی بات کا قسم کے ساتھ اعتبار ہوگا۔ الا یہ کہ امانت رکھنے والا ایسا ثبوت پیش کر دے جس سے ودیعت کا واپس نہ ہونا ثابت ہو جائے۔

✽ **"ودیعت" کا تحریری نمونہ:** "فلاں اقرار کرتا ہے کہ اس نے فلاں سے مبلغ............... امانت شرعیہ کے طور پر وصول کر لیے ہیں اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا التزام کرے گا اور اس جگہ اس کو محفوظ کرے گا، جہاں امانت دینے والا کہتا ہے، وہ اس تحریر کے وقت حاضر بھی ہے اور اس پر شرعی تصدیق ثبت ہے۔

واپسی کا تحریری نمونہ: "فلاں اقرار کرتا ہے کہ اس نے فلاں سے مبلغ...............شرعی طریقہ سے واپس لے لیے

① النسآء 4:58. ② [ضعیف] سنن أبي داود، البیوع، باب في الرجل یأخذ حقه من تحت یده، حدیث: 3535، وجامع الترمذي، البیوع، باب [أدا لأمانة......] حدیث: 1264. اس کی سند شریک کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کے سارے شواہد ضعیف ہیں جبکہ شیخ البانی کی تحقیق میں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ③ المآئدة 5:2. ④ [ضعیف] سنن الدارقطني: 3/40.

ہیں اوران پر قبضہ کر لیا ہے، یہ رقم اس کے پاس امانت کے طور پر رکھی گئی تھی۔ اب اس کے پاس اس میں سے کم وبیش کچھ نہیں ہے اور رقم کی ادائیگی کرنے والا بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ مؤرخہ............ ❀

عاریت (مستعار چیزوں) کا بیان ✽ **عاریت کی تعریف:** وہ چیز جو کسی کو کچھ وقت کے لیے دی جائے تاکہ وہ اس سے فائدہ حاصل کرے، مثلاً: ایک مسلمان دوسرے سے قلم مانگتا ہے کہ تحریر کے لیے اسے دے یا کپڑا طلب کرتا ہے تاکہ وہ اسے استعمال کر سکے اور پھر واپس کر دے۔

✽ **عاریت کی دلیل:** عاریتاً چیزیں دینا شرع میں ثابت ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۔ ''اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔''[1]

اور منافقوں کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ ''وہ برتنے کی (عام) چیزوں کو روک رکھتے ہیں۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ نے جب صفوان بن امیہ سے چند زرہیں عاریتاً طلب کیں تو اس نے کہا: اے محمد! کیا یہ غصب کے انداز میں ہے تو آپ نے فرمایا:

«بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ» ''بلکہ عاریتاً لے رہے ہیں اور (ہم) ان کی ادائیگی کے ذمہ دار ہیں۔''[3]

نیز نبی ﷺ نے فرمایا: «مَامِنْ صَاحِبِ إِبِلٍ وَلَا بَقَرٍ وَلَا غَنَمٍ لَا يُؤَدِّي حَقَّهَا إِلَّا أُقْعِدَ لَهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقَاعٍ قَرْقَرٍ تَطَؤُهُ ذَاتُ الظِّلْفِ بِظِلْفِهَا، وَتَنْطَحُهُ ذَاتُ الْقَرْنِ بِقَرْنِهَا، لَيْسَ فِيهَا يَوْمَئِذٍ جَمَّاءُ وَلَا مَكْسُورَةُ الْقَرْنِ، قُلْنَا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا حَقُّهَا؟ قَالَ: إِطْرَاقُ فَحْلِهَا وَإِعَارَةُ دَلْوِهَا وَمَنِيحَتُهَا وَحَلْبُهَا عَلَى الْمَاءِ وَحَمْلٌ عَلَيْهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''اونٹ، گائے اور بکری والا اگر ان کے حقوق ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن ایک صاف میدان میں اسے بٹھا دیا جائے گا، کھر والا جانور اسے اپنے کھر سے اور سینگ والا اپنے سینگ سے مارے گا۔ اس دن ان میں کوئی بے سینگ اور ٹوٹے سینگ والا نہیں ہوگا۔'' ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! اور ان کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ان کا نر چڑھانا، ان کا ڈول عاریتاً دینا، ان کا فائدہ عطیہ کرنا، تالاب پر دودھ دوہنا اور اللہ کے راستہ میں ان پر سواری کرنا (یا کرنے دینا۔)''[4]

❀ اس کے ساتھ ساتھ مالک، امین اور گواہوں کے دستخط بھی ہو جائیں تو اقرب الی الصواب ہے۔ واللہ اعلم (ع،ر)

1. المآئدة 5:2. 2 الماعون 107:7. 3 [ضعيف] سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث:3562. اس کی سند ضعیف ہے، اس کے تمام شواہد ضعیف ہیں۔ وصححه الألباني. 4 صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، حديث:988.

❁ **عاریت کا حکم:** عام حالات میں عاریتاً دینا مستحب ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔''[1]

اور اگر ایک انسان مجبور ہے اور اسے شدید ضرورت لاحق ہے اور مالک اس چیز سے بے نیاز ہے، اسے اس کی ضرورت نہیں، ایسے میں عاریتاً دینا لازم اور واجب ہو جاتا ہے۔

❁ **عاریت کے احکام:** (1) مباح چیزیں عاریتاً دی جا سکتی ہیں۔ بنا بریں لونڈی مجامعت کے لیے عاریتاً نہیں دی جا سکتی اور نہ مسلمان کو کافر کی خدمت کے لیے دیا جا سکتا ہے اور اسی طرح خوشبو اور کپڑا کسی حرام کام کے لیے نہ دیا جائے، اس لیے کہ گناہ پر تعاون کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

''اور گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو۔''[2]

(2) اگر ''عاریت'' دینے والا عاریتاً دیتے وقت حفاظت سے رکھنے کی شرط لگاتا ہے اور چیز عاریتاً لینے والے نے اسے تلف کر دیا ہے تو وہ ''ضامن'' ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُونَ عَلٰى شُرُوطِهِمْ»

''مسلمانوں پر اپنی شرطوں کی پابندی لازم ہے۔''[3]

اور فرمایا: «طَعَامٌ بِطَعَامٍ، وَإِنَاءٌ بِإِنَاءٍ» ''طعام کے بدلے طعام اور برتن کے بدلے برتن ہے۔''[4]

اگر عاریتاً لینے والے کی کوتاہی یا تعدی سے چیز ضائع ہوئی ہے تو اسے اس کی مثل یا قیمت دینی لازم ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَ» ''انسان جو چیز لیتا ہے، اس کی ادائیگی اسی پر ہے۔''[5]

(3) ''عاریت'' واپس کرتے وقت بار برداری وغیرہ کا جو خرچ ہے وہ ''عاریتاً لینے والے'' پر ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَ» ''انسان جو چیز لیتا ہے، اس کی ادائیگی اسی پر ہے۔''[6]

(1) المآئدة 5:2. (2) المآئدة 5:2. (3) سنن أبي داود، القضاء، باب في الصلح، حديث: 3594. (4) [صحيح] جامع الترمذي، الأحكام، باب ما جاء فيمن يكسر له الشيء......، حديث: 1359 وقال ''حسن صحيح'' وأصله عند البخاري، حديث: 2481 و5225. (5) [ضعيف] سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: 3561، وجامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في أن......، حديث: 1266، والمستدرك للحاكم: 47/2، امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے لیکن اس کی سند سعید اور قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (6) [ضعيف] سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: 3561، وجامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في أن......، حديث: 1266، والمستدرك للحاكم: 47/2، امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے لیکن اس کی سند سعید اور قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے جبکہ شیخ البانی اسے صحیح کہتے ہیں۔

4۔ ''عاریت'' کے طور پر لی ہوئی چیز آگے کرایے پر نہیں دی جا سکتی ہاں، اگر 'عاریت'' دینے والے کی طرف سے اجازت ہو تو اسے آگے عاریتاً دے سکتا ہے، ورنہ نہیں۔

5۔ اگر ایک انسان نے شہتیر رکھنے کے لیے عاریتاً دیوار دے دی ہے تو جب تک دیوار گر نہیں جاتی، اس عاریت کو واپس نہیں لیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی نے زمین کاشت کے لیے عاریتاً دی ہے تو کھیت کی کٹائی تک اسے واپس نہ لے، اس لیے کہ اس میں ایک مسلمان کا نقصان ہے جو کہ حرام ہے۔

6۔ جو شخص ایک متعین مدت کے لیے کوئی چیز عاریتاً دیتا ہے تو مدت گزرنے کے بعد اس کا مطالبہ کرنا بہتر ہے، پہلے نہیں۔

عاریت کا تحریری نمونہ: ''فلاں نے فلاں کو اپنی مقبوضہ اور مملوکہ چیز عاریتاً دی ہے۔ یہ فلاں مکان یا باغ یا کپڑا وغیرہ ہے، فلاں مدت تک وہ اس میں رہائش رکھے گا یا اسے استعمال کرے گا۔ یہ صحیح، جائز اور قابل واپسی ''عاریت'' ہے اور مندرجہ بالا طریق کے مطابق عاریتاً لینے والے نے اسے اپنے قبضہ میں لیا ہے اور دونوں نے اس کو شرعی طور پر تسلیم اور قبول کر لیا ہے۔ آج مؤرخہ..............

غصب کا بیان

✽ **غصب کی تعریف:** دوسرے کے مال پر زبردستی اور ناحق قبضہ کر لینا، مثلاً: ایک شخص کا ایک مکان ہے، اس سے چھین کر اس میں رہائش اختیار کرنا یا کسی کا جانور ہے تو اس پر سواری کرنا۔

✽ **غصب کا حکم:** غصب حرام ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ﴾ ''ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ» ''خبردار! تمھارے خون اور تمھارے اموال تم پر حرام ہیں۔''[2]

اور فرمایا: «مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا طَوَّقَهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ»
''جو شخص کسی زمین میں سے ایک بالشت کے برابر ناجائز قبضہ کرتا ہے، قیامت کے دن اسے زمین کی سات تہوں کا طوق پہنایا جائے گا۔''[3] نیز ارشاد گرامی ہے:

«لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ عَنْ طِيبِ نَفْسِهِ» ''کسی مسلمان کا مال اس کی خوشی کے بغیر حلال نہیں ہے۔''[4]

1 البقرة 188:2. 2 صحيح البخاري، المغازي، باب حجة الوداع، حديث: 4406، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء، حديث: 1679. 3 صحيح مسلم، البيوع، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، حديث: 1610. 4 سنن الدارقطني: 25/3.

* **غصب کے احکام:** ① یہ اللہ کا حق ہے کہ غاصب کو قید یا مار پیٹ کی سزا دی جائے تاکہ وہ آئندہ یہ کام نہ کرے اور دوسروں کے لیے عبرت بنے۔

② غاصب پر لازم ہے کہ غصب کردہ چیز واپس کرے اور اگر وہ چیز ضائع ہوگئی ہے تو اس کی مثل دے اور اگر اس کی مثل نہیں ہے تو قیمت ادا کرے۔

③ اگر غاصب نے غصب شدہ چیز کو عیب دار کر دیا ہے جس سے اس کی افادیت ختم ہوگئی ہے تو وہ اس کی مثل واپس کرے اور غصب شدہ چیز اپنے پاس رکھے۔ اگر مثل دینا اس کے لیے ناممکن ہو تو وہ معیوب چیز واپس کرے اور نقصان کی قیمت ادا کرے۔

④ اگر غصب شدہ چیز سے کوئی آمدنی ہوئی ہے تو وہ بھی واپس کرے، مثلاً: جانور کا بچہ یا درختوں کی پیداوار یا جانور کا کرایہ وغیرہ۔

⑤ اگر غصب شدہ زمین ہے اور غاصب نے اس پر کوئی عمارت تعمیر کر لی ہے یا باغ لگا دیا ہے تو عمارت منہدم کرے اور درخت کاٹ لے اور زمین کو اسی حال پر درست کر کے واپس کرے جیسا کہ پہلے تھی۔

اور اگر وہ عمارت یا باغ کو بحال رکھنا چاہتا ہے تو صاحب زمین کی مرضی کے مطابق اس سے ملبے کی قیمت لے سکتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَيْسَ لِعِرْقِ ظَالِمٍ حَقٌّ»

''ظالم کی رگ (اس کے درخت کی جڑ، یعنی محنت اور پسینے) کا کوئی حق نہیں ہے۔''[1]

⑥ اگر غاصب نے غصب شدہ چیز میں تجارت کی ہے اور نفع بھی کمایا ہے تو نفع سمیت واپس کرے۔

⑦ اگر ''غاصب'' اور (غصب شدہ چیز کے) مالک کے مابین غصب شدہ چیز کی قیمت یا صفت میں اختلاف ہو جائے اور مالک کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے تو ''غاصب'' کی بات کا اعتبار ہوگا مگر حلف کے ساتھ۔

⑧ جس نے بلا اجازت دوسرے کا مال تلف اور ضائع کر دیا، وہ اس کا ضامن ہے، مثلاً: کوئی دوسرے کا مال جلا دے یا پھاڑ دے یا بند دروازہ کھول دے یا پنجرہ کھول دے اور جانور نکل جائے یا پرندے اڑ جائیں۔

⑨ اگر کاٹنے والے کتے کو باندھنے میں مالک نے سستی کی اور اس نے کسی کو کاٹ کھایا تو مالک ضامن ہے۔

⑩ اگر جانور رات کے وقت کھول دیا گیا اور اس نے کسی کے کھیت کا نقصان کر دیا تو جانور کے مالک پر ''ضمان'' ہے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے:

«فَقَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى أَهْلِ الْأَمْوَالِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ، وَعَلٰى أَهْلِ الْمَوَاشِي حِفْظَهَا بِاللَّيْلِ»

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الخراج، باب في إحياء الموات، حديث: 3073، وسنن الدارقطني: 35/3 و216/4.

''رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ دن کو مال والے (اپنے کھیت وغیرہ کی) حفاظت کریں اور رات کو جانوروں والے ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں (رات کو جانور نقصان کریں تو ان کے مالک ذمہ دار ہیں)۔''[1]

(۱۱) جس جانور کے ساتھ سوار یا ہانکنے والا نہیں ہے اور اس نے کسی کا نقصان کر دیا تو اس میں ضمان نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ» ''بے زبان جانور نقصان کرے تو وہ ''ضائع'' ہے۔''[2]

اسی طرح اگر مالک جانور پر سوار ہے مگر اپنے (پچھلے) پاؤں سے اس نے کسی کا نقصان کر دیا تو وہ بھی ''ضائع'' ہے۔ اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے: «اَلرِّجْلُ جُبَارٌ»

''بے زبان جانور کے (پچھلے) پاؤں کا نقصان (ضائع) ہے۔''[3] البتہ اپنے منہ یا اگلے پاؤں سے اگر ایسا جانور جس پر مالک سوار ہے، نقصان کر دے تو اس کی ''ضمان'' ہو گی۔''

لقطہ اور لقیط کا بیان ❊ **لقطہ کی تعریف:** لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو ایسی جگہ سے ملے جو کسی شخصی ملکیت میں نہ ہو، مثلاً: راستے میں پیسے یا کپڑے مل جائیں اور ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو اسے اٹھا لینا۔

❊ **لقطہ کا حکم:** لقطہ کا اٹھا لینا جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا»

''اس (ملنے والی) چیز کی تھیلی اور باندھنے والی رسی کی پہچان رکھ، پھر ایک سال تک اعلان کرتا رہ، اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے دے دے، ورنہ اسے اپنے کام میں لگا لے۔''[4]

اور گم شدہ بھیڑ بکری کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: «خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ»

''اسے پکڑ لے، وہ تو پکڑے گا یا تیرا کوئی اور بھائی یا پھر اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔''[5]

مگر وہی شخص گم شدہ چیز اٹھائے جسے اپنی امانت پر اعتماد ہے اور جو اپنی دیانت و امانت پر یقین نہیں رکھتا وہ اسے نہ اٹھائے، اس لیے کہ مسلمانوں کے مالوں کی تباہی کے درپے ہونا جائز نہیں ہے۔

❊ **لقطہ کے احکام:** (۱) اگر گری پڑی چیز معمولی ہے اور متوسط لوگ اس کی پروا نہیں کرتے، مثلاً: کھجور کا دانہ،

---

1. [حسن] سنن أبي داود، القضاء، باب المواشي تفسد زرع قوم، حديث: 3569، ومسند أحمد: 436/5. 2. صحيح البخاري، الزكاة، باب في الركاز الخمس، حديث: 1499، وصحيح مسلم، الحدود، باب جرح العجماء......، حديث: 1710. 3. [ضعيف] سنن أبي داود، الديات، باب في الدابة تنفح برجلها، حديث: 4592، اس کی سند سفیان بن حسین عن الزہری کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 4. صحيح البخاري، المساقاة، باب شرب الناس......، حديث: 2372، وصحيح مسلم، اللقطة، باب: معرفة العفاص والوكاء......، حديث: 1722. 5. صحيح البخاري، اللقطة، باب ضالة الغنم، حديث: 2428، وصحيح مسلم، اللقطة، باب معرفة العفاص والوكاء......، حديث: 1722.

انگور کا دانہ، بوسیدہ کپڑے کا ٹکڑا، لاٹھی اور چابک وغیرہ تو اسے اٹھا کر فوری طور پر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی تشہیر اور اس کی حفاظت ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«رَخَّصَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْعَصَا وَالْحَبْلِ وَالسَّوْطِ وَأَشْبَاهِهِ، يَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ يَنْتَفِعُ بِهِ»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں لاٹھی رسی اور چابک وغیرہ میں اجازت دی ہے کہ (گم شدہ ملے تو) آدمی اٹھا کر اس سے فائدہ حاصل کر لے۔''[1]

② اگر وہ چیز ایسی ہے کہ متوسط طبقے کے لوگ اس کا اہتمام کریں گے تو ایک سال تک اس کی تشہیر ضروری ہے، اٹھانے والا مساجد کے دروازوں اور لوگوں کے اکٹھے ہونے کے مقامات پر اعلان کرے یا پھر یومیہ اخبارات اور نشریاتی اداروں کے ذریعے سے اس کی تشہیر کرے، اگر مالک آ جائے اور اس کے ظرف (شاپر، بیگ، بٹوہ یا پوٹلی وغیرہ) عدد اور صفت کی پہچان کر لے تو اس کو دے دے اور اگر پورا سال گزرنے پر بھی کوئی نہ آئے تو اسے اپنے کام میں لگائے یا خیرات کر دے مگر اس ارادے سے کہ اگر مالک کسی وقت آ گیا تو ادائیگی کر دے گا۔

③ حرم (مکہ) میں گری ہوئی چیز اٹھانا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور اگر کوئی اٹھاتا ہے تو جب تک وہ حرم میں ہے، اس کی تشہیر ضروری ہے اور جب باہر جائے تو حاکم کے سپرد کر دے، وہ اسے اپنی ملکیت میں نہیں لے سکتا، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِنَّ هٰذَا بَلَدٌ حَرَّمَ اللّٰهُ ...... لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا»

''یہ حرمت والا شہر ہے، جسے اللہ نے حرمت بخشی ہے......اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں، اس کا شکار نہ بھگایا جائے اور کوئی اس کی گم شدہ چیز نہ اٹھائے مگر جو شخص اعلان کرے۔''[2]

④ گم شدہ جانور اگر بکری یا بھیڑ ہے اور ویران جگہ میں ملی ہے تو اسے پکڑ لینا چاہیے، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ»

''یہ تو پکڑے گا یا تیرا کوئی اور بھائی یا اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔''[3]

اور اگر گم شدہ اونٹ ہے تو اسے کسی صورت بھی نہ پکڑے، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

① [ضعیف] سنن أبي داود، اللقطة، باب التعريف باللقطة، حديث: 1717، اس کی سند ابوزبیر کی تدلیس اور ایک مجہول راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ② صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا يحل القتال بمكة، حديث: 1834. ③ صحيح البخاري، اللقطة، باب ضالة الغنم، حديث: 2428، وصحيح مسلم، اللقطة، باب: معرفة العفاص والوكاء، حديث: 1722.

«مَالَكَ وَلَهَا، مَعَهَا سِقَاءُ هَا وَحِذَاءُ هَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا»
''تجھے اس سے کیا سروکار، پانی کے لیے اس کے پاس مشکیزہ ہے اور اس کے پاؤں مضبوط ہیں۔ تالاب سے پانی حاصل کرے گا، درخت کے پتے کھائے گا، یہاں تک کہ اس کا مالک (آ کر) اسے پکڑ لے گا۔''[1]

لقطہ کا تحریری نمونہ: ''فلاں اقرار کرتا ہے کہ مؤرخہ فلاں، سال و ماہ فلاں کو فلاں جگہ سے ایک گم شدہ تھیلی ملی ہے۔ جس میں اتنی چیز ہے، اس نے اسی وقت اس کا اعلان کیا اور اسی جگہ، بازاروں، سڑکوں اور مساجد میں متواتر کئی دن اور پھر کئی ماہ جو پورے سال سے زائد بنتے ہیں، اس کی تشہیر کرتا رہا ہے مگر کسی نے بھی اس کا مطالبہ نہیں کیا، مجھے اپنی موت کا ڈر ہے۔ میں اس تحریر پر گواہ بنا رہا ہوں کہ میں نے یہ گم شدہ چیز پائی ہے جو میرے قبضے اور کنٹرول میں ہے، اگر کوئی بعد میں اس کا مالک آ جائے اور اپنی ملکیت کا ثبوت مہیا کر دے تو یہ اس کے حوالے کر دی جائے اور اس طرح شرعی طریقے سے اس کے قبضے میں دے کر راقمِ تحریر اس کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔'' مورخہ..................

لقیط کا بیان: وہ بچہ جو کسی جگہ پھینکا ہوا پایا گیا، اس کے نسب کا کسی کو پتہ نہ ہو اور نہ کوئی اس کا مدعی بنتا ہو کہ یہ میرا ہے۔ ایسا بچہ ''لقیط'' کہلاتا ہے۔

لقیط کا حکم: مسلمانوں میں سے کوئی ایک صاحب حیثیت شخص اسے حاصل کر کے اس کی تربیت و کفالت اپنے ذمے لے لے، سب کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾ ''اور نیکی وتقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔''[2]

اور اس لیے بھی کہ یہ قابل احترام بے قصور جان ہے اور اس کی حفاظت ضروری ہے۔

لقیط کے احکام: (1) اسے حاصل کرنے والا اس کے ملنے پر گواہ بنا لے اور اگر مال و متاع اس کے ساتھ ہے تو اس پر بھی کوئی شاہد مقرر کرے۔

(2) اگر یہ بچہ اسلامی شہروں میں سے کسی شہر سے ملا ہے تو وہ مسلمان متصور ہوگا، چاہے ان میں غیر مسلم بھی رہتے ہوں۔

(3) اگر اس بچے کے ساتھ مال بھی ملا ہے تو اسے اس پر خرچ کیا جائے، مال نہیں ہے تو مسلمانوں کے بیت المال سے اخراجات پورے کیے جائیں، اگر بیت المال کا انتظام نہیں ہے تو مسلمانوں کی جماعت پر اس کا خرچ واجب ہے۔

(4) ''لقیط'' اگر مر جائے تو بیت المال اس کا وارث ہے، قتل ہو جائے تو اس کی دیت بیت المال میں جمع ہو گی اور قصاص و دیت میں امام المسلمین اس کا متولی ہے، چاہے قصاص لے اور چاہے دیت وصول کرے اور بیت

1 صحيح البخاري، اللقطة، باب ضالة الغنم، حديث:2428، و صحيح مسلم، اللقطة، باب: معرفة العفاص والوكاء......، حديث:1722. 2 المآئدة 2:5.

المال میں جمع کرا دے۔

(5) لقیط کے بارے میں اگر کوئی مرد دعویٰ کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اگر امکان ہو کہ وہ اس کا بیٹا ہوسکتا ہے تو اسے دے دیا جائے اسی طرح اگر کوئی عورت اقرار کرے تو وہ اسے دے دیا جائے۔ پھینکے ہوئے بچے کی تحریری شہادت:

(روبرو من مسمّٰی بہ.............. بن.............. قاضی عدالت.............. فلاں شخص.............. حاضر ہوا۔ اور) اس بات کی گواہی دی (اقرار کیا) کہ وہ فلاں وقت فلاں جگہ.............. .... سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک بچہ زمین پر پڑا ہوا پایا کہ جس کی شکل وشباہت یوں ہے: (ہاتھ، پاؤں، رنگ، آنکھیں، کان، بال اور جنس ذکر کریں) اور یہ کہ وہ ایک ایسا پھینکا ہوا بچہ ہے کہ جس میں اس کی ملکیت یا شبہ ملکیت نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لیے اس کی ملکیت تک پہنچانے والے حقوق میں سے کوئی حق ثابت ہوا ہے اور یہ کہ تا حال (یہ بچہ) مذکورہ بالا تفصیلات کے مطابق بطور لقیط اس کے قبضے میں رہے گا اور یہ کہ اقرار کنندہ اس بارے میں صحیح حقوق کو سمجھتا ہے اور شرعاً جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں ان کی پیروی کرتا ہے۔

مؤرخہ.............. اقرار کنندہ.............. قاضی..............

حجر (تصرفات مالی سے روکنے) کا بیان

❁ **حجر کی تعریف:** کسی انسان کو کمسنی، جنون، کم عقلی، (قرض کے غلبے) یا افلاس کی وجہ سے تصرفات مالی سے روک دینا حجر (حاء کی زیر کے ساتھ) کہلاتا ہے۔

❁ **حجر کا حکم:** مذکورہ حالات میں کسی پر پابندی لگانا شریعت مطہرہ سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ ﴾

''کم عقلوں کو اپنے اموال نہ دو کہ جن میں اللہ نے تمھارے لیے گزارا بنایا ہے اور انھیں ان میں سے خوراک اور لباس دو۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ پر جب وہ مقروض ہو گئے تھے، مالی تصرف کی پابندی لگا دی تھی اور پھر آپ نے ان کے مال میں سے پورا قرض ادا کر دیا، یہاں تک کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی کوئی چیز باقی نہ رہی۔[2]

❁ **حجر کے احکام:** (1) نابالغ بچہ: وہ بچہ جو ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچا، اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مال میں والدین کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا اور والدین کی وفات کی صورت میں ''وصی'' کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔ اور بالغ ہونے تک یہ پابندی برقرار رہے گی، اور اگر بلوغت کے باوجود کم عقل ہو تو جب تک عقل کی استعداد درست نہیں ہو گی، پابندی برقرار رہے گی اور اگر بچہ یتیم ہے اور باپ اس پر ''وصی'' (صاحب وصیت) مقرر کر گیا

[1] النسآء 4:5. [2] المستدرك للحاكم: 4/101، وسنن الدارقطني: 4/230.

ہے تو بعد از بلوغت سمجھدار ہونے تک پابند رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ ﴾

''اور بالغ ہونے تک یتیموں کا امتحان لو، پھر (بالغ ہونے پر) اگر تم ان میں سوجھ بوجھ محسوس کرو تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔''[1]

② بے وقوف: جو شخص مال کی افادی حیثیت کی عدم معرفت کی وجہ سے اپنی خواہشات نفس میں مال کو ضائع کر دے تو ورثاء کے مطالبے پر اس پر پابندی لگائی جا سکتی ہے، تب اسے ہبہ، بیع اور خریداری سے روک دیا جائے، جب تک عقل کی پختگی و رشد اس میں نہ آئے۔ اگر پابندی کے دوران میں کوئی مالی تصرف کرے گا تو باطل ہو گا اور نافذ نہیں ہو گا۔ ہاں، پابندی سے پہلے کے تصرفات نافذ ہوں گے۔

③ دیوانہ: جس کی عقل میں خلل اور فتور واقع ہو جائے اس پر پابندی ہو گی اور اس کے مالی تصرفات نافذ نہیں ہوں گے، جب تک اس کی عقلی صلاحیت بحال نہیں ہوتی، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتّٰى يَكْبُرَ، وَ عَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ أَوْ يُفِيقَ»

''تین آدمی مرفوع القلم ہیں، سویا ہوا، جاگنے تک، بچہ بالغ ہونے تک اور دیوانہ درست ہونے تک۔''[2]

④ بیمار: اس سے وہ مریض مراد ہے جو ایسے مرض میں مبتلا ہے جس سے عموماً انسان مر ہی جاتا ہے تو ایسے مریض پر اس کے ورثاء پابندی کا مطالبہ کر سکتے ہیں تاکہ وہ بنیادی ضروریات سے زیادہ خرچ نہ کر سکے، یعنی خوراک، لباس، رہائش اور علاج وغیرہ کے علاوہ یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہو جائے یا مر جائے۔

مفلس کا بیان

❊ **مفلس کی تعریف:** کسی شخص پر اتنا قرض ہو جائے کہ اس کی ملکیت کی (بنیادی ضرورت، گھر، سواری وغیرہ کے علاوہ) تمام اشیاء بھی دے دی جائیں تو پھر بھی پورے قرض ادا نہ ہو سکیں تو وہ ''مفلس'' کہلاتا ہے۔

❊ **مفلس کے احکام:** ① قرض خواہوں کا مطالبہ ہو تو اس پر مال میں تصرف کرنے کی پابندی لگا دی جائے۔

② لباس اور ضروریات زندگی کے علاوہ، اس کا تمام مملوکہ مال فروخت کر دیا جائے اور قرض خواہوں کے حصوں کے مطابق قرضے ادا کر دیے جائیں۔

③ اگر مقروض کے پاس کسی قرض خواہ کا اپنا سامان موجود ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو وہ اپنا سامان لے سکتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[1] النسآء 4:6. [2] [حسن] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المعتوه……، حديث:2041.

«مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ أَوْ إِنْسَانٍ قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ»

''جو کوئی کسی ''مفلس'' کے پاس اپنا سامان بعینہ پالیتا ہے تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔''[1]

البتہ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ صاحب سامان اس کی قیمت میں سے کچھ بھی وصول نہ کر چکا ہو، ورنہ وہ سب قرض خواہوں کے برابر حصہ دار ہے۔

④ جس شخص کے بارے میں حاکم وقت کے ہاں ثابت ہو جائے کہ اس کے پاس کوئی مال نہیں ہے جسے فروخت کر کے قرض ادا کیا جائے تو اس سے قرض کا مطالبہ اور اس کا پیچھا کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ﴾ ''مقروض اگر تنگ دست ہے تو آسانی تک مہلت دینی چاہیے۔''[2]

اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مقروض صحابی کے قرض خواہوں کو فرمایا تھا:

«خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ، وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ»

''تم جو پاؤ لے لو اور اس کے علاوہ تمھارے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔''[3]

⑤ مال تقسیم ہو جانے کے بعد ایک اور قرض خواہ ظاہر ہو گیا جس کو مقروض پر پابندی اور اس کے مال کے فروخت ہونے کا علم نہیں تھا تو وہ دوسرے قرض خواہوں سے حصۂ رسد (اپنا حصہ) وصول کرے گا۔

⑥ ہاں، جسے پابندی کا علم ہے اور اس کے بعد اس نے مقروض سے کچھ لین دین کیا تو وہ ان قرض خواہوں کے حصے میں شریک نہیں ہو گا، جن کی وجہ سے اس پر پابندی لگائی گئی تھی بلکہ مذکورہ شخص کا قرض بدستور ''مفلس'' کے ذمے رہے گا جسے وہ آسانی میسر آنے پر ادا کرے گا۔

✽ **مفلس پر پابندی کا تحریری نمونہ:** بسم اللہ اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد: ''فلاں عدالت کا قاضی اقرار کرتا ہے کہ اس نے فلاں شخص پر شرعی انداز سے درست پابندی لگائی ہے اور شرعی قرضہ جات اور دیگر واجبات کی وجہ سے اس کو منع کر دیا ہے کہ وہ اپنے مال میں کسی طرح کا تصرف کرے۔ اس نے اتنا قرض دینا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ فلاں کا قرض مبلغ اتنا ہے، جس کا اثبات فلاں دستاویز سے ہوا ہے۔ اور اس پر فلاں تاریخ ثبت ہے اور فلاں کا قرض اتنا ہے اور ان قرض خواہوں نے اپنے اپنے قرض عدالت میں معتبر دستاویزات کے ذریعے سے ثابت کر دیے ہیں اور ہر ایک نے اس پر حلفیہ بیان دیا ہے اور دلائل سے عدالت کے روبرو واضح ہو گیا ہے کہ مذکورہ مقروض تنگ دست ہے اور اس کے

[1] صحيح البخاري، الاستقراض، باب إذا وجد ماله عند مفلس......، حديث:2402، وصحيح مسلم، المساقاة، باب من أدرك ما باعه عند المشتري......، حديث:1559. [2] البقرة 2:280. [3] صحيح مسلم، المساقاة، باب استحباب الوضع من الدين، حديث:1556.

پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے جس سے یہ قرض ادا کر سکے، لہٰذا اس کا موجودہ مال بقدر حصص ہر ایک کو دیا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر عدالت اس کے مالی تصرف پر شرعی پابندی عائد کرتی ہے، البتہ یہ اپنے مال میں سے اپنا خرچ اور جن کا خرچ اس پر لازم ہے، نکال سکتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے بیوی اور اولاد وغیرہ اور یہ پابندی اس کی املاک (جائیداد) فروخت ہونے تک برقرار رہے گی تا کہ شرعی طریقے سے قرض خواہوں کے قرضے ادا کر دیے جائیں۔ مؤرخہ فلاں کو یہ فیصلہ تحریر ہوا۔

❊ **بے وقوف فضول خرچ پر پابندی کا تحریری نمونہ:** بسم اللہ اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد: ''قاضی عدالت'' فلاں شخص پر صحیح شرعی پابندی عائد کر رہا ہے اور اس وقت موجود مال یا اس کے بعد جو سرمایہ اسے حاصل ہو گا، میں تصرف کرنے سے اس کو روک رہا ہے، جبکہ شرعی طور پر گواہوں کے ذریعے سے ثابت ہو گیا ہے کہ یہ شخص کم عقل ہے اور اپنا سرمایہ ضائع کر رہا ہے، خرید وفروخت اور خرچ کے معاملات میں اسراف کا مرتکب ہو رہا ہے، لہٰذا یہ اس لائق ہے کہ اس پر پابندی عائد کر دی جائے اور درستیٔ حال تک اس کو مال میں تصرف کرنے سے روک دیا جائے اور مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس پر یہ پابندی عائد ہو اور اس کے ہر طرح کے تصرف کو باطل قرار دیا جائے۔ بنا بریں عدالت کا فیصلہ ہے کہ یہ پابند ہے اور مال میں تصرف نہیں کر سکتا اور یہ کہ یہ کم عقل ہے، شرعی پابندی اس پر لاگو ہے اور معاملات سے اس کو منع کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ کوئی مالی تصرف کرے گا تو شرعی اصولوں کی رو سے وہ باطل ہو گا، البتہ اس کے مال میں سے اس کا اور اس کی بیوی اور اولاد کا یومیہ خرچ اس سے مستثنیٰ ہے۔ مذکورین اس کے مال میں سے روزانہ بقدر کفایت فلاں تاریخ سے خرچ حاصل کرتے رہیں گے۔ فلاں تاریخ کو یہ تحریر ہوئی۔

وصیت کا بیان

❊ **وصیت کی تعریف:** ایک شخص اپنی زندگی میں وصیت کرے کہ اس کے مرنے کے بعد فلاں چیز، مال وغیرہ کی عین یا منفعت فلاں شخص یا اشخاص کو عطا کی جائے یا فلاں چیز کی نگرانی فلاں کے حوالے کی جائے۔ یا میرا قرضہ فلاں ادا کرے اسے وصیت کہتے ہیں۔ اس تعریف کی رو سے اس کی دو اقسام ہیں، ایک یہ کہ وہ کسی کو وصیت کرے کہ وہ اس کا قرض ادا کرے یا کسی کا حق ادا کرے یا بالغ ہونے تک اولاد کا خیال رکھے اور دوسرا یہ کہ اس کا اتنا مال موت کے بعد فلاں شخص کو دیا جائے یا فلاں کام میں خرچ کیا جائے۔

❊ **وصیت کا حکم:** شرعاً وصیت کرنا جائز ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت آئے تو گواہی (کا نصاب) یہ ہے کہ وصیت کے وقت تم (مسلمانوں) میں سے دو مرد عادل گواہ ہوں۔''[1]

(1) المآئدۃ 106:5.

اور فرمایا: ﴿ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصَىٰ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ ﴾

''وراثت کی تقسیم ''وصیت'' کے نفاذ اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہے۔''[1] اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا حَقُّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ، لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ»

''جس مسلمان کے پاس قابل وصیت چیز ہے تو وہ دو راتیں بھی نہ گزارے، الّا یہ کہ اس کے پاس ''وصیت'' لکھی ہوئی ہو۔''[2]

جس نے قرض دینا ہے یا اس کے پاس کسی کی امانت ہے یا اس نے کسی کا حق دینا ہے تو اس پر ''وصیت'' کرنا لازم ہے، اس لیے کہ خطرہ ہے کہ وہ فوت ہو جائے اور لوگوں کے اموال ضائع ہو جائیں اور قیامت کے دن اس سے باز پرس ہو اور اسی طرح جس کے پاس دولت کی بہتات ہے اور اس کے وارث غنی ہیں، اسے بھی چاہیے کہ غیر وارث قرابت داروں کے لیے تہائی یا اس سے کم کی وصیت کرے یا کسی نیکی کے کام میں وصیت کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

«يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَا ابْنَ آدَمَ ثِنْتَانِ لَمْ يَكُنْ لَّكَ وَاحِدَةٌ مِّنْهُمَا، جَعَلْتُ لَكَ نَصِيبًا فِي مَالِكَ حِينَ أَخَذْتُ بِكَظَمِكَ لِأُطَهِّرَكَ بِهِ وَأُزَكِّيَكَ، وَصَلَاةُ عِبَادِي عَلَيْكَ بَعْدَ انْقِضَاءِ أَجَلِكَ»

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! دو چیزیں تیرے پاس نہیں تھیں، میں نے تیری موت کے وقت تجھے تیرے مال میں سے ایک حصہ دیا تا کہ تجھے پاک اور صاف کروں اور موت کے بعد اپنے بندوں کی تیرے حق میں دعائیں تجھے دی ہیں۔''[3] ❀

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے وصیت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

«اَلثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ»

''تہائی مال تک وصیت کرو اور یہ بھی بہت ہے۔ تم اپنے ورثاء کو غنی چھوڑو یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ تنگ دست ہوں اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔''[4]

❀ یعنی میں نے وصیت کو مشروع کیا تا کہ تو درست وصیت کر کے ثواب کمائے جو مغفرت اور بلندئ درجات کا سبب ہے۔ (ع، ر)

[1] النسآء 4:12. [2] صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصايا، حديث:2738، وصحيح مسلم، الوصية، باب: وصية الرجل مكتوبة عنده، حديث:1627. [3] [ضعيف] سنن ابن ماجه، الوصايا، باب الوصية بالثلث، حديث:2710، و عبد بن حميد في مسنده كذا في تفسير ابن كثير:298/1، البقرة 2: 180 واللفظ له، اس کی سند مبارک بن حسان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [4] صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث البنات، حديث: 6733، وصحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، حديث:1628 واللفظ له.

✽ **وصیت کی شرطیں:** ① کسی کام کے لیے جس کو وصیت کی جا رہی ہے، وہ مسلمان، عاقل اور سمجھدار ہونا چاہیے، اگر جسے وصیت کی گئی ہے ان صفات کا حامل نہیں ہے تو حقوق کے ضائع ہونے یا نابالغ بچوں کی مراعات کے فقدان کا اندیشہ رہے گا۔

② بیمار کے لیے بھی شرط ہے کہ وہ وصیت کے وقت عقل اور ہوش وحواس کا حامل ہونا چاہیے اور جس چیز کے بارے میں وصیت کر رہا ہے وہ اس کا مالک بھی ہو۔

③ جو ''وصیت'' کر رہا ہے، وہ مباح وحلال ہو، اگر حرام کی وصیت کی ہے تو نافذ نہیں ہوگی، مثلاً: ایک شخص وصیت کرتا ہے کہ میری موت کے بعد نوحہ (بین) کیا جائے یا نصاریٰ کے معبد کے لیے اتنا مال دیا جائے یا فلاں بدعت کا کام کیا جائے یا لہو ومعصیت الٰہی کے کاموں کی محفل منعقد کی جائے وغیرہ۔

④ جس کے لیے ''وصیت'' کی ہے وہ وصیت قبول کر لے اگر وہ انکار کر دیتا ہے تو وصیت باطل ہو جائے گی اور بعدازاں اس کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا۔

✽ **وصیت کے احکام:** ① وصیت کرنے والا (اپنی زندگی میں) رجوع اور اس میں تغیر وتبدل کر سکتا ہے، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

«لِيُغَيِّرْ مَا شَاءَ مِنْ وَّصِيَّتِهِ» ''انسان اپنی وصیت میں سے جو چاہے تبدیل کر دے۔''[1]

② جس کے وارث ہوں، وہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا، اس لیے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں اپنے مال میں سے دو تہائی خیرات کر سکتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: ''نہیں'' عرض کی کل مال کا نصف خیرات کر سکتا ہوں۔ فرمایا: ''نہیں۔'' عرض کی کہ کل مال میں سے تہائی خیرات کروں۔ فرمایا: ''ایک تہائی خیرات کرو اور تہائی بھی بہت ہے، تم اپنے ورثاء کو غنی چھوڑ جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انھیں تنگدست چھوڑو (اور) وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔''[2]

③ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں، چاہے معمولی ہو ہاں، اگر دیگر ورثاء چاہیں (بشرطیکہ وہ عاقل و بالغ اور حاضر ہوں) تو اس کے حق میں وصیت کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى قَدْ أَعْطٰى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»

''یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے (خود ہی ترکے کی تقسیم بتا دی ہے)، لہٰذا

[1] المصنف لابن أبي شيبة: 217/6. [2] صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث البنات، حديث: 6733، و صحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، حديث: 1628.

وارث کے لیے وصیت نہیں۔''[1]

(4) جن ''مدات'' میں وصیت کی ہے، اگر تہائی 1/3 سب کو پورا نہیں کرتی تو حصہ برابر برابر سب ''مدات'' میں خرچ کیا جائے، جیسا کہ قرض خواہوں کے لیے کیا جاتا ہے۔

(5) قرض کی ادائیگی کے بعد وصیت لاگو کی جائے، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ»

''رسول اللہ ﷺ نے (نفاذ) وصیت سے پہلے قرض کی ادائیگی کا فیصلہ دیا ہے۔''[2]

اور اس لیے کہ قرض کی ادائیگی فرض ہے اور وصیت نفل اور مستحب ہے اور واجب نفل پر مقدم ہوتا ہے۔

(6) مجہول یا معدوم کی وصیت بھی ہو سکتی ہے، اس لیے کہ یہ تبرع اور احسان ہے مگر وہ مجہول یا معدوم چیز حاصل ہو جائے تو وصیت کا نفاذ ہوگا، ورنہ نہیں، مثلاً: ایک شخص وصیت کرتا ہے کہ میری بکری کا بچہ جو پیدا ہوگا، فلاں کو دیا جائے یا درختوں کی آمدنی میں سے اتنا دیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(7) وصیت کرنے والے کی زندگی اور موت کے بعد وصیت قبول ہو سکتی ہے اور وصیت کرنے والے کو یہ بھی اختیار ہے کہ اگر مال یا حقوق یا یتیموں کے حصے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو ''وصیت'' ختم کر دے۔

(8) کسی شخص کو اگر کسی معین چیز میں وصیت کی گئی ہو تو وہ اس کو تبدیل نہیں کر سکتا، اس لیے کہ یہ بلا اجازت ہے اور لوگوں کے حقوق میں بلا اجازت تصرف کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

(9) وصیت کے نفاذ کے بعد اگر میت پر قرض کا انکشاف ہو تو جسے وصیت کی گئی ہے وہ اس قرض کا ضامن نہیں ہے، اس لیے کہ وہ اس کے علم میں نہیں تھا اور نہ ہی وہ اس بارے میں کوتاہی کا مرتکب ہوا ہے۔

(10) ایک معین چیز میں وصیت ہوئی ہے تو اس چیز کے تلف ہو جانے پر وصیت باطل ہو جائے گی اور اس کے دوسرے مال میں اس کا نفاذ نہیں ہوگا۔

(11) ایک شخص نے وارث کے لیے وصیت کر دی، بعض ورثاء اس کی اجازت دیتے ہیں اور بعض ورثاء اجازت نہیں دیتے تو جو اجازت دیتے ہیں، ان کے حصہ میں وصیت نافذ ہوگی اور جو اجازت نہیں دیتے، ان کے حصے میں وصیت کا نفاذ نہیں ہوگا۔ ❀

❀ اجازت دینے والوں کے اصل حصوں کا حجم بوجہ نفاذ وصیت کم ہو جائے گا جبکہ اجازت نہ دینے والوں کو مکمل شرعی حصے ملیں گے۔ (ع، ر)

[1] [صحیح] جامع الترمذي، الوصایا، باب ماجاء لاوصیة لوارث، حدیث: 2120. [2] [ضعیف] جامع الترمذي، الوصایا، باب ماجاء یبدأ بالدین قبل الوصیة، حدیث: 2122، اس کی سند حارث الاعور کی وجہ سے ضعیف ہے۔ وحسنه الألباني لشواهده.

(12) جو شخص اپنی وصیت میں کہتا ہے کہ میں فلاں کی اولاد کے لیے اتنی وصیت کر رہا ہوں تو اس فلاں کی اولاد میں لڑکے، لڑکیاں برابر برابر اس وصیت میں حصہ دار ہوں گے، اس لیے کہ لفظ ولد میں لڑکا اور لڑکی دونوں شامل ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ ﴾

''اللہ تمھاری اولاد کے لیے تمھیں وصیت کرتا ہے، لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا جائے۔''[1]

یعنی آیت کریمہ میں اولاد کا اطلاق بیٹے، بیٹیوں سب پر ہوا ہے۔

ہاں، اگر وہ یوں کہتا ہے کہ فلاں کے بیٹوں کو اتنا حصہ دیا جائے تو یہ وصیت صرف بیٹوں کے لیے ہوگی، بیٹیوں کے لیے نہیں، اسی طرح اگر وصیت میں بیٹیوں کی صراحت کرے تو وصیت فقط بیٹیوں کے لیے ہوگی۔

(13) جو شخص وصیت لکھ دیتا ہے اور اس پر گواہ نہیں بناتا تو پھر بھی وہ نافذ ہوگی، الّا یہ کہ اس سے رجوع ثابت ہو جائے تو وصیت باطل قرار پائے گی اور نافذ نہیں ہوگی۔

* **وصیت کا تحریری نمونہ:** بسم اللہ اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد: ''یہ فلاں بن فلاں وصیت کر رہا ہے، اس کے گواہوں کو علم ہے کہ صحتِ عقل اور ثبوت فہم کی حالت میں یہ وصیت ہوئی ہے۔'' ''صاحب وصیت'' گواہی دیتا ہے کہ ایک اللہ ہی معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور جنت حق ہے، دوزخ حق ہے اور قیامت قریب آنے والی ہے اور اللہ قبر والوں کو اٹھائے گا۔ (وصیت کرنے والا) اپنی اولاد، اہل وعیال اور قرابت داروں کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ اور اس کی اطاعت کی وصیت کرتا ہے اور یہ کہ شریعت اسلامیہ کا التزام کیا جائے اور اقامت دین کا فریضہ سرانجام دیا جائے اور یہ کہ انھیں موت اسلام پر آئے اور یہ بندہ (اللہ اس کو معاف کرے اور اس کے ساتھ نرمی فرمائے) وصیت کرتا ہے کہ لازماً آنے والی موت جو اللہ نے مخلوق پر لکھ دی ہے، کے بعد اس کے ترکہ میں سے پہلے تجہیز وتکفین اور دفن کا انتظام کیا جائے، پھر اس کے ذمے جو قرضہ جات ہوں ان کی ادائیگی کی جائے، جن کا اقرار ان گواہوں کے سامنے کر رہا ہوں جس کی تفصیل یہ ہے ......اور پھر کل مال کی تہائی میں سے فلاں کو اتنا دیا جائے اور جو باقی بچے وہ ورثاء میں اللہ تعالیٰ کے ''قانون وراثت'' کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

اور یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اس کے چھوٹے بچوں، جو کہ فلاں فلاں ہیں کی ضروری نگہداشت کی جائے اور ان کے ''حصص وراثت'' کا ان کے بالغ اور صاحب رشد ہونے تک تحفظ کیا جائے۔ یہ تمام ''وصیت'' فلاں کو کی جارہی ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کے بعد اس پر اعتماد اس لیے کر رہا ہے کہ اس کی دیانت، عدالت اور کفایت کا یہ وصیت کرنے والا اقرار واعتراف کرتا ہے اور اس کو یہ بھی اختیار دیتا ہے کہ انھیں اپنی پسند کے مطابق کسی اور کے سپرد کر دے یا وصیت

[1] النسآء 4:11.

کرے۔ مجلس وصیت میں وہ شرعی طریقے پر اس کو قبول کر رہا ہے اور گواہ بنا رہا ہے، جبکہ مذکورہ عبارت پر تحریر ونظر ثانی کے بعد دستخط بھی ثبت کر دیے ہیں۔" مؤرخہ..................

وقف کا بیان

● **وقف کی تعریف:** اصل چیز کو بیع، وراثت اور ہبہ سے محفوظ کر لینا اور اس کی آمدنی کسی خاص مد کے لیے فی سبیل اللہ متعین کرنا "وقف" کہلاتا ہے۔ ❀

● **وقف کا حکم:** وقف کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ کام مندوب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَى أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا ﴾ "الا یہ کہ تم اپنے اولیاء کے ساتھ احسان کرو۔"[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین چیزیں جاری رہتی ہیں۔ خیرات یا علم جس سے فائدہ حاصل کیا جا رہا ہے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔"[2]

● **صحتِ وقف کی شرائط:** ① وقف کرنے والا اس کا اہل ہو، یعنی اس چیز کا مالک ہو اور سوجھ بوجھ رکھتا ہو۔

② اگر "موقوف علیہ" (جس کے لیے وقف کیا جا رہا ہے) معین شخص ہے تو ضروری ہے کہ وہ مالک بننے کی اہلیت رکھتا ہو، لہٰذا عورت کے پیٹ میں بچے اور غلام (مملوک) کے لیے وقف درست نہیں ہے اور اگر "وقف" غیر متعین کے لیے ہے تو اس سے صرف اللہ کا تقرب حاصل کرنا مطلوب ہو، لہٰذا لہو ولعب، گرجا گھروں اور حرام کاموں کے لیے وقف درست نہیں ہے۔

③ صریح الفاظ کے ساتھ "وقف" ہو سکے گا، مثلاً: "وقف" یا "حبس" یا "تصدق" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ ●

جس چیز کو وقف کیا جا رہا ہے، وہ ایسی ہو کہ آمدنی حاصل کرنے کے بعد بھی باقی رہے، مثلاً: مکان یا اراضی وغیرہ اور جو چیز استعمال کرنے سے ختم ہو جائے، مثلاً: طعام اور خوشبو وغیرہ تو ایسی چیزوں میں "وقف" نہیں ہے اور نہ ہی اسے "وقف" کہا جاتا ہے بلکہ ایسی چیزوں کے خیرات کرنے کو صدقہ کہتے ہیں۔

● **وقف کے احکام:** ① اولاد کے لیے "وقف" صحیح ہے، مثلاً: اگر یوں کہے کہ میں اپنی اولاد کے لیے وقف

❀ یعنی اسے فروخت یا ہبہ کرنا یا بطور ترکہ ورثاء میں تقسیم کرنا درست نہیں ہے کیونکہ وقف کے ذریعے وہ ان تصرفات سے محفوظ کر لی گئی ہے۔ (ع،ر) ● عربی میں یہ تینوں الفاظ "وقف" کا واضح مفہوم رکھتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ مبہم الفاظ استعمال نہ کیے جائیں جن کی "وقف" کے علاوہ کوئی اور توجیہ بھی کی جاسکتی ہو۔ (ع،ر)

[1] الأحزاب 33:6. [2] صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث: 1631.

کرتا ہوں تو اس میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں داخل ہیں، البتہ اس لفظ میں بیٹوں کی اولاد بھی داخل ہو گی، جبکہ بیٹیوں کی اولاد نہیں اور اگر یوں کہے کہ میں اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وقف کرتا ہوں تو یہ بیٹوں کی اولاد اور بیٹیوں کی اولاد سب کو شامل ہے اور اگر یوں کہے کہ میں اپنے بیٹوں کے لیے وقف کرتا ہوں تو اس سے صرف لڑکے مراد ہوں گے، لڑکیاں نہیں۔ ہاں، اگر "بیٹیوں" کا لفظ بولتا ہے تو صرف بیٹیوں کے لیے وقف ہو گا اور یہ اس صورت میں ہے جب الفاظ کے معانی میں فرق سمجھا ہو ورنہ الفاظ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(2) وقف کرنے والے نے اگر کوئی شرط عائد کی ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا، مثلاً: کہتا ہے کہ میں عالم، محدث یا فقیہ کے لیے وقف کرتا ہوں تو یہ کسی اور ماہر علم، مثلاً: نحوی یا عروضی وغیرہ کے لیے وقف نہیں ہو گا۔ اگر یہ کہتا ہے کہ میں یہ چیز اپنی اولاد کے لیے پھر ان کی اولاد کے لیے اور پھر ان کی اولاد کے لیے وقف کرتا ہوں۔ یا کہتا ہے کہ پہلے طبقہ والے (اولاد) دوسرے طبقہ (اولاد کی اولاد) کے لیے رکاوٹ بن جائیں گے تو اس کے مطابق ہی عمل ہو گا۔ اس صورت میں دوسرے طبقہ کو اس وقت تک حق نہیں ملے گا، جب تک پہلے طبقہ کے افراد موجود ہیں۔ لہٰذا اگر وقف تین بھائیوں کے لیے ہے اور ان میں سے ایک بھائی فوت ہو جائے اور وہ اولاد چھوڑ جائے تو وقف اس کی اولاد کو منتقل نہیں ہو گا بلکہ اس کے دونوں بھائی اسے حاصل کریں گے، جب اس نے، اوپر والے طبقہ کو حاجب (رکاوٹ) قرار دیا ہو۔

(3) محض وقف کا اعلان کرنے سے یا جائیداد "موقوف علیہ" کے سپرد کرنے سے وقف لازم ہو جاتا ہے، اس کے بعد وقف کرنے والا اسے فسخ نہیں کر سکتا اور نہ ہی فروخت یا ہبہ کر سکتا ہے۔

(4) اگر ویران ہونے کی وجہ سے "وقف" (کردہ زمین) سے فائدہ حاصل کرنا ممکن نہیں رہا تو بعض علماء اس کے فروخت کرنے اور قیمت اسی طرح کے کام میں لگانے کا فتویٰ دیتے ہیں، اگر کچھ بچ رہے تو مسجد کے لیے صرف کیا جائے یا فقراء و مساکین پر خیرات کر دی جائے۔

وقف کا تحریری نمونہ: بسم اللہ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد: فلاں اقرار کرتا ہے کہ اس نے درج ذیل چیز کو وقف اور حبس کر دیا ہے جو اب تک اس کے قبضے، ملکیت اور تصرف میں تھی اور فلاں دستاویز کی رو سے اس کے لیے اس کا ملکیت ہونا ثابت تھا یا جو اسے اپنے والد کی طرف سے وراثت میں ملی تھی اور جس کا حدود اربعہ یہ ہے......

یہ وقف شرعی اصولوں کے مطابق ہے اور صراحتاً اسے "وقف" کر رہا ہے، اسے کبھی فروخت، رہن اور ہبہ نہیں کیا جا سکے گا اور نہ ہی وراثت میں تقسیم ہو گا۔ اگر اس سے فائدہ حاصل کرنا معدوم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے جذبے سے اس کی مثل کے ساتھ ہی اسے تبدیل کیا جا سکتا ہے، نیز زمانے کی طوالت بھی اس وقف کو ختم نہیں کر سکے گی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں مزید پختگی آئے گی اور مذکورہ مقصدیت میں یہ اور نمایاں ہو جائے گا۔

فلاں وقف کرنے والے نے (اللہ اسے نیکی کی توفیق عطا کرے) اسے مذکورہ مقاصد کے لیے وقف کیا ہے اور ساتھ یہ بات ملحوظ رہے کہ اس ''وقف'' کا متولی ومنتظم اس کی آمدنی میں سے اس کی آبادی، درستی اور اصلاح کرے گا تاکہ یہ دیرپا رہے اور وقف کنندہ کی غرض پوری ہوتی رہے اور جو آمدنی بچ جائے اسے درج ذیل مصارف پر جن کی تفصیل یہ ہے...... خرچ کرے گا۔ ہمیشہ کے لیے اس ''وقف'' کو اسی طرح استعمال کیا جائے۔ نیز ''متعینہ جہات'' کے لیے خرچ منقطع ہونے کی صورت میں یہ ''وقف'' امت محمد ﷺ میں سے فقراء ومساکین کے لیے ہے۔

''واقف مذکور'' (وقف کرنے والے) نے تاحیات اس کی تولیت اور دیکھ بھال کی ذمہ داری قبول کر لی ہے، وہ اکیلا اس کام کو سرانجام دے گا اور کوئی اس میں مشارکت اور منازعت کا حق نہیں رکھتا۔ اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ اس بارے میں وہ کسی کو وصیت کرے اور اختیار اس کے سپرد کر دے۔

''واقف مذکور'' کی وفات کے بعد اس کا فلاں بیٹا متولی ہوگا یا اس کی اولاد میں جو معاملہ فہم، سوجھ بوجھ کا مالک ہو، متولی قرار پائے گا۔ ''واقف مذکور'' نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ اس جائیداد کو سال سے زیادہ کرائے پر نہ دیا جائے اور کرائے پر دینے والا اس وقت تک کسی سے نیا معاہدہ نہ کرے جب تک پہلے معاہدے کی مدت ختم نہ ہو اور یہ کہ کرایہ متولی ومنتظم وصول کرے گا۔

اب یہ ''وقف'' ''واقف'' کی ملکیت سے خارج ہو گیا ہے اور ہمیشہ کے لیے ''صدقہ جاریہ'' شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق قرار پایا ہے اور اس نے اپنا قبضہ ختم کر دیا ہے۔

''یہ پوری طرح ''وقف'' ہے اور اس پر ''احکام وقف'' لاگو ہیں۔ کسی کے لیے جائز اور حلال نہیں کہ اپنے فتوے، یا فیصلے کے ذریعے سے اس ''وقف'' کو توڑ یا تبدیل کر سکے۔ اگر کسی نے اس کو تباہ و برباد کرنا چاہا تو اللہ کی عدالت عالیہ میں اس کے خلاف استغاثہ دائر ہوگا اور اس وقت ظالموں کو معذرت فائدہ نہیں دے گی۔ ان کے لیے لعنت ہوگی اور برا ٹھکانہ ان کا مقدر ہوگا۔

''واقف'' اس بنیاد پر کہ وہ شرعاً وقف کرنے کا مجاز ہے مذکورہ بالا جملہ امور کو بقائمی ہوش وحواس اور کمال عقل و صحت وسلامتی شرعی طور پر قبول کر کے اس وقف نامے کو اپنے اوپر گواہ بناتا ہے۔ تاریخ تحریر............

ہبہ کا بیان

❁ **ہبہ کی تعریف:** کسی سمجھدار شخص کا اپنا مال ومتاع کسی کو تبرعاً (نیکی کرتے ہوئے) دے دینا، جیسا کہ ایک مسلمان کسی کو مکان یا کپڑے یا طعام یا درہم و دینار ہبہ کر دے۔

❁ **ہبہ کا حکم:** ''ہبہ'' اور ''ہدیہ'' شرعاً مستحب ہیں، اس لیے کہ یہ ایک ایسی نیکی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ترغیب دلائی ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۥ﴾

”تم ہرگز اچھائی نہیں حاصل کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزیں خرچ نہ کرو۔“ (1)

اور فرمایا: ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ﴾ ”نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو۔“ (2)

مزید ارشاد عالی ہے: ﴿ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى ﴾ ”اور محبت کے باوجود مال رشتہ داروں کو دے۔“ (3)

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «تَهَادُوا تَحَابُّوا» ”ایک دوسرے کو تحفے دو، اس سے باہم محبت بڑھے گی۔“ (4)

اور فرمایا: «اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ»

”ہبہ“ دے کر واپس لینے والا، اس کتے کی مانند ہے جو اپنی قے چاٹ لیتا ہے۔“ (5)

اور عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا»

”نبی ﷺ ہدیہ قبول کرتے تھے اور اس پر بدلہ (بھی) دیتے تھے۔“ (6)

نیز ارشاد فرمایا: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»

”جس کو یہ بات اچھی لگے کہ اس کی روزی میں فراخی ہو اور یہ کہ دیر تک اس کا تذکرہ رہے، اسے چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔“ (7)

❁ **ہبہ کی شرائط:** (1) سائل کے سوال کے نتیجہ میں ”ہبہ“ کرنے والے کا سوال قبول کرنا اور اپنی رضامندی سے چیز دینا۔

(2) جسے ”ہبہ“ دیا جا رہا ہے، اس کا اپنی زبان سے یہ کہہ کر قبول کرنا کہ ’میں اس ”ہبہ“ کو قبول کرتا ہوں یا صرف اس چیز کو اپنے قبضہ میں لے لینا، اس لیے کہ اگر کسی نے ”ہبہ“ کیا ہے اور ”جسے ہبہ کی گئی ہے“ اس نے اسے اپنے قبضہ میں نہیں لیا، اس دوران میں ”واہب“ (ہبہ کرنے والا) فوت ہو گیا تو اس چیز میں ورثاء کا حق در آئے گا اور جس شخص کے لیے چیز ہبہ کی گئی ہے اس کا اب اس میں کوئی حق نہیں رہے گا، اس لیے کہ ’ہبہ‘ کی شرط ”قبول“ ہے اگر ہبہ کیا گیا شخص اسے قبول کر لے تو اسے چاہیے کہ جس طرح بھی ممکن ہو فوری قبضہ کرے۔

❁ **”ہبہ“ کے احکام:** (1) اگر اولاد میں سے کسی کو عطیہ دے دیا ہے تو باقی اولاد کو بھی اسی طرح کا عطیہ دینا مستحب ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا فِي أَوْلَادِكُمْ»

(1) آل عمرٰن 3:92. (2) المآئدة 5:2. (3) البقرة 2:177. (4) [حسن] السنن الكبرٰى للبيهقي: 6/169 وإسناده حسن كما قال الحافظ في التلخيص: 3/154،155، حديث: 1353، والموطأ للإمام مالك، حسن الخلق، باب ماجاء في المهاجرة، حديث: 1731 مرسلًا. (5) صحيح البخاري، الهبة......، باب لا يحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته، حديث: 2621، وصحيح مسلم، الهبات، باب تحريم الرجوع في......، حديث: 1622. (6) صحيح البخاري، الهبة......، باب المكافأة في الهبة، حديث: 2585. (7) صحيح البخاري، الأدب، باب، من بسط له في الرزق لصلة الرحم، حديث: 5985.

''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے بارے میں عدل و انصاف کرو۔''[1]

(2) ''ہبہ'' کر کے واپس لینا حرام ہے،اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ» ''ہبہ'' واپس لینے والا، اس شخص کی طرح ہے جو اپنی قے کھا لیتا ہے۔''[2]

اِلَّا یہ کہ ''ہبہ'' کرنے والا والد ہو تو وہ اپنی اولاد کو ''ہبہ'' کر کے واپس لے سکتا ہے، اس لیے کہ اولاد اور ان کا مال ''والد'' ہی کا تو ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان اقدس ہے:

«لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُّعْطِيَ عَطِيَّةً فَيَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ»

''کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ وہ عطیہ کر کے واپس لے مگر والد جو اپنی اولاد کو دیتا ہے۔''[3]

(3) ''عوض'' ملنے کی نیت سے ''ہبہ'' کرنا درست نہیں ہے، یعنی ایک مسلمان اس لیے ''ہبہ'' کرے تا کہ دوسرا اس سے بڑھ کر کوئی چیز بدل دے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝﴾

''اور جو تم سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے ہاں اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو تم زکاۃ دیتے ہو تم اس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو تو ایسے ہی لوگ (دنیا و آخرت میں اپنے مال کو) بڑھانے والے ہیں۔''[4]

اور جس کو اس شرط پر ''ہدیہ'' دیا جا رہا ہو کہ وہ اسے اس کا عوض دے گا تو اسے اختیار ہے، چاہے قبول کرے یا رد کر دے اور اگر اس نے قبول کر لیا تو اس کے مساوی یا زیادہ اس کے ''عوض'' میں ''ہبہ'' کرنا لازم ہے، اس لیے کہ اب یہ بیع والی صورت بن گئی ہے، علاوہ ازیں ہدیے کے مقابلے میں ہدیہ دینے کی ترغیب بھی آئی ہے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا»

''نبی کریم ﷺ ''ہدیہ'' قبول کرتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیتے تھے۔''[5]

(1) صحيح البخاري، الهبة ......، باب الإشهاد في الهبة، حديث: 2587، وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، حديث: 1623 واللفظ له. بلکہ لازم ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولاد میں سے بعض کو عطیہ دینے اور بعض کو محروم رکھنے کے اس انداز کو ظلم اور واجب الرد قرار دیا ہے۔ بنا بریں والد یا تو وہ عطیہ واپس لے یا باقی اولاد کو بھی اس کے برابر عطیات دے۔ (الاثری) (2) صحيح البخاري، الهبة......، باب لا يحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته، حديث: 2621، وصحيح مسلم، الهبات، باب تحريم الرجوع في الصدقة، حديث: 1622. (3) [صحيح] جامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كراهية الرجوع في الهبة، حديث: 1299، اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ (4) الروم 30:39.
(5) صحيح البخاري، الهبة......، باب المكافأة في الهبة، حديث: 2585.

اور اس لیے بھی کہ آپ کا فرمان ہے: «مَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ»
''جو شخص تمھارے ساتھ نیکی کرتا ہے تو اس کو بدلہ دو۔''[1]

اور فرمایا: «مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ، فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا، فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ»
''جس کے ساتھ حسن سلوک ہوا اور وہ کرنے والے کو کہے: اللہ تجھے اچھی جزا دے تو اس نے اس کی بہت اچھی تعریف کی۔''[2]

❁ **ہبہ کا تحریری نمونہ:** بسم اللہ اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد: ''فلاں عاقل، بالغ نے اپنی صحت، عقل وفہم اور شرعاً ایسا کر سکنے کی حالت میں اپنا فلاں مکان کہ جس کا حدود اربعہ یہ ہے .... کسی عوض وتبادلہ کے بغیر فلاں شخص کو شرعی طور پر ''ہبہ'' کر دیا ہے اور ''ہبہ کیے گئے شخص'' کا اس پر قبضہ وتصرف کرا دیا ہے اور مذکورہ (ہبہ شدہ) مکان اس کی ملکیت ہو گیا ہے اور ہبہ کیے گئے شخص کے حقوق میں سے ایک حق بن گیا ہے۔ مؤرخہ..................

تنبیہ: اگر ''ہبہ کرنے والا'' اپنی (نابالغ) اولاد کو عطیہ دے رہا ہے تو یہ لفظ بھی لکھے کہ (میں) ''ہبہ کرنے والے'' نے اسے (ہبہ والی چیز کو) اپنے چھوٹے بیٹے کی طرف سے قبول کیا اور اسے اس کی طرف سے شرعی طور پر تسلیم کر لیا ہے، اس طرح ''ہبہ مذکور'' اس کے چھوٹے (نابالغ) بیٹے کی ملکیت اور اس کا حق قرار پایا ہے اور جس پر اس کے مذکورہ بچے نے قبضہ کر لیا ہے۔ تاریخ..................

عمریٰ کا بیان

❁ **عمریٰ کی تعریف:** مسلمان اپنے بھائی کو یہ کہے کہ میں تجھے جب تک تو زندہ ہے، اپنا مکان یا باغ دیتا ہوں یا اپنے گھر کی رہائش یا اپنے باغ کی آمدنی دیتا ہوں۔

❁ **عمریٰ کا حکم:** مذکورہ انداز کا ہبہ ''عمریٰ'' کہلاتا ہے اور جائز ہے، اس لیے کہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
«إِنَّمَا الْعُمْرَى الَّتِي أَجَازَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَّقُولَ: هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ، فَأَمَّا إِذَا قَالَ هِيَ لَكَ مَا عِشْتَ، فَإِنَّهَا تَرْجِعُ إِلٰى صَاحِبِهَا»
''عمریٰ جسے رسول اللہ ﷺ نے نافذ قرار دیا ہے، یہ ہے کہ ''ہبہ'' کرنے والا کہے کہ ''یہ چیز میں تجھے اور تیرے وارثوں کے لیے دیتا ہوں۔ اگر یوں کہتا ہے کہ جب تک تو زندہ ہے یہ چیز تجھے دیتا ہوں تو (اس کی وفات پر)

[1] [ضعيف] سنن أبي داود، الزكاة، باب عطية من سأل بالله عزوجل، حديث: 1672، وصححه ابن حبان والحاكم والذهبي. اس کی سند اعمش کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [2] [حسن] السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة: 53/6، حديث: 10008، وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في الثناء بالمعروف، حديث: 2035 وقال: ''حسن'' واللفظ له.

یہ مالک کو واپس ہو جائے گی۔''①

● **عمریٰ کے احکام:** (1) اگر علی الاطلاق بایں الفاظ ہبہ کرتا ہے کہ میں یہ گھر تجھے ''عمریٰ'' کے طور پر دیتا ہوں تو یہ گھر اس شخص کا ہو گا اور اس کے بعد وراثت میں تقسیم ہو جائے گا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْعُمْرٰی لِمَنْ وُّهِبَتْ لَهُ» ''عمریٰ اس کے لیے ہے، جسے ''ہبہ'' کیا گیا۔''②

اور اگر کہتا ہے: یہ تیرے لیے اور تیرے بعد تیری اولاد کے لیے ہے تو بھی اس کا مالک وہی شخص ہے اور اس کے بعد اس کے ورثاء اس کے مالک ہیں ''واہب'' کو کسی صورت وہ واپس نہیں ملے گا، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«أَيُّمَا رَجُلٍ أُعْمِرَ عُمْرٰى لَهُ وَلِعَقِبِهِ، فَإِنَّهَا لِلَّذِي أُعْطِيَهَا لَا تَرْجِعُ إِلَى الَّذِي أَعْطَاهَا، لِأَنَّهُ أَعْطٰى عَطَاءً وَّقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِيثُ»

''جس شخص نے کسی شخص اور اس کی اولاد کے لیے عمریٰ دیا تو وہ انھی کا ہے جو دینے والے کو واپس نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس نے ایک ایسا عطیہ دیا ہے جس میں وراثت کا نفاذ ہو گیا ہے۔''③

(2) اگر ''عمریٰ'' میں کہا جائے: جب تک تو زندہ ہے، یہ تیرے لیے ہے اور جب تو مر جائے گا تو یہ مجھے یا میری اولاد کو واپس ہو جائے گا تو ''موہوب لہ'' کی وفات کے بعد یہ عطیہ واپس ہو جائے گا، اس لیے کہ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«إِنَّمَا الْعُمْرَى الَّتِي أَجَازَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَّقُولَ: هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ، فَأَمَّا إِذَا قَالَ هِيَ لَكَ مَا عِشْتَ، فَإِنَّهَا تَرْجِعُ إِلٰى صَاحِبِهَا»

''عمریٰ'' جسے رسول اللہ ﷺ نے نافذ قرار دیا ہے، یہ ہے کہ ''ہبہ'' کرنے والا کہے کہ یہ چیز میں تجھے اور تیرے وارثوں کے لیے دیتا ہوں۔ پس اگر یوں کہے جب تک تو زندہ ہے، میں یہ چیز تجھے دیتا ہوں تو یہ مالک کو واپس ہو جائے گا۔''④

رقبیٰ کا بیان

● **رقبیٰ کی تعریف:** ایک مسلمان اپنے بھائی کو یہ کہے کہ ''اگر میں تجھ سے پہلے فوت ہو گیا تو میرا گھر یا باغ تیرا ہو گیا اور اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوا تو تیرا گھر میرا ہو گا'' یا یوں کہے کہ ''میری یہ چیز تیری زندگی تک تیری ہے، اگر تو مجھ سے پہلے مر گیا تو مجھے واپس ہو جائے گی'' میں پہلے مر گیا'' یہ تیرے پاس ہی رہے گی۔

① صحیح مسلم، الهبات، باب العمرى، حديث: 1625. ② صحيح مسلم، الهبات، باب العمرى، حديث: 1625.
③ صحيح مسلم، الهبات، باب العمرى، حديث: 1625. ④ صحيح مسلم، الهبات، باب العمرى، حديث: 1625.

✿ **رقبیٰ کا حکم:** شرعی طور پر ''رقبیٰ'' درست نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تُرْقِبُوا، فَمَنْ أَرْقَبَ شَيْئًا فَهُوَ سَبِيلُ الْمِيرَاثِ»

''رقبیٰ کے طور پر کوئی چیز نہ دو، اگر کسی نے رقبیٰ کے طور پر دیا تو اس میں وراثت نافذ ہو جائے گی۔''[1]

اور اس لیے بھی کہ یہ دونوں پھر ایک دوسرے کی موت کے منتظر رہیں گے اور تمنا کریں گے اور ہو سکتا ہے اس بارے میں یہ کوئی عملی قدم بھی اٹھا بیٹھیں، اسی لیے جمہور علماء نے ''رقبیٰ'' سے منع کیا ہے۔

✿ **رقبیٰ کے احکام:** اگر ایک مسلمان اس غیر مستحسن ''ہبہ'' (رقبیٰ) کا ارتکاب کر بیٹھا ہے تو اس پر عمریٰ والے احکام نافذ ہو جائیں گے۔ اگر علی الاطلاق ''رقبیٰ'' کیا ہے تو ''موہوب لہ'' (ہبہ کیا گیا شخص) اور اس کے ورثاء اس کے مستحق ہوں گے، اگر مقید کیا ہے تو قید کے مطابق فیصلہ ہوگا، اگر ''واہب'' نے واپسی کی شرط عائد کی ہے تو یہ ''ہبہ'' واپس ہوگا، ورنہ نہیں۔

✿ **رقبیٰ کا تحریری نمونہ:** بسم اللہ، اللہ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کے بعد: فلاں نے اپنے پودے یا باغ کو ''عمریٰ'' کے طور پر یا ''رقبیٰ'' کے انداز میں شرعی قانون کے مطابق فلاں کو دے دیا ہے۔ یہ اس کے لیے ہے اور اس کے بعد اس کے وارثوں کے لیے یا پھر تا حیات اس کے لیے ہے اور جب وہ مر جائے گا تو واپس ہو جائے گا۔ وہ اس پر قابض ہو کر اس میں رہائش رکھ سکتا ہے اور دیگر منافع بھی حاصل کر سکتا ہے اور اس پر گواہوں کے دستخط ثبت ہیں۔ مؤرخہ..................

باب:6 نکاح، طلاق اور اس کے متعلقہ مسائل کا بیان

نکاح کا بیان

✿ **نکاح کی تعریف:** نکاح ایک ایسا عقد و معاہدہ ہے جس کے نتیجے میں مرد اور عورت ایک دوسرے پر حلال ہو جاتے ہیں۔

✿ **نکاح کا حکم:** اللہ تعالیٰ کے فرمان کی رو سے نکاح ایک مشروع کام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ﴾

''پس جو عورتیں تمھیں پسند آئیں، ان سے نکاح کرو، دو دو، تین تین اور چار چار اور اگر اندیشہ ہے کہ تم انصاف

[1] [صحيح] مسند أحمد: 189/5، وسنن أبي داود، البيوع، باب من قال فيه و لعقبه، حديث: 3556.

نہیں کرسکو گے تو ایک ہی یا جو تمھاری مملوکہ لونڈیاں ہیں۔''[1]

نیز فرمایا: ﴿ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ﴾

''اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں، نیک غلام اور لونڈیوں کے (باہم) نکاح کر دیا کرو۔''[2]

البتہ جو شخص گھریلو اخراجات برداشت کرسکتا ہے اور اسے حرام (زنا) میں واقع ہونے کا بھی اندیشہ ہے تو اس کے لیے نکاح کرنا فرض ہے اور اگر زنا کا خطرہ محسوس نہیں کرتا تو اس کے لیے مسنون ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ»

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے، وہ نکاح کر لے، یہ نگاہ کو بہت نیچی رکھے گا اور شرم گاہ کی نہایت حفاظت کا باعث ہوگا۔''[3]

اور فرمایا: «تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ [يَوْمَ الْقِيَامَةِ]»

''زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی کے ساتھ نکاح کرو، قیامت کے دن میں اقوام عالم کے ساتھ تمھاری کثرت پر فخر کروں گا۔''[4]

* **نکاح کی حکمت:** (1) نکاح کے نتیجے میں نسل انسانی کی بقا۔

(2) اپنی عزت کی حفاظت اور فطری خواہش پوری کرنے کے لیے مرد اور عورت کا رشتۂ ازدواج۔

(3) نسل انسانی کی تربیت اور زندگی کی بقا کے لیے دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون۔

(4) مودت ومحبت کے دائرہ میں مرد اور عورت کا باہم تعلق، جس سے دونوں کے حقوق کا تحفظ اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا حاصل ہونا۔

* **نکاح کے ارکان:** نکاح کی صحت ودرستی کے لیے چار ارکان کا ہونا ضروری ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) ولی (2) گواہ (3) عقد نکاح کے الفاظ (4) حق مہر

(1) **ولی:** لڑکی کا باپ پھر سب سے قریبی (عصبہ) عزیز اگر یہ نہ ہوں تو [illegible] ہوتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

(1) النسآء 4:3. (2) النور 24:32. (3) صحيح البخاري، النكاح، باب [illegible] من استطاع منكم..... حديث: 5065، و صحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن [illegible] حديث: 1400 [illegible] (4) [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء، حديث: 2050، ومسند أحمد 158/3 و 245، [illegible] صحيح ابن حبان: 338/9، حديث: 4017.

«لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» ''ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔''[1] اور عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ إِلَّا بِإِذْنِ وَلِيِّهَا، أَوْ ذِي الرَّأْيِ مِنْ أَهْلِهَا أَوِ السُّلْطَانِ»

''ولی یا اس کے خاندان میں سے سمجھدار یا حاکم کی اجازت کے بغیر عورت کا نکاح نہ کیا جائے۔''[2]

✽ **ولی کے احکام:** درج احکام کو مدنظر رکھنا ولایت کے بارے میں ضروری ہے۔

✽ ''ولی'' کا ولایت کی اہلیت کا حامل ہونا ضروری ہے، یعنی وہ مرد، بالغ، عاقل، معاملہ فہم اور آزاد ہو۔

✽ اگر عورت کنواری اور ''ولی'' باپ ہو تو باپ اس سے اجازت حاصل کرے کہ وہ اس کا فلاں کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے اور اگر وہ عورت بیوہ ہے یا ''ولی'' غیر باپ ہے تو صریح الفاظ میں اس کی رائے حاصل کرے، اس لیے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کا فرمان ہے: «اَلْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا»

''بیوہ اپنے نفس کی اپنے ''ولی'' سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اجازت حاصل کی جائے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔''[3]

✽ اقرب (زیادہ قریبی) کے ہوتے ہوئے ابعد (دور کا رشتہ دار) ''ولی'' نہیں بن سکتا، لہٰذا حقیقی بھائی کی موجودگی میں پدری بھائی (جو صرف باپ کی طرف سے ہو) ''ولی'' نہیں ہوگا اور نہ بھائی کی موجودگی میں بھتیجا ولی بن سکتا ہے۔

✽ اگر عورت نے اپنے قرابت داروں میں سے دو کو اپنا نکاح کر دینے کی اجازت دی ہے اور دونوں نے ایک ہی وقت میں اس سے نکاح کیا ہے تو دونوں نکاح باطل ہوں گے۔

② **گواہ:** عقد نکاح میں کم از کم دو عادل مسلمانوں کا حاضر ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ ''اور اپنے میں سے دو عادل مردوں کو گواہ بناؤ۔''[4]

(1) [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي، حديث: 2085، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء لانكاح إلابولي، حديث: 1102,1101، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب لانكاح إلابولي، حديث: 1880، والمستدرك للحاكم: 2/169-172، وصحيح ابن حبان: 9/389-391، حديث: 4078,4077، یہ حدیث **متواتر** ہے، **دیکھیے**: قطف الأزهار المتناثرة للسيوطي وغيره. (2) [ضعيف] الموطأ للإمام مالك، النكاح، باب استئذان البكر......، حديث: 1137، اس کی سند **منقطع ہے۔** (3) الموطأ للإمام مالك، النكاح، باب استئذان البكر......، حديث: 1136، وصحيح مسلم، النكاح، باب استئذان الثيب في النكاح بالنطق......، حديث: 1421. اگر لڑکی کنواری اور بالغ ہے تو اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے **پوچھنا** ضروری ہے۔ اور اگر لڑکی خود کسی سے نکاح کرنا چاہے تو ولی کی رضامندی، موجودگی یا اجازت ضروری ہے، یعنی بالغ لڑکی کا نکاح زبردستی کرنا جائز نہیں اور وہ اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی، لہٰذا باہمی مصالحت اور خیر خواہی کو مدنظر رکھتے ہوئے قدم اٹھایا جائے۔ (ع، و) (4) الطلاق 65:2. آیت کا تعلق اگرچہ طلاق و رجوع سے ہے مگر نکاح کو بھی اس پر قیاس کیا گیا ہے۔ (مؤلف)

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَّشَاهِدَيْ عَدْلٍ»
''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہے۔''①

✿ **گواہوں کے احکام:** ✿ دو گواہ ہونے چاہئیں، زیادہ جتنے بھی ہوں اچھا ہے۔

✿ اور دونوں عادل ہوں، یعنی کبیرہ گناہوں کے مرتکب نہ ہوں اور اکثر چھوٹے گناہوں سے اجتناب کرتے ہوں۔ زانی، شرابی اور سود کھانے والا شادی کا گواہ نہیں بن سکتا، اس لیے کہ قرآن پاک کی آیت بالا اور فرمان رسول اللہ ﷺ میں گواہوں کا عادل ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

✿ اس دور میں عدالت و ثقاہت کی صفات کے حاملین لوگ بہت کم ہیں، لہٰذا زیادہ سے زیادہ گواہ مجلس نکاح میں موجود ہونے چاہئیں۔

③ **عقد نکاح کے الفاظ:** ہونے والا خاوند جب یہ کہتا ہے کہ اپنی بیٹی یا جس بچی کے میرے ساتھ نکاح کی آپ کو وصیت کی گئی ہے، آپ اسے میرے نکاح میں دے دیں اور ولی کہے: میں نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا یا میں نے فلاں بیٹی کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا اور خاوند کہہ دے ''میں نے قبول کر لیا'' تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب یہی گفتگو خاوند کی طرف سے اس کا وکیل کرے (یا ولی گفتگو کی ابتدا کرے نکاح ہو جائے گا۔)

✿ **عقدِ نکاح کے احکام:** ✿ شوہر آزادی (حُر ہونے میں)، اخلاق و دین اور امانت میں بیوی کا کفو، یعنی ہم مرتبہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا جَاءَ كُمْ مَّنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوهُ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ»
''جب تمھارے پاس ایک ایسے شخص کا پیغام آئے جس کے اخلاق اور دین کو تم پسند کرتے ہو، اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہو گا۔''②

✿ ''عقد نکاح'' میں مرد جسے چاہے اپنا وکیل بنائے۔ عورت کا وکیل اس کا ولی ہے، جو اس کی طرف سے عقد نکاح کرے گا۔

④ **حق مہر:** عورت کو حلال بنانے کے لیے خاوند جو مال دیتا ہے، وہ ''مہر'' ہے، یہ دینا واجب اور فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط﴾ ''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔''③

اور نبی ﷺ نے فرمایا: «فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيدٍ»
''مہر کے لیے کچھ تلاش کر، چاہے لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔''④

① [حسن] سنن الدارقطني: 3/221,225-227، وصحيح ابن حبان: 9/386، حديث: 4075. ② [ضعيف] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في من ترضون......، حديث: 1085 وقال: حسن غريب، وعند الألباني حسن لغيره. ③ النسآء 4:4. ◄◄

❀ **مہر کے احکام:** ① ''مہر'' میں تخفیف مستحب ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَعْظَمُ النِّسَاءِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُنَّ مُؤْنَةً»

''وہ عورت سب سے زیادہ بابرکت ہے، جس کے حصول کے اخراجات آسان ہوں۔''[1]

اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ کی دختران اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مہر میں عموماً چار سو اسی درہم ہوتے تھے۔ اصحاب سنن نے اسے روایت کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔[2]

② عقد کے وقت مہر کا تذکرہ کرنا مسنون ہے۔

③ چوتھائی دینار ❀ سے زائد مالیت کی مباح چیز مہر مقرر ہو سکتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيدٍ» ''مہر کے لیے تلاش کر، چاہے لوہے کی انگوٹھی ہو۔''[3]

④ مہر عقد نکاح کے ساتھ ہی ادا کر دیا جائے تو بھی صحیح ہے اور اس کے کل یا کچھ حصے کی تاخیر بھی جائز ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً ﴾

''اور اگر تم انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دیتے ہو اور ان کے لیے ''مہر'' مقرر کر چکے ہو۔ (ابھی دیا نہیں، دینا ہے'')[4]

البتہ جماع سے پہلے تحفے کے طور پر کوئی چیز دینا مستحب ہے۔ سنن ابو داود اور سنن نسائی میں ہے:

«لَمَّا تَزَوَّجَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَعْطِهَا شَيْئًا قَالَ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ قَالَ: أَيْنَ دِرْعُكَ الْحُطَمِيَّةُ؟ [قُلْتُ: هِيَ عِنْدِي، قَالَ: فَأَعْطِهَا إِيَّاهَا]»

''جب علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ سے شادی کی تو نبی کریم ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ (مجامعت سے پہلے) فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ دے۔'' انھوں نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تیری حطمی زرہ کہاں ہے؟'' انھوں

❀ چوتھائی دینار کی تحدید کسی نص سے ثابت نہیں ہے۔ مؤلف کی ذکر کردہ حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس صحابی کے پاس جس کو لوہے کی انگوٹھی لانے کا حکم دیا تھا، لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں تھی اور قرآن پاک کی چند سورتیں پڑھانے پر اس کا عقد نکاح ہوا تھا۔ (الاثری)

◀◀ ④ صحيح البخاري، النكاح، باب عرض المرأة نفسها على الرجل الصالح، حديث: 5121، وصحيح مسلم، النكاح، باب الصداق...... حديث: 1425. ① [ضعيف] مسند أحمد: 145/6، والمستدرك للحاكم: 178/2، والسنن الكبرٰى للنسائي: 402/5، حديث: 9274، اس کی سند ابن سخبرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن سخبرہ کا نام عمر بن طفیل یا عمرو بن طفیل ہے، نیز دیکھیے: مجمع الزوائد: 255/4. ② [حسن] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في مهور النسآء، حديث : 1114 وصححه والمعنىٰ منه . ③ صحيح البخاري، النكاح، باب عرض المرأة نفسها على الرجل الصالح، حديث: 5121، وصحيح مسلم، النكاح، باب الصداق......، حديث: 1425. ④ البقرة 237:2.

نے کہا: وہ میرے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا: ''وہی اسے دے دو۔''[1]

5. عقد نکاح سے مہر مرد کے ذمے متعلق ہو جاتا ہے اور دخول (جماع) کے بعد واجب الاداء ہو جاتا ہے اور اگر دخول سے پہلے طلاق دے دے تو نصف مہر ساقط (معاف) ہے جبکہ نصف کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ ارشاد حق تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾

''اور اگر تم نے ان کو ہاتھ لگانے (جماع کرنے) سے پہلے طلاق دے دی ہے اور ''مہر'' مقرر کر چکے ہو تو جو مقرر کیا ہے اس کا نصف دے دو۔''[2]

6. اگر خاوند ''عقد'' کے بعد اور دخول (مجامعت) سے پہلے فوت ہو جائے تو عورت کو خاوند کی وراثت سے اس کا پورا حصہ اور مہر ملے گا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی فیصلہ ہے۔[3]

بشرطیکہ نکاح کے وقت ''مہر'' مقرر ہو چکا ہو اور اگر ''مہر'' مقرر نہیں ہوا تھا تو وہ ''مہر مثل''❀ کی مستحق ہو گی اور ''عدت وفات'' بھی گزارے گی۔ (چار ماہ دس دن یا وضع حمل)

● **نکاح کے آداب وسنن اور خطبۂ نکاح:** نبی ﷺ نکاح اور دیگر اہم مقاصد سے پہلے مقدمتاً ان کلمات سے ابتدا فرماتے:

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

''سب تعریف اللہ کے لیے ہے، ہم اس سے مدد طلب کرتے ہیں، اس سے معافی مانگتے ہیں اور اپنے نفسوں کی خرابیوں اور برے اعمال سے اس کی پناہ کے طلب گار ہیں، جس کو اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

پھر درج ذیل آیات تلاوت کرتے۔

❀ اتنا مہر لے گی جتنا اس کی خاندان کی اسی جیسی دیگر عورتوں نے اپنے خاوندوں سے لیا، مثلاً: بہن، چچا، تایا کی بیٹی وغیرہ (محمد عبدالجبار)

[1] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في الرجل يدخل بامرأته قبل أن ينقدها شيئا، حديث: 2125، وسنن النسائي، النكاح، باب نحلة الخلوة، حديث: 3378,3377 والزيادة منه. [2] البقرة 2:237. [3] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يتزوج المرأة......، حديث: 1145، وسنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم (لها) صداقا......، حديث: 2114.

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴾ (آل عمران 102:3)

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴾ (النسآء 1:4)

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾ (الأحزاب 71,70:33)

''اے ایمان والو!اللہ سے کما حقہ ڈرو اور تمھاری موت اسلام ہی پر آئے۔ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی (حوا علیہا السلام) بنائی اور (پھر) دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں (کا لحاظ کرو) بے شک اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو، وہ تمھارے اعمال درست کر دے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔''[1]

- **دعوتِ ولیمہ:** عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ» ''ولیمہ کرو، چاہے ایک بکری کے ذریعے سے ہو۔''[2]

خاوند کی طرف سے دیے گئے شادی کے کھانے کو ''ولیمہ'' کہتے ہیں اور دعوت ولیمہ قبول کرنا واجب ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے: «مَنْ دُعِيَ إِلٰی عُرْسٍ أَوْ نَحْوِهِ فَلْيُجِبْ» ''جسے شادی وغیرہ کے لیے بلایا جائے، اسے چاہیے کہ قبول کرے۔''[3]

البتہ شادی کی تقریب میں لہو ولعب اور ناجائز کام ہو رہے ہوں تو شرکت نہ کرے۔[4] اگر دو آدمیوں کی دعوت موصول ہوگئی ہے تو جس نے پہلے پیغام دیا ہو، اس کی دعوت قبول کر لے۔ نیز ''ولیمے'' میں اغنیاء کے ساتھ ساتھ فقراء کو بھی بلانا چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا، وَيُدْعٰی إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا»

[1] [ضعیف] سنن أبي داود، النكاح، باب في خطبة النكاح، حديث: 2118 وإسناده معلول. جبکہ شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [2] صحيح البخاري، النكاح، باب قول الرجل لأخيه: أنظر......، حديث: 5072، وصحيح مسلم، النكاح، باب الصداق......، حديث: 1427. [3] صحيح مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: 1429. [4] جیسا کہ سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب إذا رأى الضيف منكراً رجع، حديث: 3359، میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھانا تیار کیا اور آپ کو دعوت دی، آپ تشریف لائے، جب گھر میں تصویریں دیکھیں تو واپس چلے گئے۔ (مؤلف)

''بدترین کھانا، اس ولیمے کا کھانا ہے جس کے لیے آنے والوں کو روکا جائے اور جو انکاری ہیں، ان کو بلایا جائے۔''[1]

جو دعوت ولیمہ قبول نہیں کرتا، اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔ اگر مدعو کا روزہ ہے تو بھی دعوت قبول کرے، اگر نفلی روزہ ہے تو چاہے افطار کر دے اور کھانا کھائے اور چاہے تو اہل ضیافت کے لیے دعا کر کے واپس آ جائے، اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ، وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ»

''اگر تم میں سے کسی ایک کو دعوت کے لیے بلایا جائے تو وہ اسے قبول کرے، اگر روزہ دار ہے تو دعا کرے اور اگر روزہ دار نہیں ہے تو کھانا کھائے۔''[2]

● **''دف'' اور ''غنا'' کے ذریعے سے نکاح کی تشہیر:** یہ شرعاً جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَرَامِ وَالْحَلَالِ الدَّفُّ وَالصَّوْتُ»

''حلال اور حرام (نکاحوں) کے درمیان ''دف'' بجانے اور شہرت دینے سے امتیاز ہوتا ہے۔''[3]

● **میاں بیوی کے لیے دعا:** ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ جب کسی کو مبارکباد دیتے تو فرماتے:

«بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ»

''اللہ تعالیٰ تیرے لیے اور تجھ پر برکت فرمائے اور تمھیں خیر میں اکٹھا رکھے۔''[4]

● **شوال میں شادی اور رخصتی مستحب ہے:** عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شوال کے مہینے میں میرے ساتھ نکاح کیا اور شوال میں ہی آپ مجھے اپنے گھر لائے تو رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں کون مجھ سے زیادہ نصیب والی تھی۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی رشتہ دار لڑکیوں کی شادی کے لیے شوال کے مہینے کو پسند فرماتی تھیں۔[5]

● **پہلی بار بیوی کے پاس جانے کی دعا:** اپنی بیوی کے پاس جاتے ہی اس کی پیشانی کے بالوں پر ہاتھ رکھے اور یہ دعا پڑھے: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا وَخَيْرِ مَا جُبِلَتْ عَلَيْهِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جُبِلَتْ عَلَيْهِ»

''اے اللہ میں تجھ سے اس کی اور اس چیز کی اچھائی کا سوال کرتا ہوں جس پر تو نے اس کو پیدا کیا ہے اور میں

① صحيح مسلم، النكاح،باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: 1432. ② صحيح مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: 1431. ③ [حسن] جامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء في إعلان النكاح،حديث: 1088 وقال: ''حسن'' وسنن النسائي، النكاح، باب إعلان النكاح بالصوت وضرب الدف، حديث:3371، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب إعلان النكاح، حديث: 1896. ④ [صحيح] جامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء فيما يقال للمتزوج، حديث: 1091. ⑤ صحيح مسلم، النكاح،باب استحباب التزوج والتزويج في شوال......، حديث: 1423.

تیری پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس چیز کے شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا ہے۔''[1]

❁ **ارادۂ جماع کے وقت کی دعا:** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس آتے وقت یہ دعا پڑھے اگر اس (کے نتیجے) میں اولاد مقدر ہو جائے تو شیطان اسے نقصان نہیں دے سکے گا:

«بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ! جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا»

''اللہ کے نام سے، اے اللہ! ہم سے شیطان کو دور کر اور جو (اولاد) تو ہمیں عطا فرمائے، اس سے بھی شیطان کو دور کر۔''[2]

❁ **مرد اور عورت ایک دوسرے کے راز افشا نہ کریں:** میاں بیوی کی باہمی جنسی گفتگو (اور دیگر رازوں) کا اظہار کرنا دونوں کے لیے ناجائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا»

''اللہ کے نزدیک قیامت کے دن اس آدمی کا مقام بہت ہی برا ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور وہ اس کے پاس جاتی ہے اور پھر وہ اپنے راز پھیلا دیتا ہے۔''[3]

❁ **نکاح کی شرائط:** عورت اگر عقد نکاح میں ایسی شرطیں تسلیم کراتی ہے جو نکاح کے اصل مقاصد میں داخل ہیں اور اس کی پختگی کا باعث ہیں، مثلاً: اپنے لیے نفقہ یا جماع یا دوسری بیوی کی موجودگی میں درست تقسیم (انصاف) کا مطالبہ کرتی ہے تو یہ شروط ''عقد نکاح'' کے ساتھ ہی نافذ ہو جائیں گی اور اگر یہ شرطیں ایسی ہیں جو ''مقاصد نکاح'' کو فوت کرتی ہیں، مثلاً: یہ کہ مرد اس کے ساتھ جماع نہیں کرے گا، وہ کھانے، پینے کی چیزیں تیار نہیں کرے گی، جبکہ یہ کام اس علاقے میں عام طور پر عورت کی ذمہ داری میں داخل ہوں تو ایسی شرطیں لغو ہیں، ان کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ''مقصد نکاح'' کے منافی ہیں۔ لیکن اگر شرائط مذکورہ ازدواجی دائرے سے خارج انداز کی ہیں، مثلاً: عورت یہ شرط عائد کرتی ہے کہ وہ اپنے قرابت داروں کو ملنے جایا کرے گی یا اسے اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو ان کا پورا کرنا ضروری ہے، اگر مرد یہ شرطیں پوری نہیں کرتا تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوطِ أَنْ يُوَفَّى بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»

[1] [حسن] سنن ابن ماجه، النكاح، باب مايقول......، حديث: 1918، وسنن أبي داود، النكاح، باب في جامع النكاح، حديث: 2160. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب التسمية على كل حال......، حديث: 141، وصحيح مسلم، النكاح، باب ما يستحب أن يقوله عندالجماع، حديث: 1434. [3] صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم إفشاء سر المرأة، حديث: 1437.

’’جن شرطوں کے ساتھ تم نے شرم گاہوں کو حلال بنایا ہے انھیں پورا کرنا دیگر شرائط کی نسبت زیادہ ضروری ہے۔‘‘[1]

البتہ عورت کا یہ شرط عائد کرنا کہ پہلی بیوی کو طلاق دے، حرام ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا يَحِلُّ أَنْ يَّنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِطَلَاقِ أُخْرٰى»

’’دوسری (عورت) کی طلاق کی شرط پر، کسی عورت کے ساتھ نکاح حلال نہیں ہے۔‘‘[2]

نیز فرمایا: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تَسْأَلُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا، فَإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا»

’’کسی عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بہن (پہلی بیوی) کی طلاق کا سوال کرے تا کہ اس کا برتن خالی کرے، بے شک اس کے لیے ہے جو اس کے مقدر میں ہے۔‘‘[3]

✽ **نکاح میں اختیار اور اس کو واجب کرنے والی چیزیں:** درج ذیل اسباب کی بنیاد پر مرد اور عورت دونوں کو اختیار ہے کہ زوجیت بحال رکھیں یا فسخ کر دیں۔

(1) عورت کو جنون، کوڑھ، پھلبہری یا شرم گاہ کی ایسی بیماری لاحق ہو جس سے ’’جماع کی لذت‘‘ فوت ہو جائے۔ اسی طرح مرد کا خصی یا مجنون یا نامرد ہونا، جب وہ جماع کرنے کے قابل نہ رہے۔

مذکورہ اسباب کے نتیجے میں اگر فسخ نکاح کی نوبت آ گئی ہے اور فسخ، وطی (جماع) سے پہلے ہوا ہے تو مرد کو اختیار حاصل ہے کہ وہ پیشگی دیا ہوا مہر واپس لے سکتا ہے لیکن اگر وطی کے بعد فسخ ہوا ہے تو پھر مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ جس نے خاوند کو دھوکا دیا ہے وہ مہر کی وصولی اس سے کرے، اگر اسے عیب کا علم تھا۔ اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ہے:

«أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَبِهَا جُنُونٌ أَوْ جُذَامٌ أَوْ بَرَصٌ فَمَسَّهَا فَلَهَا صَدَاقُهَا كَامِلًا وَذٰلِكَ لِزَوْجِهَا غُرْمٌ عَلٰى وَلِيِّهَا»

’’مجنون یا مجذوم یا برص والی عورت کا اگر کسی نے دھوکے سے کسی کے ساتھ نکاح کرا دیا تو ملاپ کی بنا پر عورت کو ’’مہر‘‘ ملے گا اور آدمی (دھوکے میں آ کر نکاح کرنے والے خاوند) کا تاوان (مہر) دھوکا باز ادا کرے گا۔‘‘[4]

(2) دھوکے کے نتیجہ میں، مثلاً: ایک شخص نے یہ کہہ کر نکاح کیا کہ یہ عورت مسلمان ہے، جبکہ وہ غیر مسلم (یہودن یا

(1) صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، حديث: 2721، وصحيح مسلم، النكاح، باب الوفاء بالشروط في النكاح، حديث: 1418 واللفظ له. (2) [ضعيف] مسند أحمد: 176/2 وفيه نظر من أجل ابن لهيعة. وانظر مجمع الزوائد: 81/4. (3) صحيح البخاري، النكاح، باب الشروط التي لاتحل في النكاح، حديث: 5152، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم الخطبة على......، حديث: 1413. (4) الموطأ للإمام مالك، النكاح، باب ماجاء في الصداق والحباء، حديث: 1141.

عیسائن) تھی یا یہ کہا وہ آزاد ہے، جبکہ وہ لونڈی تھی یا یہ کہا: وہ تندرست ہے، جبکہ وہ بھینگی یا لنگڑی تھی۔ تو بھی خاوند کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا فیصلہ اس کی دلیل ہے۔

③ خاوند مہر معجّل (جس کی فوری ادائیگی طے پائی ہو) کی ادائیگی نہ کر سکے تو عورت کو دخول (جماع) سے پہلے فسخ کا حق حاصل ہے لیکن دخول کے بعد فسخ کا اختیار نہیں ہے بلکہ عقد پختہ ہو جائے گا اور مہر معجّل مرد کے ذمے ثابت ہو جائے گا، اب وہ اس مرد سے انکار نہیں کر سکتی۔

④ اگر مرد عورت کا روزمرہ کا خرچ نہیں دے سکتا تو عورت حسب طاقت انتظار کرے اور پھر شرعی قاضی کے ذریعے ''فسخ نکاح'' کا اس کو اختیار حاصل ہو جائے گا۔ صحابۂ کرام میں ابوہریرہ، عمر اور علی رضی اللہ عنہم اور تابعین میں حسن، عمر بن عبدالعزیز، ربیعہ اور امام مالک رحمہم اللہ کا مسلک یہی ہے۔

⑤ خاوند اگر غائب ہو جائے اور اس کا کوئی علم نہیں ہو رہا کہ کہاں ہے، نیز بیوی کے لیے خرچ بھی نہیں چھوڑ کر گیا اور نہ کوئی اس کے خرچ کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اور اس کے پاس اتنا مال بھی نہیں کہ خرچ کر کے (بعد میں) خاوند سے وصول کر سکے تو اسے شرعی قاضی کے ذریعے سے ''فسخ نکاح'' کا حق حاصل ہو جاتا ہے، پہلے قاضی اسے وعظ ونصیحت کرے اور صبر کی تلقین کرے، اگر وہ پھر بھی انکار کرتی ہے تو قاضی ان گواہوں کی موجودگی میں فیصلہ لکھے جو دونوں (میاں بیوی) کو جانتے ہوں اور خاوند کے غائب ہونے کی شہادت دیتے ہوں اور پھر اس طرح نکاح فسخ کر دے اور یہ طلاق رجعی شمار ہوگی۔ عدت کے اندر اگر مرد آ گیا تو یہ عورت اس کے پاس آ جائے گی۔

شوہر کے غائب ہو جانے کی صورت میں فسخ نکاح کا تحریری نمونہ:

بسم اللہ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے بعد!

ہمارے پاس دو گواہ فلاں فلاں حاضر ہوئے، دونوں سمجھدار اور عادل ہیں اور اپنی خوشی سے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس شہادت ادا کرنے آئے ہیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ یہ دونوں فلاں مرد اور فلاں عورت کو پہچانتے ہیں اور دونوں خاوند بیوی ہیں، ان کا نکاح شرعی طریقے سے ہو چکا ہے اور عورت اس کے گھر آباد رہی ہے، مرد اتنی مدت سے غائب ہے اور عورت کے پاس کوئی نفقہ ولباس نہیں چھوڑ کر گیا اور نہ ہی اس کے پاس اور اثاثہ ہے جس سے یہ حسب ضرورت خرچ کر سکے اور نہ وہ جانے کے بعد اس کے پاس کوئی مال بھیج رہا ہے جس سے یہ خرچ کر سکے۔ اس صورت میں بھی یہ عورت نکاح فسخ کرانے میں دکھ محسوس کرتی ہے، یہ دونوں گواہ مذکورہ امور کو جانتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے جوابدہ ہوں گے۔

پھر مذکورہ فلاں عورت حاضر ہوئی، اس نے اللہ عظیم کے حلف کے ساتھ بیان کیا کہ اس کا فلاں خاوند اتنی مدت سے

غائب ہے اور اس کے پاس خرچ ولباس نہیں ہے اور نہ وہ کوئی مال چھوڑ کر گیا ہے جس میں سے وہ خرچ کر سکے اور کوئی دیگر بھی نفلی طور پر خرچ کرنے والا نہیں ہے اور نہ اس نے کوئی مال بھیجا ہے جس سے وہ خرچ کرے، نیز اس کے پاس اپنا مال بھی نہیں جس میں وہ گزارہ کر سکے اور مذکورہ گواہوں کی گواہی اس بارے میں سچی ہے، یہ اب تک اس خاوند کی اطاعت میں ہے اور فسخ نکاح پر ضرور تکلیف محسوس کرتی ہے۔

مذکورہ شہادت اور حلفیہ بیان کی بنیاد پر، جبکہ عورت نے صریح لفظوں میں فلاں خاوند سے ''فسخ نکاح'' کا کہا ہے، ہم اس کے اس سوال کو قبول کرتے ہیں اور اسے ایک رجعی طلاق گردانتے ہیں۔ مؤرخہ..................

⑥ عورت اگر لونڈی ہے اور کسی غلام کی بیوی ہے تو آزاد ہونے کی صورت میں اسے ''خیار عتق'' حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی آزاد ہونے کے بعد خاوند کے اس تک رسائی حاصل کرنے سے پہلے عورت چاہے تو نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ لیکن اگر اس عورت نے اپنی آزادی معلوم ہونے کے باوجود خاوند کو مجامعت کا موقع دے دیا تو یہ اختیار ختم ہو جائے گا، اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئی اور اس کا خاوند (مغیث) غلام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا تھا، اگر یہ (مغیث) آزاد ہوتا تو اس کو اختیار نہ دیتے۔''[1]

حقوق زوجیت ❁ **بیوی کے خاوند پر حقوق:** عورت کے لیے خاوند پر بہت حقوق ثابت ہوتے ہیں جن کی ادائیگی خاوند پر لازم ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

''اور دستور کے مطابق عورتوں کے لیے حقوق ہیں، جس طرح (خاوندوں کے لیے) ان پر حقوق ہیں۔''[2]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ لَكُمْ مِنْ نِسَائِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا»

''تمھارے لیے تمھاری عورتوں پر حق ہے اور تمھاری عورتوں کے لیے تم پر حق ہے۔''[3]

اور یہ حقوق درج ذیل ہیں:

① عورت کی خوراک، لباس اور رہائش دستور کے مطابق مرد کے ذمے ہے۔ ایک شخص نے عورت کے مرد پر حقوق پوچھے تو آپ نے فرمایا:

«تُطْعِمُهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ

① صحیح مسلم، العتق، باب بیان أن الولاء لمن أعتق، حدیث: 1504. ² البقرة 2:228. ³ [صحیح] جامع الترمذي، تفسیر القرآن، باب ومن سورة التوبة، حدیث: 3087، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حدیث: 1851 واللفظ له.

إِلَّا فِي الْبَيْتِ»

''جب تو کھانا کھائے، اسے بھی کھلا، لباس پہنے تو اسے بھی پہنا، اور منہ پر نہ مار اور بددعا نہ دے اور اس سے علیحدگی اپنے گھر ہی میں اختیار کر۔''[1]

(2) اس کا جنسی حق ادا کرے اور اگر عورت کی کفایت کو پورا نہیں کر سکتا تو بھی چار ماہ میں کم از کم ایک بار ضرور مجامعت کرے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''جن مردوں نے اپنی عورتوں سے ایلاء کیا ہے (ان سے جماع نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہے) تو وہ (عورتیں) چار ماہ انتظار کریں، اگر رجوع کرتے ہیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''[2]

(3) چار راتوں میں سے ایک رات ضرور، اس کے پاس رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔[3]

(4) اگر خاوند کی کئی عورتیں ہیں تو ان میں عادلانہ تقسیم کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ يَمِيلُ لِإِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ أَحَدُ شِقَّيْهِ سَاقِطٌ»

''جس کی دو بیویاں ہیں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو گیا ہے، (دوسری کو اس کے حقوق نہیں دیتا) قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا یا جھکا ہوا ہو گا۔''[4]

(5) نئی بیوی کے پاس اگر وہ کنواری ہے تو سات دن رہے اور اگر بیوہ ہے تو تین دن اور پھر سب میں (دنوں کی) تقسیم برابر کر دے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «لِلْبِكْرِ سَبْعٌ، وَلِلثَّيِّبِ ثَلَاثٌ»

''کنواری کے لیے سات دن اور بیوہ کے لیے تین دن ہیں۔''[5]

(6) عورت کا کوئی رشتہ دار بیمار ہے تو اس کی عیادت کے لیے اور فوت ہونے کی صورت میں جنازہ پر جانے کے لیے اس کو اجازت دینا بہتر ہے۔ اس کے علاوہ رشتہ داروں کی ملاقات کے لیے بھی عورت جا سکتی ہے مگر اس طور پر کہ خاوند کے مصالح کو نقصان نہ پہنچے۔

(1) [صحيح] مسند أحمد: 447,446/4، وسنن أبي داود، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث: 2142، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حديث: 1850. یعنی ناراضی کی صورت میں اپنے گھر میں رہتے ہوئے اس سے الگ رہ کہیں اور نہ جا۔ واللہ اعلم (ع، ر) (2) البقرة2:226. (3) المصنف لعبد الرزاق: 149/7. (4) [صحيح] جامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء في التسوية بين الضرائر، حديث: 1141، وسنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: 2133، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب القسمة بين النساء، حديث: 1969، وصحيح ابن حبان: 7/10، حديث: 4207، ومسند أحمد: 347/2 واللفظ له. (5) صحيح مسلم، الرضاع، باب، قدر ما تستحقه البكر والثيب ......، حديث: 1460.

خاوند کے عورت پر حقوق: عورت پر خاوند کے متعدد حقوق ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾

''اور دستور کے مطابق عورتوں کے لیے (خاوندوں پر) ایسے ہی حقوق ہیں جیسے (خاوندوں کے لیے) ان پر ہیں۔''[1]

اور آپ کا فرمان ہے: «إِنَّ لَكُمْ مِّنْ نِّسَاءِكُمْ حَقًّا» ''تمھارے لیے تمھاری عورتوں پر حقوق ہیں۔''[2]

اور یہ حقوق درج ذیل ہیں:

(1) عورتوں پر معروف طریقہ کے مطابق خاوند کی اطاعت لازم ہے۔ الّا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں یا ایسا حکم دیں جو عورت کی طاقت سے باہر ہو یا اس کے لیے مشقت کا باعث ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ﴾

''اگر وہ تمھاری فرماں برداری کرتی ہیں تو پھر ان پر (ناراضی یا مار پیٹ کا) کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَّأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا»

''اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔''[4]

(2) مرد کے مال اور عزت کی حفاظت کرے اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ﴾

''عورتیں اس سبب سے کہ اللہ نے ان کے حقوق محفوظ کیے ہیں، غیب میں (خاوند کی غیر حاضری میں اس کی عزت وناموس کی) حفاظت کرنے والی ہیں۔''[5]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «خَيْرُ النِّسَاءِ امْرَأَةٌ إِذَا نَظَرْتَ إِلَيْهَا سَرَّتْكَ، وَإِذَا أَمَرْتَهَا أَطَاعَتْكَ، وَإِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْكَ فِي نَفْسِهَا وَمَالِكَ»

''بہترین عورت وہ ہے کہ جب تو اس کی طرف دیکھے تو وہ تجھے خوش کرے، جب تو اسے حکم دے تو تیری اطاعت کرے اور جب تو اس سے غائب ہو تو اپنے نفس اور تیرے مال کی حفاظت کرے۔''[6]

(3) اگر خاوند کہے تو سفر میں اس کے ساتھ چلی جائے، اس لیے کہ یہ بھی اس کی اطاعت ہے، الّا یہ کہ وہ ''عقد'' کے

---

[1] البقرة 2:228. [2] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة التوبة، حديث: 3087، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حديث: 1851 واللفظ له. [3] النسآء 4:34. [4] [حسن] جامع الترمذي، الرضاع، باب ما جاء في حق الزوج على المرأة، حديث: 1159 وقال: حسن غريب. [5] النسآء 4:34. [6] [صحيح] المستدرك للحاكم: 161/2، وتفسير الطبري: 60/4، النسآء 4:34، وتفسير ابن كثير: 674/1 النسآء 4:34، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 453/4، حديث: 1838، یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

وقت شرط کر چکی ہو کہ سفر میں اس کے ساتھ نہیں جایا کرے گی۔ ❀

④ جب بھی خاوند اسے جنسی تعلق (جماع) کے لیے بلائے تو خود کو اس کے سپرد کر دے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ»

''جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے اور مرد ناراضی کے ساتھ رات گزارے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت کرتے ہیں۔''[1]

⑤ اگر خاوند سفر میں نہیں تو عورت اس سے اجازت حاصل کر کے (نفلی) روزہ رکھے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے: «لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ»

''عورت کے لیے خاوند کی موجودگی میں روزہ رکھنا، اس کی اجازت کے بغیر حلال نہیں ہے۔''[2]

✽ بیوی کی خاوند سے سرکشی اور ناچاقی: اگر عورت خاوند کی نافرمان ہو جائے اور اس کے حقوق ادا نہ کرے تو اسے زبانی سمجھائے، اگر اطاعت میں آ جائے تو بہتر، ورنہ مخصوص مدت تک خاوند الگ بستر بنا لے، تاہم ترک کلام تین دن سے زیادہ نہ کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ»

''کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کے ساتھ تین دنوں سے زیادہ کلام کرنا ترک کرے۔''[3]

اگر اس طرح وہ اطاعت قبول کر لے تو بہتر، ورنہ معمولی انداز سے مارے اور چہرے پر مارنے سے احتراز کرے۔ اس کے بعد اطاعت قبول کر لے تو ٹھیک، ورنہ دو فیصل (فیصلہ کرنے والے) ایک مرد کے کنبے سے اور ایک عورت کے کنبے سے مقرر کریں، وہ الگ الگ ان سے مل کر اصلاح حال اور ان میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کریں، اگر ان کی کوشش اس کے باوجود بارآور نہیں ہوتی تو ان کے مابین ''طلاق بائن'' ⁕ کے ذریعے تفریق کرا دیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝

❀ اپنی ضرورت کے سفر میں تو اس کے ساتھ جائے گی مگر اس کے سفر میں اس کے ساتھ نہیں جائے گی۔ (محمد عبدالجبار)

⁕ طلاق بائن: یعنی میاں بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرنے والی طلاق جس کے بعد رجوع ناممکن ہو۔ مذکورہ پنچایت کے کہنے پر خاوند جو طلاق دے گا وہ ''بائن'' متصور ہو گی۔ واللہ اعلم۔ (ع، ر)

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم: آمين......، حديث: 3237، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها، حديث: 1436. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب لا تأذن المرأة في بيت زوجها لأحد إلا بإذنه، حديث: 5195، وصحيح مسلم، الزكاة، باب ما أنفق العبد من مال مولاه، حديث: 1026. [3] صحيح البخاري، الاستئذان، باب السلام للمعرفة......، حديث: 6237، و صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاثة أيام......، حديث: 2560 واللفظ له.

''اور تم جن عورتوں کی سرکشی اور نافرمانی معلوم کرو ان کو سمجھاؤ اور شب باشی میں ان کو علیحدہ کر دو اور ان کو مارو، پھر اگر تمھاری فرمانبرداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، یقیناً اللہ سب سے بلند اور بڑا ہے اور اگر دونوں میں (سخت) مخالفت پاؤ تو ایک منصف مرد کے کنبہ سے اور ایک عورت کے کنبہ سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں صلح کی کوشش کریں گے تو اللہ ان کو صلح کی توفیق دے گا۔ یقیناً اللہ جاننے والا، خبر رکھنے والا ہے۔''[1]

✽ **جماع کے آداب:** اس بارے میں درج ذیل آداب کا لحاظ انتہائی مناسب ہے:

(1) بیوی کے ساتھ اس انداز میں بے تکلف لعب وخوش طبعی کرے جو جماع کو انگیخت دلائے۔

(2) جماع سے پہلے یہ دعا پڑھے: «اَللّٰهُمَّ! جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا»

''اے اللہ! ہمیں شیطان سے دور کر اور جو تو ہمیں عطا فرمائے اس سے شیطان کو دور کر۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص اپنی بیوی کے پاس جانے سے پہلے یہ دعا پڑھے اور اس (کے نتیجے) میں اللہ تعالیٰ اسے اولاد مرحمت فرمائے تو شیطان کبھی اس (اولاد) کو نقصان نہیں دے سکے گا۔''[2]

(3) حیض ونفاس کے ایام میں وطی (مجامعت کرنا) حرام ہے اور اسی طرح پاک ہونے کے بعد نہانے سے پہلے بھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾

''ایام حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور پاک ہونے تک ان کے قریب نہ جاؤ (جماع نہ کرو۔'')[3]

(4) جائے مخصوص (فرج) کے علاوہ (دبر میں) وطی (جماع) کرنا حرام ہے اور اس بارے میں سخت وعید مروی ہے۔

آپ نے فرمایا: «لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلٰى رَجُلٍ أَتٰى رَجُلًا أَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ»

''اللہ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو مرد یا عورت کی دبر میں آتا ہے (مقعد میں بدکاری کرتا ہے۔'')[4]

(5) عورت کی خواہش پوری ہونے سے پہلے الگ نہ ہو، اس سے اس کو ایذا ہوگی اور مسلمان کی ایذا رسانی حرام ہے۔

(6) حمل سے بچنے کے لیے عزل نہ کرے، ہاں شدید ضرورت کی وجہ سے عورت کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے مخفی زندہ درگور کرنا قرار دیا ہے۔[5]

(7) دوبارہ جماع کا ارادہ ہو تو درمیان میں وضو کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح اگر نہانے سے پہلے سونے یا کھانا کھانے کا

---

(1) النسآء 4:35,34. (2) صحيح البخاري، الوضوء، باب التسمية على كل حال......، حديث: 141، وصحيح مسلم، النكاح، باب ما يستحب أن يقوله عند الجماع، حديث: 1434. (3) البقرة 2:222. (4) جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في كراهية إتيان النساء في أدبارهن، حديث: 1165 وقال حسن غريب، وصحيح ابن حبان: 9/517، حديث: 4203، وكنز العمال: 5/340، حديث: 13128,13127. (5) صحيح مسلم، النكاح، باب جواز الغيلة......، حديث: 1442.

ارادہ ہو تو وضو کرنا مستحب ہے۔

⑧ حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے ساتھ اکٹھے سونا جائز ہے، البتہ مجامعت سے احتراز کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ» ''جماع کے علاوہ سب کام کر سکتے ہو۔''①

❁ **ناجائز اور ممنوع نکاح:** درج ذیل انداز کے نکاحوں سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، لہٰذا یہ فاسد نکاح ہیں:

① **نکاح متعہ:** کوئی شخص مقررہ میعاد کے لیے نکاح کرنا چاہے، خواہ میعاد تھوڑی ہو یا زیادہ، مثلاً: ایک شخص (ایک رات،) ایک ماہ یا ایک سال کے لیے کسی عورت کے ساتھ ''عقد نکاح'' کرتا ہے تو یہ نکاح باطل ہے، اس کا فسخ کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ نِّكَاحِ الْمُتْعَةِ، وَعَنْ لُّحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ»

''رسول اللہ ﷺ نے ایام خیبر میں ''نکاح متعہ'' اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع کر دیا تھا۔''②

② **نکاح شغار (وٹہ سٹہ):** ایک شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس شرط پر دیتا ہے کہ دوسرا بھی اسے اپنی عزیزہ کا نکاح دے، خواہ اس میں ''مہر'' کا ذکر کریں یا نہ کریں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ» ''اسلام میں شغار (تبادلے کا نکاح) جائز نہیں ہے۔''③

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الشِّغَارِ، وَالشِّغَارُ أَنْ يَّقُولَ الرَّجُلُ: لِلرَّجُلِ زَوِّجْنِي ابْنَتَكَ وَأُزَوِّجُكَ ابْنَتِي، أَوْ زَوِّجْنِي أُخْتَكَ وَأُزَوِّجُكَ أُخْتِي»

''رسول اللہ ﷺ نے ''شغار'' سے منع کیا ہے اور ''شغار'' یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ تو اپنی بیٹی یا بہن کا مجھ سے نکاح کر دے، میں اپنی بیٹی یا بہن کا تجھ سے نکاح کر دیتا ہوں۔''④

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ، وَالشِّغَارُ أَنْ يُّزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلٰى أَنْ يُّزَوِّجَهُ ابْنَتَهُ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ»

''رسول اللہ ﷺ نے ''شغار'' سے منع کیا ہے اور ''شغار'' یہ ہے کہ ایک شخص اس شرط پر اپنی بیٹی کا نکاح دے کہ وہ دوسرا بھی اپنی بیٹی کا نکاح اسے دے گا اور ان کے درمیان مہر نہ ہو۔''⑤

① صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها ...، حديث: 302. ② صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب لحوم الحمر الإنسية، حديث: 5115، و صحيح مسلم، الصيد و الذبائح، باب إباحة أكل لحم الخيل، حديث: 1407، ومسند أحمد: 79/1 واللفظ له. ③ صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح الشغار وبطلانه، حديث: 1415. ④ صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح الشغار وبطلانه، حديث: 1416. ⑤ صحيح البخاري، النكاح، باب الشغار، حديث: 5112، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح الشغار وبطلانه، حديث: 1415.

اس نکاح کا حکم یہ ہے کہ جماع سے پہلے اس کو فسخ کرنا چاہیے اور اگر ''دخول'' ہو گیا ہو تو تب اس نکاح کو فسخ کیا جائے جس میں ''مہر'' نہیں ہے اور جس میں دونوں کا ''مہر'' مقرر ہے اس کو فسخ نہ کیا جائے۔

③ نکاح حلالہ: عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں تو وہ اپنے خاوند کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾

''(اگر تیسری بار طلاق ہو جائے تو) وہ اس مرد کے لیے حلال نہیں، جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔''[1]

اگر کسی شخص نے اس ارادے سے نکاح کیا ہے کہ اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال بنائے تو یہ نکاح باطل ہے۔❀ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حلالہ'' کرنے والے اور جس کے لیے کیا جا رہا ہے، دونوں پر لعنت کی ہے۔''[2]

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح باطل ہونے کی بنا پر فسخ ہے، اس طرح عورت پہلے خاوند کے لیے جس نے اسے تین طلاقیں دی تھیں حلال نہیں ہوتی۔ اگر ''حلالہ'' کرنے والے نے مجامعت کر لی ہے تو عورت کو مہر دے کر ان کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ ⊙

④ احرام میں نکاح: حج یا عمرے کے احرام میں اگر کوئی شخص نکاح کر لے تو یہ بھی باطل ہے، تاہم اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر وہ اس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے تو حج یا عمرے سے فارغ ہو کر تجدید نکاح کرے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ» ''محرم نہ اپنا نکاح کرے اور نہ کسی اور کا نکاح کرے۔''[3]

لہٰذا ''نہی تحریمی'' ہونے کی وجہ سے یہ نکاح باطل ہے۔

❀ اس سے وہ نکاح مراد ہے جو شرعاً صحیح ہے، جس میں مرد ہمیشہ کے لیے بیوی کے ساتھ آباد ہونے کے لیے نکاح کرتا ہے، پھر اگر اتفاق سے ان میں بھی نباہ نہ ہو سکے اور طلاق ہو جائے تو عورت عدت گزار کر پہلے خاوند کے ساتھ نئے نکاح میں آ سکتی ہے لیکن اس ارادے میں عارضی نکاح کرنا تا کہ طلاق دلوا کر عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کیا جائے تو یہ نکاح باطل ہے۔ اس طرح عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو گی (الاثری)۔ لہٰذا حلالے کے بعد پہلے خاوند کے ساتھ نیا نکاح کرنے والی عورت کے دونوں نکاح باطل ہوں گے۔ واللہ اعلم (ع، ر) ⊙ اگر اس عورت کے ساتھ مجامعت نہیں کی گئی اور پہلے جدائی کر دی گئی ہے تو علماء کے نزدیک وہ شخص عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کا مجاز ہے اور اگر مجامعت کے بعد تفریق ہوئی ہے تو امام مالک رحمہ اللہ و امام احمد رحمہ اللہ کے بقول یہ عورت ہمیشہ کے لیے اس مرد پر حرام ہو گئی ہے۔ (مؤلف)

① البقرة 2:230. ② [صحيح] جامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء في المحل والمحلل له، حديث: 1120. ③ صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته، حديث: 1409.

(5) ایام عدت میں نکاح: عورت طلاق یا خاوند کی وفات کی ''عدت'' میں ہو تو اس سے نکاح کرنا باطل ہے، البتہ اگر کسی نے اس حالت میں نکاح کر لیا ہے تو ''عقد'' باطل ہونے کی بنا پر دونوں کے درمیان تفریق لازم ہے اور اگر خلوت ہو گئی ہے تو عورت کے لیے مہر ثابت ہو گیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾

''اور جب تک عدت پوری نہ ہو نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرو۔''[1]

(6) ولی کے بغیر نکاح: ولی کی اجازت کے بغیر عورت اگر کسی مرد کے ساتھ نکاح کر لیتی ہے تو یہ نکاح باطل ہے، اس لیے کہ ''ولی'' کا ہونا نکاح کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، جس کے فقدان سے نکاح نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» ''ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔''[2] ان کے درمیان تفریق کر دینی چاہیے، اگر ملاپ ہوا ہے تو عورت کو مہر ملے گا اور ایک حیض سے ''استبرائے رحم''* کے بعد اگر ولی کی اجازت عورت کو حاصل ہو جائے تو اس مرد سے نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔

(7) غیر کتابیہ کافرہ سے نکاح: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ ''مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔''[3]

بنا بریں مسلمان کسی مجوسی، سیکولر اور بت پرست عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا، جبکہ مسلمان عورت کا علی الاطلاق کافر کے ساتھ نکاح حرام ہے، برابر ہے کہ وہ کافر اہل کتاب سے ہو یا غیر اہل کتاب سے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾

''یہ (مسلمان) عورتیں ان (کافروں) کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ (کافر مرد) ان کے لیے حلال ہیں۔''[4]

تنبیہات (1) کافر میاں بیوی میں سے اگر ایک اسلام قبول کر لیتا ہے تو نکاح باطل ہو جائے گا، عدت گزرنے سے پہلے اگر دوسرا بھی مسلمان ہو جائے تو دونوں پہلے نکاح پر قائم رہیں گے اور اگر عدت گزرنے کے بعد اسلام قبول کرے تو جمہور علماء کے نزدیک نیا نکاح ضروری ہے۔ (اگر عورت کتابیہ ہے اور اس کا خاوند مسلمان ہو جاتا ہے تو

* حیض کی آمد اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا رحم حمل سے خالی ہے، اسی لیے حیض کے انتظار کو ''استبرائے رحم'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (ع، ر)

1. البقرة 2:235. 2 سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي، حديث: 2085، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء لانكاح إلابولي، حديث: 1102,1101، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب لانكاح إلابولي، حديث: 1881,1880، وصححه الحاكم: 2/169-172، وابن حبان: 9/389-391، حديث: 4078,4077، یہ حدیث متواتر ہے، دیکھیے: قطف الأزهار المتناثرة للسيوطي وغيره. 3 البقرة 2:221. 4 الممتحنة 10:60.

سابقہ نکاح برقرار ہے۔)

② اگر رخصتی سے پہلے منکوحہ (بیوی) مسلمان ہو جائے تو اس کے لیے مہر نہیں ہے، اس لیے کہ جدائی کا باعث عورت ہے * (اور جب بیوی جدائی کا باعث بنے تو اسے مہر نہیں ملا کرتا) اور اگر خاوند رخصتی سے پہلے اسلام قبول کر لے تو کافر عورت کے لیے نصف مہر ہے۔ ہاں، رخصتی اور خلوت کے بعد عورت اگر اسلام قبول کرتی ہے تو وہ پورے مہر کی مستحق ہے اور کسی ایک فریق کے ''مرتد'' ہونے کی صورت میں بھی مندرجہ بالا احکام نافذ ہوں گے۔ ⊙

③ ایک شخص کی چار سے زیادہ بیویاں ہیں اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور عورتیں بھی اس کے ساتھ اسلام قبول کر لیتی ہیں یا مسلمان نہیں ہوتیں ویسے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے ہیں (جن کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے) تو ان میں چار کا انتخاب کر لے اور باقی کو جدا کر دے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو جس کے پاس اسلام قبول کرنے کے وقت دس بیویاں تھیں، فرمایا: «اِخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا» ''ان میں سے چار کا انتخاب کر لے۔''[1]

اسی طرح مسلمان ہونے والے شخص کے نکاح میں اگر دو بہنیں ہیں تو ان میں سے ایک کو جدا کر دے، اس لیے کہ دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حلال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ ''اور (یہ بھی تم پر حرام ہے کہ) تم دو بہنوں کو اکٹھا کرو۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ نے دو بہنوں کے خاوند کو جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، حکم دیا: «طَلِّقْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ» ''ان میں سے جسے چاہے طلاق دے دے۔''[3]

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ❁ دائمی محرمات: یعنی وہ عورتیں جن کے ساتھ کبھی بھی نکاح نہیں ہوسکتا، درج ذیل ہیں:

① نسبی محرمات: ماں، نانی، دادی اور ان کی مائیں مطلق طور پر، بیٹی اور اس کی بیٹیاں نیچے تک، پوتی اور اس کی بیٹیاں نیچے تک، بہن اور اس کی بیٹیاں (بھانجیاں) پھر ان کی بیٹیاں، پھوپھی اوپر تک، خالہ اور اس کی مائیں، بھتیجی اور بھتیجے کی بیٹیاں، پھر ان کی بیٹیاں یہ ابدی محرمات ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

* مگر اس نے کافر خاوند اور اس سے ملنے والے مہر پر اسلام کو ترجیح دے کر ابدی دولت حاصل کر لی۔ (ع،ر)

⊙ اگر رخصتی سے پہلے عورت مرتد ہو جائے تو اسے مہر نہیں ملے گا کیونکہ وہ جدائی کا باعث بنی ہے اور اگر خاوند رخصتی سے قبل مرتد ہو جائے تو عورت کے لیے نصف مہر ہے۔ واللہ اعلم۔ (ع،ر)

[1] [صحيح] مسند أحمد: 14,13/2، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يسلم وعنده عشر نسوة، حديث: 1128، وصحيح ابن حبان: 463/9، حديث: 4156. [2] النسآء 23:4. [3] [حسن] مسند أحمد: 232/4، وصحيح ابن حبان: 462/9، حديث: 4155، وسنن أبي داود، الطلاق، باب في من أسلم......، حديث: 2243 واللفظ له.

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ ﴾

''تمھاری مائیں، تمھاری بیٹیاں، تمھاری بہنیں، تمھاری پھوپھیاں، تمھاری خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں تمھارے لیے حرام کر دی گئی ہیں۔''[1]

(2) **مصاہرت کی بنا پر محرمات:** ان سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کے ساتھ باپ یا دادا نے نکاح کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾

''جن عورتوں سے تمھارے آباء اجداد نے نکاح کیا ہے، ان سے نکاح نہ کرو۔''[2]

اسی طرح بیوی کی ماں اور اس کی دادی، نانی اور ''مدخولہ بیوی'' (جس سے جماع کیا گیا ہو) کی بیٹی بھی حرام ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾

''اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور اپنی جن عورتوں سے تم جماع کر چکے ہو، ان کی وہ لڑکیاں جو پہلے خاوندوں سے ہیں (اور اب تم ان کی پرورش کرتے ہو، بھی تمھارے لیے حرام ہیں) اور اگر تم نے ان عورتوں سے جماع نہیں کیا تو (انھیں طلاق دے کر) ان کی بیٹی سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔''[3]

اور اسی طرح بیٹے اور پوتے کی بیوی بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ ''اور تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام کی گئی ہیں۔''[4]

(3) **رضاعت کی بنیاد پر محرمات:** دودھ پینے کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام تھے* یعنی بچے کے رضاعی والدین کی مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں (اس کے نکاح میں نہیں آ سکتیں) اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ «يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ»

''دودھ پینے سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام تھے۔''[5]

* جب بچہ اپنی والدہ کے علاوہ کسی اور خاتون کا کم از کم پانچ مرتبہ دودھ پیتا ہے تو دودھ پلانے والی خاتون اس کی رضاعی ماں اور اس کا خاوند اس کا رضاعی باپ بن جاتا ہے جبکہ بچہ ان کا رضاعی بیٹا کہلاتا ہے۔ (ع، ر) اگر اس نے دودھ پینا شروع کیا اور اپنی مرضی سے بغیر کسی عارض کے، سیر ہونے کے بعد چھاتی چھوڑ دی تو یہ ایک دفعہ ہے اگر پھر ایسے کرتا ہے تو یہ دوسری دفعہ شمار ہو گی۔ (محمد عبدالجبار)

[1] النسآء 23:4. [2] النسآء 22:4. [3] النسآء 23:4. [4] النسآء 23:4. [5] صحيح البخاري، النكاح، باب ما يحل من الدخول والنظر إلى النساء في الرضاع، حديث: 5239، وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة مايحرم من الولادة، حديث: 1444.

البتہ رضاعت دو سال کی عمر کے اندر دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔ جب حقیقتاً دودھ بچے کے پیٹ میں گیا ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ»

''ایک یا دو مرتبہ دودھ چوسنے سے حرمت واقع نہیں ہوتی۔''[1]

اس لیے کہ ایک دفعہ چوسنا تو معمولی ہے، قلت کی وجہ سے بعض دفعہ دودھ پیٹ تک نہیں جا سکتا۔

❁ **رضاعت کے ضروری مسائل:** دودھ پلانے والی کا خاوند دودھ پینے والے کا باپ قرار پائے گا اور اگر اس کی دوسری بیوی ہے اور اس سے اس کی اولاد بھی ہے تو وہ بھی اس بچے کے بھائی بہن قرار پائیں گے۔ بنا بریں اس دودھ پینے والے بچے پر رضاعی باپ کی مائیں، بہنیں، بیٹیاں، پھوپھیاں، خالائیں سب حرام ہو جائیں گی۔ اسی طرح دودھ پلانے والی کی ساری اولاد جس خاوند سے بھی ہو، دودھ پینے والے بچے کے بھائی بہن بن جائیں گے، اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا تھا: «اِئْذَنِي لَهُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ»

''(اے عائشہ!) (ابوالقعیس کے بھائی افلح کو گھر کے اندر آنے کی) اجازت دے دے، اس لیے کہ یہ تیرا چچا ہے۔''

اور (راوی کہتا ہے کہ) ابوالقعیس کی بیوی نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو دودھ پلایا تھا۔[2]

اس حدیث سے ''رضاعی چچا'' ثابت ہوا ہے، لہٰذا مذکورہ بالا دیگر رشتے اس کے تابع ہوں گے۔

دودھ پینے والے بچے کے بھائیوں اور بہنوں کے لیے ''حرمت رضاعت'' ثابت نہیں ہوگی، اس لیے کہ انھوں نے دودھ نہیں پیا، چنانچہ دودھ پینے والے کا بھائی دودھ پلانے والی یا اس کی ماں یا اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے، اسی طرح بچے کی بہن دودھ پلانے والی کے خاوند یا اس کے باپ اور بیٹے سے نکاح کر سکتی ہے۔

کیا رضاعی بیٹے کی بیوی رضاعی باپ کے لیے حرام ہے؟

جمہور علماء کے نزدیک حرمت ثابت ہے، جس طرح کہ ''صلبی بیٹے'' کی بیوی اپنے سسر کے لیے حرام ہے اور بعض اس کے قائل نہیں ہیں، اس لیے کہ ان کے نزدیک ''رضاع'' سے وہی رشتے حرام ہیں جو ''نسب'' کی وجہ سے حرام ہیں، جبکہ بیٹے کی بیوی اپنے سسر کے لیے نسبی تعلق کی وجہ سے نہیں بلکہ بہو ہونے کی بنا پر حرام ہے۔[3]

(4) **لعان کی وجہ سے محرمات:** مرد کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرے جس سے وہ لعان کر چکا ہے کیونکہ صحابئ رسول سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(1) صحيح مسلم، الرضاع، باب في المصة و المصتان، حديث: 1450. (2) صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿إِن تُبْدُوا شَيْئًا...... ﴾، حديث: 4796، وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حديث: 1445.
(3) یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ دودھ بیٹے نے پیا تھا نہ کہ اس کی بیوی نے۔ (ع، ر)

«فَمَضَتِ السُّنَّةُ بَعْدُ فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا»

”اس کے بعد دو لعان کرنے والوں میں یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ انھیں جدا کر دیا جائے اور پھر کبھی وہ اکٹھے نہیں ہوں گے۔“[1]

✽ عارضی محرمات: (1) بیوی کی بہن (سالی اپنے بہنوئی کے لیے) اس وقت تک حرام ہے، جب تک بیوی اس کے نکاح میں ہے، طلاق کے بعد عدت ختم ہو جائے یا بیوی فوت ہو جائے تو (سالی اور بہنوئی کے لیے نکاح کی) حرمت ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ﴾ ”اور یہ کہ تم دو بہنوں کو (ایک نکاح میں) اکٹھا کرو (یہ تم پر حرام ہے۔)“[2]

(2) بیوی کی پھوپھی یا خالہ سے اس وقت تک نکاح نہیں ہو سکتا، جب تک کہ ان کی بھتیجی یا بھانجی ”عقد“ میں ہے، طلاق کے بعد عدت گزرنے یا اس کے فوت ہو جانے کی صورت میں یہ حلال ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا»

”رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا ہے کہ پھوپھی یا خالہ پر بھتیجی یا بھانجی کا نکاح کیا جائے۔“[3]

(3) نکاح والی عورت کا نکاح، دوسری جگہ نہیں ہو سکتا، جب تک کہ پہلا نکاح قائم ہو (ہاں، اگر) طلاق ہو جائے یا بیوہ ہو جائے اور عدت گزر جائے تو دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، اس لیے کہ محرمات کے تذکرے میں اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ ”اور نکاح والی عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔“[4]

(4) طلاق یا خاوند کی وفات کے بعد عدت گزارنے والی عورت سے عدت کے گزرنے تک نکاح نہیں ہو سکتا بلکہ (صراحت کے ساتھ) پیغام نکاح دینا بھی حرام ہے، البتہ اشارہ کنایہ کیا جا سکتا ہے، مثلاً: یہ کہے کہ میں آپ کے بارے میں دلچسپی رکھتا ہوں وغیرہ۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۥ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ﴾

”اور ان (عدت والی عورتوں) سے (نکاح کا) پوشیدہ وعدہ نہ لو، ہاں دستور کے مطابق بات کہہ سکتے ہو اور کتاب

(1) [ضعيف] سنن أبي داود، الطلاق، باب في اللعان، حديث: 2250. اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں ہے۔ وصححه الألباني. بخاری شریف میں ہے کہ آپ نے لعان کرنے والوں سے فرمایا: ”تم دونوں کا حساب اللہ پر ہے تم میں سے ایک جھوٹا ہے (اے خاوند) تیرے لیے اس پر کوئی راستہ نہیں ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 5312) وَاللّٰه أعلم (ع،ر). (2) النسآء 23:4.
(3) صحيح البخاري، النكاح، باب لا تنكح المرأة على عمتها، حديث: 5108. (4) النسآء 24:4.

کی مقرر کردہ (عدت کی) میعاد پوری ہونے سے پہلے عقد نکاح پختہ نہ کرو۔''[1]

(5) جس عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں، وہ اپنے اس خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی، اب اگر وہ عورت (ہمیشہ کی نیت سے) دوسرے آدمی سے نکاح کرے، پھر اتفاقاً طلاق یا خاوند کی موت کی وجہ سے اس سے جدائی ہو جائے اور عدت بھی گزر جائے تو پھر اس کا پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾

''جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے، پہلے کے لیے حلال نہیں ہے۔''[2]

(6) زانیہ عورت سے مومن مرد نکاح نہ کرے، جب تک کہ وہ زنا سے تائب نہ ہو جائے، اگر اس کے توبہ کا یقینی علم ہو جائے اور عدت گزر جائے تو نکاح جائز ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾

''زانیہ کے ساتھ زانی یا مشرک ہی نکاح کرتا ہے اور ایمان والوں پر یہ حرام ہے۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلزَّانِي الْمَجْلُودُ لَا يَنْكِحُ إِلَّا مِثْلَهُ»

''درے کا سزا یافتہ زانی اپنے جیسی (بدکارہ) کے ساتھ ہی نکاح کرتا ہے۔''[4]

طلاق کا بیان ◆ **طلاق کی تعریف:** صریح لفظ میں ازدواجی تعلق توڑ دینا، مثلاً: یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے یا تجھے چھوڑا یا پھر کنائے کے طور پر کوئی لفظ کہے اور نیت طلاق کی ہو، مثلاً: طلاق کے ارادے سے یہ کہنا کہ اپنے میکے چلی جا۔

◆ **طلاق کا حکم:** دونوں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو متوقع یا حقیقی نقصان سے بچانے کے لیے طلاق مباح ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ﴾

''طلاق دو بار ہے، پھر (خاوند اسے) اچھے طریقے سے اپنے پاس رکھے یا چھوڑ دے۔''[5]

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾

''اے نبی! (لوگوں سے کہہ دو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت (کے شروع) میں طلاق دو۔''[6]

اگر نقصان کا ازالہ طلاق کے بغیر نہیں ہو رہا تو طلاق لازم ہے لیکن اگر طلاق میں کسی ایک فریق کا نقصان زیادہ ہے

[1] البقرة 235:2. [2] البقرة 230:2. [3] النور 3:24. [4] [صحيح] مسند أحمد: 324/2، وسنن أبي داود، النكاح، باب في قوله تعالى: ﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً﴾، حديث: 2052. اس کی سند صحیح ہے، اسے امام ذہبی اور امام حاکم نے بھی صحیح کہا ہے۔ [5] البقرة 229:2. [6] الطلاق 1:65. یعنی اس وقت میں طلاق دو جب ان کی عدت کا درست آغاز ہو سکے اور اسے شمار کرنا بھی ممکن ہو، ایسا تب ہوگا جب کسی حیض کے بعد پاک ہو جانے پر، جماع کیے بغیر طلاق دی جائے۔ (محمد عبدالجبار)

اور فائدہ کم تو ایسی صورت میں طلاق حرام ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی عورت کی بدخلقی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: ''اسے طلاق دے دے۔''[1]

اور دوسرے مسئلے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ فِي غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ»

''جو عورت بلاوجہ اپنے خاوند سے طلاق کا سوال کرتی ہے، اس پر بہشت کی ہوا بھی حرام ہے۔''[2]

✿ **طلاق کے ارکان:** طلاق میں تین رکن ہوتے ہیں:

(1) مکلّف خاوند: جبکہ غیر خاوند طلاق نہیں دے سکتا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ» ''طلاق وہی دے سکتا ہے، جس کے قبضے میں پنڈلی ہے۔''[3]

اسی طرح عاقل و بالغ خاوند طلاق دے سکتا ہے اور وہ بھی اپنے آزاد اختیار کے تحت، اگر اس پر اکراہ و جبر کیا گیا ہے یا خاوند عاقل اور بالغ نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتّٰى يَكْبُرَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ أَوْ يُفِيقَ»

''تین شخص مرفوع القلم ہیں، سویا ہوا جاگنے تک، نابالغ لڑکا بالغ ہونے تک اور مجنون ذی شعور ہونے تک۔''[4]

اور اس لیے بھی کہ آپ کا فرمان ہے: «وُضِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»

''میری امت سے خطا، نسیان اور جس پر اکراہ (جبر) کیا جائے، معاف ہیں (ایسی صورت میں باز پرس نہیں ہوگی۔)''[5]

(2) طلاق اس بیوی پر واقع ہوتی ہے، جو حقیقتاً رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو، مثلاً: اس سے پہلے فسخ یا طلاق کے ذریعے سے وہ خاوند سے کبھی جدا نہیں ہوئی یا حکمی طور پر اس کی بیوی شمار ہو، مثلاً: وہ بیوی جسے صرف طلاق رجعی ہوئی اور اب عدت گزار رہی ہے یا وہ عورت جو بینونت صغریٰ کے ساتھ الگ ہوگئی (ایک طلاق دی گئی اور عدت گزرنے کے بعد بائنہ

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الاستنثار، حديث: 142. [2] [حسن] جامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء في المختلعات، حديث: 1187، وسنن أبي داود، الطلاق، باب في الخلع، حديث: 2226، وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب كراهية الخلع للمرأة، حديث: 2055، اسے امام ابن حبان حاکم اور امام ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ [3] [ضعيف] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق العبد، حديث: 2081، وسنن الدارقطني: 4/37، اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [4] [حسن] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المعتوه والصغير والنائم، حديث: 2041. [5] [صحيح] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، حديث: 2045، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 6/84.

ہوگئی) عدت کے بعد پھر اسی خاوند سے نکاح کر لیا اور اب پھر اس سے طلاق لینے کے بعد عدت میں ہے لیکن جو عورت سرے سے اس کی بیوی ہی نہیں ہے یا اس پر تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں، اس کو طلاق دینا لغو ہے، اس لیے کہ وہ ''محل طلاق'' میں نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا عِتْقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ»

''جس چیز کا انسان مالک نہیں، اس میں سے نذر ماننا، اس کو آزاد کرنا اور طلاق دینا (معتبر) نہیں ہے۔''[1] ❀

(3) تیسرا رکن طلاق کے صریح الفاظ ہیں یا کنائی الفاظ جب ان سے طلاق کا ارادہ ہو۔ بنا بریں محض دل کے ارادے سے ''الفاظ طلاق'' زبان سے کہے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْتَتَكَلَّمْ بِهِ»

''اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے دل میں پیدا ہونے والے خیالات کو معاف کر دیا ہے جب تک کہ ان پر عمل یا کلام نہ کی جائے۔''[2]

● **طلاق کی اقسام:** (1) **طلاق سنی:** اس ''طہر'' میں طلاق دینا جس میں جماع نہیں ہوا، طلاق سنی کہلاتا ہے، لہٰذا جب مسلمان اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے اور اسے یقین ہو کہ طلاق دیے بغیر نقصان اور ضرر دور نہیں ہو سکتا تو وہ انتظار کرے اور حیض کے بعد ''طہر'' میں ایک طلاق دے، اگر اس ''طہر'' میں جماع نہیں کر چکا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾

''اے نبی! (لوگوں سے کہہ دو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔''[3]

(2) **طلاق بدعی:** حیض یا نفاس یا اس طہر میں طلاق دینا جس میں وہ جماع کر چکا ہے یا ایک ہی بار یہ لفظ کہہ دینا کہ ''تجھے تین طلاقیں ہیں'' یا یوں کہے کہ ''تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے۔'' یہ بدعی اور ناجائز انداز طلاق کی صورتیں

❀ سنن أبي داود، حديث: 2193 میں «لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ» یعنی اکراہ (زبردستی) کی صورت میں طلاق دینا اور غلام آزاد کرنا معتبر نہیں ہے۔ (یہ حدیث صحیح ہے۔ زبیر علی زئی) موطأ امام مالک (حدیث: 1277) میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں مار کٹائی کا ڈر دے کر ایک شخص سے اس کی منکوحہ کی طلاق حاصل کر لی گئی۔ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے فیصلہ دیا کہ زبردستی کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی ہے اور عورت کی اسی شخص کے ساتھ شادی کر دی گئی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کے ولیمے میں شریک ہوئے۔ (الاثری)

[1] جامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء لا طلاق قبل النكاح، حديث: 1181 امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والكره......، حديث: 5269، وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس......، حديث: 127 واللفظ له. [3] الطلاق 1:65.

ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو طلاق سے رجوع کا حکم دیا تھا، جبکہ انھوں نے اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے دی تھی اور مزید فرمایا کہ ''انتظار کر یہاں تک کہ ''طہر'' کے بعد حیض آئے اور پھر پاک ہو تو پھر اگر تو چاہے تو طلاق دے یا اپنے پاس رکھ۔'' اور اسی موقع پر فرمایا:

«فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ»

''یہی وہ عدت ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے (سورۂ طلاق میں۔'')(1)

نیز آپ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص نے ایک ہی کلمے میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں، یعنی کہا: ''تجھے تین طلاقیں'' تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: «أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟»

''میں تمھارے اندر موجود ہوں اور اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے۔''(2)

جمہور علماء کے نزدیک طلاق مسنون کی طرح طلاق بدعی بھی واقع ہو جاتی ہے اور رشتۂ ازدواج ختم ہو جاتا ہے، البتہ خاوند گنہگار ہو گا کیونکہ اس نے سنت کی مخالفت کی ہے۔

(3) **طلاق بائن:** یہ وہ طلاق ہے جس میں طلاق دینے والے کو رجوع کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، البتہ نئے ''مہر'' اور ''شرائط'' کے تحت عقد جدید کر سکتا ہے، عورت کی مرضی ہے چاہے تو اسے قبول کرے یا رد کر دے۔ درج ذیل پانچ صورتوں میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے:

- مرد نے ''طلاق رجعی'' دی ہے اور عدت کے اندر رجوع نہیں کیا تو عدت گزرنے کے بعد طلاق بائن ہو جاتی ہے۔
- مرد نے عورت سے مال وصول کر کے ''خلع'' کی صورت میں (عورت کے مطالبے پر) طلاق دی ہے۔
- اگر ان کے مابین دونوں میاں بیوی کے منصفوں نے طلاق دی ہے، جبکہ وہ محسوس کرتے ہوں کہ طلاق، نکاح کے باقی رہنے سے زیادہ بہتر ہے۔
- رخصتی کے بعد اور جماع سے پہلے طلاق واقع ہو جائے، اس لیے کہ مجامعت سے پہلے مطلقہ پر عدت نہیں ہے۔ محض ''وقوع طلاق'' سے وہ بائن (جدا) ہو جائے گی۔
- مختلف مجالس میں تین طلاقیں دے،* یا مختلف مواقع پر پہلے سے واقع کردہ دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق

* خاوند اگر کہے ''تجھے تین طلاقیں'' یا کہے ''تجھے طلاق، طلاق، طلاق'' تو اس سے میاں بیوی کے درمیان بڑی جدائی واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ ایک ہی طلاق ہے، اس لیے کہ تین طلاقوں سے مراد تین دفعہ طلاق دینا ہے اس طرح کہ ہر دفعہ کے بعد سوچ و بچار کے بعد رجوع کرنے یا نہ کرنے کا کھلا موقع ملے جبکہ ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دینے سے نہ صرف شریعت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے بلکہ میاں بیوی بھی لاعلمی کی وجہ سے پچھتاتے رہتے ہیں۔ (ع،ر)

(1) صحيح البخاري، الطلاق، باب وقول الله تعالٰى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ ......﴾، حديث: 5251، صحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، حديث: (1471). (2) [صحيح] السنن الكبرٰى للنسائي: 3/349.

دے دے تو ان کے مابین بینونت کبریٰ (بڑی جدائی) واقع ہو جاتی ہے اور یہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں، جب تک وہ دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہ کرے۔ ⊙

(4) **طلاق رجعی:** جس میں خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے، چاہے عورت راضی نہ بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ﴾

''اور ان کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ رکھیں تو وہ انھیں واپس لانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو طلاق کے بعد رجوع کا حکم دیا تھا۔[2]

رجعی طلاق ''مدخولہ عورت'' (جس سے خاوند جماع کر چکا ہو) کو تین سے کم طلاقوں کی صورت میں ہوتی ہے، جبکہ خاوند نے بیوی سے طلاق کا عوض نہ لیا ہو، رجعی طلاق والی عورت کے لیے عدت کے دوران میں نفقہ اور رہائش کا بندوبست مرد کے ذمے ہے۔ عدت گزرنے کے بعد وہ مرد سے جدا قرار دی جاتی ہے، اگر مرد رجوع کرنا چاہتا ہے تو بلاتاخیر کہہ دے: ''میں تجھے واپس لیتا ہوں یا رجوع کرتا ہوں'' اور رجوع پر دو عادل گواہ بنانا مسنون ہے۔''

(5) **طلاق صریح:** طلاق میں ایسے الفاظ استعمال کرنا کہ ان کے ساتھ ''نیت طلاق'' کی ضرورت نہ ہو، مثلاً: یوں کہے کہ تجھے طلاق ہے یا تو مطلقہ ہے یا میں نے تجھے طلاق دے دی۔

(6) **طلاق بالکنایہ:** لفظ، طلاق کا مفہوم واضح نہ کرتا ہو، اگر اس سے ارادہ طلاق کا کرے تو طلاق ہو جائے گی، مثلاً: مرد کہتا ہے اپنے میکے چلی جا، گھر سے نکل جا یا میرے ساتھ کلام نہ کر وغیرہ۔ ایسے الفاظ جن میں صریح ''لفظ طلاق'' نہ ہو

⊙ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سال میں ایک مجلس (موقع ومحل) کی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں (صحیح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، حدیث: 1472)، نیز مسند احمد (1/265) میں ہے: ''رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک قرار دے کر رجوع کا اختیار دے دیا، چنانچہ رکانہ رضی اللہ عنہ نے رجوع کر لیا۔'' فتح الباری (9/362) شرح بخاری میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیک وقت تین طلاقیں دینے (جو کہ بدعی طلاق کی ایک صورت ہے) سے روکنے کے لیے تعزیری انداز پر ان کے تین ہی واقع ہونے کا حکم صادر فرمایا، جیسا کہ ان کے الفاظ «إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ [قَدْ] كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ» (صحیح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، حدیث: 1472) سے واضح ہے۔ نیز آیت مبارکہ ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾ سے بھی یہ واضح ہے کہ ایک مجلس کی طلاق چونکہ ایک بار (مرة) میں واقع کردہ ہے، لہٰذا اس کے بعد امساک (رجوع) ہو سکے گا۔ «هٰذَا مَا عِنْدِي وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ» (الاثری)

[1] البقرة 2:228. [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب وقول الله تعالى: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ...... وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ﴾، حديث: 5251، و صحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، حديث: 1471.

اور نہ ایسا لفظ جو طلاق کا ہم معنی ہو تو ایسی صورت میں اگر طلاق کی نیت ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک منکوحہ کو بایں الفاظ طلاق دی ہے: «اِلْحَقِي بِأَهْلِكِ» ''تو اپنے اہل کے پاس چلی جا۔''[1]

آپ نے اس جملے میں طلاق ہی مراد لی تھی لیکن اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل میں کہ ''بیوی سے الگ ہو جا اور اس کے قریب نہ جا'' اپنی بیوی کو کہا تھا «اِلْحَقِي بِأَهْلِكِ» کہ ''اپنے اہل کے پاس چلی جا۔'' چنانچہ وہ اپنے میکے چلی گئی اور طلاق واقع نہیں ہوئی تھی۔

یہ ان الفاظ کے بارے میں ہے جو طلاق کے معنی میں پوشیدہ اور غیر واضح ہیں اور اگر ایسا لفظ کہتا ہے جو صریح طلاق پر تو دلالت نہیں کرتا، البتہ طلاق کے مفہوم میں ظاہر ہے تو اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ لفظ کہتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی، مثلاً: یہ کہے تو علیحدہ ہے تو بائن ہے، لہٰذا دوسرے مردوں کے لیے زینت کر لے۔

(7) **فوری اور معلق طلاق:** فوری نافذ شدہ طلاق کو منجز طلاق کہتے ہیں، مثلاً: خاوند کہے کہ تجھے طلاق ہے تو طلاق والی ہے تو یہ کہتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر وہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق کو معلق کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے یا اگر تو نے یہ کام نہیں کیا تو تجھے طلاق ہے۔ تو شرط حاصل ہونے کے بعد طلاق ہو جائے گی۔ اسے ''طلاق معلق'' کا نام دیا جاتا ہے۔

(8) **طلاق کا اختیار اور طلاق تملیک:** خاوند اپنی بیوی کو اگر کہتا ہے: ''تجھے میرے ساتھ رہنے یا الگ ہونے کا اختیار ہے۔'' اور وہ طلاق اختیار کر لیتی ہے تو مطلقہ ہو جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا تھا تو انھوں نے آپ کو اختیار کر لیا تھا اس وجہ سے وہ مطلقہ نہیں قرار دی گئیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں سامان دے کر اچھے انداز میں رخصت کر دیتا ہوں۔''[2]

اور ''طلاق تملیک'' کی صورت اس طرح ہے کہ مرد اپنی عورت سے کہے ''میں تجھے تیرے معاملے کا مالک بناتا ہوں'' یا ''تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے'' اور عورت جواب میں طلاق لے لے تو ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی۔ ❀

❀ امام مالک اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک اس صورت تملیک میں عورت تین طلاقیں اختیار کر لیتی ہے تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، پھر مرد کو رجوع کا حق ہے اور نہ ہی وہ نکاح کر سکتا ہے۔ (مؤلف)

[1] صحیح البخاري، الطلاق، باب من طلق...، حدیث:5254، وفتح الباري:9/357. [2] الأحزاب 33:28.

⑨ وکیل کے ذریعے سے یا تحریری طلاق: اگر طلاق دینے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کرے اور وہ طلاق دے یا طلاق نامہ تحریر کر کے عورت کو روانہ کر دے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ حقوق میں وکالت جائز ہے اور زبان سے بولنا اور تحریر کرنا دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

⑩ طلاق تحریم: عورت کو حرام قرار دینے میں اگر طلاق کی نیت ہے تو طلاق نافذ ہوگی اور اگر ''ظہار'' کا ارادہ ہے تو ''ظہار'' ہوگا اور ''کفارۂ ظہار'' کی ادائیگی کرے گا⊙ لیکن اگر ''طلاق'' و ''ظہار'' کا ارادہ نہیں ہے بلکہ قسم کا ارادہ ہے، مثلاً: یوں کہے: اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو حرام ہے اور اس نے وہ کام کر لیا تو اس میں قسم کا کفارہ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب مرد اپنی بیوی کو حرام قرار دے تو یہ قسم ہے، وہ ''کفارۂ یمین'' ادا کرے، پھر رسول اللہ ﷺ اس بارے میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔[1]

⑪ حرام طلاق: مرد اپنی بیوی کو ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں دے دے یا ایک مجلس میں تین جملے بول دے کہ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔ ''فقہائے امت'' کا اجماع ہے کہ اس طرح طلاق دینا حرام ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھے تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ نے فرمایا:

«أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟»

''کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے جبکہ میں تمھارے اندر موجود ہوں۔''[2]

ایک صحابی رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کی کہ میں اسے قتل نہ کر دوں۔

ائمۂ اربعہ اور جمہور علماء اس صورت میں تین طلاقوں کے نفاذ کے قائل ہیں اور یہ کہ مطلقہ اس مرد کے لیے حلال نہیں ہوگی، الا یہ کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے جبکہ دوسرے علماء اسے ایک ''بائن'' (جس کے بعد دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے) یا رجعی طلاق شمار کرتے ہیں اور دلائل کے اختلاف اور نصوص سے ہر ایک کے اپنے اپنے اندازِ فہم کی وجہ سے یہ اختلاف وقوع پذیر ہوا ہے۔

اس مسئلے میں اختلاف کی وجہ سے طلاق دینے والے کے حال کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر وہ لفظ ''تجھے تین طلاق'' سے عورت کو صرف ڈرانا چاہتا ہے یا اس سے وہ قسم کا مفہوم ذہن میں رکھتا ہے، مثلاً: کہے ''اگر تو نے یہ کام کیا تو تین طلاقیں'' اور عورت نے یہ کام کر بھی لیا یا ''شدت غضب'' میں یہ لفظ اس کے منہ سے نکل گئے جبکہ وہ کلی طور پر

⊙ ظہار اور اس کے کفارے کا مفصل بیان آگے آ رہا ہے۔

[1] صحيح البخاري، الطلاق، باب ﴿ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ﴾، حديث: 5266، و فتح الباري: 9/376. لفظ حرام میں تین ارادے عرب محاورات کے اعتبار سے ہیں ورنہ اردو محاورے میں عورت کو حرام کہا جائے تو صرف طلاق مراد ہوتی ہے۔ (الاثری)

[2] [صحيح] السنن الكبرٰى للنسائي: 3/394، حديث: 5594.

اس کو الگ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا تو اس پر ایک ''طلاق بائن'' واقع ہوگی (جس کے بعد دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے) اور اگر اس کا ارادہ اس کو واقعتاً جدا کرنے کا تھا اور یہ کہ وہ اسے کسی صورت میں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا تو تین طلاقیں نافذ ہوں گی، وہ اس مرد کے لیے حلال نہیں ہوگی، الا یہ کہ دوسرے کسی مرد کے ساتھ (دوام کی نیت سے) نکاح کرے (اور پھر کسی وجہ سے طلاق ہوجائے یا شوہر فوت ہوجائے اور دونوں صورتوں میں عدت گزر جائے تو پھر پہلے خاوند کے ساتھ دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔) اس طرح دلائل میں جمع اور تطبیق ممکن ہوگی اور امت کے افراد میں ''جذبۂ ترحم'' کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ❀

تنبیہ: جس عورت پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں اور پھر وہ دوسرے خاوند سے نکاح کر لے اور وہ عورت اس کے گھر آباد رہے پھر خاوند کی وفات یا اتفاقیہ طلاق کے نتیجے میں پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کر لے تو یہ پہلا خاوند پھر تین طلاقیں دینے کا مالک ہوجائے گا اور پہلے واقع کردہ طلاقیں ساقط ہوجائیں گی، البتہ جس نے پہلے ایک یا دو طلاقیں دی ہوں، عورت نے دوسری شادی کر لی اور پھر پہلے شوہر کے پاس آ گئی تو اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: پہلے والی طلاقیں ساقط نہیں ہوں گی اور یہ اب باقی طلاق کا مالک ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مکمل تین طلاقوں کا مالک ہے، اس لیے کہ دوسرا خاوند جب پہلے خاوند کی تین طلاقوں کو ساقط کر دیتا ہے تو اس کی دی ہوئی ایک یا دو طلاقوں کے ختم ہونے کا سبب کیوں نہیں ہوگا۔ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ: جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ غلام اپنی عورت کو صرف دو طلاقیں دے سکتا ہے، دوسری طلاق کے بعد وہ اس سے بائن (جدا) ہوجائے گی اور جب تک دوسرے مرد کے ساتھ نکاح نہ کرے، اس (غلام) کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ ❀

❀ ابن رشد اپنی کتاب بداية المجتهد (46/2) میں لکھتے ہیں: جمہور کے مسلک کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ طلاق کے اس ناجائز طریقے کو تین طلاقیں نافذ کر کے ختم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جب انھیں اس کے نقصانات کا مسلسل تجربہ ہوگا تو وہ اس طریقے سے طلاق دینا بند کر دیں گے مگر اس طرح شریعت نے سوچ و بچار اور رجوع کرنے یا نہ کرنے کی مہلت دے کر جو رخصت و نرمی دی ہے، وہ باطل ہوجاتی ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝﴾ (الطلاق 65:1) ''شائد کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی راہ پیدا کر دے۔'' یعنی مرد کے دل میں عورت کی رغبت پیدا کر دے اور وہ رجوع پر آمادہ ہوجائے اور اگر مسلک جمہور کے مطابق ایک دفعہ کی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا جائے تو پھر اس کے بعد کس نئی بات کے پیدا ہونے کی توقع کی جائے؟ اس دور میں لوگوں کو بالعموم شریعت اسلامیہ کے اصل طریقۂ طلاق کا پتہ نہیں ہے بلکہ جاہل لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ جب تک تین کا لفظ نہیں بولیں گے طلاق واقع ہی نہیں ہوگی۔ اس انداز کی صورت حال میں تین کا نفاذ عورتوں اور معاشرے پر زیادتی ہے جس کے نتیجہ میں کئی ایک پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے ہیں جن پر توجہ دینا مفکرین علماء کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ نفس مسئلہ کی شرعی پوزیشن تفصیلاً ہم پہلے تحریر کر آئے ہیں۔ (الاثری)

❀ جبکہ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ اور دیگر محققین کا موقف یہ ہے کہ غلام کا بھی وہی حکم ہے جو عام اور آزاد مومن کا ہے، یعنی غلام بھی تین طلاق ◄◄

خلع کا بیان

خلع کی تعریف: عورت کا کسی وجہ سے اپنے خاوند کو پسند نہ کرنا اور اس کا مال (حق مہر وغیرہ) واپس کر کے اس سے خلاصی حاصل کر لینا ''خلع'' کہلاتا ہے۔

خلع کا حکم: اگر (درج ذیل) شرطیں پوری کر لی جائیں تو خلع جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی سے جو اپنے خاوند کے بارے میں کہہ رہی تھی: مجھے اس کی عادات اور دین پر کوئی اعتراض نہیں ہے، میں اسلام میں (خاوند کی) نافرمانی کو درست نہیں سمجھتی، کے جواب میں فرمایا: ''تو اس کا باغ واپس کر دے گی؟'' اس نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: ''ثابت! باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔''[1] ⊙

خلع کے جواز کی شرط: (1) ناپسندیدگی کا اظہار عورت کی طرف سے ہو، اگر مرد ناپسند کرتا ہے تو اس کے لیے طلاق کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے بلکہ اسے صبر کرنا چاہیے اور اگر برداشت سے باہر ہے تو طلاق دے دے۔

(2) عورت اس وقت تک ''خلع'' کا مطالبہ نہ کرے جب تک اس کی کراہت و ناپسندیدگی اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ حقوق زوجیت میں اللہ کی حدود کی پابندی کرنا اس کے لیے مشکل ہو جائے۔

(3) مرد جان بوجھ کر اگر عورت کو تنگ کر رہا ہے کہ وہ خلع پر مجبور ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کے لیے اس سے معاوضہ لینا حرام ہے اور وہ اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہے، نیز خلع سے ایک ''طلاق بائن'' نافذ ہوتی ہے اور ''عقد جدید'' کے بغیر وہ رجوع نہیں کر سکتا۔ ■

خلع کے احکام: (1) مرد دیے ہوئے مہر سے زیادہ وصول نہ کرے، جیسا کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے خلع کے عوض میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صرف وہ باغ لیا تھا جو انھوں نے مہر میں دیا تھا۔

(2) اگر خلع میں لفظ خلع مرد نے بولا ہے یا تحریر کیا ہے تو ''استبرائے رحم'' کے طور پر عدت ایک ماہواری آنے تک ہے، جیسا کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی عورت کو رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہواری تک عدت گزارنے کا حکم دیا تھا اور اگر طلاق کا لفظ استعمال ہوا ہے تو جمہور تین حیض (طلاق کی پوری) عدت گزارنے کے قائل ہیں۔

(3) خلع دینے والا عدت کے اندر رجوع کا مالک نہیں ہے، اس لیے کہ محض خلع سے عورت بائن (جدا) ہو گئی ہے، نئے نکاح کے بغیر وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔

◂◂ کا مالک ہے، یہ موقف راجح ہے جبکہ صحابۂ کرام میں سے اکثر سے مذکورہ موقف والی روایات سنداً ثابت نہیں۔ (ع، و)

⊙ یعنی ''وہ دیندار اور اچھے اخلاق کا مالک ہے مگر خوبصورت نہیں، بجائے اس کے کہ میں اس کی نافرمانی کروں، بہتر ہے کہ اس سے الگ ہو جاؤں۔'' (محمد عبدالجبار) ■ راجح یہی ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے، طلاق نہیں اگر دوبارہ باہم ملنا چاہیں تو تجدید نکاح ضروری ہے۔

[1] صحیح البخاري، الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق فیه......، حدیث: 5273.

(4) نابالغ لڑکی کی طرف سے باپ خلع قبول کرسکتا ہے، بشرطیکہ بچی کے نقصان کا اندیشہ ہو، اس لیے کہ وہ خود اس وقت اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتی۔

ایلا کا بیان

❁ **ایلا کی تعریف:** کسی مرد کا اللہ کی قسم اٹھا کر کہنا کہ میں اپنی عورت کے ساتھ اتنی مدت وطی (جماع) نہیں کروں گا جبکہ وہ مدت چار ماہ سے زائد ہو۔

❁ **ایلا کا حکم:** چار ماہ سے کم کا ایلا عورت کی سرزنش کے طور پر جائز ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

''اور ان لوگوں کے لیے جو اپنی بیویوں سے ایلا کرتے ہیں، چار ماہ کا انتظار ہے، (پھر) اگر (اس دوران) رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''(1)

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایک ماہ مکمل ایلا کیا تھا۔ اگر ایلا میں تادیب (ادب سکھلانا) مطلوب نہیں بلکہ عورت کو محض ایذا دینا مقصود ہے تو یہ حرام ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ»

''کسی کو ابتداءً نقصان پہنچانا اور مقابلتاً نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔''(2)

❁ **ایلا کے احکام:** (1) ایلا کی مدت کو اگر چار ماہ گزر جائیں اور اس دوران میں مرد نے جماع نہیں کیا اور عورت حاکم کے پاس مطالبہ کرتی ہے تو پھر خاوند یا تو ایلا سے رجوع کرے گا یا طلاق دے گا، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○﴾

''اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا، مہربان ہے اور اگر طلاق کا عزم کرلیں تو اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔''(3)

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ يُوقَفُ حَتّٰى يُطَلِّقَ»

''جب چار ماہ گزر جائیں تو مرد کو پابند سلاسل (قید) کیا جائے یہاں تک کہ طلاق دے۔''(4)

(2) چار ماہ گزرنے پر پابند کرنے کے باوجود اگر طلاق نہیں دیتا تو ''حاکم وقت'' عورت کے ضرر کو دور کرنے کے لیے طلاق کی ڈگری جاری کردے۔

(3) ''ایلا'' کے نتیجے میں مطلقہ عورت پر طلاق کی عدت (تین حیض) ہے''استبرائے رحم'' کے لیے ایک ماہواری کا انتظار کرنا کافی نہیں ہے، اس لیے کہ یہ عدت صرف ''استبرائے رحم'' کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کا حکم طلاق والا ہے۔

(1) البقرة 2:226. (2) [ضعيف] سنن ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى في حقه مايضر بجاره، حديث: 2341,2340، یہ روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ مل کر بھی ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ اسے حسن کہتے ہیں۔ (3) البقرة 2:227,226. (4) صحيح البخاري، الطلاق، باب قول الله ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ...... اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾، حديث: 5291.

④ اگر قسم کے بغیر مرد نے (حاضر اور تندرست ہونے کے باوجود) عورت کے ساتھ چار ماہ سے بھی زائد عرصہ مجامعت ترک کر رکھی ہے تو عورت کے مطالبے کی صورت میں اس کو عدالت میں لایا جائے، پھر یا تو وہ یہ روش ترک کرے یا طلاق دے دے۔

⑤ قسم کی مدت ختم ہونے سے پہلے اگر مرد نے ایلا سے رجوع کر لیا ہے تو یہ درست ہے مگر اس پر قسم کا کفارہ ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَإِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَّمِينِكَ وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ»

''جب تو کسی بات پر حلف اٹھا لے اور اس کے برعکس کام کو اس سے بہتر جانے تو جو اچھا کام ہے وہی کر اور قسم کا کفارہ دے۔''[1]

ظہار کا بیان

● **ظہار کی تعریف:** مرد اپنی بیوی کو کہے: تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ (پشت) کی طرح ہے ''ظہار'' کہلاتا ہے۔

● **ظہار کا حکم:** ظہار کرنا حرام ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو منکر بات اور جھوٹ قرار دیا ہے اور یہ دونوں حرام ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴾

''اور بے شک یہ لوگ ایک غلط بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔''[2]

● **ظہار کے احکام و مسائل:** ① جمہور علماء کے نزدیک ''ظہار'' بیوی کو صرف ماں کے ساتھ تشبیہ دینے پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ کسی بھی ابدی محرم عورت کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہے، مثلاً: بیٹی، دادی، بہن، پھوپھی اور خالہ، اس لیے کہ حرمت میں یہ سب ماں کی طرح ہیں۔❀

② ظہار کرنے والا مرد اگر رجوع کرنا چاہتا ہے تو اس پر ظہار کا کفارہ دینا لازم ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ کا حکم ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ﴾

''اور جو لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں اور پھر اپنی بات سے رجوع کرتے ہیں تو باہم ملنے (جماع) سے پہلے ایک گردن (غلام) آزاد کریں۔''[3]

❀ لیکن نص صرف ماں کے بارے میں آئی ہے، لہٰذا اسی تک محدود کرنا ہی راجح ہے۔

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قول الله تعالى: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ﴾، حديث: 6622، وصحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا.....، حديث: 1652. [2] المجادلة 58:2. [3] المجادلة 58:3.

③ آیت مذکورہ کی رو سے جماع اور مقدمات جماع سے قبل کفارہ کی ادائیگی لازم ہے۔

④ اگر ادائیگی کفارہ سے پہلے بیوی سے جماع کیا تو گنہگار ہے، لہٰذا ندامت و استغفار کے ساتھ اللہ سے رجوع کرے، البتہ کفارے کے علاوہ اور کوئی چیز اس کو نہیں پڑتی۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میں نے ظہار کیا تھا مگر کفارے کی ادائیگی سے پہلے ہی میں جماع کر بیٹھا ہوں۔تو آپ نے فرمایا:

«مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ؟ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَلَا تَقْرَبْهَا حَتّٰى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللّٰهُ بِهِ»

''اللہ تجھ پر رحم کرے تو نے ایسا کام کیوں کیا؟ اللہ کے حکم کی تعمیل سے قبل اس کے قریب نہ جانا۔''[1]

⑤ کفارہ درج ذیل تین امور میں سے بالترتیب ایک ہے: مومن غلام آزاد کرنا، اگر یہ نہ ملے تو دو ماہ لگا تار روزے رکھنا اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾

''سو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے غلام آزاد کرنا ہے، تمھیں اس کی نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمھارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ جس کو غلام نہ ملے تو وہ ہاتھ لگانے سے پہلے لگا تار دو ماہ روزے رکھے اور جس کو اس کی طاقت نہیں ہے تو وہ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔''[2]

⑥ روزے وقفہ کیے بغیر رکھنے ضروری ہیں۔ چاند کے حساب سے دو ماہ پورے کرے یا ساٹھ دن شمار کر لے۔ اگر شرعی عذر (بیماری وغیرہ) کے بغیر درمیان میں روزے نہیں رکھے گا تو پہلے رکھے ہوئے روزے باطل ہو جائیں گے اور دوبارہ دو ماہ کے روزوں کی گنتی پوری کرے گا، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لگا تار روزے رکھنے کی شرط لگائی ہے۔

⑦ کھانا دو مد گندم یا دو مد کھجور یا جو فی مسکین کے حساب سے ادا کرے۔ اگر ساٹھ سے کم مساکین کو پوری مقدار میں کھانا دے دیا تو درست نہیں ہوگا۔

لعان کا بیان

لعان کی تعریف: مرد نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا یا اس کے حمل کا انکاری ہے، یعنی کہتا ہے کہ اس کے پیٹ میں میرا بچہ نہیں، اور معاملہ عدالت کے سامنے پیش ہوا ہو تو خاوند مذکور سے اس کے دعوے پر گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا اگر وہ ایسے چار گواہ جو زنا دیکھنے کی گواہی دیں پیش نہ کر سکا تو حاکم ان دونوں کے درمیان لعان کرائے گا، چنانچہ خاوند درج ذیل الفاظ سے چار بار حلفیہ گواہیاں ادا کرے گا:

''اللہ کی قسم! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اسے زنا کرتے دیکھا ہے یا یہ حمل میرا نہیں ہے اور پانچویں بار

[1] [حسن] جامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ما جاء في المظاهر يواقع قبل أن يكفر، حديث: 1199 وقال: حسن صحيح غريب. [2] المجادلة 58:3،4.

کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس کے بعد اگر عورت جرم کا اقرار کر لیتی ہے تو اس پر (رجم کی شرعی) حد نافذ کی جائے گی اور اگر اس سے انکاری ہو تو بایں الفاظ چار بار گواہیاں پیش کرے گی:

''مجھے اللہ کی قسم! میں شہادت دیتی ہوں کہ اس نے مجھے زنا کرتے نہیں دیکھا یا یہ کہ یہ حمل اسی کا ہے اور پانچویں بار کہے گی کہ اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو، اس کے بعد حاکم ان دونوں کے مابین تفریق کرا دے گا اور یہ پھر کبھی اکٹھے نہیں رہ سکیں گے۔

لعان کا حکم: شریعت اسلامیہ میں لعان ثابت ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○﴾

''اور جو اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس اپنے سوا گواہ نہیں ہیں تو ان میں سے ایک چار بار قسم کے ساتھ گواہی دے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور عورت سے سزا اس طرح دور ہوگی کہ وہ چار بار اللہ کی قسم اٹھا کر شہادت دے کہ یہ مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہ اگر یہ سچ بولنے والوں میں سے ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔''[1]

اور اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے عویمر عجلانی اور اس کی بیوی کے مابین لعان کرایا تھا اور اسی طرح ہلال بن امیہ اور اس کی بیوی کے مابین بھی لعان ہوا تھا (رضی اللہ عنہم)۔[2]

اور سہل بن سعد فرماتے ہیں: «فَمَضَتِ السُّنَّةُ بَعْدُ فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا»

''اس کے بعد دو لعان کرنے والوں میں یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ انھیں جدا کر دیا جائے اور پھر کبھی وہ اکٹھے نہیں ہوں گے۔''[3]

لعان کی حکمت: (1) اس میں زوجین کی عزت کا تحفظ اور مسلمان کی تکریم ہے (کیونکہ شرعاً لوگ باتیں نہیں بنا سکتے۔)

(2) خاوند سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے اور عورت سے حد زنا۔

(3) حمل اگر واقعتاً دوسرے (غیر خاوند) کا ہے تو اس کے انکار کی قانونی گنجائش نکل آتی ہے۔

(1) النور24:6-9. (2) صحيح البخاري، الطلاق، باب يبدأ الرجل بالتلاعن وباب اللعان ومن طلق بعد اللعان، حديث:5307، 5308. (3) [ضعيف] سنن أبي داود، الطلاق، باب في اللعان، حديث:2250، اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں ہے جبکہ امام البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ آپ نے لعان کرنے والوں سے فرمایا: ''تمھارا حساب اللہ پر ہے تم میں سے ایک جھوٹا ہے (اور اے خاوند!) تیرے لیے اس پر کوئی راستہ نہیں ہے۔'' صحيح البخاري، الطلاق، باب قول الإمام للمتلاعنين......، حديث:5312 والله أعلم.

● **لعان کے احکام:** (1) مرد اور عورت دونوں عاقل و بالغ ہوں تو لعان ہو گا، اس لیے کہ مجنون اور نابالغ غیر مکلّف ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتّٰى يَكْبُرَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ أَوْ يُفِيقَ»

''تین شخص مرفوع القلم ہیں، سویا ہوا جاگنے تک، نابالغ لڑکا بڑا ہونے تک اور مجنون ذی شعور ہونے تک۔''[1]

(2) مرد صاف دعویٰ کرے کہ اس نے عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے اور انکار حمل میں یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اس عورت سے جماع ہی نہیں کیا یا اس مدت میں جماع نہیں کیا جس میں حمل ٹھہرا ہے، مثلاً: یہ دعویٰ کرے کہ اس عورت نے اس بچے کو چھ ماہ سے کم مدت میں جنم دیا ہے، ان دعووں کے بغیر لعان نہیں ہو گا، اس لیے کہ محض الزام اور شبہے کی بنیاد پر لعان کرنا مشروع نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾

''اے ایمان والو! اکثر ظن سے بچو! بلاشبہ بعض ظن گناہ ہیں۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ» ''خود کو (برے) ظن سے بچاؤ۔''[3]

محض الزام کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس عورت کو طلاق دے دے تاکہ دل کے وسوسوں کی شدت اور ضمیر کی ملامت سے بچ سکے۔

(3) حاکم ایمان والوں کی ایک جماعت کے سامنے لعان کا اجرا کرائے اور انھی الفاظ سے جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

(4) حاکم کو چاہیے کہ خاوند کو اس انداز سے سمجھائے، جیسا کہ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:

«أَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، اِحْتَجَبَ اللّٰهُ مِنْهُ وَفَضَحَهُ عَلٰى رُؤُوسِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ»

''جو شخص اپنے (حقیقی) بچے کا انکار کرتا ہے جبکہ وہ (بچہ) اس کی طرف دیکھ رہا ہو، اللہ اس سے حجاب کر لے گا اور پہلے پچھلے لوگوں کے سامنے اس کو رسوا کرے گا۔''[4]

اور عورت کو آپ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق سمجھائے:

---

[1] [حسن] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المعتوه.....، حديث:2041. [2] الحجرات 12:49. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخطب على خطبة أخيه حتى ينكح أويدع، حديث:5143، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظن......، حديث:2563. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الطلاق، باب التغليظ في الانتفاء، حديث:2263، وصحيح ابن حبان:418/9، حديث:4108، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَلَتْ عَلٰى قَوْمٍ مَّنْ لَيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ وَّلَنْ يُّدْخِلَهَا اللّٰهُ جَنَّتَهُ»

''جو عورت کسی برادری میں اس (بچے) کو داخل کر دیتی ہے، جو ان میں سے نہیں ہے تو اللہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور اسے ہرگز بہشت میں داخل نہیں کرے گا۔''(1)

(5) دونوں کے درمیان تفریق کرا دے اور اس کے بعد وہ کبھی اکٹھے نہ ہو سکیں گے۔ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:

«حِسَابُكُمَا عَلَى اللّٰهِ، أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ، لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا»

''تم دونوں کا حساب اللہ پر ہے، تم میں سے ایک جھوٹا ہے، (اور اے خاوند!) تیرا اس پر کوئی راستہ نہیں ہے۔''(2)

(6) لعان کرنے والے خاوند سے بچے کی نسبت کٹ جائے گی، یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور نہ وہ اس بچے پر خرچ کرے گا۔ البتہ کچھ احکامات میں وہ بچہ اور خاوند احتیاطاً باپ بیٹے کی مانند ہیں، مثلاً: خاوند اس بچی سے نکاح نہیں کر سکے گا، نیز وہ بچی یا بچہ اس کی دیگر بیویوں سے پیدا شدہ اولاد کے لیے محرم قرار پائے گا۔ اور اس کا الحاق ماں کے ساتھ ہوگا اور اسی کا وارث ہوگا، جیسا کہ دو لعان کرنے والوں کی اولاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے:

«أَنَّهُ يَرِثُ أُمَّهُ وَتَرِثُهُ أُمُّهُ» ''یہ اپنی ماں کا وارث ہے اور اس کی ماں اس کی وارث ہے۔''(3)

(7) اگر کبھی لعان کرنے والا مرد خود کو جھوٹا کہے تو اولاد کا الحاق اس کے ساتھ ہو جائے گا (اور اسے حد قذف لگائی جائے گی)۔

عدت کا بیان

• **عدت کی تعریف:** خاوند سے مفارقت کے بعد عورت ایک مخصوص مدت تک انتظار کرتی ہے، اس دوران میں وہ کسی سے منگنی یا شادی نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس مقصد کے لیے خود کو بنا سنوار سکتی ہے، اس مدت کو عدت کہتے ہیں۔

• **عدت کا حکم:** خاوند سے ہر طرح کی جدائی کے بعد، خواہ اس کی زندگی میں ہوئی یا اس کی موت کی وجہ سے، عورت پر عدت گزارنا فرض ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ ''اور مطلقہ عورتیں تین ماہواری تک انتظار کریں۔''(4)

(1) [صحيح] سنن أبي داود، الطلاق، باب التغليظ في الانتفاء، حديث: 2263، وصحيح ابن حبان: 418/9، حديث: 4108، والمستدرك للحاكم: 203/2. (2) صحيح البخاري، الطلاق، باب قول الإمام للمتلاعنين: إن أحدكما كاذب......، حديث: 5312. (3) [ضعيف] مسند أحمد: 216/2. اس کی سند محمد بن اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ صحیح بخاری (حدیث: 5315) میں ہے کہ آپ نے بچے کا ماں کے ساتھ الحاق فرمایا۔ اور ابن شہاب زہری فرماتے ہیں: «ثُمَّ جَرَتِ السُّنَّةُ فِي مِيرَاثِهَا أَنَّهَا تَرِثُهُ وَيَرِثُ مِنْهَا مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ» ''پھر یہی سنت جاری ہوگئی کہ والدہ بچے کی اور بچہ والدہ کا وارث ہوگا، جو کچھ اللہ نے اس (بچے) کے لیے رکھا ہے اسے وہ لے گا۔'' صحيح البخاري، حديث: 5309. (ع،ر) (4) البقرة 2:228.

نیز فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾
''اور جو (شوہر) تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (بیویاں) چار ماہ دس دن انتظار کریں۔''[1]

ہاں، وہ مطلقہ جسے نکاح کے بعد اور جماع سے پہلے طلاق ہوگئی، اس پر عدت نہیں ہے اور اگر اس کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہے تو اسے نصف مہر دیا جائے گا اور اگر مہر مقرر نہیں ہے تو اس کے لیے کسی کارآمد چیز کا تحفہ ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝﴾

''اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر ہاتھ لگانے سے پہلے انھیں طلاق دے دو تو ان پر تمھارے لیے کوئی عدت نہیں ہے، جو تم شمار کرو، پس تم انھیں کچھ فائدہ (خرچہ) دے دو اور اچھے طریقے سے چھوڑ دو۔''[2]

عدت کی حکمت: (1) طلاق رجعی کی صورت میں خاوند کو اپنی مطلقہ کو واپس لانے کا موقع مل سکے گا۔

(2) نسب کو اختلاط سے محفوظ کرنے کے لیے، یعنی دوران عدت، رحم کے حمل سے صاف اور خالی ہونے کا علم ہو جائے گا۔*

(3) وفات کی عدت کی صورت میں عورت اپنے خاوند کے ساتھ وفاداری کا اظہار کرے گی اور اس کے خاندان کے ساتھ مواسات وغمخواری میں شریک سمجھی جائے گی۔

عدت کی قسمیں: (1) وہ مطلقہ جسے حیض آتا ہے اس کی عدت تین حیض ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ ''اور مطلقہ عورتیں تین ماہواری تک انتظار کریں۔''[3]

آزاد عورت (جو لونڈی نہیں) کو جب ایسے ''طہر'' میں طلاق ہو جائے جس میں جماع نہ ہوا ہو تو اس کے بعد ''حیض'' پھر ''طہر'' پھر ''حیض'' پھر ''طہر'' ہونے کے بعد حیض آ جائے تو حیض سے پاک ہونے پر وہ آزاد ہے اور اس کی عدت پوری ہوگئی۔ اگر ہم مذکورہ آیت میں قروء کے لفظ سے ''طہر'' (پاکیزگی کا وقت) مراد لیں، جیسا کہ جمہور کی رائے ہے تو

* اور اگر حمل ظاہر ہو گیا تو بچہ طلاق دینے والے کا شمار ہوگا۔ اگر عدت گزارے بغیر یہ خاتون نئی شادی کر لیتی اور نئے خاوند سے مجامعت حاصل ہو جاتی تو پھر بچے کے متعلق یہ اشتباہ رہتا تھا کہ معلوم نہیں یہ پہلے خاوند کا ہے یا دوسرے خاوند کا۔ لیکن عدت کی وجہ سے نسب خلط ملط ہونے سے بچ گیا۔ (ع، ر)

[1] البقرة 2:234. [2] الأحزاب 33:49. [3] البقرة 2:228.

اس تفسیر کے مطابق تیسرے ''حیض'' کے آنے ہی پر عدت ختم ہو جائے گی (کیونکہ تین طہر پورے ہو چکے ہوں گے)اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر ''حیض'' کے دوران میں طلاق ہوئی ہے تو عدت میں تین حیض کی گنتی میں اس حیض کو شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے علاوہ تین حیض کا مکمل ہونا ضروری ہو گا۔ اور اگر لونڈی کو طہر میں طلاق ہوئی ہے تو اس کی عدت دو حیض ہے،اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «طَلَاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ، وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ»

''لونڈی کے لیے دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو ماہواری ہے۔''[1]

(2) جس عورت کو ماہواری ہی نہیں آتی، بڑھاپے کی وجہ سے یا کمسنی کی بنا پر اور اسے طلاق ہو گئی تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔فرمان ربانی ہے:

﴿ وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ﴾

''تمھاری وہ عورتیں جو (عمر رسیدہ ہونے کی بنا پر)حیض سے مایوس ہو گئی ہیں،اگر تمھیں (ان کی عدت کے متعلق) شک ہے تو (سنو)ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی (یہی عدت ہے)جنھیں (کمسنی کی وجہ سے) ماہواری ابھی تک نہیں آئی۔''[2]

(3) مطلقہ حاملہ کی عدت ''وضع حمل'' ہے،خواہ آزاد ہو، یا لونڈی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ ﴾ ''حمل والی عورتوں کی میعاد وضع حمل ہے۔''[3]

(4) وہ مطلقہ جو ماہواری والی ہو مگر کسی معروف سبب (رضاعت یا بیماری) کی بنا پر اسے حیض نہیں آ رہا تو وہ حیض آنے کا انتظار کرے گی، چاہے مدت طویل ہو جائے اور اگر حیض نہ آنے کا سبب معلوم نہیں تو اس کے لیے عدت ایک سال ہے۔نو ماہ ''مدت حمل'' اور تین ماہ ''عدت'' کے اور لونڈی ہو تو اس کے لیے گیارہ ماہ عدت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار میں یہی فیصلہ فرمایا تھا اور کسی نے انکار نہیں کیا تھا۔ ''صاحب مغنی'' نے اس روایت کو ابن منذر کی طرف منسوب کیا ہے۔

(5) جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے،اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے،اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ ﴾

[1] [ضعيف] سنن أبي داود، الطلاق، باب في سنة طلاق العبد، حديث: 2189، وجامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء أن طلاق الأمة تطليقتان، حديث: 1182، وسنن الدارقطني: 39,38/4. اس کی سند مظاہر بن اسلم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ راجح یہی ہے کہ لونڈی اور آزاد عورت کی عدت وطلاق میں فرق نہیں ہے، مذکورہ حدیث ضعیف ہے۔ ﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ ﴾ میں یہ سب شامل ہے۔ [2] الطلاق 4:65. [3] الطلاق 4:65.

''اور جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (بیویاں) چار ماہ دس دن تک انتظار کریں۔''[1]

(6) استحاضہ والی عورت جس کا مدت حیض گزر جانے کے باوجود خون نہیں تھم رہا، اگر حیض اور استحاضے کا امتیاز کر سکتی ہے یا اس کے لیے استحاضے کی بیماری سے پہلے ماہواری کے ایام کی عادت معروف ہے تو ''ایام حیض'' سے ہی عدت شمار کرے گی۔ لیکن اگر وہ حیض و استحاضہ کے مابین امتیاز نہیں کر سکتی اور اس کے ہاں ایام حیض کی کوئی عادت بھی معروف نہیں ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور یہ حکم مستحاضہ کی نماز کے حکم سے اخذ کیا گیا ہے۔

(7) جس عورت کا خاوند غائب ہو جائے اور اس کی زندگی اور موت کا کوئی علم نہ ہو رہا ہو تو وہ خبر ملنے کی امید ختم ہونے سے لے کر چار سال تک خاوند کا انتظار کرے، پھر چار ماہ دس دن مزید عدت شمار کرے اس کے بعد چاہے تو نئی شادی کر سکتی ہے۔

❖ **ایک عدت میں دوسری عدت کی مداخلت:** کبھی ایک عدت میں دوسری عدت کی مداخلت ہو جاتی ہے، جیسا کہ ذیل کی صورتوں میں ہے: (1) ''طلاق رجعی'' کی صورت میں ایک ماہواری یا دو ماہواری کے بعد خاوند فوت ہو جائے تو عدت طلاق، عدت وفات کی طرف منتقل ہو جائے گی، چنانچہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اس کا آغاز طلاق دینے والے خاوند کی وفات کے دن سے ہوگا، یہ اس لیے کہ رجعی طلاق والی عورت بیوی کے حکم میں ہوتی ہے، لہٰذا وفات کے بعد وہ بحیثیت بیوہ وفات کی عدت گزارے گی، جبکہ طلاق بائن والی عورت کا معاملہ اس کے برعکس ہے، چنانچہ اس کی عدت، عدت وفات کی طرف منتقل نہیں ہوگی، اس لیے کہ رجعی طلاق والی اپنے خاوند کی وارث ہوتی ہے، جبکہ طلاق بائن والی وارث نہیں ہوتی۔

(2) مطلقہ کو حیض یا دو حیض کے بعد اگر حیض آنا بند ہو جائے تو تین ماہ عدت شمار کرے گی۔

(3) چھوٹی نابالغہ مطلقہ یا بڑی عمر کی عورت جسے ماہواری نہیں آتی، اس کو ایک ماہ یا دو ماہ کے بعد ماہواری آ جائے تو اب وہ عدت تین ماہ نہیں بلکہ تین حیض شمار کرے گی لیکن اگر تین ماہ گزرنے کے بعد ماہواری آئے تو پھر اس کی عدت ختم ہو چکی ہے۔

(4) مطلقہ عورت جو مہینوں یا ''ایام ماہواری'' سے عدت شمار کر رہی ہے، اگر اس اثنا میں اس کا حمل ظاہر ہو جائے تو اس کی عدت ''وضع حمل'' ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ أُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط ''اور حمل والیوں کی عدت ''وضع حمل'' ہے۔''[2]

1. البقرة 234:2. 2. الطلاق 4:65.

تنبیه: استبرائے رحم: جو شخص کسی وجہ سے شادی شدہ یا مملوک لونڈی کا مالک بن گیا تو وہ ''استبرائے رحم'' (رحم کے خالی ہونے) سے پہلے وطی (جماع) نہیں کرسکتا ''استبرائے رحم'' کی مدت ایک حیض یا وضع حمل ہے یا پھر اتنی مدت کا گزر جانا ہے جس سے واضح ہو جائے کہ یہ حاملہ نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتّٰی تَضَعَ، وَلَا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتّٰی تَحِيضَ حَيْضَةً»

''وضع حمل سے پہلے حاملہ (لونڈی) سے وطی (مجامعت) نہ کی جائے اور نہ ''غیر حاملہ'' سے، یہاں تک کہ اسے ایک حیض آ جائے۔''[1] ❀

اگر آزاد خاندانی عورت کے ساتھ کسی شبہ کی وجہ سے وطی ہوگئی یا غصب اور اغوا کی گئی عورت سے زنا کیا گیا تو ''استبرائے رحم'' کے لیے تین ماہواریاں ضروری ہیں۔ لیکن اگر ماہواری نہیں آتی تو تین ماہ عدت ہے اور اگر حاملہ ہوگئی ہے تو ''وضع حمل'' عدت ہے۔ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَسْقِ مَاءَهُ وَلَدَ غَيْرِهِ»

''جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لا چکا ہے وہ دوسرے کے بچے کو اپنا پانی نہ دے (استبرائے رحم سے قبل جماع نہ کرے۔'')[2]

نیز فرمایا: «لَا تَسْقِ مَاءَكَ زَرْعَ غَيْرِكَ» ''اپنا پانی غیر کی کھیتی کو نہ دے (زنا نہ کر۔'')[3]

✽ **سوگ اور اس کی مدت:** سوگ یہ ہے کہ عدت گزارنے والی عورت زیب و زینت اور بناؤ سنگھار نہیں کرے گی، چنانچہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ دوران عدت سوگ کرے گی، نیز وہ خوبصورت لباس نہ پہنے، مہندی اور سرمہ نہ لگائے، خوشبو استعمال نہ کرے اور زیورات نہ پہنے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُحِدُّ عَلٰی مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلٰی زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا»

❀ اگر کافرہ کنواری عورت مسلمانوں کی قید میں آ کر لونڈی بنائی جائے تو جس کے حصے میں آئی ہے۔ استبرائے رحم کے لیے ایک حیض کا انتظار نہیں کرے گا۔ بلکہ فی الوقت اس سے جماع کرسکتا ہے۔

[1] [حسن] سنن أبي داود، النكاح، باب في وطء السبايا، حديث: 2157، والمستدرك للحاكم: 195/2، اسے حافظ ابن حجر نے حسن کہا ہے، اس کا مسند طیالسی میں ایک شاہد ہے جس کی سند حسن ہے۔ [2] [حسن] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يشتري جارية وهي حامل، حديث: 1131 وقال حسن، وصحيح ابن حبان: 186/11، حديث: 4850. [3] [صحيح] المستدرك للحاكم: 56/2، والتلخيص الحبير: 479,478/3، حديث: 1800.

''جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لا چکی ہے، اس کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حلال نہیں ہے، البتہ اپنے خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔''[1]

نیز ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا، وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَطَّيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَّصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ»

''ہمیں منع کیا جاتا تھا کہ ہم کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کریں، البتہ خاوند پر چار ماہ دس دن کا سوگ ہے اور یہ (حکم دیا گیا کہ) دوران عدت ہم سرمہ نہ ڈالیں، اور نہ ہم خوشبو لگائیں اور یمنی لکیر دار چادروں کے سوا رنگے ہوئے کپڑے بھی نہ پہنیں۔''[2]

عدت والی عورت دوران عدت اپنے گھر سے باہر نہ جائے، اگر کسی ضروری کام کے لیے جانا پڑ جائے تو رات اپنے گھر ہی میں آ کر رہے، جہاں خاوند کے فوت ہوتے وقت یہ تھی، اس لیے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاوند کی وفات کے بعد وہاں سے اپنے میکے جانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا:

«اُمْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ»

''جس گھر میں تجھے اپنے خاوند کی موت کی خبر آئی، اسی میں رہ، یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔''[3]

چنانچہ صحابیہ رضی اللہ عنہا نے اسی گھر میں چار ماہ دس دن کی عدت پوری کی۔

نفقات کا بیان ❁ **نفقہ کی تعریف:** اس طعام و لباس اور رہائش کو نفقہ کہتے ہیں جو کسی مستحق کے لیے دینا ضروری ہو۔ کن لوگوں پر اور کن کے لیے واجب ہے۔ چھ قسم کے لوگ نفقہ کے مستحق ہوتے ہیں:

(1) بیوی کا نفقہ خاوند پر ہوتا ہے جبکہ اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: «أَلَا! وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُم أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ»

''خبردار! عورتوں کا حق تمھارے اوپر یہ ہے کہ لباس اور طعام میں ان کے ساتھ اچھا رویہ اپناؤ۔''[4]

(2) مطلقہ بائنہ اگر حاملہ ہے تو ایام عدت کا نفقہ خاوند پر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾

''اور وہ اگر حمل والیاں ہیں تو وضع حمل تک ان پر خرچ کرو۔''[5]

1. صحيح البخاري، الجنائز، باب إحداد المرأة على غير زوجها، حديث: 1280، وصحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد، حديث: 1486 واللفظ له. 2 صحيح البخاري، الطلاق، باب القسط للحادة عند الطهر، حديث: 5341. 3 [صحيح] جامع الترمذي، الطلاق، باب ماجاء أين تعتد المتوفى عنها زوجها، حديث: 1204، اسے امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ 4 [صحيح] جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، حديث: 1163. 5 الطلاق 6:65.

③ ماں باپ کا نفقہ اولاد پر ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ ''اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک اختیار کرو۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اچھے رویے کے لیے سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے تین بار فرمایا: ''تیری ماں اور چوتھی بار فرمایا: تیرا باپ۔''[2]

④ چھوٹی اولاد کا خرچ والد کے ذمے ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾

''اور اس میں سے ان (اولاد) کو روزی دو اور لباس مہیا کرو اور ان کے لیے اچھی بات کہو۔''[3]

⑤ خادم کا خرچ اس کے سردار پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ، وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ مَا لَا يُطِيقُ»

''غلام کے لیے کھانا اور لباس رواج کے مطابق ہے اور اس سے اتنا کام ہی لیا جائے جو وہ برداشت کر سکے۔''[4]

⑥ جانوروں کی ذمہ داری ان کے مالکوں پر ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا، فَلَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا هِيَ أَرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ هَزْلًا»

''ایک عورت بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی، اس نے اسے باندھے رکھا، نہ کھانا دیا اور نہ اسے چھوڑا تاکہ زمین کے جانور کھا کر گزارہ کرتی حتی کہ وہ بھوکی مر گئی۔''[5]

❁ نفقے کی واجب مقدار: نفقے میں کھانے اور پینے کی مقدار میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ اتنی ہے جس سے زندگی قائم رہ سکے اور لباس جو گرمی، سردی سے بچائے اور رہائش جو آرام اور رہنے کے لیے کافی ہو۔ جبکہ اختلاف کثرت وقلت میں ہے یا عمدہ اور گھٹیا ہونے میں ہے اور یہ دینے والے اور لینے والے کے اپنے اپنے احوال پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے مناسب یہی ہے کہ یہ معاملہ مسلمان قاضیوں کے سپرد کیا جائے۔ وہی مختلف احوال وظروف اور عادات کا جائزہ لے کر نفقے کی مقدار اور معیار کا تعین کریں گے۔

① البقرة 2:83. ② صحيح البخاري، الأدب، باب، من أحق الناس بحسن الصحبة، حديث: 5971، وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب بر الوالدين وأيهما أحق به، حديث: 2548. ③ النسآء 4:5. ④ صحيح مسلم، الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل......، حديث: 1662. ⑤ صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب في شراب......، حديث: 3318، وصحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث: 2619 بعد حديث: 2756 واللفظ له.

✽ **نفقہ کب ساقط ہوتا ہے:** (1) عورت نافرمان ہو جائے یا مرد کو جماع کا موقع ہی نہ دے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ بیوی کا خرچ اسی صورت میں واجب ہوتا ہے کہ وہ اس کے گھر میں ٹھیک طرح سے آباد ہو۔ جب یہ چیز نہیں تو نفقہ بھی ساقط ہو گیا۔

(2) رجعی طلاق والی عورت کی عدت ختم ہو جائے تو خاوند پر اس کا نان ونفقہ نہیں ہے، اس لیے کہ عدت پوری ہونے سے وہ اس مرد سے جدا ہو گئی ہے۔

(3) مطلقہ حاملہ کو وضع حمل ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، الّا یہ کہ وہ اس کے بچے کو دودھ پلائے تو رضاعت کی اجرت دینا طلاق دینے والے پر لازم ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ﴾

''اگر وہ تمھارے لیے دودھ پلائیں تو ان کی اجرت دو اور (بچے کے بارے میں) آپس میں اچھا مشورہ کرو۔''[1]

(4) ماں باپ غنی ہو جائیں یا ان کی اولاد اس قدر محتاج ہو جائے کہ اپنی یومیہ روزی کے قابل بھی نہ رہے تو اس سے ماں باپ کا خرچ ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلّف کرتا ہے۔

(5) لڑکا بالغ ہو جائے یا لڑکی کی شادی ہو جائے تو باپ پر خرچ نہیں ہے، الّا یہ کہ لڑکا معذور یا مجنون ہو تو باپ کو خرچ دینا پڑے گا۔

تنبیہ: مسلمان پر اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی ضروری ہے، چاہے باپ کی طرف سے قرابت ہو یا ماں کی طرف سے، اگر ان میں سے کوئی کھانے یا لباس یا رہائش کا ضرورت مند ہے تو وسعت کے مطابق تعاون کرے اور اس بارے میں پہلے قریبی کو دیکھے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ: أُمَّكَ وَأَبَاكَ وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ، ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ»

''دینے والے کا ہاتھ بلند ہوتا ہے اور جو تمھارے عیال (ذمہ داری) میں ہے، اس پر پہلے خرچ کرو، یعنی ماں، باپ، بہن، بھائی اور پھر سب سے قریبی قرابت دار۔''[2]

✽ **جانوروں کی دیکھ بھال ضروری ہے:** اگر جانور کا مالک اپنے جانوروں کو خوراک مہیا نہیں کر پا رہا تو انھیں بیچ دیا جائے یا ذبح کر دیے جائیں تاکہ وہ بھوک کے عذاب میں مبتلا نہ رہیں، اس لیے کہ جانوروں کو عذاب دینا حرام ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا:

1 الطلاق 65:6. 2 [صحيح] سنن النسائي، الزكاة، باب أيتهما اليد العليا، حديث: 2533، وسنن الدارقطني: 44/3، وصحيح ابن حبان: 131/8، حديث: 3341، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے المستدرك للحاكم: 612/2.

«دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا، فَلَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا هِيَ أَرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ هَزْلًا»

''ایک عورت بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی۔ اس نے اسے باندھے رکھا۔ نہ اسے کھانا کھلایا اور نہ اسے چھوڑا تا کہ وہ زمینی جانور کھا کر زندہ رہتی حتی کہ وہ بھوکی مرگئی۔''[1]

حضانت یعنی نابالغ کی تربیت کا بیان

❁ **حضانت کی تعریف:** بلوغت کی عمر کو پہنچنے تک چھوٹے بچے کو اپنے پاس رکھنا اور اس کی تربیت کرنا ''حضانت'' کہلاتا ہے۔

❁ **حضانت کا حکم:** چھوٹے بچے کے جسم، عقل اور دین کی حفاظت کے لیے حضانت لازم ہے۔

حضانت کس پر واجب ہے؟ اس کی ذمہ داری ماں باپ پر ہے اگر وہ موجود نہیں ہیں تو رشتہ داروں میں سے جو زیادہ قریب ہے، اس کی ذمہ داری ہے، اگر کوئی قرابت دار بھی نہیں ہے تو یہ حکومت یا عام مسلمانوں کا فریضہ ہے۔

حضانت میں کس کا حق زیادہ ہے؟ بچے کے ماں باپ کے مابین طلاق یا وفات کی وجہ سے جدائی ہوگئی ہو تو ماں کا حق تربیت سب سے مقدم ہے، جب تک وہ نکاح نہیں کرتی۔ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت کی کہ میرا بچہ اس کے باپ نے چھین لیا ہے تو آپ نے فرمایا:

«أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَالَمْ تَنْكِحِي» ''جب تک تو نکاح نہ کرے، اس کی زیادہ حق دار تو ہے۔''[2]

اگر ماں موجود نہیں تو اس کے بعد نانی حق دار ہے۔ اگر وہ بھی نہیں تو خالہ، اس لیے کہ نانی ماں سمجھی جاتی ہے اور خالہ ماں کے مرتبے میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ» ''خالہ ماں کی جگہ پر ہے۔''[3]

اگر یہ بھی نہیں ہیں تو دادی تربیت کرے گی، وہ بھی نہیں تو بہن اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھوپھی اور اگر ان میں سے کوئی تربیت کے لیے موجود نہیں ہے تو بچے کی ''حضانت'' باپ کی طرف منتقل ہوگی، پھر دادا، پھر بھائی، پھر بھائی کا بیٹا اور پھر چچا اور اسی طرح قریب ترین عصبہ اور حقیقی بھائی پدری بھائی (جو صرف باپ کی طرف سے ہو) پر ''حق فائق''

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب، حديث: 3318، وصحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث: 2619 بعد حديث: 2756 واللفظ لهٗ. [2] [حسن] مسند أحمد: 182/2، وسنن أبي داود، الطلاق، باب من أحق بالولد، حديث: 2276، والمستدرك للحاكم: 207/2، امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ [3] صحيح البخاري، الصلح، باب كيف يكتب: هٰذا ما......، حديث: 2699.

رکھتا ہے، جس طرح کہ حقیقی بہن، پدری بہن پر مقدم ہے۔ *

حضانت کب ساقط ہوتی ہے؟ حضانت میں چونکہ بچے کی نگہداشت اصل مقصود ہے، جس سے اس کی جسمانی، عقلی اور روحانی تربیت ہو اور جس شخص کے ذریعے یہ اغراض حاصل نہ ہو سکتے ہوں تو اس کا ''حق حضانت'' ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ ماں، اگر اس نے دوسری جگہ نکاح کر لیا ہے تو اس کا حق ختم ہو جائے گا، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي»

''جب تک تو (نئے خاوند سے) نکاح نہ کرے، اس کی (پرورش کرنے کی تو) زیادہ حق دار ہے۔''[1]

اور اس لیے بھی کہ اجنبی کے ساتھ نکاح کی صورت میں، وہ اپنے بچے کی نگہداشت اور حفاظت نہیں کر سکے گی۔ اسی طرح درج ذیل صورتوں میں ''حضانت'' کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے: عورت مجنون یا کم عقل ہے۔ متعدی امراض جذام وغیرہ میں مبتلا ہے۔ بچے کی حفاظت اور اس کے جسم وعقل کی تربیت کرنے سے عاجز ہے۔ وہ کافرہ ہے جس سے بچے کے دین وعقائد خراب ہونے کا خطرہ ہے۔

❁ **حضانت کی مدت:** بچے کے بالغ ہونے تک حق حضانت باقی رہتا ہے اور اسی طرح لڑکی کی شادی، رخصتی اور خاوند کے اس سے جماع کرنے تک اس کی حضانت کا حق باقی رہتا ہے۔ ہاں بیوی اگر اپنے خاوند سے الگ ہو گئی ہے اور اکیلی اپنی اولاد کی تربیت کر رہی ہے تو اگر لڑکی زیر تربیت ہے تو اسے سات سال تک اپنے پاس رکھ سکے گی، اس کے بعد وہ والد کی طرف منتقل ہو گی کیونکہ سات سال کے بعد والد تمام پرورش کرنے والیوں سے زیادہ حق رکھتا ہے کہ اپنی بچی کی پرورش کرے، البتہ لڑکا سات سال کا ہو جائے تو اسے ماں اور باپ کے مابین اختیار دیا جائے گا، چنانچہ وہ جس کے ساتھ جانا چاہے جا سکتا ہے اور اگر وہ کسی ایک کو اختیار نہ کرے اور دونوں اسے لینے کا مطالبہ کرتے ہوں تو ان کے مابین قرعہ اندازی کی جائے گی۔

❁ **اولاد کا نفقہ اور حضانت کی اجرت:** بچے اور تربیت کرنے والی کا ''نفقہ'' بچے کے باپ پر، اس کے مالی حالات کے مطابق ہے، اس لیے کہ تربیت کرنے والی دودھ پلانے والی کی طرح ہے جو کہ دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ﴾ ''اگر وہ تمھارے لیے دودھ پلاتی ہیں تو ان کی مزدوری دو۔''[2]

❁ یعنی حقیقی بہن کا زیادہ حق ہے کہ وہ اپنے نابالغ بھائی کی تربیت کرے۔ واللہ اعلم (ع،ر)

[1] [حسن] مسند أحمد: 182/2، و سنن أبي داود، الطلاق، باب من أحق بالولد، حديث: 2276، امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، دیکھیے: المستدرك للحاكم: 207/2. [2] الطلاق 65:6.

الا یہ کہ تربیت کرنے والی خود ہی ''حق حضانت'' نہ لینا چاہے۔ یاد رہے کہ بچے کا نفقہ اور تربیت کرنے والی کی اجرت کا معیار بچے کے والد کے مالی حالات اور استعداد کے مطابق ہوگا، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ

''وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جسے روزی کی تنگی ہے تو جو اللہ نے اس کو دیا ہے، اس کے مطابق خرچ کرے۔ اللہ ہر نفس کو اسی کا پابند کرتا ہے، جو اس نے اس کو دیا۔'' [1]

زیر پرورش بچے کا ماں کے پاس آنا جانا سات سال کی عمر میں بچے کو اگر اختیار دیا گیا اور اس نے ماں کا انتخاب کر لیا تو رات کے وقت اس کے پاس رہے گا اور دن کے وقت باپ کے پاس اور اگر اس نے باپ کو اختیار کیا ہے تو دن رات اس کے پاس ہی رہے گا، اس لیے کہ دن میں باپ کے پاس رہنے سے اکثر حالات میں اس کی تعلیم و تربیت بہتر طریق سے ہوگی، جبکہ ماں کے پاس رہنے میں اس کا امکان عام حالات میں کم ہے۔ مگر اس صورت میں جبکہ اس نے باپ کو اختیار کیا ہے، وہ جس وقت بھی ماں کو ملنے جانا چاہے تو اسے نہیں روکا جائے گا، اس لیے کہ صلہ رحمی واجب ہے اور نافرمانی حرام ہے۔

❁ **بچے کے ساتھ سفر کرنا:** اگر والدین میں سے کوئی ایک سفر پر جانا چاہتا ہے جس کے بعد وہ اپنے شہر واپس آ جائے گا تو نابالغ بچہ ان میں سے مقیم کے پاس رہے گا اور اگر سفر پر جانے والا واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا تو پھر بچے کی مصلحت کو دیکھا جائے، اگر اس کے لیے سفر پر جانا بہتر ہے تو چلا جائے ورنہ مقیم کے پاس رہے، اس لیے کہ اس بارے میں اصل ہدف زیر تربیت بچے کی مصلحت ہے۔

❁ **زیر پرورش بچہ پرورش کنندہ کے پاس امانت ہے:** تربیت کرنے والی کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے زیر تربیت بچہ اس کے پاس امانت ہے جس کی نگہداشت اور حفاظت اس کی ذمہ داری قرار پائی ہے، اگر وہ محسوس کرتی ہے کہ وہ اس کام سے عاجز ہے اور بھرپور انداز میں اس کی تربیت نہیں کر سکتی تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس سے دست بردار ہو جائے اور بچہ کسی دوسرے کے حوالے کر دے جو اس کی صحیح تربیت و حفاظت کر سکے۔ باپ سے ''اجرت حضانت'' وصول کرنا ہی اس کا اصل مقصد نہیں ہونا چاہیے جس کی وجہ سے وہ نااہلی کے باوجود بچے کو اپنے پاس رکھنے پر بضد رہے بلکہ بچے کے متولی کی طرح اس کے پیش نظر بھی محض بچے کی مصلحت ہونی چاہیے، یعنی اس کی جسمانی، عقلی اور روحانی تربیت۔ قاضی پر بھی لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اس بارے میں

[1] الطلاق 7:65.

بچے کی مصلحت کو ہی مدنظر رکھے، اس لیے کہ ''حضانت'' میں شارع علیہ السلام کا اصل مقصود صرف اور صرف بچے کی حفاظت ہے۔

باب:7

وراثت کا بیان

وراثت کا حکم مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کا وارث ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴾

''مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں باپ اور قریبی رشتے دار چھوڑ جائیں، (یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔''[1]

اور فرمایا: ﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴾

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»

''مقررہ حصے ان کے مستحقوں کو دو اور جو باقی بچے وہ (میت کے) قریب ترین مرد (رشتے دار) کا حصہ ہے۔''[3]

مزید ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»

''اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے، بنا بریں وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔''[4] ❀

وراثت کے اسباب تین اسباب وراثت میں سے کسی ایک کی وجہ سے انسان کسی دوسرے کا وارث بن سکتا ہے، اور وہ یہ ہیں:

❀ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے وارث رشتہ دار کو تہائی یا اس سے کم مال دینے کی وصیت کرے إلا یہ کہ باقی ورثاء اس کی اجازت دیں اور وہ اجازت دینے کے اہل بھی ہوں واللہ اعلم (ع،ر)

1 النسآء 4:7. 2 النسآء 4:11. یعنی والدین میں سے کوئی ایک وفات پا جائے تو اس کے ترکہ میں سے ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے حصے کے برابر ہوگا۔ (ع،ر) 3 صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث الولد من أبيه وأمه، حديث: 6732، وصحيح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها.....، حديث: 1615. 4 [حسن] سنن أبي داود، الوصايا، باب ما جاء في الوصية للوارث، حديث: 2870، اسے امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔

❁ **نسبی قرابت:** وارث میت کے اصول، یعنی ماں باپ، دادا دادی و نانی میں سے ہو یا فروع، یعنی اولاد میں سے ہو یا حواشی، یعنی اطراف، مثلاً: بہن بھائی اور بھائی کی اولاد، چچا اور اس کے بیٹوں میں سے ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ﴾

''اور ہر ایک مال میں جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، ہم نے حقدار مقرر کیے ہیں۔''[1]

❁ **نکاح:** عورت کے ساتھ صحیح عقد کا نام نکاح ہے، چاہے رخصتی اور خلوت (جماع) حاصل ہو یا نہ ہو۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ ﴾ ''اور تمھاری بیویوں کے ترکہ میں سے تمھارے لیے نصف ہے۔''[2]

میاں، بیوی طلاق رجعی کی صورت میں بھی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے (جبکہ بیوی ابھی عدت میں ہو)، نیز مرض الموت میں وراثت سے محروم کرنے کے لیے طلاق دینے والے شخص کی مطلقہ بیوی بائنہ ہونے کے باوجود اس کی وارث ہوگی۔

❁ **ولاء:** یعنی ایک شخص نے کسی غلام یا لونڈی کو آزاد کیا ہے تو اس آزادی کے سبب آزاد کرنے والا اپنے آزاد کردہ غلام اور لونڈی کا وارث ہوگا، چنانچہ اگر آزاد شدہ فوت ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ آزاد کرنے والا اس کا وارث ہوگا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»

''(آزاد کردہ کی) ولاء (حق وراثت) اس شخص کے لیے ہے جس نے اسے آزاد کیا۔''[3]

موانع وراثت

سبب وراثت کی موجودگی کے باوجود بعض موانع (رکاوٹیں) وارث کو وراثت سے محروم کر دیتے ہیں، اور وہ حسب ذیل ہیں:

❁ **کفر:** رشتہ داری کے باوجود مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا، اس لیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ، وَلَا الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ»

''کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔''[4]

❁ **قتل:** قاتل نے اگر جان بوجھ کر عَمْدًا کسی قریبی کو قتل کر دیا ہو تو سزا کے طور پر اسے مقتول کی جائیداد سے محروم❀ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَيْسَ لِلْقَاتِلِ شَيْءٌ» (يَعْنِي مِنْ تَرِكَةِ الْمَقْتُولِ)

❀ اس میں ایک حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جائیداد کو جلد پا لینے کے لالچ میں کوئی اپنے قریبی کو قتل نہ کرے۔ (ع، ر)

[1] النسآء 4:33. [2] النسآء 4:12. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب الحرة تحت العبد، حديث: 5097، وصحيح مسلم، العتق، باب بيان أن الولاء لمن أعتق، حديث: 1504. [4] صحيح البخاري، الفرائض، باب: لا يرث المسلم الكافر......، حديث: 6764، ومسند أحمد: 202/5.

’’قاتل کو (مقتول کی جائیداد سے) کچھ نہیں ملتا۔‘‘[1]

❁ **غلام ہونا:** غلام نہ خود وارث ہوتا ہے اور نہ اس سے میراث لی جاتی ہے، چاہے مکمل غلام ہو یا ناقص، مثلاً: مکاتب،⊙ ام ولد، اور وہ غلام جس کا بعض حصہ آزاد ہو، اس لیے کہ لفظ ’’رقیق‘‘ کا اطلاق مذکورہ بالا تمام غلاموں پر ہوتا ہے، البتہ بعض علماء نے مؤخر الذکر (ناقص غلام) کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس کا جتنا حصہ آزاد ہو چکا ہے، وہ اسی کے مطابق وارث بنے اور بنائے گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے اس غلام کے بارے میں روایت کرتے ہیں، جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہو۔

آپ نے فرمایا: «إِذَا أَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا أَوْ وَرِثَ مِيرَاثًا يَرِثُ عَلٰى قَدْرِ مَا عَتَقَ مِنْهُ»

’’جب مکاتب کسی حد کو پہنچے (اس پر جنایت ہونے کی صورت میں مستحق دیت بن جائے) یا ترکے کا وارث بنے تو جس قدر آزاد ہو اس کے مطابق (دیت میں سے حصے کا مستحق اور میت کا) وارث بنے گا۔‘‘[2]

❁ **زنا:** حرام زادہ (زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ) اپنے باپ (زانی) کا وارث نہیں ہوگا اور نہ اس کا باپ اس کا وارث ہوگا، البتہ وہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں اس کی وارث ہوگی باپ (زانی) وارث نہیں بنے گا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»

’’اولاد صاحب بستر (نکاح کرنے والے) کی ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں (اس کے لیے محرومی ہے اور اسے رجم کیا جائے گا۔)‘‘[3]

❁ **لعان:** لعان بھی مانع وراثت ہے، چنانچہ لعان کرنے والے میاں بیوی کا یہ بچہ جس کو باپ نے اپنا تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، باپ کا اور باپ اس بچے کا وارث نہیں ہوگا یاد رہے کہ اس کو ولد الزنا پر قیاس کیا جائے گا۔

❁ **مردہ پیدا ہونا:** وضع حمل کے وقت جس بچے کے منہ سے آواز نہ نکلے اور نہ وہ کوئی حرکت کرے بلکہ مردہ پیدا ہو، وہ نہ تو خود وارث ہوگا اور نہ اس کا کوئی وارث بنے گا، اس لیے کہ وراثت کا تعلق زندگی کے وجود سے ہوتا ہے، جس کے

⊙ وہ غلام جس نے اپنے مالک سے ایک مخصوص رقم کی بالاقساط ادائیگی کے عوض آزادی کا تحریری معاہدہ کر رکھا ہو بعد میں اگر وہ یکمشت ادائیگی کا بندوبست کر لے تو بھی درست ہے ورنہ جس قدر وہ رقم ادا کر چکا ہے اس قدر وہ آزاد ہے اور جتنی رقم اس کے ذمہ ہے اس قدر وہ غلام ہے، واللہ اعلم (ع، ر)

[1] [حسن] سنن أبي داود، الديات، باب ديات الأعضاء، حديث: 4564. [2] سنن أبي داود، الديات، باب في دية المكاتب، حديث: 4582. حدیث صحیح ہے۔ [3] صحيح البخاري، الحدود، باب للعاهر الحجر، حديث: 6818، وصحيح مسلم، الرضاع، باب الولد للفراش......، حديث: 1457.

نتیجے میں یہ حاصل ہوتی ہے، جبکہ یہاں زندگی مفقود ہے۔

✽ وراثت کی شرائط: صحت وراثت کے لیے درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

✿ مندرجہ بالا موانع میں سے کوئی مانع نہ ہو، اس لیے کہ مانع وراثت کو باطل کر دیتا ہے۔

✿ موروث (جس کا ترکہ تقسیم کرنا مقصود ہے) کی وفات ہو چکی ہو، چاہے حکمی طور پر، یعنی عدالت نے فیصلہ دیا ہو کہ فلاں گمشدہ انسان مردہ تصور کیا جائے، اس لیے کہ زندہ کو میت نہیں کہا جا سکتا اور جو میت نہیں اس کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

✿ موروث کی موت کے وقت وارث کا زندہ ہونا، چنانچہ اگر کسی عورت کے پیٹ میں بچہ ہو اور اس وقت اس عورت کی اولاد میں سے کوئی فوت ہو جائے تو یہ بچہ بھی اپنے فوت شدہ بھائی بہن کا وارث ہوگا، بشرطیکہ یہ بچہ زندہ پیدا ہو، اس لیے کہ جس دن اس کا بھائی فوت ہوا یہ شکم مادر میں زندہ تھا۔ تاہم اگر وفات کے بعد عورت حاملہ ہو تو وہ بچہ پہلے مرنے والے بھائی کا وارث نہیں ہوگا۔

مردوں اور عورتوں میں سے کون کون وارث ہیں ✽ مرد ورثاء: مردوں میں تین قسم کے لوگ وارث ہوتے ہیں: (1) خاوند: عورت فوت ہو جائے تو اس کا خاوند اس کا وارث ہوگا اگرچہ عورت طلاق رجعی کی عدت میں فوت ہوئی ہو، تاہم اگر وہ عدت گزرنے کے بعد فوت ہوئی تو وہ اس کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ وراثت پانے کا سبب، یعنی ازدواجی رشتہ ہی ختم ہو گیا۔

(2) آزاد کرنے والا اور اس کی وفات کی صورت میں اس کے مذکر عصبہ آزاد کردہ غلام کی وفات پر اس کے وارث ہوں گے۔

(3) قرابت دار: ان کی تین قسمیں ہیں: اصول، فروع اور حواشی۔

اصول میں باپ، دادا، اوپر تک (پڑدادا وغیرہ) اور فروع میں بیٹا، پوتا، نیچے تک (پڑپوتا وغیرہ) سب شامل ہیں، اسی طرح حواشی قریبہ میں بھائی اور ان کے بیٹے اور ان کے بیٹے نیچے تک اور مادری* بھائی سب داخل ہیں اور حواشی بعیدہ میں چچا اور چچا کے بیٹے اور ان کے بیٹے نیچے تک سب داخل ہیں، چاہے وہ (چچے) حقیقی (اعیانی) ہوں یا پدری (باپ کے حقیقی اعیانی بھائی ہوں یا پدری) اور یہ تمام مرد وارث ہوتے ہیں مگر اس کا مقصد یہ نہ سمجھا جائے کہ ایک ہی ترکہ میں سب وارث ہیں، اس لیے کہ بعض ورثاء بعض وارثوں کے لیے حاجب (رکاوٹ) ہوتے ہیں، مثلاً: باپ کے ہوتے ہوئے

* بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں: (ا) حقیقی: جن کے والدین ایک ہوں۔ (ب) پدری: جن کا والد ایک اور مائیں مختلف ہوں۔ (ج) مادری: جن کی ماں ایک اور باپ مختلف ہوں۔ (ع، ر)

دادااور مادری بھائی وارث نہیں ہوتے اور بیٹا بھائی کے لیے حاجب ہے اور بھائی چچا کو محروم کر دیتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔
اگر مذکورہ بالا تمام رشتہ دار ایک ہی ترکہ میں اکٹھے ہو جائیں تو ان میں سے صرف تین وارث ہوں گے:
① خاوند۔ ② بیٹا۔ ③ باپ (باقی ان تینوں کی وجہ سے محروم ہوں گے)

✤ **وارث خواتین:** خواتین میں تین قسم کی عورتیں وارث ہوتی ہیں:
① بیوی۔ ② آزاد کرنے والی مالکہ۔ ③ قرابت دار عورتیں اور ان کی تین قسمیں ہیں:
اصول: یعنی ماں، دادی اور نانی۔
فروع: یعنی بیٹی، پوتی اور نیچے تک (پڑپوتی وغیرہ۔)
حاشیہ قریبہ: بہن مطلقا حاشیہ قریبہ ہے خواہ حقیقی ہو، پدری ہو یا مادری۔

تنبیہ: پھوپھی، خالہ، نواسی اور اس کی اولاد، بھتیجی اور چچا زاد بہن ذوی الفروض اور عصبہ نہ ہونے کی وجہ وارث نہیں ہوتیں البتہ جب ذوی الفروض اور عصبہ میں سے کوئی بھی نہ ہوں تو یہ لوگ ذوی الارحام ہونے کی وجہ سے وارث قرار پائیں گے۔

مقررہ حصے کا بیان قرآن مجید کی سورۂ نساء میں چھ مقررہ حصوں کا ذکر ہوا ہے، جو کہ یہ ہیں: ✤ نصف 1/2 کل مال کے دو حصوں میں ایک۔ پانچ افراد اس کے مستحق ہوتے ہیں:
① خاوند: اگر مرنے والی بیوی کی اولاد یا اولاد کی اولاد نہ ہو، برابر ہے کہ یہ اولاد مرد ہوں یا خواتین۔
② بیٹی: جب اکیلی ہو، اس کے ساتھ کوئی اور بیٹا یا بیٹی نہ ہو۔
③ پوتی: یہ صرف اسی صورت میں نصف حصہ لے گی جب یہ اکیلی ہو۔
④ حقیقی بہن: جبکہ اس کے ساتھ میت کا بھائی، باپ، بیٹا اور پوتا نہ ہو۔
⑤ پدری بہن: جبکہ وہ اکیلی ہو اور اس کے ساتھ، بھائی، باپ، بیٹا اور پوتا نہ ہو۔

✤ **ربع (چوتھائی 1/4) مال کے کل چار حصوں میں کوئی ایک حصہ:** دو افراد اس کے مستحق ہیں:
① خاوند: اگر مرنے والی بیوی کی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو، برابر ہے کہ وہ بچے ہوں یا بچیاں، پوتے ہوں یا پوتیاں۔ بیوی کی اولاد اس خاوند سے ہو یا سابقہ خاوند سے۔
② بیوی: اگر مرنے والے خاوند کی کسی بھی بیوی سے اولاد یا اولاد کی اولاد نہ ہو، برابر ہے کہ وہ مرد ہوں یا خواتین۔

✤ **ثمن (آٹھواں حصہ 1/8) مال کے کل آٹھ حصوں میں سے ایک:** اس کا صرف ایک فرد مستحق ہوتا ہے اور وہ بیوی ہے، تاہم یہ اس وقت ثمن لیتی ہے جب خاوند کی اولاد ہو، چاہے اس بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے یا اولاد کی اولاد ہو، برابر ہے کہ وہ مرد ہوں یا خواتین۔

واضح ہو کہ اس صورت میں اگر مرنے والے (خاوند) کی کئی بیویاں ہوں تو وہ سب ثمن، یعنی آٹھویں حصے کو آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔

❁ **ثلثان (دو تہائی 2/3) مال کے کل تین حصوں میں سے دو حصے:** اس کے درج ذیل چار قسم کے وارث ہوتے ہیں: (1) دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں: جب ان کے ساتھ میت کا بیٹا، یعنی ان کا بھائی نہ ہو۔

(2) دو یا دو سے زیادہ پوتیاں: یہ اس وقت 2/3 کی وارث ہوتی ہیں، جب میت کی صلبی (حقیقی) اولاد: بیٹے، بیٹیاں یا پوتا، یعنی ان کا بھائی نہ ہو۔

(3) دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں: یہ اس وقت 2/3 کی مستحق ہوں گی، جب میت کا باپ، مذکر و مؤنث حقیقی اولاد اور حقیقی بھائی موجود نہ ہو۔

(4) دو یا دو سے زیادہ پدری بہنیں: جب ان کے ساتھ میت کا باپ، مذکر و مؤنث صلبی اولاد اور حقیقی بہن بھائی یا پدری بھائی موجود نہ ہوں۔

❁ **ثلث (ایک تہائی 1/3) کل تین حصوں میں سے ایک:** درج ذیل تین افراد اس (حصے) کے وارث ہیں:

(1) ماں: اگر مرنے والے بیٹے، بیٹی کی اپنی مذکر و مؤنث اولاد نہ ہو یا مذکر اولاد کی اولاد نہ ہو اور نہ اس کے دو یا دو سے زیادہ مطلقاً بھائی بہنیں ہوں۔

(2) دو یا دو سے زیادہ مادری بہن بھائی خواہ وہ صرف بہنیں ہوں یا صرف بھائی۔ بشرطیکہ مرنے والے کا باپ، دادا اور اولاد یا بیٹے کی اولاد نہ ہو، یعنی میت کلالہ ہو۔ ❀

(3) دادا: اگر میت کے بہن بھائی موجود ہوں اور ایک تہائی (1/3) اس کے لیے بڑا (کافی اور) وافر حصہ ہو، تاہم یہ اس صورت میں ہوگا جب دو سے زیادہ بھائی یا چار سے زیادہ بہنیں ہوں (ورنہ پھر مقاسمہ ہوگا)۔

تنبیہ: باقی مال کا ثلث: یہ دو صورتیں ہیں جن میں ماں کو کل ترکے کا ثلث (1/3) کے بجائے بیوی یا خاوند کو دے کر باقی مال کا ثلث ملتا ہے:

(1) ایک عورت فوت ہوگئی اور اپنے پیچھے صرف خاوند، باپ اور ماں کو چھوڑ گئی، اس صورت کا مخرج (اصل مسئلہ) چھ سے بنے گا: نصف (چھ کا نصف تین) خاوند کے لیے اور باقی نصف (تین) میں سے ماں کے لیے تہائی، یعنی ایک ہوگا، جبکہ باقی دو حصے عصبہ ہونے کی وجہ سے باپ کو مل جائیں گے۔

(2) ایک شخص فوت ہوگیا اور اپنے پیچھے صرف بیوی، ماں اور باپ کو چھوڑ گیا تو اس کا مسئلہ چار سے بنے گا، جس میں

❀ بہن بھائی حقیقی ہوں، پدری ہوں یا مادری ہوں، یہ صرف اس میت کے وارث ہوتے ہیں جو کلالہ ہو، یعنی اس کی اولاد ہو نہ باپ۔ (ع، ر)

سے چوتھائی 1/4 یعنی ایک بیوی کا اور باقی تین حصوں میں سے ایک تہائی 1/3 یعنی ایک حصہ ماں کے لیے اور باقی دو عصبہ ہونے کی بنا پر باپ کے لیے ہوں گے۔

ان دونوں صورتوں میں ماں کو کل ترکہ کا ثلث نہیں بلکہ باقی کا ثلث ملتا ہے، یہی فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، اسی لیے یہ دونوں مسئلے ''عمریتین'' کے نام سے معروف ہیں۔

✽ **سدس (چھٹا 1/6) ترکہ کے کل چھ حصوں میں ایک:** درج ذیل سات افراد اس کے مستحق ہیں:

(1) **ماں:** اگر میت کی اولاد یا بیٹے کی اولاد ہو یا دو یا دو سے زیادہ حقیقی یا پدری یا مادری بھائی بہنیں ہوں، برابر ہے کہ وہ وارث ہوں یا محجوب۔⊙

(2) **نانی جدہ:** دادی یا اگر میت کی ماں نہ ہو تو نانی اکیلی وارث ہوگی اور اگر اس کے ساتھ میت کی دادی بھی ہو تو وہ دونوں سدس (1/6) کو برابر تقسیم کریں گی۔

تنبیہ: وراثت میں اصل جدہ ام الام (نانی) ہے، جبکہ جدہ ام الاب (دادی) کو اس پر محمول کیا جاتا ہے۔

(3) **باپ:** یہ علی الاطلاق چھٹے حصے کا وارث ہوتا ہے، چاہے مرنے والے بیٹے یا بیٹی کی اولاد ہو یا نہ ہو۔

(4) **دادا:** یہ باپ کی عدم موجودگی میں سدس کا وارث ہوتا ہے کیونکہ یہ اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔

(5) **مادری بھائی یا بہن:** اگر مرنے والے کا باپ، دادا، اولاد اور بیٹے کی اولاد نہ ہو، یعنی میت کلالہ ہو، نیز یہ کہ صرف مادری بھائی یا صرف مادری بہن ہو، ان کے ساتھ میت کا کوئی اور بھائی یا بہن موجود نہ ہو۔

(6) **پوتی یا پوتیاں:** اگر میت کی صرف ایک بیٹی ہو، نیز پوتی کا کوئی بھائی (پوتا) موجود نہ ہو اور نہ اس کے مساوی درجے میں اس کے چچے کا کوئی بیٹا ہو، یعنی پوتی کا چچا زاد یا تایا زاد بھائی بھی نہ ہو، برابر ہے کہ سدس (1/6) کی وارث ایک پوتی ہو یا زیادہ۔ (زیادہ پوتیاں ہوں تو سدس سب پر برابر تقسیم ہو جائے گا۔)

(7) **پدری بہن:** بشرطیکہ اس کے ساتھ ایک حقیقی بہن بھی موجود ہو، نیز اس کے ساتھ کوئی پدری بھائی، ماں، دادا اور اولاد یا بیٹے کی اولاد نہ ہو۔

عصبہ کا بیان

✽ **عصبہ کی تعریف:** اکیلا وارث ہونے کی صورت میں کل مال سمیٹنے اور اصحاب الفروض کے ہوتے ہوئے ان سے بچ جانے والا مال لینے والے شخص کو عصبہ کہتے ہیں، تاہم اصحاب فرائض کو ان کے حصے ادا کر دینے کے بعد اگر ترکے سے کچھ نہ بچے تو وہ محروم ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»

⊙ محجوب: وہ وارث جسے کسی دوسرے وارث کی وجہ سے میراث میں سے کچھ بھی نہ ملے یا کم حصہ ملے۔

''مقررہ حصہ ان کے وارثوں کو دے دو اور جو بچ جائے وہ (بلحاظ رشتہ میت کے) قریب ترین مرد کا ہے۔'' [1]

❁ **عصبہ کی اقسام:** عصبہ کی تین اقسام ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(1) **عصبہ بنفسہ:** اور وہ حسب ذیل ہیں: باپ، دادا اور اوپر تک (پڑدادا وغیرہ۔) بیٹا، پوتا اور نیچے تک (پڑپوتا وغیرہ۔) حقیقی بھائی، پدری بھائی، حقیقی یا پدری بھائی کا بیٹا نیچے تک۔ باپ کا حقیقی یا پدری بھائی، یعنی میت کا چچا حقیقی یا پدری چچا کا بیٹا نیچے تک۔ اسی طرح آزاد کرنے والا، چاہے مرد ہو یا عورت، آزاد کرنے والے کے عصبہ بنفسہ اور بیت المال۔ ❀

(2) **عصبہ بغیرہ:** وہ عورت ہے جو کسی مرد کی معیت سے عصبہ بنے اور تقسیم میں ''ایک مرد دو عورتوں کے برابر'' کے قاعدے کے مطابق حصہ دار بنے، مثلاً: حقیقی بہن جبکہ اس کے ساتھ حقیقی بھائی موجود ہو، پدری بہن جب اس کے ساتھ پدری بھائی موجود ہو اور بیٹی، بیٹے، یعنی اپنے بھائی کے ساتھ اور پوتی جبکہ اس کے ساتھ اس کا بھائی، یعنی پوتا بھی ہو یا پوتی کسی اور پوتے، یعنی اپنے چچا زاد یا تایا زاد بھائی کے ساتھ، بشرطیکہ پوتی صاحبۂ فرض نہ بن رہی ہو اور اگر وہ حصۂ مقرر کی مستحق بنتی ہو تو اس سے نیچے کا پوتا، یعنی پڑپوتا اسے عصبہ نہیں بنا سکتا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص بیٹی، پوتی اور پڑپوتا چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس صورت میں بیٹی کو نصف (1/2) اور پوتی کو سدس (1/6) ملے گا جس کا مجموعہ دو تہائی ہو گا، اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے پڑپوتے کو ملے گا (پوتی کو مقررہ حصہ (چھٹا) ہی ملا ہے پڑپوتے کے ساتھ مل کر وہ عصبہ نہیں بنی۔) یا اگر کوئی شخص پوتی اور پڑپوتا چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس صورت میں پوتی کو نصف (1/2) ملے گا، اس لیے کہ یہ اصحاب فروض سے ہے اور باقی نصف عصبہ ہونے کی وجہ سے پڑپوتے کو ملے گا یا اگر کوئی شخص دو پوتیاں اور ایک پڑپوتا چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس صورت میں بطور فرض دو تہائی دونوں پوتیوں کو ملے گا اور باقی عصبہ ہونے کی بنا پر پڑپوتے کا حق ہے۔ تاہم پوتی صرف اسی صورت میں حصہ لے گی جب وہ درجے میں پوتے کے برابر ہو، پوتی اور پوتے کا درجہ اسی طرح پڑپوتی اور پڑپوتے کا درجہ یکساں ہوں چاہے یہ آپس میں چچا زاد ہی ہوں یا اوپر ہو، یعنی میت سے زیادہ قریب ہو، مثلاً: پوتی پڑپوتے کی نسبت میت سے زیادہ قریب ہے، اور درجے میں اس سے نیچے ہونے کی صورت میں وہ محجوب ہو جائے گی اور قطعاً وارث نہیں ہو گی، یعنی بیٹے کی موجودگی میں پوتی اور پوتے کی موجودگی میں پڑپوتی محروم رہے گی۔

(3) **عصبہ مع غیرہ:** اس سے مراد وہ عورت ہے جو کسی دوسری عورت کی معیت میں عصبہ بنے جیسا کہ ایک یا زیادہ حقیقی بہنیں، ایک یا زیادہ بیٹیوں یا ایک یا زیادہ پوتیوں کے ساتھ مل کر عصبہ مع الغیر بن جاتی ہیں۔ واضح ہو کہ ان صورتوں میں

❀ بیت المال کا نمبر ذوی الفروض، عصبہ اور ذوی الارحام کے بعد آتا ہے۔ دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ عنوان: ذوی الارحام کی وراثت کا حکم۔

[1] صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث ابن الابن، حديث: 6735، و صحيح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها......، حديث: 1615.

پدری بہن بھی حقیقی بہن کی طرح ہے، نیز ان صورتوں میں بیٹی اور بیٹیوں، پوتی اور پوتیوں کے حصص نکالنے کے بعد جو بچے گا وہ حقیقی یا پدری بہن کو ملے گا، بشرطیکہ وہ اکیلی ہو۔ لیکن اگر اس کی دیگر بہنیں بھی ہوں تو وہ سب برابر حصہ دار ہوں گی۔ البتہ یہ ملحوظ رہے کہ حقیقی بہن، حقیقی بھائی کی مانند ہے، لہٰذا اس کی موجودگی میں پدری بہن بھائی محروم رہیں گے اور پدری بہن پدری بھائی کی طرح ہے، لہٰذا وہ بھتیجے کے لیے مطلقاً حاجب ہوگی، چنانچہ وہ میراث سے محجوب ہو جائے گا۔

تنبیہ: مشرّکہ مسئلہ: ایک عورت خاوند، ماں یا جدہ (دادی، نانی)، مادری بھائیوں اور ایک یا زیادہ حقیقی بھائیوں کو چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس صورت میں اصل مسئلہ چھ سے ہوگا جس میں سے نصف، یعنی تین حصے خاوند کو، چھٹا، یعنی ایک حصہ ماں (یا جدہ) کو اور ایک تہائی، یعنی دو حصے مادری بھائیوں کو ملے گا اور حقیقی بھائی یا بھائیوں کے لیے کچھ نہیں بچتا کیونکہ وہ عصبہ ہیں اور ترکہ کے اصحاب الفروض میں مکمل ہو جانے کی صورت میں عصبہ محروم ہوتے ہیں۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کر کے حقیقی بھائی یا بھائیوں کو مادری بھائیوں کے حصہ تہائی میں شریک قرار دیا ہے، لہٰذا سب یہی برابر تقسیم کریں گے چونکہ یہ ایک مخصوص صورت ہے جس میں حقیقی بھائی مادری بھائی کی مانند ہے اور عورت کو بھی مرد کے برابر حصہ ملتا ہے، اسی لیے یہ مسئلہ ''مسئلہ مشترکہ'' ''مشرّکہ، حجریہ'' کے مختلف ناموں سے معروف ہے۔ اس لیے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب حقیقی بھائیوں کو وراثت سے محروم کیا تو انھوں نے عرض کی کہ آپ فرض کریں کہ ہمارا باپ پتھر یعنی کوئی نہیں ہے، کیا ہماری ماں ایک نہیں ہے۔ پھر ہم محروم اور ہمارے (مادری) بھائی وارث کیسے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے اور ایک تہائی میں حقیقی بھائیوں کو مادری بھائیوں کا شریک قرار دے دیا۔

حجب کا بیان ❖ **حجب کی تعریف:** کسی وارث کو کل یا بعض حصے سے محروم کر دینا حجب کہلاتا ہے۔

❖ **حجب کی اقسام:** حجب کی دو اقسام ہیں: ❖ **حجب نقصان:** کسی وارث صاحب فرض کو بڑے معین حصے سے چھوٹے معین حصے کی طرف منتقل کرنا یا اصحاب الفروض کی فہرست سے نکال کر عصبہ کی فہرست میں داخل کر دینا یا عصبہ کی صف سے نکال کر اصحاب فروض کی صف میں شامل کر دینا، حجب نقصان کہلاتا ہے۔

حجب نقصان کا باعث مندرجہ ذیل پانچ افراد ہیں:

(1) **بیٹا اور پوتا نیچے تک:** بیٹا اور پوتا نیچے تک، خاوند کو نصف ترکے سے محروم کر کے ربع، یعنی چوتھائی کی طرف اور بیوی کو ربع، یعنی چوتھائی سے محروم کر کے ثمن، یعنی آٹھویں حصے کی طرف، جبکہ باپ اور دادا کو عصبہ کی حیثیت سے محروم کر کے انھیں سدس، یعنی چھٹے حصے کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔

(2) **بیٹی:** بیٹی ایک پوتی کو نصف سے محروم کر کے سدس، یعنی چھٹے حصے کی طرف، ایک سے زیادہ پوتیوں کو دو تہائی (2/3) سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف، حقیقی یا پدری بہن کو نصف سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف، ایک سے

زیادہ حقیقی یا پدری بہنوں کو دو تہائی (2/3) سے محروم کر کے عصبہ کی طرف، خاوند کو نصف سے چوتھائی کی طرف، بیوی کو چوتھائی سے آٹھویں حصے کی طرف اور ماں کو تہائی سے چھٹے حصے کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔ یاد رہے کہ مذکورہ بالا صورتوں میں اصحاب الفروض پر وراثت تقسیم کرنے کے بعد اگر کچھ مال بچ گیا تو بطور عصبہ باپ یا دادا کو دے دیا جائے گا۔

③ پوتی: پوتی پڑپوتیوں کو، بشرطیکہ ان کے ساتھ مساوی درجے میں ان کا کوئی بھائی یا چچا زاد، یعنی میت کا پڑپوتا نہ ہو، اگر ایک پڑپوتی ہو تو اسے نصف سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف، اگر ایک سے زیادہ پڑپوتیاں ہوں تو انھیں دو تہائی سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف، حقیقی یا پدری بہن کو نصف سے عصبہ کی طرف، ایک سے زیادہ حقیقی اور پدری بہنوں کو دو تہائی (2/3) سے عصبہ کی طرف، خاوند کو نصف سے چوتھائی کی طرف، بیوی کو چوتھائی سے آٹھویں حصے کی طرف، ماں کو ایک تہائی سے چھٹے حصے کی طرف اور باپ اور دادا کو عصبہ سے چھٹے حصے کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔ تاہم اصحاب الفروض سے جو مال بچ جائے گا وہ بطور عصبہ باپ اور اس کی وفات کی صورت میں دادا کو دے دیا جائے گا۔

④ دو یا زیادہ بھائی: حقیقی، مادری یا پدری ہوں۔ ماں کو تہائی (1/3) حصے سے محروم کر کے چھٹے حصے (1/6) کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔

⑤ حقیقی بہن: حقیقی بہن، پدری بہن کو، بشرطیکہ پدری بہن کے ساتھ اس کا پدری بھائی، جو اس کے لیے باعث عصبہ ہو، موجود نہ ہو، نصف سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف اور ایک سے زیادہ پدری بہنوں کو، بشرطیکہ ان کو عصبہ بنانے والا پدری بھائی ان کے ساتھ موجود نہ ہو، دو تہائی (2/3) سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔

✿ حجب حرمان: کوئی وارث کسی دوسرے وارث کو اس کے تمام تر حصے سے محروم کر دے جس کا وہ اس کی عدم موجودگی میں وارث تھا، حجب اسقاط یا حجب حرمان کہلاتا ہے۔* کلی طور پر محروم کر دینے والے درج ذیل انیس افراد ہیں:

① بیٹا: بیٹے کی موجودگی میں پوتا، پوتی، بھائی اور چچا مطلقاً محروم ہوتے ہیں۔

② پوتا: پوتے کی موجودگی میں اس سے نیچے درجے کے پوتے اور پوتیاں، یعنی پڑپوتے اور پڑپوتیاں محروم ہوتے ہیں، اور بیٹا جن کے لیے حاجب اور مانع (باعث محرومی) ہوتا ہے، بعینہ پوتا بھی ان کے لیے حاجب ہوتا ہے۔

③ بیٹی: بیٹی کی موجودگی میں بھائی مطلقاً محروم ہوتا ہے۔

④ پوتی: پوتی کی موجودگی میں بھی مادری بھائی مطلقاً محروم ہوتا ہے۔

* حجب حرمان کا پہلا اصول یہ ہے کہ جب اصل وارث موجود ہو تو اس کے واسطے سے وارث بننے والا محروم ہوگا۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ جب اقرب (میت سے قریب کا رشتہ رکھنے والا) وارث موجود ہو تو ابعد (دور کا رشتہ رکھنے والا) وارث محروم ہوگا (تفہیمات سراجی از مولانا فضل الرحمٰن کلیم کاشمیری)

(5) ایک سے زیادہ بیٹیاں: ایک سے زیادہ بیٹیوں کی موجودگی میں مادری بھائی مطلقاً محروم ہوتے ہیں، نیز ایک سے زیادہ پوتیاں بھی محروم ہوتی ہیں، بشرطیکہ ان کے ساتھ مساوی درجے میں ان کا کوئی بھائی یا چچا زاد موجود نہ ہو جو انھیں عصبہ بنا دے۔

(6) ایک سے زیادہ پوتیاں: ایک سے زیادہ پوتیوں کی موجودگی میں مادری بھائی اور پڑپوتی یا پڑپوتیاں وارث نہیں ہوتیں، ہاں اگر مساوی درجے میں ان کا کوئی بھائی یا چچا زاد موجود ہو تو وہ عصبہ کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے اور بچے ہوئے مال کے وارث ہوں گے۔

(7) حقیقی بھائی: حقیقی بھائی کی موجودگی میں پدری بھائی اور چچا زاد مطلقاً وارث نہیں ہوتے۔

(8) حقیقی بھائی کا بیٹا: حقیقی بھائی کے بیٹے کی موجودگی میں چچا مطلقاً محروم ہوتا ہے اور اسی طرح پدری بھائی کا بیٹا اور اس سے نیچے بھتیجوں کے بیٹے بھی مطلقاً وارث نہیں ہوتے۔

(9) پدری بھائی: پدری بھائی کی موجودگی میں چچا مطلقاً اور حقیقی اور پدری بھائی کے بیٹے محروم ہوتے ہیں۔

(10) پدری بھائی کا بیٹا: پدری بھائی کے بیٹے کی موجودگی میں چچا مطلقاً اور بھتیجوں کے بیٹے وارث نہیں ہوتے۔

(11) حقیقی چچا: حقیقی چچے کی موجودگی میں پدری چچا، یعنی باپ کا پدری بھائی اور اس سے نیچے کے چچا زاد مطلقاً محروم ہوں گے۔

(12) حقیقی چچا کا بیٹا: حقیقی چچا کا بیٹا پدری چچے کے بیٹے اور پوتوں کو محروم کر دیتا ہے۔

(13) پدری چچا: پدری چچا کی موجودگی میں چچا کے بیٹے مطلقاً محروم ہوتے ہیں۔

(14) حقیقی بہن بیٹی کے ساتھ: حقیقی بہن کے ساتھ اگر بیٹی موجود ہو تو پدری بھائی محروم ہے، اس لیے کہ بیٹی کے ساتھ حقیقی بہن، حقیقی بھائی کے مرتبے میں ہوتی ہے جبکہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں پدری بھائی محروم ہوتا ہے۔

(15) حقیقی بھائی پوتی کے ساتھ: حقیقی بھائی کے ساتھ اگر پوتی موجود ہو تو پدری بھائی محروم ہوتا ہے۔

(16) دو حقیقی بہنیں: دو حقیقی بہنوں کے ساتھ پدری بہن وارث نہیں ہوتی، الا یہ کہ اس کے ساتھ اس کا بھائی موجود ہو تو وہ عصبہ شمار ہوگی۔ خیال رہے کہ مذکورہ بالا صورت میں دو حقیقی بہنوں کے ساتھ پدری بہن اسی مرتبے میں ہوگی جس مرتبے میں، دو بیٹیوں کے ساتھ پوتی ہوتی ہے، لہٰذا جس طرح دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتی محروم ہوتی ہے اسی طرح دو حقیقی بہنوں کی موجودگی میں پدری بہن محروم ہوگی۔ ہاں اگر پدری بہن کے ساتھ اس کا ہم مرتبہ بھائی یا چچا زاد ہو تو وہ عصبہ شمار ہوگی۔ جس طرح پوتی کے ساتھ اس کا ہم مرتبہ بھائی یا چچا زاد ہو تو وہ عصبہ شمار ہوتی ہے۔

⑰ باپ: باپ زندہ ہو تو دادا، دادی، چچا اور بھائی مطلقاً محروم ہو جائیں گے۔

⑱ دادا: دادا زندہ ہو تو دادا کا باپ، میت کے مادری بھائی اور چچا مطلقاً محروم ہوتے ہیں، اور اسی طرح بھتیجے بھی وارث نہیں ہوں گے۔

⑲ ماں: ماں کی موجودگی میں دادی اور نانی محروم ہیں۔

دادا کے احوال دادا، بیٹے کی اولاد، چچا اور اس کے بیٹے اور بھتیجوں کی وراثت کی تصریح اگرچہ کتاب اللہ میں وارد نہیں، تاہم رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان میں ان کا وارث ہونا ثابت فرما دیا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»

''مقررہ حصہ ان کے وارثوں کو دے دو اور جو بچ جائے وہ (بلحاظ رشتہ میت کے) قریب ترین مرد کا ہے۔''[1]

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ ''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔''[2] میں لفظ ''اولاد'' پوتے، پوتیوں کو بھی شامل ہے۔

بنابریں مندرجہ بالا افراد کی وراثت پر فقہائے امت کا اجماع ہے۔ لیکن جب آیت ﴿وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ﴾ اور فرمان الٰہی ﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ میں لفظ ''اب'' دادا کو بھی شامل ہے، لہٰذا وہ سدس (چھٹا حصہ) لینے میں باپ کی طرح ہے جب میت کا بیٹا یا پوتا موجود ہو یا بیٹے، پوتے کے ساتھ ساتھ بیٹی، پوتی بھی ہو۔ اور اگر اکیلا دادا ہو تو وہ کل مال سمیٹ لے گا اور اگر اصحاب الفروض بھی موجود ہوں تو باقی کا بطریق عصبہ مستحق ہوگا، البتہ بھائیوں کے مسئلے میں وہ باپ کے حکم سے مختلف ہے، اس لیے کہ باپ کی موجودگی میں بھائی ساقط ہو جاتے ہیں، جبکہ دادا ان کو محروم نہیں کرتا بلکہ ان کے ساتھ وارث ہوتا ہے کیونکہ دادا اور بھائی میت کے ساتھ درجۂ قرابت داری میں برابر ہیں، اس لیے کہ دونوں فریق باپ کے واسطے سے میت سے تعلق رکھتے اور اس کے وارث بنتے ہیں۔

دادا کے پانچ احوال ہیں: ① دادا کے ساتھ اگر کوئی اور وارث نہ ہو تو وہ بطور عصبہ کل مال سمیٹ لے گا۔

② اس کے ساتھ صرف اصحاب الفروض ہوں تو اس کو بطور فرض چھٹا حصہ الگ ملے گا اور اگر کچھ باقی بچ گیا تو وہ بھی بطور عصبہ اسے دے دیا جائے گا۔

③ اگر اس کے ساتھ میت کا بیٹا یا پوتا ہو تو اس کو صرف چھٹا حصہ ملے گا بچا ہوا مال بیٹا یا پوتا لے گا کیونکہ وہ عصبہ کی ترتیب میں دادا کی نسبت میت سے زیادہ قریب ہیں۔

[1] صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث ابن الابن......، حديث: 6735، وصحيح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها، حديث: 1615. [2] النسآء 4:11.

④ اس کے ساتھ اگر صرف میت کے حقیقی یا پدری بھائی ہوں تو کل مال کے تہائی (1/3) یا مقاسمہ میں سے جو حصہ زیادہ ہو، وہ دادا کو دیا جائے گا، تاہم اگر بھائی دو سے یا بہنیں چار سے زیادہ نہ ہوں تو دادا کے لیے (تہائی 1/3 کے بجائے) مقاسمہ بہتر رہے گا۔

⑤ اگر اس کے ساتھ بھائی اور اصحاب الفروض ہوں تو درج ذیل میں سے جو بھی اس کے لیے زیادہ اور بہتر ہو گا، اسے دے دیا جائے گا۔

کل ترکے کا سدس (چھٹا حصہ) یا اصحاب الفروض کو دینے کے بعد باقی مال کا ثلث (تہائی) یا بھائیوں کے ساتھ (مقاسمہ) باہمی تقسیم۔ البتہ اگر پورا ترکہ اصحاب الفروض کے حصے میں تقسیم ہو گیا تو بھائی محروم ہوں گے اور دادا کو صاحب فرض کی حیثیت سے چھٹا حصہ ملے گا، اس صورت میں اگر ورثے میں حصہ داروں کے حصے پورے نہ ہو سکیں تو مسئلے میں عول ❀ ہو گا۔

تنبیہ: ✽ مسئلہ معادہ: یہ مسئلہ دراصل "مقاسمہ" ⊙ کی ایک شکل ہے، اگر دادا کے ساتھ حقیقی اور پدری بھائی ہیں تو دادا کو حقیقی بھائی فرض کر لیں گے پدری بھائی حقیقی بھائیوں کے ساتھ مقاسمہ (باہمی تقسیم) ■ میں شمار ہوں گے، پھر دادا کو حصہ دے کر پدری بھائی محروم ہو جائیں گے اور پدری بھائی کا حصہ حقیقی بھائی کو مل جائے گا، مثلاً: ایک شخص فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے دادا، ایک حقیقی بھائی اور ایک پدری بھائی چھوڑ گیا۔ تو افراد کے مطابق ترکہ کے تین حصے ہوں گے۔ ایک حصہ دادا لے گا، ایک حقیقی بھائی کا اور ایک پدری کا۔ دادا کا حصہ نکالنے کے بعد باقی دونوں حصے حقیقی بھائی کو ملیں گے اور پدری بھائی محروم ہو جائے گا کیونکہ حقیقی بھائی پدری بھائی کو محروم کر دیتا ہے۔

✽ مسئلہ اکدریہ: ایک عورت، خاوند، ماں، حقیقی یا پدری بہن اور دادا چھوڑ کر فوت ہو گئی، اصل مسئلہ چھ سے بنے

❀ مخرج، یعنی اصل مسئلہ جب اس میں جمع شدہ مقررہ حصوں کے لیے پورا نہ ہو سکے تو سہام میں اضافہ کر دیا جاتا ہے نتیجتاً ہر ذوی الفروض کے مقررہ حصے میں ایک ہی نسبت سے کمی آ جاتی ہے۔ (عبدالولی)

⊙ مقاسمہ: "تقسیم وراثت میں حقیقی اور پدری بھائیوں کے ساتھ دادا کو حقیقی بھائی فرض کر لینے کا نام "مقاسمہ" ہے۔

■ اب یہ کل تین بھائی ہو گئے فرضی حقیقی بھائی (دادا)، اصلی حقیقی بھائی اور پدری بھائی، اصول یہ ہے کہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں پدری بھائی محروم ہوتا ہے، لہٰذا کل جائیداد کے دو حصے کیے جائیں نصف حقیقی بھائی لے اور نصف فرضی حقیقی بھائی (دادا)۔ لیکن دادا کا حصہ جو کہ نصف بن رہا ہے کم کرنے کے لیے تقسیم وراثت میں حقیقی کے ساتھ ساتھ پدری بھائی کو بھی وارث شمار کیا جائے گا اور مال کے دو کے بجائے تین حصے کیے جائیں گے لیکن جب فرضی حقیقی بھائی (دادا) اپنا حصہ (تہائی) وصول کر لے گا تو پدری بھائی کچھ لیے بغیر درمیان سے نکل جائے گا اور باقی مال (دونوں حصے) حقیقی بھائی وصول کر لے گا، یعنی پدری بھائی صرف دادا کا حصہ کم کرنے کے لیے وارث شمار کیا جائے گا، اسے حصہ دینا مقصود نہیں۔ (محمد عبدالجبار)

گا کیونکہ اس مسئلے میں سدس (چھٹا حصہ) ہے۔ نصف (تین) خاوند کے لیے، تہائی (دو) ماں کا اور نصف (تین) بہن کا اور چھٹا حصہ (ایک) دادا کا ہے۔ عول کے بعد کل ترکہ کے چھ کی بجائے نو حصے ہوں گے؟ پھر دادا بہن سے مقاسمے کا تقاضا کرے گا، لہٰذا دادا کا ایک حصہ اور بہن کے تین حصے ملا کر چار حصوں کو بہن اور دادا کے درمیان ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ ''مذکر کو مؤنث سے دوگنا'' کے قاعدے کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔ •

اس مسئلے کو الگ طور پر اس لیے ذکر کیا جاتا ہے کہ اصولاً دادا کے ساتھ بہن صاحبۂ فرض نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے بھائی کی طرح عصبہ ہوتی ہے۔ مگر اس مسئلہ میں اسے صاحبۂ فرض قرار دے کر نصف ترکہ دیا گیا ہے، اور پھر دونوں (بہن اور دادا) کے حصے ملا کر مقاسمہ کر لیا گیا ہے۔ اس صورت میں بہن نصف کی بجائے چھٹے حصے کی اور دادا تہائی کا وارث ہوا برعکس اس کے جو (مقاسمہ سے پہلے) فرض کیا گیا تھا۔ اس طرح بہن کا حصہ مکدر ہو کر رہ گیا ہے، یعنی مقرر زیادہ ہوا اور ملا کم۔ ❀

فرائض کی تصحیح ❀ **اصول فرائض:** اصول فرائض سات ہیں، ⊙ جو درج ذیل ہیں: دو، تین، چار، چھ، آٹھ، بارہ اور چوبیس۔ نصف کا اصل دو ہے، ثلث کا تین، ربع کا چار، سدس کا چھ اور ثمن کا اصل آٹھ ہے۔ اگر ربع اور سدس (لینے والے اصحاب الفروض) اکٹھے ہوں تو اصل مسئلہ بارہ سے ہوگا اور اگر ثمن، سدس یا ثلث کے ساتھ جمع ہو تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوگا۔

❀ **مثالیں:** (1) خاوند اور بھائی: مسئلہ دو سے بنا۔ نصف (ایک) خاوند کو ذوی الفرض ہونے کی وجہ سے اور نصف (ایک) بھائی کو بطور عصبہ ملا۔

• علمائے میراث کے ہاں اس مسئلہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس مسئلہ کے حل مذکور نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مسلک مکدر کر دیا ہے کہ ان کا قاعدہ و ضابطہ ٹوٹ گیا ہے یا یہ کہ صحابی مذکور سے اس مسئلہ کو دریافت کرنے والی عورت قبیلہ اکدر سے تعلق رکھتی تھی۔ (فاروق صارم)

❀ صورت مسئلہ یوں ہوں گی کہ اصل مسئلہ چھ ہے جو نو کی طرف عول ہوا۔ بہن اور دادا پر ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ کے مطابق مقاسمہ کریں تو کسر واقع ہے، نسبت تخالف کی وجہ سے تین کو نو سے ضرب دی تو ستائیس حاصل ہوئے۔ ہر وارث کو جو اولاً ملا اسے عدد عول کے اوپر درج شدہ تین سے ضرب دی تو حاصل ضرب اس وارث کا حصہ نکلا، مثلاً: خاوند کو تین حصے ملے تین کو 3 میں ضرب دینے سے حاصل 9 ہے یہ اس کا حصہ ہے ماں کا حصہ 2 کو 3 میں ضرب دینے سے حاصل 6۔ یہ ماں کا حصہ ہے اس طرح بہن اور دادا دونوں کو کل چار ملے، جب تین سے ضرب دی تو بارہ ہو گئے، اب بارہ دونوں پر ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ کے مطابق تقسیم کیے تو بہن کو چار اور دادا کو آٹھ سہام (حصے) مل گئے۔ (فاروق صارم)

⊙ تقسیم وراثت کے مسائل میں انھی سات اعداد میں سے کوئی ایک عدد اصل مسئلہ ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس تعداد میں ترکے کے حصے کر لیے جائیں تو تقسیم مکمل ہو جائے گی الا یہ کہ عول، رد یا کسر کی نوبت آئے۔ (ع، ر)

(2) ماں اور باپ: مسئلہ تین سے بنا۔ ماں کو ثلث (ایک) اور باقی (دو) عصبہ کی حیثیت سے باپ کو مل گئے۔

(3) بیوی اور بھائی: مسئلہ چار سے بنا۔ چوتھائی (ایک) بیوی کو دیا، جبکہ باقی بھائی بوجۂ عصبہ ہونے کے لے گیا۔

(4) ماں، باپ اور بیٹا: مسئلہ چھ سے بنا، ماں کو سدس (ایک) اور باپ کو سدس (ایک) اور باقی (چار) بحیثیت عصبہ بیٹے کو دیے۔

(5) بیوی اور بیٹا: مسئلہ آٹھ سے بنا، بیوی کو آٹھواں (ایک) اور باقی بیٹے کو عصبہ ہونے کی وجہ سے دے دیے۔

(6) بیوی، ماں اور چچا: مسئلہ بارہ سے ہوا کیونکہ ربع اور ثلث جمع ہوئے ہیں، لہٰذا چوتھا حصہ (تین) بیوی کو ملا اور تہائی (چار) ماں کے اور باقی عصبہ کی حیثیت سے چچا کو مل گئے۔

(7) بیوی، ماں اور بیٹا: ثمن اور سدس کے اجتماع سے اصل مسئلہ چوبیس ہوا تو آٹھواں حصہ (تین) بیوی کو اور چھٹا حصہ (چار) ماں کو، جبکہ باقی ترکہ بیٹے کو عصبہ ہونے کی وجہ سے دے دیا۔

عول کا بیان:

✽ **عول کی تعریف:** مخرج، یعنی اصل مسئلے کا مقررہ حصوں کے لیے پورا نہ ہو سکنے کی صورت میں سہام میں اضافہ کرنے اور نتیجتاً ہر ذوی الفروض کے مقررہ حصے میں حصوں کی نسبت سے کمی آنے کو علم میراث کی اصطلاح میں "عول" کہتے ہیں۔

✽ **عول کا حکم:** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوا تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عول سے کام لیا جائے۔ بایں وجہ تمام مسلمانوں میں اس کے مطابق عمل جاری ہے۔

کن اصول میں عول واقع ہوتا ہے؟ عول چھ، بارہ اور چوبیس میں واقع ہوتا ہے۔ چھ میں عول 9,8,7 اور 10 کی طرف (طاق عدد ہو یا جفت) ہوتا ہے۔ بارہ میں 15,13 اور سترہ کی طرف (صرف طاق میں) اور چوبیس میں صرف ستائیس کی طرف عول ہوتا ہے۔ عول کی مثالیں درج ذیل ہیں:

(1) چھ کا عول سات تک: خاوند، حقیقی بہن اور دادی، اصل مسئلہ چھ سے بنا۔ خاوند کو نصف (تین) حقیقی بہن کو بھی نصف (تین) اور دادی کو چھٹا حصہ (ایک) ملا۔ پس مسئلہ کا سات کی طرف عول ہو گیا۔

(2) چھ کا عول آٹھ کی طرف: خاوند، دو حقیقی بہنیں اور ماں۔ اصل مسئلہ چھ سے بنا۔ نصف (تین) خاوند کے اور دو تہائی (چار) دو حقیقی بہنوں کے اور چھٹا حصہ (ایک) ماں کا ہوا۔ تو مسئلہ آٹھ کی طرف عول ہو گیا۔

(3) بارہ کا عول تیرہ کی طرف: بیوی، ماں اور دو پدری بہنیں: اصل مسئلہ بارہ ہوا کیونکہ مسئلے میں سدس اور ربع جمع ہیں، بیوی کو چوتھا حصہ (تین) ملا اور ماں کو چھٹا حصہ (دو) جبکہ دو علاتی بہنوں کو دو تہائی حصہ (آٹھ) ملا۔ مسئلے کا تیرہ کی طرف عول ہوا۔

④ چوبیس کا عول ستائیس کی طرف: بیوی، دادا، ماں اور دو بیٹیاں: مسئلہ چوبیس سے بنا کیونکہ یہاں ثمن اور سدس جمع ہو گئے ہیں، آٹھواں حصہ (تین) بیوی کو، چھٹا حصہ (چار) دادا کو، چھٹا حصہ (چار) ماں کو اور دو تہائی (سولہ) دو بیٹیوں کو ملے۔ مسئلے کا عول ستائیس کی طرف ہوا۔

❀ **اصول بنانے کا طریقہ:** ورثاء کی درج ذیل چار حالتیں ہیں: ① ورثاء صرف عصبہ مرد ہوں۔

② ورثاء عصبہ، مرد وخواتین ہوں۔

③ عصبہ کے ساتھ اصحاب الفروض بھی ہوں۔

④ صرف اصحاب الفروض ہوں۔

اگر پہلی صورت ہو تو افراد کی تعداد رؤس کے مطابق اصل مسئلے کا تعین ہو گا، مثلاً: میت کے تین بیٹے ہوں تو اصل مسئلہ تین ہو گا، ہر ایک کو ایک ایک حصہ مل جائے گا اور اگر دوسری صورت (عصبہ مرد وخواتین) ہو تو بھی ان کا اصل مسئلہ افراد کے مطابق ہو گا، البتہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا، مثلاً: میت کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں تو مسئلہ چار سے ہے دو حصے بیٹے کے اور ایک ایک ہر ایک بیٹی کا ہو گا۔

اگر تیسری اور چوتھی صورت ہو، یعنی عصبہ کے ساتھ اصحاب الفروض بھی ہوں یا صرف اصحاب الفروض ہوں تو اصل مسئلہ فروض (حصوں) سے حاصل ہو گا، مثلاً: میت کا خاوند، بیٹا اور بیٹی ہو تو خاوند کا حصہ ربع (چوتھائی) سے اصل چار ہو گا۔ جس میں چوتھائی (ایک) خاوند کو اور باقی اس کی اولاد میں ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کے مطابق دو بیٹے کو اور ایک بیٹی کو ملے گا۔ صورت مسئلہ یوں ہو گی۔

اصل مسئلہ: 4	
خاوند	1
بیٹا	2
بیٹی	1

اصل مسئلہ: ④ جب کسی مسئلے میں ایک یا زیادہ صاحب فرض ہوں تو ہم درج ذیل نسب اربعہ (چار نسبتوں) کی مدد سے تصحیح مسئلہ کا عدد نکالیں گے۔ نسب اربعہ یہ ہیں: ① تماثل ② تداخل ③ توافق ④ تخالف ❀

❀ چار نسبتوں کی تعریف: دو عدد ایک دوسرے کے مساوی ہوں تو نسبت تماثل ہے، مثلاً: (2 اور 2) اگر دو عددوں میں سے ایک چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا، اور چھوٹا بڑے کو پورا پورا تقسیم کر دے تو نسبت تداخل ہے، مثلاً: تین اور چھ۔ اگر چھوٹا بڑے کو پورا پورا تقسیم نہ کرے بلکہ دونوں ایک تیسرے عدد پر پورے پورے تقسیم ہو جائیں تو نسبت توافق ہے، جیسا کہ چار اور چھ اور اگر دونوں کو تیسرا عدد بھی پورا پورا ◄◄

اگر اصحاب الفروض کے حصے متماثل ہیں، جیسے دونوں نصف یا دونوں سدس لینے والے ہوں تو ایک فرض کو بنیاد مسئلہ بنا لیا جائے گا، مثلاً: خاوند اور بہن ہر ایک کے لیے نصف ہے تو ایک کے نصف کو بنیاد بنا لیں گے کیونکہ نسبت تماثل ہے، لہٰذا اصل مسئلہ دو سے ہوگا اور صورت مسئلہ یوں ہوگی:

اصل مسئلہ: 2	
خاوند	1
حقیقی بہن	1

اگر اصحاب الفروض کے حصے میں ''تداخل'' ہے (جیسے چھ اور تین) تو بڑے عدد پر اکتفا ہوگا کیونکہ چھوٹا عدد بڑے عدد میں داخل ہے، لہٰذا بڑے عدد کو مقام مسئلہ پر لکھا جائے گا اور اس کے مطابق تقسیم ہوگی۔ میت اپنے بعد ماں، دو مادری بھائیوں اور چچا کو چھوڑ کر فوت ہوگئی صورت مسئلہ یوں ہوگی۔

اصل مسئلہ: 6	
ماں	1
دو مادری بھائی	2
چچا	3

اصل مسئلہ: 6 **وضاحت**: مسئلہ چھ سے بنا۔ ماں کو سدس (ایک) ملا اور دو مادری بھائیوں کو ثلث، یعنی دو ملے، جبکہ چچا کو بحیثیت عصبہ باقی تین مل گئے۔ اس مسئلے میں سدس ہے، جس کا مخرج چھ ہے اور اسی کو بنیاد مسئلہ قرار دیا گیا ہے، جبکہ ثلث کا اصل (تین) سدس کے اصل (چھ) میں داخل تھا۔

اگر دونوں عددوں میں توافق ہو تو دونوں عددوں میں اقل نسبت دیکھی جائے گی، پھر ایک کے وفق کو دوسرے کامل عدد میں ضرب دی جائے گی، حاصل ضرب اصل مسئلہ ہوگا، مثلاً: ایک عورت خاوند، ماں، تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ کر مرگئی تو خاوند کو ربع ملے گا، جس کا اصل چار ہے اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، جس کا اصل چھ ہے، دونوں عدد (چار اور چھ) دو پر برابر تقسیم ہو جاتے ہیں، لہٰذا کسی ایک کے نصف کو دوسرے کامل عدد میں ضرب دینے سے حاصل ضرب بارہ آئے گا اور یہی اصل مسئلہ ہے اور اسی کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہوگی۔ صورت مسئلہ یوں ہوگی:

◄ تقسیم نہ کرے تو نسبت تخالف (تباین) ہے، جیسے تین اور چار ہے۔ (فاروق صارم)

اصل مسئلہ: 12			
خاوند	3		
ماں	2		
بیٹا	2		
بیٹا	2		
بیٹا	2		
بیٹی	1		

اصل مسئلہ: ⑫ اگر دونوں عددوں میں نسبت تخالف ہو تو ایک کامل عدد کو دوسرے کامل عدد میں ضرب دی جائے گی اور حاصل ضرب اصل مسئلہ ہوگا، مثلاً: خاوند، ماں اور حقیقی بھائی ہو تو خاوند کو نصف ملے گا، جس کا اصل دو ہے اور ماں کو ثلث جس کا اصل تین ہے، پھر دونوں عددوں کے درمیان نسبت تخالف ہے، لہٰذا دو کو تین میں ضرب دی تو حاصل ضرب چھ ہوئے۔ یہی اصل مسئلہ ہے اور اسی کے مطابق تقسیم ہوگی۔

حل: اصل مسئلہ: ⑥

اصل مسئلہ: 6(6=3x2)	
خاوند	3
ماں	2
حقیقی بھائی	1

کسر اور اس کے حل کا طریقہ: اگر ورثاء کے بعض حصے ان پر پورے پورے تقسیم نہ ہوں، یعنی ان میں کسر واقع ہو تو درج ذیل طریقہ اپنایا جائے گا:

کسر ایک فریق پر ہے اور سہم (حصہ) اور عدد رؤس (عدد افراد) میں نسبت توافق ہے تو وفق عدد رؤس کو لے کر اصل مسئلے کے اوپر درج کریں گے، اور اسے اصل مسئلے کے عدد میں ضرب دیں گے، حاصل ضرب سے مسئلے کی تصحیح ہوگی، جسے آگے الگ خانے میں درج کیا جائے گا، پھر ہر وارث کو جو اصل مسئلے سے ملا ہے، اس کو اصل مسئلے کے اوپر درج شدہ وفق سے ضرب دی جائے گی، حاصل ضرب اس فریق کا حصہ ہوگا۔ مثلاً: ایک عورت مرگئی اور خاوند، دو بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑ گئی تو حل: ٹیبل: 6

2		
اصل مسئلہ: (8=2x4)		
خاوند	1	2
بیٹا	3	2
بیٹا		2
بیٹی		1
بیٹی		1

اصل مسئلہ: ④ اگر کسر ایک فریق پر واقع ہے اور اس کے رؤوس اور سہام میں نسبت تخالف (تباین) ہے تو کامل عدد رؤوس کو لے کر اصل مسئلہ کے اوپر درج کریں گے، اور اسے اصل مسئلہ سے ضرب دیں گے۔ حاصل ضرب سے مسئلے کی تصحیح ہوگی، جسے الگ جامعہ کی حیثیت سے الگ خانے میں لکھیں گے، پھر ہر وارث کو جو اصل مسئلہ سے ملا ہے، اسے اصل مسئلہ کے اوپر درج شدہ عدد سے ضرب دیں گے۔ حاصل ضرب سے حسب سابق عمل کریں گے۔ مثلاً: بیوی، بیٹا اور بیٹی کا مسئلہ آٹھ سے بنا۔ بیوی کا آٹھواں حصہ، یعنی ایک اور باقی سات عصبہ (اولاد) کا حصہ ہے، جو تین رؤوس پر للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق پورے پورے تقسیم نہیں ہو رہے۔ رؤوس اور سہام میں نسبت تخالف ہے، لہٰذا کل عدد رؤوس (تین) کو اصل مسئلہ (آٹھ) کے اوپر رکھا اور ضرب دی تو چوبیس ہوئے جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی اور حسب سابق عمل ہوگا۔ (ٹیبل :7) کامل عدد رؤوس تین ہیں

	3	
	اصل مسئلہ: 24=3x8	
بیوی	1	3
بیٹا	7	14
بیٹی		7

اصل مسئلہ: ⑧ اگر ایک سے زیادہ فریق پر کسر واقع ہو تو طریق عمل یہ ہے کہ جس فریق کے رؤوس اور سہام میں کسر واقع ہوئی ہے، اگر دونوں میں نسبت توافق ہے تو وفق رؤوس اور اگر تخالف ہو تو کل عدد رؤوس کو ساتھ ہی درج کیا جائے گا، پھر ان درج شدہ اعداد (اعداد مثبتہ) پر نسب اربعہ کی روشنی میں غور کیا جائے گا۔ اگر اعداد مثبتہ میں نسبت تماثل ہے تو ایک عدد کو متعین کیا جائے گا۔ تداخل ہو تو بڑے عدد کو لیا جائے گا۔ توافق ہو تو ایک کے وفق کو کامل عدد میں ضرب دیں گے اور تباین کی صورت میں کامل عدد کو کامل سے ضرب دیں گے اور حاصل ضرب کو لیا جائے گا، جو حاصل ضرب آخر میں حاصل ہوگا، اسے اصل مسئلہ کے اوپر درج کریں گے اور اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب الگ طور پر اگلے خانہ میں جامعہ کے طور پر درج کریں گے۔ اس تصحیح سے حسب مذکور تقسیم کریں گے۔

دو فریق پر کسر کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص فوت ہو گیا اور دو بیویاں اور دو بھائی چھوڑ گیا۔ مسئلہ چار سے ہے۔ چوتھا حصہ (ایک) دو بیویوں کے لیے ہوا، دونوں پر کسر ہے اور باقی (تین) بوجہ عصبہ دونوں بھائیوں کو ملے تو پھر دونوں پر کسر ہے۔ بیویوں کے رؤوس اور سہام میں نسبت تخالف ہے، لہٰذا عدد رؤوس (دو) محفوظ ہوئے۔ اسی طرح دو بھائیوں اور ان کے سہام میں بھی تخالف ہے کیونکہ تین اور دو میں نسبت تخالف ہے، لہٰذا دو عدد محفوظ ہوئے۔ اب چونکہ بیویوں اور بھائیوں کے عدد مثبت دو، دو ہیں اور نسبت تماثل ہے، اس لیے ایک عدد پر اکتفا کیا اور اس کو اصل مسئلہ کے اوپر درج

کیا اور اصل مسئلہ کے ساتھ ضرب دی تو ایک اور جامعہ (جامعة التصحیح) حاصل ہوا، جسے اگلے خانہ میں درج کیا اور اس کے مطابق تقسیم کر دی، یہ عدد رؤوس میں تماثل کی مثال تھی۔ صورت مسئلہ درج ذیل نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں (: ٹیبل نمبر: 8) نسبت تماثل کی مثال)

اصل مسئلہ: 4

2

اصل مسئلہ: 8=2x4

2	بیوی	1	1
	بیوی		1
2	بھائی	3	3
	بھائی		3

اعداد رؤوس میں تداخل اور تخالف کی مثال کہ ایک شخص فوت ہو گیا اور چار بیویاں، تین بیٹیاں اور دو بہنیں چھوڑ گیا اس صورت مسئلہ میں تینوں فریق پر کسر واقع ہے اور ہر فریق اپنے سہام سے نسبت تخالف رکھتا ہے، پس ہر فریق کا عدد رؤوس محفوظ ہوا اور ساتھ ہی درج ہوا۔ پھر ان میں باہمی نسبت دیکھی گئی تو دو اور چار میں تداخل ہوئی۔ لہٰذا بڑے عدد چار پر اکتفا کیا۔ پھر چار اور تین میں نسبت تخالف پائی تو ایک کامل عدد کو دوسرے کامل عدد میں ضرب دی، یعنی تین کو چار سے ضرب دی تو حاصل ضرب بارہ ہوئے، جسے اصل مسئلہ کے اوپر درج کیا، پھر بارہ کو اصل مسئلہ سے ضرب دی تو دو سو اٹھاسی (288) ہوئے اسے (جامعة التصحیح) میں الگ طور پر لکھا اور پھر حسب سابق تقسیم کی گئی۔ صورت مسئلہ یہ ہے: ٹیبل: 9

اصل مسئلہ: 24

	12		بیوی		9
	اصل مسئلہ: 24		بیٹی	16	64
	288=12x24		بیٹی		64
بیوی	3	9	بیٹی		64
بیوی		9	حقیقی بہن	5	30
بیوی		9	حقیقی بہن		30

ترکہ کی تقسیم اوراس کا طریقۂ کار

ترکہ کی تقسیم کا طریق کار علم فرائض میں اصل اور مطلوب ومقصود ہے،ہم اس کے متعدد طرق میں سے دو پر اکتفا کرتے ہیں: پہلا طریق یہ کہ ترکہ سامان کی شکل میں ہو اور دوسرا طریق یہ کہ ترکہ نقدی رقم کی صورت میں ہو۔ پہلا طریق ''تقریط'' کے نام سے مشہورومعروف ہے۔تقریط سے مراد یہ ہے کہ ترکہ کو چوبیس اجزا میں تقسیم کر دیا جائے اوران میں سے ہر جز کو قیراط کا نام دیا جاتا ہے۔اس میں کیفیت عمل یہ ہے کہ تم چوبیس قیراط کا عدد،تصحیح کے عدد کے بعد اگلے خانہ میں درج کرو اور اگر عدد قیراط اور عدد تصحیح کے درمیان نسبت تماثل ہو تو تقسیم آسان ہے کہ ہر وارث کو قراریط سے وہی ملے گا جس قدر عدد تصحیح سے درج کر چکے ہیں۔ مثلاً: ورثاء میں بیوی،ماں اور بیٹا ہوں تو صورت مسئلہ حسب ذیل ہوگی:

	عدد تصحیح	عدد قیراط
	24	24
ثمن بیوی	3	3
سدس ماں	4	4
باقی بیٹا	17	17

اگر تصحیح اور قراریط (اجزاء) کے دونوں عددوں میں نسبت تماثل نہ ہو بلکہ وہ کسی بھی ایک نسبت میں متفق ہوں تو تم قراریط کے وفق کو لے لو اور اسے تصحیح کے اوپر لکھ دو اور تصحیح کے وفق کو لے لو اور اسے جامعۃ القراریط کے پیچھے الگ طور پر درج کر لو، پھر ہر وارث کو تصحیح سے جو سہام (حصص) ملیں،اسے قراریط کے وفق میں ضرب دو، پھر حاصل ضرب کو تصحیح کے اس وفق پر تقسیم کرو جو آخر میں درج کیا ہے۔ حاصل قسمت اگر عدد صحیح ہو تو اسے اس کے وارث کے سامنے اور جامعہ قراریط کے نیچے درج کرو اور اگر حاصل قسمت میں صحیح عدد کے ساتھ کسر بھی آئے تو صحیح عدد کو حسب مذکور درج کرو اور کسر کو آخری جامعہ (جو تصحیح کا وفق ہے) کے نیچے لکھو۔ یہ کسر وفق تصحیح کا جز ہوگی، بوقت عمل سب سے پہلے اعداد صیحہ کو جمع کرو، پھر کسور کو جمع کر کے صحیح عدد بناؤ اور اعداد صحیح میں ملا لو،اگر عدد قراریط کے مطابق (چوبیس) مکمل ہو جائیں تو آپ کا عمل درست ،وگرنہ غلط ہو گا۔صورت 3 مسئلہ درج ذیل 2 مثال نمبر1 میں واضح ہے (:ٹیبل نمبر:11)

		2	3	
3	24	36	12	
·	6	9	3	خاوند
·	4	6	2	ماں
1	9	14	7	بیٹا
2	4	7		بیٹی
·	1	·	·	·

اصل مسئلہ 12 سے لیکن بیٹے اور بیٹی کے حصے میں کسر کی وجہ سے تصحیح 36 سے ہے اور باقی عمل سابقہ مذکورہ قاعدے کے مطابق ہوا۔ دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص بیوی، ماں اور حقیقی بھائی چھوڑ کر مر گیا (حل مثال نمبر 2)

		2	
1	24	12	
-	6	3	بیوی
-	8	4	ماں
-	10	5	حقیقی بھائی

ملاحظہ: مسئلہ کے حل سے واضح ہے کہ دونوں عدد بارہ پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ قراریط کا وفق دو اصل مسئلہ کے اوپر درج کیا اور اصل مسئلہ کا وفق، یعنی ایک جامعہ قراریط کے بعد خانہ میں درج کیا اور باقی عمل حسب سابق کیا گیا۔

واضح رہے کہ ایک پر تقسیم نہ کرنے میں کوئی ضرر نہیں کیونکہ ایک پر تقسیم کرنے سے حاصل تقسیم کے عدد میں کوئی کمی بیشی نہیں آتی بلکہ عدد وہی رہتا ہے۔ الغرض حاصل ضرب ہر وارث کے سامنے درج ہوگا جو اس کا ترکہ سے حصہ شمار ہوگا۔

اگر دونوں (تصحیح اور قراریط) کے عددوں میں نسبت تخالف ہو تو کامل قراریط، یعنی چوبیس کو تصحیح کے اوپر لکھیں اور تصحیح کے عدد کو جامعہ قراریط کے بعد والے خانے میں درج کریں، پھر ہر وارث کو تصحیح میں سے جو ملا ہے، اسے کل جامعہ قراریط سے ضرب دیں، حاصل ضرب کو تصحیح کے کل عدد پر تقسیم کریں، اگر حاصل قسمت صرف صحیح عدد ہے تو جامعہ قراریط کے نیچے درج کریں اور اگر ساتھ کسر بھی ہو تو صحیح عدد کو جامعہ قراریط میں اور کسر کو اس کے آگے آخری جامعہ میں لکھیں، یہ کسر آخری جامعہ کے عدد کا جز ہوگی، پھر ان کسور کو جمع کر کے صحیح عدد بنا لیں اور اعداد صحیحہ میں جمع کر لیں، پس قراریط کا عدد چوبیس مکمل ہو جائے گا۔ **مثال**: کوئی شخص بیوی، ماں اور دو علاتی (پدری) بہنیں چھوڑ کر مر گیا۔

		24		
13	24	13	12	
7	5	3	3	بیوی
9	3	2	2	ماں
5	7	4	4	پدری بہن
5	7	4	4	پدری بہن
.	2	.	.	.

تفصیل: ① صورت مسئلہ میں تصحیح اور قراریط کے درمیان نسبت تخالف (تباین) ہے کیونکہ تیرہ کا عدد چوبیس کے عدد کے مخالف ہے، یعنی کسی بھی نسبت پر متفق نہیں، اس لیے دونوں عدد کامل طور پر اپنے اپنے مقامات پر درج کیے گئے۔

② جامعہ اخیرہ میں درج شدہ کسروں کو جمع کیا تو ان سے صحیح عدد دو ہوا، جسے ہم نے جامعہ قراریط کے نیچے درج کر دیا، جب اسے صحیح اعداد کے ساتھ جمع کیا تو چوبیس قراریط مکمل ہوئے، جس سے معلوم ہوا کہ ہمارا عمل درست ہے۔

دوسرا طریق: یہ ہے کہ جب ترکہ نقدی، یعنی درہم و دینار پیسے وغیرہ ہوں تو تب بھی طریقۂ تقسیم پہلے سے زیادہ مختلف نہیں ہو گا مگر یہ کہ آپ نقدی کی کامل مقدار کو اس خانہ میں درج کریں گے جہاں قراریط کا عدد چوبیس لکھا تھا اور باقی عمل حسب سابق ہو گا، مثلاً: ایک عورت خاوند اور بیٹا چھوڑ کر مر گئی، جبکہ اس کا ترکہ چالیس ریال ہے: (ٹیبل: 14)

		10	
1	40	4	
.	10	1	خاوند
.	30	3	بیٹا

وضاحت: صورت مسئلہ میں تصحیح اور ترکہ پر غور کیا تو دیکھا کہ دونوں میں نسبت توافق بالربع ہے تو ہم نے تصحیح کا وفق ایک لے کر جامعہ اخیرہ میں درج کیا اور وفق ترکہ کو لے کر تصحیح (اصل مسئلہ) کے اوپر لکھا، پھر ہم نے خاوند کے حصہ (ایک) کو جو اصل مسئلہ سے ملا تھا، وفق ترکہ دس کے ساتھ ضرب دی تو حاصل دس ہوئے۔ پھر اسے جب وفق تصحیح (ایک) پر تقسیم کیا تو وہی دس کا عدد قائم رہا، جسے ہم نے وارث (خاوند) کے سامنے درج کر دیا، اس طرح بیٹے

کا حصہ نکالا گیا۔ نتیجتاً خاوند کو چالیس میں سے دس ملے جو ترکہ کا چوتھائی (1/4) ہے۔ ایک بیٹے کو تیس مل گئے جو چالیس سے تین چوتھائی (3/4) ہیں۔

ایک اور مثال: خاوند، ماں اور سگا بھائی جبکہ ترکہ ساٹھ درہم ہیں۔ اس مثال میں توافق بالسدس ہے۔ (ٹیبل 15:)

10

	6	60	1
خاوند	3	30	·
ماں	2	20	·
حقیقی بھائی	1	10	·

ایک اور مثال: ورثاء بیوی، ماں اور باپ ہیں اور ترکہ 235 درہم ہے، اس مثال میں اصل مسئلہ (تصحیح) ترکہ سے نسبت تخالف رکھتا ہے۔ مثال کا حل پیش خدمت ہے (ٹیبل: 16)

235

	12	235	12
بیوی	3	58	9
ماں	4	78	4
باپ	5	97	11
		2	

وضاحت: اس مثال میں تصحیح اور ترکہ کے درمیان کوئی نسبت نہیں، اس لیے اس میں کیفیت عمل طریقہ تقریط سے مختلف نہیں، ماسوا اس کے کہ قراریط کے مقام پر ترکہ کا اندراج ہوا، باقی مکمل عمل حسب سابق جاری و ساری ہوگا۔ پس بیوی کو چوتھائی، یعنی تین حصے ملے، جس کو کل ترکہ دو سو پینتیس (235) سے ضرب دی، پھر حاصل ضرب کو تصحیح بارہ پر تقسیم کیا تو اٹھاون (58) حاصل ہوئے جسے جامعہ ترکہ کے تحت بیوی کے خانہ میں درج کیا، باقی نو کی کسر بعد والے خانہ جامعہ اصل مسئلہ میں درج کیا۔ اس کسر کو 9/12 کی شکل میں لکھنا بھی درست ہے اور یہ ایک صحیح عدد کے تین ربع کے مساوی ہے۔ اس طرح ماں کے چار سہام کو کل ترکہ (جو اصل مسئلہ کے اوپر درج ہے) سے ضرب دی، پھر حاصل ضرب کو بارہ پر تقسیم کیا تو اٹھہتر (78) حاصل ہوئے جبکہ کسر کا عدد چار نکلا، جسے ماں کے خانہ میں درج کر دیا۔ باپ کے پانچ سہام کو جب اسی عمل سے گزارا تو ستانوے (97) حاصل ہوئے، جبکہ کسر گیارہ ہے، اسے بھی باپ کے خانہ میں درج کر دیا۔ تمام کسور کا مجموعہ چوبیس (24) ہوا، جن سے صحیح عدد دو بنا، اور اسے جدول کے نیچے لکھ دیا گیا۔ مجموع ترکہ پورا ہوگیا،

لہٰذا عمل درست ہوا اور یہی مطلوب تھا۔ ❀

مناسخہ اور اس کا طریقۂ کار کسی میت کے ترکہ کی تقسیم سے قبل اس کا کوئی وارث فوت ہو جائے تو میت ثانی کے ورثاء کے حصص کی معرفت جس عمل سے ہوتی ہے، اسے مناسخہ کہتے ہیں۔

✽ **طریق کار:** اس میں طریق کار یہ ہے کہ پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کرو۔ پھر میت ثانی کے آگے علامت (میت) ''ت'' درج کرو۔ پھر میت اول کے ورثاء میں سے جو میت ثانی کا بھی وارث ہو، اس کی میت ثانی سے جدید قرابت لکھ دو، مثلاً: ایک عورت جو میت اول کی بیوی تھی اور دوسری میت کی ماں ہے تو (ماں) لکھ دو، اس کا اندراج ترکہ اولیٰ سے ملنے والے سہام کے سامنے کرو۔ اور اگر (میت ثانی کے) نئے وارث ایک یا زیادہ ہوں تو ان کو جدول اول کے نیچے الگ جدول میں درج کرو۔ پھر میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کرو۔ پھر میت ثانی کی تصحیح اور اس کے ہاتھ میں موجود سہام کے درمیان غور کرو، اگر تصحیح ثانی کے مطابق سہام تقسیم ہو جائیں تو پہلی تصحیح کافی ہے، مثلاً: ایک عورت خاوند ماں، بیٹا اور بیٹی چھوڑ گئی، متوفیہ کے ترکہ کی تقسیم سے پہلے ہی اس کا خاوند بھی مذکور بیٹا اور بیٹی چھوڑ کر مر گیا۔ مسئلہ اولیٰ بارہ سے بنا، پھر بیٹا اور بیٹی کے سہام میں کسر واقع ہونے سے چھتیس (36) سے تصحیح ہوئی۔ میت ثانی کا مسئلہ تین سے بنا، جبکہ اس کے سہام نو تھے جو میت اول سے ملے، یہ سہام اس کے مسئلہ تین کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا دونوں مسئلوں کی تصحیح چھتیس سے ہی قائم رہی۔ اسے آخر میں ''جامعہ مناسخہ'' میں درج کیا۔ اب تمام سہام اسی جامعہ کے تحت درج کرو۔ مسئلہ ثانیہ سے جس کا کوئی حصہ نہیں اس کے سہام جامعہ مناسخہ میں وہی لکھو جو اسے مسئلہ اولیٰ سے ملے ہیں اور جس کو مسئلہ ثانیہ سے بھی کچھ ملا ہے اسے جامعة الفريضه کے اوپر درج شدہ وفق سے ضرب دو۔ پھر حاصل ضرب میں وہ سہام بھی جمع کر لو جو مسئلہ اولیٰ سے اسے ملے ہیں۔ پھر اسے (مجموعہ کو) جامعہ مناسخہ میں درج کر لو۔ اس طرح:

	3			3	
	12	36		3	36
خاوند	3	9	ت	·	·
ماں	2	6	·	·	6
بیٹا	7	14	بیٹا	2	20
بیٹی		7	بیٹی	1	10

❀ صورت مسئلہ کے حل میں مولف (ﷺ) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب اختیار کیا ہے جو اس صورت میں ماں کو کل مال کا ثلث دیتے ہیں جبکہ جمہور کے نزدیک اس مسئلہ میں ماں کو بیوی / خاوند کے حصے کے بعد باقی مال کا ثلث ملے گا، اور اصل مسئلہ چار سے ہے۔ (عبدالولی)

ملاحظہ: یہاں ''ت'' سے مراد فوت شدہ شخص ہوتا ہے۔

اگر میت ثانی کے سہام اس کے مسئلہ کے مطابق ورثاء پر پورے پورے تقسیم نہ ہوں اور نسبت توافق ہو تو سہام کا وفق لے کر جامعہ فریضہ کے اوپر درج کرو اور مسئلہ ثانیہ کا وفق لے کر مسئلہ اولیٰ کے اوپر لکھو اور اس میں ضرب دو۔ حاصل ضرب جامعہ اخیرہ میں رکھو، جو جامعہ مناسخہ ہے، پھر ہر وارث کے ہاتھ میں جو ہے اس کو مسئلہ اولیٰ کے اوپر درج شدہ وفق میں ضرب دو۔ حاصل ضرب کو اس کے سامنے جامعہ مناسخہ کے تحت درج کرو اور اگر اس کو مسئلہ ثانیہ میں سے کچھ ملا ہے تو اسے مسئلہ ثانیہ کے اوپر درج شدہ وفق میں ضرب دو۔ حاصل ضرب میں مسئلہ اولیٰ سے ملنے والے سہام بھی جمع کر لو، اور اسے (مجموعہ کو) جامعہ مناسخہ میں درج کرو، یہ اس وارث کا حصہ ہے۔

ایک شخص بیوی، بیٹی اور سگی بہن چھوڑ گیا، پھر بیٹی فوت ہوگئی، وہ اپنی والدہ (جو میت اول کی بیوی ہے) خاوند اور بیٹا چھوڑ گئی۔ صورت مسئلہ درج ذیل ہے:

وضاحت: اس مثال میں مسئلہ اولیٰ آٹھ سے بنا، جبکہ مسئلہ ثانیہ بارہ سے بنا۔ میت ثانی کو چار سہام ملے۔ اس کے سہام (چار) اور مسئلہ ثانی (12) کے درمیان توافق بالربع ہے۔ لہٰذا سہام کا وفق، یعنی ایک، مسئلہ ثانیہ کے اوپر درج کیا، اور مسئلہ ثانی کا وفق (تین) مسئلہ اولیٰ کے اوپر درج کیا۔ باقی عمل حسب سابق ہوا۔

	1		3	
24	12		8	
5	2	ماں	1	بیوی
·		ت	4	بیٹی
09			3	بہن
03	3	خاوند		
07	7	بیٹا		

اگر میت ثانی کے سہام کی اس کے مسئلہ سے نسبت تخالف ہو تو کل سہام کو مسئلہ ثانیہ کے اوپر درج کرو اور مسئلہ ثانیہ کا عدد مسئلہ اولیٰ کے اوپر رکھو اور اس میں ضرب دو۔ حاصل ضرب کو مسئلہ ثانیہ کے بعد والے جامعہ مناسخہ میں لکھ دو۔ اس طرح حسب سابق پورا پورا عمل کرو، مثلاً: ایک شخص بیوی، تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ کر مر گیا، ترکہ کی تقسیم سے قبل اس کی بیوی اپنے مذکور تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ کر انتقال کر گئی۔ صورت مسئلہ درج ذیل ہے (ٹیبل :20)

	1		7	
56	7		8	
		ت	1	بیوی
16	2	بیٹا	2	بیٹا
16	2	بیٹا	2	بیٹا
16	2	بیٹا	2	بیٹا
08	1	بیٹی	1	بیٹی

ملاحظہ: (1) میت ثانی (بیوی) کا کوئی نیا وارث نہیں جس کو جدول اول کے نیچے الگ جدول میں درج کیا جاتا۔

(2) اس مثال کے حل میں عمل حسب سابق ہوا۔

خنثیٰ مشکل خنثیٰ مشکل سے مراد ایسا بچہ ہے جس پر ولادت کے بعد مذکر یا مؤنث ہونے کے آثار واضح نہ ہوں۔ چاہیے کہ بلوغت تک اس کا انتظار کر لیا جائے تا کہ اس کا حال واضح ہو جائے۔ قبل از انتظار ارادہ تقسیم ہو تو بعض اہل علم کے نزدیک طریقۂ تقسیم یہ ہے کہ اسے نصف حصہ مذکر کا اور نصف حصہ مؤنث کا دے دیا جائے۔

اس میں طریقۂ عمل یہ ہے کہ اسے مذکر سمجھ کر مسئلہ کی تصحیح کی جائے، پھر دوسری بار اسے مؤنث سمجھ کر تصحیح کی جائے، یہ تب ہے جب وہ اکیلا ہو۔ اگر وہ دو ہوں تو حصے چار رکھے جائیں گے جن کو آگے ہم تفصیل سے ذکر کریں گے۔

تصحیح کے بعد دونوں مسئلوں میں نسب اربعہ کی روشنی میں غور کریں گے تا کہ ایک ہی عدد (جامعہ) بن جائے۔ پھر حاصل ضرب کو عدد الاحوال (اصل اول) میں ضرب دیں۔ حاصل ضرب سے مسئلہ کی تصحیح ہو گی، اسے جامعۃ الفریضہ کے بعد الگ جامعہ قرار دے کر لکھ لیں، پھر اسی جامعہ عدد کو اصل مسئلہ پر تقسیم کریں اور خارج قسمت کو اوپر درج کریں، پھر ہر وارث کو جو اصل مسئلہ سے ملا ہے اس کو اس کے اوپر والے ہر عدد میں ضرب دیں اور دونوں عددوں کو جمع کریں۔ حاصل عدد کو عدد احوال (حالتوں کی گنتی) پر تقسیم کریں، جو حاصل ہو اسے اس وارث کے سامنے جامعہ کبریٰ کے تحت لکھ دیں اور اسی طرح دوسرے وارث کو دیں۔ آخر میں ہر وارث کے سہام جمع کریں۔ اگر جامعہ کبریٰ کے برابر ہو جائیں تو مسئلہ درست، وگرنہ غلط ہے، مثلاً: ایک شخص ایک بیٹا اور خنثیٰ چھوڑ کر مر گیا۔ (ٹیبل 21)

	4	6	
12	3	2	
7	2	1	بیٹا
5	1	1	خنثیٰ

مسئلہ کا حل اور وضاحت: اس مسئلہ کے حل میں درج ذیل چار امور ملحوظ رہیں: ① ہم نے مسئلہ کی تصحیح دو بار کی۔ ایک بار باعتبار مذکر کے اور دوسری بار باعتبار مؤنث کے۔

② جب ہم نے دونوں تصحیحوں پر غور کیا تو نسبت تخالف پائی تو ایک کامل عدد تصحیح کو دوسرے کامل عدد میں ضرب دی تو حاصل ضرب چھ ہوئے۔ پھر ہم نے چھ کو عدد احوال (دو) میں ضرب دی تو بارہ حاصل ہوئے جسے ہم نے جامعہ تصحیح (جامعہ کبریٰ) قرار دیا۔

③ جامعہ تصحیح کے عدد بارہ کو ہر فریقہ (تصحیح) پر تقسیم کیا تو تصحیح اول سے چھ کا عدد حاصل ہوا جو اوپر درج کر دیا اور تصحیح ثانی سے چار حاصل ہوا جسے اوپر درج کر دیا۔

④ ہر وارث کو دونوں تصحیحوں میں سے جو سہام ملے انھیں اس کے اوپر والے عدد سے ضرب دی تو مجموعی طور پر دس ہوئے جسے عدد احوال (دو) پر تقسیم کیا تو پانچ حاصل ہوئے، جسے خنثیٰ کے بالمقابل جامعہ تصحیح کے نیچے درج کر دیا اور یہ اس کا حصہ ہے اور اسی طرح بیٹے کو چودہ حاصل ہوئے جو عدد احوال پر تقسیم کرنے سے سات ہوئے۔ یہ بیٹے کا حصہ ہے جسے اس کے بالمقابل جامعہ تصحیح میں درج کر دیا، کل بارہ ہوئے۔

ایک اور مثال: وہ دو بیٹے اور ایک خنثیٰ چھوڑ کر فوت ہوا۔ صورت مسئلہ یوں ہوگی۔ اس مثال کے حل میں بھی طریقۂ عمل سابقہ طریقہ سے مختلف نہیں ہے۔ حل:

	6	10	
30	5	3	
11	2	1	بیٹا
11	2	1	بیٹا
8	1	1	خنثیٰ

اس باب میں بعض اہل علم کا طریقۂ تقسیم ایک اور بھی ہے، وہ یہ کہ خنثیٰ کو مذکر سمجھ کر مسئلہ بنایا جائے، پھر مؤنث سمجھ کر مسئلہ کی تصحیح ہو۔ جس صورت میں خنثیٰ کے علاوہ ورثاء کا کم حصہ بنتا ہو، وہ دیا جائے اور باقی ترکہ صورت حال واضح ہونے تک محفوظ کر لیا جائے یا پھر کسی بھی تقسیم پر باہم مصالحت کر لیں۔

اس میں طریقۂ عمل یہ ہے کہ خنثیٰ کو مذکر سمجھ لیا جائے کیونکہ ورثاء کا کم حصہ یقینی ہے اور باقی حصہ محفوظ کر لیا جائے۔ گزشتہ مثال میں ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ تھا، اس لیے دو تصحیحوں کی ضرورت ہوئی، یعنی اولاً مسئلہ دو سے بنا، اس صورت میں خنثیٰ کو مذکر (بیٹا) سمجھا گیا۔ پھر ثانیاً مسئلہ تین سے بنا جس میں خنثیٰ کو مؤنث (بیٹی) سمجھا گیا۔ دونوں تصحیحوں میں

نسبت تخالف ہوئی۔ ایک کو دوسری تصحیح کامل میں ضرب دی تو چھ حاصل ہوئے۔ یہ عدد جامعہ تصحیح قرار پایا۔ بیٹے کو دو تصحیحوں سے مجموعی طور پر تین ملے، جو جامعہ تصحیح میں درج کر دیے اور خنثیٰ کو مجموعی طور پر دو ملے جو جامعہ تصحیح میں درج ہوئے۔ باقی ایک سہم خنثیٰ کا حال واضح ہونے تک موقوف ہو گیا۔ اگر مذکر کی علامات نمایاں ہو گئیں تو یہ تین اسے ہی مل جائیں گے اور اگر مؤنث قرار پایا تو ایک سہم (حصہ) بیٹے کو مل جائے گا۔ اگر کوئی اشکال ہوا تو باہم رضامندی سے مکمل کر کے تقسیم کریں گے۔ اس مثال کے حل میں ایک باقی بچ گیا کیونکہ جامعہ تصحیح چھ ہے اور کل تقسیم شدہ سہام (حصے) پانچ ہیں، چنانچہ ایک حصہ کشف حال تک محفوظ رہے گا۔

	2	3	6
بیٹا	1	2	3
خنثیٰ	1	1	2

حمل، مفقود (گم شدہ) غرق شدہ، اور دیگر حادثات میں ہلاک شدگان کی وراثت کا بیان

✽ **حمل کی وراثت کا بیان:** ورثاء اگر تقسیم مؤخر کر دیں اور وضع حمل کے بعد تقسیم جائیداد کریں تو انھیں اس کا اختیار حاصل ہے اور اگر جلدی تقسیم کرنا چاہیں تو ورثاء کو (جو حمل کے لڑکا یا لڑکی ہونے کی صورت میں متاثر ہو سکتے ہیں) ان کا کم تر یقینی حصہ دیا جائے گا۔ باقی حصہ موقوف ہو گا اور اس بارے میں خنثیٰ کے مسئلہ کا طریق عمل اپنایا جائے گا اور باقی کو موقوف قرار دیا جائے گا۔ وضع حمل کے بعد حسب استحقاق ادائیگی ہو جائے گی۔ اس کی مثال حسب ذیل ہے:

ایک شخص فوت ہو گیا اور ایک حاملہ بیوی چھوڑ گیا (اور کوئی اولاد نہیں)۔ حمل کے زندہ پیدا ہونے کی صورت میں وہ آٹھویں حصہ کی مالک ہے، اور مردہ پیدا ہونے کی صورت میں چوتھائی کی حق دار ہے۔ اب اسے آٹھواں حصہ جو یقینی ہے، دیا جائے گا اور صورت حال کے واضح ہونے پر باقی موقوف کا فیصلہ ہو گا۔ اگر اس عورت نے زندہ بچے کو جنم دیا تو اس صورت میں اسے مزید کچھ نہیں دیا جائے گا اور اگر مردہ بچے کو جنم دیا تو اسے کل میراث کا چوتھائی حصہ مکمل دیا جائے گا جو اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کا حق بنتا تھا۔

✽ **گم شدہ وارث:** اگر کوئی شخص مر جائے اور ورثاء میں سے کوئی ایک وارث گم ہے اور ورثاء گم شدہ کی موت یا زندگی کے یقین ہونے سے پہلے جائیداد تقسیم کرنا چاہیں تو انھیں کم تر یقینی حصہ دیا جائے گا، جیسا کہ حمل میں ہوا تھا اور باقی مفقود کی موت یا زندگی کے فیصلہ کے بعد مستحقین کو حسب استحقاق دیا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص فوت ہو گیا اور دو بیٹے چھوڑ گیا، ان میں سے ایک غائب ہے۔ موجود بیٹا فی الحال اپنا حصہ نصف ترکہ لے گا اور باقی موقوف ہو گا۔ مفقود کی موت یا زندگی کے تحقق کے بعد اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ایک اور مثال: ایک شخص فوت ہو گیا اور بیوی، ماں اور دو بھائی چھوڑ گیا اور بھائیوں میں سے ایک مفقود ہے۔ بیوی کو چوتھا حصہ دیا جائے گا کہ گم شدہ کے وجود و عدم سے اس کا حصہ متاثر نہیں ہوتا اور ماں کو چھٹا یقینی حصہ دیا جائے گا اور بھائی کو باقی کا نصف (سات) دیا جائے گا، اس لیے کہ یہی اس کا یقینی حصہ ہے اور باقی موقوف ہو گا اور اگر گم شدہ وارث زندہ ثابت ہوا تو موقوف حصہ لے گا اور اگر اس کی موت کا پتہ چل گیا تو باقی سے ماں کو تہائی مکمل کر کے بقیہ (تین) کا مالک بھائی ہو گا۔

مسئلہ بارہ اور تصحیح چوبیس سے ہو گی، صورت تقسیم نقشہ میں واضح ہے (ٹیبل :24)

		1	2	
	12	24	12	24
بیوی	3	6	3	6
ماں	2	4	4	4
بھائی	7	7	5	7
بھائی		7	-	-

ملاحظات: (1) صورت مسئلہ کے حل میں دو تصحیح کی گئی ہیں۔ ایک میں مفقود زندہ تصور کیا گیا تو تصحیح چوبیس سے ہوئی کیونکہ دونوں بھائیوں پر سہام میں کسر واقع ہوئی ہے اور دوسری تصحیح مفقود کو میت قرار دے کر بارہ سے کی گئی۔

(2) جب ہم نے دونوں تصحیح کے مابین نسبت پر غور کیا تو توافق بصف السدس (بارہ) ہوئی۔ تصحیح اول (24) کا وفق (2) تصحیح ثانی پر درج کیا اور تصحیح ثانی (12) کا وفق (1) تصحیح اول پر لکھا۔ جب مقام تصحیح کو ضرب دی تو چوبیس حاصل ہوئے جسے جامعہ اخیرہ میں درج کیا، اور یہی جامعہ تصحیح ہے۔

(3) مفقود کی حیات جن ورثاء کے حق میں نقصان دہ تھی، ان کو کم تر دینے کی خاطر ہم نے یہ عمل اختیار کیا کہ زوجہ کو تصحیح سے جو (چھ) ملے تھے، اسے ایک سے ضرب دی تو چھ ہی رہے، جنھیں اس کے سامنے جامعہ تصحیح کے خانہ میں درج کر دیا۔ اس طرح ماں کو تصحیح سے جو (چار) ملے تھے، اسے بھی ایک سے ضرب دی تو چار اس کے خانہ میں درج کر دیے اور بھائی کے سات کو حسب سابق ایک سے ضرب دی تو سات ہی ہوئے، جو جامعہ تصحیح کے تحت بھائی کے خانہ میں لکھ دیے۔

(4) چوبیس میں سے سترہ سہام مجموعی طور پر جامعہ تصحیح میں درج ہو گئے، باقی سات سہام مفقود کی موت و حیات کے فیصلہ تک موقوف رہے۔ اگر زندہ ہوا تو اسے یہ سات سہام مل جائیں گے، وگرنہ چار ماں کو ملیں گے، جس سے اس کے آٹھ ہو جائیں گے، جو کل مال کی تہائی اور اس کا استحقاق ہے اور باقی موجود بھائی کو مل جائیں گے، جس سے اس کے کل

سہام دس ہو جائیں گے اور یہی مقصود ہے۔

❁ پانی میں ڈوبنے والے: جب ایک سے زائد افراد پانی میں بیک وقت غرق ہوں یا کسی اور حادثہ کا شکار ہوں، مثلاً: عمارت کے نیچے آ کر ہلاک ہوں یا آگ میں جل جائیں یا ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہوں اور کسی کی موت کی تقدیم و تاخیر کا علم نہ ہو سکے تو حکم یہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے بلکہ زندہ افراد ہی اپنے مرنے والوں کے وارث ہوں گے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی حادثہ میں دو بھائی فوت ہو گئے اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پہلے کون فوت ہوا ہے۔ ان میں سے ایک اپنے پیچھے بیوی، بیٹی اور چچا چھوڑ گیا، جبکہ دوسرا دو بیٹیاں اور مذکور چچا چھوڑ گیا تو دونوں کی جائیداد کے وارث مذکور ورثاء ہیں۔ یہ بھائی ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ پہلی صورت میں بیوی آٹھواں حصہ لے گی، بیٹی نصف اور باقی چچا لے گا اور دوسری صورت میں دو تہائی اس کی دونوں بیٹیاں لیں گی اور باقی تہائی اس کا چچا لے گا۔

ذوی الارحام کی وراثت کے احکام و مسائل

❁ ذوی الارحام کون ہیں؟ ذوی الارحام ان قرابت داروں کو کہا جاتا ہے جو نہ اصحاب الفروض سے ہوں اور نہ ہی عصبہ سے، جیسا کہ ماموں، خالہ، پھوپھی، چچا کی بیٹی، بھانجا، بھانجی اور بیٹی کی اولاد اور اسی طرح کے دیگر قرابت دار جو وارث نہیں ہوتے، اس لیے کہ یہ رشتے دار نہ تو اصحاب الفروض میں سے ہیں اور نہ عصبات میں سے۔

❁ ذوی الارحام کی وراثت کا حکم: ان کے وارث ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ رحمہم اللہ ان کی وراثت کے قائل نہیں، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کو وارث نہیں بنایا بلکہ وراثت اصحاب الفروض اور عصبات میں منحصر کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی ان آئمہ میں شامل ہیں جو انھیں وارث نہیں گردانتے، البتہ بعض علماء ان کی وراثت ثابت کرتے ہیں جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ شامل ہیں۔ ان کا استدلال ان آثار سے ہے جن سے ذوی الفروض وعصبات کی عدم موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض ذوی الارحام کو وارث بنانا ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«اَلْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهُ» ''ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں۔''[1]

❁ راجح مذہب: ان فقہاء کا مذہب راجح ہے جو ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے بہت سے مالکی اور شافعی فقہاء بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں، اس لیے کہ ذوی الارحام سے ہونا بھی ایک قرابت ہے اور ان سے دوسرا تعلق اسلام کا بھی ہے، جبکہ بیت المال کے ساتھ، مرنے والے کا صرف ایک تعلق ''اسلامی'' ہے۔ مزید برآں

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الفرائض، باب في ميراث ذوي الأرحام، حديث:2901.

بیت المال کے بارے میں کچھ شرائط ہیں: اوّل بیت المال کا انتظام درست ہو۔ دوم بیت المال کا محافظ عادل اور دیانت دار ہو۔ سوم ان کے اخراجات مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لیے ہوں۔ لیکن ان شرائط کے فقدان کی وجہ سے بیت المال کی بجائے ذوی الارحام کو وارث بنایا جانا متعین ہے۔

❁ **ذوی الارحام کی وراثت کا ضابطہ:** جس رشتہ دار (اصحاب الفروض یا عصبہ) کی وساطت سے ان کا رشتہ بنا ہے، اس کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام کو اسی کا حصہ دیا جاتا ہے، مثلاً: ایک شخص فوت ہو گیا اور بیٹی کی بیٹی (نواسی) اور بہن کا بیٹا (بھانجا) چھوڑ گیا تو ترکہ ان کے مابین نصف نصف تقسیم ہو گا، اس لیے کہ یہی ان کی ماؤں، یعنی میت کی بیٹی اور بہن کا حصہ تھا کیونکہ بیٹی کا حصہ نصف مقرر ہے اور بہن کا حصہ بھی نصف مقرر ہے جو کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کی بیٹیاں لے لیں گی۔

اگر ہم فرض کرتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں نواسی کے ساتھ حقیقی بہن کی بیٹی ہے اور پدری بھائی کی بیٹی ہے تو پدری بھائی کی بیٹی کو کچھ نہیں ملے گا، اس لیے کہ اس کا اصل، یعنی پدری بھائی حقیقی بہن کی موجودگی میں محجوب ہے اور ترکہ نواسی اور بھانجی میں برابر تقسیم ہو گا۔ صورت مسئلہ یوں ہے۔

	2
نواسی	1
بھانجی	1
پدری بھائی کی بیٹی	محروم

ایک عورت فوت ہو گئی اور حقیقی بہن کی بیٹی، پدری بہن کی بیٹی، مادری بہن کا بیٹا اور حقیقی چچا کی بیٹی چھوڑ گئی۔ اس صورت میں سدس کی وجہ سے مسئلہ چھ سے بنے گا۔ حقیقی بہن کی بیٹی اپنی ماں کا حصہ، یعنی نصف لے گی، اور پدری بہن کی بیٹی تکملة للثلثین کے قاعدہ کے مطابق چھٹا حصہ لے گی، جو کہ اس کی ماں کا حصہ تھا، جس کی جگہ یہ شمار ہوتی ہے اور مادری بہن کے بیٹے کو چھٹا حصہ دیا جائے گا، جو کہ اس کی ماں کا مقررہ حصہ تھا اور باقی چچا کی بیٹی کو ملے گا، جو کہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے اس کے باپ کا حصہ ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے۔

	6
حقیقی بہن کی بیٹی	3
پدری بہن کی بیٹی	1
مادری بہن کا بیٹا	1
حقیقی چچا کی بیٹی	1

ایک اور مسئلہ: ایک شخص فوت ہوگیا اور نواسی، حقیقی بھانجا، مادری بھانجا اور پدری بھتیجی چھوڑ گیا۔

اس صورت میں نواسی اپنی ماں کی وراثت نصف ترکہ لے گی اور حقیقی بھانجا اپنی ماں کا حصہ باقی نصف لے گا اور مادری بہن کے بیٹے کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ اس کی ماں (اخت لام) صلبی بیٹی کی موجودگی میں محروم ہوتی ہے۔ اسی طرح پدری بھائی کی بیٹی بھی محروم ہے، اس لیے کہ حقیقی بہن پدری بھائی کے لیے حاجب ہے، ان کی فروع (شاخوں) میں بھی یہی ضابطہ جاری ہوگا۔

	2
نواسی	1
حقیقی بھانجا	1
مادری بھانجا	-
پدری بھتیجی	-

ایک اور مسئلہ: ایک شخص فوت ہوگیا اور ایک خالہ اور ایک پھوپھی چھوڑ گیا۔ اس مسئلہ میں خالہ کے لیے ایک تہائی ہے، اس لیے کہ میت کی ماں جس کی وجہ سے خالہ حصہ لے رہی ہے، کے لیے بھی تہائی تھا اور باقی دو تہائی پھوپھی کا حق ہے، اس لیے کہ یہ میت کے باپ کی نسبت سے وارث ہے جو کہ عصبہ کی حیثیت سے باقی کا مستحق تھا۔[1]

	3
خالہ	1
پھوپھی	2

تنبیہات: (1) ذوی الفروض اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے، اس لیے کہ اصحاب الفروض کے حصص سے جو بچ جاتا ہے، وہ بھی ان کے فروض کے مطابق ان پر رد کر دیا جاتا ہے، اِلّا یہ کہ ذوی الفروض میں فقط خاوند یا بیوی ہو تو باقی ان پر رد نہیں ہوتا بلکہ ذوی الارحام کو دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً: ایک شخص فوت ہوگیا اور مادری یا پدری بھائی اور پھوپھی چھوڑ گیا۔ اس صورت میں کل ترکہ اس کا مادری یا پدری بھائی لے گا، پھوپھی چونکہ ذوی الارحام سے ہے، لہٰذا اسے کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح ایک شخص ماں اور خالہ چھوڑ گیا تو کل ترکہ بطور فرض ورد ماں کو ملے گا، خالہ محروم رہے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص بیوی اور بھائی کی بیٹی چھوڑ گیا تو بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا اور باقی بھائی کی بیٹی کا ہے، اس لیے کہ اسے اس کے باپ، یعنی میت کے بھائی کے قائم مقام قرار دیا گیا جو کہ عصبہ ہے اور

1 دو تہائی (2/3) مکمل کرنے کی خاطر کیونکہ قرآن میں ہے اگر بہنیں وارث ہوں تو ان کے لیے کل ترکہ سے دو تہائی ہے۔ (النسآء 4:176)

اصحاب الفروض سے بچا ہوا سب سمیٹ لیتا ہے۔

(2) متفرق ذوی الارحام کے اجتماع کی صورت میں اصحاب الفروض اور عصبات کی طرح اقرب (قریب ترین رشتہ دار) ابعد (دور کے رشتہ دار) کے لیے حاجب ہوگا، جیسے سگا بھائی، باپ کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ البتہ درجہ وقرب میں برابری کی صورت میں ایک دوسرے پر برتری نہیں ہوگی بلکہ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ کے قاعدے کے مطابق ان پر جائیداد تقسیم ہوگی، مثلاً: ایک شخص فوت ہو گیا اور نواسی، نواسی کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑ گیا تو کل مال نواسی کا ہے، اس لیے کہ وہ اقرب ہے اور باقی محروم ہیں کیونکہ وہ میت سے نواسی کی نسبت ابعد ہیں۔

ایک اور مثال: کوئی شخص حقیقی اور پدری بھتیجی چھوڑ کر مر گیا تو کل مال حقیقی بھتیجی لے گی، اس لیے کہ اس کا باپ دوسری کے باپ (پدری بھائی) کے لیے حاجب ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ جس کے قائم مقام ہوتا ہے، وہ اسی کا حکم لیتا ہے۔ چنانچہ وارث بننے یا محروم ہونے میں وارث کے واسطے والا وارث ہے اور غیر وارث کے واسطے والا وارث نہیں ہے، مثلاً: ایک شخص فوت ہو گیا اور پوتی کی بیٹی اور نواسے کا بیٹا چھوڑ گیا۔ تو کل مال پوتی کی بیٹی لے گی۔ نواسے کا بیٹا محروم ہے، اس لیے کہ یہ دونوں اگرچہ درجہ میں برابر ہیں کہ ہر ایک میت تک دو واسطوں سے مل جاتا ہے مگر پوتی کی بیٹی وارث کی اولاد ہے، لہٰذا وہ وارث ہے اور نواسے کا بیٹا چونکہ غیر وارث کی اولاد ہے، لہٰذا وہ محروم ہے، اس لیے کہ پوتی وارث ہے اور نواسہ وارث نہیں ہے۔

باب: 8

قسم اور نذر کا بیان

قسم کا بیان ✽ **قسم کی تعریف**: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ''اسمائے حسنیٰ'' اور صفات کی قسم اٹھانا یمین اور حلف کہلاتا ہے، جیسا کہ کوئی یہ کہے ''اللہ کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا۔'' یا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔'' یا ''قسم ہے اس ذات کی جو دلوں کو بدلنے والا ہے'' وغیرہ۔

✽ **جائز اور ناجائز قسمیں**: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ناموں کی قسم اٹھانا جائز ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ سے درج ذیل قسمیں ثابت ہیں۔ ''اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔'' اسی طرح یہ بھی ثابت ہے ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔'' جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کی عزت و غلبے کی قسم اٹھاتے ہوئے کہا:

«فَوَعِزَّتِكَ! لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا»

''تیری عزت وعظمت کی قسم ہے جو بھی اس بہشت کا سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہوگا۔''[1]

[1] [حسن] جامع الترمذي، صفة الجنة، باب ما جاء حفت الجنة بالمكاره......، حديث: 2560، وسنن أبي داود، السنة، ◄◄

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء وصفات کے علاوہ کسی چیز کی قسم جائز نہیں ہے، چاہے وہ شرعاً قابل تعظیم ہی ہو، جیسا کہ کعبۃ اللہ اور نبی ﷺ کی قسم یا شرعاً قابل تعظیم نہ ہو جیسا کہ وطن، اس کی مٹی یا شہیدوں کے لہو کی قسم وغیرہ، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»

''جو حلف اٹھاتا ہے، وہ اللہ کا حلف اٹھائے یا خاموش رہے۔''[1]

اسی طرح آپ کا فرمان ہے: «لَا تَحْلِفُوا إِلَّا بِاللّٰهِ، وَلَا تَحْلِفُوا إِلَّا وَأَنْتُمْ صَادِقُونَ»

''اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ اٹھاؤ اور حلف (قسم) صرف اس صورت میں اٹھاؤ جب تم سچے ہو۔''[2]

اور فرمایا: «مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ» ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔''[3]

اور فرمایا: «مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ» ''غیر اللہ کا حلف اٹھانے والے نے کفر یا شرک کیا۔''[4]

قسم کی اقسام: قسم کی تین قسمیں ہیں: (1) **یمین غموس:** یعنی جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھانا، مثلاً: ایک شخص کہتا ہے: ''اللہ کی قسم یہ چیز میں نے پچاس میں خریدی ہے'' جبکہ اس نے یہ چیز پچاس میں نہیں خریدی یا یہ کہے: ''اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا ہے'' جبکہ اس نے یہ کام نہیں کیا تھا۔ اس حلف کو ''غموس'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ قسم اٹھانے والے کو گناہ میں ڈبو دیتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان ذیل میں یہی قسم مراد ہے:

«مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ وَّهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لِّيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَّقِيَ اللّٰهُ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»

''جو شخص کسی معاملے میں جھوٹی قسم اٹھاتا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے سے کسی مسلمان کا مال حاصل کر لے، وہ اللہ کو ایسی حالت میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔''[5]

یمین غموس (جھوٹی قسم) کا حکم یہ ہے کہ اس میں کفارہ دینا[6] کافی نہیں ہے (اس میں کفارہ نہیں ہے) بلکہ توبہ اور استغفار ہی ضروری ہے، اس لیے کہ یہ ''گناہ کبیرہ'' ہے، بالخصوص جب اس کے ذریعے سے ایک مسلمان کا

◄ باب في خلق الجنة والنار، حديث: 4744. [1] صحيح البخاري، الشهادات،باب كيف يستحلف؟ حديث: 2679، وصحيح مسلم، الأيمان، باب النهي عن الحلف بغير الله تعالى، حديث: 1646. [2] [حسن] سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب كراهية الحلف بالآباء، حديث: 3248، وصحيح ابن حبان: 10/199، حديث: 4357. [3] [حسن] مسند أحمد: 2/125، وصحيح ابن حبان: 10/200، حديث: 4358، وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب كراهية الحلف بالآباء، حديث: 3251. [4] [صحيح] جامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ماجاء في أن من حلف بغير الله فقد أشرك، حديث: 1535، والمستدرك للحاكم: 1/18 و 4/297. [5] صحيح البخاري، الشهادات، باب سؤال الحاكم المدعي......، حديث: 2666، وصحيح مسلم، الإيمان، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار، حديث: 138. [6] امام شافعی ؒ یمین غموس میں بھی کفارے کے قائل ہیں۔ (مؤلف)

مال ہتھیا لیا گیا ہو۔[1]

(2) یمین لغو: جو بلا ارادہ وقصد مسلمان کی زبان پر جاری ہو جائے، جیسا کہ «لَا وَاللّٰهِ!» «وَبَلٰى وَاللّٰهِ!» کے الفاظ غیر ارادی طور پر منہ سے نکل جاتے ہیں، اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ﴾ آدمی کی عام گفتگو کے متعلق نازل ہوئی ہے جس میں وہ کہتا ہے: نہیں نہیں اللہ کی قسم! ہاں، ہاں، اللہ کی قسم![2] اس طرح یہ بھی ''لغو قسم'' میں داخل ہے کہ قسم کے وقت انسان سمجھتا رہتا ہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے مگر بعدازاں واضح ہوا کہ امر واقعہ ایسے نہیں تھا۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس میں گناہ ہے نہ کفارہ، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾

''اللہ تم سے ''لغو قسم'' کا مؤاخذہ نہیں کرے گا، البتہ تم نے جو ارادی قسمیں کھائی ہیں، ان کا مؤاخذہ کرے گا۔''[3]

(3) یمین منعقدہ: یعنی مستقبل میں کسی کام کے کرنے پر حلف (قسم کھانا) جیسا کہ ایک مسلمان کہے: اللہ کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا یا اللہ کی قسم میں یہ کام نہیں کروں گا، پھر اگر اسے پورا نہیں کر سکا تو اسے اس قسم توڑنے پر مؤاخذہ ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾

''اور جو تم نے با ارادہ قسمیں کھائی ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ تمھارا مؤاخذہ کرے گا۔''[4]

اس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص حلفیہ کام کو پورا نہیں کرے گا، وہ گناہ گار ہے اور اس پر کفارہ واجب ہو جائے گا۔ ہاں اگر اس کام کو کر لے تو گناہ اور کفارہ ساقط ہو جائے گا۔

❖ **کفارہ کس طرح ساقط ہوتا ہے:** قسم والے سے کفارہ اور گناہ کا سقوط دو طریقوں سے ممکن ہے:

(1) جس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائی ہے، اگر اس کی خلاف ورزی بھول کر ہو جائے یا غلطی سے یا مجبوری سے تو اس صورت میں کفارہ اور گناہ نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«وُضِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»

''میری امت سے خطا، نسیان اور جبر واکراہ والے کاموں کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے۔''[5]

(2) مجلس قسم میں قسم اٹھانے والا اگر ان شاء اللہ کہہ دے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمْ يَحْنَثْ»

1 اس صورت میں مال بھی اس کے مالک کو واپس کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم (ع،ر) 2 صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ﴾، حديث: 6663. 3 المآئدة 89:5. 4 المائدة 89:5. 5 [حسن] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، حديث: 2045,2043، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 84/6.

''جو شخص کسی بات پر قسم اٹھائے اور ان شاء اللہ کہہ دے (پھر اس سے وہ کام ہو جائے تو) وہ قسم توڑنے والا نہیں ہے۔''[1]

اور اسی وجہ سے اس پر نہ تو کفارہ ہے اور نہ ہی وہ گناہ گار ہے۔

✽ **نیک کام بجا لانے کی خاطر قسم توڑنا:** اگر کوئی مسلمان کوئی ایک اچھا کام نہ کرنے کی قسم کھا لیتا ہے تو بہتر یہی ہے کہ وہ اس کار خیر کو سرانجام دے اور قسم کا کفارہ ادا کر دے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ط

''اور اللہ کو اپنی قسموں کا ہدف نہ بناؤ کہ نیکی اور پرہیز گاری نہ کرو اور لوگوں میں صلح نہ کراؤ۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَإِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَّمِينِكَ وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ»

''جب تو کسی بات پر قسم اٹھائے اور (پھر) اس کا غیر اس سے بہتر جانے تو بہتر کام کر اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔''[3]

✽ **قسم ڈالنے والے کی بات پوری کر دو:** مسلمان جب کسی کو قسم دے کر کہے کہ یہ کام کر تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی قسم پوری کر دے اور اسے قسم میں حانث (قسم توڑنے والا) بننے سے بچائے۔ خصوصاً جبکہ اس کام کو کرنا ممکن بھی ہو۔

چنانچہ ایک دفعہ ایک عورت نے دوسری عورت کو کھانے کے لیے کھجوریں دیں۔ اس نے کچھ کھا لیں تو پہلی نے اس پر قسم ڈال دی کہ وہ بقیہ کھجوریں بھی کھائے مگر اس نے بقیہ کھجوریں کھانے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَبِرِّيهَا فَإِنَّ الْإِثْمَ عَلَى الْمُحْنِثِ»

''اس کی قسم پوری کر، بے شک اس کا گناہ اس پر ہو گا جو (امکان کے باوجود) قسم پوری نہ کرائے۔''[4]

✽ **قسم کا دارومدار قسم اٹھانے والے کی نیت پر ہے:** قسم کے پورا ہونے یا نہ ہونے میں قسم اٹھانے والے کی نیت کا اعتبار ہو گا۔❀ اس لیے کہ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جو وہ نیت کرتا ہے، چنانچہ

❀ ہاں اگر کوئی دوسرا قسم اٹھوائے تو قسم کا وہی مفہوم معتبر ہو گا جو اٹھوانے والا چاہتا ہے۔ اگر قسم اٹھانے والے نے توریے کے طور پر کوئی اور مفہوم مراد لیا تو وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو گا، مثلاً: ایک شخص کی رقم گم ہو گئی، اسے جس پر شک تھا اس سے قسم اٹھوائی، اس نے قسم اٹھائی کہ رقم ◄◄

1. [صحيح] جامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ما جاء في الاستثناء في اليمين، حديث: 1532، وسنن النسائي، الأيمان والنذور، باب الاستثناء، حديث: 3886، وسنن ابن ماجه، الكفارات، باب الاستثناء في اليمين، حديث: 2104.
2. البقرة 2:224. 3. صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قول الله تعالى: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ، حديث: 6622، وصحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا......، حديث: 1652. 4. [ضعيف] مسند أحمد: 114/6، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 41/10.

جس نے حلفاً یہ کہا کہ میں زمین پر نیند نہیں کروں گا اور مراد یہ لی کہ بستر پر نیند نہیں کروں گا تو وہ قسم توڑنے والا نہیں ہے اگر بستر پر نہیں سوتا اور جس نے حلفیہ کہا کہ میں اس روئی کا کپڑا نہیں پہنوں گا اور اس کا ارادہ یہ تھا کہ چادر کے انداز میں نہیں اوڑھوں گا اور اس نے روئی کا قمیص بنا کر استعمال کیا تو وہ قسم سے منحرف ہونے والا نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ ارادہ نہ ہو تو وہ حلف سے منحرف ہونے والا ہو جائے گا۔

❁ کفارۂ قسم: قسم کا کفارہ چار طرح کا ہے:

(1) دس مساکین کو کھانا کھلانا، یعنی فی مسکین کے حساب سے ایک مد (تقریباً دس چھٹانک) کھانا دے دیا جائے یا ایک جگہ بلا کر انھیں پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے یا ہر ایک کو روٹی سالن کے ساتھ دے دی جائے۔

(2) دس مساکین کے لیے لباس مہیا کر دیا جائے، جس سے نماز میں کفایت ہو جائے۔ اگر عورت کو دے تو پھر قمیص اور ساتھ اوڑھنی بھی ہونی چاہیے، اس لیے کہ یہی اس کے لیے نماز میں کفایت کرتا ہے۔

(3) مومن غلام (یا لونڈی) آزاد کرنا۔

(4) تین دن لگاتار روزے رکھنا اگر لگاتار نہ رکھ سکے تو متفرق ایام میں بھی جائز ہیں۔ روزے کا حکم اس صورت میں ہے جب طعام یا لباس یا غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ ہو، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ

”پس اس کا کفارہ دس مسکینوں کو متوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے عیال کو کھلاتے ہو یا انھیں لباس مہیا کرنا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جسے اس کی طاقت نہیں ہے تو وہ تین دن روزے رکھے، یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے۔“[1]

نذر کا بیان

❁ نذر کی تعریف: نذر یہ ہے کہ کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کسی کام کو اپنے اوپر لازم کر لے جو پہلے اس پر لازم نہیں تھا، مثلاً: یہ کہے کہ میں اللہ کے لیے ایک دن کا روزہ رکھوں گا یا دو رکعت نماز پڑھوں گا۔

❁ نذر کا حکم: جس نذر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا مطلوب ہو، وہ نذر مباح ہے جیسا کہ روزہ رکھنے کی نذر یا خیرات کی نذر اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ البتہ مقید مالی نذر مکروہ ہے، مثلاً: یہ کہے کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دی تو اتنا مال خیرات کروں گا، اس لیے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

◄◄ میرے پاس نہیں ہے اور نیت یہ کی کہ میری جیب میں نہیں ہے اگرچہ گھر میں ہے تو اس نے جھوٹی قسم اٹھائی۔ واللہ اعلم (ع، ر)

[1] المآئدۃ 5:89.

«نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النَّذْرِ، وَقَالَ إِنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا، وَلٰكِنَّهُ يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»

''رسول اللہ ﷺ نے ''نذر'' سے منع کیا ہے اور فرمایا: ''یہ کسی چیز کو رد نہیں کرتی، البتہ اس کے ذریعہ بخیل سے اس کا مال نکالا جاتا ہے۔''[1]

اگر ''نذر'' میں غیر اللہ کی رضا بھی مطلوب ہے تو وہ حرام ہے جیسا کہ اولیائے کرام کی قبروں کے لیے نذر یا صالحین کی ارواح کے لیے نذر و نیاز، مثلاً: یوں کہے کہ میرے فلاں سردار! اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی تو میں تیری قبر پر جانور ذبح کروں گا یا خیرات کروں گا، اس لیے کہ یہ غیر اللہ کی عبادت ہے اور شرک ہے، جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔''[2]

✽ **نذر کی اقسام:** (1) **نذر مطلق:** وہ یہ کہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے مسلمان کسی نیکی کا مطلقاً التزام کرے، مثلاً: کہے کہ میں اللہ کے لیے تین روزے رکھوں گا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اس نذر کا حکم یہ ہے کہ اسے پورا کیا جائے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے:

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ ''اور اللہ سے جب عہد کرو تو اسے پورا کرو۔''[3]

اور فرمایا: وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ''اور چاہیے کہ وہ اپنی نذریں پوری کریں۔''[4]

(2) **نذر مطلق غیر معین:** مثلاً: مسلمان یہ کہے کہ اللہ کے لیے میرے اوپر نذر ہے اور یہ متعین نہ کرے کہ کس چیز کی نذر ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اسے ''کفارۂ یمین'' کی صورت میں پورا کیا جائے، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

«كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ» ''نذر کا کفارہ (جب اسے متعین نہ کرے) قسم کے کفارہ کی طرح ہے۔''[5]

ایک رائے یہ ہے کہ عبادات میں جو کم سے کم نذر ہو سکتی ہے، اس کی ادائیگی کی جائے، مثلاً: دو رکعت نماز یا ایک دن کا روزہ۔

(3) **اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فعل پر مقید نذر:** مثلاً: یہ کہے کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دی یا فلاں غائب کو واپس کر دیا تو اتنے مساکین کو کھانا کھلاؤں گا یا اتنے دن روزے رکھوں گا۔ اگرچہ یہ انداز نذر ناپسندیدہ ہے مگر اسے پورا کرنا لازم ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے تو اس پر وہ عبادت لازم ہو جاتی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ:

(1) صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب الوفاء بالنذر.....، حديث: 6693، وصحيح مسلم، النذر، باب النهي عن النذر.....، حديث: 1639. (2) النسآء 4:36. (3) النحل 16:91. (4) الحج 22:29. (5) صحيح مسلم، النذر، باب في كفارة النذر، حديث: 1645.

کا فرمان ہے: «مَنْ نَّذَرَ أَنْ يُّطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ» ''جو اللہ کی اطاعت کی نذر مانتا ہے، وہ اسے پورا کرے۔''[1]

اور اگر اللہ نے اس کی حاجت پوری نہیں کی تو پھر نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

④ مخلوق کے فعل کے ساتھ مقید نذر: اسے ''نذر لجاج'' بھی کہا جاتا ہے، مثلاً: کوئی شخص یہ کہے کہ اگر تو نے فلاں کام کیا تو میں ایک ماہ کے روزے رکھوں گا یا اپنے مال میں سے اتنی خیرات کروں گا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نذر والے کو اختیار ہے، چاہے اسے پورا کرے یا قسم کا کفارہ ادا کرے، جب نذر سے متعلق کام میں وہ ''حانث'' ہو جائے، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے: «لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ وَّلَا غَضَبٍ، وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ»

''اللہ کی نافرمانی کی اور غصے میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔''[2]

کیونکہ یہ ''نذر لجاج'' عام طور پر غصے کے وقت ہوتی ہے، جب مخاطب کو کسی کام سے روکنا مطلوب ہوتا ہے یا اس کے ترک کرنے سے منع کرنا ہوتا ہے۔

⑤ نذر معصیت: کسی حرام کام کے ارتکاب کی نذر یا کسی فرض کے ترک کی نذر، مثلاً: کسی مومن کو مارنے کی نذر یا نماز چھوڑ دینے کی نذر۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا پورا کرنا حرام ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ نَّذَرَ أَنْ يُّطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَّذَرَ أَنْ يَّعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ»

''جو اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ اسے پورا کرے اور جو اللہ کی نافرمانی کی نذر مانے وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔''[3]

البتہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نافرمانی کی نذر والا ''کفارۂ یمین'' ادا کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ، وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ»

''نافرمانی میں کوئی نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کے کفارے کی طرح ہے۔''[4]

⑥ ایسی نذر جو مسلمان کی ملکیت میں نہیں یا اس کو پورا کرنے کی اس میں استطاعت نہیں: مثلاً: یوں کہے کہ میں فلاں کا غلام آزاد کروں گا یا ہزاروں من سونا خیرات کروں گا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں ''کفارۂ یمین'' ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: «لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ» ''ابن آدم جس کا مالک نہیں ہے، اس میں نذر نہیں۔''[5]

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب النذر في الطاعة......، حديث: 6696. [2] [ضعيف] سنن النسائي، الأيمان والنذور، باب كفارة النذر، حديث: 3878. [3] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب النذر في الطاعة......، حديث: 6696. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب من رأى عليه كفارة إذا كان في معصية، حديث: 3290. زہری کے سماع کے لیے دیکھیے سنن النسائي، حديث: 3869. شیخ البانی ؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [5] [حسن] سنن النسائي، الأيمان والنذور، باب كفارة النذر، حديث: 3880، وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب اليمين في قطيعة الرحم، حديث: 3274 وإسناده حسن.

(7) حلال چیز کوحرام قرار دینے کی نذر: اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ نے جو اشیاء حلال قرار دی ہیں، وہ نذر سے حرام نہیں ہوں گی، جبکہ بیوی اس سے مستثنیٰ ہے، اگر اسے حرام قرار دیا ہے تو اس پر ''کفارۂ ظہار'' ہے (ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا یا دو ماہ کے لگا تار روزے رکھنا) جب تک کفارہ ادانہیں کرے گا عورت کے قریب نہیں جا سکتا اور عورت کے علاوہ امور میں ''قسم کا کفارہ'' ہے۔

تنبیہ: کل مال کی خیرات کی نذر کی صورت میں تہائی مال کی خیرات کافی ہوگی، اگر ''نذر لجاج'' کی صورت ہے تو اس پر کفارۂ یمین ہے۔ اگر اطاعت کی نذر ماننے والا نذر پوری کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے نیابتاً نیکی کا وہ کام کر سکتا ہے۔ صحیح سند سے ثابت ہے کہ ایک عورت نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: میری ماں نے مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی اور اسے پورا کیے بغیر فوت ہوگئی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے مسجد قباء میں نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

باب:9 ذبح، شکار، کھانوں اور مشروبات کا بیان

ذبح کا بیان ✤ زکاۃ کی تعریف: جن جانوروں کا کھانا حلال ہے، انھیں ذبح یا نحر کرنا ''زکاۃ'' کہلاتا ہے۔

✤ کن جانوروں کو ذبح اور کن کو نحر کیا جاتا ہے: بکری، بھیڑ اور پرندوں کی ہمہ اقسام کو ذبح کیا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ ''اور ہم نے اس کو ذبح عظیم (مینڈھا) عوض میں دیا۔''[1]

اسی طرح گائے کو ذبح کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ''بے شک اللہ تمھیں حکم کرتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔''[2]

البتہ اس کا ''نحر'' بھی جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے گائے کا نحر (سینہ کے قریب سے کاٹنا) بھی ثابت ہے، بنا بریں اس کو حلال کرنے کی دو جگہیں ہوئیں ذبح کی جگہ اور نحر کی جگہ۔ اونٹ کو صرف نحر کیا جاتا ہے، ذبح نہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ نے اونٹ کو کھڑا کر کے سینے کے قریب سے کاٹا تھا اور اس کا بایاں ہاتھ بندھا ہوا تھا۔[3]

✤ ذبح اور نحر کی تعریف: ''ذبح'' حلق اور نرخرا کی رگیں کاٹنا اور ''نحر'' لبہ (سینے کے بالائی حصے) میں چھرا گھونپنا ہے، لبہ گردن کے نیچے قلادہ کی جگہ کو کہتے ہیں، اس جگہ ''آلۂ ذبح'' گھونپا جائے تو دل کو جا لگتا ہے، جس سے جانور کی فوری موت واقع ہو جاتی ہے۔

1 الصّٰفّٰت 107:37. 2 البقرة 67:2. 3 صحيح البخاري، الحج، باب نحر الإبل مقيدة، حديث: 1713، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب نحر الإبل قياماً معقولة، حديث: 1320.

❁ **ذبح اور نحر کا طریقہ:** ذبح یہ ہے کہ جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رخ کر کے ڈال دیا جائے، پھر تیز چھری کے ساتھ "بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" کہہ کر جلدی سے حلقوم، شاہ رگ اور رگیں کاٹ دے۔ اور نحر اس طرح کہ اونٹ کو کھڑا کر کے بائیں ہاتھ سے باندھ دیا جائے، پھر اس کے سینہ کے گڑھے میں، جو قلادہ (پٹا ڈالنے کی جگہ) کے متصل ہے، تیز دھار آلہ مارتا رہے، یہاں تک کہ اس کی جان نکل جائے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹنی بٹھا کر ذبح کرنا چاہتا ہے تو انھوں نے کہا: اسے کھڑا کر اور باندھ لے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

❁ **ذبح کے درست ہونے کی شرائط:** (1) آلۂ ذبح تیز ہو جس سے سارا خون نکل جائے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ فَكُلْ، لَيْسَ الظُّفُرَ وَالسِّنَّ»

"جو (جانور ایسے آلے سے ذبح کیا جائے جو) خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے، اسے کھاؤ (جبکہ) ناخن اور ہڈی (کے ساتھ ذبح کرنا درست) نہیں۔"[1]

(2) بسم اللہ واللہ اکبر یا صرف بسم اللہ پڑھے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ "جس جانور پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا جائے، اسے نہ کھاؤ۔"[2]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ»

"جو خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے، اسے کھاؤ۔"[3]

(3) حلق کے ساتھ شاہ رگ اور دونوں جانب کی رگیں ایک ہی بار کاٹ دے۔

(4) ذبح کرنے والا مسلمان، عاقل اور بالغ ہو یا سمجھدار لڑکا، نیز عورت اور کتابی بھی ذبح کر سکتے ہیں، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ "اور اہل کتاب کا طعام تمھارے لیے حلال ہے۔"[4]

اور ان کے طعام سے ان کا ذبیحہ مراد ہے۔

(5) کنویں میں گر جانے یا جانور کے بھاگ جانے کی وجہ سے اگر ذبح ممکن نہیں ہے تو اس کے جسم کے کسی حصہ پر زخم لگا دیا جائے، جس سے خون کا اجراء ہو جائے تو یہ ذبح شرعاً درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اونٹ بھاگ کھڑا ہوا، ایک آدمی نے اس کو تیر مارا اور گرا لیا تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ، فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هٰذَا فَافْعَلُوا بِهِ هٰكَذَا»

"ان جانوروں میں وحشی جانوروں کی طرح بھاگنے والے (بھی) ہوتے ہیں، چنانچہ ان میں جو ایسا کرے تو ان

[1] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب ما أنهر الدم من القصب والمروة والحديد، حديث: 5503. [2] الأنعام 121:6.
[3] صحيح البخاري، الشركة، باب قسمة الغنم، حديث: 2488. [4] المآئدة 5:5.

کے ساتھ اسی طرح کرو۔''[1]

علماء نے ان سب جانوروں کو جن کا ذبح معروف طریقہ سے نہیں ہوسکتا، مذکورہ طریقے پر ہی قیاس کیا ہے۔

تنبیہات ① اگر ذبیحہ کے پیٹ میں حمل ہے، اس کی تخلیق بھی پوری ہو چکی ہے اور اس کے بال اگ چکے ہیں تو ماں کا ذبح اس کا ذبح ہے اور اس کو کھانا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«كُلُوهُ إِنْ شِئْتُمْ، فَإِنَّ ذَكَاتَهُ ذَكَاةُ أُمِّهِ»

''اگر چاہو تو کھا سکتے ہو، اس لیے کہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس کا ذبح ہے۔''[2]

② بھول کر اگر ''بسم اللہ'' نہ پڑھ سکے تو ذبح میں کوئی نقص نہیں ہے، اس لیے کہ نسیان میں امت محمد ﷺ پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے: «وُضِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»

''میری امت سے خطا، نسیان اور جس کام میں ان پر جبر کیا جائے، معاف کر دیا گیا ہے۔''[3]

③ ذبح میں اس حد تک مبالغہ کہ جانور کی گردن پوری کٹ جائے، صحیح نہیں ہے اگر اتفاقیہ ہو جائے تو بلا کراہت اسے کھانا جائز ہے۔

④ ذبح کرنے والا اگر ذبح کے آداب کی مخالفت کرے کہ جن جانوروں کو ''ذبح'' کیا جاتا ہے، ان کو ''نحر'' کر دے یا ''نحر'' والے جانور کو ''ذبح'' کر دے تو مع الکراہت (ناپسندیدگی کے ساتھ) اسے کھانا جائز ہے۔❀

⑤ بیمار جانور یا جس کا گلا گھٹ جائے یا جسے چوٹ لگ جائے یا پہاڑ سے گر جائے یا جسے سینگ لگ جائے یا جسے درندے نے کھا لیا ہو، اگر زندہ مل جائے اور ذبح کرنے سے اس کی روح خارج ہوئی نہ کہ مذکورہ اسباب سے تو اس کا کھانا جائز ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ ''مگر وہ جسے تم نے ذبح کر لیا۔''[4]

یعنی جس میں تمھیں روح محسوس ہوئی اور ذبح کر کے اس کی روح جدا کی تو وہ حلال ہے۔

⑥ ذبح کی تکمیل سے پہلے اگر ذبح کرنے والا اپنا ہاتھ کھینچ لے اور کافی دیر بعد پھر ذبح کرے تو علماء ایسے ذبیحہ کے نہ کھانے کا حکم فرماتے ہیں۔ الا یہ کہ پہلی بار ذبح کا عمل پورا کر دیا گیا تھا تو تب جائز ہے۔

❀ کراہت سے مراد یہ ہے کہ بچا جائے تو ثواب ہے نہ بچا جائے تو گناہ نہیں، اسے کراہت تنزیہی کہتے ہیں اور کبھی کراہت کا لفظ حرمت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اسے کراہت تحریمی کہتے ہیں مکروہ تحریمی کا ارتکاب سخت گناہ ہے۔ واللہ اعلم (ع،ر)

1 صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب ما ند من البهائم فهو......، حديث:5509، وجامع الترمذي، الصيد، باب ماجاء في البعير والبقر......، حديث:1492 واللفظ له. 2 [حسن] مسند أحمد:31/3، وسنن أبي داود، الضحايا، باب ما جاء في ذكاة الجنين، حديث:2827. 3 سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، حديث:2045,2043، والسنن الكبرٰى للبيهقي:84/6. 4 المآئدة3:5.

شکار کا بیان ❁ **شکار کی تعریف:** خشکی میں رہنے والا وحشی جانور (جو گھر کا پالتو نہ ہو،) یا پانی میں ہی رہنے والے جانور کو حاصل کرنا شکار کہلاتا ہے۔

❁ **شکار کا حکم:** حج یا عمرے کے لیے احرام باندھنے والے کے علاوہ سب لوگ شکار کر سکتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ ''اور جب احرام سے حلال ہو جاؤ (احرام کھول دو) تو شکار کر سکتے ہو۔''[1]

البتہ لہو ولعب کے طور پر اس کو اپنانا درست نہیں ہے۔

❁ **شکار کی اقسام:** شکار دو قسم کا ہے، ایک بحری شکار، یعنی سمندر میں رہنے والے جانور مچھلی وغیرہ کو پکڑنا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ محرم اور غیر محرم سب کے لیے حلال ہے۔ ان جانوروں میں البتہ آبی (سمندری) انسان اور آبی خنزیر حلال نہیں ہیں، اس لیے کہ یہ نام میں انسان اور خنزیر کے ساتھ شریک ہیں، جن کا کھانا حرام ہے۔[2]

اور دوسرا برّی شکار۔ اس کی بہت سی اجناس ہیں۔ جنھیں شریعت نے مباح قرار دیا ہے وہ مباح ہیں اور جن سے منع کر دیا ہے، وہ ممنوع ہیں۔

❁ **شکار کا ذبح کرنا:** سمندری شکار کی موت ہی اس کا ذبح ہے، بس اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اسے زندہ نہ کھایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ: اَلْحُوتُ وَالْجَرَادُ»

''دو مردہ چیزیں ہمارے لیے حلال ہیں: مچھلی اور ٹڈی۔''[3]

اور بری جانور اگر زندہ ہاتھ لگ جائے تو اس کا ذبح کرنا ضروری ہے، ذبح کیے بغیر اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ غَيْرِ مُعَلَّمٍ فَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْ»

''اور جو تو نے نہ سدھائے ہوئے کتے کے ذریعے سے شکار کیا اور (پھر) ذبح کر لیا تو اسے کھا لے۔''[4]

اگر مردہ ملے تو اس کا کھانا اس وقت جائز ہے، جب وہ درج ذیل شرائط پر پورا اترتا ہو:

① شکار کرنے والا ایسا شخص ہو جو ذبح کر سکتا ہو، مثلاً: یہ کہ وہ مسلمان، عاقل اور سمجھدار ہو۔

② تیر چلاتے وقت یا کتا چھوڑتے وقت اس نے ''بسم اللہ'' پڑھی ہو۔ ارشاد نبوی ہے:

«مَا صِدْتَ بِقَوْسِكَ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ۔ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ غَيْرِ مُعَلَّمٍ فَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْ»

① المآئدة 5:2. ② اس میں اشتراک کی ایسی چیز نہیں جو علت تحریم بن جائے۔ ③ [حسن] السنن الکبرٰی للبیهقي:1/254، وسنن ابن ماجه، الصید، باب صید الحیتان والجراد، حدیث: 3218، وهو أطول منه. یہ روایت مرفوعاً معمولی ضعیف ہے اور موقوفاً صحیح ہے۔ امام بیہقی نے بھی موقوف کو صحیح قرار دیا ہے، تاہم موقوف بھی مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔ ④ صحیح البخاري، الذبائح والصید، باب صید القوس، حدیث: 5478، وصحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الصید بالكلاب المعلمة......، حدیث: 1930.

”جو تو نے کمان (یا گولی) کے ساتھ شکار کیا اور (اس پر) اللہ کا نام لیا تو کھا۔ اور جو تو نے نہ سدھائے ہوئے کتے کے ذریعے سے شکار کیا اور (پھر) ذبح کر لیا تو اسے کھا لے۔“[1]

③ آلۂ شکار تیز ہونا چاہیے جو جلد کو پھاڑ دے، اگر دھار دار اور تیز نہیں ہے، جیسا کہ لاٹھی یا پتھر تو اس کے ساتھ ذبح کیا ہوا شکار کھانا حلال نہیں ہے، اس لیے کہ وہ چوٹ لگنے سے مرے ہوئے جانور کے حکم میں ہے، الا یہ کہ جانور زندہ مل جائے اور اسے ذبح کر لیا جائے تو پھر اس کا کھانا حلال ہے۔ معراض (چوڑائی کے بل لگنے والے آلے) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: «فَإِذَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ فَلَا تَأْكُلْ»

”جب معراض (چوڑائی والا حصہ) لگے تو نہ کھا، اس لیے کہ یہ جانور چوٹ لگنے سے مرا ہے۔“[2]

اگر حملہ کرنے والا کتا، باز یا شکرا ہو تو اس کا سدھایا ہوا ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾

”اور جو شکاری درندے تم نے شکار کرنے کو سدھائے ہوں (اور) جن کو تم شکار کی تعلیم دیتے ہو، جس طرح کہ اللہ نے تم کو تعلیم دی ہے، جو وہ تمھارے لیے محفوظ رکھیں تو وہ تم کھا لیا کرو اور اس پر اللہ کا ذکر کیا کرو۔“[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَمَا صِدْتَّ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ ثُمَّ كُلْ»

”اور جو تو سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ شکار کرے تو اللہ کا نام ذکر کر، پھر کھا۔“[4]

تنبیہ: سدھائے ہوئے جانور بالخصوص کتے کی پہچان یہ ہے کہ بلانے پر فوراً تعمیل کرے۔ شکار پر جھپٹنے کا اشارہ دیا جائے تو جھپٹے، روکا جائے تو رک جائے، البتہ کتے کے علاوہ کسی اور جانور میں رکنے والی صفت ناممکن ہے۔

④ شکار پکڑنے میں شکاری کتا دوسرے کتوں کے ساتھ نہ مل گیا ہو، اس لیے کہ پھر یہ پتہ نہیں چل سکے گا کہ شکار کو کس نے پکڑا ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اس نے یا کسی اور کتے نے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَإِنْ وَّجَدْتَّ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ وَقَدْ قَتَلَ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهُمَا قَتَلَهُ»

”اگر تو اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کتا دیکھے جبکہ شکار قتل ہو گیا ہے تو نہ کھا، اس لیے کہ تو نہیں جانتا کہ اسے کس نے قتل کیا۔“[5]

[1] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب صيد القوس، حديث: 5478، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة....، حديث: 1930. [2] صحيح البخاري، الذبائح والصيد،باب صيد المعراض، حديث: 5476، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي، حديث: 1929. [3] المآئدة 5:4. [4] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب ماجاء في التصيد، حديث: 5488. [5] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب التسمية على الصيد، حديث: 5475، و صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي، حديث: 1929 واللفظ له.

(5) شکار میں سے کتے نے کھایا نہ ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِلَّا أَنْ يَأْكُلَ الْكَلْبُ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلٰى نَفْسِهِ»

''کتا شکار میں سے کھالے تو تو نہ کھا، مجھے اندیشہ ہے کہ اس نے اپنے لیے اسے پکڑا ہے۔''[1]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ ''اس سے کھاؤ جو انھوں نے تمھارے لیے روک لیا ہے۔''[2]

تنبیہات شکار اگر نظروں سے اوجھل ہو جائے اور بعدازاں وہ مل جائے، جبکہ اسے تیر کا نشان لگا ہے اور دوسرا کوئی نشان اس پر نہیں ہے تو اس کا کھانا جائز ہے، جب تک تین راتیں اس پر نہ گزر جائیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَكُلْهُ مَالَمْ يُنْتِنْ» ''جب تک بدبودار نہ ہو، کھا سکتے ہو۔''[3]

جانور شکار کر لیا جائے اور وہ پانی میں گر کر مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے، اس لیے کہ وہ پانی کے سبب سے مرا ہے، تیر کی وجہ سے نہیں۔

شکاری جانور کے پکڑنے سے اگر شکار کا کوئی عضو الگ ہو جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے، اس لیے کہ وہ زندہ جانور سے جدا کیا ہوا عضو ہے اور آپ کا فرمان ہے:

«مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ» ''زندہ جانور سے جو حصہ کاٹا جائے، وہ مردار ہے۔''[4]

کھانے کا بیان ❁ **طعام کی تعریف:** ''طعام'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بطور خوراک کھائی جائے، مثلاً: دانے، کھجور، گوشت وغیرہ۔

❁ **کھانے کا حکم:** ہر قسم کے طعام میں اصل حلت (حلال ہونا) ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ ''وہی تو ہے جس نے زمین کی تمام چیزیں تمھارے لیے پیدا کی ہیں۔''[5]

ان میں وہی اشیاء حرام ہوں گی، جن کی حرمت کتاب و سنت یا ''قیاس صحیح'' سے ثابت ہو گی کیونکہ شریعت نے کئی چیزیں اس لیے حرام کی ہیں کہ وہ جسم کے لیے نقصان دہ ہیں یا عقل کے لیے تباہ کن۔ جبکہ پہلی امتوں پر بعض چیزیں امتحان کے طور پر بھی حرام کی گئی تھیں۔ اللہ جل مجدہ فرماتا ہے:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ﴾

[1] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب ماجاء في التصيد، حديث: 5487. [2] المآئدة 4:5. [3] صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب إذا غاب عنه الصيد ثم وجده، حديث: 1931. [4] [صحيح] جامع الترمذي، الصيد، باب ماجاء ما قطع من الحي فهو ميت، حديث: 1480، وسنن أبي داود، الصيد، باب إذا قطع من الصيد قطعة، حديث: 2858 واللفظ له. [5] البقرة 29:2.

''یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے بعض چیزیں ان پر حرام کر دیں، جو ان کے لیے حلال تھیں۔''[1]

✽ **ممنوع کھانوں کی اقسام:** ✽ **کتاب اللہ کی رو سے ممنوع:** (1) دوسرے کا مال جو ملکیت کی کسی بھی شکل سے صارف کے لیے مباح نہیں ہوا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ ''اور اپنے اموال باطل ذرائع سے نہ کھاؤ۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَّاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ»

''بلا اجازت کوئی دوسرے کے جانور کا دودھ نہ نکالے۔''[3]

(2) اپنی طبعی موت مرنے والا جانور، اس میں گلا گھونٹا ہوا جانور، چوٹ لگا ہوا، دیوار سے گرنے والا اور درندے کا کھایا ہوا سب داخل ہیں۔

(3) ذبح کے وقت بہنے والا خون۔ اسی طرح ''ذبیحہ'' کے خون کے علاوہ کوئی اور خون، بہے یا نہ بہے، کم ہو یا زیادہ۔

(4) خنزیر کا گوشت، خون اور چربی وغیرہ جملہ اجزاء سب حرام ہیں۔

(5) وہ چیز یا جانور جس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔

(6) وہ جانور جو کسی تھان (بت خانے) پر ذبح کیے جائیں۔ نیز قبروں اور ایسے قبوں پر ذبح ہونے والے جانور کہ جو عبادت غیر اللہ کی علامت وامارت کے لیے بنائے جائیں، سب اس میں داخل ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِۦ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ

''مردہ جانور، خون، خنزیر کا گوشت اور جسے غیر اللہ کے لیے پکارا جائے ✽ جو گلا گھونٹ کر اور جو (عصا، پتھر کی)

✽ اس کی دو صورتیں ہیں: ① کسی جانور وغیرہ کو کسی پاک روح کی طرف منسوب کر کے شہرت دے دی جائے (مثلاً: پیر جیلانی رحمہ اللہ کا بکرا وغیرہ) پھر اس جانور کی تعظیم کی جائے یا اس کا گوشت خیرات کر کے ثواب اس پاک روح کو ہدیہ کیا جائے، اس لیے نہیں کہ وہ پاک روح ثواب کی محتاج ہے بلکہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بطور انعام واکرام ایسا بنا دیا ہے کہ وہ مخلوق کی ضروریات کو جانتی اور اس کی فریادوں کو سنتی ہے، چنانچہ وہ ہمارے اس ہدیۂ ثواب سے خوش ہو کر ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کرے گی خواہ اللہ کی دی ہوئی غیبی طاقت، تصرف اور اختیار سے یا اللہ سے سفارش کر کے، اس عقیدے اور طریقے سے جس جانور کو بھی غیر اللہ کے لیے پکارا اور نامزد کیا جائے گا وہ اس آیت کریمہ کی زد میں آ کر حرام ہو جائے گا کیونکہ یہ عقیدہ کتاب وسنت کے مزاج کے خلاف، حقیقت سے دور، وہم اور شرک اکبر پر مبنی ہے اور جو جانور خالق کے بجائے مخلوق کی نذر ہو جائے وہ تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے تو بھی حلال نہیں ہوگا۔ ② ذبح کرتے وقت تکبیر پڑھنے کے بجائے یا تکبیر پڑھنے کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کا نام لیا جائے، یہ بھی شرک اکبر ہے۔ واللہ اعلم (ع،ر)

[1] النسآء 4:160. [2] البقرة 2:188. [3] صحيح البخاري، في اللقطة، باب لا تحتلب ماشية أحد بغير إذنه، حديث:2435، وصحيح مسلم، اللقطة، باب تحريم حلب الماشية......، حديث:1726.

چوٹ سے مرے، جو گر کر اور سینگ لگ کر مرے اور جس کو درندہ کھا جائے، سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو اور جو بتوں پر ذبح کیا جائے، یہ سب تمھارے لیے حرام ہیں۔''[1]

مذکورہ بالا چیزوں کی حرمت ''کتاب عزیز'' (قرآن مجید) سے ثابت ہے۔

* سنت رسول اللہ ﷺ کی رو سے ممنوع: ① گھریلو گدھا حرام ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ»

''رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھے کے گوشت سے منع کر دیا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دے دی۔''[2]

② پالتو گدھوں کی حرمت پر قیاس کر کے خچر بھی حرام ہے، اس لیے کہ ایک لحاظ سے گدھے کے حکم میں ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا﴾ ''اور گھوڑے، خچر اور گدھے تمھاری سواری کے لیے (پیدا کیے۔)''[3]

''دلیل خطاب'' (مفہوم مخالف) سے ان کی حرمت ثابت ہوتی ہے مگر گھوڑے کو رسول اللہ ﷺ کی صریح نص سے حلال قرار دیا گیا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کے کھانے کی اجازت دی، جیسا کہ مذکورہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہے، لہٰذا گھوڑا حلال ہے۔

③ کچلی والے درندے جیسا کہ شیر، چیتا، ریچھ، بھیڑیا، کتا، گیدڑ اور لومڑ، سنجاب وغیرہ، سب درندے کچلی والے حرام ہیں۔ اسی طرح پنجے میں دبوچ کر کھانے والے پرندے، جیسا کہ شکرا، باز، عقاب، شاہین چیل، باشق (ایک شکاری پرندہ) الو وغیرہ، پرندے جو جھپٹ کر پنجہ سے شکار کرتے ہیں، اس لیے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ، وَعَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ»

''رسول اللہ ﷺ نے کچلی والے درندوں اور پنجوں کے ذریعے سے شکار کرنے والے پرندوں (کے کھانے) سے منع کیا ہے۔''[4]

④ چوپاؤں اور جانوروں میں سے وہ جانور جو انسانی فضلہ کھانے کا عادی ہو جائے، اسی طرح مرغی بھی ہے *

* لیکن ان سے وہ جلالہ (گندگی خور) جانور مراد ہیں جن کی اکثر خوراک ہی گندگی ہوتی ہے لیکن جن جانوروں کی عام خوراک گندگی نہیں ہوتی، تاہم ہر جگہ منہ مارنے کی عادت کی وجہ سے کچھ ناپسندیدہ چیزیں بھی کھا جاتے ہیں، اس سے ان کے گوشت یا دودھ میں کوئی خرابی ◄◄

① المآئدة 5:3. ② صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب لحوم الحمر الإنسية، حديث: 5524، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة أكل لحم الخيل، حديث: 1941 واللفظ له. ③ النحل 16:8. ④ صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب تحريم أكل كل ذي ناب من السباع......، حديث: 1934.

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: «نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا»

''نبی کریم ﷺ نے غلاظت کھانے والے جانور کے گوشت اور دودھ سے منع کیا ہے۔''[1]

(5) جلالہ (پلیدی کھانے والی گائے) بھی حرام ہے، اگر اس کو نجاست سے دور رکھیں تا کہ اس کا گوشت یا دودھ درست ہو جائے۔ تب گوشت یا دودھ استعمال کرنا جائز ہے۔

✽ نقصانات سے بچاؤ کی بنیاد پر ممنوع: (1) ہر قسم کے زہر: اس لیے کہ زہر جسم کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔

(2) مٹی، پتھر اور کوئلہ: اس لیے کہ یہ چیزیں نقصان دہ ہیں اور ان کے کھانے میں فائدہ نہیں۔ ⊙

(3) وہ گندی چیزیں جن سے طبیعت فطری طور پر کراہت محسوس کرتی ہے: جیسا کہ حشرات (کیڑے مکوڑے) وغیرہ، اس لیے کہ ایسی چیزیں بیماریوں کا سبب بنتی ہیں اور بدن میں ایذا رسانی کا باعث ہوتی ہیں۔

(4) جو چیزیں طبعاً نجس ہیں، جیسا کہ انسانی فضلہ اور گدھے کی لید وغیرہ، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَٰٓئِثَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ان پر خبیث چیزیں حرام کرتا ہے۔''[2]

✽ مجبور کے لیے ممنوعات کی اباحت: اگر جان کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو شدید بھوک کی وجہ سے زہر کے علاوہ دیگر جملہ ممنوعات لاچار کے لیے مباح قرار دی گئی ہیں تا کہ وہ ان سے اپنی زندگی بچا سکے، چاہے وہ غیر کی ملکیت ہو یا مردار اور خنزیر کا گوشت یا کوئی اور ممنوع چیز بشرطیکہ ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کرے، اور بقدر جان بچانے کے ہی کھائے اور اس کو ناپسند سمجھے اور لذت حاصل کرنے کے لیے استعمال نہ کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾

''پھر جو کوئی بھوک کی وجہ سے مجبور ہو جائے اور گناہ کی طرف میلان نہ کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔''[3]

◂◂ واقع نہیں ہوتی، اللہ نے ان کے جسم میں ایسے فلٹر لگا دیے ہیں جو ان کے گوشت اور دودھ کو خراب نہیں ہونے دیتے، جیسے مرغی کا گوشت ہے یا بکری گائے بھینس وغیرہ کا گوشت اور دودھ بلا کراہت جائز ہیں۔ (محمد عبدالجبار)

⊙ ہم جانوروں کو طاہر چیزیں کھلانے کے مکلف ہیں لیکن اگر مرغی کسی وقت تھوڑی بہت گندگی کھا جائے تو پھر بھی حلال ہے رسول اکرم ﷺ نے اسے تناول فرمایا تھا۔ (مسند أحمد: 4/394 و398,397)(محمد عبدالجبار)

(1) [حسن] سنن أبي داود، الأطعمة، باب النهي عن أكل الجلالة وألبانها، حديث: 3785، اس کی سند ابن اسحاق وغیرہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن سنن ابی داود (3786) وغیرہ میں حسن روایت ہے کہ نبی ﷺ نے لبن الجلالہ (غلاظت خور جانور کے دودھ) سے منع کیا ہے۔ صححه ابن حبان والحاكم والذهبي وغيرهم اور یہ اصول کی بات ہے کہ جس کا دودھ ممنوع ہے اس کا گوشت بھی ممنوع ہے۔ (2) الأعراف 7:157. (3) المآئدة 5:3

پینے کے مسائل ✽ مشروب کی تعریف: بہنے والی چیزیں جو پی جاتی ہیں، مشروب کہلاتی ہیں۔

✽ **مشروب کا حکم:** کھانے کی چیزوں کی طرح پینے کی چیزیں بھی مباح ہیں، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ”وہی تو ہے جس نے زمین کی تمام چیزیں تمھارے لیے پیدا کی ہیں۔“[1]

البتہ وہ چیزیں حرام ہیں جن کی حرمت پر شرعی نص موجود ہے جیسا کہ:

(1) شراب: اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ

”شراب، جوا، بت اور قسمت کے تیر سب پلید ہیں اور شیطانی کاموں میں سے ہیں، پس ان سے اجتناب کرو۔“[2]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ [وَآكِلَ ثَمَنِهَا]»

”اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے شراب، اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے، نچوڑنے میں مدد کرنے والے، اٹھانے والے، جس کی طرف اٹھائی گئی ہے اور اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت کی ہے۔“[3]

(2) بہنے والی عام چیزیں اور الکوحل پر مشتمل اشیاء جو کہ نشہ آور ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ»

”تمام نشہ دینے والی چیزیں شراب ہیں اور ہر شراب حرام ہے۔“[4]

(3) دو چیزیں ملا کر بنایا ہوا نبیذ: یعنی پکی ہوئی تازہ کھجور اور جس پر پکنے کا ابھی نشان ظاہر ہو رہا ہو، اسی طرح کشمش اور تازہ کھجور کو ایک ہی برتن میں پانی ڈال کر میٹھا مشروب تیار کر لیا جائے، اس میں نشہ پیدا ہو یا نہ ہو، ممنوع ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«لَا تَنْتَبِذُوا الزَّهْوَ وَالرُّطَبَ جَمِيعًا، وَلَا تَنْتَبِذُوا الرُّطَبَ وَالزَّبِيبَ جَمِيعًا، وَلٰكِنِ انْتَبِذُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عَلٰى حِدَتِهِ»

”زہو (سرخی مائل) اور رطب (پکی ہوئی تازہ) کھجوروں کا اکٹھا نبیذ نہ بناؤ، کشمش اور تازہ کھجور کا اکٹھا نبیذ نہ

(1) البقرة 2:29. (2) المائدة 5:90. (3) [حسن] سنن أبي داود، الأشربة، باب العصير للخمر، حديث: 3674، والمستدرك للحاكم: 2/32، وسنن ابن ماجه، الأشربة، باب لعنت الخمر على..... حديث: 3380. 4 صحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر..... حديث: 2003.

بناؤ، البتہ ہر ایک کا الگ الگ نبیذ بنا سکتے ہو۔"[1]

اس لیے کہ دونوں کے اختلاط سے اس میں جلدی نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حرام تک پہنچانے والے ذریعے کے طور پر اس سے منع فرما دیا ہے۔

(4) جن جانوروں کا کھانا حرام ہے، ان کا پیشاب بھی حرام ہے، اس لیے کہ وہ پلید ہیں اور پلید چیز حرام ہے۔

(5) جن جانوروں کا گوشت کھایا نہیں جاتا ان کا دودھ بھی اسی قبیل میں داخل ہے، ماسوائے انسان کے دودھ کے کہ یہ بچے کے لیے حلال ہے۔

(6) وہ تمام چیزیں جو انسانی جسم کے لیے مضر ہیں، جیسا کہ زہریلی گیسیں وغیرہ۔

(7) دھویں والے مشروبات، مثلاً: تمباکو، چرس اور سگریٹ وغیرہ، اس لیے کہ ان میں سے بعض انسانی جسم کے لیے مضر ہیں اور بعض نشہ آور ہیں اور بعض بدبودار جن سے انسان اور فرشتوں کو ایذا پہنچتی ہے اور ان صفات کی حامل اشیاء شرعاً ممنوع ہیں۔

✽ **مشروبات میں سے "مضطر" کے لیے بعض مباح اشیاء:** جس کے گلے میں کوئی چیز اٹک جائے اس کے لیے جائز ہے کہ اگر اسے کوئی حلال چیز میسر نہیں تو شراب استعمال کر لے اور اگر جان نکلنے کا خطرہ ہے جیسا کہ اسے پیاس سے مرنے کا اندیشہ ہے تو وہ بھی حرام مشروبات استعمال کر سکتا ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾ "مگر جس کی طرف تم مجبور ہو جاؤ۔"[2]

باب:10 جنایات کا بیان

انسانی جان پر جنایت ✽ **انسانی جان پر جنایت کی تعریف:** کسی انسان پر اس انداز کی ظلم و زیادتی کہ اس کے جسم سے جان نکل جائے یا بعض اعضاء تلف (بیکار) ہو جائیں یا جسم پر زخم لگ جائے۔

✽ **انسانی جان پر جنایت کا حکم:** ناحق طور پر قتل کرنا یا کسی عضو کو تلف کر دینا یا جسم پر زخم لگانا حرام اور کفر کے بعد مومن کے قتل سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا

(1) صحيح البخاري، الأشربة، باب من رأى أن لايخلط البسر.....، حديث: 5602، وصحيح مسلم، الأشربة، باب كراهة انتباذ التمر.....، حديث: 1988 واللفظ له. (2) الأنعام 6:119.

عَظِيمًا ۝

''اور جو عمداً کسی مومن کو قتل کر دیتا ہے اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اللہ نے اس پر غضب کیا ہے اور اس پر لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔'' [1]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ»

''قیامت کے دن سب سے پہلے خونوں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔'' [2]

نیز فرمایا: «لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِّنْ دِينِهِ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا»

''مومن اپنے دین میں بڑھتا ہے، جب تک کہ کسی حرام خون کا ارتکاب نہ کرے۔'' [3]

نفس پر جنایت کی اقسام نفس پر جنایت کی درج ذیل تین اقسام ہیں:

(1) **قتل عمد:** یعنی جنایت کرنے والا جان بوجھ کر قتل کے ارادے سے کسی کو لوہے کی چیز یا لاٹھی یا پتھر مارے یا اوپر سے پھینک دے یا پانی میں ڈبو دے یا آگ میں جلا دے یا گلا گھونٹ دے یا زہر دار چیز کھلا دے اور وہ اسی وجہ سے مر جائے یا اعضاء تلف کر دے یا بدن کے کسی حصے پر زخم لگائے۔ اس ''ارادی جنایت'' کا حکم یہ ہے کہ اس میں قصاص لازم ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ

''اور ہم نے (تورات میں) ان پر لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بھی قصاص ہے۔'' [4]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُفْدٰى، وَإِمَّا أَنْ يُقِيدَ»

''جس کا قتل ہو جائے، وہ دو میں سے ایک بات چن لے، چاہے تو اسے دیت (مخصوص مالی معاوضہ) ادا کی جائے یا قصاص لے۔'' [5]

آپ کے ایک اور فرمان میں ہے: «مَنْ أُصِيبَ بِدَمٍ أَوْ خَبْلٍ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ إِحْدٰى ثَلَاثٍ: إِمَّا أَنْ يَّقْتَصَّ أَوْ يَأْخُذَ الْعَقْلَ أَوْ يَعْفُوَ، فَإِنْ أَرَادَ رَابِعَةً فَخُذُوا عَلٰى يَدَيْهِ ......»

1 النسآء 4:94. 2 صحيح البخاري، الرقاق، باب القصاص يوم القيامة، حديث: 6533، و صحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب، المجازاة بالدماء في الآخرة.....، حديث: 1678 واللفظ له. 3 صحيح البخاري، الديات، باب قول الله تعالٰى: ﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا﴾ ......، حديث: 6862. 4 المآئدة 5:45. 5 صحيح البخاري، في اللقطة، باب: كيف تعرف لقطة أهل مكة، حديث: 2434، و صحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة و تحريم صيدها......، حديث: 1355.

’’جس کا خون ہو جائے یا (اعضاء میں) زخم تو اسے تین میں سے ایک کا اختیار ہے یا قصاص لے یا دیت قبول کر لے یا پھر معاف کر دے، اگر وہ چوتھی بات کا ارادہ کرے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو۔‘‘ [1]

② قتل شبہ عمد: جس میں جنایت کرنے والے (مجرم) نے صرف سزا کا ارادہ کیا تھا، قتل یا زخم کا نہیں، مثلاً: کسی کو لاٹھی سے معمولی ضرب لگاتا ہے جس سے عادتاً انسان قتل نہیں ہوتا یا تھپڑ مارتا ہے یا اس کے ساتھ سر ٹکراتا ہے یا معمولی پانی میں پھینکتا ہے یا اس کے سامنے چیختا ہے یا اسے دھمکی دیتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ اس قسم کی جنایت میں قصور وار کے ’’عاقلہ‘‘ (افرادِ قبیلہ) پر دیت ہے اور جنایت کرنے والے (مجرم) پر کفارہ ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا

’’اور جو کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیتا ہے تو (اس کا کفارہ یہ ہے کہ) مومن غلام آزاد کیا جائے اور اس (مقتول) کے اہل کو دیت دی جائے۔ اِلّا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔‘‘ [2]

③ قتل خطا: ایک مسلمان جائز اور مباح کام کر رہا ہے، مثلاً: تیراندازی یا شکار یا گوشت کے ٹکڑے کرنا وغیرہ مگر اس میں غلطی سے کوئی انسان قتل ہو جائے یا زخمی ہو جائے۔ اس قسم کی کوتاہی کی سزا دوسری قسم میں مذکور سزا کی طرح ہے، البتہ اس میں دیت ہلکی ہے اور کوتاہی کرنے والا عنداللہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس ’شبہ عمد‘ میں دیت مغلظہ (بھاری دیت) ہے اور وہ گناہ گار بھی ہے۔

احکام جنایات ❊ قصاص کے واجب ہونے کی شرائط: قتل یا اعضاء کے ضیاع یا زخم میں قصاص کا واجب ہونا درج ذیل شرائط کے ساتھ مشروط ہے: ① مقتول معصوم ہو، اگر وہ شادی شدہ زانی ہے یا مرتد ہے یا غیر معاہد کافر ہے تو پھر قصاص نہیں ہے بلکہ اس کا خون اس کے اپنے جرائم کے نتیجے میں ضائع ہے۔

② قاتل مکلّف، یعنی عاقل و بالغ ہو، اگر وہ نابالغ ہے یا مجنون ہے تو مکلّف نہ ہونے کی وجہ سے اس پر قصاص نہیں ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے نابالغ، مجنون اور سوئے ہوئے کو مرفوع القلم قرار دیا ہے۔ [3]

③ دین میں قاتل اور مقتول دونوں برابر ہوں، اس لیے کہ کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ کا فرمان ہے: «لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ» ’’کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔‘‘ [4]

④ یہ ہے کہ قاتل مقتول کا والد، ماں یا دادا اور دادی نہ ہو، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے:

[1] [ضعيف] مسند أحمد: 31/4، وسنن أبي داود، الديات، باب الإمام يأمر بالعفو في الدم، حديث: 4496، وسنن ابن ماجه، الديات، باب من قتل له قتيل......، حديث: 2623. [2] النساء 92:4. [3] [حسن] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المعتوه......، حديث: 2041. [4] صحيح البخاري، الديات، باب العاقلة، حديث: 6903.

«لَا يُقْتَلُ وَالِدٌ بِوَلَدِهِ» ''اولاد کے بدلے میں والد کو قتل نہ کیا جائے۔''[1]

❁ **قصاص لینے کی شرائط:** قصاص درج ذیل شروط کے پورا ہونے کے بعد لیا جا سکتا ہے: (1) جس کے لیے قصاص لینا ہے، اس کا مکلّف، یعنی عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے، اگر وہ نابالغ یا مجنون ہے تو مجرم کو پابند رکھا جائے گا کہ بچے کے بالغ ہونے یا مجنون کے افاقے کے بعد وہ چاہیں تو قصاص لیں یا دیت قبول کریں یا معاف کر دیں، صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی بات مروی ہے۔

(2) خون کے مستحقین، یعنی مقتول کے ورثاء قصاص لینے پر متفق ہوں، اگر کسی ایک نے معاف کر دیا تو پھر قصاص نہیں ہوگا اور جس نے قصاص معاف نہیں کیا، دیت میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا۔

(3) قصاص لینے میں ظلم و زیادتی سے بچا جائے، یعنی اسی طرح کا زخم لگایا جائے جس طرح کا مجرم نے لگایا تھا اور قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل نہ کیا جائے، نیز قتل کرنے والی حاملہ عورت کو قصاص میں وضع حمل اور مدت رضاعت سے پہلے قتل نہ کیا جائے کیونکہ ایک عورت نے کسی عورت کو عمداً قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُقْتَلُ حَتّٰى تَضَعَ مَا فِي بَطْنِهَا إِنْ كَانَتْ حَامِلًا، وَحَتّٰى تُكَفِّلَ وَلَدَهَا»

''اگر یہ حاملہ ہے تو ''وضع حمل'' اور اپنے بچے کی کفالت سے پہلے اسے قتل نہ کیا جائے۔''[2]

(4) قصاص سلطان یا اس کے نائب کی موجودگی میں ہونا چاہیے تاکہ ظلم و تعدی نہ ہو سکے۔[3]

(5) قصاص تیز دھار آلہ سے لیا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ» ''قصاص صرف تلوار سے لیا جاتا ہے۔''❀

قصاص، دیت اور معاف کرنے میں اختیار مسلمان کے لیے قصاص لینا ثابت ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ قصاص لے یا دیت قبول کر لے یا پھر معاف کر دے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ﴾

''جس (قاتل) کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو معروف

❀ یاد رہے کہ مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ اسلامی عدالت کرتی ہے وہی کسی قصاص یا حد کے نفاذ کی مجاز ہے اگر کوئی شخص از خود قصاص لیتا یا کوئی حد جاری کرتا ہے تو وہ مجرم ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (محمد عبدالجبار)

[1] [ضعيف] مسند أحمد: 49/1، وجامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في الرجل يقتل ...... حديث: 1400، اس کی سند حجاج بن ارطاۃ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے، السنن الكبرى للبيهقي وغیرہ میں اس کے ضعیف شواہد ہیں جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے اور یہی راجح ہے۔ [2] [ضعيف] سنن ابن ماجه، الديات، باب الحامل يجب عليها القود، حديث: 2694.

[3] [ضعيف] سنن ابن ماجه، الديات، باب لا قود إلا بالسيف، حديث: 2668.

طریقے سے پیروی کی جائے (دیت طلب کی جائے) اور (قاتل یا اس کے عاقلہ) نیکی اور خوش خلقی کے ساتھ اس کی ادائیگی کریں۔''[1] نیز فرمان ربانی ہے:

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ''پس جو معاف کرتا ہے اور اصلاح کرتا ہے، اس کا اجر اللہ پر ہے۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُفْدٰى، وَإِمَّا أَنْ يُقِيدَ»

''جس کا قتل ہو جائے تو اسے دو چیزوں میں اختیار ہے چاہے تو اسے دیت دی جائے یا قصاص دلایا جائے۔''[3]

نیز فرمایا: «مَا عَفَا رَجُلٌ إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهِ عِزًّا»

''جو مرد کسی کو معاف کر دیتا ہے، اللہ اس کے بدلے اس کی عزت بڑھا دیتا ہے۔''[4]

تنبیہ: ① جو وارث دیت قبول کر لے تو قصاص لینے میں اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے، چنانچہ قبول دیت کے بعد اگر اس نے قصاص کا مطالبہ کیا تو اسے یہ حاصل نہیں ہو سکے گا اور اگر وہ انتقام لینے پر تل جائے اور قاتل کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا، البتہ قصاص اختیار کرنے کے بعد بھی فیصلہ بدل کر وہ دیت لینا قبول کر سکتا ہے۔

② قاتل کے مر جانے کے بعد ''اولیائے مقتول'' صرف دیت کا مطالبہ کر سکتے ہیں، اس لیے کہ قاتل کی موت کی وجہ سے قصاص ممکن نہیں رہا ہے، یہ اس لیے بھی کہ قصاص میں غیر قاتل (قاتل کے بجائے اس کے کسی عزیز) کو قتل نہیں کیا جا سکتا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝

''اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے، ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اسے چاہیے کہ (قصاص کے وقت قاتل کے) قتل میں زیادتی نہ کرے بے شک اس کی مدد کی جائے گی۔''[5]

''قتل میں زیادتی'' کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ غیر قاتل کو قتل کر دے۔

③ قاتل خطا اور شبہ عمد دونوں پر کفارہ ہے، چاہے مقتول ماں کے پیٹ میں بچہ ہے یا بڑا، چاہے آزاد ہے یا غلام۔ ایسے قتل کا کفارہ ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر وہ اس کی طاقت نہیں پاتا تو دو ماہ لگاتار روزے رکھنے ہیں، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

1 البقرة 2:178. 2 الشورىٰ 42:40. 3 صحيح البخاري، في اللقطة، باب كيف تعرف لقطة أهل مكة، حديث: 2434، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها……، حديث: 1355. 4 [صحيح] صحيح مسلم، البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو، حديث: 2588، و مسند أحمد: 438/2 واللفظ له. 5 بنيٓ إسراء يل 17:33.

''اور ایک مومن گردن کا آزاد کرنا ہے۔ جو نہیں پاتا وہ لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے۔ یہ اللہ کے حضور توبہ کے طور پر ہے اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''[1]

اعضائے جسم پر جنایت ❁ **جنایت اعضاء کی تعریف:** کوئی انسان دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور اس کی آنکھ نکال دیتا ہے، ٹانگ توڑ دیتا ہے یا ہاتھ کاٹ دیتا ہے تو یہ ''اعضائے جسم'' پر جنایت ہے۔

❁ **جنایت اعضاء کا حکم:** قصوروار نے اگر جان بوجھ کر اور ارادے سے یہ کام کیا ہے اور وہ مظلوم اس کا بیٹا یا بیٹی نہیں اور اسلام اور آزادی میں دونوں برابر ہیں تو ظالم سے قصاص لیا جائے گا۔ اس طرح کہ جو عضو اس نے توڑا یا کاٹا ہے۔ جانی (مجرم) کا وہی عضو توڑا یا کاٹا جائے گا اور اگر اس نے زخم لگایا ہے تو اسے زخمی کیا جائے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ﴾ ''زخموں میں بھی قصاص ہے۔''[2]

اِلّا یہ کہ ''صاحب حق'' (قصاص لینے کے بجائے) دیت قبول کر لے یا معاف کر دے۔

❁ **اعضاء پر جنایت کا قصاص لینے کی شرائط:** اعضاء کا قصاص لینے کی درج ذیل شرطیں ہیں:

(1) قصاص لینے میں حد سے تجاوز کا خطرہ نہ ہو، اگر یہ خطرہ موجود ہے تو قصاص نہیں ہے۔

(2) قصاص لینا ممکن ہو اگر ممکن نہیں تو دیت لی جائے۔

(3) جس عضو کو قصاص میں کاٹنا چاہتے ہیں وہ نام اور محل (جگہ) میں ضائع یا بیکار ہونے والے عضو کے مماثل ہونا چاہیے، لہٰذا بائیں عضو کے بدلے میں دایاں عضو نہیں کاٹا جائے گا اور نہ ہی پاؤں کے بدلے میں ہاتھ اور اگر کسی کی چھ انگلیاں ہوں تو زائد انگلی کے بدلہ میں اصلی انگلی نہیں کاٹی جائے گی دیت دی جائے گی۔ واللہ اعلم۔

(4) دونوں عضو صحت اور کمال میں برابر ہونے چاہئیں، لہٰذا تندرست ہاتھ کے بدلے میں شل ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور نہ تندرست آنکھ کے بدلے کانی آنکھ نکالی جائے گی۔

(5) اگر زخم سر یا چہرے میں لگا ہے، جسے ''شجہ'' کہتے ہیں تو اس میں قصاص نہیں ہے۔ اسی طرح ٹوٹی ہڈی اور معدہ تک پہنچنے والے زخم میں بھی قصاص نہیں ہے مگر ان میں دیت واجب ہے۔

تنبیہ: اگر ایک شخص کو قتل کرنے یا اس کے جسم کے کسی عضو کو ناکارہ کرنے میں ایک جماعت شریک ہے تو سب سے قصاص لیا جائے گا، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سات آدمیوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کر دیا تھا تو انھوں نے سب کو قصاصاً قتل کر دیا اور فرمایا: «لَوْ تَمَالأَ عَلَيْهِ أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ بِهِ جَمِيعًا»

(1) النسآء 4:92. (2) المآئدة 5:45.

''اگر اس کے قتل پر صنعاء شہر کے (تمام) لوگ مجتمع ہوتے تو میں اس کے عوض سب کو قتل کر دیتا۔''[1]

جنایت کے بڑھ جانے کی صورت میں اضافے کے مطابق فیصلہ ہوگا، مثلاً: ایک شخص نے کسی کی انگلی کاٹ دی اور زخم مندمل نہیں ہوا اور ہاتھ شل ہو گیا تو قصاص یا دیت اس (نتیجے) کے مطابق ہو گی۔

قصاص میں زخم بڑھ جائے تو وہ ضائع ہے، مثلاً: ایک شخص نے قصاص میں دوسرے کا ہاتھ کاٹا اور وہ مر گیا تو قصاص لینے والا ضامن نہیں الا یہ کہ اس نے قصاص لینے میں تجاوز کیا ہو، مثلاً: اس نے کند آلے کے ساتھ کاٹا ہے یا زہر آلود آلہ استعمال کیا ہے تو پھر وہ ضامن ہو گا۔

متاثرہ شخص کے زخم یا عضو کے بیکار ہونے کی صورت میں ان کے ٹھیک ہونے سے پہلے مجرم سے قصاص نہیں لیا جاتا، اس لیے کہ نبی ﷺ نے زخم کے مندمل ہونے سے پہلے قصاص لینے سے منع کیا ہے۔[2] ❀

اگر کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور زخم ختم ہونے سے پہلے قصاص لے لیا، پھر زخم کے پھیلاؤ کی وجہ سے عضو ضائع ہو گیا تو اب وہ دوبارہ قصاص کا مطالبہ نہیں کر سکتا، اس لیے کہ اس نے حکم نبوی کی خلاف ورزی کر کے قصاص لینے میں جلد بازی کی ہے۔

دیت کا بیان

❁ **دیت کی تعریف:** مستحق خون کو جو مال جنایت کے عوض میں دیا جائے، وہ دیت ہے۔ ⊙

❁ **دیت کا حکم:** دیت شریعت اسلامیہ میں ثابت ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟﴾

''اور اولیاء (مقتول کے ورثاء) کو دیت دی جائے، الا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُفْدٰى، وَإِمَّا أَنْ يُقِيدَ»

''جس کا آدمی مارا جائے، اسے دو چیزوں کے درمیان اختیار ہے کہ اسے دیت دی جائے یا قصاص دلایا جائے۔''[4]

❁ **دیت کس پر واجب ہوتی ہے:** جس نے کسی کو خود یا کسی طرح عمداً قتل کیا ہے تو اس قاتل کے اپنے مال سے دیت عائد ہوتی ہے اور اگر قتل ''شبہ عمد'' ہے یا ''قتل خطا'' ہے تو دیت ''عاقلہ'' پر ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فیصلہ کیا ہے۔ جب دو عورتیں لڑ پڑیں، ایک نے دوسری کو پتھر مارا اور اسے اور اس کے پیٹ میں بچے کو قتل کر دیا تو

❀ کیونکہ زخم کے جسم میں سرایت ہونے کی صورت میں باقی جسم کے تلف ہونے کا امکان موجود ہے۔

⊙ مستحق خون: مقتول کا وارث یا زخمی جسے قصاص یا دیت لینے یا معاف کرنے کا حق ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (ع،ر)

[1] الموطأ للإمام مالك، العقول، باب ماجاء في الغيلة والسحر، حديث: 1671، وفتح الباري: 228/12، حديث: 6896، وسنن الدارقطني: 202/3. [2] مسند أحمد: 217/2. [3] النسآء 92:4. [4] صحيح البخاري، في اللقطة، باب كيف تعرف لقطة......، حديث: 2434، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة...... حديث: 1355.

آپ نے قاتلہ کے ''عاقلہ'' کو دیت ادا کرنے کا حکم دیا۔[1]

''عاقلہ'' سے مراد وہ جماعت ہے جو اس کی طرف سے دیت ادا کرے گی اور اس میں اس کے آباء و اجداد، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، چچا اور چچوں کے بیٹے شامل ہیں۔ ہر ایک اپنی حالت کے مطابق اپنے حصے کی ادائیگی کرے گا اور تین سال کی مدت کی قسطیں ان پر لاگو ہوں گی، وہ ہر سال دیت کا ایک تہائی ادا کریں گے اور اگر ایک ہی بار اور فوراً ادائیگی کر سکتے ہیں تو بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

❁ **دیت کس سے ساقط ہے:** والد اپنی اولاد کو تادیب کے لیے مارتا ہے اور وہ قتل ہو جائے یا حاکم وقت کسی کو تعزیر و تادیب کے طور پر سزا دیتا ہے اور وہ مر جائے، اسی طرح استاد اپنے شاگرد کو تادیبی سزا دیتا ہے اور وہ مر جائے تو ان صورتوں میں دیت نہیں ہے قصاص تو بالاولیٰ نہیں ہے بشرطیکہ تادیب کے لیے معروف حدود سے تجاوز نہ کیا ہو۔

دیات کا تعین ❁ **دیتِ نفس:** اگر مرنے والا آزاد اور مسلمان تھا تو اس کی دیت ایک سو اونٹ یا ایک ہزار مثقال❀ سونا یا بارہ ہزار درہم چاندی یا دو سو گائے یا دو ہزار بھیڑ بکریاں ہیں۔

اور اگر قتل ''شبہ عمد'' ہے تو دیت مغلظہ ہوگی، یعنی سو اونٹوں میں چالیس حاملہ اونٹنیاں بھی ہوں گی اور اگر ''قتل خطا'' ہے تو دیت مغلظہ نہیں بلکہ مخففہ ہوگی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا! وَإِنَّ قَتِيلَ خَطَإِ الْعَمْدِ - بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا وَالْحَجَرِ - (فِيهِ) دِيَةٌ مُّغَلَّظَةٌ، مِائَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ، مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا مِنْ ثَنِيَّةٍ إِلٰى بَازِلِ عَامِهَا، كُلُّهُنَّ خَلِفَةٌ»

''خبردار! بے شک شبہ عمد کا مقتول جو چابک، لاٹھی یا پتھر سے قتل ہوا، اس کی دیت مغلظہ ہے، یعنی ایک سو اونٹ، ان میں چالیس، پانچ سال سے نو سال تک کی تمام حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔''[2]

اور اگر ''قتل عمد'' ہے اور ''مقتول کے ورثاء'' دیت پر راضی ہو گئے ہیں تو وہ دیت سے زیادہ کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں، اس لیے کہ وہ قصاص کا حق رکھتے تھے، لہٰذا وہ قصاص سے کم تر کوئی بھی مطالبہ کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں، چاہے وہ دیت سے زیادہ ہے۔ دیت کے اس تعین کی دلیل حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے۔ فرماتے ہیں:

«فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى أَهْلِ الْإِبِلِ مِائَةً مِّنَ الْإِبِلِ، وَعَلٰى أَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَيْ بَقَرَةٍ، وَعَلٰى

❀ عرف میں مثقال ڈیڑھ درہم کے وزن کا ہوتا ہے اور کبھی اس سے کم اور زیادہ بھی ہوتا ہے۔ گو اونٹوں کی قیمت میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے پھر بھی دیت میں اصل معیار اونٹ ہی ہیں باقی چیزیں ان کی عدم موجودگی میں ان کے بدل اور قیمت کی حیثیت رکھتی ہیں یہ قیمت عہد نبوی کے مطابق ہے آج کل موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا، واللہ اعلم۔ (محمد عبدالجبار)

[1] صحيح البخاري، الديات، باب جنين المرأة ......، حديث: 6910. [2] [صحيح] مسند أحمد: 3/410، وسنن أبي داود، الديات، باب في دية الخطأ شبه العمد، حديث: 4547.

أَهْلِ الشَّاةِ أَلْفَيْ شَاةٍ»

''رسول اللہ ﷺ نے اونٹ والوں پر ایک سو اونٹ اور گائے والوں پر دو سو گائے اور بکری والوں پر دو ہزار بکریاں مقرر کی تھیں۔''[1]

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «أَنَّ رَجُلًا مِّنْ بَنِي عَدِيٍّ قُتِلَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ دِيَتَهُ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا»

''بنو عدی کا ایک مرد قتل ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر کی۔''[2]

اسی طرح عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی دستاویز میں، جسے تمام امت نے قبول کیا ہے، یہ الفاظ ہیں:

«وَعَلٰی أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفُ دِينَارٍ» ''اور سونے والوں پر ایک ہزار دینار ہے۔''[3]

ان پانچ مقررہ دیات میں سے جو بھی قاتل ادا کرے گا، مقتول کے ولی کو اس کا قبول کرنا لازم ہو گا۔ مسلمان آزاد عورت کی دیت مسلمان مرد کی دیت سے نصف ہے۔

موطا امام مالک میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''یہ بات معروف رہی ہے کہ عورت کی دیت تہائی تک مرد کے برابر ہے، اس سے زائد میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہو جاتی ہے۔''❀

ذمی یہودی یا نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے اور ان کی عورتوں کی دیت ان کی اپنی دیت سے بقدر نصف ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «عَقْلُ الْكَافِرِ نِصْفُ عَقْلِ الْمُؤْمِنِ»

''کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔''[4]

غلام کی دیت اس کی قیمت ہے، چاہے جتنی بھی ہو جائے، اس لیے کہ اگر وہ مقتول ہے تو اس کے قتل کی صورت میں مالک کو اس کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ عورت کے پیٹ میں جنین، چاہے لڑکا ہے یا لڑکی تو اس (جنین) کی دیت ایک غلام یا لونڈی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فیصلے میں فرمایا تھا کہ جنین میں ایک غلام یا لونڈی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔[5] اور یہ اس صورت میں ہے کہ جنین (بچہ) پیٹ ہی میں مر جائے لیکن اگر زندہ پیدا ہو گیا اور پھر مر گیا تو اس میں قصاص ہے یا پھر پوری دیت ہے۔

❀ اگر ایسا زخم ہے جس کی دیت تہائی (کل دیت کے تیسرے حصے) تک پہنچتی ہے تو اس میں مرد و عورت برابر ہیں...... لیکن اگر زخم کی دیت تہائی سے زیادہ بنتی ہے تو پھر ایک مرد کے زخم کی جتنی دیت ہو گی اس سے آدھی دیت عورت کے زخم کی ہو گی۔ (محمد عبدالجبار)

[1] [ضعيف] سنن أبي داود، الديات، باب الدية كم هي، حديث: 4544،4543. [2] [حسن] سنن أبي داود، الديات، باب الدية كم هي، حديث: 4546. [3] [صحيح] سنن النسائي، القسامة، باب ذكر حديث عمرو بن حزم في العقول ......، حديث: 4857. [4] [حسن] جامع الترمذي، الديات، باب ما جاء في دية الكفار، حديث: 1413، و سنن النسائي، باب كم دية الكافر، حديث: 4811 واللفظ له. [5] صحيح البخاري، الديات، باب جنين المرأة، حديث: 6905.

تنبیہ: بعض علماء نے جنین (پیٹ میں بچہ) کی دیت اس کی ماں کا دسواں حصہ بھی کہا ہے۔ بنا بریں امام مالک رحمہ اللہ نے اس کی قیمت پچاس دینار یا چھ سو درہم قرار دی ہے۔

❁ **اعضاء کی دیت کا تعین:** درج ذیل اعضاء میں (ایک مقتول کی) پوری دیت ہے:

(1) عقل زائل ہو جائے۔

(2) دونوں کانوں کے ضائع ہونے سے قوت سماعت ختم ہو جائے۔

(3) دونوں آنکھوں کے ضیاع سے بینائی زائل ہو جائے۔

(4) زبان یا ہونٹ کٹنے سے آواز ختم ہو جائے۔

(5) ناک کٹنے سے سونگھنے کی قوت زائل ہو جائے۔

(6) آلۂ تناسل یا خصیتین کٹنے سے قوت جماع مفقود ہو جائے۔

(7) پیٹھ کی ہڈی ٹوٹنے سے کھڑا ہونے یا بیٹھنے سے معذور ہو جائے، اس لیے کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی دستاویز میں، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا، تحریر ہے:

«فِي الْأَنْفِ إِذَا أُوْعِبَ جَدْعُهُ الدِّيَةُ، وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ، وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةُ، وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ»

''ناک پوری کٹ جائے تو اس میں پوری دیت ہے، زبان میں دیت ہے، ہونٹوں میں دیت ہے، خصیتین میں دیت ہے، آلۂ تناسل میں دیت ہے، پیٹھ میں دیت ہے اور دونوں آنکھوں میں دیت ہے۔''[1]

اعضاء میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف (1/2) ہے اور زخموں میں مرد کی تہائی دیت سے زائد میں نصف دیت ہے اور اگر تہائی یا تہائی سے کم ہو تو اس کے زخم کی دیت مرد کے زخم کی دیت کے برابر ہے۔

❁ **جن چیزوں میں نصف دیت واجب ہوتی ہے:** (1) ایک آنکھ میں (2) ایک کان میں (3) ایک ہاتھ میں (4) ایک پاؤں میں (5) ایک ہونٹ میں (6) ایک خصیے میں (7) ایک ابرو میں (8) عورت کے ایک پستان میں۔

تنبیہ: ایک انگلی کے کٹنے میں دس اونٹ دیت ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«دِيَةُ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءٌ: عَشَرَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ لِكُلِّ إِصْبَعٍ»

''ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے، یعنی ہر انگلی کے لیے دس اونٹ ہیں۔''[2]

(1) سنن النسائي، القسامة، باب ذكر حديث عمرو بن حزم في العقول......، حديث: 4857. (2) [حسن] جامع الترمذي، الديات، باب ما جاء في دية الأصابع، حديث: 1391.

اور دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے:
«وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ مِّنَ الْإِبِلِ» ''اور دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔''[1]

سر، چہرہ اور مختلف اعضاء کے زخموں کا بیان ❁ **شجاج کی تعریف:** سر یا چہرے کے زخم کو ''شجہ'' کہتے ہیں جس کی جمع ''شجاج'' ہے۔ سلف صالحین رحمہم اللہ کے ہاں یہ زخم دس ہیں۔ پانچ کی دیت کا شارع سے بیان مذکور ہے اور پانچ کی دیت کی تحدید منقول نہیں ہے۔ وہ پانچ زخم جن کی دیات مذکور ہیں: ✿ **ہڈی ظاہر کرنے والا زخم:**
وہ زخم جو ہڈی کو ظاہر کر دے۔ اس کی دیت پانچ اونٹ ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:
«فِي الْمُوَاضِحَةِ خَمْسٌ مِّنَ الْإِبِلِ» ''ہڈی ظاہر کرنے والے زخم میں پانچ اونٹ ہیں۔''[2]

✿ **ہڈی توڑ دینے والا زخم:** اس میں دس اونٹ دیت ہے، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
«فِي الْهَاشِمَةِ عَشْرٌ مِّنَ الْإِبِلِ» ''ہڈی توڑنے والے زخم میں دس اونٹ دیت ہے۔''[3]

✿ **ہڈی کو اپنی جگہ سے بدل دینے والا زخم:** یعنی وہ زخم جس سے ہڈی اپنی جگہ چھوڑ دے، اس میں پندرہ اونٹ ہیں، عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «وَفِي الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ مِنَ الْإِبِلِ»
''ہڈی کو جگہ سے ہٹا دینے والے زخم میں پندرہ اونٹ ہیں۔''[4]

✿ **دماغ کی جھلی تک پہنچنے والا زخم:** جو زخم دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے۔ اس میں کل دیت کی تہائی (1/3) ہے۔
عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ»
''اور دماغ کی جھلی تک پہنچنے والے زخم میں ایک تہائی دیت ہے۔''[5]

✿ **دماغ کی جھلی پھٹ جانے کی صورت میں:** جس سے دماغ کی جھلی پھٹ جائے یا زخم اس سے بھی گہرا ہو جائے تو اس میں بھی ایک تہائی دیت ہے۔ وہ پانچ زخم جن کی دیات مذکور نہیں ہیں:

(1) الحارصة: جس سے جلد پر خراش آ جائے اور خون نہ بہے۔
(2) الدامية: جس سے چمڑا کٹ جائے اور خون بہہ جائے۔
(3) الباضعة: جس سے گوشت کٹ جائے مگر گہرا نہ ہو۔
(4) المتلاحمة: جس سے گوشت کٹ کر گہرا زخم بھی ہو جائے۔

(1) [صحيح] سنن النسائي، القسامة، باب ذكر حديث عمرو بن حزم في العقول......، حديث: 4857. (2) [صحيح] سنن النسائي، القسامة، باب ذكر حديث عمروبن حزم......، حديث: 4857. (3) [ضعيف] المصنف لعبد الرزاق: 314/9، حديث: 17348. (4) [صحيح] سنن النسائي، القسامة، باب ذكر حديث عمرو بن حزم، حديث: 4857. (5) [صحيح] سنن النسائي، القسامة، باب ذكر حديث عمرو بن حزم......، حديث: 4857.

(5) السمحاق: جس سے گوشت پورا کٹ جائے، البتہ ہڈی کی اوپر کی جھلی محفوظ رہے۔

ان پانچوں زخموں میں اہل علم کے ہاں تحکیم کی جائے گی اور وہ یہ ہے کہ اس طرح اندازہ لگایا جائے، مثلاً: جسے زخم لگا ہے اسے غلام فرض کرلیا جائے گا، پھر زخم لگنے سے پہلے اس کی کیا قیمت ہوتی۔ اگر کہا جائے کہ اس کی قیمت سو دینار تھی، اب جبکہ اسے زخم لگا ہے ٹھیک ہونے کے بعد اب اس کی قیمت کیا ہے؟ اگر کہا جائے کہ پچانوے دینار تو اس کو زخمی کرنے والے کی جیب سے کل دیت کی دسویں کا نصف، یعنی پانچ اونٹ دلائے جائیں گے اگر معلوم ہو کہ اس کی قیمت نوے دینار رہ گئی ہے تو اس کو کل دیت کا دسواں حصہ، یعنی دس اونٹ دلائے جائیں گے۔ اس سے بھی آسان طریقہ یہ ہے کہ ہڈی ظاہر کرنے والے زخم کو معیار بنالیا جائے، اس میں پانچ اونٹ ہیں، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ تو جو زخم ہڈی ظاہر کرنے والے زخم کے پانچویں حصہ کے برابر ہے، اس کی دیت ایک اونٹ اور جو تین خمس (3/5) کی طرح ہے، اس میں تین اونٹ اور اس کا صحیح اندازہ وہ ماہر ڈاکٹر ہی لگا سکیں گے جو اس مضمون میں سپیشلسٹ ہیں۔

جراح

جراح کی تعریف: سر اور چہرے کے علاوہ جسم کے کسی حصہ میں زخموں کو ''جراح'' کہتے ہیں۔

جراح کا حکم: «الجَائِفَة» یعنی وہ زخم جو پیٹ کے اندرون حصہ تک پہنچ جائے، اس میں پوری دیت کی تہائی (1/3) ہے، جیسا کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ»

''اور پیٹ کے اندر پہنچنے والے زخم میں ایک تہائی دیت ہے۔''[1]

اور اس پسلی میں، جو ٹوٹ کر جڑ جائے، ایک اونٹ ہے۔

اگر بازو، پنڈلی کی ہڈی یا ہاتھ کی کلائی ٹوٹ کر درست ہو جائے تو اس میں سے ہر ایک میں دو اونٹ ہیں، اس لیے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے بارے میں یہی فیصلہ کیا ہے۔

مذکورہ زخموں کے علاوہ دیگر زخموں میں عدالت فیصلہ کرے گی یا انھیں ہڈی ظاہر کرنے والے زخم پر قیاس کرلیا جائے۔

جنایت کس طرح ثابت ہوگی: قتل کے علاوہ دیگر ''جنایات'' کا اثبات دو طرح سے ممکن ہے:

(1) جانی (مجرم) خود اعتراف جنایت کرلے۔

(2) یا دو عادل گواہوں کی گواہی سے۔

رہا قتل تو اس کا اثبات مجرم کے اعتراف، دو عادل گواہوں اور قسامت سے بھی ہوتا ہے، بشرطیکہ ملوث ہونے کی معقول وجہ موجود ہو، مثلاً: قاتل اور مقتول کے مابین عداوت معروف ومشہور ہو وغیرہ۔

قسامت: ایک شخص مقتول پایا گیا اور ''اولیائے مقتول'' ایک مرد یا جماعت پر دعویٰ کرتے ہیں کہ انھوں نے

[1] [صحيح] سنن النسائي، القسامة، باب ذكر حديث عمرو بن حزم......، حديث:4857.

اسے قتل کیا ہے اور لوگوں میں ان کی عداوت بھی معروف ہے جس سے اس ظن کو تقویت مل رہی ہے کہ یہ شخص اس عداوت کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ یا قاتل اور مقتول کے مابین عداوت معروف نہیں ہے، البتہ ایک گواہ موجود ہے جو قتل کی شہادت دیتا ہے چونکہ ''دعویٰ دم'' (اور نتیجتاً مستحق دم بننے) کے لیے دو گواہ ضروری ہیں لیکن ایک گواہ سے وہ شخص ملوث ضرور قرار پاتا ہے جس کے نتیجے میں ''قسامت'' متعین ہوگی۔ اب مقتول کے مرد ورثاء (عورتیں نہیں) پچاس قسموں کے ساتھ کسی ایک شخص پر خون کا اثبات کریں گے (قسمیں اٹھائیں گے کہ فلاں شخص ہی قاتل ہے) اور ان پر قسموں کی تقسیم وراثت کے انداز پر ہوگی۔ حلف کے بعد ''مدعیٰ علیہ'' پر خون ثابت ہو جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا یا اس کے عاقلہ دیت ادا کریں گے۔ اگر مقتول کے کچھ ورثاء حلف اٹھانے سے انکار کر دیں تو ان سب کا استحقاق ختم ہو جائے گا اور پھر مدعیٰ علیہ پچاس حلف دے کر خون سے بری ہو جائے گا لیکن اگر مدعیٰ علیہ کے خلاف کوئی قتل کی وجہ موجود نہیں ہے، جس سے وہ ملوث ہوتا نظر آتا ہو تو ایک حلف کے ذریعے سے ہی وہ بری قرار پائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک قتل کا قضیہ پیش ہوا تو آپ نے اس میں ''قسامت'' کا فیصلہ دیا اور ''اولیائے دم'' (مقتول کے ورثاء) کو فرمایا: «أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ قَاتِلَكُمْ أَوْصَاحِبَكُمْ؟»

''کیا تم حلف اٹھا کر اپنے صاحب یا قاتل (کے خون) کے مستحق بن سکتے ہو۔''

مقتول کے ورثاء نے عرض کی کہ ہم جس واقعے میں موجود نہیں تھے اس پر حلف کس طرح دے سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا: «فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ»

''پھر پچاس قسموں کے ساتھ یہودی (جن پر قتل کا الزام ہے) تم سے (تمھارے قتل کے الزام سے) بری ہو جائیں گے۔''

اس پر ورثاء نے جواب دیا: یہ تو کافر ہیں ان کی قسم کا ہم کیسے اعتبار کریں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس (مقتول) کی دیت خود (بیت المال سے) ادا کر دی۔[1]

باب: 11

حدود کا بیان

حد خمر ❁ حد کی تعریف: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جن کاموں کو حرام قرار دیا ہے ان سے لوگوں کو ضرب (مار) یا قتل کے ذریعے سے باز رکھنا ''حد'' کہلاتا ہے اور حدود اللہ سے مراد وہ محارم (حرام کردہ چیزیں) ہیں جن سے اجتناب

[1] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب الموادعة والمصالحة.....، حديث: 3173.

کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

❊ **خمر کی تعریف:** جملہ نشہ آور مشروبات شرعاً ''خمر'' ہیں، اس لیے کہ آپ کا ارشاد ہے:

«كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ» ''ہر نشہ لانے والی چیز ''خمر'' ہے اور ہر ''خمر'' حرام ہے۔''[1]

❊ **شراب پینے کا حکم:** شراب کم ہو یا زیادہ اس کا پینا حرام ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ ''کیا تم اس سے باز آنے والے ہو!۔''[2]

اور فرمایا: ﴿فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ ''اس سے اجتناب کرو۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَبَائِعَهَا»

''اللہ نے شراب (پینے والے) اور اس کے بیچنے والے پر لعنت کی ہے۔''[4]

اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے پینے والے پر حد لگائی ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے۔

❊ **شراب کی حرمت میں حکمت:** شراب کو حرام قرار دے کر شریعت نے مسلمان کے دین، عقل، بدن اور مال کی حفاظت کی ہے۔

❊ **شرابی کا حکم:** جس پر اپنے اعتراف یا دو عادل گواہوں کے ذریعے سے شراب پینا ثابت ہو جائے، اس کی پیٹھ پر 80 درے مارنے چاہئیں اگر وہ آزاد ہے اور اگر غلام ہے تو چالیس 40 درے مارے جائیں گے، اس لیے کہ لونڈیوں کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے:

﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ ''ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا سے نصف ہے۔''[5]

یاد رہے کہ غلام کو اس بارے میں لونڈی پر قیاس کیا جاتا ہے اور اسے نصف سزا دی جاتی ہے۔

❊ **شرابی پر وجوب حد کی شرائط:** شراب پینے والے پر نفاذ حد کے لیے، یعنی حد لگانے کی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان، عاقل، بالغ اور بااختیار ہو، شراب کی حرمت کا اسے علم ہو اور تندرست ہو، بیمار نہ ہو، البتہ بیمار سے حد ساقط نہیں [illegible] حد تاخیر کی جائے گی۔

شرابی پر بار بار حد نہیں قائم کی جائے گی: ایک مسلمان پر کئی بار شراب پینا ثابت ہو جائے (اس کے بعد معاملہ قاضی تک پہنچ جائے) تو ایک ہی حد کافی ہے۔ البتہ حد کی اقامت کے بعد اگر دوبارہ شراب پینا ثابت

(1) صحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر ......، حديث: 2003. (2) المآئدة 5:91. (3) المآئدة 5:90. (4) [حسن] سنن أبي داود، الأشربة، باب العصير للخمر، حديث: 3674، ومسند الربيع، حديث: 625، واللفظ له اسے امام حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔ (5) النسآء 4:25.

ہو جائے تو دوبارہ حد نافذ ہوگی۔

❁ **شرابی پر حد قائم کرنے کا طریقہ:** شرابی کو زمین پر بٹھا دیا جائے اور درمیانی چابک کے ساتھ جو نہ بہت سخت ہو، نہ بہت خفیف، اسے 80 بار مارا جائے اور عورت بھی اس حکم میں مرد کی طرح ہے، البتہ پردے کے لیے اس پر کپڑا ڈالا جائے مگر اس انداز کا نہیں کہ اس کو ضرب کی اذیت سے محفوظ رکھے۔

تنبیہ: سخت سردی اور سخت گرمی میں شراب نوشی پر حد نہ لگائی جائے۔ بلکہ معتدل موسم اور فضا کے لطیف ہونے کا انتظار کیا جائے۔ اسی طرح نشے کی حالت میں بھی حد نہ لگائی جائے اور نہ بیماری کی حالت میں بلکہ اس سے افاقے اور تندرستی کا انتظار کیا جائے۔

حد قذف کا بیان

❁ **قذف کی تعریف:** کسی کو زنا، فحش کاری یا لواطت (اغلام بازی، یعنی لڑکوں کے ساتھ بدفعلی) کا الزام دینا "قذف" ہے۔

❁ **قذف کا حکم:** قذف کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جھوٹی الزام تراشی کرنے والوں کو فاسق کہا، ان کا عادل❁ ہونا ساقط کر دیا اور ان پر حد کا نفاذ واجب قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَٰنِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَٰدَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْفَٰسِقُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾

"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں، ایسے لوگوں کو اسی (80) کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ بدکردار ہیں مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"[1]

❁ **حد قذف کی مقدار:** اس کی حد اسی (80) درے ہیں، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَٰنِينَ جَلْدَةً ﴾ "ان کو اسّی دُرّے مارو۔"[2]

اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے والوں کو اسی (80) درے لگوائے تھے۔[3]

❁ **حد قذف کی حکمت:** مسلمان کی عزت وناموس کا تحفظ اور اس کی کرامت وسلامتی کی حفاظت، اس کے ساتھ

❁ کسی شخص کی عدالت سے مراد یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق صحیح العقیدہ ہو، کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور عموماً صغیرہ گناہوں سے بھی بچتا ہو۔ شرابی ساقط العدالت ہوتا ہے جس کی وجہ سے کسی معاملے میں اس کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔ (ع، ر)

[1] النور24:4،5. [2] النور24:4. [3] سنن أبي داود، الحدود، باب في حد القاذف، حديث:4474، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة النور، حديث:3181، ومسند أحمد:35/6.

ساتھ اسلامی معاشرے میں بے حیائی کے پھیلاؤ کی روک تھام اور مسلمانوں میں رذیل کاموں کی شہرت کو ختم کرنا بھی مطلوب ہے کیونکہ مسلمان معاشرہ پاک اور بے داغ ہوتا ہے۔

❁ **''حد قذف'' کی اقامت کی شرائط:** کسی پر حد قذف نافذ کرنے کے لیے درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(1) الزام لگانے والا مسلمان عاقل اور بالغ ہو۔

(2) جس پر الزام لگا ہے، وہ عفیف و پاک دامن ہو۔ لوگوں میں اس کی شہرت گندی نہ ہو۔

(3) جس پر الزام لگا ہے وہ حد کا مطالبہ کرے، اس لیے کہ یہ اسی کا حق ہے، چاہے اس حق کو استعمال کرے یا معاف کر دے۔

(4) الزام لگانے والا چار گواہ الزام کی سچائی پر پیش نہ کر سکے۔

ان چار شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو حد نافذ نہیں ہو گی۔

زنا کا بیان

❁ **زنا کی تعریف:** عورت کی قبل یا دبر میں حرام وطی کرنا زنا کہلاتا ہے۔

❁ **زنا کا حکم:** کفر و شرک اور ''قتل نفس'' کے بعد زنا کبیرہ گناہ ہے اور علی الاطلاق بہت بڑی بے حیائی ہے جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد جل شانہ ہے: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ﴾

''اور زنا کے قریب نہ جاؤ، یہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔''[1]

زانی کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حد مقرر کی ہے، ارشاد ہے:

﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ ''زانی مرد اور عورت ہر ایک کو سو درے مارو۔''[2]

اور ایک آیت مبارکہ، جس کا حکم باقی اور تلاوت منسوخ ہے، میں فرمایا:❀

«اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ، نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ»

''شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو دونوں کو لازماً رجم (سنگسار) کر دو، یہ اللہ کی طرف سے (ان کی) سزا ہے۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ»

''زانی ایمان کی حالت میں زنا نہیں کرتا (جب وہ زنا کرتا ہے تو ایمان سے خالی ہو جاتا ہے۔)''[4]

❀ یعنی اس آیت کریمہ میں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے وہ آج بھی ایک شرعی حکم کی حیثیت رکھتا ہے اگرچہ اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اسے قرآن مجید میں نہیں لکھا گیا۔ واللہ اعلم۔ (ع،ر)

① بني إسرآءيل 17:32. ② النور 24:2. ③ [صحيح] سنن ابن ماجه، الحدود، باب الرجم، حديث: 2553، والمستدرك للحاكم: 4/359. ④ صحيح البخاري، المظالم، باب النهبٰى بغير إذن صاحبه، حديث: 2475، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بالمعاصي......، حديث: 57.

بڑے گناہوں کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: «أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ»
''یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی کے ساتھ زنا کرے۔''[1]

✽ **حرمتِ زنا کی حکمت:** اسلامی معاشرے کی پاکیزگی کی حفاظت، عام مسلمانوں کی عزتوں اور ان کے نفوس و ارواح کی طہارت و کرامت کا باقی رکھنا اور شرف نسب کو اختلاط کی غلاظت سے بچانا اور محفوظ کرنا حرمت زنا کے مقاصد میں سے ہے۔

✽ **حد زنا کیا ہے؟** اگر زانی غیر شادی شدہ ہے، یعنی زنا سے پہلے اس نے کسی عورت کے ساتھ شرعی نکاح نہیں کیا، جس کے بعد اسے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ اور مجامعت حاصل ہوئی ہوتو ایسی صورت میں اسے ایک سو درے اور ایک سال کے لیے جلا وطنی کی سزا دی جائے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ ''زانی مرد اور عورت کو سو سو درے مارو۔''[2]

اور اگر زانی مرد یا عورت شادی شدہ ہے تو اسے سنگسار کیا جائے (پتھر مارے جائیں۔) آیت مبارکہ، جس کی تلاوت منسوخ ہے، میں ہے:

«اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ، نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ»
''شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو انھیں لازماً رجم کر دو، اللہ کی طرف سے یہ عبرت ہے اور وہی غالب، حکمت والا ہے۔''[3]

نیز رسول اللہ ﷺ نے غامدیہ رضی اللہ عنہا اور ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کا حکم دیا اور اسی طرح یہودی مرد اور عورت کو سنگسار کرنے کا فیصلہ ارشاد فرمایا۔[4]

✽ **زانی پر حد قائم کرنے کی شرائط:** ① زانی مسلمان اور عاقل و بالغ ہو، اس نے یہ جرم اپنے اختیار سے کیا ہو جبر واکراہ کے نتیجے میں نہیں، اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتّٰى يَكْبُرَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ أَوْ يُفِيقَ»

[1] صحيح البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ......﴾، حديث: 6861، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب ....، حديث: 86. [2] النور 2:24. [3] [صحيح] سنن ابن ماجه، الحدود، باب الرجم، حديث: 2553، والمستدرك للحاكم: 359/4. [4] تینوں واقعات کے لیے دیکھیں سنن أبي داود، الحدود، باب رجم ماعز بن مالك، حديث: 4428، وباب في المرأة التي ....، حديث: 4442، وباب في رجم اليهوديين، حديث: 4446.

''تین (اشخاص) مرفوع القلم ہیں، سویا ہوا جاگنے تک، نابالغ بالغ ہونے تک، اور مجنون افاقہ ہونے تک۔''[1]

نیز فرمایا: «وُضِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»

''میری امت سے خطا، بھول چوک اور جس چیز پر وہ مجبور کیے جائیں، معاف کر دیا گیا ہے۔''[2]

(2) جرم زنا قطعی طور پر ثابت ہو یا مجرم خود اقرار کرے کہ اس نے زنا کیا ہے جبکہ وہ طبعی طور پر درست حالت میں ہے یا چار عادل گواہ شہادت دیں کہ انھوں نے اسے زنا کرتے دیکھا ہے، اس وقت جب مرد کی شرم گاہ عورت کی شرم گاہ میں تھی جس طرح کہ سرمے کی سلائی سرمہ دانی اور رسی کنویں میں ہوتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ﴾

''اور تمھاری عورتوں میں سے جو فحش کاری کرتی ہیں تو ان پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے ماعز رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا تو نے اس عورت سے جماع کیا ہے؟'' اس نے کہا: ہاں تو آپ نے فرمایا: «كَمَا يَغِيبُ الْمِرْوَدُ فِي الْمُكْحَلَةِ وَالرِّشَاءُ فِي الْبِئْرِ»

''جس طرح سلائی سرمہ دانی میں غائب ہو جاتی ہے اور رسی کنویں میں۔''[4]

(3) حمل نمایاں ہو جائے اور پوچھنے پر عورت ایسی کوئی واضح بات نہ کہہ سکے جس سے اس سے ''حد'' ساقط ہو جائے، مثلاً: یہ کہ وہ اغوا ہو گئی تھی یا شبہ کی بنا پر اس سے وطی ہو گئی تھی یا اسے زنا کی حرمت کا علم نہیں تھا، اگر وہ کسی انداز کا شک و شبہ پیش کر دیتی ہے تو اس پر حد لاگو نہیں ہو گی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اِدْرَؤُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ» ''شبہات کی صورت میں حدود ہٹا دو (نافذ نہ کرو۔)''[5]

نیز ایک عجلانی کی عورت کے بارے میں آپ نے فرمایا: «لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُهَا»

''اگر میں کسی کو بغیر ثبوت کے رجم کرتا تو اسے ضرور کر دیتا۔''[6]

(1) [حسن] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المعتوه...... حديث:2041. (2) [صحيح] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، حديث:2043، والسنن الكبرىٰ للبيهقي:84/6. (3) النسآء 15:4. (4) سنن أبي داود، الحدود، باب رجم ماعز بن مالك، حديث :4428، اسے امام ابن حبان وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ (5) [ضعيف] جامع الترمذي، الحدود، باب في درء الحدود، حديث: 1424، والتلخيص الحبير: 109/4، حديث: 2036، و تاريخ بغداد: 303/9. (6) صحيح البخاري، الطلاق، باب قول النبيﷺ: «لو كنت راجما بغير بينة»، حديث: 5310، وصحيح مسلم، اللعان، حديث: 1497 واللفظ له. یہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی، انھوں نے اس پر بدکاری کی تہمت لگائی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان لعان کرایا، چنانچہ وہ عورت قسم کھا کر حد رجم سے بچ گئی مگر جب اس نے بچے کو جنم دیا تو واضح ہو گیا کہ اس نے جھوٹی قسم کھائی تھی اس بنا پر آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ (محمد عبدالجبار)

(4) اور وہ ''اقرار زنا'' سے رجوع نہ کر چکا ہو، اگر ''حد'' لگنے سے پہلے اپنی تکذیب کرے اور کہے میں نے زنا نہیں کیا تو اس پر حد نہیں لگے گی، اس لیے کہ ماعز رضی اللہ عنہ کو جب پتھر لگے تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پکڑا اور مارا جس سے وہ فوت ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا پتہ چلا تو فرمایا: ''تم نے اسے کیوں نہ چھوڑ دیا؟'' گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فرار کو اعتراف زنا سے رجوع قرار دیا، یہ بھی احادیث میں وارد ہے کہ بھاگتے ہوئے ماعز رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ، میری قوم نے مجھے قتل کیا ہے اور دھوکے میں رکھا ہے، انھوں نے تو مجھے کہا تھا کہ آپ قتل کا حکم نہیں دیں گے۔[1]

❁ **زنا کاروں پر حد قائم کرنے کا طریقہ:** زمین میں گڑھا کھودا جائے، زانی کو اس میں کھڑا کیا جائے اور سینے تک اسے دبا دیا جائے اور پھر پتھر مارے جائیں یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ یہ کارروائی امام اور مسلمانوں کی ایک جماعت، جو چار سے کم نہ ہو، کے سامنے انجام پائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾

''اور ان کی سزا کے وقت ایمان والوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے۔''[2]

نیز اس بارے میں عورت اور مرد کا حکم برابر ہے، البتہ عورت کے کپڑے باندھ دیے جائیں تاکہ وہ ننگی نہ ہو۔

یہ حد رجم قائم کرنے کے لیے ضابطۂ کار ہے، غیر شادی شدہ کو درے مارنے کا طریقہ وہی ہے جو ''قذف'' اور شراب نوشی کی حد کا ہے۔

❁ **لواطت کا بیان:** لواطت کی ''حد'' بھی سنگسار کرنا ہے، اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا فرق نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ وَّجَدْتُّمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ»

''جس کو تم قوم لوط والا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔''[3]

جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کو بدترین تعزیری سزا دینی چاہیے اور قید کیا جائے، اس لیے کہ وہ بالاجماع

(1) [حسن] سنن أبي داود، الحدود، باب رجم ماعز بن مالك، حديث: 4420. (2) النور 24:2. (3) [حسن] سنن أبي داود، الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، حديث: 4462، وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في حد اللوطي، حديث: 1456، اسے امام حاکم، ذہبی اور ابن الجارود نے صحیح قرار دیا ہے۔ ہمارے شیخ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ لکھا ہے (القنديل المشعول في تحقيق حديث اقتلوا الفاعل والمفعول) اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے (از زبیر علی زئی) حق یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے کہ یہ عمرو بن ابی عمرو عن عکرمہ کے طریق سے ہے اور عمرو بن ابی عمرو کی عکرمہ سے روایت ضعیف ہوتی ہے۔ شیخ بشار عواد معروف نے بھی اسے ضعیف الاسناد ہی قرار دیا ہے۔ (عبدالولی)

فحش کاری کا مرتکب ہوا ہے اور تعزیری سزا اس کی منحرف فطرت کو درست کرنے کے لیے ہے۔ بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ بدفعلی کرنے والے اور جانور دونوں کو قتل کر دیا جائے مگر وہ صحیح اسناد کے ساتھ ثابت نہیں ہوئے، لہٰذا علماء نے عدالت کی صوابدیدی تعزیری سزا پر ہی اکتفا کیا ہے جس سے اس کے فاسد مزاج کی درستی ہو جائے۔

غلام اور لونڈی زنا کریں تو ان کی سزا فقط درے ہیں، چاہے شادی شدہ ہی ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ ''ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کی نصف ہے۔''[1]

چونکہ موت آدھی نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس سے مراد پچاس درے ہیں، رجم نہیں۔ ان کا مالک یہ ''حد'' لگائے گا اور اگر مالک انھیں ''عدالت مجاز'' میں پیش کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کالی لونڈی کے پاس بھیجا تاکہ میں اس پر حد زنا قائم کروں تو میں نے اسے حالت نفاس میں پایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: «إِذَا تَعَالَتْ مِنْ نِّفَاسِهَا فَاجْلِدْهَا خَمْسِينَ»

''جب نفاس سے فارغ ہو جائے تو اس کو پچاس درے لگانا۔''[2]

اور فرمایا: «إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا»

''جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے تو وہ اس پر حد لگائے اور اسے طعن و تشنیع نہ کرے۔''[3] (اس لیے کہ شرعی سزا نے اسے پاک کر دیا ہے۔)

سرقہ (چوری) کی حد کا بیان

✽ **سرقہ کی تعریف:** کسی کا محفوظ مال مخفی طریقے سے ہتھیا لینا، مثلاً: دکان یا مکان میں داخل ہو کر کپڑے، یا اجناس یا سونا اور چاندی وغیرہ لے جانا ''سرقہ'' کہلاتا ہے۔

✽ **چوری کا حکم:** یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

''چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو، یہ اللہ کی طرف سے ان کے کام (چوری) کی سزا ہے اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔''[4]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا: «لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ»

''اللہ چور پر لعنت کرے کہ وہ انڈا چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔''[5]

[1] النسآء 25:4. [2] [ضعيف] مسند أحمد: 136/1، وسنن أبي داود، الحدود، باب في إقامة الحد على المريض، حديث: 4473. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع المدبر، حديث: 2234، و صحيح مسلم، الحدود، باب رجم اليهود، أهل الذمة في الزنى، حديث: 1703. [4] المآئدة 38:5. [5] صحيح البخاري، الحدود، باب لعن السارق إذا لم يسم،

آپ نے چور کے ایمان کی نفی کی ہے جب وہ چوری کرتا ہے، فرمایا:

«لَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ» ''چور چوری کرتے وقت مومن نہیں ہوتا۔''[1]

اور آپ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ (ہاتھ کاٹنا) اللہ کی حدود میں سے ایک حد ہے جس کو بلا امتیاز ہر ایک پر لاگو کیا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

''مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری بیٹی فاطمہ بھی اگر چوری کر لیتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''[2]

❁ **چوری کس طرح ثابت ہوتی ہے:** ملزم خود اعتراف کر لے کہ اس نے چوری کی ہے مگر اس اعتراف کی بنیاد، مار کٹائی یا زجر و توبیخ پر نہ ہو بلکہ وہ اپنی مرضی اور اختیار سے اعتراف کرے یا دو عادل گواہ موجود ہوں جو گواہی دیں کہ اس نے چوری کی ہے۔

اگر حد کی اقامت سے پہلے وہ اپنے اعتراف سے منحرف ہو جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، البتہ چوری شدہ مال کی ضمانت اس پر ہوگی، نیز ایسی صورت میں مستحب یہی ہے کہ اسے انحراف کی تلقین کی جائے تاکہ اس کا ہاتھ بچ سکے، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے: «اِدْرَؤُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ»

''جس حد تک ہو سکے مسلمانوں سے (شبہات کی بنا پر) حدود ساقط کر دو۔''[3]

❁ **قطع ید کی شرطیں:** (1) چور مکلّف، عاقل اور بالغ ہو۔ حدیث میں ہے کہ تین (اشخاص) مرفوع القلم ہیں جن میں مجنون اور نابالغ بھی ہیں۔[4]

(2) چوری کرنے والا ''مسروقہ مال'' کے مالک کا والد، بیٹا، خاوند اور بیوی نہ ہو، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کے دوسرے کے مال میں حقوق ہوتے ہیں۔

(3) مسروقہ مال میں چور کی ملکیت کا شبہ نہ ہو، مثلاً: ملزم مقروض تھا اور اس نے مرتہن (جس کے پاس مقروض، قرض

◄ حديث: 6783، وصحيح مسلم، الحدود، باب حد السرقة ونصابها، حديث: 1687. اس کا مفہوم یہ ہے کہ چور انڈے جیسی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے چوریاں شروع کرتا ہے اور ایک ایسا موقع آتا ہے کہ (حدِ نصاب کو پہنچنے کے بعد) اس کا ہاتھ کٹ جاتا ہے۔

[1] صحيح البخاري، الحدود، باب السارق حين يسرق، حديث: 6782، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بالمعاصي......، حديث: 57 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب، حديث: 3475، و صحيح مسلم، الحدود، باب قطع السارق الشريف......، حديث: 1688. [3] [ضعيف] جامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في درء الحدود، حديث: 1424، والتلخيص الحبير: 109/4، حديث: 2036، وتاريخ بغداد: 303/9. [4] [حسن] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المعتوه......، حديث: 2041.

کے عوض کوئی چیز گروی رکھے) کے پاس اپنی ہی گروی رکھی ہوئی چیز چوری کر لی یا ملزم مزدور تھا اور اس نے ٹھیکے دار کے پاس سے اپنی اجرت اٹھالی ہو۔

④ مسروقہ مال حرام مال نہ ہو، مثلاً: شراب یا آلات موسیقی وغیرہ بلکہ اس مباح مال کی چوری میں ہاتھ کاٹنا ہے جو قیمت میں چوتھائی (1/4) دینار (سونا) کے برابر ہو، اس لیے کہ آپ کا ارشاد ہے:

«لَا تُقْطَعُ يَدُ سَارِقٍ إِلَّا فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا»

''چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر چوتھائی دینار (1/4) یا اس سے زیادہ میں۔''[1]

⑤ مال مسروق محفوظ جگہ سے اٹھایا گیا ہو، مثلاً: مکان، دکان، باڑہ اور صندوق وغیرہ سے جس میں مال کو محفوظ سمجھا جاتا ہے۔

⑥ جھپٹی مار کر مال نہ چھینا گیا ہو، مثلاً: ایک شخص کسی کے ہاتھ سے مال چھین کر بھاگ جائے اس میں قطع نہیں ہے۔ اسی طرح غصب، یعنی زبردستی یا لوٹ کے ذریعے سے حاصل کردہ مال پر بھی قطع ید (ہاتھ کاٹنا) نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ عَلٰى خَائِنٍ وَّلَا مُنْتَهِبٍ وَّلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ»

''خیانت کرنے والے، لوٹ اور جھپٹ کر مال لینے والے پر قطع نہیں ہے۔ (ان کی سزا اور ہے)''[2]

✽ چور پر کیا واجب ہے: ① چور مسروقہ مال کا ضامن ہے اگر اس کے پاس موجود ہے تو ادائیگی کرے اور اگر مال تلف ہو گیا ہے تو بھی اس کے ذمے قرض ہے، وہ اس کی ادائیگی کرے گا۔

② اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر اس کا ہاتھ کٹے گا، اس لیے کہ حدود اللہ تعالیٰ کے محارم ہیں (جنھیں کوئی معاف نہیں کر سکتا) اگر مذکورہ شرائط کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور پر قطع ید میں قانوناً توقف (تعطل) ہو جائے تو بھی وہ مالک کو مال مسروقہ کی ادائیگی ضرور کرے گا، خواہ مالک، صاحب ثروت ہے یا تنگ دست اور مال تھوڑا ہے یا زیادہ۔

✽ ہاتھ کاٹنے کا طریقہ: چور کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی جوڑ سے کاٹ دی جائے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے: «فَاقْطَعُوا أَيْمَانَهُمَا» ''ان کے دائیں ہاتھ کاٹ دو۔''[3]

پھر کھولتے گرم تیل میں اسے داغ لگا دیا جائے تاکہ خون بہنا بند ہو جائے۔

✽ ان چیزوں کا بیان جن میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا: ''غیر محفوظ'' مال اٹھانے میں ہاتھ نہیں کٹتا اور جس مال کی

[1] صحيح مسلم، الحدود، باب حد السرقة ونصابها، حديث: 1684. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الحدود، باب ما جاء في الخائن......، حديث: 1448، وسنن أبي داود، الحدود، باب القطع في الخلسة......، حديث: 4391-4393، امام ابن حبان اور ابن الترکمانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [3] تفسير الطبري: 275/6 (المآئدة 5: 38) کے بارے میں یہ تشریحی جملہ ہے۔

قیمت چوتھائی دینار سے کم ہے،اس میں بھی ''قطع'' نہیں ہے،اسی طرح درخت کے پھل میں ''قطع'' نہیں اور نہ کھجور کے خرما میں۔ اگر بھوکا آدمی باغ سے پھل کھانے کے علاوہ اپنے ساتھ بھی لے جارہا ہے تو پھل کی دگنی قیمت اس سے وصول کی جائے اور تادیب کے طور پر مارا بھی جائے،ہاں اگر پھل وہیں باغ میں کھالیا تو اس میں کوئی سزا نہیں ہے،اس لیے کہ عام چراگاہوں میں چرنے والے جانوروں کے چوری کیے جانے کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا:

«فِيهَا ثَمَنُهَا مَرَّتَيْنِ، وَضَرْبُ نَكَالٍ ـ فَمَا أُخِذَ مِنْ أَعْطَانِهِ فَفِيهِ الْقَطْعُ، إِذَا بَلَغَ مَا يُؤْخَذُ مِنْ ذٰلِكَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ»

''ان (کی چوری) میں دگنی قیمت ہے (جو چور سے وصول کی جائے گی) اور عبرت کے لیے مار پیٹ ہے اور اگر جانوروں کے بیٹھنے کی جگہ سے کوئی جانور (چرا کر) لے جاتا ہے تو اس میں ''قطع'' ہے،جب اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو جائے۔''[1]

پھر سوال ہوا کہ پھلوں اور جن چیزوں کو ان کے شگوفوں سے حاصل کیا جائے، کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔تو فرمایا:

«مَنْ أَخَذَ بِفَمِهِ وَلَمْ يَتَّخِذْ خُبْنَةً فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ، وَمَنِ احْتَمَلَ فَعَلَيْهِ ثَمَنُهُ مَرَّتَيْنِ، وَضَرْبًا وَنَكَالًا، وَمَا أَخَذَ مِنْ أَجْرَانِهِ فَفِيهِ الْقَطْعُ إِذَا بَلَغَ مَا يُؤْخَذُ مِنْ ذٰلِكَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ»

''جو شخص پھل کھالیتا ہے اور اٹھا کر نہیں لے جاتا تو اس پر کچھ نہیں ہے اور جو ساتھ لے جائے اس پر دگنی قیمت اور عبرت کے لیے ضرب لگانا ہے اور جو پھل کو ''حفاظت گاہ'' سے اٹھاتا ہے،اس میں ''قطع'' ہے،اگر اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو۔''[2]

✽ تنبیہات: اگر ''صاحب مال'' چور کو حاکم کے پاس لے جانے سے پہلے معاف کر دے تو قطع ید نہیں ہے۔ اگر حاکم مجاز کے پاس لے گیا تو پھر کوئی سفارش مفید نہیں ہو گی۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے چور پیش کر دیا، پھر اسے معاف کرنے لگا تو آپ نے فرمایا: «فَهَلَّا كَانَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ»

''اسے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں معاف کیا۔''[3]

حاکم کے پاس پہنچ جانے کے بعد ''حدود'' میں سفارش کرنا حرام ہے،اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] [حسن] مسند أحمد: 203/2، وسنن النسائي، قطع السارق، باب الثمر يسرق بعد أن...، حديث: 4962. [2] [حسن] مسند أحمد: 180/2، وسنن أبي داود، الحدود، باب مالاقطع فيه، حديث: 4390. اسے امام حاکم اور ابن جارود نے صحیح کہا ہے۔ [3] [حسن] سنن أبي داود، الحدود، باب فيمن سرق من حرز، حديث: 4394، وسنن النسائي، قطع السارق، باب مايكون حرزا...، حديث: 4887، وسنن ابن ماجه، الحدود، باب من سرق من الحرز، حديث: 2595، والمستدرك للحاكم: 380/4.

«مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللّٰهِ، فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ [فِي أَمْرِهِ]»
''جس کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے آگے حائل ہوگئی تو اس نے اللہ جل شانہ کے حکم کی مخالفت کی ہے۔''[1]

اور آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: «أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللّٰهِ»
''تم اللہ کی حدوں میں سے ایک 'حد' میں سفارش کر رہے ہو۔''[2]

گھر پر حملہ کر کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کی سزا ''محاربین'' کی سزا کی طرح (قتل) ہے۔

اہل محاربت کی حد کا بیان ✽ اہل محاربت کی تعریف: مسلمانوں میں سے ایک گروہ طاقت اور قوت حاصل کر کے عام لوگوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے، ان کے راستے مسدود کر دے، لوگوں کو قتل کرے اور ان کے اموال لوٹ لے تو وہ ''محاربین'' ہیں۔

✽ محارب لوگوں کے احکام: ① انھیں پہلے سمجھایا جائے اور توبہ کی ترغیب دلائی جائے، اگر توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کی جائے، اگر انکار کریں تو ان سے اعلان جنگ کیا جائے اور ان کے ساتھ لڑنا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ان کے مقتولین کا خون ضائع ہے اور ان پر حملہ آور مسلمانوں کے مقتولین شہید ہیں، اس لیے کہ ارشاد ربانی ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ
''اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''[3]

② جو محارب توبہ سے پہلے گرفتار ہو جائے، اس پر حد نافذ ہو گی، یعنی قتل، پھانسی یا ایک ہاتھ اور مخالف سمت کا پاؤں کاٹنا یا جلاوطنی، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ
''ان لوگوں کی سزا، جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ''محاربت'' کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہ ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا مختلف اطراف سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا انھیں علاقہ بدر کر دیا جائے۔''[4]

جب قبیلہ عرینہ کے کچھ افراد نے صدقہ کے اونٹ لوٹ لیے، چرواہے کو قتل کر دیا اور بھاگ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1 [صحیح] سنن أبي داود، القضاء، باب في الرجل يعين على خصومة من غير أن يعلم أمرها، حديث:3597، اسے امام حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔ 2 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: 54، حديث: 3475، وصحيح مسلم، الحدود، باب قطع السارق الشريف ...... حديث:1688. 3 الحجرات 9:49. 4 المآئدة 33:5.

نے انھیں اسی انداز کی سزا دی تھی۔[1]

مذکورہ سزاؤں میں سے امام کو اختیار ہے کہ جو چاہے نافذ کرے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ "محاربین" نے اگر قتل کیا ہے تو انھیں قتل کیا جائے، مال لوٹا ہے تو ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور علاقہ بدر کیا جائے اور اگر خون نہیں کیا اور مال نہیں لوٹا تو لوگوں کو ہراساں کرنے پر انھیں قید کی سزا دی جائے۔

(3) محاربین گرفتاری سے پہلے اگر محاربہ ترک کر کے تائب ہو جائیں اور خود کو حکومت کے سپرد کر دیں تو ان سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حق ساقط ہو جاتا ہے، البتہ حقوق العباد ان پر باقی رہیں گے۔ قتل کیے ہیں تو قصاص لیا جائے گا اور اموال لوٹے ہیں تو ان کے ضامن ہوں گے، الا یہ کہ ان سے دیت لی جائے یا معاف کر دیا جائے۔ یہ سب احکام اللہ کے دین میں نافذ ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

"مگر تمھارے ان پر قدرت پانے (انھیں گرفتار کرنے) سے پہلے اگر وہ توبہ کر لیں تو جان لو کہ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"[2]

یہ بھی جائز ہے کہ امام ان کی طرف سے دیت ادا کر دے یا لوگوں کو ان کے اموال کی ادائیگی کر دے اگر ان تائب شدہ محاربین کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

اہل بغاوت کا بیان ✽ **اہل بغاوت کون ہیں؟** طاقت اور قوت کی مالک وہ جماعت جو کسی معقول تاویل و توجیہ کی بنیاد پر امام کی اطاعت سے نکل جائے، مثلاً: ان کے خیال میں امام کافر یا ظالم ہے اور اس بنیاد پر وہ اس کی اطاعت ترک کر دیں اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کریں۔

✽ **باغیوں کے احکام:** (1) امام کی ذمہ داری ہے کہ ان کے ساتھ رابطہ قائم کرے، ان کے اعتراضات اور خروج (بغاوت) کے اسباب معلوم کرے اگر وہ امام یا دیگر کسی عامل (حاکم) کے ظلم وستم کا تذکرہ کریں تو ان کی داد رسی کرنی چاہیے اگر کسی شبہ اور تاویل کی بنیاد پر بغاوت کر چکے ہیں تو امام ان کے شبہات زائل کرے اور حق کا دلائل کے ساتھ اثبات و اظہار کرے۔ اس کے بعد اگر وہ حق کو اپنا لیتے ہیں تو ان کا رجوع قبول کیا جائے، تاہم اگر انکار کرتے ہیں تو جملہ مسلمان متفق ہو کر ان کے ساتھ لڑائی کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ

(1) صحيح البخاري، الحدود، باب كتاب المحاربين من أهل الكفر والردة، حديث: 6802، وصحيح مسلم، القسامة، باب حكم المحاربين والمرتدين، حديث: 1671. (2) المآئدة 5:34.

’’اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑائی کریں تو ان کے مابین صلح کراؤ اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتی ہے اس کے ساتھ لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔‘‘[1]

(2) ان پر تباہ کن ہتھیاروں کے ساتھ حملہ آور نہیں ہونا چاہیے جس سے وہ کلی طور پر تباہ و برباد ہو جائیں جیسا کہ ہوائی حملہ یا تباہ کن گولہ باری۔ لڑائی صرف اس حد تک ہونی چاہیے جس سے ان کی طاقت کمزور ہو جائے اور وہ اطاعت پر مجبور ہو جائیں۔

(3) ان کے بچے، عورتیں قتل کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ان کے اموال لوٹنا جائز ہیں۔

(4) ان کے زخمی پر حملہ نہ کیا جائے، قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور بھاگنے والے کو نہ مارا جائے، اس لیے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ’’جنگ جمل‘‘ کے موقع پر فرمایا:

«لَا يُتْبَعُ مُدْبِرٌ، وَلَا يُذَفَّفُ عَلٰى جَرِيحٍ، وَلَا يُقْتَلُ أَسِيرٌ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ......»

’’بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمی پر جھپٹا نہ مارا جائے اور جو اپنا دروازہ بند کر لے اسے امان ہے۔‘‘[2]

(5) اگر باغیوں کو شکست ہو اور جنگ بند ہو جائے تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ کوئی اور مطالبہ ہو گا، البتہ وہ توبہ اور حق کی طرف رجوع کریں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝

’’اگر وہ رجوع کریں تو انصاف کے ساتھ ان کے مابین صلح کراؤ اور انصاف کرو، یقیناً اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔‘‘[3]

تنبیہ: اگر مسلمانوں کے دو گروہ تاویل کے بغیر محض عصبیت، مال یا منصب کے لیے لڑتے ہیں تو اس صورت میں دونوں ظالم ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے جان و مال کے نقصان کا ضامن ہے۔

بطور حد کن لوگوں کو قتل کیا جائے گا؟ ❊ مرتد کی تعریف: دین اسلام ترک کر کے کسی دوسرے دین، مثلاً: نصرانیت، یہودیت یا لادینیت، مثلاً: الحاد اور اشتراکیت کو اپنانے والا مرتد ہے، جبکہ وہ عاقل ہے اور اس نے یہ تبدیلی کسی جبر کے بغیر اپنے ارادہ و اختیار سے کی ہے۔

1 الحجرات 9:49، یعنی بعض آیات یا احادیث کا ایک غلط مفہوم ان کے ذہنوں میں بیٹھ گیا جس کی وجہ سے وہ اپنی بغاوت کو جائز یا واجب سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (ع،ر) 2 [ضعیف] المصنف لابن أبي شيبة:502/6، حديث:33267، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 181/8. 3 الحجرات 9:49.

✽ **مرتد کا حکم:** مرتد کو اسلام میں واپس آنے کی تین دن تک دعوت دی جائے اور اس بارے میں سختی کی جائے، اگر وہ اسلام میں واپس آ جائے تو بہتر، ورنہ اسے بطور حد تلوار کے ساتھ قتل کر دیا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ» ''جو اپنا دین تبدیل کرے، اسے قتل کر دو۔''[1]

اور آپ کا ارشاد ہے: «لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ: اَلثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ»

''تین چیزوں کے بدلے ہی میں کسی مسلمان کا خون حلال ہوجاتا ہے: شادی شدہ زانی، جان کے بدلے جان اور اپنا دین ترک کر کے جماعت ✽ سے جدا ہونے والا۔''[2]

✽ **قتل کے بعد مرتد کا حکم:** قتل کے بعد اسے غسل نہ دیا جائے، اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے اور مسلمان ورثاء اس کا مال تقسیم نہ کریں بلکہ اس کا سارا ترکہ مسلمانوں کے لیے ہے جسے امت کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ ...

''اور ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو آپ (اس کا) جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، انھوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا انکار کیا ہے اور اس حال میں مرے ہیں کہ اللہ کے حکم سے نکل چکے ہیں۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ، وَلَا الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ»

''کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہے۔''[4]

✽ **موجب کفر اقوال وعقائد کا بیان:** جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ یا اس کے رسولوں میں سے کسی رسول یا فرشتوں میں سے کسی فرشتے کو گالی دیتا ہے، وہ کافر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت یا الوہیت کا انکار کرنے والا، اسی طرح انبیاء و رسل علیہم السلام میں کسی ایک رسول کا منکر بھی کافر ہے۔ جبکہ وہ شخص بھی کافر ہے جو ہمارے سردار خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے بعد

✽ یعنی جماعت صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے عقائد و اعمال سے انحراف کرنے والا کیونکہ صحیح اسلام وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، نبیٔ اکرم ﷺ نے اس کی تعلیم دی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے سمجھا، اپنایا اور پھیلایا۔ (ع، ر)

1 صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب لا يعذب بعذاب الله، حديث: 3017. 2 صحيح البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾، حديث: 6878، وصحيح مسلم، القسامة، باب ما يباح به دم المسلم، حديث: 1676 واللفظ له. 3 التوبة 9:84. 4 صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ...، حديث: 6764، و مسند أحمد: 202/5 واللفظ له.

کسی نئے نبی کی آمد کا قائل ہو۔* شریعت کے اجماعی فرائض میں سے کسی فریضہ، مثلاً: نماز، زکاۃ، روزہ، حج، اطاعت والدین اور جہاد کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ شریعت میں ثابت شدہ حرام کام جس کی حرمت پر اجماع ہے، کو مباح (جائز) سمجھنے والا، مثلاً: زنا، شراب پینا، چوری، قتل نفس اور جادو وغیرہ کو جائز سمجھنے والا کافر ہے۔ قرآن کی کسی سورت، آیت یا ایک حرف کا منکر بھی کافر ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت، مثلاً: اس کے حی، قیوم، علیم، سمیع، بصیر اور رحیم ہونے کا جس نے انکار کیا، وہ کافر ہے۔ دین کے فرائض وسنن کا استخفاف کرنے والا، انھیں حقیر اور گھٹیا سمجھنے والا، قرآن پاک کو غلاظت کی جگہ پھینکنے والا، اسے پاؤں کے نیچے روندنے والا اور اس کی توہین وحقارت کا مرتکب بھی کافر ہے۔ جو کوئی موت کے بعد اٹھنے اور قیامت کے دن کے عذاب وانعام کا انکار کرے اور یہ سمجھے کہ یہ سب معنوی چیزیں ہیں، وہ کافر ہے۔ اور جو یہ باور کرائے کہ اولیائے کرام رحمہم اللہ، انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں یا بڑے بڑے اولیاء کو عبادت معاف ہے، وہ کافر ہے۔

مذکورہ احکام مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد بھی ہے:

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ○ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ﴾

"کہہ دو: کیا اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسولوں کا تم مذاق اڑاتے تھے۔ معذرت نہ کرو، تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔"[1]

اس آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات، صفات، شریعت اور رسولوں کا استہزا و استخفاف کرنے والا کافر ہے۔

❁ **مذکورہ اقوال وعقائد کی وجہ سے کافر قرار پانے والے شخص کا حکم:** اسے اولاً توبہ کرنے کو کہا جائے، اگر اپنے قول وعقیدہ سے توبہ کر لے تو بہتر، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے اور موت کے بعد اس کا حکم مرتد والا ہے۔ علماء فرماتے ہیں: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی توہین اور سب وشتم کا مرتکب فوراً قتل کر دیا جائے، اسے توبہ کے لیے بھی نہ کہا جائے۔ جبکہ چند دیگر علماء کے نزدیک اسے توبہ کے لیے کہا جائے توبہ کر لے تو قبول کی جائے، نیز وہ دوبارہ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ» کا اقرار کرے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے معافی کا طلبگار بنے اور سچی توبہ کرے۔

* یعنی یہ عقیدہ رکھے کہ آپ کے بعد کسی اور شخص کو بھی نبوت مل سکتی ہے۔ یاد رہے کہ قیامت کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے، وہ نبی اکرم ﷺ کے بعد نہیں بلکہ بہت پہلے تاج نبوت پہنا کر بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے جب وہ نازل ہوں گے تو نبی اور رسول کی حیثیت سے نہیں بلکہ عادل حکمران کے طور پر اور نبی اکرم ﷺ کے امتی بن کر نازل ہوں گے اور خالصتاً دین محمدی کی اطاعت کریں گے اور اسی کو نافذ کریں گے۔ (ع،ر)

[1] التوبة 9:65،66.

تنبیہ: کسی کی دھمکی یا ڈر سے ''کلمۂ کفر'' کہنے والا، جس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، مسلمان ہے، اس کے ذمے کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا

''مگر جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (اس پر مؤاخذہ نہیں ہے) اور لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دیتا ہے (اس پر مؤاخذہ ہے)۔''[1]

زندیق کا بیان

✤ **زندیق کی تعریف:** جو شخص ظاہر میں کلمہ گو ہو مگر اس کے دل میں کفر ہو، مثلاً: موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتا، رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا منکر ہے یا قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتا تو وہ زندیق ہے۔❀

✤ **زندیق کا حکم:** پورے وثوق کے ساتھ جب اس کا علم ہو جائے تو اسے بطور حد قتل کر دیا جائے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے اس سے توبہ طلب کی جائے اور یہی بہتر رائے ہے، اگر وہ ''عقائد باطلہ'' سے رجوع کر لے تو بہتر، ورنہ قتل کر دیا جائے اور موت کے بعد اس کے احکام مرتد کی طرح ہیں کہ اسے غسل نہ دیا جائے اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

ساحر (جادوگر) کا بیان

✤ **ساحر کی تعریف:** جو سحر اور جادو سکھاتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے وہ ساحر اور جادوگر ہے۔

✤ **جادوگر کا حکم:** اس کے عمل کو دیکھا جائے کہ اگر اس کے اعمال و اقوال میں کفریہ باتیں ہیں تو اسے قتل کر دیا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ» ''جادوگر کی حد، اسے تلوار کے ساتھ قتل کرنا ہے۔''[2]

اگر اس کے اقوال و اعمال میں (بظاہر) کفریہ امور نہیں ہیں تو اس کو تعزیری سزا دی جائے اور توبہ کے لیے کہا جائے۔ توبہ کر لے تو بہتر، ورنہ وہ قتل کر دیا جائے تاکہ دوسرے لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں اور اس لیے بھی کہ یہ کسی نہ کسی فعل اور قول میں کفر کا مرتکب ضرور ہوتا ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ

''اور وہ کسی کو جادو سکھاتے ہیں تو پہلے یہ کہتے ہیں کہ ہم تو آزمائش ہیں تو کفر نہ کر۔''[3]

❀ منافق اور زندیق میں فرق یہ ہے کہ منافق اسلام کے صحیح عقائد و اعمال کا اظہار کرتا ہے مگر اس کے دل میں تصدیق و ایمان کی دولت نہیں ہوتی جبکہ زندیق بعض خلاف اسلام عقائد و اعمال کو دل و جان سے قبول کرتا اور ان کی دعوت دیتا ہے اور اپنے مسلمان ہونے پر اصرار بھی کرتا ہے، حالانکہ ان عقائد و اعمال کی وجہ سے اس کا اسلام سے رشتہ کٹ چکا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (ع، ر)

[1] النحل 106:16. [2] [ضعيف] جامع الترمذي، الحدود، باب ما جاء في حد الساحر، حديث: 1460. [3] البقرة 102:2.

اور ارشاد عالی ہے: وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ

''اور یہ لوگ جانتے ہیں کہ جو اس جادو کو خریدتا (اپناتا) ہے، اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔''[1]

تارکِ نماز کا بیان ❊ **تارکِ نماز کی تعریف:** جو مسلمان استخفاف (تحقیر) کے طور پر یا انکار کر کے نمازِ پنجگانہ ترک کر دے، وہ تارکِ نماز ہے۔

❊ **تارکِ نماز کا حکم:** اس کو بار بار نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے اور اس وقت تک انتظار کیا جائے کہ نماز کا وقت ختم ہونے میں ایک رکعت پڑھنے کا وقت باقی ہو۔ اگر نماز پڑھ لے تو بہتر، ورنہ اسے بطور حد قتل کر دیا جائے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ

''اگر وہ (کفار) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ»

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ ایک اللہ کے معبود ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کا اقرار کریں اور نماز پڑھیں اور زکاۃ ادا کریں، جب وہ یہ کام کریں گے تو انھوں نے مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیے ہیں مگر اسلامی حقوق (معاف نہ ہوں گے جو جرم کرے گا، اسے سزا ملے گی) اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔''[3]

تنبیہ: تارکِ نماز کو ایک رکعت کے بقدر وقت باقی رہنے تک انتظار اور اس کے بعد توبہ نہ کرنے کی صورت میں قتل کرنا امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ اس کے لیے تین دن تاخیر کے قائل ہیں۔

ضروریاتِ دین میں سے کسی بات کے انکار پر کفر کی صورت میں «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ» کے اقرار کے ساتھ ساتھ اس بات کا اقرار بھی ضروری ہے جس کے انکار پر کفر صادر ہوا۔

مرتد، زندیق اور جادوگر کو بطور ''حد'' قتل کیا جائے۔ اس ''حد'' سے مراد شرعی سزا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ» ''جادوگر کی سزا تلوار کے ساتھ قتل کرنا ہے۔''[4]

[1] البقرة 2:102. [2] التوبة 9:11. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب: ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾، حديث: 25، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس...، حديث: 22. [4] [ضعيف] جامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في حد الساحر، حديث: 1460.

اس کا مطلب یہ ہے کہ زندقہ، ارتداد اور سحر کی وجہ سے اسے یہ شرعی سزا دی جا رہی ہے، اس لیے کہ یہ تمام کفریہ امور ہیں اور جس کی موت کفر کی حالت میں آئے، مسلمان اس کے وارث نہیں ہوتے اور اس کا جنازہ نہیں پڑھا جاتا اور وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہیں کیا جاتا۔

تعزیر کا بیان

✽ **تعزیر کی تعریف:** ضرب (مار پیٹ) طعن وتشنیع، بائیکاٹ یا جلاوطنی کے انداز کی سزائیں تعزیر میں شامل ہیں۔

✽ **تعزیر کا حکم:** جس نافرمانی کی سزا شریعت نے متعین نہیں کی اور نہ اس میں کفارہ ہے، اس میں تعزیری سزا واجب ہے جیسا کہ ہاتھ کاٹنے کے نصاب چوتھائی (1/4) دینار سے کم مالیت کی چوری یا کسی اجنبی عورت کو ہاتھ لگانا، اسے بوسہ دینا یا کسی مسلمان کو ایسی گالی دینا جس میں حد قذف نہیں ہے یا زخمی کرنے یا عضو توڑنے سے کم کسی کو مارنا وغیرہ۔

✽ **تعزیر کے احکام و مسائل:** (1) تعزیر میں اگر مارا جا رہا ہے تو دس ضربات سے زیادہ نہ لگائی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا يُجْلَدُ أَحَدٌ فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ»

''اللہ کی حدود کے علاوہ امور میں کسی کو دس سے زیادہ کوڑے نہ لگائے جائیں۔''[1]

(2) عدالت مجاز تعزیری سزا کا فیصلہ اپنی صوابدید کے مطابق کرے، اگر نافرمان کو ڈانٹ اور زجر و توبیخ ہی کافی ہے تو اسی پر اکتفا کیا جائے، اگر ایک دن اور رات کے لیے قید کرنا مناسب ہے تو زیادہ سزا دینے کی ضرورت نہیں۔ اگر معمولی جرمانہ اسے جرم سے باز رکھ سکتا ہے تو بھاری جرمانہ عائد نہ کیا جائے، اس لیے کہ تعزیر میں اصل مقصود مجرم کی اصلاح و تادیب ہے نہ کہ اسے عذاب دینا اور اس سے انتقام لینا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو محض اپنے اس فرمان سے تادیب کی تھی: «إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ» ''تو ایک ایسا مرد ہے جس میں جاہلیت ہے۔''[2]

اور فرمایا: «إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيعُ أَوْيَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقُولُوا: لَا أَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ»

''جو شخص مسجد میں خرید و فروخت کرتا ہے، اسے کہو: اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔''[3]

اور جو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرنے کے لیے اعلان کرے اس کو فرمایا:

«لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ، فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا»

---

1 صحيح البخاري، الحدود، باب: كم التعزير والأدب؟ حديث: 6848، وصحيح مسلم، الحدود، باب قدر أسواط التعزير، حديث: 1708 واللفظ له. 2 صحيح البخاري، الإيمان، باب: المعاصي من أمر الجاهلية....، حديث: 30، وصحيح مسلم، الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل....، حديث: 1661. 3 [حسن] جامع الترمذي، البيوع، باب النهي عن البيع في المسجد....، حديث: 1321.

’’اللہ تجھے یہ چیز واپس نہ کرے، اس لیے کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔‘‘[1]

اور جیسا کہ آپ نے ان تین صحابہ کے بائیکاٹ کا حکم دیا جو بغیر کسی عذر کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور اسی پر اکتفا کیا۔[2] مخنثوں کو مدینہ سے نکال دیا،[3] اور ایک الزام میں ایک شخص کو دن، رات قید رکھا۔[4]

نیز آپ نے کھجوریں لے جانے والے کو دگنے جرمانے کا فیصلہ دیا[5] اور اسی طرح کی دیگر تعزیری سزائیں جو آپ سے ثابت ہیں اور ان میں مقصود صرف مسلمان کی تادیب و تربیت تھی۔

باب:12

قضا اور شہادت کا بیان

احکام قضا کا بیان ❁ **قضا کی تعریف:** احکام شریعت کے بیان اور ان کے نافذ کرنے کو ’قضا‘ کہا جاتا ہے۔

❁ **قضا کا حکم:** یہ فرض کفایہ ہے اور امام پر لازم ہے کہ وہ ہر شہر میں ایک قاضی مقرر کرے جو احکام شریعت بیان کرے اور لوگوں سے ان پر عمل درآمد کرائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةِ نَفَرٍ يَكُونُونَ بِأَرْضِ فَلَاةٍ إِلَّا أَمَّرُوا عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ»

’’جنگل میں رہنے والے تین آدمیوں کے لیے بھی بغیر امیر کے رہنا جائز نہیں ہے۔‘‘[6]

❁ **منصب قضا کی اہمیت:** عہدۂ قضا ایک نازک منصب ہے اور شان و فضل کے اعتبار سے بہت بڑا ہے، اس لیے کہ اس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نیابت اور رسول اللہ ﷺ کی خلافت کا پہلو ہے اور آپ نے اس کی نازک ذمہ داریوں کا اظہار بایں الفاظ فرمایا ہے: «مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ»

’’جسے لوگوں کے درمیان قاضی بنا دیا گیا، وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔‘‘[7]

1 صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد ......، حديث: 568. 2 صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا﴾ ...، حديث: 4677. 3 صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف......، حديث: 4324، وصحيح مسلم، اسلام، باب منع المخنث......، حديث: 2180، وسنن أبي داود، الأدب، باب الحكم في المخنثين، حديث: 4929. 4 [حسن] سنن أبي داود، القضاء، باب في الدين هل يحبس به؟ حديث: 3630، وجامع الترمذي، الديات، باب ما جاء في الحبس في التهمة، حديث: 1417، اسے امام احمد، ابوداود اور امام ترمذی نے حسن کہا ہے اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔ 5 سنن ابي داود، الحدود، باب مالا قطع فيه، حديث: 4390. 6 [ضعيف] مسند أحمد: 177/2، اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے اگرچہ سنن وغیرہ میں اس کے شواہد ہیں لیکن محمد بن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے سب ضعیف ہیں۔
7 [حسن] جامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء عن رسول الله ﷺ في القاضي، حديث: 1325، وسنن أبي داود، ◄◄

اور فرمایا: «اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَاثْنَانِ فِي النَّارِ، فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ»

''قاضی تین قسم کے ہیں: ایک جنت میں اور دو جہنم میں ہوں گے: حق کی معرفت حاصل کر کے فیصلہ کرنے والا جنتی ہے اور جو حق دریافت ہونے کے باوجود فیصلے میں ظلم کرے، وہ جہنمی ہے اور جہالت پر (بغیر علم کے) لوگوں کے فیصلے کرنے والا بھی جہنمی ہے۔''[1]

اور آپ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا: «لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا»

''امارت کا سوال نہ کرنا، بغیر سوال اگر تو امیر بنایا گیا تو اس پر تیری مدد کی جائے گی اور اگر مانگنے سے تجھے امارت ملی تو تم اسی کے سپرد کیے جاؤ گے (اللہ کی مدد شامل حال نہیں ہوگی۔'')[2]

اور فرمایا: «إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ، وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ»

''عنقریب لوگ امیر بننے کی حرص کریں گے اور عنقریب یہ امارت قیامت کے دن ندامت کا باعث ہوگی کیونکہ دودھ پلانے والی اچھی اور چھڑوانے والی بری ہوتی ہے۔''[3]

❁ **مانگنے والے کو عہدۂ قضا نہ دیا جائے:** منصب قضا پر اس شخص کو فائز نہ کیا جائے جو اس کا طلب گار یا حریص ہو، اس لیے کہ قضا ایک بھاری ذمے داری اور عظیم امانت ہے، لہٰذا وہی اس کا سوال کرے گا جو اس کی اہمیت نہیں سمجھتا اور کیا توقع ہے کہ وہ خیانت نہیں کرے گا جس کے نتیجے میں ناقابل برداشت حد تک دینی و اجتماعی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّا وَاللّٰهِ! لَا نُوَلِّي عَلٰى هٰذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ»

◄◄ القضاء، باب في طلب القضاء، حديث:3572 واللفظ له، اسے امام حاکم، ذہبی اور عراقی نے صحیح اور امام بغوی نے حسن کہا ہے۔

1 [حسن] سنن أبي داود، القضاء، باب في القاضي يخطئ، حديث:3573، وجامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء عن رسول الله ﷺ في القاضي، حديث:1322، و سنن ابن ماجه، الأحكام، باب الحاكم يجتهد......، حديث:2315. 2 صحيح البخاري، كفارات الأيمان، باب الكفارة قبل الحنث وبعده، حديث:6722، وصحيح مسلم، الإمارة، باب النهي عن طلب الإمارة والحرص عليها، حديث:1652 بعد الحديث:1823. 3 صحيح البخاري، الأحكام، باب ما يكره من الحرص على الإمارة، حديث:7148. اسی طرح دنیاوی مفادات کا حصول اچھا لگتا ہے اور ان کا حساب کتاب برا لگتا ہے۔ (محمد عبدالجبار)

''اللہ کی قسم! ہم یہ منصب کسی ایسے شخص کو نہیں دیں گے جو اس کا طلب گار یا حریص ہو۔''[1]

نیز فرمایا: «لَنْ۔ أَوْ۔ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰی عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ»

''ہم کسی ایسے شخص کو عامل ہرگز نہیں بنائیں گے، جو اس کی درخواست کرے۔''[2]

✽ **قاضی کے منصب قضا پر فائز ہونے کی شرائط:** یہ منصب اسی شخص کو دیا جائے جو درج ذیل صفات کا حامل ہو: اسلام، عقل، بلوغت، آزادی، کتاب و سنت کا عالم، قضا کے بارے میں علم رکھنے والا، عدالت ظاہری اور حواس، مثلاً: کان، آنکھ[3] اور زبان کی سلامتی۔

✽ **قاضی کے اخلاق:** اسے معاملات میں سخت ہونا چاہیے مگر درشتی کی حد تک نہیں۔ نرم خو ضرور ہو مگر کمزوری سے مبرا ہو تاکہ کوئی اس سے غلط امید وابستہ نہ کرے اور صاحب حق اس سے خائف نہ ہو۔ اسے حلیم الطبع ہونا چاہیے مگر اتنا نہیں کہ کم عقل، جھگڑالو اس پر چڑھ دوڑیں، حوصلہ مندی سے معاملہ فہمی کی استعداد رکھتا ہو، سمجھ دار اور ذکی ہو مگر خود پسند نہ ہو اور نہ ہی دوسروں کو حقیر جاننے والا ہو۔

اسے چاہیے کہ شہر کے درمیان ایک وسیع جگہ میں ''مجلس قضا'' منعقد کرے جو فریقین اور گواہوں کے لیے تنگ نہ ہو۔ دیکھنے، بٹھانے اور آنے جانے میں فریقین کے مابین برابری کرے، اس بارے میں کسی فریق کو دوسرے پر فوقیت نہ دے۔ قاضی کی مجلس میں فقہاء اور کتاب و سنت کے ماہرین حاضر ہوں تاکہ وہ مشکل مسائل میں ان سے مشورہ و مراجعت کر سکے۔

✽ **قاضی کن چیزوں سے اجتناب کرے:** قاضی اپنے منصب کے تحفظ کے لیے بالخصوص امور ذیل کو ملحوظ رکھے:

(1) غصہ، بیماری، بھوک، پیاس، گرمی، سردی، ملال اور طبیعت کی سستی و کاہلی کے وقت فیصلہ نہ کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ»

''کوئی حاکم فریقین میں غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔''[4]

(2) گواہوں کی موجودگی کے بغیر فیصلہ نہ کرے۔

1 صحيح البخاري، الأحكام، باب مايكره من الحرص على الإمارة، حديث: 7149، وصحيح مسلم، الإمارة، باب النهي عن طلب الإمارة والحرص......، حديث: 1733 قبل الحديث: 1825 واللفظ له. 2 صحيح البخاري، الإجارة، باب استئجار الرجل الصالح......، حديث: 2261، وصحيح مسلم، الإمارة، باب النهي عن طلب الإمارة......، حديث: 1733 قبل الحديث: 1825. 3 بینائی کا ہونا منصب قضا کے لیے شرط نہیں ہے۔ (الاثری) 4 صحيح البخاري، الأحكام، باب: هل يقضي القاضي أو يفتي وهو غضبان؟ حديث: 7158، وصحيح مسلم، الأقضية، باب، كراهة قضاء القاضي وهو غضبان، حديث: 1717.

③ اپنے اور ان قرابت داروں کے متعلق جن کے لیے اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی، فیصلہ نہ کرے۔

④ فیصلے میں رشوت قبول نہ کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي» ''رشوت دینے اور لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

⑤ منصب قضا سے پہلے جن لوگوں سے اسے تحائف نہیں ملتے تھے، اب ان سے وصول نہ کرے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا، فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُولٌ» ''جسے ہم عامل بنائیں اور اسے تنخواہ دیں، اس کے علاوہ جو وہ لے گا خیانت ہوگی۔''[2]

✽ **قاضی کی ذمہ داریاں:** ① تمام دعوؤں اور جھگڑوں میں فریقین کے مابین فیصلہ کرے اور دلائل کے تضاد یا غیر واضح ہونے کی صورت میں فریقین کی رضامندی سے صلح کرائے۔

② ظالموں اور بدکرداروں کو دبائے اور مظلوموں اور حق داروں کی مدد اور ان کی دادرسی کرے۔

③ خون اور زخموں میں ''حدود'' قائم کرے اور فیصلہ جات صادر کرے۔

④ نکاح، طلاق اور خرچہ جات کے بارے میں فیصلہ جات صادر کرے۔

⑤ یتیموں، دیوانوں، غیر حاضر اور ممنوع التصرف لوگوں (جنھیں مالی تصرف سے روک دیا گیا ہو) کے اموال کے تحفظ کے انتظامات کرائے۔

⑥ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے محکمے کا کنٹرول جس کے ذریعے اچھائی کا حکم جاری کیا جاتا ہے اور برائی سے روکا جاتا ہے۔

⑦ جمعہ اور عیدین کی امامت۔

✽ **قاضی کس طرح فیصلہ کرے:** درج ذیل چار طریقوں سے قاضی لوگوں کے حقوق کا تحفظ اور فیصلہ صادر کرے گا:

① اقرار: ''مدعا علیہ'' ''مدعی'' کا مطالبہ تسلیم کر لے تو ''مدعی'' کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا» ''اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دینا۔''[3]

② دلیل: (ثبوت دعویٰ) یعنی گواہوں کی گواہی سے دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 [صحيح] مسند أحمد: 212/2، وسنن أبي داود، القضاء، باب في كراهية الرشوة، حديث: 3580، وجامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء في الراشي ....، حديث: 1337,1336، اسے ابن الجارود، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ 2 [حسن] سنن أبي داود، الخراج، باب في أرزاق العمال، حديث: 2943، اسے امام ابن خزیمہ، حاکم، ذہبی اور امام زبیدی نے صحیح کہا ہے۔ 3 صحيح البخاري، الحدود، باب الاعتراف بالزنى، حديث: 6828,6827، وصحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: 1697.

«اَلْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِي، وَالْیَمِینُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ»

''ثبوت مدعی پیش کرے اور قسم (اس) مدعا علیہ پر ہے۔''[1]

اور فرمایا: «شَاهِدَاكَ أَوْ یَمِینُهُ» ''(مدعی کے) دو گواہ ہوں یا (مدعا علیہ کی) قسم کا اعتبار کرو۔''[2]

کم از کم دو گواہ ہونے چاہئیں اگر دو نہیں ہیں تو ایک گواہ اور ''مدعی'' کی قسم سے بھی دعویٰ ثابت ہو جائے گا، اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَضٰی بِیَمِینٍ وَّشَاهِدٍ»

''رسول اللہ ﷺ نے ایک قسم اور ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلہ صادر فرمایا۔''[3]

(3) قسم: رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی ہے: «اَلْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِي، وَالْیَمِینُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ»

''ثبوت دینا مدعی کی ذمے داری ہے اور قسم مدعا علیہ پر ہے۔''[4]

مدعی اپنے دعوے پر ثبوت پیش نہ کر سکے تو ''مدعا علیہ'' ایک قسم اٹھا کر دعوے (الزام) سے بری ہو جائے گا۔

(4) انکار: ''مدعا علیہ'' اگر قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو قاضی بطور ''اتمام حجت'' کہے: ''تو نے قسم اٹھا لی تو بری ہو جائے گا، ورنہ فیصلہ تیرے خلاف ہو گا۔'' پھر بھی اگر وہ انکار کرے تو اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مدعا علیہ'' کے ''انکار حلف'' کی صورت میں ''مدعی'' اپنے دعوے پر قسم اٹھائے گا اور اگر وہ حلف اٹھا لیتا ہے تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ وہ نبی ﷺ کے اس عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ''قسامت'' کے اثبات کے لیے ''مدعی'' کو قسم اٹھانے کا کہا۔[5]

✽ **فیصلے کی کیفیت اور اس کا طریقہ:** جھگڑنے والے دونوں فریق حاضر ہوں تو انھیں اپنے سامنے بٹھائے اور سوال کرے: تم میں ''مدعی'' کون ہے۔ وہ اپنا دعویٰ سنائے اور تحریر کرے اور گواہوں کا اظہار کرے۔ پھر ''مدعا علیہ'' سے دریافت کرے کہ تو اس دعوے کے بارے میں کیا کہتا ہے اگر وہ اقرار دعویٰ کر لے تو اس کے مطابق فیصلہ دے۔ لیکن اگر وہ دعویٰ تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو ''مدعی'' سے اس کے گواہ طلب کرے، اگر وہ پیش ہو کر گواہی دے دیں تو اس

1 [صحیح] السنن الکبرٰی للبیهقي: 253/10، وصحیح البخاري، في الرهن في الحضر، باب إذا اختلف الراهن......، حدیث: 2514، وصحیح مسلم، الأقضیة، باب الیمین علی المدعٰی علیه، حدیث: 1711. 2 صحیح مسلم، الإیمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین فاجرة بالنار، حدیث: 138. 3 صحیح مسلم، الأقضیة، باب وجوب الحاکم بشاهد ویمین، حدیث: 1712. 4 [صحیح] السنن الکبرٰی للبیهقي: 253/10، وصحیح البخاري، الرهن في الحضر، باب إذا اختلف الراهن......، حدیث: 2514، وصحیح مسلم، الأقضیة، باب الیمین علی المدعٰی علیه، حدیث: 1711، **یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔** 5 صحیح البخاري، الأحکام، باب: 38، حدیث: 7192، وصحیح مسلم، القسامة والمحاربین......، باب القسامة، حدیث: 1669 مختصراً.

کے مطابق فیصلہ صادر کر دے۔ لیکن اگر گواہ پیش کرنے کے لیے کچھ مدت کی درخواست کرے تو تاریخ متعین کر دے جس میں وہ انھیں حاضر کر سکے۔ اگر اس کے باوجود گواہ نہ لا سکے تو ''مدعا علیہ'' کو قسم کا حکم دے۔ اگر وہ قسم اٹھا لے تو اس کے لیے براءت کا فیصلہ دے، اگر انکار کرے تو ''اتمام حجت'' کے طور پر کہے کہ اگر تو حلف نہیں اٹھائے گا تو فیصلہ تیرے خلاف ہوگا، پھر بھی حلف سے انکار کرے تو اثبات دعویٰ (الزام کے درست ہونے) کا فیصلہ کر دے مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے قبل مدعی سے حلف لے، اس کے حلف کے بعد دعوے کے اثبات کا فیصلہ کرے، اس کی بنیاد صحیح مسلم میں مروی یہ حدیث ہے، وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«جاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ هٰذَا قَدْ غَلَبَنِي عَلٰى أَرْضٍ لِّي كَانَتْ لِأَبِي فَقَالَ الْكِنْدِيُّ: هِيَ أَرْضِي فِي يَدِي أَزْرَعُهَا، لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْحَضْرَمِيِّ: أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَلَكَ يَمِينُهُ، قَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ، وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ، فَقَالَ: لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذٰلِكَ»

''ایک حضرمی مرد اور دوسرا کندی نبی ﷺ کے پاس آئے۔ حضرمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس نے میری زمین پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے جو کہ میرے باپ کی تھی۔ کندی نے کہا: یہ میری اپنی زمین ہے جس پر میرا قبضہ ہے، اس کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ آپ نے حضرمی کو کہا: ''تو ثبوت پیش کر کہ یہ زمین تیری ہے۔'' اس نے کہا: کوئی ثبوت نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ قسم اٹھائے گا۔'' حضرمی نے کہا: یہ فاجر آدمی ہے، قسم کی پروا نہیں کرتا اور غیر محتاط ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تجھے اس کے حلف ہی پر اعتماد کرنا پڑے گا۔''[1]

✽ **تنبیہات:** (1) گواہوں کے عادل ہونے کا قاضی کو ذاتی طور پر علم ہو تو ان کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتا ہے۔

(2) پردہ دار عورت پر دعوے کی صورت میں ضروری نہیں کہ وہ قاضی کی عدالت میں خود حاضر ہو بلکہ اس کی نیابت اس کا مقرر کردہ وکیل بھی کر سکتا ہے۔

(3) اپنی ذاتی معلومات کی بنیاد پر قاضی فیصلہ نہیں کر سکتا، اس لیے کہ عدالت کی غیر جانبداری کے لیے یہ ضروری ہے بلکہ وہ گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرے گا، اس لیے بھی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اگر میں کسی مرد کو اللہ کی حدود پامال کرتے دیکھ لوں تو اکیلا اس کی گرفت نہیں کروں گا جب تک میرے ساتھ دوسرا گواہ نہیں ہوگا۔''[2]

(4) ''مدعا علیہ'' کا مجلس قضا میں حاضر ہونا ضروری ہے، جب تک وہ خود یا اس کا وکیل حاضر نہ ہو، قاضی فیصلہ صادر نہ

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم...... حدیث: 139. [2] المحلّٰی لابن حزم: 426/9.

کرے۔ اگر ''مدعا علیہ'' غائب ہو تو اس سے خود حاضر ہونے یا اپنا وکیل بھیجنے کا مطالبہ کرے۔

⑤ حدود کے علاوہ دیگر معاملات میں ایک قاضی کی تحریر، دوسرے قاضی کی طرف معتبر سمجھی جاتی ہے، وہ اس پر دو گواہوں کی گواہی ثبت کرے۔

⑥ مدعی جب تک دعویٰ تحریری شکل میں پیش نہ کرے، قاضی دعوے کی سماعت نہ کرے، مثلاً: مدعی کہتا ہے: میں نے فلاں سے کچھ لینا ہے یا میرا خیال ہے کہ میں نے اس سے اتنی چیز لینی ہے۔ بلکہ وہ دعوے کا تعین کرے اور حتمی انداز میں مدعیٰ علیہ پر تحریری دعویٰ کرے۔

⑦ قاضی کا ظاہری فیصلہ نفس الامر میں کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں بنا سکتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِيَ عَلٰى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ»

''میں انسان ہوں، (غیب نہیں جانتا) تم میرے پاس جھگڑے لاتے ہو، ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض اپنی دلیل پیش کرنے میں تیز طرار ہو اور میں اپنی شنید کے مطابق فیصلہ کر دوں، چنانچہ جس کے لیے میں اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اسے نہ لے کیونکہ میں نے اس کے لیے جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ دیا ہے۔''[1]

⑧ دونوں کے ثبوت میں اگر تعارض ہے اور کسی ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے تو متنازع چیز کو دونوں میں تقسیم کر دے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ فیصلہ ثابت ہے۔[2]

شہادت کا بیان

❁ شہادت کی تعریف: کسی نے جو دیکھا یا سنا، اسے صحیح طور پر قاضی کے سامنے بیان کرنا ''شہادت'' ہے۔

❁ شہادت کا حکم: جس طرح گواہی ادا کرنا ''فرض کفایہ'' ہے، اسی طرح ''امر واقعہ'' کا گواہ بننا بھی ''فرض کفایہ'' ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ

① صحيح البخاري، الأحكام، باب موعظة الإمام للخصوم، حديث: 7169، وصحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أن حكم الحاكم لا يغير الباطن، حديث: 1713. ② [حسن] سنن أبي داود، القضاء، باب الرجلين يدعيان شيئا......، حديث: 3613، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

’’اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ اگر دو آدمی میسر نہیں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔‘‘[1]

اور فرمایا: وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۔

’’اور گواہی نہ چھپاؤ، جو اسے چھپائے گا، یقیناً اس کا دل گناہ گار ہوگا۔‘‘[2]

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا»

’’کیا میں تمھیں اچھے گواہ کی خبر نہ دوں؟ وہ ہے جو سوال سے پہلے اپنی گواہی پیش کر دے۔‘‘[3]

✽ **گواہوں کی شرائط:** گواہ کے لیے مسلمان، عاقل، بالغ اور عادل ہونا شرط ہے اور اس پر کسی قسم کی تہمت بھی نہ ہو، یعنی ایسا نہ ہو جس کی گواہی کسی معقول وجہ سے قبول نہیں ہوتی، مثلاً: اس کا فریقین میں سے کسی ایک سے نسبی تعلق ہے یا ایک دوسرے کے لیے میاں بیوی کی گواہی کی صورت بن رہی ہے یا ایسی گواہی جس میں گواہ کو نفع حاصل ہو رہا ہے یا اس سے نقصان دور ہو رہا ہے یا گواہ اپنے مخالف کے خلاف شہادت دے رہا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَّلَا خَائِنَةٍ وَّلَا زَانٍ وَّلَا زَانِيَةٍ وَّلَا ذِي غِمْرٍ عَلٰى أَخِيهِ، وَفِي رِوَايَةٍ: رَدَّ شَهَادَةَ الْقَانِعِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ»

’’خیانت کرنے والے مرد اور عورت (اسی طرح) زنا کرنے والے مرد اور عورت کی گواہی نافذ نہیں ہوگی اور نہ عداوت والے کی اس کے بھائی کے خلاف۔‘‘ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے خاندان کے نوکر کی گواہی کو ان (خاندان والوں) کے لیے ناجائز قرار دیا ہے۔‘‘[4]

✽ **شہادت کے احکام:** ① شاہد اسی چیز کی گواہی دے، جسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا کانوں سے سنا ہے۔ ایک شخص نے شہادت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«هَلْ تَرَى الشَّمْسَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ عَلٰى مِثْلِهَا: فَاشْهَدْ أَوْ دَعْ»

’’سورج کو دیکھ رہے ہو؟‘‘ اس نے کہا: ہاں، فرمایا: ’’اس کی مثل پر گواہ بن، ورنہ گواہی ترک کر دو۔‘‘[5]

② بیماری دور نہ ہونے یا موت کی وجہ سے ’’امر واقعہ‘‘ کا شاہد عدالت میں نہ آ سکے تو اس کی شہادت پر دوسرے شاہدوں کی گواہی معتبر ہوگی۔[6] جبکہ اس کی شہادت کے بغیر فیصلہ نہ ہو سکے۔

① البقرة 2:282. ② البقرة 2:283. ③ صحيح مسلم، الأقضية، باب بيان خير الشهود، حديث: 1719. ④ [حسن] سنن أبي داود، القضاء، باب من ترد شهادته، حديث: 3601،3600، حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر میں اسے قوی کہا ہے۔ ⑤ شعب الإيمان للبيهقي: 455/7، حديث: 10974. ⑥ گواہ کہے گا کہ فلاں فلاں بھی ادھر ہی تھے اور قابل اعتماد بھی ہیں، لہٰذا ان کی گواہی لے لو۔ واللہ اعلم۔ (ع،ر)

③ شاہد کا تزکیہ دو عادل مرد کریں گے (اس کی صفائی دیں گے) کہ یہ شاہد عادل اور گواہی کے لیے مستند ہے۔ جبکہ قاضی شاہد کو نہ جانتا ہو۔ اگر قاضی اس کے احوال جانتا ہے تو پھر تزکیے کی ضرورت نہیں ہے۔ (راجح یہی ہے کہ ایک شخص بھی تزکیہ کرے تو کافی ہے۔)

④ اگر کسی گواہ کا دو مرد تزکیہ کریں اور دیگر مرد اس پر جرح کریں تو احتیاطاً جرح کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی (اور اس کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔)

⑤ جھوٹے گواہ کی تادیب ضروری ہے، یعنی اسے ایسی سزا دی جائے کہ جھوٹی گواہی کی سوچ والا ہر شخص اس سے عبرت حاصل کرے۔

❁ **گواہی کی اقسام:** ① زنا کے گواہ اس میں چار گواہ ہونے چاہئیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾

"اور تمھاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں، ان پر اپنے (مردوں) میں سے چار گواہ طلب کرو۔"[1]

لہٰذا چار گواہوں سے کم کفایت نہیں کریں گے۔

② زنا کے علاوہ دیگر امور میں دو عادل گواہ کافی ہیں۔[2]

③ اموال کے دعووں میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بھی معتبر ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

﴿فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ﴾ "اگر دو مرد گواہ نہیں ہیں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں۔"[3]

④ احکام میں ایک گواہ اور ایک قسم کافی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَضٰى بِيَمِينٍ وَّشَاهِدٍ»

"رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے۔"[4]

⑤ حمل اور ماہواری پر دو عورتوں کی گواہی کافی ہے، اس لیے کہ ان امور پر عورتیں ہی (صحیح طور پر) اطلاع پا سکتی ہیں۔

اقرار کا بیان

❁ **اقرار کی تعریف:** کسی کا یہ اعتراف کہ میں نے فلاں کی اتنی چیز دینی ہے، مثلاً: وہ کہے: زید کے میرے پاس پچاس ہزار درہم ہیں۔ یا فلاں سامان فلاں کی ملکیت ہے۔

❁ **کس شخص کا اقرار قبول کیا جائے گا؟** عاقل و بالغ شخص کا اقرار قبول کیا جاتا ہے۔ مجنون، نابالغ اور مجبور و مقہور لڑکے کا اقرار معتبر نہیں ہے جیسا کہ آپ کے فرمان میں ہے:

① النسآء 15:4. ② رمضان المبارک اور شوال کے چاند کے لیے ایک مومن کی گواہی کافی ہے۔ (ع، ر) ③ البقرۃ 282:2. ④ صحیح مسلم، الأقضیة، باب وجوب الحکم بشاھد و یمین، حدیث: 1712.

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتّٰى يَكْبُرَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ أَوْيُفِيقَ»

''تین اشخاص مرفوع القلم ہیں: سویا ہوا بیدار ہونے تک، بچہ جوان ہونے تک، اور دیوانہ ہوش آنے تک۔''[1]

نیز ارشاد فرمایا: «وُضِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»

''میری امت سے خطا، نسیان اور جس پر انھیں مجبور کیا جائے، معاف کر دیا گیا ہے۔''[2]

✽ **اقرار کا حکم:** اقرار کرنے سے اقرار کردہ چیز اس کے ذمے ثابت ہو جاتی ہے جبکہ وہ عاقل، بالغ اور خود مختار ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»

''اگر وہ عورت اعتراف کرے تو اسے سنگسار کر دینا۔''[3]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے اعتراف کے نتیجے میں اس پر حد کا فیصلہ لاگو کرنے کا حکم دیا ہے۔

مفلس یا محجور علیہ (جسے مالی معاملات میں تصرف سے روک دیا گیا ہو) کا مالی معاملات میں اعتراف و اقرار لازم نہیں ہے۔ ❀ اس لیے کہ ہو سکتا ہے مفلس قرض خواہوں سے حسد کی وجہ سے ان پر کوئی غلط الزام لگا دے، نیز اس لیے بھی کہ اگر ''محجور علیہ'' کا اقرار نافذ ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس پر کوئی پابندی عائد ہی نہیں کی گئی، البتہ ان دونوں کا اقرار ان کے ذمے رہے گا، جب بھی رکاوٹ دور ہوگی، ان کا اعتراف لاگو ہو جائے گا۔

وارث کے حق میں ''قریب الموت'' کا اقرار صحیح نہیں ہے، الا یہ کہ وہ اپنے اقرار پر ثبوت پیش کرے، اس لیے کہ اس وقت اس پر کسی وارث کو زیادہ دینے کا الزام عائد ہو سکتا ہے، مثلاً: بیمار کہتا ہے کہ میرے فلاں بیٹے کا میرے پاس اتنا سرمایہ ہے، یہ ناقابل قبول ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»

''وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔''[4]

اسی طرح مریض کا وارث کے حق میں یہ کہنا کہ فلاں بیٹے کو میں نے اتنا دینا ہے۔ یہ درحقیقت وصیت کے معنی میں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے وارث کے لیے وصیت ممنوع قرار دی ہے۔ ہاں، ورثاء اگر اس کی وصیت نافذ کریں تو

❀ یعنی اگر وہ اعتراف کرتے ہیں تو فوری طور پر اس پر عمل کروانا ضروری نہیں ہے۔ (ص، ی)

[1] [حسن] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المعتوه والصغير والنائم، حديث: 2041. [2] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره ..... حديث: 2043، 2045، و السنن الكبرى للبيهقي: 84/6. [3] صحيح البخاري، الحدود، باب الاعتراف بالزنا، حديث: 6827، وصحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنا، حديث: 1697. [4] [حسن] سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، حديث: 2870، اسے امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔

یہ نافذ ہو جائے گی یا اس وصیت پر گواہ ثابت ہو جائیں کہ واقعی اس بیمار نے اتنی رقم اپنے فلاں بیٹے کو دینی ہے تو پھر اس کا ''اقرار'' صحیح قرار دیا جائے گا۔

باب:13 غلاموں کا بیان

غلامی کے بارے میں ❁ **غلامی کی تعریف:** کسی کی ملکیت میں آنا اور اس کا غلام ہونا ''رق'' کہلاتا ہے اور ''رقیق'' مملوک غلام کو کہتے ہیں۔ یہ مادہ رقۃ سے ماخوذ ہے، جو غلظۃ (درشتی) کی ضد ہے، اس لیے کہ غلام بھی اپنے آقا کے لیے نرم ہوتا ہے اور مملوک ہونے کی وجہ سے سخت رویہ نہیں اپنا سکتا۔

❁ **غلامی کا حکم:** اس کا حکم جواز ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ **وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** ﴾ ''اور جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ لَّطَمَ مَمْلُوكَهُ أَوْ ضَرَبَهُ فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُّعْتِقَهُ»

''جو اپنے غلام کو تھپڑ رسید کرتا ہے یا مارتا ہے، اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کر دے۔''[2]

❁ **غلامی کی تاریخ اور اس کے اسباب:** ہزاروں سالوں سے انسانوں میں غلامی کا وجود ملتا ہے، اور دنیا کی قدیم ترین اقوام کے ہاں یہ موجود ہے جیسا کہ مصری، چینی، ہندوستانی، یونانی اور رومن اقوام، نیز آسمانی کتابوں تورات اور انجیل میں بھی اس کا ذکر ہے۔ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام (والدۂ اسماعیل علیہ السلام) سیدہ سارہ علیہا السلام کی لونڈی تھیں، جو شاہ مصر نے انھیں ہدیہ میں دی تھیں، سیدہ سارہ علیہا السلام نے آگے ابراہیم علیہ السلام کو دے دی، وہ ان کے پاس رہیں اور ان کے بطن اطہر سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ کئی طریقوں سے انسانوں کو غلام بنایا جاتا تھا:

① لڑائیوں میں مغلوب لوگ غالب وقاہر لوگوں کے غلام قرار پاتے اور ان کی عورتیں اور بچے بھی غلام شمار ہوتے۔

② تنگ دستی کی وجہ سے لوگ اپنے بچے فروخت کر دیتے تھے۔

③ ڈاکہ اور چوری کے ذریعے سے بھی لوگوں کو پکڑا جاتا اور غلام بنایا جاتا ہے جیسا کہ کئی یورپین اقوام افریقہ میں غالب آئیں اور انھوں نے افریقیوں کو گرفتار کر کے یورپ میں لے جا کر فروخت کر دیا۔

اسی طرح یورپین بحری قزاق سمندر میں سے گزرنے والی کشتیوں پر دھاوا بول دیتے اور ان کے سواروں کو گرفتار کر

① النسآء 36:4. ② صحیح مسلم، الأیمان، باب صحبۃ الممالیک...، حدیث: 1657

کے یورپ کی منڈیوں میں لے جا کر فروخت کر دیتے اور قیمت کھا جاتے تھے۔

اسلام نے، جو اللہ کا سچا دین ہے، یہ سب اسباب ممنوع قرار دیے۔ صرف ایک سبب بحال رہا، یعنی جنگ کے ذریعے سے غلام بنانا اور اسلام کا یہ اقدام انسانیت کے لیے رحمت ثابت ہوا، اس لیے کہ جنگی انتقام میں لوگ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر دیتے تھے، اسلام نے انھیں غلام بنا کر رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ زندہ رہیں اور پھر ان کی آزادی کی صورتیں پیدا کی جائیں۔

لڑنے والے دشمنوں کے بارے میں بھی اسلام نے احسان کر کے انھیں چھوڑ دینے کا حکم دیا یا فدیہ لے کر انھیں آزاد کرنے کی تجویز دی۔ ❀ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا﴾

''جب تم کافروں کو جنگ میں ملو تو ان کی گردنیں اڑاؤ، جب خوب خون ریزی کر لو تو ان (زندہ بچ جانے والوں) کو مضبوطی سے باندھو، پھر احسان کر کے یا فدیہ (عوضانہ) لے کر (انھیں) چھوڑ دینا یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے۔''[1]

❀ **غلاموں کے ساتھ مسلمانوں اور دیگر اقوام کا برتاؤ:** امت مسلمہ کے علاوہ دنیا کی تمام اقوام غلاموں کے بارے میں قریب قریب ایک ہی انداز اپنائے ہوئے تھیں۔ ان کے ہاں غلام کو ہر چیز اور جملہ اغراض کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور بلاسبب اسے بھوکا رکھنا، مار کٹائی کرنا اور طاقت سے بڑھ کر اس سے کام لینا ایک عام وطیرہ تھا، اسے آگ سے داغ دیا جاتا اور اس کے اعضاء کاٹ دیے جاتے تھے، نیز اسے ''آلۂ روح'' گردانا گیا اور ''زندہ سامان'' کا نام دیا جاتا تھا۔

❀ امیر لشکر یا امام انھیں مجاہدین میں تقسیم کر دے گا۔ گویا اسلام نے صرف کافر جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی صورت جائز قرار دی ہے جبکہ باقی دو صورتیں ناجائز قرار دی ہیں۔ عصر حاضر میں مسلم ممالک جنگی قیدیوں کی بابت اگر کسی عالمی معاہدے کی پابندی قبول کر چکے ہوں تو وہ اس کی پابندی کریں گے ورنہ غلام بنانے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ حقیقی اسلامی جہاد کی صورت پیدا ہو جائے۔ باقی جہاں تک جرائم پیشہ افراد کی طرف سے مختلف ممالک سے سمگل شدہ عورتوں کی تجارت کا تعلق ہے تو اس طریقے سے کسی عورت کو لونڈی بنانا درست نہیں ہے۔ ایسے لوگ سخت گنہگار ہیں۔ حکومت وقت کا فرض ہے کہ وہ انھیں عبرتناک سزا دے اور مظلوموں کو ان کے پنجۂ استبداد سے رہائی دلا کر ان کے گھروں تک پہنچائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتی اور کوئی مسلمان کسی وجہ سے اپنے طور پر ایسی کسی مظلوم عورت، مرد یا بچے کو خرید کر اس کے گھر پہنچاتا ہے تو یہ غلام یا لونڈی کی آزادی کے قائم مقام ہوگا بلکہ اس سے بھی زیادہ، واللہ اعلم۔ (ع، ر)

[1] محمد 4:47.

اسلام نے اسے انسانی شرف وعزت سے نوازا، اسے مارنا، قتل کرنا حرام قرار دیا بلکہ اسے گالی دینے اور توہین و تذلیل کرنے سے بھی منع کیا اور اس کے ساتھ احسان و مروّت کا حکم دیا۔ بطور مثال چند ایک نصوص ملاحظہ ہوں:

(1) اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَّ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾

''اور والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مساکین، رشتے دار ہمسایہ، اجنبی ہمسایہ، پہلو کے ساتھی اور جن کے تمھارے ہاتھ مالک ہیں، ان سب کے ساتھ احسان کرو۔''[1]

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِخْوَانُكُمْ وَخَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَّا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ عَلَيْهِ»

''یہ تمھارے بھائی اور تمھارے خادم ہیں جنھیں اللہ نے تمھاری ملکیت میں دیا ہے۔ جس کے قبضہ میں اس کا بھائی ہو، وہ جو کھاتا ہے اسے کھلائے، جو پہنتا ہے، اسے بھی پہنائے اور انھیں ان کی طاقت سے زیادہ کام کی تکلیف نہ دو، اگر ایسے کام کا مکلّف بنایا ہے تو ان کے ساتھ تعاون (بھی) کرو۔''[2]

اور فرمایا: «مَنْ لَّطَمَ مَمْلُوكَهُ أَوْضَرَبَهُ فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُّعْتِقَهُ»

''جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا ضرب لگائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کر دے۔''[3]

اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام نے غلام آزاد کرنے کا عمومی حکم دیا ہے اور اس کے لیے ترغیب وتشویق کو اپنایا ہے، درج ذیل امور اس پر شاہد ہیں: قتل خطا اور دیگر معاصی میں غلام آزاد کرنا گناہ کا کفارہ بنایا جیسا کہ ظہار، قسم اور روزہ توڑنے میں۔ غلاموں میں سے جو قسط دار عوضانہ ادا کر کے آزاد ہونا چاہے، اس کی اجازت دے دی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ﴾

''اور تمھارے مملوک غلاموں میں جو ''مکاتبت'' کا مطالبہ کریں، ان سے مکاتبت کر لو، اگر تم ان میں اچھائی

(1) النسآء 36:4. (2) صحيح البخاري، الإيمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية......، حديث: 30، و صحيح مسلم، الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل......، حديث: 1661. (3) صحيح مسلم، الأيمان، باب صحبة المماليك ......، حديث: 1657.

دیکھتے ہو اور انھیں اللہ کے مال میں سے دو، جو اس نے تمھیں دیا ہے۔‘‘[1]

زکاۃ کے مصارف میں ایک مصرف غلام آزاد کرنے میں تعاون کرنا بھی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾

’’صدقات فقراء، مساکین اور اس میں کام کرنے والوں کے لیے اور جن کی تالیف قلب* مطلوب ہے اور غلام آزاد کرنے میں اور مقروض لوگوں کے لیے اور اللہ کے راستے میں اور مسافروں کے لیے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے، اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔‘‘[2]

اگر کسی وجہ سے غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو جائے تو آزادی اس کے تمام اجزاء میں سرایت کر آتی ہے، اس لیے کہ مسلمان جب کسی مقصد کے لیے غلام کا نصف یا ثلث آزاد کرتا ہے تو اسے شرعی حکم ہے کہ باقی کی قیمت ادا کر کے پورا غلام آزاد کرے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَّهُ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَّبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ قِيمَةَ عَدْلٍ فَأَعْطَى شُرَكَاؤَهُ حِصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ»

’’جس نے غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے جو غلام کی قیمت کو پہنچتا ہے تو منصفانہ قیمت طے کر کے اس کے حصہ داروں کو اس کی قیمت ادا کرے اور (اس طرح پورا) غلام آزاد ہو جائے گا۔‘‘[3]

مالک اپنی لونڈی سے ہم بستری کر سکتا ہے تاکہ ’’ام ولد‘‘ (اس کے بچے کی ماں) ہونے کی صورت میں لونڈی آزاد ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «أَيُّمَا أَمَةٍ وَّلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا فَهِيَ حُرَّةٌ بَعْدَ مَوْتِهِ»

’’جو لونڈی اپنے سردار کی اولاد پیدا کر لے، وہ اس کی موت کے بعد آزاد ہے۔‘‘[4]

غلام کو اگر کسی نے مارا تو اس پر اسے آزادی کا پروانہ مل گیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَّهُ حَدًّا لَّمْ يَأْتِهِ أَوْلَطَمَهُ فَإِنَّ كَفَّارَتَهُ أَنْ يُّعْتِقَهُ»

’’جو اپنے غلام کو نا کردہ کام پر ’’حد‘‘ لگاتا ہے یا بلا وجہ تھپڑ مارتا ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے

* کسی کو اس لیے مال دینا تاکہ اگر کافر ہے تو اسلام لے آئے، لا چکا ہے تو اس پر قائم رہے۔ واللہ اعلم (ع،ر)

1 النور 33:24. [2] التوبة 60:9. [3] صحيح البخاري، العتق، باب: إذا أعتق عبدًا بين......، حديث: 2522، وصحيح مسلم، العتق، باب من أعتق شركا له...، حديث: 1501. [4] [ضعيف] سنن ابن ماجه، العتق، باب أمهات الأولاد، حديث: 2515، والمعجم الكبير للطبراني: 167/11، حديث: 11519 واللفظ له. اس کی سند حسین بن عبداللہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

آزاد کردے۔‘‘[1]

اگر کسی غلام کا مالک اس کا قرابت دار بن گیا تو وہ غلام آزاد ہو گیا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ مَّلَكَ ذَا رَحِمٍ مَّحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ»

’’جو شخص ’’ذی رحم‘‘ (قرابت دار) کا مالک ہو جائے تو وہ (غلام) آزاد ہے۔‘‘[2]

تنبیہ: اس سوال کا جواب کہ اسلام نے مسلمانوں پر غلام آزاد کر دینا فرض کیوں نہیں قرار دیا تاکہ پھر کوئی بھی مسلمان اس حکم سے سرتابی نہ کر سکے؟ اس بارے میں ہم یہی کہیں گے کہ اسلام کی آمد کے وقت غلام لوگوں کی مِلک میں تھے اور یہ بات ’عادلہ شریعت‘ اور انسان کی جان، مال اور عزت کے محافظ دین کے مناسب نہیں تھی کہ وہ لوگوں پر فرض قرار دے کہ اپنے اموال اپنی ملکیت سے نکال دیں، پھر بہت سے غلاموں کے حق میں بھی یہ بات بہتر نہ تھی کہ وہ آزاد ہو جائیں، اس لیے کہ جو بچے، عورتیں کما نہیں سکتے تھے، وہ کس کے سہارے زندگی بسر کرتے، اس لیے انھیں مسلمان مالک کے قبضے اور تحویل میں رکھا تاکہ ان کی خوراک، لباس اور دیگر ضروریات زندگی مہیا ہوں۔ یہ صورتحال ان کے حق میں اس سے ہزار درجہ بہتر تھی کہ انھیں محسن اور اچھے گھریلو ماحول سے نکال کر قطع تعلقی اور محرومی کے جہنم میں دھکیل دیا جاتا۔

غلاموں کے احکام

❁ **غلاموں کی آزادی: آزادی کی تعریف:** مملوک غلام کو آزاد کر دینا اور اسے غلامی کی ذلت سے نکالنا عتق (آزادی) کہلاتا ہے۔

❁ **آزاد کرنے کا حکم:** غلام آزاد کرنا مندوب اور مستحب ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَكُّ رَقَبَةٍ ۝﴾ ’’گردن آزاد کرنا ہے۔‘‘[3] اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً، أَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ إِرْبٍ مِّنْهَا إِرْبًا مِّنْهُ مِنَ النَّارِ، حَتّٰى فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ»

’’جو شخص کسی مومن غلام کو آزاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے عوض آزاد کرنے والے کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دیتا ہے یہاں تک کہ (ہاتھ کے عوض ہاتھ اور پاؤں کے عوض پاؤں اور) شرم گاہ کے عوض شرم گاہ کو آزاد کر دیتا ہے۔‘‘[4]

[1] صحيح مسلم، الأيمان، باب صحبة المماليك....، حديث: 1657. [2] [صحيح] سنن أبي داود، العتق، باب فيمن ملك ذا رحم محرم، حديث: 3949، وجامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء فيمن ملك....، حديث: 1365. [3] البلد 13:90. [4] صحيح البخاري، كفارات الأيمان، باب قول الله تعالى: ﴿أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾، حديث: 6715، وصحيح مسلم، العتق، باب فضل العتق، حديث: 1509.

❁ **آزاد کرنے کی حکمت:** انسان کو غلامی کے نقصانات سے بچانا تاکہ وہ اپنی جان اور منافع کا مالک بن جائے اور اپنے ارادہ واختیار کے مطابق اپنی جان اور منافع کے بارے میں فیصلہ کر سکے۔

❁ **آزادی کے احکام:** (1) مالک کے صریح لفظ: ''میں نے تجھے آزاد کر دیا ہے یا تو آزاد ہے۔'' وغیرہ کہنے سے غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کنائی الفاظ سے بھی، بشرطیکہ آزاد کرنے کی نیت سے کہے جائیں، غلام آزاد قرار پاتا ہے جیسا کہ میں نے تیرا راستہ کھلا کر دیا ہے۔ یا میرا تیرے اوپر کوئی اختیار نہیں ہے۔''

(2) عاقل و بالغ، جو اپنے معاملات کو خوش اسلوبی سے سمجھتا ہے، کا آزاد کرنا ہی معتبر ہے جو اپنے مال میں تصرف کرنے کا مجاز ہے۔ بنا بریں مجنون، نابالغ بچہ اور کم عقل جس پر مال میں تصرف کرنے کی پابندی ہے، اپنا غلام آزاد نہیں کر سکتے، اس لیے کہ یہ اپنے مال میں تصرف کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔

(3) اگر غلام دو یا زیادہ آدمیوں کی مشترکہ ملکیت میں ہے اور ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور وہ آزاد کرنے والا مال دار ہے تو وہ باقیوں کے حصے بھی ان کی قیمت ادا کر کے آزاد کرے گا۔ لیکن اگر تنگ دست ہے تو جتنا اس نے آزاد کیا وہ آزاد ہے باقی غلام، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَّهُ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ قِيمَةَ عَدْلٍ فَأَعْطٰى شُرَكَاؤَهُ حِصَصَهُمْ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ»

''جو شخص مشترک غلام میں اپنا حصہ آزاد کرتا ہے اور اس کے پاس (پورے) غلام کی قیمت بھی ہے، پھر اس نے اپنے دیگر حصہ داروں کو ان کے حصے کی منصفانہ قیمت ادا کر دی تو وہ سارا آزاد ہو جائے گا، ورنہ جتنا آزاد ہوگا سو ہو گیا۔''[1]

(4) اگر کوئی شخص اپنا غلام آزاد کرنا کسی شرط کے ساتھ مشروط کرتا ہے تو شرط کے پائے جانے پر وہ آزاد ہوگا، ورنہ نہیں، مثلاً: کہتا ہے کہ ''اگر میری عورت نے بچہ جنم دیا تو تو آزاد ہے، چنانچہ بچہ جنم دیتے ہی وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔''

(5) جو اپنے غلام کا اکیلا مالک ہے اور اس نے اس کا کچھ حصہ آزاد کر دیا تو اس کا باقی بھی آزاد ہو جائے گا،[2] اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[1] صحیح البخاري، العتق، باب إذا أعتق عبدًا.....، حدیث: 2522، وصحیح مسلم، العتق، باب من أعتق شرکاله.....، حدیث: 1501. [2] صحیح البخاري، العتق، باب: إذا أعتق عبدًا.....، حدیث: 2522، و صحیح مسلم، العتق، باب من أعتق شرکا له.....، حدیث: 1501.

«مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ ......» ’’جس نے غلام میں موجود اپنے حصے کو آزاد کیا۔‘‘ ❀

اسی طرح آپ کا یہ فرمان: «مَنْ أَعْتَقَ شَقِيصًا مِّنْ مَّمْلُوكِهِ ......»

’’جس نے اپنے مال سے غلام میں موجود اپنے حصے کو آزاد کیا تو وہی اسے اپنے مال سے پوری رہائی دلائے۔‘‘[1]

(6) اگر کوئی شخص مرض الموت میں ایک یا زیادہ غلام آزاد کرتا ہے تو ایک تہائی جائیداد کے اندر وہ آزاد ہوں گے، اس لیے کہ مرض الموت میں غلام آزاد کرنا وصیت کی مانند ہے اور وصیت تہائی سے زائد میں جائز نہیں ہے۔

تدبیر کا بیان

❀ **تدبیر کی تعریف:** غلام کی آزادی کو مالک کی موت کے ساتھ معلق کرنا تدبیر کہلاتا ہے، مثلاً: مالک غلام کو یہ کہے کہ تو میری موت کے بعد آزاد ہے۔ ایسا غلام مالک کی موت کے بعد آزاد ہو جائے گا۔

❀ **تدبیر کا حکم:** غلام ’’مدبر‘‘ کرنا جائز ہے، الا یہ کہ مالک کی ملکیت میں اس غلام کے علاوہ اور کوئی جائیداد نہ ہو تو پھر تدبیر نا جائز ⊙ ہے۔ صحیح بخاری، مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ فَاحْتَاجَ، فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي؟» فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بِكَذَا وَكَذَا (بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ) (فَأَخَذَ ثَمَنَهُ) فَدَفَعَهُ إِلَيْهِ»

’’ایک شخص نے اپنا غلام موت کے بعد آزاد کرنے کا کہا، پھر وہ خود محتاج ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ’’مجھ سے یہ غلام کون خریدتا ہے۔‘‘ چنانچہ نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آٹھ سو درہموں کے عوض اسے خرید لیا اور آپ نے یہ رقم غلام کے مالک کو دے دی اور فرمایا (اس محتاجی میں) تو اس کا زیادہ مستحق ہے۔‘‘[2]

❀ **تدبیر میں حکمت:** مسلمان کے لیے سہولت اور آسائش پہنچانا مطلوب ہے کہ ایک شخص غلام آزاد کرنا چاہتا ہے مگر وہ زندگی میں اس کی خدمت کا بھی ضرورت مند ہے، اگر وہ اسے اپنی زندگی کے بعد آزاد کر دے تو آزادی کے ثواب کا مستحق ہو جائے گا اور زندگی بھر اس کی خدمت بھی اسے حاصل رہے گی۔

❀ **تدبیر کے احکام:** (1) مالک اپنے غلام کو جب یہ کہے کہ ’’تو میرے بعد آزاد ہے۔‘‘ یا ’’میں نے تجھے مدبر

❀ یعنی جب ایک مشترک غلام کا ایک حصہ آزاد کر دیا جائے تو اسلام دیگر حصہ داروں کو اس کی قیمت دے کر پورا غلام آزاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے تو جو ایک ہی مالک کا غلام ہے اگر اسے جزوی آزادی مل جائے تو اسلام اس کی مکمل آزادی کو کیوں نہیں چاہے گا۔

⊙ کیونکہ یہی غلام اس کا کل ترکہ ہے جب یہی آزاد ہو گیا تو اس کی تجہیز و تکفین کا کیا بنے گا۔ اگر مقروض ہے تو قرض کہاں سے ادا ہو گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ورثاء کو کیا ملے گا۔ واللہ اعلم (ع، ر)

(1) صحيح البخاري، الشركة، باب تقوم الأشياء بين الشركاء......، حديث:2492. (2) صحيح البخاري، البيوع، باب بيع المزايدة، حديث:2141، وصحيح مسلم، الزكاة، باب الابتداء في النفقة......، حديث:997.

قرار دیا ہے۔'' یا ''جب میں مر جاؤں گا تو تو آزاد ہے۔'' وغیرہ تو وہ غلام ''مدبر'' قرار پاتا ہے۔

(2) موت کے بعد مدبر تہائی میں سے آزاد ہو گا۔ * اگر تہائی میں آزاد نہیں ہو سکتا تو بقدر تہائی وہ آزاد ہو گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا مسلک یہی ہے، اس لیے کہ اس کا حکم وصیت کی طرح ہے اور وصیت کا نفاذ تہائی میں ہو سکتا ہے۔

(3) ''تدبیر'' کو شرط سے بھی معلق کیا جا سکتا ہے، لہٰذا شرط کے پائے جانے سے غلام مدبر ہو گا ورنہ نہیں، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْمُسْلِمُونَ عَلٰی شُرُوطِهِمْ» ''مسلمان اپنی طے (شدہ) شرطوں کی پابندی کریں۔''[1]

مثلاً: مالک کہتا ہے: ''اگر میں اس بیماری میں فوت ہو گیا تو تو آزاد ہے۔'' چنانچہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گیا تو اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔ اگر فوت نہ ہوا تو وہ آزاد نہیں ہو گا۔

(4) مدبر کو ادائیگی قرض یا کسی اور ضرورت کے تحت فروخت کیا جا سکتا ہے جیسا کہ (ابھی گزرا ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کی ضرورت کی بنا پر اس کا ''مدبر غلام'' فروخت کر دیا تھا۔[2] اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی مدبرہ لونڈی کو، جس نے ان پر جادو کر دیا تھا، فروخت کر دیا تھا۔ اسے امام شافعی نے روایت کیا ہے۔[3]

(5) لونڈی مدبرہ اگر حاملہ ہے (مالک سے نہیں بلکہ اس کے شوہر سے) تو اس کا حمل بھی اس کے ساتھ مدبر ہے، مالک کی موت سے وہ بھی آزاد ہو جائے گا، اس لیے کہ ابن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

«وَلَدُ الْمُدَبَّرَةِ بِمَنْزِلَتِهَا» ''مدبرہ کی اولاد بھی اس کے حکم میں ہے۔''[4]

(6) مالک اپنی مدبرہ لونڈی سے ہم بستری کر سکتا ہے، اس لیے کہ وہ اس کی ملکیت میں ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝﴾

''مگر اپنی بیویوں یا مملوکہ لونڈیوں سے (جماع کرنے میں) بلاشبہ انھیں ملامت نہیں ہے۔''[5]

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم مدبرہ لونڈی کے ساتھ وطی کے جواز کے قائل ہیں۔

(7) اگر مدبر نے اپنے مالک کو قتل کر دیا تو وہ آزاد نہیں ہو سکے گا اور اس کی تدبیر باطل قرار پائے گی تاکہ مدبر اپنے مالکوں کو اپنی آزادی حاصل کرنے کے لیے قتل نہ کر سکیں۔

مکاتبت کا بیان

مکاتب غلام کی تعریف: مالک اپنے غلام کے ساتھ معاہدہ کر لے کہ اگر تو مجھے اتنی اقساط میں

* یعنی اگر کل ترکے کی تہائی، اس غلام کی قیمت کے برابر ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا ورنہ بقدر تہائی آزاد ہو گا۔ (ع، ر)

[1] [حسن] سنن أبي داود، القضاء، باب في الصلح، حديث: 3594، اسے امام ابن الجارود اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ [2] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع المزايدة، حديث: 2141، وصحيح مسلم، الزكاة، باب الابتداء في النفقة.....، حديث: 997. [3] [صحيح] كتاب الأم للشافعي: 498/10، والسنن الكبرى للبيهقي: 313/10، والمصنف لعبد الرزاق: 141/9، حديث: 16667 مالک والی سند صحیح ہے۔ [4] [صحيح] السنن الكبرى للبيهقي: 315/10. [5] المؤمنون 6:23.

اتنا مال ادا کردے تو تو آزاد ہے اور اس کی تحریر ہو جائے۔ اس صورت میں جملہ قسطیں ادا کرنے کے بعد وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

❁ **مکاتبت کا حکم:** غلام کے ساتھ اس انداز کا معاہدہ کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾

''اور تمھارے جو غلام تم سے مکاتبت ❀ چاہیں اگر تم ان میں خیر محسوس کرو تو ان سے مکاتبت کر لو اور اللہ کے مال میں سے جو اس نے تمھیں دیا ہے، انھیں بھی دو۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَعَانَ مُجَاهِدًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْغَارِمًا فِي عُسْرَتِهِ أَوْ مُكَاتَبًا فِي رَقَبَتِهِ، أَظَلَّهُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ»

''جو شخص مقروض یا غازی یا مکاتب کے ساتھ تعاون کرتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔''[2]

❁ **مکاتب کے احکام:** (1) مکاتبت کی آخری قسط ادا کرنے پر غلام آزاد ہو جائے گا۔

(2) جب تک غلام نے ایک درہم بھی ادا کرنا ہے، وہ غلام ہے۔ متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قول یہی ہے اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَّا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُّكَاتَبَتِهِ دِرْهَمٌ»

''جب تک مکاتب پر ایک درہم بھی باقی ہے وہ غلام ہے۔''[3]

(3) مالک پر لازم ہے کہ وہ مکاتب کے ساتھ تعاون کرے تا کہ وہ قسطیں ادا کر کے آزاد ہو سکے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ﴾ ''اور اللہ کے مال میں سے جو اس نے تمھیں دیا ہے، انھیں بھی دو۔''[4]

(4) اگر غلام ایک ہی بار یا چند اقساط میں پوری قسطیں جمع کرانا چاہے تو مالک پر لازم ہے کہ وہ قبول کر لے اور اسے آزاد کر دے، اِلّا یہ کہ اس کا اس میں نقصان ہوتا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی فیصلہ مروی ہے۔ (المغني)

(5) غلام کے قسطیں ادا کرنے سے پہلے اگر مالک فوت ہو جائے تو غلام مالک کے ورثاء کو بقیہ اقساط ادا کر دے گا اور اگر ادائیگی نہ کر سکا تو وہ مالک کے ورثاء کا غلام قرار پائے گا۔

(6) مالک غلام کو سفر اور کام کرنے سے نہیں روک سکتا، البتہ وہ اسے شادی کرنے سے منع کر سکتا ہے، اس لیے کہ آپ کا فرمان ہے: «أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَهُوَ عَاهِرٌ»

❀ مکاتبت اس تحریری معاہدہ کو کہا جاتا ہے جو مالک اور غلام کے مابین قسطیں ادا کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے۔ (الاثری)

(1) النور 33:24. (2) [ضعيف] المستدرك للحاكم: 217/2، ومسند أحمد: 487/3، اسے امام حاکم نے صحیح کہا، لیکن اس کی سند عبداللہ بن سہیل کی وجہ سے کمزور ہے۔ (3) [حسن] سنن أبي داود، العتق، باب في المكاتب......، حديث: 3926. (4) النور 33:24.

''جو غلام اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے، وہ زانی ہے۔''[1]

(7) مالک اپنی مکاتبہ لونڈی سے وطی نہیں کر سکتا، اس لیے کہ مکاتبت کی وجہ سے وہ اس کی خدمت نہیں کرے گی اور نہ اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے اور وطی بھی ان منافع میں سے ہے جو مکاتبت کی وجہ سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ جمہور ائمہ رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے۔

(8) مکاتب اگر قسط ادا نہ کر سکے اور دوسری قسط کا وقت ہو جائے تو مالک اسے عاجز قرار دے کر غلام بنا سکتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مکاتب کو اس وقت ''رقیق'' بنایا جائے، جب لگاتار دو قسطیں اس پر آ جائیں اور وہ ادا نہ کر سکے۔''[2]

(9) مکاتبہ لونڈی کا بچہ بھی اس کے ساتھ آزاد ہو جائے گا، اگر اس نے اپنی پوری قسطیں ادا کر دیں لیکن اگر قسطیں ادا کرنے سے قاصر رہی تو بچہ بھی اس کے ساتھ غلام قرار پائے گا، چاہے ''مکاتبت'' کے وقت حمل تھا یا ''مکاتبت'' کے بعد لونڈی حاملہ ہوئی۔ یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔

(10) ''مکاتب'' عاجز ہو جائے تو اس کے ہاتھ میں جو مال ہے، وہ سب مالک کی ملکیت ہو جائے گا، الا یہ کہ اسے زکاۃ میں سے مال دیا گیا ہو تو اس صورت میں مالدار مالک اسے نہیں لے گا کیونکہ زکاۃ کے مستحق فقراء و مساکین ہیں۔

ام ولد کا بیان

❁ **ام ولد کی تعریف:** وہ لونڈی جس کے ساتھ اس کا مالک ہم بستر ہوا اور اس سے اولاد پیدا ہو گئی، ام ولد کہلاتی ہے۔

❁ **لونڈی سے جماع کرنے کا حکم:** لونڈی کا مالک اس سے ہم بستر ہو سکتا ہے تو جب اولاد پیدا ہو گی، وہ ''ام ولد'' بن جائے گی، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ ﴾

''اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے کہ بلاشبہ (ان سے جماع کرنے پر) انھیں کچھ ملامت نہیں۔''[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ سے مجامعت کی جن سے ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا: «أَعْتَقَهَا وَلَدُهَا» ''اس کے بچے نے اسے آزاد کر دیا ہے۔''[4]

اسی طرح ہاجرہ علیہا السلام (اسماعیل علیہ السلام کی والدہ) حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی لونڈی تھیں۔

❁ **لونڈی سے مجامعت کی حکمت:** (1) لونڈی کے ساتھ شفقت کہ اس کی شہوانی حاجت براری کا قانونی

[1] [حسن] سنن أبي داود، النكاح، باب في نكاح العبد بغير إذن مواليه، حديث: 2078، اسے امام ترمذی نے حسن اور حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ [2] السنن الكبرٰى للبيهقي: 342/10. [3] المؤمنون 23:5، 6. [4] [ضعيف] سنن ابن ماجه، العتق، باب أمهات الأولاد، حديث: 2516. اس کی سند حسن بن عبداللہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

انتظام ہو۔ ❀

(2) ''ام ولد'' ہونے کی صورت میں مالک کی وفات کے بعد اسے آزادی کی نعمت حاصل ہو گی۔

(3) بیوی کے انداز پر مالک کے ساتھ رہنے سے گھر کے ایک فرد کی حیثیت اختیار کر جائے گی اور صفائی، لباس، خوراک اور بستر میں سردار مالک کے ہاں قابل اعتنا ہو گی۔

(4) جو مسلمان آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استعداد نہیں رکھتا، وہ لونڈی کے ساتھ نباہ اور مجامعت کی صورت میں اچھی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ⊙ یہ بھی اس پر تخفیف اور رحمت کی ایک صورت ہے۔

❀ **ام ولد کے احکام:** (1) جملہ امور، مثلاً: خدمت، وطی، آزادی، حد، پردہ اور نکاح میں یہ مکمل لونڈی کی طرح ہے، البتہ اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ ﷺ نے اس کی بیع سے منع کیا ہے، نیز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اس پر فتویٰ ہے۔ [1] اور اس لیے بھی کہ اس کی بیع کا جواز، اس متوقع آزادی کے منافی ہے جو اسے مالک کی موت کی صورت میں حاصل ہو جائے گی۔

(2) مالک کی موت کے نتیجے میں یہ آزاد قرار پائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَيُّمَا أَمَةٍ وَّلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا فَهِيَ حُرَّةٌ بَعْدَ مَوْتِهِ»

''جو لونڈی اپنے سردار کا بچہ جنم دے چکی ہے، وہ اس کی موت کے بعد آزاد ہے۔'' [2]

(3) لونڈی کا بچہ مکمل تخلیق و تصویر کے بعد اگر ساقط ہو جائے تو بھی وہ ام ولد ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

«إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ مِنْ سَيِّدِهَا فَقَدْ عَتَقَتْ، وَإِنْ كَانَ سِقْطًا»

''جب لونڈی اپنے سردار سے بچہ جنم دے، خواہ وہ ناتمام ہی ہو تو وہ آزاد ہو جائے گی۔'' [3]

(4) ام ولد مسلمہ ہے یا کافرہ، وہ آزاد ہو گی، تاہم بعض علماء کافرہ کی آزادی کے قائل نہیں ہیں مگر نص کا عموم اس میں فرق نہیں کرتا اور جمہور کا مسلک بھی یہی ہے۔

(5) مالک کی وفات کے بعد ام ولد آزاد ہو گی۔ لیکن اس کے ساتھ جو مال ہے، وہ مالک کے ورثاء کا ہے، اس لیے کہ سردار کی موت سے پہلے وہ لونڈی تھی اور لونڈی کا مال سردار کی ملکیت ہوتا ہے، جو اب ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

(6) مالک کی وفات کے بعد ام ولد ایک ماہواری بطور ''استبرائے رحم'' انتظار کرے گی، اس لیے کہ وہ آزادی کے بعد

❀ اگر مالک اس کی خدمت کا محتاج ہے جس کی وجہ سے نہ وہ اسے آزاد کرتا ہے اور نہ ہی کسی سے اس کی شادی کرتا ہے اور اسے اس سے ہم بستر ہونے سے بھی روک دیا جائے تو لونڈی لازماً بدکاری کی راہ اختیار کرے گی اس کا حل اسلام نے یہ نکالا کہ مالک کو اس سے ہم بستر ہونے کی قانونی اجازت دے دی، یہ اجازت صرف مالک کو ہے نہ کہ اس کے کسی عزیز کو۔ (ع،ر) ⊙ کیونکہ آزاد عورت کی نسبت لونڈی کے حقوق کی ادائیگی آسان ہے۔ (ع،ر) [1] [صحيح] الموطأ للإمام مالك، حديث: 1532، وسنن الدارقطني: 4/135,134. [2] [ضعيف] سنن ابن ماجه، العتق، باب أمهات الأولاد، حديث: 2515، والمعجم الكبير للطبراني: 11/209 واللفظ له. اس کی سند حسین بن عبداللہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ [3] المغني والشرح الكبير: 12/490.

اس کی ملکیت سے خارج ہو رہی ہے۔

ولاء کا بیان

❁ **ولاء کی تعریف:** آزادی کے نتیجے میں غلام کا آزاد کرنے والے کے ساتھ جو تعلق و رشتہ قائم ہوتا ہے، اسے ولاء کہتے ہیں اور آزاد کرنے والا اس کا عصبہ قرار پاتا ہے۔ غلام کے مرتے وقت اگر اس (غلام) کا کوئی عصبہ نسبی نہیں ہے تو یہ آزاد کرنے والا اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے عصبات (رشتہ دار) اس آزاد شدہ غلام کے وارث ہوتے ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ» ''ولاء کا حق اس کے لیے ہے جس نے آزاد کیا ہے۔''[1]

❁ **ولاء کا حکم:** ولاء مشروع اور جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ﴾ ''یہ غلام تمھارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔''[2] اور آپ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ» ''(وراثت) ولاء اس کے لیے ہے جس نے (غلام کو) آزاد کیا ہے۔''[3]

اور آپ نے یہ بھی فرمایا: «اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ، لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ»

''ولاء نسب کے تعلق کی طرح ایک تعلق ہے۔ اسے نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔''[4]

❁ **ولاء کے احکام:** ① جس طرح بھی غلام آزاد ہوا ہو مکاتبت کے ذریعے یا تدبیر کی صورت میں یا کسی اور ذریعے سے (بہر صورت) ولاء اس شخص کے لیے ہوگی جس نے اسے آزاد کیا۔

② ولاء نہ بیچی جا سکتی ہے اور نہ ہبہ کی جا سکتی ہے۔ بنا بریں یہ تعلق بیع و ہبہ وغیرہ کے ذریعے سے کسی اور کی طرف منتقل بھی نہیں کیا جا سکتا،❀ اس لیے کہ یہ ایک نسب ہے اور نسب فروخت کی جانے والی چیز نہیں ہے اور نہ کسی حال میں اسے ہبہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ آپ کا فرمان عالی ہے: «اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ، لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ»

''ولاء نسب کی طرح ایک تعلق ہے، جسے نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔''[5]

③ ولاء میں آزاد کرنے والا مرد ہے یا عورت، وہ آزاد کردہ غلام یا لونڈی کا وارث ہوگا۔ اگر آزاد کرنے والا شخص اپنے آزاد کردہ غلام کی وفات کے وقت زندہ موجود نہیں تو اس کے عصبہ نسبی وارث ہوں گے، وہ بھی مرد، عورتیں وارث نہیں ہوں گی جیسا کہ ''علم میراث'' میں اس کی توضیح ہو چکی ہے۔

❀ آزاد کرنے والا اپنے علاوہ کسی دوسرے شخص کو ولاء کا حق دار نہیں بنا سکتا، پیسے کے لالچ میں نہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔ (ع، ر)

① صحيح البخاري، البيوع، باب الشراء والبيع......، حديث: 2156، وصحيح مسلم، العتق، باب بيان أن الولاء......، حديث: 1504. ② الأحزاب 5:33. ③ صحيح البخاري، البيوع، باب الشراء والبيع......، حديث: 2156، وصحيح مسلم، العتق، باب بيان أن الولاء......، حديث: 1504. ④ [صحيح] المعجم الأوسط للطبراني: 189/2، حديث: 1340، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 240/6 و 293,292/10 والمستدرك للحاكم: 341/4. یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ مل کر صحیح ہے۔ ⑤ [صحيح] المعجم الأوسط للطبراني: 189/2، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 240/6 و 293,292/10، والمستدرك للحاكم: 41/4.

بعض کتابیں اپنی اہمیت کے اعتبار سے نہایت مفید ہوتی ہیں۔ انھیں بار بار پڑھنے سے بھی دل سیر نہیں ہوتا۔ ان کے مطالعے سے ذہن کو بالیدگی اور روح کو تازگی ملتی ہے اور بھلائی کے امکانات کی ایک وسیع دنیا سامنے آتی ہے۔

منہاج المسلم ایسی ہی عظیم کتابوں میں سے ایک ممتاز کتاب ہے، اس میں کتاب و سنت کی روشنی میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں دلوں میں اتر جانے والے بیش بہا اسباق چمک رہے ہیں۔

زبان آسان، عام فہم اور سادہ ہے۔ عقائد ہوں یا عبادات کا بیان، اخلاقیات کے مختلف پہلو ہوں یا اسلامی آداب و حقوق کا تذکرہ، احکام تجارت ہوں یا معاشرتی معاملات، وراثت کے مسائل ہوں یا عائلی قوانین، قصاص و دیت کے اصول ہوں یا قضاء کے مسائل سبھی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب دین حنیف کی تعلیمات کا ایک عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا ہے۔

ISBN 969574105-3
9 789695 741054

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاهور • کراچی
اسلام آباد • لندن • هیوسٹن • نیو یارک
DARUSSALAM